شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

★

ناشر

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار۔ لاہور

طلب العلم فريضة على كل مسلم

شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی ف ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء

کے

مکتوبہ و مصدقہ فتاویٰ کا بےنظیر مجموعہ

فتاویٰ نذیریہ

مبوّب و مترجم

جلد دوم

— ناشر —

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور

طبع دوم ، ۱۹۷۱ء / ۱۳۹۰ھ

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۵

طابع .... شیخ محمد اشرف

ناشر .... اہلحدیث اکادمی لاہور

مطبع .... اشرف پریس لاہور

تاریخ اشاعت

طبع اول ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۳ء

طبع دوم ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۱ء

قیمت

جلد اول مجلد .... ۱۸ روپے

جلد دوم مجلد .... ۱۵ روپے

جلد سوم مجلد .... ۱۲ روپے

کامل سیٹ .... ۴۵ روپے

فہرست مضامین استفتاہائے مجموعہ فتاویٰ نذیریہ جلد ثانی

کتاب الاذکار والدعوات والقرأۃ

تتمہ

کتاب الربوٰا

کتاب الاجارۃ

کتاب الرہن

کتاب الھبۃ

كِتَابُ الشُّرُوطِ

كِتَابُ الوَقْفِ

کِتَابُ الْحُقُوقِ وَالدَّعْویٰ وَالْاِقْرَارِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تصدیر

اللہ عزوجل کی توفیق سے علمائے اہل حدیث کثر اللہ سوادھم نے برصغیر میں اسلام کی تجدیدی خدمات کے سلسلے میں ایک بنیادی خدمت یہ ہے کہ "فقہ الحدیث" کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں مدلل اور ٹھوس قسم کی کتابوں کا ایک وافر ذخیرہ نہ صرف کر تیار بلکہ طبع و اشاعت کے ذریعہ (متحدہ) ہندوستان کے کونے کونے تک ان کو پھیلا بھی دیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

"فقہ الحدیث" کا موضوع اسلام کی پوری تعلیم پر حاوی ہے جس میں عقائد، عبادات، معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق وغیرہ سارے مسائل پر خالص قرآن و حدیث کی تصریحات اور سلف امت ــــ صحابہ و تابعین و فقہائے محدثین ــــ کی تنقیحات کی روشنی میں مسائل کا حل موجود ہے اس معتدل طریق فکر و عمل سے روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ مثال کیلئے اس مبارک فن ــــ فقہ الحدیث ــــ کی ایک اہم کتاب "فتاویٰ نذیریہ" کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

فتاویٰ نذیریہ ــــ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلہ فکر کے گل سرسبد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید محمد نذیر حسین [ف $\frac{1320}{1902}$ھ] نور اللہ مرقدہ اور آپ کے تلامذہ کرام کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک عظیم مجموعہ ہے جو بیشتر تحقیقات نادرہ پر مشتمل ہے گو یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلے میں ہر شخص کسی مفتی سے اتفاق کرسکے یا یہ کہ کسی استدلال میں کوئی خامی نہ ہو۔

دو ضخیم جلدوں کا یہ فتاویٰ حضرت موصوف کے دو خصوصی شاگردان رشید حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادیؒ [ف $\frac{1329}{1911}$ھ] اور مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ [ف $\frac{1353}{1932}$ھ] کی مساعی حسنہ نیز نظر ثانی اور حضرت مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ [ف $\frac{1381}{1961}$ھ] کی تصحیح و مختصر تعلیقات سے حضرت اقدس کے نبیرگان کے اہتمام سے $\frac{1333}{1913}$ھ میں دہلی سے شائع ہوا۔

یہ فتاویٰ کافی مدت سے اب بالکل ناپید ہوگیا تھا جب کہ اس کی ضرورت بعض وجوہ سے سابقہ دور سے بھی زیادہ ہے قدیم تعلم کے علماء، طلبا اور متوسط درجے کے عوام کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی ایک حلقہ فقہ الحدیث کی کسی جامع سی کتاب کا متلاشی ہے۔

چند سال ہوئے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف نے "اہل حدیث اکادمی" کے منصرم جناب شیخ محمد اشرف صاحب سے مزید تنقیح کے بعد فتاویٰ نذیریہ کی طبع ثانی کی ضرورت واہمیت بیان کی تو شیخ صاحب آمادہ ہو گئے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ (گوجرانوالہ) نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان فتاویٰ میں آمدہ عربی فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے بھی ساتھ ہو جائیں تاکہ اردو دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے چنانچہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء میں کام شروع کر دیا گیا۔ اور چار سال کی محنت شاقہ اور صرف زر کثیر کے بعد بحمد اللہ پوری کتاب ــــ جو اب تین ضخیم جلدوں میں ہے ــــ طباعت کے سارے مراحل طے کر کے نظر نواز ناظرین ہے۔

موجودہ اشاعت چند باتوں میں سابقہ اشاعت سے ممتاز نظر آئے گی۔

- بعض مسائل، متعلقہ ابواب کے سوا دوسرے ابواب میں ضمناً آ گئے تھے (مثلاً نماز کے بعض مسائل بیوع یا نکاح (مثلاً) کے سوالات کے ساتھ مذکور ہوئے تھے) لیکن موجودہ اشاعت میں ان سے اکثر کو ہر مسئلہ متعلقہ موضوع کے تحت لانے کی کوشش کی گئی ہے۔
- عموماً عربی اور فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے حاشیہ میں کر دیئے گئے ہیں۔
- فہرست مضامین سابق سے زیادہ تفصیلی ہے۔
- فتاویٰ میں مذکور مفتیان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اور مصدقین کے اسمائے گرامی کی ایسی فہرست آخر میں لگا دی گئی ہے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ کس کس مفتی یا مصدق کا فتویٰ یا تصدیق، کون کونسے صفحہ میں ہے

امید ہے کہ یہ کاوش افادیت میں اضافہ کا سبب ہو گی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اشاعت دین کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اخلاص کی نعمت سے نوازے آمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم۔

یوم الترویہ ۱۳۹۰ھ

خاکسار۔ نذیر احمد سبحانی

منیجر اہل حدیث اکادمی لاہور

تمہید

(طبع اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا اَسْبَغَ عَلَيْنَا نِعْمَةً فِي الْقَدِيْمِ وَالْحَدِيْثِ وَاَرْسَلَ اِلَيْنَا رَسُوْلَهُ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ بِاَحْسَنِ الْحَدِيْثِ الَّذِيْ بَيَّنَ لَنَا مَا اُحِلَّ لَنَا فِيْهِ مِنَ الطَّيِّبِ وَحَرَّمَ عَلَيْنَا مِنَ الْخَبِيْثِ وَوَضَعَ عَنَّا آصَارَ الرُّسُوْمِ وَاَغْلَالَ الْاَوْهَامِ فَسِرْنَا بِلَغْطِهِ السَّيْرَ الْحَثِيْثَ وَاَوْصٰى اِلٰى اَصْحَابِهٖ وَخُلَّصِ اَحْبَابِهٖ اَنْ يُبَلِّغُوْا عَنْهُ مَا سَمِعُوْا مِنَ الْحَدِيْثِ فَبَذَلُوْا جُهْدَهُمْ فِيْ اِشَاعَةِ عِلْمِهٖ وَاِذَاعَةِ اَمْرِهٖ بِالسَّيْرِ السَّرِيْعِ وَالطَّلَبِ الْحَثِيْثِ فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى مَنْ جَلَسَ مَجَالِسَ الْعِلْمِ الْحَدِيْثِ۔

اَمَّا بَعْدُ اس مجموعہ فتاویٰ کے قدرے حالات ہدیہ ناظرین کرنے بھی خالی از دلچسپی نہیں اس لئے عرض ہے کہ حضرت مولانا شمس العلماء مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب المعروف میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو فتوے خود لکھے یا تلامذہ و فرزندان وغیرہم سے لکھوائے اور اُن کو اپنی مُہر و دستخط و اصلاح سے مزین فرمایا۔ اگر یہ سب دستیاب ہوتے تو یقیناً فتاویٰ عالمگیری سے چہار چند یا اس سے بھی زائد ہوجاتے مگر حضرت ممدوح کے زمانہ میں نہ اس کا خیال ہوا نہ نقل فتووں کی مہلت ملی گو چند سال عالی جناب مولوی سید محمد شریف حسین صاحب مرحوم والد ماجد احقران نے نقل کا التزام کیا مگر صاحب موصوف کی عمر نے وفا نہ کی اور چند حوادثات مثل کثرت برسات و تبدیلی مکانات وغیرہ سے یہ مجموعہ بھی مجموعہ پریشانی ہی میں رہا۔ اور سوء اتفاق سے ایک بار آتشزدگی نے سامان خانہ داری کے علاوہ اس مجموعہ پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر عجب اتفاق ہے کہ یہ مجموعہ بالکل ضائع نہ ہوا۔ البتہ اس کے درست و مرتب کرنے میں محنت کثیر و زر خطیر صرف کرنا پڑا اگرچہ اس کام میں دیر لگی اور حضرت میاں صاحب موصوف کے بعض معتقدین نے بعد انتظار بسیار نا امیدی سی اختیار کرلی مگر جن اجزائے سوختہ و پریشان اور جن جواہر زواہر کو فراہم و اندوختہ کرنا تھا اس کے مرتب و منسلک کرنے میں جناب

مولوی شمس الحق صاحب مرحوم ڈیانوی نے اور مولوی عبدالرحمان صاحب مبارک پوری نے جس قدر محنت و جانفشانی سے کام کیا ہے وہی اس کے شاہد عادل بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ فتاوی کس قدر و قیمت اور صرف سے مہیا و مرتب ہوئے ہیں ۔ الغرض علمائے کرام و ناظرین خواص و عوام سے استدعا ہے کہ جو سہو و اغلاط اس میں پائیں اس کی اصلاح فرما کر خاکساران کے ذمہ لگائیں اور جس قدر حظ و فائدہ ان سے اٹھائیں اس کے بدلے ہم فاجزان کو بھی دعا خیر میں شریک فرمائیں۔

ع بہائے چند دام جان خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

الملتمس سید محمد عبدالسلام و سید محمد ابوالحسن غفر لہما

(نبیرگان حضرت میاں صاحبؒ)

المجلد الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الاذکار والدعوات والقرأۃ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمیع امور نیک مثل وقت وضو یا کھانے یا پینے یا وقت جماع وغیرہ کے سوائے شروع سورہ قرآن شریف کے پوری بسم اللہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنی سنت ہے یا فقط بسم اللہ ہی پر اکتفا کرنا چاہیے اور درصورت پوری بسم اللہ پڑھنے کے بدعت ہو جاتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ میرے فہم میں یہ سب تشددات ہیں الفاظ ماثورہ پر اگر کچھ الفاظ حسنہ زیادہ ہو جاویں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تلبیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسی قدر تھا لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک[۱] اور عبداللہ بن عمرؓ اس پر یہ کلمات زیادہ کرتے تھے لبیک وسعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل[۲]۔ بہت مواضع میں ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور علماء اسلام الفاظ ماثورہ پر درود شریف اور دعوات میں بعض الفاظ زیادہ کرتے تھے اور یہ تعامل بلا نکیر جاری رہا نماز میں بھی اگر ادعیہ ماثورہ پر زائد دعا پڑھی جاوے تو کوئی مضائقہ نہیں دیکھو صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں ہے ایک شخص نے حضور رسول

[۱] میں تیری جناب میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں حمد اور نعمت تیری ہے بادشاہی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔ [۲] میں تیری بابرکت جناب میں حاضر ہوں بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے میں حاضر ہوں تمام رغبتیں اور عمل تیرے ہی لئے ہیں۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتا تھا تو میں یہ دعا پڑھی ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ جس وقت آپ نماز سے فارغ ہو گئے آپ نے فرمایا یہ کلمات کس نے پڑھے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے تین دفعہ فرمایا اصحابہ ساکت ہو گئے اور پڑھنے والا ڈر گیا کہ شاید آپ میرے پڑھنے سے ناراض ہو گئے آپ نے فرمایا من القائل فانہ لم یقل باسا یعنی کس نے یہ کلمات کہے ہیں اس نے کوئی بری بات نہیں کی پھر وہ شخص بولا انا قلتہا لم ارد بہا الا الخیر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت بضعۃ وثلاثین ملکا یبتدرونہا ایہم یکتبہا اولا یعنی تیس سے زیادہ کچھ فرشتے اس کے لکھنے کے واسطے آئے تھے ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کو پہلے لکھوں۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ ماثور پر زیادت جائز ہے کیونکہ یہ دعا اس شخص نے اپنی طرف سے ماثور پر زیادہ کی تھی اگر یہ تعلیم نبوی ہوتی تو خوف کس بات کا تھا جس سے وہ سکوت کرتا رہا اور جواب نہ دے سکا اسی طرح ایک شخص نے نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چھینک کر یہ دعا پڑھی۔ الحمد للہ کثیرا طیبا مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضی آپ نے نماز سے فارغ ہو کر دو دفعہ پوچھا یہ پڑھنے والا کون تھا کوئی نہ بولا تیسری دفعہ پھر پوچھا آخر وہ شخص بولا کہ یا رسول اللہ میں نے پڑھا قال[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لقد ابتدرہا بضعۃ وثلثون ملکا ایہم یصعد بہا آپ نے فرمایا کچھ اوپر تیس فرشتے دوڑے ان کلمات کے لئے کہ کون اوپر لے جاوے گا۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی حدیث میں تو فقط چھینک کے واسطے اس قدر وارد ہے الحمد للہ علی کل حال یہ زیادت اس شخص نے اپنی طرف سے کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی اس کے نظائر بکثرت ہیں اگر کل کا استیعاب کیا جاوے تو ایک مستقل کتاب بنے گی۔ غرضیکہ اس قسم کے زیادات بدعت سے نہیں بلکہ من تطوع خیرا فہو خیر لہ میں داخل

---

[۱] اے اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے بہت زیادہ تعریف پاکیزہ اور برکت والی تعریف [۲] سب تعریفیں اللہ ہی کی ہیں بہت زیادہ تعریف پاکیزہ اور برکت والی جیسی ہمارا رب پسند کرتا ہے اور جس پر راضی ہو [۳] ہر حال میں خدا کی تعریف ہے [۴] جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے۔

سید محمد نذیر حسین

ہیں فقط عبد الجبار عفی عنہ

ہو الموفق - اس مسئلہ کی تحقیق عون المعبود شرح سنن ابی داؤد صفحہ ۹۰ہ جلد ۴ میں بسط کے ساتھ کی گئی ہے من شاء زیادۃ التحقیق فلیراجع الیہ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ افضل الذکر لا الہ الا اللہ اگر کوئی شخص الا اللہ پر اکتفا کر کے الا اللہ ہی کا وظیفہ کرے تو بھی افضلیت کا ثواب حاصل کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر ایسا وظیفہ ناجائز ہے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے - بینوا توجروا۔

الجواب - جو شخص محض الا اللہ پر اکتفا کر کے اس کا وظیفہ کرے وہ افضلیت کا ثواب نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ شخص مذکور افضلیت کا ثواب جبھی حاصل کر سکتا ہے جب کہ محض الا اللہ کا وظیفہ افضل ہو حالانکہ شرع میں محض الا اللہ کے وظیفہ کی افضلیت کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ہے اس کے علاوہ یہ وظیفہ یعنی فقط الا اللہ ایک مہمل کلام ہے جس کا کوئی مضمون نہیں چنانچہ یہ بات بخوبی ظاہر ہے اس وظیفہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا پڑھنا گناہ ہے کیونکہ وظیفہ مذکورہ کا اختیار کرنا افضل الذکر میں تبدل تغیر کر کے اس کو مہمل بنانا ہے اور یہ صریح گناہ ہے ہاں البتہ اس وظیفہ کا پڑھنے والا اگر جاہل ہے اور اس کو اس وظیفہ کی خرابی کی خبر نہیں ہے تو اپنی جہالت کی وجہ سے معذور ہے مگر واقف ہونے کے بعد اس کا ترک کر دینا ضروری نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی

سید محمد نذیر حسین

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وظیفہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا جائز ہے یا نہیں - بینوا توجروا

الجواب - وظیفہ مجموعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ثابت نہیں ہے وظیفہ کے واسطے صرف لا الہ الا اللہ ہے واللہ تعالے اعلم حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق ۔ بے شک ذکر اور وظیفہ کے لئے صرف لاالہ الا اللہ اور ذکر لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا انضمام کسی روایت سے ثابت نہیں ۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے افضل الذکر لا الہ الا اللہ وافضل الدعاء الحمد للہ رواہ الترمذی وابن ماجۃ یعنی افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے اور افضل دعا الحمد للہ ہے روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے کذا فی المشکوۃ وقال الحافظ فی الفتح صفحہ ۷۶ جزو ۲۶ وحدیث افضل الذکر لا الہ الا اللہ اخرجہ الترمذی والنسائی وصححہ ابن حبان والحاکم ۔ اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ موسے علیہ السلام نے کہا اے رب مجھے کوئی ایسی شے بتا کہ اس کے ساتھ تجھ کو یاد کروں اور دعا کروں تو اللہ تعالے نے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ موسیٰؑ نے کہا اے رب اس کو تیرے تمام بندے کہتے ہیں میں ایسی شے چاہتا ہوں جس کو تو میرے ساتھ خاص کر دے اللہ تعالے نے فرمایا اگر ساتوں آسمان اور ان کے آباد کرنے والے میرے سوا اور ساتوں زمین ایک پلہ میں رکھی جاویں اور لا الہ الا اللہ ایک پلہ میں رکھا جاوے تو لا الہ الا اللہ والا پلہ جھک جاوے گا روایت کیا اس حدیث کو بغوی نے شرح السنۃ میں کذا فی المشکوۃ وقال الحافظ فی الفتح صفحہ ۷۷ جزو ۲۶ ۔ اخرج النسائی بسند صحیح عن ابی سعید عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال موسے یارب علمنی شیئاً اذکرک بہ قال قل لا الہ الا اللہ ثم ذکر الحافظ بنحو لفظ شرح السنۃ ۔ واللہ تعالے اعلم ۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال ۔ تکبیرات ایام تشریق کی امام ومقتدی کو آواز بلند سے کہنا چاہیے یا پوشیدہ ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ۔ امام ومقتدی دونوں کو تکبیرات ایام تشریق آواز بلند سے کہنا چاہیے ہکذا یستفاد من کتب الاحادیث والفقہ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق ۔ تکبیرات تشریق کے متعلق امام بخاری نے اپنے صحیح میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جو کچھ لکھا ہے اس کو مع ترجمہ یہاں لکھ دینا مفید معلوم ہوتا ہے ۔

قال الامام البخاری فی صحیحہ باب التکبیر ایام منی واذا غدا الی عرفۃ وکان عمر رضی اللہ عنہ یکبر فی قبتہ بمنی فیسمعہ اھل المسجد فیکبرون ویکبر اھل الاسواق حتی ترتج منی تکبیرا وکان ابن عمر یکبر بمنی تلک الایام وخلف الصلوٰۃ وعلی فراشہ وفی فسطاطہ ومجلسہ وممشاہ تلک الایام جمیعا وکانت میمونۃ تکبر یوم النحر وکن النساء یکبرن خلف ابان بن عثمان وعمر بن عبد العزیز لیالی التشریق مع الرجال فی المسجد انتہی حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں وقد اشتملت ھذہ الاثار علی وجود التکبیر فی تلک الایام عقب الصلوات وغیر ذلک من الاحوال وفیہ اختلاف بین العلماء فی مواضع فمنھم من قصر التکبیر علی الاعقاب الصلوات ومنھم من خص ذلک بالمکتوبات دون النوافل ومنھم من خصہ بالرجال دون النساء وبالجماعۃ دون المنفرد وبالمؤداۃ دون المقضیۃ وبالمقیم دون المسافر وبساکن المصر دون القریۃ وظاھر اختیار البخاری شمول ذلک للجمیع والاثار التی ذکرھا تساعدہ وللعلماء اختلاف ایضا فی ابتدائہ وانتہائہ فقیل من صبح یوم عرفۃ وقیل من ظہرہ وقیل من عصرہ وقیل من صبح یوم النحر وقیل من ظہرہ وقیل فی الانتہاء الی ظہر یوم النحر وقیل الی عصرہ وقیل الی ظہر ثانیۃ وقیل الی صبح آخر ایام التشریق وقیل الی ظہرہ وقیل الی عصرہ حکی ھذہ الاقوال کلہا النووی الا الثانی من الانتہاء وقد رواہ البیہقی عن اصحاب ابن مسعود ولم یثبت فی شئی من ذلک عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم حدیث اصح ما ورد فیہ عن الصحابۃ قول علی وابن مسعود انہ من صبح یوم عرفۃ الی آخر ایام منی اخرجہ ابن المنذر وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ یعنی صحیح بخاری میں ہے باب ایام منی کے تکبیر کے بیان میں اور جب کہ عرفہ کو جاوے اور عمر رضی اللہ عنہ مقام منی میں اپنے قبہ میں تکبیر کہتے تھے پس مسجد کے لوگ سن کر تکبیر کہتے اور بازار کے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ مقام منی تکبیر سے گونج اٹھتا اور ابن عمرؓ ان دنوں میں منی میں تکبیر کہتے تھے اور نمازوں کے پیچھے تکبیر کہتے تھے اور اپنے خیمہ میں اور بیٹھنے کی جگہ میں اور راستے میں تکبیر کہتے تھے منی کے تمام

دنوں میں اور میمونہؓ قربانی کے دن یعنی دسویں تاریخ تکبیر کہتی تھیں اور تشریق کی راتوں میں عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مسجد میں مردوں کے ساتھ تکبیر کہتی تھیں۔ فتح الباری میں ہے کہ امام بخاری نے جو یہ آثار نقل کئے ہیں سو ان آثار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان دنوں میں تکبیر تشریق کا وجود تھا نمازوں کے پیچھے بھی اور نماز کے علاوہ اور وقتوں میں بھی اور تکبیر تشریق کے متعلق علما کے درمیان کئی مقام میں اختلاف ہے سو بعض علما نے تکبیر تشریق کو نمازوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے (یعنی وہ کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق کو فقط نمازوں کے بعد کہنا چاہیئے اور دوسرے وقتوں میں نہیں) اور بعض نے فرض نمازوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے (یعنی وہ کہتے ہیں کہ صرف فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہنا چاہیئے اور نوافل کے بعد نہیں) اور بعض نے کہا صرف مردوں کو کہنا چاہیئے اور عورتوں کو نہیں اور جماعت سے نماز پڑھنے والے کو چاہیئے تنہا پڑھنے والے کو نہیں اور جو نماز ادا کی جاوے اس کے بعد چاہیئے قضا کے بعد نہیں اور مقیم کو چاہیئے مسافر کو نہیں اور شہر کے رہنے والے کو چاہیے دیہات کے رہنے والے کو نہیں اور امام بخاری کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان تمام لوگوں کو اور ان تمام وقتوں میں اور ان تمام جگہوں میں تکبیر تشریق کہنا چاہیئے اور امام بخاری کے اس مختار کی تائید آثار مذکورہ سے ہوتی ہے اور علما کے درمیان تکبیر تشریق کے ابتدا و انتہا میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں یوم عرفہ کی صبح سے شروع کرنا چاہیے۔ اور بعض نے کہا اس کی ظہر سے اور بعض نے کہا اس کی عصر سے اور بعض نے کہا کہ دسویں تاریخ کی صبح سے اور بعض نے کہا اس کی ظہر سے اور اس کا آخری وقت بعض نے دسویں تاریخ کی ظہر تک بتایا ہے اور بعض نے اس کی عصر تک اور بعض نے گیارہویں تاریخ ظہر تک اور بعض نے آخر ایام تشریق کی صبح تک اور بعض نے اس کی ظہر تک اور بعض نے اس کی عصر تک اور ان باتوں میں سے کسی بات کے متعلق کوئی حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور اقوال صحابہؓ میں زیادہ صحیح قول حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا ہے اور وہ یہ ہے کہ تکبیر تشریق یوم عرفہ کی صبح سے آخر ایام منیٰ تک ہے

اس کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بلاتبعیت ومتبعیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے امام یا اہل بیت یا اصحاب پر صلوۃ وسلام کہنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ واضح ہو کہ صلوۃ بلا تبعیت آنحضرت کے کسی پر جائز نہیں ہے ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں عن ابی حنیفہ لا یصلی علی غیر الانبیاء والملئکۃ ومن صلے علی غیرھما لا علی وجہ التبعیۃ فھو غال من الشیعۃ التی نسمیھا الروافض انتھی اور صاحب نیل الاوطار فرماتے ہیں ان اصل الصلاۃ الدعاء الا انہ یختلف بحسب المدعو لہ فصلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علے امتہ دعاء لھم بالمغفرۃ وصلوۃ امتہ دعاء لہ بزیادۃ القربۃ والزلفی ولذلک کانت لا تلیق بغیرہ انتھی سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۵۰۲ جزء ۱۹ میں لکھتے ہیں واستدل بھذا الحدیث علی جواز الصلوۃ غیر النبی صلے اللہ علیہ وسلم من اجل قولہ فیہ وعلی آل محمد واجاب من منع بان الجواز مقید بما اذا وقع تبعا والمنع اذا وقع مستقلا والحجۃ فیہ انہ صار شعار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا یشارکہ غیرہ فیہ فلا یقال قال ابو بکر صلے اللہ علیہ وسلم وان کان معناہ صحیحا ویقال صلی اللہ علی النبی وعلی صدیقۃ او خلیفۃ ونحو ذلک وقریب من ھذا انہ لا یقال قال محمد عزوجل وان کان معناہ صحیحا لان ھذا الثناء صار شعار اللہ سبحانہ فلا یشارکہ غیرہ فیہ ولا حجۃ لمن اجاز ذلک منفردا فیما وقع من قولہ تعالی وصل علیھم ولا فی قولہ اللھم صل علی آل ابی اوفی ولا فی قول امراۃ جابر صل علی وعلی زوجی فقال اللھم صل علیھما فان ذلک کلہ وقع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولصاحب الحق ان یتفضل من حقہ بما شاء ولیس لغیرہ ان یتصرف الا باذنہ ولم یثبت عنہ اذن فی ذلک ویقوی المنع بان الصلاۃ علی غیر النبی

صلی اللہ علیہ وسلم صار شعارا لاھل الاھواء یصلون علی من یعظمونہ من اھل
البیت وغیرھم وھل المنع فی ذلک حرام او مکروہ او خلاف الاولیٰ حکی الاوجہ
الثلاثۃ النووی فی الاذکار وصحح الثانی وقد روی اسمعیل بن اسحق
فی کتاب احکام القرآن لہ باسناد حسن عن عمر بن عبد العزیز انہ کتب اما
بعد ان ناسا التمسوا عمل الدنیا بعمل الآخرۃ وان ناسا من القصاص احدثوا
فی الصلوٰۃ علی خلفائھم وامرائھم عدل الصلوٰۃ علی النبی فاذا جاءک کتابی
ھذا فمرھم ان تکون صلوتھم علی النبیین ودعائھم للمسلمین ویدعوا
ما سوی ذلک ثم اخرج عن ابن عباس باسناد صحیح قال لا تصلح الصلوٰۃ
علی احد الا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولکن للمسلمین والمسلمات الاستغفار
انتھی۔ خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ حدیث قولوا اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد الخ سے اس بات کا استدلال کیا گیا ہے کہ غیر نبی صلی اللہ
علیہ وسلم پر درود بھیجنا جائز ہے اس واسطے کہ اس حدیث میں لفظ وعلی آل محمد
واقع ہے اور جو لوگ ناجائز کہتے ہیں انھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ غیر نبی پر درود
بھیجنا اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ تبعاً واقع ہو اور بلا تبعیت کے مستقل
طور پر ممنوع ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ مستقل طور پر درود بھیجنا رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے شعار ہو گیا ہے پس اس میں کوئی اور شخص آپ
کا مشارک نہیں ہو سکتا پس نہیں کہا جائے گا قال ابو بکر صلے اللہ علیہ وسلم
اگرچہ اس کے معنی صحیح ہیں بلکہ یوں کہا جائے گا صلے اللہ علی النبی وعلی صدیقہ او خلیفتہ
اور اسی کے قریب یہ بات ہے کہ یوں نہیں کہا جائے گا قال محمد عزوجل
اگرچہ اس کے معنی صحیح ہیں اس واسطے کہ یہ ثنا اللہ تعالیٰ کے لئے شعار ہو گیا ہے
پس کوئی اور شخص اس میں اس کا مشارک نہیں ہو سکتا اور جو لوگ غیر نبی پر
استقلالاً و انفراداً درود بھیجنے کو جائز کہتے ہیں اور آیۃ وصل علیھم اور حدیث
اللھم صل علی آل ابی اوفی اور حدیث امرأۃ جابر صل علی وعلی زوجی نقل
اللھم صل علیھما سے استدلال کرتے ہیں سو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ یہ سب رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے واقع ہوا ہے اور صاحب حق کو اختیار ہے کہ اپنے حق میں

ہے جس کو چاہے تفضل کرے اور غیر کو بلا اذن اس کے حق میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں اذن ثابت نہیں اور غیر نبی پر درود بھیجنے کی ممانعت کی تائید و تقویت اس سے ہوتی ہے کہ اہل ہوا کا یہ شعار ہو گیا ہے کہ وہ اہل بیت وغیرہم میں سے جس کی وہ تعظیم کرتے ہیں اس پر درود بھیجتے ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت کس صورت کی ہے آیا حرام ہے یا مکروہ یا خلاف اولی۔ نووی نے کتاب الاذکار میں تینوں صورتوں کی حکایت کی ہے اور دوسری صورت کی تصحیح کی ہے اور اسمعیل بن اسحق نے اپنی کتاب احکام القرآن میں باسناد حسن روایت کی ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے لکھا ہے کہ چند لوگ ایسے ہیں جو عمل دنیا کو عمل آخرت کے ساتھ ڈھونڈتے ہیں اور بعض قصاص نے یہ بات نکالی ہے کہ جس طرح نبی پر درود بھیجا جاتا ہے اسی طرح پر اپنے خلفاء و امراء پر درود بھیجنے کو کہتے ہیں پس جب میرا یہ خط پہنچے تو ان کو حکم کر کہ انبیاء پر درود بھیجیں اور مسلمانوں کیلئے دعا کریں اور اس کے ماسوی کو ترک کریں پھر اسمعیل بن اسحق نے باسناد صحیح ابن عباس سے روایت کی ہے کہ بجز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور پر درود بھیجنا لائق نہیں ہاں مسلمین اور مسلمات کے لئے استغفار کرنا چاہیئے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۵۸ جز ۲۶ میں مسئلہ صلوٰۃ علی غیر النبی کو کتاب الدعوات باب ہل یصلی علی غیر النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تحت میں زیادہ بسط و تفصیل سے لکھا ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافات ہیں ان کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے اور عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے والذی امیل الیہ قول مالک وسفیان وھو قول المحققین من المتکلمین والفقہاء قالوا یذکر غیر الانبیاء بالرضا والغفران والصلوۃ علی غیر الانبیاء یعنی استقلالا لم تکن من الامر المعروف وانما احدث فی دولۃ بنی ھاشم۔ یعنی عیاض کہتے ہیں کہ میرا میلان مالک اور سفیان کے قول کی طرف ہے اور محققین متکلمین اور فقہا کا بھی یہی قول ہے اور وہ یہ کہ غیر انبیاء کو رضا اور غفران کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور صلوٰۃ غیر انبیاء پر امر معروف سے نہیں تھا یہ تو دولت بنی ہاشم میں محدث ہوا ہے واللہ تعالے اعلم بالصواب کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال ما قولکم فی ختم القرآن فی لیلۃ واحدۃ ویکون الجواب مفصلا مع مالہ وما علیہ

الجواب - اختلف السلف فی ختم القرآن فی لیلۃ واحدۃ قال الترمذی فی جامعہ قال بعض اھل العلم لا یقرأ القرآن فی اقل من ثلاث للحدیث الذی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورخص فیہ بعض اھل العلم وروی عن عثمان بن عفان انہ کان یقرأ القرآن فی رکعۃ یوتر بھا وروی عن سعید بن جبیر انہ قرأ القرآن فی رکعۃ فی الکعبۃ والترتیل احب الی اھل العلم انتھی قلت الاولی ان لا یختم فی اقل من ثلاث للحدیث المروی عن عبد اللہ ابن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لم یفقہ من قرأ القرآن فی اقل من ثلاث رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی واللہ اعلم بالصواب المجیب سید عبد الوھاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرأت وتلاوت قرآن مجید میں شارع کی جانب سے کوئی حد مقرر ہے یا قاری کی نوبت شوق پر موقوف ہے جیسا کہ امام نووی وابن حجر وغیرہما شراح محدثین رحمہم اللہ لکھتے ہیں۔ اگر کوئی حد مقرر ہے جیسا کہ عمرو بن العاص کی روایت سے جو صحاح وسنن میں علی اختلاف الروایات اعلیٰ مدت ایک ماہ و اقل مدت تین روز بعض محدثین

سوال - کیا ایک ہی رات میں سارا قرآن مجید پڑھ جانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمادیں۔

الجواب - ایک ہی رات میں قرآن مجید ختم کرنے کے متعلق سلف میں اختلاف تھا امام ترمذی نے اپنی جامع میں کہا ہے کہ بعض اہل علم تین رات سے کم عرصہ میں قرآن ختم کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے کیونکہ حدیث میں اسی طرح آیا ہے اور بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے حضرت عثمان نے وتر کی ایک ہی رکعت میں قرآن ختم کیا۔ سعید بن جبیر ایک ہی رکعت میں خانہ کعبہ میں قرآن ختم کیا۔ اور آہستہ پڑھنا اہل علم پسند کرتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن تین دن سے کم میں پڑھا اس نے قرآن نہ سمجھا۔ واللہ اعلم۔

نے سمجھا ہے تو بنا بریں کوئی کم و بیش میں اس سے ختم کرے تو وہ حد شارع سے تجاوز کرنے والا ہے یا نہیں اور جو حد شارع سے تجاوز کرے وہ عند الشارع مذموم اور بدعت و ناجائز ہوگا یا نہیں زید کہتا ہے کہ اس میں حد و مدت مقرر نہیں ہے اور عمرو بن العاص کی طاقت بموجب وہ تعلیم تھی اس کے بعض طرق میں صرف تین روز سے کم کے پڑھنے میں عدم فہم کی تصریح ہے نہ عدم جواز تلاوت کی کیونکہ فہم معانی کے ساتھ قرات مشروط نہیں ورنہ یہ تعلیم ناظرہ خوانی و حفاظ کی ناجائز ٹھیرے گی علاوہ بریں ایک جماعت اکابرین صحابہ جن میں بعض خلفائے راشدین مثل حضرت عثمان و علی و عبداللہ بن زبیر بھی ہیں و ایک جماعت تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے ایک ایک دن میں متعدد ختم کی روایات صحیحہ قیام اللیل محمد بن نصر مروزی و طحاوی و اسد الغابہ و اصابہ فی تمیز الصحابہ وغیرہا میں مذکور ہیں پھر یہ امر سلف صالحین سے باتفاق کثیرہ ثابت ہو وہ بدعت و ناجائز کیسے ہوگا امید کہ جواب مختصر محقق سے سرفراز فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

الجواب - واضح ہو کہ حدیث شریف سے تعیین و تحدید تلاوت قرآن مجید کی معلوم نہیں ہوتی اور آنحضرت کا فرمانا عمرو بن العاص کو تین دن سے کم میں نہیں پڑھ سکے دو وجہ تھیں اولاً تقدیر بہ سہ یوم کی ان کی قوت و طاقت کے حسب حال تھی یعنی آپ نے ان میں اسی قدر طاقت لسانی و قوت جسمانی معلوم فرمائی تھی کہ تین روز میں بلا تعب و نصب تمام کر لیں گے۔ اس لئے آپ نے ان کو تین ہی دن میں قرآن مجید تمام کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ثانیاً آپ اس عمل کو بہت پسند فرماتے تھے کہ جس پر مداومت ہو سکے اور اس قدر مداومت کرنا عمرو بن العاص کا ممکن جانتے تھے لہذا تین دن کی اجازت دی پس یہ حدیث تعیین پر نہیں دلالت کرتی تو جو لوگ ایک دن یا کم و بیش میں مع حفظ رعایت ترتیل نہ جیسا کہ فی زمانا مروج ہے کہ سوائے یعلمون تعلمون کے دوسرے الفاظ معلوم نہ ہوں ختم کریں حد شارع سے نہیں متجاوز ہوں گے۔ لیکن تین روز میں ختم کرنا اولیٰ و افضل ہے۔

سید محمد نذیر حسین - ۲۱ شوال ۱۳۱۸ھ ہجری -

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ تسبیح کا پڑھنا بازار میں اور دوکان وغیرہ مواضع پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا۔

الجواب۔ بحکم آیت لا تلھیھم[1] تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ بازار میں اور دکان وغیرہ مواضع پر تسبیح و تہلیل و تحمید و ذکر اللہ جائز ہے بشرطیکہ ریا سے خالی ہو اور اظہار صلاح و تقوے کی غرض سے نہ ہو اور مکر و فریب کے لئے ہاتھ میں تسبیح لئے پھرنا اور بازار میں اور دکان وغیرہ مجمع عام میں بیٹھ کر سبحہ گردانی کرنا سخت ممنوع و ناجائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ اذکار اور جملہ عبادات کے لئے اخلاص اور نیت نیک نہایت ضروری ہے۔ ریائی ذکر اور مکر و فریب کی عبادت محنت برباد گناہ لازم کی مصداق ہے۔ نیت کا حال تو خدا کو معلوم مگر دکان وغیرہ مناظر عام پر بیٹھ کر تسبیح پڑھنا اور بازاروں میں سبحہ گردانی کرتے پھرنا بظاہر ریا سے خالی نہیں۔ ریاکار مکار کی تسبیح گردانی کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سبحہ بر دست توبہ بر لب دل پر از ذوق گناہ *(?)* ۔ دل بگرد ان مرا چہ سبحہ گردانی

ہاں یہ بھی واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس تسبیح مروجہ کا وجود نہیں تھا۔ علامہ قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں تحت حدیث من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعۃ فاستمع وانصت غفرلہ ما بینہ وبین الجمعۃ وزیادۃ ثلثۃ ایام ومن مس الحصی فقد لغا المراد بمس الحصی تسویۃ الارض للسجود فانھم کانوا یسجدون علیھا وقیل تقلیب السبحۃ وعدھا ذکرہ الطیبی وفیہ ان السبحۃ المعروفۃ لم تکن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ انتہی واللہ تعالے اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

---

[1] وہ ایسے آدمی ہیں کہ ان کو خرید و فروخت خدا کی یاد سے نہیں روک سکتی ہے جو آدمی اچھی طرح وضو کرکے جمعہ کے لئے آئے اور خطبہ خاموشی سے سنے اس کے گناہ پچھلے جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک دس دن کے زائد گناہ بھی بخشے جاتے ہیں اور جس نے کنکری کو چھوا اس نے لغو کیا کنکری کو ہاتھ لگانے سے مراد سجدہ کے لئے زمین کو برابر کرنا ہے اور بعض نے اس کا مطلب تسبیح پھیرنا لیا ہے

سوال۔ ما قول العلماء الحنفیہ رحمہم اللہ کہ ذکر جہر فی غیر ما ورد بہ الشرع جائز است مع الکراہتہ یا بلا کراہتہ در مذہب حنفی وتمسک ایشان درین باب چیست پس امر محقق دران ہرچہ باشد از کتب معتبرہ فقہ حنفیہ ارقام فرمایند۔ بینوا توجروا

الجواب۔ باید دانست کہ عامہ سلف از صحابہ وتابعین بکراہتہ رفع صوت در دعا وذکر قائل بودند واصحاب متبعہ وغیرہم متفق اند بر عدم استحباب رفع صوت بذکر ونزد مالک محدث است وازین جا است کہ اخفا در اذکار وادعیہ بقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ انہ لا یحب المعتدین در مذہب حنفی لازم وواجب گشتہ ماسوائے موارد ماثورہ مخصوصہ کہ تفصیلش در کتب فقیہہ معتبرہ مذکور است چراکہ لفظ ادعوا صیغہ امر ظاہر برائے وجوب است ونزدلد باب اصول فقہ مقرر گشتہ کہ امر مطلق برائے وجوب مے شود۔ عند الجمہور موجب الامر ۔۔۔ الالزام الا بدلیل کذا فی الحسامی وغیرہ من کتب الاصول الحنفیہ وضد امر موجب کراہت می گردد والمختار عندنا ان الامر بالشیء یقتضی کراہتہ ضدہ کذا فی کتب الاصول الحنفیہ ولہذا در کتب معتبرہ حنفیہ مانند ہدایہ وجوہر نیرہ وکفایہ وعنایہ وفتح القدیر وعینی وبحر الرائق وقاضی خان واشباہ ودر مختار وغیرہ ذکر جہری را از کراہتہ وبدعت نوشتہ ومبنی کراہتہ وبدعت نوشتن ایشان بر مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمین است کہ اینجا امر برائے وجوب است وعمل بضد آن موجب کراہتہ واعتقاد بضد آن سبب بدعت میشود ودر تفسیر کبیر وتفسیر نیشا پوری نیز وجوب اخفاء در دعا وذکر اسم من اسماء اللہ تعالیٰ از امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نقل نمودہ وصاحب تفسیر کبیر تحت آیت کریمہ انہ لا یحب المعتدین مینویسند فی ترک ہذین الامرین المذکورین ہما التضرع والاخفاء کما سیاتی قولہ مفصلا۔ پس

چونکہ یہ موجودہ تسبیح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی لوگ کنکریوں پر ہی تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ سوال۔ علمائے حنفیہ کے نزدیک ذکر جہر ماسوائے مسنون جگہوں کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو مکروہ بھی ہے یا نہیں اور اس کی دلیل کیا ہے جو کچھ حنفی فقہ کی معتبر کتابوں سے آپ کو معلوم ہوا ہو اسے تحریر فرمائیں۔ الجواب۔ صحابہ اور تابعین میں سے اکثر نے ذکر جہر کے

کمال تہدید درین واقع شدہ کہ ترک آن سبب عدم محبت الہی بر تارک تضرع و اخفاء در دعا و ذکر خواہد بود و این مشعر بر کراہت تحریمی است کما لا یخفی علی المتدبر قال فی فتح القدیر والاصل فی الاذکار الاخفاء والجہر بہا بدعۃ انتہی۔ جائیکہ بدعت را مطلق گذارند بدعت سیئہ مرادمی باشد چنانچہ از عبارات کتب فقہیہ معلوم میشود و درین قیاس کراہت مطلقا بر کراہت تحریمی محمول می گردد چنانکہ در بحر الرائق بواسطہ امام ابویوسف از امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نقل نمودہ و در طحطاوی نیز نوشتہ و تشنیع محمود عینی در شرح تحفہ بر آن کسانیکہ ذکر جہر التزام می کنند از صوفیہ نیز دلالت بر تحریمی می نماید زیراکہ ملامت و تشنیع اغلب بر تحریمی میشود نہ بر ترک اولیٰ۔ فی غایۃ البیان شرح الہدایہ فی تعلیل مذہب ابی حنیفہ لان الجہر بالتکبیر بدعۃ بقولہ تعالی ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انتہی قال فی الکفایۃ شرح الہدایۃ ان الجہر بالتکبیر بدعۃ وفی البحران الجہر بالتکبیر بدعۃ فی کل وقت الا فی المواضع المستثناۃ وصرح قاضی خان فی فتاواہ بکراہتہ الذکر جہرا وتبعہ علی ذلک صاحب المصفی وفتاوی العلامیۃ ویمنع الصوفیۃ من رفع الصوت والصفق وصرح بحرمۃ العینی فی شرح التحفۃ وشنع علی من یفعلہ مدعیا انہ من الصوفیۃ وفی البرہان شرح مواہب الرحمن رفع الصوت بالذکر

مکروہ ہونے کی قائل ہے تمام مذاہب تبعیہ کا اتفاق ہے کہ ذکر میں بلند آواز مستحب نہیں ہے۔ امام مالک ذکر جہر کو بدعت کہتے ہیں اللہ تعالے نے فرمایا ہے" اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا" احناف نے اسی آیت کی بنا پر اذکار و ادعیہ میں اخفاء کو لازم قرار دیا ہے ماسوائے ان مقامات کے جہاں ذکر جہر مسنون ہے ادعوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور واجب کا خلاف کراہت ہے اور جب کراہت کو مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے کتب اصول میں اس کی تفصیل موجود ہے چنانچہ ہدایہ۔ جوہرہ۔ کفایہ۔ عنایہ۔ فتح القدیر۔ عینی۔ بحر الرائق قاضی خاں میں ذکر جہری کو مکروہ اور بدعت لکھا ہے اور امام ابو حنیفہ کے مسلک کی بنیاد اسی آیت پر ہے۔ تفسیر کبیر میں انہ لا یحب المعتدین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ تضرع کا خلاف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی بلند آواز سے دعا و ذکر کرنے والے خدا کو پسند نہیں ہیں تو یہ مکروہ تحریمی کی تہدید و وعید ہے اور اصول فقہیہ بھی مقرر ہے کہ بدعت

بدعۃ لمخالفۃ قولہ تعالی واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الذکر الخفی فیقتصر فیہ علی الشرع وقد ورد فی الاضحی انتھی کلامہ ولہ ان الاصل فی الثناء ھو الاخفاء والشرع ورد بہ فی الاضحی لانہ یوم تکبیر ولذلک الاضطرابات ماعی فی الھدایۃ قولہ ولہ ای لابی حنیفۃ قولہ لان الاصل فی الثناء الاخفاء لقولہ تعالی واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول وقولہ علیہ الصلوۃ والسلام خیر الذکر الخفی ولانہ اقرب من الادب والتضرع وابعد من الریاء وقال علیہ السلام انکم لا تدعون اصم ولا غائبا وذکر ابن المنذر عن ابن عباس انہ سمع الناس یکبرون فقال ایکبرون الامام قیل لا قال مجانین الناس کذا فی العینی حاشیہ الھدایۃ وایضا قال فی الھدایۃ لان الجھر بالتکبیر بدعۃ انتھی لقولہ تعالی ادعوا ربکم تضرعا وخیفۃ کذا فی العینی لان الاصل فی الثناء الاخفاء قال اللہ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول وقال علیہ السلام خیر الذکر الخفی کذا فی الجوھرۃ النیرۃ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ فتقتصر علی مورد الشرع انتھی۔ مافی الدر المختار ویکرہ رفع الصوت بالذکر واذا اراد ان یذکر اللہ تعالی یذکر اللہ فی نفسہ کذا فی الخانیۃ اما جماعتے کہ ایں امر برائے استحباب وندب است نزد ایشاں پس جہر خلاف اولی یا مباح خواہد بود نہ بدعت وکراہت نزد ایشاں لیکن دریں خلاف جمہور لازم خواہد آمد و فی الفتح قال الطبری فیہ کراھۃ رفع الصوت بالدعاء والذکر وبہ قال عامۃ السلف من الصحابۃ و

مطلقہ سے مراد بدعت سیئہ ہوتی ہے اور تہجد بدخلاف اولی (مکروہ تنزیہی) پر نہیں ہوتی۔ غایۃ البیان شرح ہدایہ۔ کفایہ شرح ہدایہ۔ بحر الرائق وغیرہ میں لکھا ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بھی بدعت ہے البتہ ایام تشریق کی تکبیریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ فتاوے قاضی خاں مصنف فتاوی علامیہ میں ذکر جہر کو مکروہ لکھا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بہترین ذکر آہستہ ذکر کرنا ہے" کیونکہ ذکر خفی میں ادب اور تضرع پایا جاتا ہے ریا کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے" ابن عباس نے لوگوں کو بلند آواز سے

والتابعين انتهى كلامه فى باب ما يكره من رفع الصوت فى التكبير من صحيح البخاري فى كتاب الجهاد وكلبى وابن جريج گفتہ كہ مراد از اعتداء رفع صوت است در دعاو مؤيد قول ايشان اينكہ خدا تعالے امر بدعا خواستن را مقرون باخفا فرمودہ وثنا بران نمودہ وقال الكلبى وابن جريج من الاعتداء رفع الصوت فى الدعاء ويؤيده ان امر بالدعاء مقرونا بالاخفاء وظاهر الامر للوجوب وقد اثنى على زكريا عم فقال اذ نادى ربه نداء خفيا وعن النبى صلى الله عليه وسلم دعاء الاخفاء تعدل سبعين دعوة فى العلانية وعنه صلعم خير الذكر ما يخفى وخير الرزق ما يكفى ومن ههنا اختلف ارباب الطريقة ان الاولى فى العبادات الاخفاء ام الاظهار فقيل الاولى الاخفاء صونا لها عن الرياء وقيل الاولى الاظهار ليرغب غيره فى الاتباع قال الشافعى اظهار التامين افضل وقال ابو حنيفة الاخفاء افضل لانه ان كان دعاء وجب اخفاءه لقوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخيفة وان كان اسما من اسماء الله تعالى فكذلك لقوله تعالى اذكر ربك فى نفسك تضرعا وخيفة فان لم يثبت الوجوب فلا اقل من الندبية هذا ما انتهى مختصرا من التفسير النيشاپورى وآنچہ مجوزين ذكر

تکبیر کہتے سنا۔ فرمایا کیا یہ لوگ امام کو سناتے ہیں؟ کہا گیا نہیں تو فرمایا "یہ دیوانے لوگ ہیں"

جو لوگ اس امر (اُدعُوْ) کو استحباب پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک جہر خلاف اولیٰ ہوگا لیکن اس صورت میں جمہور کا خلاف لازم آئے گا اللہ تعالےٰ نے ذکریا علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور فرمایا "اس نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا" رسول اللہ صلعم نے فرمایا "آہستہ دعا کرنا بلند آواز سے دعا کرنے سے ستر درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے" اور فرمایا "بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے ارباب طریقت میں ذکر جہر کے متعلق اختلاف ہے بعض ذکر خفی کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس میں ریا نہیں ہے اور بعض ذکر جہر کو بہتر سمجھتے ہیں تاکہ اور دل کو بھی ترغیب ہو امام شافعی بلند آواز سے آمین کہنے کو بہتر سمجھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ آہستہ کہنے کو افضل جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آمین یا دعا ہے یا خدا کا نام ہے اور دعا اور ذکر دونوں میں اخفا بہتر ہے۔

جو لوگ ذکر جہر کو جائز سمجھتے ہیں وہ ابن عباس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کو صحابہ کی تکبیر سے معلوم کر لیتا تھا اس سے

جہر را بقول ابن عباسؓ قال کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر متفق علیہ اثبات مشروعیہ وستحبہ آن می کنند پس جوابش از طرف علماء مذہب حنفی بچند وجوہ دادہ می شود یکے آنکہ از ابن عباسؓ خلاف ایں در تفسیر انہ لایحب المعتدین نیز وارد شدہ وعن ابن عباس ایضا فی قولہ انہ لایحب المعتدین ای فی الدعاء کالذی یسالہ درجۃ الانبیاء او عمل من لا یستحقہ او الذی یرفع صوتہ عند الدعاء کذا فی القسطلانی شرح البخاری من سورۃ الاعراف دوم آنکہ مراد از تکبیر مطلق ذکر است درین حدیث ذکر جہر بسبیل ملادمت نبود بلکہ برائے قصد تعلیم صفت ذکر چنانکہ بیہقی وامام نووی از امام شافعیؒ نقل کردہ ونیز شیخ الاسلام در ترجمہ صحیح بخاری نوشتہ کہ حمل کرد امام شافعی رفع صوت را بر تعلیم صفت ذکر نہ آنکہ مدادمت می کردند بان ومختار آنست کہ امام وماموم آہستہ ذکر کنند مگر بقصد تعلیم ونزد امام مالک محدث است ابن بطال گفتہ کہ اصحاب مذہبہائے متبعہ وغیر ایشان متفق اند بر عدم استحباب رفع صوت بذکر سوائے ابن حزم ومنقول نہ شدہ یکے از سلف مگر اتفاقا بشکر انتہی ما فی ترجمۃ البخاری مختصراً قال ابن بطال اصحاب المذاهب المتبعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالتكبير والذكر حاشا ابن حزم وحمل الشافعي هذا الحديث على انه جهر ليعلمهم صفة الذكر لا انه كان دائما كذا في شرح البخاري وهكذا ذكر الامام النووي فی شرح مسلم وملا علی قاری در شرح مشکوٰۃ نیز افادہ فرمودہ کہ انچہ در بعض احادیث ذکر جہر ثابت شدہ بغیر مواضع مقررہ پس بنا بر تعلیم بود انتہی یا مے

معلوم ہوا کہ ذکر جہر درست ہے علمائے احناف نے اس کے چند جواب دیئے ہیں پہلا یہ کہ انہ لا یحب المعتدین کی تفسیر میں خود ابن عباس کا قول ہے کہ "دعا میں زیادتی یہ ہے کہ انبیاء کے درجہ کے حصول کی دعا کرے یا ایسے عمل کی دعا کرے جس کا وہ مستحق نہیں ہے یا بلند آواز سے دعا کرے" دوسرا یہ کہ یہاں تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے اور یہ گاہے بگاہے بطور تعلیم ہوتا تھا نہ کہ ہمیشہ چنانچہ امام بیہقی اور نووی نے امام شافعی سے یہی نقل کیا ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ ابن حزم کے سوا باقی تمام علماء نے ذکر برفع صوت کو غیر مستحب لکھا ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تکبیر سے مراد تکبیرات انتقال ہیں جیسا کہ علامہ طیبی نے اس کی تصریح کی ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ ایام

گویم کہ احتمال وارد این امر اتفاقی باشد نہ بطریق مواظبت لہذا قاضی عیاض گفتہ است کہ وے رضی اللہ عنہ صغیر بود شاید کہ درحضور بجماعت مواظبت نمی نمود و وجہ دوم اینکہ مراد ازین تکبیر تکبیر انتقالات است چنانکہ علامہ طیبی گفتہ و وجہ سوم اینکہ این تکبیر در ایام تشریق بمنا بود و این اوفق است بمذہب حنفیہ قال الشیخ فی اللمعات اختلفوا فی بیان المراد فقیل المراد بہ الذکر بعد الصلوۃ وقیل التکبیرات التی فی الصلوۃ عند کل خفض ورفع والمراد اعرف انقضاء کل ہیئۃ یتحول منہا الی اخری قالہ الطیبی وقیل التکبیر الذی یرد مع التسبیح والتحمید ثلثا وثلثین او عشرا وقیل کانوا یقولون اللہ اکبر مرۃ او ثلثا بعد الصلوۃ وقال القاضی عیاض ان ابن عباس کان لم یحضر الجماعۃ لانہ کان صغیرا ممن لا یواظب علی ذلک وقیل کان ذلک فی ایام التشریق بمنا وھذا اوفق بمذھب الحنفیۃ فی کراھتھم الجھر بالذکر فی ما عدا ما ورد. ولھذا لا یوجبون قضاء تکبیرات العید والتشریق انتہی کلامہ مختصرا۔ پس ہرگاہیکہ درین حدیث چند احتمالات پیدا گردید استدلال ازان صحیح نشد اذا جاء الاحتمال فبطل الاستدلال وجہ چہارم اینکہ وقتیکہ خبر آحاد معارض نص قرآن مجید شود ترجیح قرآن شریف را می شود کہ قطعی است۔ کما ھو مبرھن فی کتب الاصول من التوضیح والتلویح وغیرھما ونیز بعضے مجوزین از متاخرین کہ باین حدیث من ذکرنی فی ملاء استدلال بر مشروعیت مطلق ذکر جہر کردہ اند جواب دادہ می شود قال رسول اللہ صلعم انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم انتہی مختصرا کہ این حدیث افادہ ذکر خفی وجہر ہر دو اجمالا می کند چہ ذکر ہمہ تکالیف از اوامر و نواہی را شامل است پس مراد اند وآن ذکرنی فی ملاء علی العموم نماز جماعت پنجگانہ و جمعہ و خطبہ وعیدین واذان واقامت وتکبیرات تشریق وتکبیرات انتقال در نماز و تدریس علم و قرآن مجید و تلبیہ حاج وغیرہ

تشریق کا ہے کہ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ یہاں تکبیر سے وہ تکبیریں مراد ہیں جو تسبیح اور تحمید کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ بعض نے کہا اس سے وہ تکبیر مراد ہے جو سلام پھیرنے کے بعد ایک یا تین دفعہ پڑھی جاتی ہے۔ پس جب حدیث میں چند احتمالات پیدا ہو جائیں تو

کہ اصل مہمات دینیہ اندو فرد کامل از اذکار ہمیں فرائض صلوت خمسہ با جماعت و تفکر بدلائل بر ذات وصفات او تعالیٰ کہ مقصود اصلی است چنانکہ آیت فاذکرونی اذکرکم و فاسعوا الی ذکر اللہ وغیرہ بر آن ناطق است و دیگر اذکار غیر واجبہ کہ از توابع آنہا است بر موارد مخصوصہ ماثورہ بطوریکہ از شارع وارد شد خواہد ماند چہ این حدیث از قبیل مجمل است بطوریکہ از شارع بیان آن آمدہ بران محمول شود الذکر یتناول الصلوٰة وقراءة القرآن وتلاوة الحدیث وتدریس العلوم ومناظرة العلماء ونحوھا کذا فی العینی والکرمانی فی شرح البخاری اما الذکر فباللسان وھو ان یحمدہ و یسبحہ ویمجدہ و یقرأ کتابہ او بالقلب وان یتفکر فی الدلائل علی ذاتہ وصفاتہ وفی الاجوبة عن شبھة الطاعنین فیھا وفی الدلائل علی کیفیة تکالیفہ واحکامہ واوامرہ ونواھیہ ووعدہ ووعیدہ لیعمل بمقتضاھا ثم یتفکر فی اسرار المخلوقات من کل ذرة الی موجدھا او بالجوارح وھو ان یکون مستغرقة فی الاعمال المامور بھا فارغة عن الاشتغال المنھی عنہ وبھذا الوجہ سمی الصلوٰة ذکرا فاسعوا الی ذکر اللہ کذا فی التفسیر النیشاپوری فاذکرونی بالطاعة اذکرکم بالثواب کذا فی البیضاوی وھکذا فی الجلالین وازین واضح گشت کہ ذکر بطاعات انحاء واوضاع شتی دارد کہ کتب فقہ حامل آنہا است وہر کہ ازین حدیث تمسک بذکر لسانی فقط کردہ خلاف از راہ تحقیق رفتہ لان العبرة لعموم اللفظ کما لا یخفی علی المتامل دیگر اینکہ آیة کریمہ ادعوا ربکم تضرعا وخیفة امر و منطوق و عبارة النص است و این حدیث من قبیل مفھوم و دلالة واشارة النص والمنطوق والعبارة مقدم علی المفھوم والدلالة والاشارة

استدلال باطل ہو جاتا ہے اور اگر اس حدیث کا وہی معنی مراد لیا جائے جو مجوزین کہتے ہیں تو پھر بھی یہ حدیث قرآن کے معارض ہے اور ترجیح قرآن مجید کو ہے۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے بھی ذکر جہر پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جو مجھے اپنے دل میں یاد کرے میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں" اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر سے مراد نماز جماعت پنجگانہ۔ جمعہ خطبہ عیدین اذان اقامت۔ تکبیرات تشریق اور تکبیرات انتقال ہیں اور اس کے علاوہ علم کا سیکھنا سکھلانا۔ قرآن مجید کی تلاوت حجاج کا تلبیہ مراد ہے اور یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ذکر سے مراد خدا تعالیٰ کی تمام قسم کی عبادت

کما تقرر فی اصول الفقہ علاوہ ایں کہ اگر مشروعیت ذکر جہر ہمچو مشروعیت ذکر خفی ازیں حدیث مذکور عام فہم درواقع بودے چنانکہ بعضے از متاخرین می فہمند تا علماء سلف صالحین از صحابہ و تابعین و دیگر مجتہدین قائل بکراہت رفع صوت بذکر و دعا چرا می شدند و حالانکہ بکراہت آن قائل گردیدند چنانکہ نقلش بہ بسنتر ازیں از فتح الباری وغیرہ گذشت بلکہ در مظہری کراہت جہر ذکر را مجمع علیہ گفتہ پس دریں صورت عمل برآیت کریمہ ادعوا ربکم تضرعا وخیفۃ مقدم خواہد بود بل الزام لان الامر مطلقا للوجوب عند الجمہور کما فی کتب الاصول کما لا یخفی علی المتامل المصنف من المفحول و آنچہ محوی از بعض فتاوے و کلام شیخ عبدالوہاب شعرانی نقل کردہ کہ ذکر جہر جایز است مگر بشرطیکہ تشویش بر نائمین وغیرہ نشود اعتبارے ندارد در جنب کتب معتبرہ مذکورہ بالا چہ دلیل شرعی و مذہب امام اعظم عند التحقیق مساعدت نمی کند آنرا و بر ظاہر است کہ ذکر جہر از بعضے ارباب طریقت مشہورہ بر صفت مداومت بہیئت کذائیہ کہ لازم گرفتہ شدہ است مسنون و ماثور از آنحضرت صلعم و صحابہ کرام بدلیل شرعی ثابت نہ شدہ معہذا از متاخرین صوفیہ ذکر جہر را ایں قدر رواج بحد مبالغہ دادند کہ ہمیں جہر اصل دعزیمہ قرار دادہ شد و ذکر خفی فرع آن گردید پس متبعین مخلصین سنت سنیہ را نظر بر سنت رسول خدا صلعم باشد نہ نظر بر احوال و افعال صالحین چنانکہ زبدۃ العارفین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ در غنیۃ الطالبین می فرمایند ولا ینظر الی احوال الصالحین و

ہے ۔ خواہ اوامر ہوں یا نواہی اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کے بہت سے طریقے ہیں تو اس صورت میں اس کو ذکر لسانی کے ساتھ خاص کرنا تحقیق کی راہ نہیں ہے کیونکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے ۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ادعوا ربکم تضرعا وخیفۃ امر اور منطوق و عبارۃ النص ہے اور یہ حدیث مفہوم و دلالۃ و اشارۃ النص کے قبیل سے ہے اور منطوق اور عبارت مفہوم دلالۃ و اشارۃ پر مقدم ہوتا ہے اور اس کی تصریح اصول فقہ میں موجود ہے اس کے علاوہ اگر اس حدیث سے ذکر جہر اور ذکر خفی دونوں کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے تو سلف صالحین ذکر جہر کی کراہت کے قائل نہ ہوتے حالانکہ تفسیر مظہری میں ذکر جہر کی کراہت پر اجماع نقل کیا ہے تو اس صورت میں عمل قرآن مجید کی آیت پر ہی ہونا چاہیئے اور وہ جو محوی نے شعرانی کا قول نقل کیا ہے "کہ ذکر جہر سے اگر سونے

افعالهم بل الی ما روی عن رسول الله صلعم والاعتماد الیه حتی یدخل العبد فی حالة ینفرد بها عن غیره انتهی کلامه وقطع نظر ازیں ہرگاہیکہ میان متون و شروح وفتاوے اختلاف افتد ترجیح متون وشروح را مے شود کما فی الاشباہ والدر المختار وغیرهما عن المعتبرات الحنفیة آری اگر این جواز ذکر جہر بر طریق معالجہ و ضرورت تعلیم وکدام ضرورت دیگر حمل کردہ شود مناسب خواہد بود کہ درین حال کراہت لشود لان الضرورات تبیح المحظورات کذا فی الاشباہ ولان الضرورة تتقدر بقدرها کذا فی الهدایة وازین جاست کہ بعضے حضرات شاذلیہ قدس اللہ اسرارہم قائل ببدعت وکراہت ذکر جہر بود برائے ضرورت وملاحظہ حال زمانہ واختلاف اشخاص آن را بر مورد ضرورت حمل نمودہ روا داشتہ انداز قبیل علاج فیقدر بقدرہ پس این جہر سوائے موارد مخصوصہ مشروع لغیرہ شدنہ مشروع بنفسہ وکلام ما در مشروعیت بنفسہ است کما لا یخفی علی المتفطن الماھر نزد این اضعف العباد بعد تتبع کتب معتبرہ حنفیہ وغیرہ ہرچہ بفہم قاصر متحقق گشت جواب موجز بر نگاشتہ آمد واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین وقاریان قرآن مجید وواقفان علم تجوید رحمہم اللہ تعالے اس مسئلہ میں کہ زید حرف ضاد کو دواد

والوں کو تکلیف نہ ہو تو جائز ہے"۔ اس کا قرآن مجید حدیث شریف اور فقہ کی تمام کتابوں کے خلاف اعتبار نہیں کیا جا سکتا

آج کل جو بعض متاخرین ذکر جہر پر آنحضرت اور صحابہ کرام کے خلاف مداومت کر رہے ہیں اور اس کو اس قدر رواج دیا گیا ہے کہ گویا اصل عزیمت یہی جہر ہے ان کو سنت رسول پر عمل کرنا چاہیئے نہ کہ کسی نیک آدمی کے قول پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ صالحین کے افعال واحوال پر نظر نہ رکھنا چاہیئے بلکہ رسول اللہ کی سنت کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اصول یہ ہے کہ جب متون شروح اور فتاوی میں اختلاف ہو جائے تو ترجیح متون اور شرح کو ہوتی ہے ہاں اگر تعلیم کی غرض سے گاہ گاہ ذکر جہر سے ہو اور اس پر مداومت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ شاذلیہ حضرات ذکر جہر کو مکروہ بھی کہتے ہیں اور بغرض تعلیم احیاناً ذکر جہر کر بھی لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مانند صوت دال مہملہ کے پڑھتا ہے اور اس کو دواد بولتا ہے اور ضاد مماثل ظ کے پڑھنے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے اگر کوئی شخص بجائے ضاد کے ظا پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور عمرو حرف ضاد کو جس جگہ پر کہ قرآن مجید میں آتا ہے مانند صوت ظاء معجمہ کے پڑھتا ہے اور اس کو ذواد بولتا ہے اور ضاد مماثل دال کے پڑھنے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حرف دواد بے اصل و بے ثبوت ہے اور محض مہمل ہے اور اس کے وجود کا کسی جا کتب فقہ و تفسیر و تصریف و تجوید و سلوک میں جن کا اس باب میں اعتبار ہے پتہ و نشان نہیں پس جبکہ کتب معتبرہ و مستندہ میں حرف دواد کا ذکر و نقل نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معدوم ہے اور اس کے پڑھنے سے نماز میں خلل آتا ہے اور کہتا ہے اگر کوئی شخص بجائے ضاد کے ظا پڑھے بایں جہت کہ ادا کرنا ضاد کا مخرج سے سخت دشوار ہے اور ضاد کو ظاء سے مشابہت بہت ہے اور فرق کم تو نماز اس کی موافق مذہب مفتی بہ کے صحیح رہے گی اور کہتا ہے عموم بلوی ضاد اور دال میں معتبر نہیں ہوگا۔ پس سوال یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں میں سے کس شخص کا قول و فعل صحیح ہے اور کس کا قول و فعل غلط۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ ان دونوں شخصوں میں سے عمرو کا قول و فعل صحیح ہے اور زید کا قول و فعل غیر صحیح۔ عمرو کا یہ قول کہ (اگر کوئی شخص بجائے ضاد کے ظا پڑھے بایں جہت کہ ادا کرنا ضاد کا مخرج سے سخت دشوار ہے اور ضاد کو ظاء سے مشابہت بہت ہے اور فرق کم تو نماز اس کی موافق مذہب مفتی بہ کے صحیح رہے گی) اس لئے صحیح ہے کہ اس قول میں تین دعوے ہیں اور تینوں مدلل بدلائل صحیحہ ہیں

(۱) ایک دعوی یہ ہے کہ چونکہ ضاد کا مخرج سے ادا کرنا سخت دشوار ہے

(۲) اور دوسرا دعوی یہ ہے کہ ضاد کو ظاء سے بہت مشابہت اور فرق کم۔

(۳) اور تیسرا دعوی یہ ہے کہ چونکہ ضاد کا مخرج سے ادا کرنا سخت دشوار ہے اور ضاد کو ظاء سے بہت مشابہت ہے اس لئے اگر کوئی شخص بجائے ضاد کے ظاء پڑھے تو نماز اس کی موافق مذہب مفتی بہ کے صحیح رہے گی اب ہر

ایک دعوے کی دلیل لکھی جاتی ہے تاکہ عمرو کے اس قول کی صحت معلوم ہو
پہلے دعوے کی دلیل یہ ہے کتاب النشر فی قراءت العشر میں مرقوم ہے و
لیس فی الحروف ما یعسر علی اللسان مثلہ فان السنۃ الناس فیہ مختلفۃ
وقل ما یحسنہ انتہی یعنی جیسا ضاد کا ادا کرنا زبان پر دشوار ہے ویسا کسی
حرف کا ادا کرنا دشوار نہیں اسی وجہ سے لوگوں کی زبانیں اس کے ادا کرنے
میں مختلف ہیں اور کم لوگ ہیں جو اس کو اچھی طرح سے ادا کر سکیں علامہ جزری
تمہید فی علم التجوید میں لکھتے ہیں اعلم ان ہذا الحرف یعنی الضاد لیس فی الحروف
حرف یعسر علی اللسان مثلہ انتہی یعنی حروف میں حرف ضاد کی طرح کوئی
اور حرف دشوار نہیں ہے علامہ ابو محمد مکی کتاب الرعایہ میں لکھتے ہیں لا بد للقاری
من التحفظ بلفظ الضاد حیث وقعت فہو امر یقصر فیہ الکثیر من رأیت من
القراء والائمۃ لصعوبتہ علی من لم یدرب بہ انتہی۔ یعنی ضاد کے پڑھنے
میں قاری کو لحاظ و محافظت کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ
میں نے اس میں بہت سے قراء اور ائمہ کو قصور کرتے ہوئے دیکھا وجہ اس
کی یہ ہے کہ ضاد کا ادا کرنا دشوار ہے ان لوگوں پر جن کو اس کی مشاقی نہیں
ہے اور دوسرے دعوے کی دلیل یہ ہے علامہ ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب
الرعایہ میں لکھتے ہیں الضاد حرف یشبہ لفظہ فی السمع بلفظ الظاء انتہی۔
یعنی ضاد ایک ایسا حرف ہے جو سننے میں ظا کے مشابہ ہے علامہ شعلہ
موصلی حنبلی شرح شاطبیہ موسوم بہ کنز المعانی شرح حرز الامانی میں لکھتے ہیں ان
الضاد والظاء والذال متشابہۃ فی السمع والضاد لا تفترق عن الظاء
الا باختلاف المخرج وزیادۃ الاستطالۃ فی الضاد ولولاہما لکانت احدہما
عین الاخری انتہی۔ یعنی ضاد اور ظاء اور ذال سننے میں باہم متشابہ ہیں اور
ضاد اور ظا میں صرف دو بات کا فرق ہے ایک تو یہ کہ ان دونوں کا مخرج الگ
الگ ہے اور دوسرے یہ کہ ضاد میں استطالت ہے اور ظا میں نہیں اگر
ان دونوں کا فرق نہ ہوتا تو یہ دونوں حرف ایک ہو جاتے۔ علامہ محمد بن محمد
جزری تمہید فی علوم التجوید میں لکھتے ہیں والناس یتفاوتون فی النطق بالضاد

فمنهم من يجعله ظاء لان الضاد يشارك الضاد في صفاتها كلها و يزيد على الظاء بالاستطالة فلولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم اكثر الشاميين وبعض اهل الشرق وحكى ابن جني في كتاب التنبيه وغيره ان من العرب من يجعل الضاد ظاء مطلقا في جميع كلامهم وهذا قريب وفيه توسع للعامة انتهى یعنی لوگ ضاد کے ادا کرنے میں مختلف ہیں بعض لوگ تو ضاد کو ظا بولتے ہیں اور یہ اکثر شام والے ہیں اور بعض اہل شرق اور ان لوگوں کے ضاد کو ظا پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف ضاد حرف ظا کی تمام صفتوں میں مشارک ہے اور اس میں استطالت کی صفت زائد ہے جو حرف ظا میں نہیں ہے سو اگر ضاد میں استطالت کی صفت نہ ہوتی اور اس کا مخرج ظا کے مخرج سے الگ نہ ہوتا تو ضاد عین ظا ہو جاتا اور ابن جنی نے اپنی کتاب التنبیہ میں لکھا ہے کہ بعضے عرب عام طور پر اپنے تمام کلام میں ضاد کو ظا بولتے ہیں اور یہ قریب ہے اور اس میں عوام کے لئے وسعت ہے قصیدہ جزریہ میں ہے ؎

والضاد باستطالة ومخرج میز عن الظاء وکلها یجی

یعنی ضاد اور ظا میں صرف استطالت اور مخرج کا فرق ہے۔ ض اور ظ میں بجز استطالت و مخرج کے تمام صفات میں مشارک و مشابہ ہونا ایک ایسی بات ہے کہ اس پر تمام علمائے فن تجوید کا اتفاق ہے لہذا دوسرے دعوے کے ثبوت میں جس قدر عبارتیں نقل کی گئی ہیں کافی و وافی ہیں اور عبارتوں کی نقل کی کچھ ضرورت نہیں اور تیسرے دعوے کی دلیل یہ ہے تاریخ ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۹۹ امیں علامہ ابن الاعرابی اللغوی کے ترجمہ میں مرقوم ہے وکان (ای ابن الاعرابی) یقول جائز فی کلام العرب ان یعاقبوا بین الضاد والظاء فلا یخطی من یجعل هذه في موضع هذه وينشد ؎

الى الله اشكو من خليل اوده ثلاث خلال كلها لي غائض

بالضاد ويقول هكذا سمعته من فصحاء العرب انتهى یعنی علامہ ابن الاعرابی لغوی کہتے تھے کہ کلام عرب میں ضاد کو بجائے ظا کے اور ظا کو بجائے ضاد

کے پڑھنا جائز ہے پس جو شخص ضاد کی جگہ ظا پڑھے یا ظا کی جگہ ضاد پڑھے تو وہ خاطی نہیں کہا جائے گا علامہ ابن الاعرابی کا یہ قول نص صریح ہے اس بات پر کہ جو شخص قرآن مجید میں ضاد کی جگہ ظا پڑھے وہ خاطی نہیں ہے اور جب وہ خاطی نہیں ہے تو اس کی نماز بلاشبہ صحیح و درست ہوگی علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں المسئلة العاشرة المختار عندنا ان اشتباه الضاد بالظاء لا يبطل الصلوة ويدل عليه ان المشابهة حاصلة فيهما جدا والتميز عسير فوجب ان يسقط التكليف بالفرق وبيان المشابهة من وجوه الاول انهما من الحروف المجهورة والثاني انهما من الحروف الرخوة والثالث انهما من الحروف المطبقة والرابع ان الظاء وان كان مخرجه من طرف اللسان واطراف الثنايا العليا ومخرج الضاد من اول حافة اللسان وما يليها من الاضراس الا انه حصل في الضاد انبساط لاجل رخاوتها ولهذا السبب يقرب مخرجه الظاء والخامس ان النطق بحرف الضاد مخصوص بالعرب فثبت بما ذكرنا ان المشابهة بين الضاد والظاء شديد لا دان التميز عسير واذا ثبت هذا فنقول لو كان الفرق معتبرا لوقع السوال عنه في زمن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وفي ازمنة الصحابة لاسيما عند دخول العجم فلما لم ينقل وقوع السوال عن هذا البتة علمنا ان التميز بين هذين الحرفين ليس في محل التكليف انتهى۔

یعنی دسواں مسئلہ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ ضاد کا ظا کے ساتھ مشابہ ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان نہایت مشابہت ہے اور ان دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے اس وجہ سے یہ بات واجب ہوئی کہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کی تکلیف ساقط ہو اور ان دونوں میں مشابہت کا بیان کئی وجہوں سے ہے اول تو یہ ہے کہ دونوں حرف حروف رخوہ سے ہیں اور تیسرے یہ کہ دونوں حرف حروف مطبقہ سے ہیں اور چوتھے یہ کہ اگرچہ ظا کا مخرج زبان اور ثنایا یا علیا کی نوک ہے اور ضاد کا مخرج زبان کے کنارہ سے ہے مع اضراس کے

جو کنارہ زبان سے متصل ہیں مگر چونکہ ضاد میں بوجہ اس کے رخوہ ہونے کے انبساط اور کشادگی حاصل ہے اس وجہ سے ضاد کا مخرج ظا کے مخرج سے قریب ہے اور پانچویں یہ کہ نطق بحرف ضاد عرب کے ساتھ مخصوص ہے ہمارے اس بیان سے ثابت ہوا کہ ضاد اور ظا کے درمیان نہایت مشابہت ہے اور دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے جب یہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر ان دونوں حرفوں میں فرق کرنا ضروری ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کے زمانہ میں بالخصوص جبکہ عجمی لوگ داخل ہوئے اس کے بارے میں ضرور سوال واقع ہوتا۔ پس جب اس بارے میں سوال واقع ہونا منقول نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں حرفوں میں تمیز کرنے کی ہم لوگوں کو تکلیف نہیں دی گئی ہے۔ فتاوے قاضی خان میں ہے لو قرأ الضالین بالظاء مکان الضاد او بالذال لا تفسد صلوتہ ولو قرأ بالدالین بالدال تفسد صلوتہ انتہی۔ یعنے اگر کسی نے ضالین کو ضاد کی جگہ ظ سے یا ذ سے پڑھا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی اور اگر دالین دال سے پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جاوے گی فتاوی عالمگیری میں ہے وان[1] غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوتہ عند الکل وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ قال اکثرھم لا تفسد صلوتہ انتہی رد المختار میں ہے وان کان الخطاء بابدال حرف بحرف فان امکن الفصل بینھما بلا کلفۃ کالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مکان الصالحات فاتفقوا علی انہ مفسد وان لم یکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثرھم علی عدم الفساد لعموم البلوی انتہی فتاوی بزازیہ میں ہے۔ قال غیر المغضوب بالظاء والذالین بالذال او الظاء قیل لا تفسد لعموم البلوی

---

[1] اگر معنی بدل جائیں تو اگر دو حرفوں میں امتیاز کرنا آسان ہو مثلاً صاد اور طاء صالحات کی بجائے طالحات پڑھ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بآسانی ان میں امتیاز نہ ہو سکتا ہو جیسے ضاد اور ظاء اور صاد اور سین وغیرہ تو اکثر مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہو گی۔

فان العوام لا یعرفون مخارج الحروف وکثیر من المشائخ افتوا بہ انتہی۔

حاصل ان عبارتوں کا یہ ہے کہ چونکہ حرف ضاد اور ظاء میں فرق کرنا مشکل ہے اور بلا مشقت کے فرق نہیں ہو سکتا اس لئے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی اور یہی مضمون فقہ حنفی کی بہت سی کتابوں میں مرقوم ہے الحاصل عمرو کا یہ قول کہ اگر کوئی شخص بجائے ضاد کے ظاء پڑھے بایں جہت کہ ادا کرنا ضاد کا مخرج سے دشوار ہے اور ضاد کو ظاء سے مشابہت بہت ہے اور فرق کم تو نماز اس کی موافق مذہب مفتی بہ کے صحیح رہے گی) صحیح اور مدلل ہے اور جب اس کا یہ قول صحیح اور مدلل ہے تو اس کا فعل یعنی ضاد کو مانند صوت ظاء کے پڑھنا بھی صحیح و درست ہے اور یہیں سے ثابت ہو گیا کہ زید کا یہ قول کہ اگر کوئی شخص بجائے ضاد کے ظاء پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جاوے گی، بالکل غلط ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زید کا ضاد کو مانند صوت دال کے پڑھنا بالکل بے اصل و بے ثبوت ہے اور حسب تصریح قاضی خان بجائے ضاد کے دال پڑھنے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور عمرو کا ضاد کو مماثل دال کے پڑھنے سے منع کرنا اور یہ کہنا کہ حرف ضاد بے اصل و بے ثبوت ہے الخ بہت بجا اور صحیح ہے فی الواقع حرف ضاد کا مماثل دال کے ہونا نہ تجوید کی کسی کتاب سے ثابت ہے اور نہ صرف یا فقہ یا تفسیر کی کتاب سے پس ضاد کا مماثل دال کے پڑھنا بلاشبہ بے دلیل و بے ثبوت ہے

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ دریں مسئلہ کہ ثبوت ضاد معجمہ فصیحہ از کتب معتبرہ اہل تجوید چگونہ است واکثر عوام ہندوستان کہ از امتیاز میان ضاد و ظاء محض عاری ہستند و فرق کردن درمیان ادائے اسیرۃ الامتیاز وکثیرۃ الاشتباہ اند یا ضاد را باواز دال مہملہ مفخمہ یعنی باواز دال پر چنانکہ عادت جاریہ اہل ہند

سوال۔ اس مسئلہ میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ضاد معجمہ کو اہل تجوید کیسے ادا کرتے ہیں ہندوستان کے اکثر عوام ضاد اور ظاء میں فرق نہیں کر سکتے اور اس کو بصورت ظاء مانند ہی ادا کرتے ہیں کیونکہ ضاد و ظاء اکثر صفات میں مشترک ہیں لہذا امتیاز مشکل ہے اور بعض اس کو پُر دال کی صورت میں ادا کرتے ہیں

است بخوانند از روئے کتب تجوید و فقہ ترجیح جانب ظاء است یا جانب دال مہملہ معجمہ است جواب مختصر صاف بیان فرمایند کہ عامی کہ عاجر از ادائے ضاد اند وجدا کردن ضاد را از ظاء اصلاً نمی توانند چہ طور در نماز عمل نمایند۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ اولاً مخارج ہر سہ حروف بیان کردہ مے شود بر سبیل اجمال ثانیاً حکم ضاد معجمہ فصیحہ و مخرج فصیحہ و خواندن یکے بجائے دیگر باید شنید پس مخرج ضاد معجمہ یکے از دو کنارہ زبان متصل باضراس است چنانکہ تشریح ایں در کتب صرف مانند شافیہ ورضی ومفصل و کتب تجوید مذکور است "الضاد المعجمۃ من اول حافۃ اللسان وما یلیہ من الاضراس من الجانب الایسر وقیل من الایمن کذا فی الاتقان ومخرج ظاء معجمۃ وذال معجمۃ وثاء مثلثۃ کنارہ زبان معہ کنارہ دو دندان پیشین بالا است ومخرج طاء مہملہ ودال مہملہ ودال منقوطہ کنارہ زبان معہ بیخ دو دندان پیشین بالا است والظاء والثاء والذال من بین طرفہ واطراف الثنایا العلیا وللطاء والدال والتاء من طرفہ واصول الثنایا العلیا مصعداً الی الحنک انتہی ما فی الاتقان وابو محمد مکی در رعایۃ کتاب قراۃ خود می نویسند الضاد حرف تشبہ لفظ فی السمع بلفظ الظاء لانہا من حروف الاطباق والمجہورۃ والمستعلیۃ ولولا اختلاف المخرجین وما فی الضاد من الاستطالۃ لکان لفظہما واحداً وفیہا ایضاً الظاء حرف تشبہ لفظہ فی السمع لفظ الضاد انتہی وفیہا ایضاً فلیحفظ بترقیق الذال فی اللفظۃ لانہا ان دخلہا تفخیم یؤدیہا الی الاطباق فتیصر عند ذلک ظاء ای الف لم تخذ

جب کہ ہندوستان والوں کی اکثر عادت ہے۔ کتب تجوید و فقہ کے لحاظ سے کس جانب کو ترجیح ہے اس کو ظاء پڑھا جائے یا دال۔ جواب مختصر اور صاف فرمائیں کہ جو لوگ ضاد اور ظاء میں تمیز نہیں کرسکتے وہ کیسے عمل کریں۔

الجواب۔ پہلے ان تینوں حروف کے مخارج سن لیں اور بعد میں اس کا حکم بیان کردیا جائے گا۔ ضاد معجمہ کا مخرج زبان کے دونوں کناروں میں سے کسی ایک کنارہ سے داڑھوں کے قریب ہے اس کی تصریح صرف کی کتابوں شافیہ۔ رضی مفصل اور کتب تجوید میں مذکور ہے اور ظاء معجمہ

بالاستطالة اصادا ای ان تودها لانها اخت الظاء فی المخرج وقریبة من الضاد فی الجنس ای فی الصفت من الجهر والرخاوة والثبوت والسکون والاضمات انتهى مافى الدعاية ودر رسالہ جہد المقل کہ در دیار عرب وشام مشہور ومتداول است می نویسد بالجملہ ان الحروف علی اربع مراتب آنی لایمتد اصلا وهی الحروف الشدیدة وزمانی یمتد قدر الف وهی حروف المد وزمانی یقرب من قدر الف وهی الضاد المعجمة وحروف التفشی فالزمانی القریب من المد الطبیعی یصح اطلاق المستطیل علی جمیعها نظرا الی طولها فلم خصصت الاستطالة بالضاد وقلت هذا سوال حسن وجواب مشکل غایة ما یمکن ان یقال الضاد لما شابهت الظاء المعجمة فی التلفظ ومشارکتها فی جمیع الصفات الا المخرج والاستطالة اذ الظاء قریب من الآنی کما عرفت نصرح باستطالة الضاد لیظهر الفرق عن الظاء انتهى کلامه ونیز دران رسالہ مذکور است الضاد والظاء والذال المعجمات الکل مشارکة فی الجهر والرخاوة ومشابهة فی السمع لکن للاخیرین من مخرج واحد والضاد لیست من مخرجهما ونیز دران مذکور است فان نطقت بالضاد المعجمة بان جعلت مخرجها من حافة اللسان مع مایلیها من الاضراس بدون اکمال حصر الصوت واعطیت لها الاطباق والتفخیم

ذال معجمہ وثاء مثلثہ کا مخرج سامنے کے دو اوپر کے دانتوں کا کنارہ اور زبان کا کنارہ ہے اور طاء دال اور تا منقوطہ کا مخرج کنارہ زبان اور سامنے کے دو اوپر کے دانتوں کی جڑ ہے اور ظاء ثا ذال کا مخرج زبان کا کنارہ اور ضاد اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑ ہے اور طاء دال اور تاء کا مخرج زبان کا کنارہ اور اوپر کی داڑھوں کی جڑ سے لے کر تالو تک ہے

ابو محمد مکی نے لکھا ہے " ضاد کا لفظ سننے میں ظاء سے مشابہ ہے کیونکہ وہ حروف مطبقہ مجہورہ مستعلیہ سے ہے اگر دونوں کے مخرج میں اختلاف نہ ہوتا اور ضاد کو لمبا کر کے نہ پڑھا جاتا تو ضاد اور ظاء ایک ہی حرف ہوتے ۔ ذال کا لفظ ادا کرنے میں بڑی احتیاط چاہیے کیونکہ اگر اس کو پُر کر دیا جائے یہ لفظ ظاء بن جائے گا اور اگر اس کو لمبا کر کے پڑھا جائے گا تو ضاد بن جائے گا کیونکہ ضاد اور ظاء مخرج اور صفات میں قریب ہیں " اور رسالہ جہد المقل جو کہ عرب اور شام کے علاقہ میں پڑھایا جاتا ہے

الوسطين والرخاوة والجهر والاستطالة والتفشي القليل فهذا هو الحق
المؤيد بكلمات الائمة في كتبهم وتشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة
وماذا بعد الحق الا الضلال ولا شك ان الضاد اطنبت في الكلام انتهى ما
فيها مختصرا وقال علي القاري في شرحه على مقدمة الجزري في شرح هذا
البيت بيت والضاد باستطالةٍ ومخرجٍ ميز عن الظاء وكلها تجي اعلم
ان هذا الحرف ليس في الحروف حرف يعسر على اللسان مثله والسنة
الناس فيه مختلفة فمنهم من يخرجه طاء مهملة كالمصريين ومنهم
من يخرجه دالا مهملة او معجمة ومنهم من يشبه ظاء ولما كان تمييزه
عن الظاء مشكلا بالنسبة الى غيره امر الناظم بتمييزه عنه لفظا انتهى وفي
النشر في قراءة العشر ما حاصله الناس منهم من يبدلها لاما مفخمة و
منهم من يبدلها زاء ومنهم من يبدلها ذالا ومنهم من يبدلها ظاء
وقال ابن نمير وحينئذ يشبه صوتها صوت الظاء المعجمة فماذا بعد
الحق الا الضلال اه۔ ودر تفسیر اتقان می نویسد الضاد والظاء اشترکا
صفة جهرا ورخاوة واستعلاء واطباقا وافترقا مخرجا وانفردت الضاد
بالاستطالة انتهى ما في الاتقان پس ضاد معجمہ فصیحہ آنست کہ از مخرج

لکھا ہے حروف چار قسم کے ہیں ایک آنی جن میں مد بالکل نہیں ہے دوسرے زمانی جن کو ایک الف کے
برابر کھینچا جاتا ہے مثلا ضاد معجمہ اور حروف تفشی تو زمانی و طبعی کے قریب ہیں اور ان تمام حروف پر
مستطیل کا اطلاق ہوتا ہے پھر استطالت کے لئے ضاد ہی کو کیوں خاص کیا گیا ہے؟ یہ سوال تو اچھا ہے لیکن
اس کا جواب ذرا مشکل ہے ظاء اور ضاد تلفظ اور تمام صفات میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ما سوائے
مخرج اور استطالت کے کیونکہ ظاء آنی کے قریب ہے اور ضاد میں استطالت ہے تاکہ یہ ظاء سے علیحدہ ہو
سکے" اور پھر لکھا ہے ضاد، ظاء اور ذال یہ تمام جہر اور رخوۃ میں مشترک ہیں اور سننے میں ایک دوسرے
کے مشابہ ہیں لیکن ظاء اور ذال کا مخرج ایک ہے اور ضاد کا مخرج الگ ہے اگر ضاد کو زبان کے کنارہ اور
ڈاڑھوں کے کنارے سے بغیر پوری طرح آواز کو بلند کرنے کے پڑھے اور [illegible] میں تفخیم و پر کرنا، رخوۃ، جہر اور
استطالت اور تھوڑی سی تفشی ہو تو ضاد کا یہ صحیح مخرج ہے اور چونکہ ظاء اور ضاد میں بہت زیادہ مشابہت
ہے لہذا میں نے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کر دیا ہے ملا علی قاری نے مقدمہ جزری کی شرح میں لکھا ہے

خود بتمام صفاتہا بمشابہ صوت ظاء معجمہ بطوریکہ مشایخ فن تجوید ذکر کردہ اندا کردہ شود نہ مثل ظاء بنقصان بعض صفات آن بنوعیکہ مراد اہل تصریف است کہ از شنوائے ممتاز اصلاً نشود کہ غیر فصیح است ادا نمودہ شود نہ بمخرج او بصورت دال ادا شود چنانچہ از ما سبق بماہران این فن ہویدامی گردد زیرا کہ ابن نمیر و صاحب رعایہ و جہد المقل نوشتہ کہ بیشبہ ضو تہا صوت الظاء لیکن قاریان اہل تجوید در ادائے ضاد کما حقہ بصفاتہا عنقا کردارند و عوام الناس کہ از فرق و تمیز میان ضاد معجمہ و ظاء معجمہ از بس عاجر و قاصر اند بمشابہ صوت و آواز ظاء معجمہ در نماز بخوانند لہذا امام غزالی در کیمیاء سعادت در اصل چہارم مینو یسند کہ فرق میان ض و ظ بجا آرد و اگر نتواند روا باشد انتہے کلامہ مختصراً و در مجموعہ سلطانی مذکور است و قولہ ولا الضالین بظاء یا بذال یا بزاد

اور اس کی تائید النشر فی قرارۃ العشر اور تفسیر اتقان سے ہوتی ہے۔ یہ حرف (ضاد) ایسا نہیں ہے کہ اس کا زبان سے ادا کرنا مشکل ہو بعض اس کو ظاء پڑھتے ہیں مثلاً مصری لوگ اور بعض اس کو دال سے مشابہ کرتے ہیں بعض ظاء کی آواز سے ادا کرتے ہیں چونکہ ظاء سے اس کی تمیز ذرا مشکل ہے لہذا مصنف نے اس کی پہچان پر زور دیا ہے کہ ضاد اور ظاء جہر رخوۃ استعلاء اور اطباق میں مشترک ہیں اور مخرج میں الگ ہیں اور ضاد میں کچھ استطالت ہے چونکہ عوام ظاء اور ضاد میں تمیز نہیں کر سکتے اور خواص بھی اس کو مشکل سے ادا کرتے ہیں لہذا امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے ضاد اور ظاء میں اپنی ہمت کے مطابق فرق کرے اور اگر نہ ہو سکے تو درست ہے

اور "مجموعہ سلطانی" میں ایک استفتاء درج ہے کہ اگر ضاد کو ظاء یا ذال یا زاء سے پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی اور ضاد کو دال کی آواز سے پڑھنے کی کوئی دلیل کتب تجوید یا فقہ میں نہیں ہے بلکہ یہ حروف آپس میں بالکل علیحدہ ہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں ضاد رخوہ ہے اور دال شدیدہ ضاد ساکنہ ہے اور دال اس کے برخلاف اور ضاد مطبقہ ہے اور دال منفتحہ۔ ضاد مستعلیہ ہے اور دال متسفلہ۔ ضاد مفخم ہے اور دال رقیقہ ضاد مستطیلہ ہے اور دال آنی اور ضاد میں تفشی ہے اور دال اس کے برخلاف ہے اور پھر انکے مخرج بھی جدا جدا ہیں پس ضاد کو دال کی آواز میں پڑھنے میں بہت سے مفاسد ہیں ہندوستانی جو اس کو دال کی صورت میں پڑھتے ہیں یہ بالکل غلط ہے تمام کتب تجوید و صرف و فقہ کے خلاف ہے بلکہ حروف عربی میں ایک نئے حرف کی

درغیر المغضوب بجا ضاد ظاء بخواند نمازش تباہ شود یا نے جواب نے چون زبانش بکوشش درست نشود کذا فی السراجیہ والتجنیس المزید انتہی کلامہ ند خواندن ضاد معجمہ را بصوت دال مہملہ مفخمہ بران دلیلے از کتب تجوید دفقہ یافتہ نمی شود بلکہ مباینت ومغایرت ثابت می شود زیرا کہ ضاد رخوہ است و دال ضد دے شدیدہ است وضاد ساکنہ است ودال ضد دے قلقلہ وضاد مطبقہ است ودال ضد دے منفتحہ وضاد مستعلیہ است ودال ضد دے منسفلہ وضاد مفخمہ است ودال ضد دے رقیقہ وضاد مستطیلہ است ودال ضد دے آنی چرا کہ از حروف شدیدہ است ودر ضاد تفشی است ودر دال عدم آن معہذا تباین مخرج میان ہر دو ثابت است پس از اداء ضاد بصوت دال ہر چہ مفاسد وقبائح پیدا میشود کہ ہر کسیکہ ادنے فہم وامتیاز در فن تجوید وکتب فقہ داشتہ باشد بر دے مخفی نماند ومردمان ہندوستان ضاد را بصوت دال پر میخوانند۔ وبزعم خود آن را صحیح و درست می دانند حالانکہ این صریح خطا وغلطی فاحش است وخلاف قواعد کتب تجوید وکتب فقہ می نمایند وحرف جدید در حروف عربیہ احداث می کنند چہ دال پر از حروف عربیہ نیست کما لا یخفی علی الماہر بکتب القراۃ والفقہ والصرف وضاد وظاء معجمہ در ہشت وند صفات باہم اشتراک مے دارند یعنی ہر دو از حروف مجہورہ رخوہ مطبقہ مستعلیہ وساکنہ ومصمتہ ومفخمہ اند واستطالت صفت خاصہ ضاد معجمہ است وآنچہ پیش ازین از شرح ملا علی قاری منقول شدہ است کہ السنۃ ناس در اخراج ضاد مختلف است پس این چنین اختلاف بنا بر قصور در اداء آن واقع شدہ

ایجاد ہے کیونکہ دال پر حروف عربیہ میں سے نہیں ہے ضاد وظاء آٹھ نو صفات میں مشترک ہیں یعنی دونوں مجہورہ ۔ رخوہ ۔ مطبقہ ۔ مستعلیہ ۔ ساکنہ ۔ مصمتہ ۔ مفخمہ ہیں اور استطالت ضاد کا خاصہ ہے ۔

ملا علی قاری نے جو یہ لکھا ہے کہ لوگ ضاد کے اخراج وادا میں مختلف ہیں یہ اس بنا پر ہے کہ لوگ اس کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں مشکل محسوس کرتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ علمائے فن تجوید اس کے مخرج میں مختلف ہیں ۔ کلا وحاشا ۔ بعض لوگوں نے ملا علی قاری کی اس عبارت سے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے اور اس

است نہ اینکہ در ادائے ضاد این ہمہ طرق مختلفہ نزد ائمہ فن تجوید وقراۃ مختار ومعمول
بہا باشد کہ بدین جملہ مردمان ہند وغیرہ ضاد را بصوت دال پر یا بلا تعذر وبغیر
مشقت در نماز بخوانند ودرین باب تمسک بقول ملا علی قاری نمایند حاشا ثم
کلا کہ این از سوء فہمی ایشان باشد کما لا یخفی علی الماہر المتامل حاصل اینکہ حروف دو
قسم اند یکے متباینہ دیگرے متشابہ کما صرح بہ فی الرعایہ پس در حروف متشابہ
گاہے تغایر در مخرج واتحاد در صفات چنانکہ درمیان ضاد وظاء معجمتین کہ ہر دو
در جملہ صفات مشترکاند یکے با دیگرے متحد است وگاہے تغایر در صفات مع
با غنہ یا وجود اتحاد در مخرج چنانکہ در طاء وتا اما ضاد معجمہ را با طاء مہملہ با ہیچ
مناسبت ومشابہت در تلفظ وسمع نیست وآنرا با دال مہملہ بون بعید
است مناسبتے ومشابہتے اصلا نیست لہذا در فتاوے قاضی خان
مطبوعہ دیدہ شد کہ اگر دالین بجائے ضالین خواند نماز فاسد شود۔ اکنون عبارات
درمختار وفتاوی عالمگیری وطحاوی وغیرہ باید شنید تا واضح گردد کہ ضاد را
با ظاء معجمہ مناسبت ومشابہت تمام است یا با دال است ان ذکر حرفا
مکان حرف ولم یغیر المعنی بان قرأ ان المسلمین وان الظلمین وما اشبہ
ذلک لم تفسد صلوتہ وان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین
من غیر مشقۃ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات موضع الصالحات
تفسد صلوتہ عند الکل وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ
کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال

کو اس اختلاف کی بنا پر دال کی صورت میں پڑھنے لگے۔
حاصل کلام یہ کہ حروف دو قسم کے ہیں متباینہ ومتشابہہ پس حروف متشابہ مخرج میں الگ ہوتے
ہیں اور صفات میں متحد مثلاً ضاد وظاء اور کبھی صفات میں تغایر ہوتا ہے اور مخرج میں اتحاد جیسا
کہ طاء اور تا لیکن ضاد معجمہ کو طاء مہملہ کے ساتھ کوئی کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے اور اس کو دال
کی آواز سے پڑھنا تو بہت ہی غلط ہے ان میں کوئی مناسبت ومشابہت نہیں ہے یہی وجہ
ہے کہ فتاوی قاضی خاں میں لکھا ہے اگر ضالین کو دالین پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اب درمختار
عالمگیری اور طحاوی کا فیصلہ سنیئے "اگر ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھ دے اور معنی میں

اکثرھم لا تفسد صلوتہ ھکذا فی فتاوی قاضی خان وکثیر من المشائخ افتوا به انتہی ما فی الفتاوی العالمگیریۃ مختصراً لم تفسد ما لم يتغير المعنی الا ما يشق تمييزه كالضاد والظاء فاكثرهم لم يفسدها انتہی ما فی الدر المختار مختصراً قوله الا ما يشق تمييزه في البزازية قال غير المغضوب بالظاء او الضالين بالذال او الظاء قيل لا تفسد لعموم البلوى فان العوام لا يعرفون مخارج الحروف وكثير من المشائخ افتوا به واطلق البعض الفساد وقال القاضي ابو الحسن والقاضي ابو القاسم ان تعمد فسدت وان جرى على لسانه او كان لا يعرف التمييز لا تفسد انتہی وهو اعدل الاقاويل انتہی ما فی الطحطاوی وهكذا فی الحلبی شرح المنية قوله الا ما يشق الخ قال فی الخانية والخلاصة الاصل فيما اذا ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى ان امكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد وان لا يمكن الا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال اكثرهم لا تفسد انتہی ما فی رد المختار مختصراً وقد حكى ابن جنی فی كتاب التنبيه وغيره ان من العرب من يجعل الضاد ظاء مطلقا في جميع كلامهم وهذا غريب وفيه توسع للعامة ومنهم من لا يوصلها الى مخرجها بل يخرجها دونه ممزوجة بالطاء المهملة لا يقدرون على غير ذلك وهم اكثر المصريين وبعض اهل المغرب ومنهم من يخرجها لاما مفخمة وهم

کوئی فرق نہ پڑے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی مثلاً ان المسلمین کی جگہ ان المسلمون پڑھ دے اور اگر معنی تبدیل ہو جائیں تو اگر دونوں حرفوں میں بغیر کسی مشقت کے امتیاز ہو سکتا ہو مثلاً طاء اور صاد کو صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ان میں امتیاز مشقت سے ہوتا ہو جیسا کہ ظاء و ضاد اور صاد و سین اور طاء و تاء تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اکثر کا فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہو گی" فتاوی قاضی خان بزازیہ۔ طحطاوی علی مشرح منیہ نمانیہ اور ابن جنی کی کتاب "التنبیہ" میں بھی اسی کے قریب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حروف میں آسانی سے امتیاز ہو سکتا ہو اور پھر امتیاز نہ کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امتیاز مشکل ہو مثلاً ضاد اور ظاء کا تو اس صورت میں نماز صحیح ہو گی ہاں اگر ان میں امتیاز کر سکتا ہو اور پھر امتیاز نہ کرے تو اس صورت میں نماز فاسد

الدبانم ومن ضاھاھم انتہی مافی التمہید للجزری پس از تقویم بالاصات واضح گردید کہ فرق وامتیاز بدشواری کردن میان دو شے نمی باشد مگر وقتیکہ درمیان آن ہر دو کمال تشابہ بود اگر میان ضاد و ظا مشابہت تام در سماعت وشنوائی بنودے فقہاء دقرار رحمہم اللہ تعالےٰ چرا این عنین تقریری کردند کمالا یخفی علی الماہر المتفطن بالعلوم العالیۃ پس در عبارت فتاویٰ عالمگیری و طحطاوی وحلیہ وغیرہ بغور وتامل نظر باید کہ اگر بعجز وعدم قدرت بر ادائے ضاد دظا در نماز میخوانند نزد ہمہ مشائخ نماز شخص صحیح خواہد بود اگر باوجود قادر بودن بر ادائے آن تعمد اظا بجائے ضاد خواند نزد قاضی ابوالحسن و ابوالقاسم فاسد شود ونزد اکثر مشائخ صحیح گردد چرا کہ قول ہر دو قاضیان بمقابلہ اکثر مشائخ واقع شدہ واگر قول اکثر مشائخ را بر اطلاق حمل کردہ نشود بنا بر اشکال درامتیاز ہر دو حرف فی نفسہ تا قول ہر دو قاضیان بمقابلہ اکثر مشائخ چگونہ درست گردد چہ ہر دو قاضیان در تعمد وخطا بعدم تمیز دران فرق می کنند بخلاف قول اکثر مشائخ کہ قائلین مطلقا بعدم فساد نماز اند واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

اندر مدتے درمیان مسلمانان این شہر در ضاد خلافت آن نزاعے در ضاد معجمہ افتادہ است بعض ضاد معجمہ را مشابہ دال معجمہ میخوانند وبعض مشابہ ظاء معجمہ بلکہ اکثر از عوام ہند ضاد معجمہ را در قرآن بنہجے ادا می کنند کہ مشابہ حرف دال بلکہ عین آن مے شود وفرق از دال این قدر می کنند کہ ضاد معجمہ را بصوت دال معجمہ دا آدا نمیر بی برآرند واین خود خطا وغلطی فاحش است بچند وجوہ اول اینکہ این حرف جدید است از حروف نہجی در ہیچ کتابے دیدہ نشد کہ ضاد معجمہ دو قسم است یکے شبیہ بدال دوم شبیہ بظاء معجمہ دوم اینکہ در جمیع

ہو جائے گی۔ واللہ اعلم
سید نذیر حسین

کچھ مدت سے اس شہر اور اس کے ماحول میں مسلمانوں میں اس بات میں جھگڑا چل رہا ہے کہ ضاد کا صحیح تلفظ کیا ہے بعض اس کو دال سے مشابہ پڑھتے اور بعض ظا کے مشابہ بلکہ بعض تو اس کو بعینہ دال کی

کتب قراءت وصرف ونقہ بالاتفاق نوشتہ اند کہ فرق درمیان ضاد معجمہ وظاء معجمہ بسیار مشکل است بسبب تشارک در صفات سوائے استطالت کہ در ضاد است وظاء نیست ویا مخرج اصلی کہ برائے ہر یک علیحدہ است اما ادائے ہر واحد از مخرج اصلی آن بنہجے کہ ضاد معجمہ از ظاء معجمہ ممتاز شود دشوار است دراین اشکال نیست مگر بسبب تشارک باہمدگر در صفات پس ازین صاد ظاہر وہویدا گردید کہ ضاد معجمہ ہمان است کہ با ظاء معجمہ مشابہت دارد نہ آن ضاد معجمہ کہ مخرج آن قریب مخرج دال باشد چنانکہ عوام مردم ہندوستان بلکہ بعض از خواص ہم میخوانند چہ دال با ضاد معجمہ تخالف ونباین تمام دارد در صفات وفرق درمیان این ہر دو آسان وسہل است مشکل ودشوار نیست بخلاف ظاء معجمہ کہ امتیاز وفصل میانہ آن وضاد معجمہ عسیر ومشکل است سیوم آنکہ اگر بسبب دشواری درادائے ضاد معجمہ از مخرج اصلی آن مماثلت با ظاء معجمہ در نماز افتد نماز بروایت صحیحہ کتب فقہ تباہ نمی شود بخلاف آنکہ مشابہ با حرف دال گردد واللہ اعلم بالصواب۔ نمقہ العبد المستکین محمد صدر الدین شرح اللہ صدرہ بنور الیقین مرقومہ پنجم شہر ربیع الثانی ۱۲۷۸ھ صد بتاریخ بست وپنجم شہر ذی الحجہ ۱۲۷۹ھ بہ فرط انداز نقل نمودہ شد۔
توسل حسین عفی عنہ۔

آواز میں پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی فرق کرتے ہیں تو یہ کہ ضاد کو دال پُر کی آواز میں ادا کرتے ہیں اور یہ خود ایک بہت بڑی غلطی ہے اولاً یہ کہ حروف تہجی میں یہ ایک نئے حرف کی ایجاد ہے کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے کہ ضاد کی دو قسمیں ہیں ایک دال کے مشابہ اور دوسری ظاء کے مشابہ ثانیاً کتب قراءت وصرف وفقہ میں لکھا ہے کہ ضاد اور ظاء میں امتیاز بہت مشکل ہے کیونکہ یہ صفات میں مشترک ہیں سوائے استطالت کے کہ ضاد میں ہے اور ظاء میں نہیں ہے اور یا پھر اصلی مخرج میں فرق ہے لیکن ان کے مخارج میں امتیاز مشکل ہے اس سے معلوم ہوا کہ ضاد حقیقت میں وہی ہے جو ظاء سے مشابہ ہو نہ وہ ضاد جو دال کے قریب ہو اور دال و دونوں میں فرق کرنا بالکل آسان ہے مشکل نہیں ہے اور ثالثاً یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ضاد کو ظاء کی آواز میں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور دال کی آواز میں پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ کتب فقہ کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس شخص کے باب میں جو کہ حرف ضاد کو جس جگہ پر کہ قرآن مجید میں آتا ہے مشابہ ظا کے پڑھتا ہے کہ جس کو ضواد بولتے ہیں اور ضاد مماثل دال کے پڑھنے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل وبے ثبات ہے اور محض جہل ہے اور اس کے وجود کا کسی جا کتب فقہ وتفسیر وتجوید کہ جن کا اسباب میں اعتبار ہے پتہ ونشان نہیں ہے پس جب کہ کتب معتبرہ ومستندہ میں حرف دواد کا ذکر ونقل نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معدوم ہے اور اس کے پڑھنے سے نماز میں خلل آتا ہے اس لئے کہ عدم نقل مستلزم نقل عدم ہے چنانچہ نمونہ از خروارے عبارات کتب نقل کی جاتی ہیں بنظر صدق وانصاف ودود از اعتساف ملاحظہ کرنا چاہیے اول کتاب رعایۃ تصنیف امام محمد مکی میں مذکور ہے و الضاد لا تفترق عن الظاء الا باختلاف المخرج وزیادۃ الاستطالۃ فی الضاد ترجمہ - ضاد نہیں الگ ہوتا ہے ظا سے مگر بسبب جدا ہونے مخرج کے اور زیادہ ہونے درازی کے بیچ ضاد کے اور دوسری جگہ اسی کتاب میں لکھا ہے الضاد حرف یشبہ لفظہ فی السمع بلفظ الظاء والدال فلیحفظ ترقیق الدال فی اللفظ فان دخلہا تفخیم فیؤدی الی الاطباق فیصیر عندہا ظاء او ضادا لان الضاد اخت الظاء فی المخرج - ترجمہ - ضاد ایسا حرف ہے کہ مشابہ ہے بولنا اس کا ساتھ بولنے ظاد کے اور دال کے پس چاہیے کہ نگاہ رکھی جائے باریکی دال کی پس اگر داخل ہو گئی اس میں پری تو پہنچا دیگی وہ پر پڑھنے کو تو ہو جا دے گا دال اس وقت ظا یا ضاد کیونکہ ضاد بہن ظا کی ہے مخرج میں اور لکھا امام رازی نے تفسیر کبیر میں قد حصل فی الضاد انبساط لاجل رخاوتہا وبہذا السبب یقرب مخرجہ من مخرج الظاء ترجمہ تحقیق آگیا ہے ضاد میں پھیلاؤ بسبب نرم ہونے اس کے کے اور اسی لئے قریب ہے مخرج اس کا ساتھ مخرج ظاد کے اور شرح قصیدہ نونیہ میں ہے ان الظاء تشارک الضاد فی الاوصاف کلہا غیر الاستطالۃ فلذلک اشتد شبہہ بہ وعسر لاجلہ واحتاج القاری فی ذلک الی الریاضۃ لاتمام

بین مخرجیہما۔ ترجمہ بے شک ظا شریک ہے ضاد کا تمام صفتوں میں سوا درازی کے پس اسی واسطے سخت مشابہت ہے ظا کو ساتھ ضاد کے اور مشکل ہے جدائی درمیان ان دونوں کے اور محتاج ہے پڑھنے والا اس باب میں طرف محنت اور مشقت کے بسبب ملاؤ کے درمیان مخرجوں ان دونوں کے اور کتاب تمہید میں ہے فلولا الاستطالۃ واختلاف المخرجین لکانت الضاد ظاء فمثال الذی یجعل الضاد ظاء کالذی یبدل السین صادا۔ ترجمہ۔ پس اگر نہ ہوتی درازی اور جدائی مخرجوں کی تو ہو جاتی ضاد ظاد۔ پس مثال اس شخص کی کہ کرتا ہے ضاد کو ظاء مثل اس کے ہے کہ کرتا ہے اور بدلتا ہے سین کو صاد کے ساتھ اور تفسیر عزیزی میں مذکور ہے بدانکہ فرق درمیان ضاد و ظاء بسیار مشکل است ترجمہ۔ فرق کرنا ضاد اور ظاء میں بہت مشکل ہے اور اسی طرح ہے جہد المقل محمد مرعشی اور جعبری اور خزانۃ الروایات اور شاطبی اور کتب و رسالجات صرف و قرات کے باب مخارج میں۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ بخوف طوالت انہیں پر اکتفا کیا گیا منصف کے واسطے یہی کیا کم ہے۔ اب علمائے حقانی و فضلائے ربانی کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر یہ شخص غلطی اور ضلالت پر ہے تو اس کی دلیل بیان کریں اور دلائل و براہین مذکورہ سے جواب شافی دیویں صرف رسم آباؤ اجداد پر اکتفا نہ فرمادیں۔ اور اگر مائل بصواب ہے تو تسلیم فرمادیں اور اس کی حقیقت تحریر فرما کر مواہیر سے مزین و مشرف فرمادیں تاکہ عوام خلجان میں نہ پڑیں۔ واللہ الہادی۔

الجواب۔ (جواب از مولوی عبدالحی صاحب حنفی) حرف ضاد مشابہ ہے حرف ظاء کے ساتھ اگر مخرج خاص سے اس کا استخراج نہ ہو تو مشابہ ظ یا ذ کے اگر پڑھے گا نماز درست ہوگی اور مشابہ دال کے پڑھنے سے نماز میں خلل ہوگا۔ خلاصۃ الفتاوی میں ہے ان ذکر حرفا مکان حرف و غیر المعنی ان امکن الفصل کالظاء مکان الصاد تفسد صلوتہ وان کان لایمکن الفصل الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والطاء مع التاء والصاد

مع السین الاکثر علی انہ لا یفسد واللہ اعلم انتہی اور بزازیہ میں ہے لو قال غیر المغضوب بالظاء والضالین بالذال او الظاء لا تفسد لعموم البلوی وکثیر من المشائخ افتوا بہ انتہی۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ ترجمہ۔ اگر پڑھا ایک حرف کو جگہ دوسرے حرف کے اور بدل گئے معنے پس اگر ممکن ہو جدائی جیسا کہ طاء جگہ صاد کے تو فاسد ہو جاوے گی نماز اس کی اور اگر نہیں ہو سکتی جدائی مگر ساتھ دقت کے جیسا ظاء ساتھ ضاد کے اور ظاء ساتھ ذال کے اور صاد ساتھ سین کے اکثر تو اس بات پر ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر پڑھے غیر المغضوب ساتھ ذال کے یا ظاء کے تو نہیں فاسد ہوتی ہے نماز اس کی واسطے عام ہونے ابتلا کے اور بہت سے مشائخ نے اس پر فتوی دیا ہے۔

ابو الحسنات محمد عبد الحی حنفی لکھنوی

(جواب از مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب)

الجواب ہو الملہم للحق والصواب۔ واضح ہو کہ شخص مذکور حق پر ہے اور جو تحریر اس کی تائید میں لکھی گئی ہے وہ درست ہے اور قابل عمل ہے اور تنقیح اس امر کی یہ ہے کہ ظاء معجمہ پڑھنے سے ضاد معجمہ کی جگہ بدون تعمد کے بقصد ادائے ضاد معجمہ کے باوجود تغیر معنے کے اکثر مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی ہے کما فی الفتح والنہر وقاضی خان وخزانۃ المفتین والہندیہ وجیز الکردری والتاتارخانیۃ والخلاصۃ وخزانۃ الاکمل والحلیۃ والنقشبندیۃ والبزازیہ والدر المختار ورد المختار والذخیرۃ و شرح الجزریۃ اور بہت مشائخ نے اس بات پر فتوے دیا ہے کذا فی العنایۃ والبزازیہ والعالمگیریہ والنقشبندیہ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار کذا فی خزانۃ الاکمل والحلیۃ ووجیز الکردری والعنایۃ والعالمگیریۃ اور بعض کے نزدیک درصورت تغیر معنی کے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ قول اول قول متاخرین کا ہے اور قول دوم قول متقدمین کا ہے۔ شامی وغیرہ نے اگرچہ قول متقدمین کو احوط کہا ہے اور قول متاخرین

کا جو اکثر مشائخ کا قول ہے مفتی بہ ہے اور قول متقدین پر فتوے نہیں ہے باقی دال مہملہ پڑھنے سے ضاد معجمہ کی جگہ بر تقدیر تغیر معنی کے باتفاق متقدمین و متاخرین نماز فاسد ہونا چاہیے کہ درمیان دال مہملہ و ضاد معجمہ کے تمیز تعسر نہیں ہے اور درمیان ان کے تشابہ صوت نہیں ہے جیسے طاء مہملہ پڑھنے سے صاد مہملہ کی جگہ درصورت تغیر معنی بالاتفاق نماز فاسد ہو جاتی ہے کما فی النہر و قاضی خان والعالمگیریہ و شرح المنیۃ والدر المختار اور جیسے پڑھنے ضاد معجمہ سے مخرج طاء مہملہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے چنانچہ مرعشی نے رسالہ ضادیہ میں لکھا ہے من تلفظ من مخرج الطاء المہملۃ تفسد صلوتہ بلا شبھۃ اذ لا اشتباہ بینہما ولا یصح المعنی حینئذ اور شاید عموم بلوے اس میں بسبب عدم تشابہ اور عدم تعسر تمیز کے معتبر نہ ہو۔ مگر ممکن ہے کہ جہالت اس میں عذر ہو لیکن یہ عذر بعد علم کے مرتفع ہے فتح القدیر میں مرقوم ہے وحاصل ھذا ان کان الفصل بینہما بلا مشقۃ کالطاء مع الصاد کما قرا الطالحات مکان الصالحات تفسد وان کان بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والتاء مع الطاء قیل تفسد وقال اکثرھم لا تفسد انتہی ھکذا فی النہر وغیرہ من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین الدہلوی عفی عنہ۔

سید شریف حسین
سید امجد حسن

سید محمد نذیر حسین
تلطف حسین

محمد عبدالحمید
نعم المولی ونعم النصیر

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین و قاریان قرآن مجید و داقفان علم تجوید اس مسئلہ میں کہ اصل صوت ضاد معجمہ کے

لہ اگر کوئی آدمی ضاد کو طاء کے مخرج سے پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ان دونوں حرفوں میں کوئی اشتباہ نہیں ہے اور معنی بھی اس صورت میں صحیح نہیں رہتے۔

لہ اگر ان میں بغیر کسی مشقت کے امتیاز ہو سکتا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی جیسے صالحات کی جگہ کوئی طالحات پڑھے اور اگر بآسانی امتیاز نہ ہو سکتا ہو مثلاً ظاء اور ضاد، سین اور ص۔ تاء اور طاء تو اکثر کے نزدیک نماز باطل نہیں ہو گی۔

مشابہ دال مفخمہ کے ہے یا مشابہ ظائے معجمہ کے اور اگر کوئی شخص ضاد کی جگہ دال مہملہ پڑھے تو نماز اس کی فاسد ہوگی یا نہیں اور ایسے ہی اگر کوئی شخص بجائے ضاد ظا پڑھے بایں جہت کہ ادا کرنا ضاد کا مخرج سے سخت دشوار ہے اور مشابہت دونوں میں بہت ہے اور فرق کم تو بھی نماز اس کی فاسد ہوگی یا نہیں اور جو شخص اصرار کرے اس بات پر کہ ضاد کو مشابہ ظا کے پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جماعت میں تفرقہ ڈالے اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ وھو الملھم للصدق والصواب ربِّ

زدنی علما۔ صوت ضاد معجمہ کی ہرگز مشابہ دال مفخمہ کے نہیں اور پڑھنا اس کا مشابہ دال کے بالکل غلط ہے بلکہ وہ مشابہ ظائے معجمہ کے ہے پس یہاں دو امر ہیں اول مشابہ نہ ہونا ضاد معجمہ کا دال مہملہ کے دوم یہ کہ وہ مشابہ ظائے معجمہ کے ہے پہلے امر کا بیان یہ ہے کہ دال مہملہ اور ضاد کے مخرج میں بھی مباینت ہے اور اکثر صفات میں بھی مغایرت۔ مخرج دونوں کا علیحدہ ہونا تو مثل آفتاب ظاہر ہے اس واسطے کہ مخرج ضاد کا تمام کنارہ زبان کا اور کرسی اوپر کے دونوں ڈاڑھوں کی جن کو اضراس کہتے ہیں داہنی ہوں خواہ بائیں اور مخرج دال کا نوک زبان اور جڑ اوپر کے دونوں دانتوں کی ہے جن کو ثنایائے علیا کہتے ہیں علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں مخرج الضاد من اصل حافۃ اللسان وما یلیھا من الاضراس اور امام رازی تفسیر کبیر میں ارشاد فرماتے ہیں مخرج الضاد من اصل حافۃ اللسان وما یلیھا من الاضراس اور قاضی ناصر الدین بیضاوی انوار التنزیل میں ترقیم کرتے ہیں والضاد من اصل حافۃ اللسان وما یلیھا من الاضراس ایسے ہی رضی اور جہد المقل اور اتقان اور شرح جزری اور شافیہ میں ہے باقی رہی مغایرت صفات میں سو بیان اس کا یہ ہے کہ اکثر صفات ضاد کی مباین و متضاد ہیں صفات دال کے اور وہ صفات سات ہیں قلقلہ

لہ ضاد کا مخرج زبان کے کنارہ اور بالائی ڈاڑھوں کی جڑ ہے

شدت ۔ اصمات ۔ انفتاح ۔ ترقیق ۔ استفال اور آنی ہونا بھی صفت دال ہے ۔ مولانا محمد مرعشی جہد المقل میں کہ کتاب نہایت عجیب وغریب ہے علم تجوید میں فرماتے ہیں ۔ القلقلۃ والشدۃ والاصمات والانفتاح والترقیق والاستفال من صفات الدال المہملۃ انتہی اور اسی کتاب میں ہے ان الحروف علی اربع مراتب آنی لایمتد اصلا وہی الحروف الشدیدۃ آہ اور صفات ضاد کی یہ ہیں رخاوت جہر استعلاء اطباق تفخیم استطالت اصمات اور تفشی نزد بعض جہد المقل اور اس کی شرح میں مرقوم ہے الرخاوۃ والجہر والاستعلاء والاطباق والتفخیم والاستطالۃ والاصمات من صفات الضاد المعجمۃ والتفشی عند البعض ایضا انتہی اور ساکنہ بھی ضاد کی صفت ہے کما فی منہاج النشر وطیبۃ النشر والعد ۃ وخلاصۃ النواد ر وغیرھا اب غور کرو کہ اکثر صفات دال اور ضاد میں تبائن وتضاد ہے دیکھو قلقلہ ضد سکون ہے اور شدت ضد رخاوت اور انفتاح ضد اطباق اور ترقیق ضد تفخیم اور استفال ضد استعلاء اور آنی ہونا ضد استطالت اور ضاد میں تفشی ہے دال میں نہیں پس ثابت و محقق ہوا کہ ضاد اور دال میں مبائنت کلی ہے باعتبار مخرج اور اکثر صفات کے پس پڑھنا ضاد کا مشابہ دال کے صوت میں باطل و غلط ہے کیونکہ مثل نباشیر صبح تابان و درخشان ہے کہ ضاد کو مشابہ دال مہملہ پڑھنا محال عادی ہے مگر دال کی مخرج اور اس کی صفات سے اور عیان ہے کہ جو دال کی مخرج سے اور اس کی صفات سے ادا ہوگا وہ ضاد نہ ہوگا لان الحرف لایتجاوز مخرجہ المحقق صرح بہ المرعشی فی جہد المقل بلکہ وہ دال ہوگی کما یستفاد من شرح جہد المقل حیث قال ومع ذلک و اصلوا حافات السنتہم ایضا الا ما الی اضراسہم فنرجوا الضاد المعجمۃ

۱؎ دال کی صفات قلقلہ ۔ شدت ۔ اصمات ۔ انفتاح ۔ ترقیق ۔ استفال ہیں ۲؎ حروف چار طرح کے ہیں ۔ آنی وہ جن کو قطعاً لمبا نہیں کیا جاتا اور یہ شدیدہ حروف ہیں ۳؎ ضاد معجمہ کی صفات رخوۃ جہر استعلاء ۔ اطباق تفخیم ۔ استطالۃ اور اصمات ہیں ۴؎ حروف اپنے مخرج سے تجاوز نہیں ہو سکتے ۵؎ جہد المقل کی شرح میں ہے اور انہوں نے اپنی زبان کے کناروں کو ڈاڑھوں کے ساتھ ملایا ہے

بالظاء لکن ذلک فی الحقیقۃ ظاء مھملۃ اور دوسرے امر کا بیان یہ ہے کہ ضاد اور ظا مشترک ہیں اکثر صفات میں گو مبائن ہیں مخرج میں صفات ضاد کی ابھی معلوم ہو چکیں اور صفات ظا کی یہ ہیں جہر رخاوت استعلا اطباق تفخیم اصمات جہد المقل اور اس کی شرح میں ہے الاصمات والجھر والرخاوۃ والاستعلاء والاطباق والتفخیم من صفات الظاء المعجمۃ انتھی اور بعض کے نزدیک سا کنہ بھی ظا کی صفت ہے کما فی منہاج النشر وطیبۃ النشر وغیرھما اب دیکھو کہ صفات ضاد اور ظا میں کس قدر اتفاق ہے کہ بجز استطالت کے اور کچھ فرق نہیں ومعہذا اشتراک مذکور کتب معتمدہ میں بخوبی مصرح ہے اتقان فی علوم القرآن میں مسطور ہے الضاد والظاء اشترکا صفۃ جھر ورخاوۃ واستعلاء واطباق وانفردت الضاد بالاستطالۃ انتھی اور رسالہ مولانا عبدالرحیم صاحب میں مذکور ہے صفت ضاد موافق ظا است انتھی اور اشتراک ضاد اور ظا کا دلیل ظاہر اور برہان باہر ہے مشابہت صوتی پر بلا شبہ چنانچہ علمائے محققین نے تصریح فرمائی ہے شیخ القراء استاذ المجودین علامہ ابو طالب مکی رعایہ میں ارشاد فرماتے ہیں الضاد یشبہ لفظھا بلفظ الظاء لانھما من حروف الاطباق والحروف المجھورۃ ولولا اختلاف المخرجین وما فی الضاد من الاستطالۃ لکان لفظھما واحدا والظاء حرف یشبہ لفظہ فی السمع لفظ الضاد لانھما من حروف الاطباق ومن الحروف المجھورۃ ومن الحروف المستعلیۃ ولولا اختلاف المخرجین وزیادۃ الاستطالۃ التی فی الضاد لکانت الظاء ضادا انتھی اور امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں المختار عندنا ان اشتباہ الضاد بالظاء لا یبطل الصلوۃ ومایدل علیہ ان المشابھۃ حاصلۃ بینھما جدا والتمیز عسیر فوجب ان یسقط التکلیف بالفرق وبیان المشابھۃ من وجوہ الاول انھما من

اور اس طرح ضاد کو طاء کے ساتھ ملا دیا ہے اور حقیقت میں یہ طا کا مخرج ہے [۱] اصمات۔ جہر، رخوۃ استعلاء۔ اطباق۔ تفخیم ظاء کی صفات ہیں [۲] ضاد اور ظا، صفت جہر۔ رخوہ اور استعلاء میں مشترک ہیں اور ضاد استطالت میں منفرد ہے۔

الحروف المجهورة والثانی انهما من الحروف الرخوة والثالث انهما من الحروف المطبقة والرابع ان فی الضاد انبساطا لاجل رخاوتها ولهذا یقرب مخرجه من مخرج الظاء الی ان قال نثبت ما ذکرنا ان المشابهة بین الضاد والظاء شدیدة وان التمیز عسیرة انتهی اور مولانا محمد مرعشی جهد المقل میں ترقیم فرماتے ہیں ظهر من الابحاث السابقة بیان الفرق بین الضاد والظاء والذال المعجمات وانها متشارکة فی الجهر والرخاوة ومشابهة فی السمع لکن الاخیرین من مخرج واحد والضاد لیس من مخرجهما قال فی الرعایة ما مختصره ان هذه الحروف الثلث متشابهة فی السمع والضاد لا تفترق عن الظاء الا باختلاف المخرج وزیادة الاستطالة فی الضاد ولولاهما لکانت احدیهما عین الاخری ولا تفترق الذال الا بهما وبالاطباق والاستعلاء والتفخیم ولولا هذه الامور لکانت احدیهما عین الاخری الثلث هل تتشابه الضاد والظاء المعجمتین فی السمع نظیر قلت نعم ذکر ابن الهمام ان الفصل بین الحرفین ان کان بمشقة کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین والطاء مع التاء قیل تفسد وقال اکثرهم لا تفسد عند تشبه بل احدیهما بالاخری اور اس کے بعد لکھتے ہیں فان نطقت بالضاد المعجمة بان جعلت مخرجها من حافة اللسان مع ما یلیها من الاضراس بدون اکمال حصر الصوت واعطیت لها الاطباق والتفخیم الوسطین والرخاوة والجهر والاستطالة والتفشی القلیل وهذا هو الحق المؤید بکلمات الائمة فی کتبهم یشبه صوتها حینئذ بصوت الظاء المعجمة بالضرورة وماذا بعد الحق الا الضلال ولا اشکال ام الضاد اطنبت فی الکلام وقد افردت لها رسالة انتهی اور خلاصہ کلام یہ کہ تمام فقہائے اعلام ان حرفوں کی مثال میں کہ جن میں مشابہت زیادہ ہے اور فرق دشوار کالضاد مع الظاء لکھتے ہیں چنانچہ در مختار اور فتاوی جزریہ اور رسائل الارکان اور خلاصۃ الفتاوے اور رد المحتار حاشیہ در مختار اور اور کتابوں میں مرقوم ہے پس اگر ضاد اور دال

میں مشابہت ہوتی تو بجائے کالضاد مع الظاء کے کالضاد مع الدال کہتے والذلیس فلیس۔ بالجملہ باتفاق علمائے تجوید وفقہاء ومفسرین اعلام محققین ثابت اور محقق ہے کہ ضاد صوت میں مشابہ ظاء کے ہے نہ مشابہ دال کے پس اس کو مشابہ ظا کے پڑھنا صحیح اور درست ہے اور مشابہ دال کے پڑھنا غلط اور بے اصل۔ اور پڑھنا دال کا مقام ضاد کے غلط محض ہے اور باطل صرف کیونکہ کیونکہ پڑھنا دال کا بجائے ضاد مثل پڑھنے ظا کے ہے بجائے صاد اور وہ مفسد نماز ہے وقت تغیر معنے کے چنانچہ کتب معتمدہ مثل فتح القدیر و فتاوے قاضی خان و عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہے بلکہ علمائے اعلام نے بعض مقامات پر تصریح کی ہے اس بات کی کہ دال مہملہ کو بجائے ضاد معجمہ کے پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں مذکور ہے خضر بالدال المھملۃ او المعجمۃ مکان الضاد تفسد اور مولانا سید احمد دحلان شیخ المکہ معظمہ نے اپنے مہری فتاوی میں لکھا ہے قال العلامۃ الرملی ولو ابدال الضاد بغیر الظاء لم یصح قرأتہ مطلقا انتھی فعلم من ھذا انہ لم یقع خلاف فی ابدالھا دالا کما وقع فی الظاء فالنطق بھا دالا لم یقل احد بصحتہ انتھی۔ اور بجائے ضاد کوئی شخص ظائے معجمہ پڑھے بسبب تعسر فرق اور زیادتی مشابہت کے تو نماز اس کی فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ ادا کرنا اس کا بہت دشوار ہے فتاوی قاضی خان میں موجود ہے وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاد مع الظاء والصاد مع السین و الطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال اکثرھم لا تفسد صلوتہ انتھی اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے ان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالضاد مع الظاء والصاد مع السین والطاء مع التاء قال اکثرھم لا تفسد انتھی اور برہان میں مرقوم ہے ان وجد الفصل بلا مشقۃ کالطاء مع الصاد تفسد وان لم یوجد الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء قیل تفسد، واکثرھم علی عدمہ انتھی اور در مختار میں ہے او نقص حرفا او قدمہ او بدلہ لا تفسد مالم یتغیر

المعنی الا ما یشق تمییزہ کالضاد والظاء فاکثرھم لم تفسد انتہی اور خزانۃ الروایات میں ہے ان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء قال اکثرھم لا تفسد انتہی۔ اور خزانۃ المفتیین میں ہے ان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالضاد مع الظاء والصاد مع السین والطاء مع التاء الاکثر علی انہ لم تفسد انتہی وھکذا فی العالمگیریۃ والفتاوی الجزریۃ ورسائل الارکان وغیرھا من الکتب الفقہیہ اور شرح جہد المقل میں مسطور ہے فی التمہید ان من العرب من یجعل الضاد ظاء مطلقا فی جمیع کلامھم وھذا غریب و فیہ توسیع للعامۃ انتہی اور مولانا شیخ جمال ابن عبداللہ مفتی مکہ معظمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوے مہری میں لکھا ہے وابدال الضاد ظاء و ھی لغۃ اکثر العرب و محمد بن سلمۃ قال لا تفسد لانہ قل من الفرق بینھما فی اللفظ ونقل ھو ان بعض العرب یبدل الضاد بالظاء مطلقا انتہی[1] اور جو شخص اصرار کرتا ہے اس بات پر کہ ضاد کو مشابہ ظائے معجمہ کے پڑھنے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور فساد و تفرقہ جماعت میں ڈالتا ہے۔ وہ شخص خاطی اور جاہل ہے اور نابلد علوم دینیہ سے اور قابل اخراج اور نکالنے کے ہے مسجد سے اور اگر باوجود افہام و تفہیم کے قبول نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیے محذر از فقط واللہ سبحانہ اعلم بالصواب و عندہ مفاتیح الابواب والیہ الایاب فی کل باب نمقہ العبد الخامل الجانی النفید امیر احمد التقوی السہسوانی عاملہ اللہ بالنور الشعشانی والترحم الصمدانی

سید امیر احمد نقوی ۱۲۸۲

[1] (خلاصہ عربی عبارات) اگر ضاد کو دال کی آواز میں پڑھا جائے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اس کی صحت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور اگر دو حرفوں میں آسانی سے امتیاز نہ کیا جا سکے جیسے ضاد اور ظاء سین اور صاد، تا اور طاء تو ایک کے بجائے اگر دوسرا پڑھا جائے تو اکثر کے نزدیک نماز صحیح ہے۔ اگر کوئی حرف مقدم۔ موخر ہو جائے یا بدل جائے تو اگر معنی میں تبدیلی نہ ہو تو نماز درست ہے۔

ما افادہ المجیب اللبیب فہو الحق بالاتباع۔

العاقبۃ بالعافیۃ اسمہ احمد

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

مولوی سراج احمد صاحب شاگرد رشید حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب

الجواب صحیح والرائے نجیح

محمد مسعود دہلوی

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

مولوی حفیظ اللہ خان دہلوی

من اجاب اصاب واجاد فی الجواب واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب حررہ العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ اللہ القوی السید امیر حسن السہسوانی النقوی عاملہ اللہ بلطفہ الازلی

سید امیر حسن

ھذا صراط ربك مستقیما فیا ایھا الذین امنوا تمسکوا به وذروا انفسکم نا لا کتبه الفقیر الی اللہ العلی الکبیر۔ محمد بشیر عفی عنہ (مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی)

محمد نور اللہ عفی عنہ

(مولوی نور اللہ صاحب ساکن گلاوٹی)

الجواب حق صریح والمنکر مخالف لاجماع الفقراء والفقہاء وتبیم۔

(المنوہ محمد وصیت علی اراد)

الجواب صحیح

من اجاب اجاد واصاب فیما افاد

محمد عنایت علی

محمد اسحق

مخرج الضاد والظاء والدال مختلف بالذات لکن الضاد والظاء متفقان فی اکثر الصفات بخلاف الدال فانہ مباین للضاد فی المخرج والصفات کلیہما ومن ثم یشبہ لفظ الضاد لفظ الظاء فی الصوت ولا یشتبہ بالدال قال فی العالمگیریۃ وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال اکثرھم لا تفسد ھکذا فی فتاوی قاضی خان وکثیر من المشائخ افتوا بہ وقال القاضی الامام ابو الحسن والقاضی الامام ابو العاصم ان تعمد فسدت وان جری علی لسانہ او کان لا یعرف التمییز لا تفسد الصلوۃ وھو اعدل الاقاویل والمختار ھکذا فی الوجیز الکردری انتہی واللہ اعلم بالصواب

محمد یوسف جنیدی

فی الواقع صوت ضاد معجمہ کی مشابہ صوت ظا کے ہے ذال کے نہیں کیونکہ دال اور ضاد میں تباین کلی ہے باعتبار مخرج اور اکثر صفات کے بخلاف ظا کے کہ اس میں اور ضاد معجمہ میں اتفاق ہے اکثر صفات میں فقط فرق استطالت کا ہے اور وہ موجب مشابہت کا دال سے نہیں کما لایخفی پس اگر کوئی بجائے ضاد ظا پڑھے نماز اس کی فاسد نہ ہوگی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں مسطور ہے وان لم یکن کالظاء مکان الضاد والصاد مکان السین والطاء مع التاء فقد اختلفوا فاکثرھم علی عدم الفساد لعموم البلوی انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

سید عبدالباری نقوی سہسوانی

فی الحقیقت ضاد معجمہ مشتبہ الصوت دال مہملہ سے نہیں ظائے معجمہ سے ہے فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں مرقوم ہے وان کان بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء قیل تفسد واکثرھم لا تفسد۔ انتہی۔ اور ایسے ہی فتاوی جامع الروایات میں ہے واللہ اعلم سبحانہ اعلم۔

حفیظ ادرج شجاعت ابوتراب علی (مولوی حراب علی حاپنوری)

المجیب المفید مصیب مجید حررہ العبد المستکین محمد زبیر الدین شرح اللہ صدرہ بنور الیقین

من غلب ہواہ عقلہ افتضح ساکن قصبہ کیرانہ

ضاد حقیقت میں مشتبہ الصوت ظا سے ہے دال سے نہیں مفتی عنایت صاحب نے بھی محاسن الافضل میں یہی تحقیق فرمایا ہے۔ سید سبط احمد نقوی سہسوانی

الجواب حق والمجیب محقق محمد عبداللہ

سوال[1]۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں باب کہ ضاد معجمہ اشبہ بظاء معجمہ است یا بدال مہملہ بینوا توجروا۔

الجواب۔ بموجب روایات فقہیہ معتبرہ این حرف اشبہ است بظاء معجمہ نہ بدال۔ قال فی در المختار فی مفسدات الصلوۃ ولو زاد کلمۃ او نقص کلمۃ او نقص حرفا او قدمہ او بدلہ باخر نحو من ثمرہ اذا اثمر و

---

[1] سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ لفظ ضاد ظاء سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے یا دال سے؟

استعمد تعالیٰ جد ربنا انفرجت بدل انفرجت ایاب بدل اواب لم تفسد ما لم تتغیر المعنی الا ما یشق تمیزہ کالضاد والظاء والاکثر انہم لم یفسدھا فی العالمگیریۃ فی فصل زلۃ القاری ومنہا ذکر حرف مکان حرف ان ذکر حرفا مکان حرف و لم یغیر المعنی بان قرأن المسلمین ان المسلمون وما اشبہ ذلک لم یفسد صلوتہ وان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوتہ عند الکل وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال اکثرھم لا تفسد صلوتہ ھکذا فی فتاوی قاضی خان وکثیر من المشائخ افتوا بہ قال القاضی الامام ابوالحسن والقاضی الامام ابو عاصم ان تعمد فسدت وان جری علی لسانہ او کان لا یعرف التمیز لا تفسد وھو اعدل الاقاویل والمختار ھکذا الوجیز الکردری وفی فتح القدیر فی فصل القرأۃ وحاصل ھذا ان کان الفصل بلا مشقۃ کالطاء مکان الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد وان کان بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء قیل تفسد واکثرھم لا تفسد ھکذا علی رأی ھؤلاء المشائخ انتہی پس ازیں روایات معلوم شد کہ فرق کردن میان ضاد وظاء حاصل نمی شود الا بمشقت واین نیست مگر از کثرت مشابہت درمیان ضاد وظاء۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد برکت اللہ — محمد یعقوب	عبدالقادر الخالق
سراج العلماء ضیاء الفقہاء مفتی عدالت العالیہ	محمد عبدالوہاب
سلطانی سید رحمت علی خان ۱۲۵۳ھ	نوازش علی
سید محمد نذیر حسین	محمد بشیر ونذیر آمدہ
حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	سید محبوب علی جعفری
مسکین علاؤ الدین	محمد عبدالرب
	فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد

الجواب۔ نفس کی معتبر روایات کی بنا پر یہ حرف ظاء سے مشابہت رکھتا ہے دال سے مشابہ

سوال ۔ بسم اللہ ہر سورہ پر تمام کلام مجید میں نماز تراویح وغیرہ میں پڑھنی چاہیئے یا نہیں اور در صورت نہ پڑھنے کے مخالفت اس حدیث کی کہ جو ابن عباس سے مروی ہے من ترکہا فقد ترک مائۃ واربع عشرۃ آیۃ من کتاب اللہ کذا فی المدارک لازم آتی ہے یا نہیں ۔

الجواب ۔ آنچہ معمول عبد الغنی است ہمیں است کہ برائے رفع اختلاف تسمیہ بین السورتین می کند و والدم نیز ہم چنیں می فرمودند مسئلہ ولا تکرہ التسمیۃ قبل السورۃ فی السریۃ والجہریۃ بین اصحابنا بلا خلاف انہ لو یسمی کان حسنا قال فی البحر والخلاف فی الاستنان اما عدم الکراہیۃ فمتفق علیہ و ہذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبی بانہ ان یسمی بین الفاتحۃ والسورۃ کان حسنا عند ابی حنیفۃ سواء کانت السورۃ مقروۃ سرا او جہرا ورجحہ المحقق ابن الہمام وتلمیذہ الحلبی لشبہۃ الاختلاف فی کونہا آیۃ من کل سورۃ کذا فی الدر وحاشیۃ عابد السندی واللہ اعلم

رحمۃ اللہ علیہ	محمد قطب الدین	سید محمد نذیر حسین	والد الغنی واتم الفقراء

نہیں ہے مسند مختار میں مفسدات نماز کے بیان میں لکھا ہے اگر کوئی کلمہ قرأت میں زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے یا مقدم موخر ہو جائے یا کوئی لفظ کسی لفظ سے بدل جائے مثلا من ثمرہ اذا اثمر کے آگے وانحصد کا اضافہ کر دے یا انفجرت کی بجائے انفرجت پڑھ جائے یا اواب کی بجائے اباب پڑھ جائے تو جب تک اس کے معنی تبدیل نہ ہونگے نماز فاسد نہ ہوگی ہاں اس صورت میں معنی کی تبدیلی سے بھی نماز ہو جائے گی جبکہ وہ ایسے حروف میں امتیاز کرنا مشکل ہو مثلا ضاد اور ظاء فتاوی عالمگیری فتاوی قاضی خان میں بھی ایسا ہی ہے ، اور لکھا ہے کہ اگر جانتے بوجھتے حرف کو بدل دے تو نماز جائز نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی ۔ گردیزی وجیز اور فتح القدیر میں بھی ایسا ہی ہے ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ضاد اور ظاء میں امتیاز مشکل ہے ہوتا ہے اور یہ حرف کثرت مشابہت ہی کی وجہ سے ہے واللہ اعلم ۔

لہ جس نے سورۃ کے ابتداء سے بسم اللہ کو چھوڑ دیا اس نے قرآن مجید کی ایک سو چودہ آیتیں چھوڑ دیں ۔

لہ عبد الغنی صاحب کا معمول یہ ہے کہ وہ رفع اختلاف کے لیے دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھ لیا کرتے تھے اور میرے والد صاحب بھی ایسا ہی فرماتے تھے

لہ مسئلہ ۔ سورۃ سے پہلے سری اور جہری نمازوں میں بسم اللہ پڑھ لینا ہمارے ہاں مکروہ نہیں ہے

عملدر آمد فقیر ہمیں است بلکہ در جہریہ جہر اودر سریہ سراً می خواند برائے استیعاب ختم کہ از حضرت ابن عباس مروی است عن ابن عباس من ترکہا فقد ترک مائۃ واربع عشرۃ آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ کذا فی المدارک فقط

فی محمد

سوال۔ حامداً ومصلیاً باعث این تحریر وغرض ازین تسطیر آنکہ این خاکسار خادم حفاظ ذوی الاقتدار باتباع قرأت امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ از مسلمین اند یعنی یکے از ایشانند کہ نزد ایشان بسملہ بر ہر سورہ باید خواند چنانچہ در کتب این فن مثل نشر وغیرہ مصرح است در ختم حضرت قرآن مجید در نماز تراویح بنا بر استیعاب ختم شریف بسملہ سراً بین السورتین خواندن معمول می دارد وچونکہ عند التذکرہ از بعضے حفاظ دریں باب گفتگو آمد واز خواندن بسملہ ونخواندن آن بین السورتین استفسار رفتہ اوشان از خواندن بسملہ بین السورتین باکردہ گفتند کہ ما اساتذہ ما این معنے تعلیم فرمودہ اند ونہ گاہے باین عمل امر نمودہ بلکہ گاہے از کدامی حافظ اصفا ہم نمودہ ایم پس اوشان این عمل را چیزے نو احداث فرمودہ در محل تعجب افتادند۔ لہٰذا از حضرات حملہ اہل اللہ یعنی حافظ کتاب اللہ ابتغاء لوجہ اللہ استدعا میدارد کہ ہر کہ از اوشان باین طور مذکور عامل وبدین مسئلہ واقف باشند بر طبق عمل یا علم خود بدستخط خاص این پارہ قرطاس رامزین سازند کہ سند بر صحت عمل این ذرہ بیمقدار موجب واقفیت این مسئلہ باعث

اور اس پر سب کا اتفاق ہے اگر بسم اللہ پڑھ لے تو بہتر ہے اگر کوئی اختلاف ہے تو اس کے مسنون ہونے میں ہے اور عدم کراہت پر سب کا اتفاق ہے ذخیرہ مجتبیٰ میں بھی ایسا ہی ہے در اور حاشیہ عابد سندھی میں ہے کہ ابن ہمام اور ان کے شاگرد حلبی نے کہا ہے کہ اگر بسم اللہ پڑھ لے تو بہتر ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائے اور جہری اور سری نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے سری میں سراً پڑھے اور جہری میں جہراً۔ واللہ اعلم

سوال۔ یہ خاکسار باتباع امام عاصم کوفی ہر سورۃ کے ابتداء میں تراویح کے دوران قرآن پاک ختم کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھتا ہے دوسرے حفاظ سے دورہ کرتے ہوئے سورۃ کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ اساتذہ نے ہمیں یہ نہیں بتلایا تم یہ چیز نئی پیدا کر رہے ہو فرمایا جائے کہ حق کیا ہے؟

الجواب۔ عبد الغنی شاہ صاحب اور میرے والد ہر سورت کے ابتداء میں رفع اختلاف کے لئے

رفع استعجاب نا واقفان حفاظ روزگار گردد۔ آجرکم اللہ فی الدارین۔

الجواب۔ آنچہ معمول عبدالغنی است ہمیں کہ برائے رفع اختلاف تسمیہ بین السورتین می کند و والدم نیز ہمچنین می فرمود مسئلہ ولا تکرہ التسمیۃ قبل السورۃ فی السریۃ والجہریۃ بین اصحابنا بلا خلاف انہ لو سمی کان حسنا قال فی البحر والخلاف فی الاستحسان اما عدم الکراہیۃ فمتفق علیہ وہذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبی بانہ ان یسمی بین الفاتحۃ والسورۃ کان حسنا عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ سواء کانت السورۃ مقروءۃ سرا او جہرا ورجحہ المحقق ابن الہمام وتلمیذہ الحلبی لشبہۃ الاختلاف فی کونہا آیۃ من کل سورۃ کذا فی الدر وحاشیۃ شیخنا عابد السندی واللہ اعلم

واللہ الغنی وانتم الفقراء	عبداللطیف الرشیدی ۱۲۷۱

(مہر مولوی عبداللطیف صاحب)

معمول من عاجز نیز ہمیں است کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب افادہ فرمودہ اند واللہ اعلم۔

سید نذیر حسین

دریں باب روایات مختلف اند مگر مذہب امام عاصم قاری وقرأت شان ہمیں است

محمد قطب الدین (مہر نواب قطب الدین خاں صاحب)

معمول قاری عظیم صاحب مرحوم ہمیں بود بلکہ تکبیر از سورہ والضحی ہم آہستہ می گفتند موافق تعلیم شان این مسکین ہم بہمان نہج عمل می کند

قاری احمد

محمد مصطفی خان ولد حیدر شاہ نقشبندی	مہر قاری مصطفی صاحب مدرس فتحپوری

معمول فقیر ہمیں است واز امام خورد سالی تعلیم استاد ہمیں است وقرأت امام عاصم صاحب رحمۃ اللہ ہمچنین است

حافظ قادر بخش ولد خواجہ خدا بخش

(مہر قاری نادر بخش)

عملدرآمد اساتذہ وتلامذہ بر قراءۃ بسملہ بین السورتین برائے مسلمین است کہ استادان تدانند وتعجب کنند واللہ اعلم

عبدالرحمن ۱۲۸۳ مہر مولوی قاری پانی پتی

عملدرآمد فقیر ہمیں است بلکہ در جہریہ جہرا و در سریہ سرا میخوانند برائے استیعاب ختم

بسم اللہ پڑھ لیا کرتے تھے بسم اللہ ہر سورۃ کے ابتداء میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے تمام علمائے احناف کا اس

کہ از حضرت ابن عباسؓ مروی است عن ابن عباس من ترکہا فقد ترک مائۃ واربع عشرۃ آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ کذا فی المدارک ۔ ابی محمد ۱۲۴۴

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن مجید میں اعراب کس نے دیا اور یہ حین حیات حضرت کے ہوا ہے یا بعد آپ کے یا آپ کے صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے اور کس کے ارشاد سے اعراب دیا گیا اور کس نے اعراب دیا ان کے نام اور آبا و اجداد کے نام معہ حوالہ کتب جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں خلیل نحوی نے قرآن مجید میں زیر زبر لکھے اور عبدالملک بن مروان کے عہد میں اس کا رواج ہوا جیسا کہ اتقان وغیرہ سے ظاہر ہے اور خلیل بن احمد نحوی تابعی صدوق ثقہ ہیں ان کا اور عبدالملک بن مروان کا زمانہ ایک ہے اور اس زمانہ میں بہت سے صحابی موجود تھے

سید محمد ابوالحسن

سید محمد نذیر حسین

برا اتفاق ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری اگر اختلاف ہے تو صرف اس کے مسنون ہونے میں ہے ذخیرہ اور مجتبیٰ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بسم اللہ کا ہر سورۃ کے ابتداء میں پڑھنا بہتر ہے۔ ابن ہمام اور حلبی نے اس کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

کِتَابُ التَّوبَۃِ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرتد عن الاسلام کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں اور بعد توبہ کے مسلمان ہوتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ مرتد عن الاسلام کی توبہ قبول ہوتی ہے اور بعد توبہ نصوح کے مسلمان ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ کیف یہدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم الی قولہ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور الرحیم اس آیت سے مرتد عن الاسلام کی توبہ کا قبول ہونا اور بعد توبہ نصوح کے اس کا مسلمان ہونا صاف ظاہر ہے واللہ تعالےٰ اعلم۔ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص مسلمان دین اسلام کو چھوڑ کر اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی تسبیب و تکذیب کرکے مرتد یعنی عیسائی ہو پھر اسی طرح عرصہ مدیدہ تک قرآن و پیغمبر علیہ السلام کی تسبیب و تکذیب کرتا رہا ہو اور امہات المومنین و صحابہ کرام کے حق میں کلمات بے ادبانہ اور نعوذ باللہ منہا واسطے ترویج دینے اس دین کے قصص ماضیہ کا ذریعہ مثل قصہ قذف صدیقہ رضی اللہ عنہا مع خلط صد کذبہائے دیگر بیان کرتا رہا ہو اور بعد اس مدت مدیدہ کے مطابق رواج توبہ کرکے دائرہ اسلام میں داخل اور زمرہ مسلمین میں شامل ہونا چاہیے تو اس کی توبہ عند الشرع مقبول ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ ان الحکم الا للہ۔ صورت مرقومہ میں ایسے شخص پر تین وجہوں

۱؎ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا الیٰ قولہ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر جائیں اور درست ہو جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سے کفر عائد ہوتا ہے اول بسبب گالی دینے کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قال محمد بن سحنون اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتنقص لہ کافر والوعید جار علیہ بعذاب اللہ لہ وحکمہ عند الائمۃ القتل ومن شک فی کفرہ وعذابہ تقد کفر دویم بسبب تبدیل دین کے قال اللہ تعالی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین سویم بسبب معبود ماننے کے عیسی السلام کو اور قائل ہونے تثلیث کے۔ قال اللہ تعالی لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم الآیۃ وقال لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ وما من الہ الا الہ واحد ان تینوں وجہوں میں ایسا شخص واجب القتل ہے اول بسبب گالی دینے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عن ابی برزۃ قال کنت عند ابی بکر فتغیظ علی رجل فاشتد علیہ فقلت تاذن لی یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضرب عنقہ قال فاذھب کلمتی غضبہ فقام فدخل فارسل الی فقال ما الذی قلت انفا قلت ائذن لی اضرب عنقہ قال اکنت فاعلا لو امرتک قلت نعم قال لا واللہ ما کان لبشر بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابوداؤد والنسائی قال القاضی ابو بکر بن المنذر اجمع عوام اھل العلم الی علیھم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل وممن قال ذلک مالک بن انس واللیث بن سعد واحمد بن حنبل واسحق بن راھویہ وھو مذھب الشافعی قال القاضی ابو الفضل وھو مقتضی قول ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ولا تقبل توبتہ عند ھولاء المذکورین ونقل

لہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا یا ان کی شان میں گستاخی کرنیوالا کافر ہے اس کے لئے اللہ کے عذاب کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کے لئے حکم قتل ہے اور جو اس کے کفر یا عذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے ؎ اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھائے گا ؎ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے الایہ۔ اور وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ خدا صرف ایک ہی ہے ؎ ابو برزہ کہتے ہیں میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا آپ ایک

ابو بکر الفارسی احد ائمۃ الشافعیۃ فی کتاب الاجماع ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما ھو قذف صریح کفر باتفاق العلماء فلو تاب لم یسقط عنہ القتل لان حد قذفہ القتل وحد القذف لا یسقط بالتوبۃ و قال الخطابی لا اعلم خلافا فی وجوب قتلہ اذا کان مسلما وقال القاضی سئل الرشید مالکا فی رجل شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذکرلہ ان فقہاء العراق افتوہ بجلدہ فغضب مالک فقال یا امیر المومنین ما بقاء الامۃ بعد شتم نبیھا من شتم قتل ومن شتم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئم بسبب ترک وتبدیل دین کے عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ رواہ البخاری ومسلم ابن رجب نے اس

اکرمی پر سخت ناراض میں نے کہا مجھے اجازت دیں اسے قتل کردوں میرے اس کہنے سے آپ کا غصہ فرو ہوگیا مجھے اندر بلایا اور کہا تو نے کیا کلمہ کہا تھا میں نے اپنی بات دہرائی کہنے لگے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے والے کے سوا کسی اور کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ قاضی ابوبکر بن منذر کہتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے مالک بن انس لیث بن سعد۔ امام احمد اسحاق بن راہویہ۔ امام شافعی حضرت ابوبکر صدیق کا یہی مذہب تھا اور ان کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں ہے ابوبکر فارسی شافعی کا قول ہے کہ جو شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی تہمت لگائے وہ باتفاق علماء کافر ہے اگر توبہ کر جائے تو پھر بھی اس کو قتل کیا جائے کیونکہ اس کی تہمت کی سزا قتل ہے اور قذف کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی ہارون رشید نے امام مالک سے پوچھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کے متعلق عراقیوں کا فتوے ہے کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں کیا یہ صحیح ہے؟ تو امام مالک غصے میں بھر گئے اور کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو درکنار صحابہ کو گالی دینے والے کو بھی قتل کیا جائے۔

لے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا دین بدل دے اس کو قتل کر دو اور فرمایا مسلمان آدمی کا خون صرف تین چیزوں سے۔ شادی شدہ زنا کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے۔ قاتل کو

حدیث کی شرح میں لکھا ہے واما ترک الدین ومفارقۃ الجماعۃ فمعناہ الارتداد عن دین الاسلام اور رحمۃ الامۃ میں ہے باب الردۃ ھی قطع الاسلام بقول او فعل او نیۃ اتفق الائمۃ علی ان من ارتد عن الاسلام وجب القتل چہارم بسبب شرک کے قال اللہ تعالیٰ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم جس شخص میں یہ مذکورہ بالا وصف ہوں بحکم قرآن وحدیث و باتفاق صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد بن حنبل جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا کافر واجب القتل ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ شخص مذکور توبہ کر کے اپنی باقی زندگی کو دائرہ اسلام میں بآرام گذارنا چاہے تو اس کی توبہ قبول کر کے اسلام اس کو پناہ دیتا ہے یا نہیں فاقول وباللہ التوفیق جو شخص موصوف باین اوصاف ثلثہ کہ جن میں ایک سب نبی بھی ہے ہو اس کو اسلام ہرگز پناہ نہیں دے گا بلکہ حداً اس کے قتل کے درپے ہوگا کما قال القاضی ابو بکر اجمع عوام اہل العلم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل وممن قال ذلک مالک بن انس واللیث بن سعد واحمد بن حنبل واسحق ابن راھویۃ وھو مذھب الشافعی وقال القاضی وھو مقتضی قول ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ولا تقبل توبتہ عند ھؤلاء المذکورین اور فتاوے بزازیہ میں ہے والکافر بسبب نبی من الانبیاء فانہ یقتل حدا ولا یقبل توبتہ

مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے یا دین چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جائے

[1] ترک دین اور جماعت سے الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام سے مرتد ہو جائے

[2] مرتد ہونا اسلام سے تعلق منقطع کرنے کا نام ہے خواہ قول سے ہو یا فعل اور نیت سے۔ تمام ائمہ کا اتفاق ہے جو اسلام سے مرتد ہو جائے اس کے لئے قتل واجب ہے [3] قاضی ابوبکر نے کہا تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا قتل کیا جائے امام مالک لیث بن سعد۔ احمد بن حنبل۔ اسحق بن راہویہ۔ امام شافعی اور ابوبکر صدیق کا یہی مذہب ہے اور ان کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں ہے [4] اگر کوئی آدمی کسی نبی کو گالی دے کر مرتد ہوا ہو تو اس کو حد کے طور پر قتل کیا جائے اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ اشباہ میں ہے کہ مست آدمی اگر اسلام کا انکار کرے تو اسے مرتد نہیں کہا جائے گا اور اگر مست آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے کر مرتد ہوا ہو تو اس کو قتل کر دیا

مطلقا وفی الاشتباہ لا تصح ردۃ السکران الا الردۃ بسبب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ یقتل ولا یعفی عنہ۔ اور صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ نے لکھا ہے کل من ابغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقلبہ کان مرتدا فالساب بالطریق الاولی ثم یقتل حدا عندنا فلا تعمل توبتہ فی اسقاط القتل قالوا ھذا مذھب اھل الکوفۃ ومالک ونقل عن ابی بکر الصدیق ولا فرق بین ان یجئی تائبا من نفسہ او شھد علیہ بذلک بخلاف غیرہ من المکفرات وفی المبسوط عن عثمان بن کنانۃ من شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل او صلب حیا ولم یستتب (ای ولم یقبل توبتہ) والامام مخیر فی صلبہ حیا او قتلہ ومن روایۃ ابی المصعب وابن اویس سمعنا مالکا یقول من سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او شتمہ او عابہ او تنقصہ قتل مسلما کان او کافرا ولا یستتاب لان حد القتل لا یسقط وان تاب وقال شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیۃ الحنبلی فی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول وکذلک ذکر جماعۃ آخرون من اصحابنا (ای الحنابلۃ) انہ یقتل ساب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ولا تقبل توبتہ سواء کان مسلما او کافرا اور شامی شرح در مختار میں ہے واما الحنابلۃ فکلامھم قریب من کلام

جائے گا ولا اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

لہ جو آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق دل میں بغض رکھے وہ مرتد ہے اور گالی دینے والا تو بطریق اولی مرتد ہوگا ہمارے نزدیک اس کو حد کے طور پر قتل کیا جائے اگر توبہ کرے تو بھی اس کو قتل کیا جائے مبسوط میں ہے اس کو قتل کیا جائے یا زندہ لٹکا کر سزا دی جائے لیکن اس کی توبہ قبول نہ کی جائے امام کو اختیار ہے کہ خواہ اسے سولی دے یا قتل کرے امام مالک کہتے ہیں جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا عیب لگائے یا ان کی شان گھٹائے اسے قتل کر دیا جائے خواہ مسلمان ہو یا کافر اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ امام ابن تیمیہ نے "صارم المسلول" میں حنابلہ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے۔ ابو خطاب نے کہا اگر کوئی آنحضرت ؐ کی والدہ پر تہمت لگائے تو اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے۔

لہ حنابلہ کا مذہب بھی مالکیہ کے قریب قریب ہے امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور آپ کی والدہ پر اگر تہمت لگائے تو بھی توبہ قبول نہ کی جائے

المالکیۃ والمشہور عن احمد عدم قبول توبتہ وقال ابو الخطاب اذا قذف ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقبل توبتہ تو معلوم ہوا کہ جو شخص نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کو گالی دے کر مرتد ہو جاوے تو اس کی توبہ قبول نہیں بلکہ اس کی حد قتل ہے یہی مذہب ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اور اسی طرف گئے ہیں مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ مع اپنے ماموں کے اور یہی مسلک ہے امام لیث بن سعد و اسحق بن راہویہ کا اور اسی کو اختیار کیا ہے امام ابن ہمام و صاحب بزازیہ نے حنفیہ میں سے فقط

جواب الجواب۔ شخص مذکور کے جمیع افعال میں سے اگرچہ ایک فعل سب نبی ہے تو بھی اس کی توبہ عند الشرع مقبول ہے اور یہ بات بیسیوں آیات و احادیث سے ثابت ہے و نیز فقہ میں اس کے لئے متعدد شہادتیں موجود ہیں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور الرحیم (پارہ ۶۔ سورۃ مائدہ رکوع ۶) یعنی پھر جو کوئی توبہ کرے بعد ظلم کرنے کے اور نیکی کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے صحیح مسلم میں ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تاب قبل ان تطلع الشمس من مغربہا تاب اللہ علیہ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف باب الاستغفار والتوبۃ) یعنی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو شخص توبہ کرے قبل اس کے کہ آفتاب پچھم سے طلوع ہو تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے ان دونوں آیت و حدیث میں کسی خاص گناہ کرنے والے کا ذکر نہیں ہے بلکہ دونوں میں مَن کا لفظ واقع ہے جو ہر گناہ کرنے والے کو شامل ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص توبہ کرے خواہ سب نبی کرنے والا ہو یا کوئی اور گناہ کرنے والا تو اللہ تعالےٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے پس ان دونوں دلیلوں سے سب نبی کرنے والے کی توبہ کا قبول ہونا ثابت ہوا۔ یہ دو دلیلیں قرآن و حدیث سے نمونہ کے طور پر بیان کی گئی ہیں اب چند شہادتیں فقہ سے بیان کی جاتی ہیں۔

شہادت اول۔ رد المختار صفحہ ۴۰۴ جلد ۳ حاشیہ در مختار میں ہے قال الامام[1]

---

[1] شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب "السیف المسلول" میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کو گالی دینے والا اگر دوبارہ مسلمان

خاتمۃ المجتہدین الشیخ تقی الدین السبکی فی کتابہ السیف المسلول علی من سب الرسول حاصل المنقول عند الشافعیۃ انہ متی لم یسلم قتل قطعا و متی اسلم فان کان السب قذفا فالاوجہ الثلثۃ ھل یقتل او یجلد اولا شیئ وان کان غیر قذف فلا اعرف فیہ نقلا للشافعیۃ غیر قبول توبتہ وللحنفیۃ فی قبول توبۃ قریب من الشافعیۃ ولا یوجد للحنفیۃ غیر قبول التوبۃ واما الحنابلۃ فکلامھم قریب من کلام المالکیۃ والمشہور عن احمد عدم قبول توبۃ وعنہ روایۃ بقبولھا فمذھبہ کمذھب مالک سواء ھذا تحریر المنقول فی ذلک انتھی ملخصا فھذا ایضا صریح فی ان مذھب الحنفیۃ القبول وان لا قول لھم بخلافہ انتھی۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے کہ شخص مذکور کی توبہ قبول ہوگی۔

شہادت دوم - نیز رد المحتار صفحہ ۴۱۹ جلد ۳ میں ہے۔ وقد سبقہ (تقی الدین السبکی) الی نقل ذلک ایضا شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیۃ الحنبلی فی کتابہ الصارم المسلول علی شاتم الرسول کما رأیتہ فی نسخۃ منہ قدیمۃ علیھا خطہ حیث قال وکذلک ذکر جماعۃ اخرون من اصحابنا ای الحنابلۃ انہ یقتل ساب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ولا تقبل توبتہ سواء کان مسلما او کافرا وعامۃ ھولاء لما ذکروا المسئلۃ قالوا خلافا لابی حنیفۃ والشافعی

نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اسلام لے آئے تو اگر اس نے نبی صلعم پر تہمت لگائی ہو تو تین طرح کے اقوال ہیں اسے قتل کیا جائے اسے کوڑے لگائے جائیں اسے معاف کر دیا جائے اور اگر تہمت نہ ہو تو احناف اور شوافع کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہے۔ حنابلہ اور مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی توبہ قبول ہے

لہ امام ابن تیمیہ نے صارم المسلول میں لکھا ہے کہ حنابلہ کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ امام شافعی اور ابوحنیفہ کے نزدیک اگر مسلمان ہے تو اس سے توبہ کرائی جائے اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ اسے مرتد کی طرح قتل کر دیا جائے۔ اگر ذمی ہو تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا ابو الخطاب نے کہا اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ پر تہمت لگائے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اگر کافر آپ کو گالی دے اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس

وقولهما اى ابى حنيفة والشافعى ان كان مسلما يستتاب فان تاب والاقتل كالمرتد وان كان ذميا فقال ابو حنيفة لا ينتقض عهده ثم قال بعد ورقة قال ابو الخطاب اذا قذف ام النبى صلى الله عليه وسلم لا تقبل توبته وفى الكافر اذا سبها ثم اسلم روايتان وقال ابو حنيفة والشافعى تقبل توبته فى الحالين اه ثم قال فى محل آخر وقد ذكرنا ان المشهور عن مالك واحمد انه لا يستتاب ولا يسقط القتل عنه وهو قول الليث بن سعد وذكر القاضى عياض انه المشهور من قول السلف وجمهور العلماء وهو احد الوجهين لاصحاب الشافعى رح وحكى عن مالك واحمد تقبل توبته وهو قول ابى حنيفة اصحابه وهو المشهور من مذهب الشافعى بناء على قبول توبة المرتد الا فهذا صريح كلام القاضى عياض فى الشفاء والسبكى وابن تيمية وائمة مذهبه على ان مذهب الحنفية قبول التوبة بلا حكاية قول آخر عندهم وانما حكوا الخلاف فى بقية المذاهب وكفى بهؤلاء حجة ان لم يوجد النقل كذلك فى كتب مذهبنا التى قبل البزازى ومن تبعه مع انه موجود ايضا كما يأتى فى كلام الشارح قريبا انتهى۔ اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ توبہ کا قبول ہونا ہی مذہب ہے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا اور امام مالک اور امام احمد سے بھی یہ منقول ہے

شہادت سوم۔ نیز شامی صفحہ ۴۵۱ جلد ۳ میں ہے وكذلك كتب شيخ مشائخنا الرحمتى هنا على نسخته ان مقتضى كلام الشفاء وابن ابى جمرة فى شرح مختصر البخارى فى حديث ان فريضة الحج ادركت ابى الا ان مذهب

کے متعلق دو روایتیں ہیں ابوحنیفہ اور شافعی اس کی توبہ قبول کرتے ہیں امام مالک اور احمد کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں اور قتل کیا جائے گا۔ لیث بن سعد کا بھی یہی مذہب ہے قاضی عیاض نے کہا سلف میں جمہور علماء کا یہی مذہب تھا امام شافعی کا ایک قول یہی ہے اور امام مالک اور احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے اور امام شافعی کا مشہور قول یہی ہے یہ روایت صریحاً دلالت کر رہی ہے کہ احناف کے نزدیک متفقہ طور پر اس کی توبہ قبول ہے

لے قاضی عیاض اور ابن ابی جمرہ کے قول کا خلاصہ شرح بخاری میں تحت حدیث ان فریضة الحج ادرکت ابی یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے

ابی حنیفۃ والشافعی حکمہ حکم المرتد وقد علمت ان المرتد تقبل توبتہ کما نقلہ ھنا عن التتف وغیرہ فاذا کان ھذا فی سباب الرسول صلعم ففی سباب الشیخین او احدھما بالاولیٰ فقد تحرر ان المذہب کمذہب الشافعی قبول توبتہ کما ھو روایۃ ضعیفۃ عن مالک وان تحتم قتلہ مذہب مالک وما عداہ فان اما نقل غیر اہل المذہب او طرۃ مجھولۃ لم یعلم کاتبھا فکن علی بصیرۃ فی الاحکام ولا تغتر بکل امر مستغرب ولا تغفل عن الصواب واللہ تعالیٰ اعلم اھ انتھی اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ توبہ کا قبول ہونا یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا۔

شہادت چہارم۔ ونیز شامی صفحہ ۲۵۴ جلد ۳ میں ہے والحاصل انہ لاشک ولاشبہہ فی کفر شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی استباحۃ قتلہ وھو المنقول عن الائمۃ الاربعۃ وانما الخلاف فی قبول توبتہ اذا اسلم فعند داود ھو المشھور عند الشافعیۃ القبول وعند المالکیۃ والحنابلۃ عدمہ بناء علی ان قتلہ حداً ولا انتھی مختصراً اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے کہ توبہ مقبول ہو گی ان چاروں روایتوں سے صاف ثابت ہوا کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے کہ توبہ مقبول ہو گی اور دوسری روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام مالک اور امام احمد سے بھی یہ مذہب منقول ہے لہذا ثابت ہوا کہ ائمہ اربعہ کا یہ مذہب ہے اب پوری تقریر سے معلوم ہوا کہ قرآن اور حدیث کا مقتضی بھی یہی ہے کہ توبہ مقبول ہو گی اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے باقی رہا جواب اول سوال کے اخیر میں جو یہ بات مذکور ہے کہ جو شخص موصوف ہو بایں اوصاف ثلاثہ کہ جن میں سب نبی بھی ہے اس کو اسلام

کے لئے مرتد کا حکم تجویز کرتے ہیں اور یہ تو معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول ہے امام مالک کا مذہب بھی شافعی کی طرح ہے لہ حاصل کلام یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا کافر ہے اس کا قتل جائز ہے ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے اختلاف ہے تو اس بات میں کہ اس کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ احناف اور شوافع کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہے۔ امام مالک اور احمد کے نزدیک توبہ قبول نہیں اسے حد کے طور پر قتل کیا جائے گا۔

ہرگز پناہ نہ دے گا بلکہ حلال کے قتل کے درپے ہوگا سو یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے جواب مذکور میں اس دعوے کے ثبوت میں کوئی شرعی دلیل مذکور نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کوئی شرعی دلیل ملتی ہے اور جواب مذکور کی پہلی روایت میں جو جملہ مذکور ہے وہ سب نبی کرنے والے کے قتل کرنے کے بارے میں ہے اس کی توبہ مقبول نہ ہونے کے بارے میں نہیں ہے چنانچہ روایت مذکورہ کی عبارت سے ظاہر ہے اس کے علاوہ جواب مذکور میں جو روایات فقہیہ منقول ہیں وہ سب مخدوش ہیں۔ پہلی روایت اول تو اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں ہے اور یہ بات علت سے خالی نہیں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت شامی صفحہ ۴۸۴ جلد ۳ میں بحوالہ شفاء قاضی یوں مذکور ہے [1] وعبارۃ الشفاء ھکذا قال ابوبکر بن المنذر اجمع عوام اھل العلم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل وممن قال ذلک مالک بن انس واللیث واحمد واسحق وھو مذھب الشافعی وھو مقتضی قول ابی بکرؓ ولا یقبل توبتہ عند ھولاء وبمثلہ قال ابوحنیفۃ واصحابہ والثوری واھل الکوفۃ والاوزاعی فی المسلم لکنھم قالوا ھی ردۃ وروی مثلہ الولید بن مسلم عن مالک وروی الطبری مثلہ عن ابی حنیفۃ واصحابہ فیمن ینقصہ صلی اللہ علیہ وسلم او برئ منہ اوکذبہ اھ۔ اس عبارت میں ولید ابن مسلم کی جو روایت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ شخص مذکور کی توبہ قبول ہوگی چنانچہ شامی میں جو اس روایت کا حاصل لکھا ہے اس میں یوں مرقوم ہے [2] ثم ذکر ان الولید روی عن مالک مثل قول ابی حنیفۃ فصار عن مالک روایتان فی قبول التوبۃ وعدمہ والمشھور عنہ العدم ولھذا قدمہ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس

---

[1] ابوبکر بن منذر نے کہا کہ علما کا اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے۔ مالک بن انس۔ لیث۔ احمد۔ اسحق۔ امام شافعی اور ابوبکر صدیق کا یہی قول ہے امام ابوحنیفہ ان کے شاگرد ثوری اور اہل کوفہ اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے لیکن وہ اسے مرتد کہتے ہیں اور مرتد کی توبہ قبول کرتے ہیں

[2] ولید نے امام مالک سے ابوحنیفہ کے قول کی طرح نقل کیا ہے تو گویا امام مالک سے دو روائتیں ہوئیں تائب کا قبول ہونا اور نہ ہونا اور آخری قول زیادہ مشہور ہے

روایت میں عدم قبول توبہ جو امام شافعی کا مذہب قرار دیا گیا ہے یہ غیر مشہور مذہب ہے اور آپ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ توبہ قبول ہوگی چنانچہ شامی میں روایت مذکورہ کی تحت میں یوں مرقوم ہے ثم ان ما نقلہ عن الشافعی خلاف المشہور عنہ والمشہور قبول التوبۃ علی تفصیل فیہ اور دوسری عبارت جو بحوالہ فتاوی بزازیہ منقول ہے وہ اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس کو علامہ شامی نے رد کر دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس بارے میں بزازی سے بڑا تساہل ہوا ہے اور اسی وجہ سے عامہ متاخرین سے اس بارے میں خطا ہوئی ہے چنانچہ شامی صفحہ ۵۰۴ جلد ۳ میں ہے

(قولہ والبزازی تبع صاحب السیف المسلول) الذی قالہ البزازی انہ یقتل حدا ولا توبۃ لہ اصلا سواء بعد القدرۃ علیہ والشہادۃ او جاء تائبا من قبل نفسہ کالزندیق لانہ حد وجب فلا یسقط بالتوبۃ ولا یتصور فیہ خلاف لاحد لانہ تعلق بہ حق العبد الی ان قال والدلائل المسئلۃ تعرف فی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول اہ وھذا کلام یقضی منہ غایۃ العجب کیف یقول لا یتصور فیہ خلاف لاحد بعد ما وقع فیہ اختلاف الائمۃ المجتہدین مع صدق الناقلین عنھم کما اسمعناک وعزوہ لھذہ المسئلۃ الی الصارم المسلول وھو لابن تیمیۃ الحنبلی یدل علی انہ لم یتصفح ما نقلنا کا عنہ من التصریح بان مذھب الحنفیۃ والشافعیۃ قبول التوبۃ فی مواضع متعددۃ وکذلک صرح بہ السبکی فی السیف المسلول والقاضی عیاض فی الشفاء کما سمعتہ مع ان عبارۃ البزازی بطولھا اکثرھا ماخوذ من الشفاء فنقلہ علم ان البزازی

لہ امام شافعی سے جو عدم قبول توبہ نقل کیا گیا ہے یہ ان کے مشہور قول کے خلاف ہے ان کا مشہور قول یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول ہے

لہ بزازی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہے اسے حد کے طور پر قتل کیا جائے گا خواہ وہ توبہ از خود کرے یا گرفتار ہونے کے بعد اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں بندے کا حق ہے۔ بزازی کا یہ کلام بڑا عجیب ہے معلوم نہیں اس نے کس طرح کہہ دیا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے حالانکہ مجتہدین کا اس میں اختلاف موجود ہے بزازی نے اس قول کو امام ابن تیمیہ حنبلی کی طرف منسوب کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری نقل کردہ تصریحات کی طرف انہوں نے توجہ نہیں کی کہ احناف و

قد تساهل غاية التساهل في نقل هذه المسئلة وليته حيث لم ينقلها عن أحد من أهل مذهبنا بل استند إلى ما في الشفاء والصارم إمعن النظر في المراجع حتى يرى ما هو صريح في خلاف ما نقله من نقل المسئلة عليهم ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم فلقد صار هذا التساهل سببا لوقوع جماعة المتاخرين في الخطاء حيث اعتمدوا على نقله وقلدوه في ذلك ولم ينقل احد منهم المسئلة عن كتاب من كتب الحنفية بل المنقول قبل حدوث هذا القول من البزازي في كتبنا وكتب غيرنا خلافه انتہى ونیز روایت مذکورہ کو علامہ چلپی نے بھی رد کیا ہے چنانچہ علامہ مذکور نے خاص بزازی کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے چنانچہ شامی صفحہ ۴۱۵ جلد ۳ میں ہے وذكر في كتاب نور العين ان العلامة النحرير الشهير حسام چلپی الف رسالة في الرد على البزازي وقال في آخرها وبالجملة قد تتبعنا كتب الحنفية فلم نجد القول بعدم قبول توبة الساب عندهم سوى ما في البزازية وقد علمت بطلانه ومنشأ غلطه في اول الرسالة اھ اور چوتھی روایت جو بحوالہ اشباہ منقول ہے اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس کو علامہ حموی نے حاشیہ اشباہ میں رد کیا ہے چنانچہ شامی صفحہ ۴۱۵ جلد ۳ میں ہے [2] وذلك

شوافع اس کی توبہ کے قائل ہیں۔ قاضی عیاض اور سبکی نے اس کی تصریح کی ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ بزازی نے قاضی عیاض ہی سے زیادہ تر اس کو نقل کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بزازی نے اس مسئلہ میں انتہائی تساہل سے کام لیا ہے کاش کہ وہ صارم اور سبکی کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اصل دلائل کی طرف توجہ کرتا تو اس پر اصل حقیقت منکشف ہو جاتی۔ بزازی کا یہی تساہل بعد میں آنے والے فقہاء کے لئے مغالطہ کا سبب بن گیا کہ انہوں نے اس پر اعتماد کر کے تقلید کی اور کسی نے بھی اصل کتب کی طرف رجوع کرنے کی زحمت نہ اٹھائی اگر وہ توجہ کرتے تو احناف اور دوسرے مذاہب کی کتب میں اس کے خلاف دلائل معلوم کر لیتے۔

[1] کتاب نور العین میں جو کہ چلپی نے بزازی کے رد میں رسالہ لکھا ہے تحریر ہے کہ ہم نے حنفیہ کی کتابیں کھنگال ڈالیں ہمیں تو کوئی قول ایسا نہ ملا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہے صرف بزازی نے لکھا ہے اور اس کو جہاں سے غلطی لگی ہے وہ بھی ہم نے شروع رسالہ میں بیان کر دیا ہے

[2] حموی نے حاشیہ اشباہ میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ صاحب الاشباہ نے جو عدم قبول توبہ بیان کیا ہے اس کے زمانہ کے علماء نے اس کی تردید کی تھی امام مالک کے بعض پیروکار اس کے ضرور قائل ہیں

قال الحموی فی حاشیۃ الاشباہ نقلا عن بعض العلماء ان ما ذکرہ صاحب الاشباہ من عدم قبول التوبۃ قد انکرہ علیہ اہل عصرہ وان ذلک انما یحفظ لبعض اصحاب مالک کما نقل القاضی عیاض وغیرہ واما علی طریقتنا فلا اہ اور چوتھی روایت جو بحوالہ فتح القدیر مذکور ہے اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس کو علامہ شامی نے رد کر دیا ہے چنانچہ شامی صفحہ ۲۱۵ جلد ۳ میں ہے وانت خبیر بان ھذا مبنی علی ما مشی علیہ القاضی عیاض من مشہور من مذھب مالک وھو عدم قبول توبۃ دال حکمہ حکم الزندیق عندھم وتبعہ البزازی کما قدمناہ عنہ وکذا تبعہ فی الفتح وقد علمت ان صریح مذھبنا خلافہ کما صرح بہ القاضی عیاض وغیرہ اور پانچویں روایت جو بحوالہ مبسوط منقول ہے اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس میں دو ہی روایتیں مذکور ہیں ایک تو عثمان بن کنانہ کی اور دوسری ابن مصعب کی اور دونوں ہی مخدوش ہیں پہلی روایت تو اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس میں عدم قبول توبہ کا ذکر ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف لم یستتب کا لفظ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ توبہ طلب نہیں کی جاوے گی اور اس کے بعد جو تفسیر کے طور پر (و لم تقبل توبتہ) لکھا ہے یہ کسی طرح معتبر نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل لفظ کے بالکل خلاف ہے اور دوسری اس وجہ سے مخدوش ہے کہ ظاہر میں یہ وہی امام مالک کی روایت ہے کہ جن سے قبول توبہ بھی منقول ہے جیسا کہ روایت اول کے جواب میں مذکور ہو چکا ہے اور چھٹی روایت جو بحوالہ صارم مسلول منقول ہے اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حنبلیوں کا مذہب یہ ہے کہ توبہ مقبول نہ ہوگی چنانچہ سب نبی کرنے والے کی توبہ مقبول نہیں لیکن اس کے نیچے متصل ہی یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ توبہ مقبول ہو گی چنانچہ اس جواب میں جو نقلی شہادتیں لکھی گئی ہیں ان میں شہادت

(ہمارے) احناف کے علماء میں سے تو کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

لے تو جانتا ہے کہ یہ قاضی عیاض کے قول پر مبنی ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہے اور بزازی نے بھی اس کی اتباع کی ہے اور یہ تو تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے اور قاضی عیاض نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

دوم میں پوری عبارت موجود ہے جبکہ دو اماموں کا مذہب یہ ہوا کہ توبہ مقبول ہوگی تو صرف حنبلیوں کے مذہب کو کوئی ترجیح نہیں کہ حجت کے طور پر نقل کیا جاوے۔ اور ساتویں روایت جو بحوالہ شامی منقول ہے اس وجہ سے مخدوش ہے کہ اس میں جو بیچ کا جملہ ہے یعنی والمشهور[1] عن احمد عدم قبول التوبة اس کے بعد یہ جملہ بھی ہے وعنه رواية بقبولها جو نقل کرنے میں چھوڑ دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد سے قبول توبہ کی روایت بھی منقول ہے اور اس روایت میں جو اخیر کا جملہ ہے یعنی (وقال ابو الخطاب) اس کے بعد یہ جملہ بھی ہے وقال ابو حنيفة والشافعي تقبل توبة في الحالين الخ جو نقل کرنے میں چھوڑ دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ توبہ مقبول ہوگی اور جب ان دونوں اماموں کا یہ مذہب ٹھیرا تو صرف ابو الخطاب کے قول کو کوئی ترجیح نہیں کہ دلیل کے طور پر نقل کیا جاوے اس چھٹی روایت کی نقل میں نہایت قطع و برید ہوئی ہے کیونکہ اس روایت کے پہلے جملے (واما الحنابلة) اور اخیر جملے (وقال ابو الخطاب) کے درمیان اصل کتاب شامی میں کوئی چند سطریں حامل ہیں اور دونوں جملے ماقبل اور مابعد سے کاٹ کر نقل کئے گئے ہیں اس روایت کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تصدیق فقہی شہادتوں میں پہلی اور دوسری شہادت میں موجود ہے واللہ تعالےٰ اعلم حررہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عند الحنفیہ ساب نبی کی توبہ مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ ومحمدؒ وغیرہم من الفقہاء الحنفیۃ کے نزدیک ساب نبی کی توبہ قبول ہوتی ہے اور ابن نجیم سے اشباہ ونظائر میں اور صاحب بزازیہ وغیرہ سے اس مسئلہ کی نقل میں خطا واقع ہوئی ہے من شاء الاطلاع علیہ فلیراجع الی رد المحتار حاشیۃ الدر المختار واللہ اعلم بالصواب حررہ السید

[1] امام احمد سے مشہور قول یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول ہے
[2] امام ابو حنیفہ اور شافعی کہتے ہیں کہ ہر حال میں اس کی توبہ قبول ہے۔

شریف حسین عفی عنہ   سید محمد نذیر حسین

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت چند پشت سے بازاری رنڈی تھی اس سے اسی حالت میں دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کے بعد اس رنڈی کو خداوند کریم نے ہدایت دی وہ اس کار بد سے تائب ہوئی اور اس کی اولاد بھی تائب ہوئی اس کی لڑکی نے شریف خاندان کے ایک آدمی سے نکاح کر لیا اور اس کے دونوں لڑکے تعلیم میں مشغول ہو گئے اور بُرے کاموں سے پورے پورے تائب ہو گئے اب وہ تینوں قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز روزہ وغیرہ احکام دین کی پابندی رکھتے ہیں جیسے کہ اور مسلمان رکھتے ہیں کیا وہ مسلمان ہیں اور ان سے مل کر کھانا جائز ہے یا نہیں اور ان سے دوسرے مسلمانوں کی طرح ملنے جلنے کے لئے شریعت اجازت دیتی ہے یا نہیں جو لوگ ان کو مسلمان خیال کرتے ہیں وہ راستی پر ہیں یا جو ان سے نفرت کرتے ہیں حتی کہ ان سے کلام کرنا بھی درست نہیں سمجھتے وہ راستی پر ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- بے شک وہ مسلمان ہیں اور ان سے مل کر کھانا پینا بلاشبہ جائز ہے اور ان سے دوسرے مسلمانوں کی طرح ملنے جلنے کے لئے شریعت اجازت دیتی ہے اور جو لوگ ان کو مسلمان خیال کرتے وہ راہ حق پر ہیں اور جو لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں اور ان سے کلام کرنے کو بھی نادرست سمجھتے ہیں وہ باطل اور ضلالت کے راستے پر ہیں اور شریعت سے جاہل ہیں حدیث شریف میں ہے عن[1] انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بنی آدم خطا کرنے والا ہے اور خطا کرنے والوں میں بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں پس جب ان لوگوں نے اپنے کار بد سے توبہ کی تو سب خطا کاروں سے بہتر ہوئے و نیز ایک روایت میں آیا ہے التائب[2] من الذنب کمن لا ذنب لہ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جس نے گناہ ہی نہیں کیا ہے پس

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم گنہگار ہیں اور بہترین گنہگار توبہ کرنے والے ہیں۔

[2] گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

جب توبہ کرنے کی وجہ سے ان پر گناہ ہی نہ رہا اور بے گناہ ٹھیرے تو اب ان سے مل کر کھانا پینا اور ان سے ملنا جلنا اور سلام و کلام کرنا سب کچھ جائز ہے اور ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم حررہ علی احمد عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین یعنی اگر کافر لوگ اپنے کفر سے توبہ کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار اور مشرکین اپنے کفر و شرک سے توبہ کریں تو وہ توبہ کرنے کے بعد ہمارے دینی بھائی ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھ کل معاملہ و برتاؤ مسلمانوں کا کرنا ضروری ہو جاتا ہے تو اگر مسلمان بدکار اپنے کار بد سے توبہ کریں اور نماز روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کی پابندی رکھیں تو وہ بدرجہ اولےٰ ہمارے دینی بھائی ہونگے اور ان کے ساتھ دیگر مسلمانوں کی طرح کھانا پینا اور ان سے ملنا جلنا اور ان سے سلام کلام کرنا وغیرہ بدرجہ اولےٰ ضروری ہوگا بناءً علیہ صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ اور اس کی تینوں اولاد مسلمان ہیں اور تمام مسلمانوں کے وہ دینی بھائی بہن ہیں اور ان سے مل کر کھانا پینا جائز ہے اور ان سے دوسرے مسلمانوں کی طرح ملنے جلنے کی شریعت اجازت دیتی ہے بلکہ ضروری بتاتی ہے اور جو لوگ ان سے نفرت رکھیں اور ان سے سلام و کلام کرنے کو اور ان سے ملنے جلنے کو نادرست سمجھیں وہ صریح غلطی پر ہیں اور راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو راہ پر لادے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی پیش امام مسجد کا ہے وہ ایک ایسا کام کرتا ہے کہ کفر تک پہنچ جاتا ہے اور پھر اس سے توبہ کرتا ہے اور دوسری دفعہ پھر وہی کام کرتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے آخر کو کئی مرتبہ کرتا ہے اس کی توبہ قبول ہوئی یا نہیں اب اس پر کفارہ یا تعزیر آتی ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں معلوم ہو کہ اگر وہ امام خالص دل سے توبہ کرتا

لہ اگر وہ توبہ کریں نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

ہے اور پھر اتفاق سے مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر نادم و شرمندہ ہو کر توبہ کرتا ہے اور پھر اخیر میں مبتلا ہو کر خلوص دل سے توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاوے گی حدیث شریف میں آیا ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا مثل بے گناہ کے ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ جب کوئی شخص خالص دل سے توبہ نصوح کرے گا تو اس کی توبہ قبول ہو گی گو پہلے کئی مرتبہ توبہ کر کے توڑ چکا ہو عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عبدا اذنب ذنبا فقال رب اذنبت فاغفرہ فقال ربہ اعلم عبدی ان لہ ربا یغفر الذنب ویاخذ بہ غفرت لعبدی ثم مکث ماشاء اللہ ثم اذنب ذنبا قال رب اذنبت ذنبا فاغفرہ فقال اعلم ان لہ ربا یغفر الذنب ویاخذ بہ غفرت لعبدی ثم مکث ماشاء اللہ ثم اذنب ذنبا قال رب اذنبت ذنبا اخر فاغفرہ لی فقال اعلم عبدی ان لہ ربا یغفر الذنب ویاخذ بہ غفرت لعبدی فلیفعل ما شاء متفق علیہ یعنی ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک بندہ نے ایک گناہ کیا پس کہا اے میرے رب میں نے ایک گناہ کیا ہے سو تو اس کو بخش دے پس اللہ تعالے نے کہا کہ کیا میرے بندہ نے جانا کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو پکڑتا ہے میں نے اس کے گناہ کو بخش دیا پھر جب تک اللہ تعالے نے چاہا ٹھیرا رہا پھر اس نے ایک گناہ کیا اور کہا کہ اے میرے رب میں نے ایک گناہ کیا ہے سو اس کو تو بخش دے پس اللہ تعالے نے کہا کہ کیا میرے بندہ نے جانا کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو پکڑتا ہے میں نے اس کے گناہ کو بخش دیا پھر جب تک اللہ تعالے نے چاہا وہ ٹھیرا رہا پھر اس نے ایک گناہ کیا اور کہا کہ اے میرے رب میں نے ایک گناہ کیا ہے سو اس کو تو بخش دے پس اللہ تعالے نے کہا کہ کیا میرے بندہ نے جانا کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو پکڑتا ہے میں نے

لہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔

اس کے گناہ کو بخش دیا پس جو چاہے وہ کرے روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے ولنعم ما قیل ؎

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار گر توبہ شکستی باز آ۔

پس صورت مسئولہ میں پیش امام جب اپنے گناہ کے کام سے توبہ نصوح کریگا تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور وہ گناہ کا کام جسکا وہ مرتکب ہوا ہے اگر موجب کسی کفارہ شرعیہ کا ہے تو وہ کفارہ اس پر لازم ہوگا ورنہ نہیں۔ کتبہ محمد عبد الرحمن عفا اللہ عنہ۔

کتاب الزکوٰۃ والصدقات

سوال۔ در باب جواز اخذ زکوٰۃ وصدقات اہل بیت را اگر حدیثے دریں باب آمدہ باشد عنایت فرمایند۔

الجواب۔ واضح باد کہ در باب جواز اخذ زکوٰۃ اہل بیت کدامی حدیث صحیح یا ضعیف نیامدہ بلکہ از احادیث صحیحہ واقوال محدثین ممانعت معلوم می شود آرے فقہائے حنفیہ در جواز اخذ زکوٰۃ اہلبیت را دریں زمان روا داشتہ اند وگفتہ اند کہ دراں زمان بوجہ مقرر شدن از خمس حاجت اخذ زکوٰۃ نبود در اہلبیت زکوٰۃ حرام بود دریں زمان کہ خمس کجا است اگر گیرند روا باشد وایں قول صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ است ودیگر ائمہ ثلثہ حرام می گویند چنانکہ از احادیث ثابت می شود واللہ اعلم بالصواب حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ فی الواقع کوئی حدیث صحیح یا ضعیف ایسی نہیں آئی ہے جس سے اہل بیت کے لئے اخذ زکوٰۃ کا جواز ثابت ہو بلکہ احادیث سے صاف صاف یہی ثابت ہے کہ اہل بیت پر زکوٰۃ حرام ہے اور علامہ ابوطالب اور ابن قدامہ اور ابن رسلان نے

سوال۔ سادات کرام زکوٰۃ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس طرح کی کوئی حدیث ہو تو بیان فرمائیں؟

الجواب۔ اس طرح کی کوئی صحیح یا ضعیف حدیث نہیں ہے جس سے اہلبیت کو زکوٰۃ لینا جائز ثابت ہو بلکہ صحیح احادیث اور اقوال محدثین سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ ہاں فقہائے حنفیہ نے اس زمانہ میں سادات کو زکوٰۃ لینا جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں سادات کو خمس میں سے حصہ مل جاتا تھا لہٰذا زکوٰۃ لینا ان کو منع تھا اور اس زمانہ میں نہ بیت المال ہے نہ خمس ہے لہٰذا اس دور میں وہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ اور یہ قول صرف امام ابوحنیفہؒ کا ہے باقی تینوں امام اس کو حرام بتلاتے ہیں

واللہ اعلم۔

اس حرمت پر اجماع کا دعوےٰ کیاہے بعض نے یہ کہا ہے کہ تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق اہل بیت پر زکوٰۃ حرام ہے سبل السلام میں ہے وکذا ادعی الاجماع علی حرمتہا علی آلہ ابوطالب وابن قدامۃ اور نیل الاوطار میں ہے وکذا حکی الاجماع ابن ارسلان مگر ابوعصمہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیاہے کہ اس زمانہ میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا اور ان کو لینا جائز ہے اور اسی روایت کی بناء پر متاخرین حنفیہ نے یہ فتوے دیا ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ لینا درست ہے لیکن ابوعصمت کی یہ روایت احادیث صحیحہ کے صریح خلاف ہے ایک نہیں بہت سی حدیثیں اس روایت کو رد کرتی ہیں اور عند الحنفیہ بھی اس روایت پر فتوے نہیں ہے کیونکہ یہ روایت ظاہر المذہب اور ظاہر الروایات کے خلاف ہے رسائل الارکان میں ہے ولا یجوز صرف الزکوٰۃ الی بنی ہاشم لما روی[2] عن ابی ہریرۃ قال اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمرۃ الصدقات فجعلہا فی فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کخ کخ ارم بہا اما علمت انا لا تحل لنا الصدقۃ رواہ الشیخان وفی الباب احادیث کثیرۃ لا بعد ان یدعی تواتر معناہا وفی فتح القدیر روی ابوعصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز فی ہذا الزمان صرف الزکوٰۃ الی بنی ہاشم وان کان ممتنعا فی ذلک الزمان لظہور شدۃ الحاجۃ فیہم ولا یعطیہم احد صلۃ وقد افتی بعض المتاخرین بہذہ الروایت وہذا کلہ خطاء وغلط لانہ مخالف للنصوص القاطعۃ انتہی۔ اور بحر الرائق میں ہے[3] اطلق الحکم فی بنی ہاشم ولم یصرح

---

[1] ابوطالب اور ابن قدامہ اور ابن رسلان نے دعوے کیاہے کہ آنحضرت کی آل پر زکوٰۃ کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ [2] بنی ہاشم کو زکوٰۃ جائز نہیں ہے اس کی ایک دلیل پہلے گزر چکی ہے اور یہ بھی ہے کہ امام حسن بن علی زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لیکر منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو پھینک دے کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے لئے زکوٰۃ اور صدقہ حلال نہیں ہے اور اس مضمون کی اتنی حدیثیں ہیں کہ انکو معنیً متواتر کہا جاسکتا ہے فتح القدیر میں ہے کہ ابوعصمہ نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ اس زمانہ میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ممنوع تھا کیونکہ ان کو کوئی عطیہ نہیں ملتا اور ان کو حاجت تو آج بھی موجود ہے اور بعض متاخرین نے اسی پر فتوے دیا ہے اور یہ سب غلط اور خطا ہے کیونکہ نصوص کے برخلاف ہے [3] بنی ہاشم کے متعلق حکم عام ہے کسی

بزمان ولا بشخص للاشارة الی رد روایة ابی عصمة عن الامام انه یجوز الی بنی هاشم فی زمانه وللاشارة الی رد الروایة بان الهاشمی یجوز له ان یدفع زکاته الی مثله لان ظاهر الروایة اطلاق المنع انتهی۔ الحاصل بنی ہاشم کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے کسی حدیث سے اس کا جواز ثابت نہیں یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد اور تمام ائمہ دین کا اور عند الحنفیہ بھی یہی مفتی بہ اور ظاہر المذہب و ظاہر الروایت ہے ہاں زکوٰۃ کے سوا نفلی صدقات کی نسبت علماء کا اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک نفلی صدقات بھی بنی ہاشم پر حرام ہیں اور اکثر حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بھی علی القول الصحیح جائز ہے سبل السلام میں ہے وذهب طائفة الی تحریم صدقة النفل ایضا علی الآل واخترناه فی حواشی ضوء النهار لعموم الادلة اور نیل الاوطار میں ہے واما آل النبی صلی الله علیه وآله وسلم فقال اکثر الحنفیة وهو المصحح عن الشافعیة والحنابلة انما تجوز لهم صدقة التطوع دون الفرض قالوا لان المحرم علیهم انما هو اوساخ الناس وذلك هو الزکوٰة المفروضة لا صدقة التطوع وقال فی البحر انه خصص صدقة التطوع القیاس علی الهبة والهدیة والوقف وقال ابو یوسف وابو العباس انها تحرم علیهم کصدقة الفرض لان الدلیل لم یفصل انتهی اور فتح الباری میں ہے وثبت[ا] عن النبی صلی الله علیه

زمانہ اور شخص کی تخصیص نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابو عصمہ کی ابو حنیفہ سے روایت مردود ہے کہ بنی ہاشم کو اس زمانہ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے یا یہ قول کہ ہاشمی ہاشمی سے زکوٰۃ لے سکتا ہے کیونکہ ظاہر روایت میں مخالفت ہے۔

لہ اہل بیت پر نفلی صدقہ کی حرمت کی بھی ایک جماعت قائل ہے اور ہمیں یہی پسند ہے کیونکہ دلائل میں عموم ہے ملہ آل نبی پر نفلی صدقہ کے جواز کی ایک جماعت احناف۔ شوافع اور حنابلہ میں سے قائل ہے اور فرض میں نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حرام جو ہے وہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور وہ فرضی زکوٰۃ ہے نہ کہ نفلی صدقہ۔ بحر میں کہا ہے کہ نفلی صدقہ کو ہبہ۔ ہدیہ اور وقف پر قیاس کیا گیا ہے امام ابو یوسف اور ابو العباس نے کہا نفلی صدقہ بھی ان پر فرضی زکوٰۃ کی طرح حرام ہے کیونکہ دلیل میں نفلی اور فرضی کا امتیاز نہیں کیا گیا۔
[ا] نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے نفلی صدقہ لینا آپ کو

وسلم ان الصدقۃ اوساخ الناس کما رواہ مسلم و یوخذ من ھذا جواز التطوع دون الفرض انتھی واللہ تعالے اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ سادات مساکین کی خدمت گذاری کی مسلمانوں کو توفیق نہ ہو بجز زکوٰۃ سے امداد کرنے کے اور سادات کے لئے کسبیلہ معاش موجود نہ ہو وہ اس بنا پر کہ خمس غنیمت ہمیں نہیں ملتا زکوٰۃ لینے کی ممانعت بناء مذکورہ سے تھی ہمیں زکوٰۃ لینی جائز ہے اور انہیں احق خیال کرکے زکوٰۃ دیجاوے تو جائز ہے یا نہیں اور زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں اگر ادا نہ ہوئی تو واپسی لازم ہے یا نہیں اگر واپسی کا مقدور نہ ہو تو کیا کیا جاوے۔

الجواب۔ واضح ہو کہ سادات بنی ہاشم کو زکوٰۃ لینا ہمیشہ اور ہر زمانہ میں حرام ہے احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے اکثر ائمہ دین کا یہی مذہب ہے عند الحنفیہ بھی یہی مفتی بہ ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے ایک روایت آئی ہے کہ اس زمانہ میں سادات بنی ہاشم کو بنی ہاشم سے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور غیر بنی ہاشم سے جائز نہیں۔ مگر یہ دونوں روایتیں عند الحنفیہ نا معتبر و غیر مفتی بہ ہیں کیونکہ احادیث صحیحہ و نیز ظاہر المذہب اور ظاہر الروایت کے خلاف دیکھو بحر الرائق و نہر الفائق ورسائل الارکان وغیرہ کتب معتبرہ حنفیہ۔ رہا سادات کا یہ خیال کہ "ہمیں زکوٰۃ لینے کی ممانعت اس بات پر تھی کہ ہمیں غنیمت سے خمس ملتا تھا اور اب خمس نہیں ملتا ہے تو اب ہمیں زکوٰۃ لینی جائز ہے" سو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہونے کی علت یہ نہیں ہے کہ انہیں غنیمت سے خمس الخمس ملتا تھا بلکہ اس کی علت جو احادیث سے بصراحت ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ اوساخ الناس و غسالات الایدی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصدقۃ لا ینبغی لال محمد انما ھی اوساخ الناس رواہ مسلم وقال لا یحل لکم اھل

جائز ہے فرض نہیں۔

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقۃ آل محمد کے لائق نہیں ہے یہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور فرمایا اے اہل بیت تمہارے لئے صدقات حلال نہیں ہیں یہ ہاتھوں کی میل ہے اور تمہارے لئے خمس میں سے

البیت من الصدقات شیء انما ھی غسالۃ الایدی ان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم رواہ الطبرانی اور یہ علت مصرحہ ومنصوصہ زکوٰۃ کی لازم الماہیۃ ہے جب اور جس وقت زکوٰۃ پائی جاوے گی اس کا اوساخ الناس اور غسالۃ الایدی ہونا ضروری ولازم ہوگا بنا رعلیہ سادات بنی ہاشم پر ہمیشہ اور ہر زمانہ میں زکوٰۃ کی حرمت ثابت ہوگی اور اگر سادات پر زکوٰۃ کی حرمت کی علت تقرر خمس الخمس ہونا تسلیم کر لیا جاوے جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا ہے تو اس تقدیر پر حرمت کی دو مستقل علت ہونگی ایک زکوٰۃ کا اوساخ الناس وغسالۃ الایدی ہونا اور دوسری تقرر خمس الخمس اور صرف ایک علت کے ارتفاع سے معلول کا ارتفاع نہیں ہوگا بلکہ جب تک ایک علت (اوساخ الناس وغسالۃ الایدی ہونا) پائی جاوے گی تب تک معلول (سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ کا حرام ہونا) ضرور پایا جاوے گا اور یہ ایک علت ہر زمانہ میں پائی جاوے گی پس بنی ہاشم پر زکوٰۃ کی حرمت بھی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں پائی جاوے گی علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر سبل السلام میں لکھتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم کرم آلہ عن ان یکونوا محلا للغسالۃ وشرفہم عنہا وھذہ ھی العلۃ المنصوصۃ وقد ورد التعلیل عند ابی نعیم مرفوعا بان لھم فی خمس الخمس مایکفیھم ویغنیھم فھما علتان منصوصتان ولا یلزم من منعھم عن الخمس ان تحل لھم فان من منع الانسان عن مالہ وحقہ لایکون منعہ لہ محللا ماحرم علیہ وقد بسطنا القول فی رسالۃ مستقلۃ انتہی پس جب معلوم ہوا کہ سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے اور وہ زکوٰۃ کے مصرف نہیں ہیں تو زکوٰۃ انہیں دینا جائز نہیں اگر کوئی انہیں دانستہ دے گا تو زکوٰۃ ادا نہیں

خمس ہے جو تمہیں کفایت کرے گا۔

لے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل کو بزرگی عطا فرمائی کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل نہ کھائیں اور صدقات کے اہل بیت پر حرام ہونے کی اصل علت بھی یہی ہے اور ابو نعیم نے مرفوعاً اس علت کو بیان کیا ہے کہ ان کے لئے خمس میں سے خمس ہے جو ان کے لئے کافی ہے اور اگر ان کو خمس نہ ملے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لئے زکوٰۃ حلال ہو جائے گی کہ ایک آدمی اگر اپنے مال یا حق سے محروم ہو جائے تو اس کے لئے کسی دوسرے کا مال حلال نہیں ہو جائے گا وہ اس پر حرام ہی رہے گا۔

ہوگی اور واپس لے لینا ضروری ہوگا اور اگر واپسی ناممکن ہو تو پھر سے زکوٰۃ دینا ضروری ہے اور لاعلمی کی وجہ سے دیا ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مدرسہ اس غرض سے قائم ہوا کہ اس میں قرآن و حدیث و فقہ کا درس دیا جاوے اور اس مدرسہ کی اطراف و جوانب کی بستیوں سے مٹھی کا چانول وصول ہووے اور دور دور کی بستیوں سے چندہ وصول ہووے اور اسی مٹھی کے چانول اور چندہ کے روپیوں سے مدرسوں کو تنخواہ دی جاوے اسی بنا پر دو برس تک مدرسہ خوب چلا مدرسہ کے قبل مٹھی اٹھانے کا رواج نہ تھا خاص اس مدرسہ کی غرض سے مٹی کا انتظام کیا گیا تاکہ لوگوں پر زر و فلوس دینے میں گراں نہ ہو اور سہولت سے کام بھی چلے اور عام مسلمین ثواب سے بہرہ مند ہوں اب بعض لوگ یہ کہہ کر مانع ہوتے ہیں کہ مٹھی کے چانول سے مدرسوں کو تنخواہ دینی جائز نہیں کیونکہ اس چانول کے مستحق مساکین ہیں۔ اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مرقومہ میں واضح ہو کہ جب مٹھی کے چاول کا انتظام اور بندوبست صرف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ اس سے اور چندہ کے روپیہ سے مدرسین کی تنخواہ دی جاوے تو مٹھی کے چانول اور چندہ کے روپیہ کا ایک حکم ہے جیسے چندہ کے روپیہ سے مدرسین کی تنخواہ دینا درست ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے صورت مسئولہ میں مٹھی کا چانول اس قسم کے صدقات سے نہیں ہے جن کے مستحق صرف مساکین و فقراء ہیں بلکہ از قسم چندہ و اعانت علی البر ہے جس کا حکم آیۃ تعاونوا علی البر والتقوی[1] میں کیا گیا ہے۔ پس بعض لوگوں کا مانع ہونا بے جا و ناروا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالعزیز عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ زکوٰۃ و فطرہ و کھال قربانی کتنے آدمی پر تقسیم کئے جاتے ہیں اس کا جواب

[1] نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

قرآن واحادیث سے بیان فرمایئے ۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ زکوۃ آٹھ قسم کے آدمیوں پر تقسیم کرنے کا حکم ہے فرمایا اللہ تعالے نے انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ (سورۃ توبہ رکوع ۷) یعنی زکوۃ فقیروں کے لئے ہے اور مسکینوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر عامل ہوں اور مولفۃ القلوب کے لئے ہے اور گردن چھڑانے کے لئے ہے اور قرض داروں کے لئے ہے اور اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لئے ہے اور مسافر کے لئے ہے اور فطرہ بھی انہیں آٹھ قسم کے آدمیوں پر تقسیم کرنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فطرہ کو زکوۃ فرمایا ہے چنانچہ فرمایا فمن اداھا قبل الصلوۃ فھی زکوۃ مقبولۃ[1] اور ابن عمر سے روایت ہے فرض[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر الحدیث اور کھال قربانی کا وہی حکم ہے جو کھال ہدی کا حکم ہے اور کھال ہدی کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم کیا کہ مسکینوں کو بانٹ دیں صحیحین میں حضرت علی سے مروی ہے امرنی[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اقسم لحومھا وجلودھا وجلالھا علی المساکین ولا اعطی فی جزارتھا شیئا منھا سبیل السلام میں ہے حکم[4] الاضحیۃ حکم الھدی فی انہ لا یباع لحمھا ولا جلدھا ولا یعطی الجزار منھا شیئا واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ عبدالعزیز عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ زکوۃ اور صدقہ فطر کا روپیہ یا مال اپنے ہاتھ سے دینا جائز ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا۔

---

[1] جو صدقہ فطر نماز سے پہلے ادا کر دے تو وہ زکوۃ مقبول ہے [2] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ فطر کو فرض قرار دیا۔ [3] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کی قربانی کا گوشت کھالیں اور پالان وغیرہ مسکینوں پر تقسیم کردوں اور قصاب کی اجرت اس میں سے نہ دوں

[4] قربانی کا حکم ہدی کا حکم ہے اس کے گوشت اور چمڑے کو فروخت نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی قصاب کو اس میں سے اجرت دی جا سکتی ہے ۔

الجواب: مسلمانوں کا اگر امام یعنی خلیفہ ہے تو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر امام کو دینا چاہیے وہ اپنے ہاتھ سے اس کے مصارف میں صرف کرے۔ عن[1] جریر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلعم اذا اتاکم المصدق فلیصدر عنکم وھو عنکم راض رواہ مسلم وغیرہ وعن جریر ابن عبد اللہ قال جاء ناس یعنی من الاعراب الی رسول اللہ صلعم فقالوا ان ناسا من المصدقین یاتونا فیظلموننا فقال ارضوا مصدقیکم قالوا یا رسول اللہ وان ظلمونا قال ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم رواہ ابوداؤد وعن جابر بن عتیک قال قال رسول اللہ صلعم سیاتیکم رکیب مبغضون فاذا جاؤکم فرحبوا بھم وخلوا بینھم وبین ما یبتغون فان عدلوا فلانفسھم وان ظلموا فعلیھم وارضوھم فان تمام زکوتکم رضاھم ولیدعوا لکم رواہ ابوداؤد کذا فی مشکوٰۃ المصابیح اور تلخیص الجبیر میں ہے حدیث[2] ان سعد بن ابی وقاص وابا ھریرۃ وابا سعید الخدری سئلوا عن الصرف الی الولاۃ الجائرین فامروا بہ رواہ سعید بن منصور عن عطاف بن خالد وابی معاویۃ وابن ابی شیبۃ عن بشر بن المفضل کلھم

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس زکوٰۃ لینے والا آئے تو تم سے راضی ہو کر جائے کچھ آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کچھ زکوٰۃ لینے والے آکر ہم پر ظلم کرتے ہیں آپ نے فرمایا ان کو راضی کرو کہنے لگے اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں آپ نے فرمایا ان کو راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ایسے صدقہ لینے والے آئیں گے جن کو تم ناپسند کرو گے جب وہ آئیں تو ان کو خوش آمدید کہو اور مال انکے سامنے رکھ دو اگر وہ انصاف کریں گے تو ان کا بھلا ہو گا اور اگر ظلم کریں گے تو وبال انہیں پر ہو گا ان کو راضی کرو تمہاری جبھی پوری ہوگی کہ وہ راضی ہو جائیں اور ان کو چاہیے کہ تمہارے لئے دعا کریں۔

[2] سعد بن ابی وقاص ابوہریرہ اور ابوسعید خدری سے سوال کیا گیا ظالم حاکموں کو زکوٰۃ دی جائے سب نے کہا ہاں۔ ابوصالح کہتے ہیں میرے پاس اتنا مال جمع ہو گیا جس میں زکوٰۃ آتی تھی۔ میں نے سعد بن ابی وقاص ابن عمر۔ ابوہریرۃ اور ابوسعید سے پوچھا کیا میں زکوٰۃ خود تقسیم کر دوں یا بادشاہ کو دیدوں سب نے کہا بادشاہ کو دیدے میں نے کہا آج کل کے بادشاہوں کی حالت تم دیکھتے۔ یہی جواب پھر بھی کہنے لگے بادشاہ کو دیدے قزعہ کہتے ہیں میرے پاس کچھ مال تھا میں نے ابن عمر سے پوچھا زکوٰۃ کس کو دوں کہنے لگے امراء کو دے دو میں

عن سهيل بن ابي صالح عن ابيه اجتمع نفقة عندي فيها صدقتي يعني بلغت نصاب الزكوة فسألت سعد بن ابي وقاص وابن عمر وابا هريرة وابا سعيد الخدري ان اقسمها او ادفعها الى السلطان فقالوا ادفعها الى السلطان ما اختلف على منهم احد وفي رواية قلت لهم هذا السلطان يفعل ما ترون فادفع اليه زكوتي فقالوا نعم رواه البيهقي عنهم وعن غيرهم ايضا وروى ابن ابي شيبة من طريق قزعة قال قلت لابن عمر ان لي مالا فالى من ادفع زكوته قال ادفعها الى هؤلاء القوم يعني الامراء قلت اذا يتخذون بها ثيابا وطيبا قال وان ومن طريق نافع قال قال ابن عمر ادفعوا صدقة اموالكم الى من ولاه الله امركم فمن بر فلنفسه ومن اثم فعليها وفي الباب عند كا عن ابي بكر الصديق وعن المغيرة بن شعبة وعائشة انتهى والله اعلم وعلمه اكمل كتبه محمد بشير عفي عنه۔ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں محققین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اموال سوائے سوائم کے طرف سردار رئیس اعظم امیر المومنین کہ مشابہ صفات و استیلا خلفائے راشدین کے ہوں ارسال کرنا ضروری ہے یا ادے وافضل یا بجائے خود ادا کرنا ادلے وافضل ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ مخفی مباد کہ ادائے زکوٰۃ سرا و علانیۃ اصالۃ ونیابۃ بلاریب روا ہے یعنی اصالۃ خود مالک مزکی ہوگا اور نیابۃ سا تھ اذن دینے غیر کو کہ وہ غیر اصل مالک کی طرف سے ادا کر دے اور غیر عام ہے کہ سلطان رئیس اعظم ہو یا کوئی ادنیٰ شخص دیانت دار ہو لیکن نیابۃ میں زکوٰۃ علانیہ ادا ہوگی اور اصالۃ کی صورت میں اخفا کما حقہ پایا جاوے گا اور اخفا اقوی ہے علانیہ سے بدلیل قولہ[1] صلی اللہ علیہ وسلم ورجل تصدق فاخفی حتی لاتعلم شمالہ

نے کہا وہ اس سے اپنے کپڑے اور خوشبو خرید لیں گے آپ نے فرمایا اگرچہ وہ ایسا کریں انہی کو دے دو عبد اللہ بن عمر نے کہا اپنے مالوں کی زکوٰۃ امراء کو دے دیا کرو اگر وہ نیکی کریں گے تو اپنے لئے اور اگر گناہ کریں گے تو انہیں پر ہوگا

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ایک وہ آدمی جو مخفی صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو دائیں

ماينفق يمينه كما رواه البخاري وغيره من المحدثين وفي رواية احمد تصدق فاخفي وكذا للمصنف في الزكوة عن مسدد عن يحيى تصدق بصدقة فاخفاها قوله بصدقة نكرها يشمل كل ما يتصدق به من قليل وكثير وظاهره ايضا يشمل المندوبة والمفروضة وفي مسند احمد من حديث انس باسناد حسن مرفوعا ان الملئكة قالت يارب هل من خلقك شيء اشد من الجبال قال نعم الحديد قالت فهل اشد من الحديد قال نعم النار قالت فهل اشد من النار قال نعم الماء قالت فهل اشد من الماء قال نعم الريح قالت فهل اشد من الريح قال نعم ابن آدم يتصدق بيمينه فيخفيها عن شماله كذا في فتح الباري صفحہ ۱۲۳ جلد ۳ مطبوعہ مصر صحیح بخاری میں ہے باب صدقة العلانية وقوله عز وجل الذين ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا وعلانية الى قوله ولا هم يحزنون امام بخاری نے آیت پر اکتفا کیا اور کوئی حدیث ان کی شرط پر علانیہ کی نہیں پائی گئی کہ لاتے اور دوسرا باب ستر کا باندھا۔ باب صدقة السر وقال ابو هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما صنعت

کی بخشش کا علم نہ ہوسکے۔ یہاں صدقہ کو نکرہ بیان کیا گیا ہے تاکہ بڑے چھوٹے۔ نفل۔ فرض ہر طرح کے صدقہ کو شامل ہوسکے انس کی حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے عرض کیا اے رب کیا تیری کوئی مخلوق پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں لوہا کہنے لگے کیا لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے فرمایا آگ۔ کہنے لگے کیا آگ سے بھی کوئی چیز سخت ہے؛ فرمایا پانی کہنے لگے کیا پانی سے بھی کوئی چیز سخت ہے؛ فرمایا ہوا کہنے لگے کیا ہوا سے بھی کوئی چیز سخت ہے؛ فرمایا ہاں آدم کا وہ بیٹا جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے اور بائیں کو خبر نہ ہونے دے۔

لہ اللہ تعالے نے فرمایا جو لوگ اپنے مال دن رات ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے رہتے ہیں الی قولہ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ آدمی جو چھپا کر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو دائیں کی کارگزاری کا پتہ نہ چلے اور اللہ تعالے نے فرمایا "اگر تم صدقہ ظاہر کرکے دو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دے دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے" الآیہ۔ ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک

يمينه وقوله تعالى ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم الآية واذا تصدق على غني وهو لا يعلم الى آخر ما في صحيح البخاري فتح البارى صفحه ۲۲ جلد ۲ انصارى ميں ہے قوله باب صدقة السر وقال ابو هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما صنعت يمينه وقوله تعالى ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تؤتوها الفقراء فهو خير لكم الآية واذا تصدق على غني وهو لا يعلم ثم ساق حديث ابي هريرة في قصة الذي خرج بصدقة فوضعها في يد سارق ثم زانية ثم غني كذا وقع في رواية ابي ذر ووقع في رواية غيره باب اذا تصدق على غني وهو لا يعلم وكذا هو عند الاسماعيلي ثم ساق الحديث ومناسبته ظاهرة ويكون قد اقتصر في ترجمة صدقة السر على الحديث المعلق وعلى الآية وعلى ما في رواية ابي ذر فيحتاج الى مناسبة بين ترجمة صدقة السر وحديث المتصدق ووجهها ان الصدقة المذكورة وقعت بالليل لقوله في الحديث فاصبحوا يتحدثون بل وقع في صحيح مسلم التصريح بذلك لقوله فيه لا تصدقن الليلة كما سياتي فدل على ان الصدقة كانت سرا اذ لو كانت بالجهر نهارا لما خفي عنه حال الغني

آدمی نے چور۔ زانی اور غنی کو صدقہ دے دیا اور وہ ان کو جانتا نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے صدقہ رات کے اندھیرے میں کیا تھا تو یہ صدقہ چھپا کر دینے کی ایک صورت تھی اگر وہ دن کو صدقہ کرتا تو غنی اور فقیر میں تو امتیاز کر لیتا کیونکہ عموماً دولت مند آدمی اپنی وضع قطع سے معلوم ہو جاتا ہے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یہ آیت نفلی صدقہ کے متعلق نازل ہوئی طبری نے علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ فرضی صدقہ ظاہر کر کے دینا بہتر ہے اور نفلی صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے ۔بعض نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ چھپا کر دینا افضل تھا اور آج کل ظاہر کر کے دینا بہتر ہے کیونکہ آج اگر کوئی چھپا کر دے گا تو اس کے متعلق زکوٰۃ نہ دینے کی بدگمانی پیدا ہو جائے گی ۔ ابن عطیہ نے کہا آج کل چھپا کر دینا افضل ہے کیونکہ ریا غالب ہو چکا ہے

جب نظام وصولی زکوٰۃ موجود تھا اس وقت تو ظاہر کر کے دینا ہی پڑتا تھا اور آج کل ہر آدمی اپنی زکوٰۃ خود ادا کرتا ہے لہذا آج کل چھپا کر دینا ہی بہتر ہے ۔

لانها فی الغالب لاتخفی بخلاف الزانیة والسارق ولذلك خص الغنی بالترجمة دونهما وحدیث ابی هریرة المعلق طرف من حدیث سیاتی بعد باب بتمامه وکلا تقدم مع الکلام الیه مستوفی فی باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰة وهواقوی الادلة علی افضلیة اخفاء الصدقة واما الآیة فظاهرة فی تفضیل صدقة السر ایضا ولکن ذهب الجمهور الی انها نزلت فی صدقة التطوع ونقل الطبری وغیره الاجماع علی ان الاعلان فی صدقة الفرض افضل من الاخفاء وصدقة التطوع علی العکس من ذلك وخالفهم یزید بن ابی حبیب فقال ان الآیة نزلت فی الصدقة علی الیهود والنصاری قال فالمعنی ان تؤتوها الفقراء کم سرا فهو خیر لکم قال وکان یامر باخفاء الصدقة مطلقا ونقل ابو اسحاق الزجاج ان اخفاء الزکوٰة فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم کان افضل فاما بعده فان الظن یساء بمن اخفاها فلهذا کان اظهار الزکوٰة المفروضة افضل قال ابن عطیة ویشبه فی زماننا ان یکون الاخفاء بصدقة الفرض افضل فقد کثر المانع لها وصار اخراجها عرضة للریاء انتهی وایضا فکان السلف یعطون زکوٰتهم للسعاة وکان من اخفاها اتهم بعدم الاخراج واما الیوم فصار کل احد یخرج زکوٰته بنفسه فصار اخفاءها افضل والله اعلم قال الزین بن المنیر لو قیل ان ذلك یختلف باختلاف الاحوال لما کان بعیدا فاذا کان الامام مثلا جائرا ومال من وجبت علیه مخفیا فالاسرار اولی وان کان المتطوع ممن یقتدی به ویتبع وتنبعث الهمم علی التطوع بالانفاق وسلم قصده فالاظهار اولی والله اعلم۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین خراجی میں عشر لازم ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ مسئلہ معارک عظیمہ سے ہے امام مالک وامام شافعی وامام احمد کا یہ مذہب ہے کہ دونوں لازم ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

ہاں سوائے خراج کے اور کچھ لازم نہیں چنانچہ ہدایہ میں ہے ولا عشر فی الخارج من ارض الخراج ا ھ۔ فتح القدیر میں ہے وقال الشافعی و مالک و احمد یجمع بینہما لانہما حقان ذاتا و محلا و سببا و مصرفا ا ھ صاحب ہدایہ نے اپنے مدعا کے اثبات میں تین ادلہ قائم کئے ہیں امام ابن ہمام نے تینوں کو مخدوش و منظور فیہ کر دیا ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے استدلال بحدیث لایجتمع عشر و خراج فی ارض مسلم کیا اور امام ابن ہمام نے فرمایا وھو حدیث ضعیف پھر آگے اس کی وجہ ضعف بیان کی پھر دو حدیثیں موقوف نقل کیں اس پر فرمایا و حاصل ھذا کما تری لیس الا نقل مذہب بعض التابعین ولم یرفعوہ لیکون حدیثا مرسلا و نیز صاحب ہدایہ نے استدلال کیا کہ ان احدا من ائمۃ الجور والعدل لم یجمع بینہما اس پر امام ابن ہمام نے فرمایا قد منع بنقل ابن المنذر الجمع فی الاخذ عن عمر بن عبد العزیز فلم یتم وعدم الاخذ من غیرہ جاز کونہ لتفویض الدفع الی الملاک فلم یتعین قول الصحابی بعدم الجمع لیحتج من یحتج بقولہم علی ان فعل عمر بن عبد العزیز لیقضی ان لیس عمر بن الخطاب علی منع الجمع لانہ کان متبحا لہ مقتفیا لاثارہ ا ھ لیکن امام ابن ہمام نے ایک دلیل عدم وجوب کی نقل کی ہے فرماتے ہیں۔ الذی یغلب علی الظن ان الخلفاء الراشدین من عمر و عثمان وعلی لم یاخذ وا عشرا من ارض الخراج والا لنقل کما نقل تفاصیل اخذھم الخراج

لہ خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔ امام شافعی۔ مالک احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ عشر بھی ہوگا اور خراج بھی کیونکہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ حق ہیں ان کا محل سبب اور مصرف سب الگ الگ ہیں۔

لہ مسلمان آدمی کی زمین عشر اور اخراج اکٹھے نہیں ہو سکتے لہ اس کا حاصل صرف اتنا ہی ہے کہ بعض تابعین کا مذہب ہے اور انہوں نے اس کو مرفوعا بیان نہیں کیا لہ کسی ظالم اور منصف بادشاہ نے عشر اور خراج کو جمع نہیں کیا لہ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن منذر نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے عشر اور خراج دونوں کا وصول کرنا بیان کیا ہے تو اب یہ بات نہ رہی کہ کسی صحابی سے اس کا جمع کرنا منقول نہیں ہے کیونکہ عمر بن عبد العزیز حضرت عمر فاروق کے آثار کی پیروی کیا کرتے تھے اگر انہوں نے ان کو جمع نہ کیا ہوتا تو یہ بھی جمع نہ کیا کرتے لہ غالب ظن یہی ہے کہ حضرت عمر عثمان علی رضی اللہ عنہم نے

(۵) اور بحکم حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث۔ یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب خلفاء الراشدین میں سے کسی نے عشر زمین خراجیہ سے نہ لیا تو اب بھی وہی حکم ہے گویا یہ حکم منجملہ اجماعیات صحابہ ہوا اور نیز اراضی بلاد عجم بتصریح علمائے کرام خراجیہ ہیں چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالا بدمنہ میں وشاہ عبدالعزیز صاحب نے بعض تحریرات میں اس پر صراحت فرمائی ہے۔ اور خراجیہ اسے کہتے ہیں جس میں عشر نہ ہو تو ثابت ہوا کہ زمین خراجی میں عشر لازم نہیں ہذا واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

ہوالموافق۔ واضح ہو کہ ہر زمین کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر (جیسی صورت ہو) لازم ہے بشرطیکہ مالک پیداوار مسلمان ہو اور پیداوار نصاب کو پہنچی ہو خواہ زمین خراجی ہو یا عشری اور خواہ زمین مالک پیداوار کی مملوک ہو یا نہ ہو ہر حالت میں عشر یا نصف عشر لازم ہے اس واسطے کہ ادلہ وجوب عشر ونصف عشر عام ہیں قال اللہ تعالیٰ وانفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر متفق علیہ۔ اور کوئی ایسی دلیل صحیح نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ عشر یا نصف صرف زمین عشری میں لازم ہے اور زمین خراجی میں لازم نہیں۔ اور جس قدر دلیلیں اس مطلوب کے ثبوت میں حنفیہ کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں ان میں سے ایک بھی قابل احتجاج نہیں ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے لایجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم یعنی مسلمان کی زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہوتا یہ حدیث بالکل ضعیف و باطل ہے حافظ ابن حجر درایہ صفحہ ۲۶۸ میں لکھتے ہیں حدیث لایجتمع عشر والخراج

خراجی زمین سے عشر نہیں لیا ہے اگر انہوں نے وصول کیا ہوتا تو اس کی تفصیل بھی کتابوں میں موجود ہوتی جیسے خراج کی تفصیل موجود ہے [۱] تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر کاربند رہو۔

[۲] اپنی ستھری کمائی اور زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بارش اور قدرتی چشموں سے سیراب شدہ زمین کی پیداوار میں سے دسواں حصہ ہے اور چھڑ وغیرہ کی پیداوار سے بیسواں حصہ ہے [۳] عشر اور خراج مسلمانوں کی زمین میں جمع نہیں ہوتے [۴] یہ حدیث کہ عشر اور خراج مسلمان کی

فی ارض مسلم ابن عدی عن ابن مسعود رفعہ بلفظ لا یجتمع علی مسلم خراج وعشر وفیہ یحیی بن عنبسۃ وھو واہ وقال الدارقطنی ھو کذاب و صح ھذا الکلام عن الشعبی وعن عکرمۃ اخرجھا ابن ابی شیبۃ وصح عن عمر بن عبد العزیز انہ قال لمن قال انما ۔ ۔ ۔ الخراج علی الارض و العشر علی الحب اخرجہ البیہقی من طریق یحیی بن آدم فی الخراج لہ و فیھا عن الزھری لم یزل المسلمون علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم وبعدہ یعاملون علی الارض ویستکرونھا ویؤدون الزکوۃ عما یخرج منھا وفی الباب حدیث ابن عمر فیما سقت السماء عشر متفق علیہ ویستدل بعمومہ انتھی اور علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں ولم یثبت منع الجمع بین العشر والخراج بدلیل شرعی وما رواہ ابن الجوزی وذکرہ ابن عدی فی الکامل عن یحیی بن عنبسۃ حدثنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع علی مسلم عشر وخراج باطل انتھی۔ اور ایک یہ دلیل ہے کہ کسی امام نے عادل ہو خواہ جائر عشر اور خراج کو جمع نہیں کیا یعنی ایسا نہیں کیا کہ عشر بھی لیا ہو اور خراج بھی پس تمام ائمہ (جائر ہوں خواہ عادل) کا اتفاق واجماع اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ زمین خراجی میں عشر نہیں یہ دلیل

زمین میں جمع نہیں ہوتے" اس کی سند میں یحیی بن عنبسہ بہت ضعیف ہے دارقطنی نے اس کو کذاب کہا ہے ہاں شعبی اور عکرمہ کا قول صحیح ہے عمر بن عبد العزیز سے ایک آدمی نے کہا تھا کہ میں خراج ادا کرتا ہوں عشر نہیں دوں گا تو آپ نے فرمایا خراج زمین پر ہے اور عشر غلے کی پیداوار پر۔ زہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک لوگ بٹائی اور ٹھیکہ پر زمین کی کاشت کرتے رہے اور پیداوار کی زکوۃ بھی دیتے رہے

اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث کہ "بارانی زمین میں عشر ہے اور رہا ہی وغیرہ میں نصف عشر" عام ہے اس میں کسی زمین کی تخصیص نہیں ہے۔ لے کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے اور ابن جوزی اور ابن عدی نے جو یحیی بن عنبسہ سے حدیث روایت کی ہے کہ مسلمان پر عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے وہ بالکل باطل ہے۔

بھی ناقابل استدلال ہے جیسا کہ مجیب نے علامہ ابن الہمام سے نقل کیا اور حافظ ابن حجر درایہ میں لکھتے ہیں لا اجماع مع خلاف عمر بن عبد العزیز والزہری بل لم یثبت عن غیرھما التصریح بخلافھما انتہی اور ایک دلیل یہ ہے کہ ظن غالب یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے زمین خراجی سے عشر نہیں لیا کیونکہ اگر یہ حضرات زمین خراجی سے عشر لیتے تو ضرور منقول ہوتا جیسا کہ ان کے خراج لینے کی تفصیلی باتیں منقول ہیں پس خلفائے راشدین کا زمین خراجی سے عشر نہ لینا دلیل ہے کہ زمین خراجی میں عشر لازم نہیں یہ دلیل بھی ناقابل استدلال ہے اس واسطے کہ جب آیۃ قرآنیہ واحادیث نبویہ کے عموم سے خراجی زمین میں عشر کا لازم ہونا ثابت ہے تو ظن غالب یہ ہے کہ ان حضرات رضی اللہ عنہم نے زمین خراجی سے ضرور عشر لیا ہو گا اور عدم ذکر شئی عدم شئی لازم نہیں واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص باوجود علم بفرضیت زکوٰۃ، زکوٰۃ نہ دیوے عند الشرع اس کا کیا حکم ہے اس کے ساتھ کیا برتاؤ چاہیئے۔

الجواب۔ زکوٰۃ فرض ہے اور اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے جو لوگ اس کی فرضیت سے منکر وجاحد ہوں وہ کافر ہیں اور جو لوگ اس کی فرضیت کے قائل ہوں اور باوجود علم بفرضیت زکوٰۃ نہ دیں وہ فاسق ہیں اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ چاہیے جو فساق کے ساتھ چاہیئے ہدایہ میں ہے الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصابا ملکا تاما وحال علیہ الحول اما الوجوب فلقولہ تعالیٰ وآتوا الزکوٰۃ ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ادوا زکاۃ اموالکم وعلیہ اجماع الامۃ والمراد بالواجب الفرض

---

[1] عمر بن عبد العزیز اور زہری کے اختلاف کے باوجود اجماع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ ان کے علاوہ اور کسی آدمی سے بھی اس کے خلاف تصریح نہیں ہے۔

[2] زکوٰۃ واجب ہے آزاد۔ عاقل۔ بالغ مسلمان پر جب کہ وہ پورے نصاب کا مالک ہو اور اس پر سال گزر جائے اور وجوب اللہ تعالیٰ کے قول آتوا الزکوٰۃ سے ثابت ہے اور آنحضرت نے فرمایا

لانہ لا شبہۃ فیہ انتہی اور ہدایہ کے حاشیہ میں ہے جحدہ کفر واجاحدہ دفسقوا تارکہا انتہی ۔ حررہ عبد الوہاب عفی عنہ

سیدنا محمد نذیر حسین

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کا مال کفار و مشرکین کو دینا جائز ہے یا نہیں اور یہ بھی واضح ہو کہ یہاں آج کل بہت بڑی قحط سالی ہو رہی ہے اور نرخ غلہ کا گراں ہو گیا ہے مخلوق نہایت درجہ پریشان حال ہے اللہ تعالے رحم فرمائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جو قحط سالی ہوئی تھی تو بیت المال میں سے کفار کو کچھ دیا گیا تھا یا کہ نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ۔ زکوٰۃ کا مال کفار و مشرکین کو دینا جائز نہیں ہے ۔ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے فاخبرھم ان اللہ قد افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیا ئھم وترد علی فقرائھم الحدیث رواہ الشیخان اس حدیث کی تحت میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ان الزکوٰۃ لا تدفع الی الکافر لعود الضمیر فی فقرائھم الی المسلمین اھ ہاں صدقۂ تطوع کفار و مشرکین کو دینا جائز ہے ۔ ہدایہ میں ہے ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی لقولہ علیہ السلام لمعاذ خذھا من اغنیا ئھم وردھا فی فقرائھم ویدفع الیہ ما سوی ذلک من الصدقۃ و قال الشافعی لا یدفع وھو روایۃ عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ اعتبارا بالزکوٰۃ ولنا قولہ علیہ السلام تصدقوا علی اھل الادیان کلھا ولولا حدیث معاذ لقلنا بالجواز فی الزکوٰۃ انتہی ۔ حافظ ابن حجر درایہ تخریج ہدایہ میں لکھتے

اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اس پر امت کا اجماع ہے اور واجب کا مطلب فرض ہے کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں ۔ لہ زکوٰۃ کا منکر کافر ہے اور تارک فاسق ہے

لہ ان کو خبر دو کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے ان کے دولتمند دل سے لی جائے اور ان کے فقیر دل پر تقسیم کر دی جائے لہ زکوٰۃ کافر کو نہیں دی جا سکتی کیونکہ ہم کی ضمیر مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے ۔

لہ ذمی کو معاذ کی حدیث کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی اور اس کے علاوہ دوسرے صدقات دیئے جا سکتے ہیں ۔ امام شافعی اس کے بھی قائل نہیں ہیں ابو یوسف کی ایک روایت بھی یہی ہے انہوں نے اس

این حدیث تصدقوا علی اهل الادیان کلها ابن ابی شیبة من روایة سعید بن جبیر رفعه لا تصدقوا الا علی اهل دینکم فنزلت لیس علیك هداهم فقال تصدقوا علی اهل الادیان ومن طریق محمد بن الحنفیة نحوه ولابن زنجویه فی الاموال عن سعید بن المسیب ان النبی صلی الله علیه وسلم تصدق علی اهل بیت من الیهود وهذه مراسیل یشد بعضها بعضا انتهی

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مصارف زکوٰۃ کے بارے میں آیا اس میں ایسا مدرسہ جس میں تعلیم قرآن وحدیث ہوتی ہے اور اکثر اطفال مساکین تحصیل علم میں مشغول ہیں اور ان کے اکل وشرب وکتب ولباس کی خبر بذریعہ مہتمم لی جاتی ہے داخل ہے یا نہیں اور مالک زکوٰۃ اس مدرسہ میں زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ غریب اور مسکین طلبہ بلاشبہ مصرف زکوٰۃ ہیں ایسے مدرسہ میں مالک زکوٰۃ، زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں چاہیں خود آپ بلاواسطہ مہتمم کے ان طلبہ کو دیں یا بواسطہ مہتمم کے ان کو دیں اور مہتمم کو اس امر کی ہدایت کر دیں کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے اس کو صرف غریب و مسکین طلبہ پر خرچ کریں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ جس ملک کے مسلمانوں میں بسبب عدم ناظمین وتعلیم احکام وارکان اسلام وسلام علیک مروج نہ ہوئے ہوں پس ایسے ملک میں مدرسہ اسلامیہ جاری ہونا ضروری ہے یا نہیں اور وہاں کے مسلمان صرف زکوٰۃ سے مدرسہ کی مدد کر سکتے ہوں تو ایسی معذوری کی حالت میں مال زکوٰۃ میں سے مدرسین کی تنخواہ دینا یا سامان مدرسہ خریدنا یا تجارت میں لگا کر اس کے نفع سے مدرسہ کو قائم رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ مال زکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا یا سامان مدرسہ فراہم کرنا جائز نہیں

کو زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تمام اہل ادیان پر صدقہ کرو اگر معاذ کی حدیث نہ ہوتی تو ہم فرض زکوٰۃ بھی کافر کو دینا جائز سمجھتے۔

۔ سعید بن جبیر نے مرفوعاً حدیث روایت کی کہ آپ نے فرمایا اپنے دین والوں کے علاوہ اور کسی پر صدقہ نہ کیا کرو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "تمہارے ذمے انکی ہدایت نہیں ہے" تو آپ نے فرمایا تمام ادیان والوں پر صدقہ کیا کرو اور آپؐ نے خود ایک یہودی گھرانے کو صدقہ دیا۔

ہے ہاں مال زکوۃ سے غریب طلبہ کو دینا جائز ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال زکوۃ کے آٹھ مصرف بیان فرمائے ہیں ان آٹھ مصارف میں غریب طلبہ داخل ہیں اور مدرسہ کی تنخواہ اور سامان مدرسہ ان آٹھ مصارف سے خارج ہیں اور جس ملک میں بوجہ عدم تعلیم وتلقین کے احکام وارکان اسلام جاری نہ ہوں وہاں مدرسہ اسلامیہ ہونا بہت ضروری ہے وہاں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ علاوہ مال زکوۃ کے تھوڑی تھوڑی اعانت کر کے حسب حیثیت ایک مدرسہ قائم کریں بڑا نہیں تو چھوٹا ہی سہی اور یہ عذر کہ "وہاں کے مسلمان صرف زکوۃ سے مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں" ٹھیک نہیں ہے کیونکہ وہاں کے مسلمان جیسے اپنی دنیاوی ضرورتوں میں خواہ مخواہ علاوہ زکوۃ کے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں اور ان کو کچھ معذوری نہیں ہے اسی طرح وہاں ایک مدرسہ اسلامیہ کا قائم ہونا ایک دینی ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے تو اس میں بھی علاوہ زکوۃ کے تھوڑا تھوڑا بقدر حیثیت ان کو خرچ کرنا چاہیے اور اس میں بھی ان کو معذور نہیں بننا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ روپیہ زکوۃ کا حقیقی بھائی یا بہن جو علیحدہ ہو اس کو دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جائز ہے بلکہ افضل ہے مشکوۃ شریف میں ہے عن سلیمان بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصدقۃ علی المسکین صدقۃ وھی علی ذی الرحم ثنتان صدقۃ وصلۃ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی[1]

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے پانچ سو روپیہ پر عمر و کی چند بیگھہ زمین رہن رکھی اس شرط پر کہ زید خراج کے بدلے دس روپیہ سال بھر میں اپنے اصل روپیہ سے خارج کرتا گیا اور ماحصل زراعت کو وصول کرتا گیا تا وقتیکہ باقی روپیہ زید کو نہ ملے اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ پانچ سو روپیہ کی زکوۃ کس پر ہے؟ سوال دیگر زید نے پانچ سو روپیہ سے کشتی خریدی اب ہر سال اس پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہی ہے اور ذی رحم پر صدقہ دو چیزیں ہیں ایک صدقہ اور دوسری صلہ رحمی (ترمذی نسائی ابن ماجہ دارمی)

الجواب ۔ جواب سوال اول ۔ مذکورہ روپیہ کی زکوٰۃ زید پر فرض ہے اس لئے کہ آیت کریمہ[1] اذا تداینتم بدین الی قولہ فرھان مقبوضۃ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ رہن قرض ہے اور قرض سے انتفاع جائز نہیں موافق حدیث شریف لایغلق الرھن من صاحبہ الذی رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ[2]۔ رواہ الشافعی و الدارقطنی وقال ھذا اسناد حسن متصل کذا فی المنتقی ۔ پس زید کا یہ معاملہ رہن بوجہ اشتراط انتفاع جائز ہے اور جبکہ ناجائز ہے تو زید کا روپیہ زید کے ملک میں رہا ۔ گو زید اپنے زعم میں سمجھے کہ روپیہ میری ملک میں نہیں ہے بناء علیہ روپیہ مذکورہ کی زکوٰۃ زید پر فرض ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ رہن سے انتفاع جائز ہے تو بھی زکوٰۃ زید پر ہی فرض ہوگی کیونکہ معاملہ رہن قرض ہے اور قرض دادہ شدہ روپیہ میں قرض دینے والے پر زکوٰۃ فرض ہوئی ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

جواب سوال دوم ۔ کشتی مذکورہ اگر بغرض تجارت خریدی ہے تو زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اموال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے امام نووی قول نبوی واما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعہ واعتادہ فی سبیل اللہ کی تحت میں لکھتے ہیں قال اھل اللغۃ الاعتاد آلات الحرب من السلاح والحرب وغیرھا ومعنی الحدیث انھم طلبوا من خالد زکاۃ اعتادہ ظنا منھم انھا للتجارۃ وان الزکاۃ فیھا واجبۃ[3] الی قولہ واستنبط بعضھم من ھذا وجوب الزکاۃ فی اموال التجارۃ وبہ قال جمھور العلماء من السلف والخلف خلافا لداؤد انتہی ۔ اور اگر بغرض تجارت نہیں ہے بلکہ پیشہ کے لئے ہے تو زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اس صورت میں کشتی مذکورہ آلہ معاش ہے اور آلات معاش میں زکوٰۃ نہیں ہے کما لایخفی واللہ اعلم بالصواب ۔

حررہ احمد عفی عنہ ۔ | سید محمد نذیر حسین

---

[1] جب تم آپس میں قرضہ کا لین دین کرو (الی قولہ) تو رہن قبضہ میں کر لو

[2] رہن کا نفع ونقصان رہن رکھنے والے کا ہے ۔

[3] "تم خالد پر ظلم کرتے ہو تو اس نے تو اپنی درعیں خدا تعالےٰ کے لئے وقف کر دی ہیں" ۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خالد سے لوگوں نے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اس خیال سے کہ شاید درعیں انہوں نے تجارت کے لئے رکھی ہیں اور ان میں زکوٰۃ واجب ہے اس حدیث سے بعض نے استنباط کیا ہے کہ مال تجارت

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تیس روپے زید کے پاس حاجت ضروری سے فاضل ہیں اور سونا بھی تیس روپیہ کا ہے یا فقط سونا تیس روپیہ کا اور چاندی بھی اسی قدر ہے آیا اس وقت پر زید کو زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب - جب کسی کے پاس سونا اور چاندی بقدر نصاب کے ہو اور اس پر کامل ایک برس گزر چکا ہے تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے سونا ہے پس صورت مسئولہ میں سونا اور چاندی دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جاوے اور ایک سال اس پر گزر چکا ہو تو زید پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ فرض نہیں ہے اور چاندی اور سونا دونوں کو ملا کر نصاب پورا کرنے کے معنے یہ ہیں کہ سونے کو چاندی کی قیمت لگا کر کل کو چاندی بنالیں یا چاندی کو سونے کی قیمت لگا کر کل کو سونا بنالیں - واللہ اعلم حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد ابوالحسن	سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق - جواب ہذا کے متعلق یہ معلوم کرنا چاہیے کہ صورت مسئولہ میں چاندی اور سونا دونوں کو ملا کر نصاب پورا کرنا اور اس میں زکوٰۃ کا فرض ہونا اتفاقی مسئلہ نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ ہے بعض علماء کے نزدیک فرض ہے اور بعض کے فرض نہیں ہے - حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۰۹ جلد ۳ میں لکھتے ہیں واستدل بہ (ای بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لایجمع بین متفرق) علی ان من کان عندہ دون النصاب من الفضۃ ودون النصاب من الذھب مثلا انہ لایجب ضم بعضہ الی بعض حتی یصیر نصابا کاملا فتجب فیہ الزکاۃ خلافا لمن قال یضم علی الاجزاء کالمالکیۃ او علی القیم کالحنفیۃ انتہی اور ظاہراً انہیں لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ چاندی اور سونا دونوں ملا کر نصاب پورا کرنا اور زکوٰۃ کو

یں زکوٰۃ فرض ہے - داؤد ظاہری کے علاوہ تمام علمائے سلف وخلف کا یہی مسلک ہے -

لے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے (کہ متفرق کو جمع نہ کیا جائے) استدلال کیا گیا ہے کہ جس کے پاس چاندی بھی نصاب سے کم ہو اور سونا بھی نصاب سے کم ہو تو ان کو ملا کر نصاب پورا نہیں کیا جائے گا کہ اس میں زکوٰۃ فرض ہو جائے اور اس میں بعض مالکیہ نے اجزاء کے دلائے ہیں اور بعض حنفیہ نے قیمت کا اعتبار کرنے میں مخالفت کی ہے -

فرض بتانا محتاج دلیل ہے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ مال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے بدلیل اس آیت کے انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الآیۃ واضح ہو کہ کسب میں دستکاری اور بیع وشری داخل ہے بدلیل روایت احمد بن حنبل کے رافع بن خدیج سے قال قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور رواہ احمد کذا فی المشکوۃ بنا برایں کے امام بخاری نے ایک باب منعقد کیا ہے زکوٰۃ کسب اور تجارت میں یعنی ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یعنی جو مال کسب دستکاری اور بیع وشری سے بقدر نصاب کے حاصل ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب مطلق میں کسب تجارت کو شامل کیا اور آیۃ انفقوا من طیبات ما کسبتم سے فرضیت زکوٰۃ کی اظہر من الشمس ہے۔ اجماعاً تو کسب تجارت میں بھی زکوٰۃ بلا شبہ واجب ہوگی اسی واسطے اس پر بھی اجماع منعقد ہوا منکر اور مخالف اس کا مذاق قرآن مجید ومحاورہ لسان عرب سے محظوظ وماہر نہ ہوا اللہم اغفر لہ وارحمہ۔ باب صدقۃ الکسب والتجارۃ لقول اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الی قولہ غنی حمید انتہی ظاہر الآیۃ یدل علی

لہ اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرو لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ پاکیزہ کسب کونسا ہے آپ نے فرمایا ہاتھ کی کمائی اور ایمانداری کی تجارت۔

لہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔ لہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایماندارو اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرو (غنی حمید تک) ظاہر آیت سے ہر مال مکتسب میں زکوٰۃ فرض معلوم ہوتی ہے۔ اس میں تجارت کا مال بھی شامل ہے اور سونے چاندی اور مویشی کی زکوٰۃ بھی کیونکہ یہ سب کمائی میں شامل ہیں۔ یہ آیت داؤد کے خلاف اجماع کی سند ہے اور جمہور کی حجت کہ وہ سونے چاندی اور جانوروں کے علاوہ اور کسی چیز میں زکوٰۃ فرض نہیں کہتا اور جمہور کے نزدیک سامان اور زمین

وجوب الزکوٰۃ فی کل مال یکتسبہ الانسان فیدخل فیہ زکوٰۃ التجارۃ وزکوٰۃ الذھب والفضۃ وزکوٰۃ النعم لان ذلک مما یوصف بانہ مکتسب کذا فی التفسیر الکبیر وھذہ الایۃ سند الاجماع وحجۃ للجمھور علی داؤد حیث قال لا یجب الزکوٰۃ الا فی الانعام والنقود وعند الجمھور یجب فی العروض والعقار ایضا اذا کان للتجارۃ وانما شرطوا نیۃ التجارۃ لان النمو شرط لوجوب الزکوٰۃ بالاجماع ولا نمو فی العرض الا بنیۃ التجارۃ وعن ابن عمر لیس فی العروض زکوٰۃ الا ما کان للتجارۃ رواہ الدارقطنی ومما یدل علی وجوب الزکوٰۃ فی العروض ما روی عن حماس قال مررت علی عمر بن الخطاب وعلی عنقی ادمۃ احملھا فقال الا تؤدی زکوتک یا حماس فقال مالی غیر ھذا واھبۃ فی القرظ قال تلک مال فضعھا فوضعتھا بین یدیہ فحسبھا فقد وجبت الزکوٰۃ فیھا فاخذ منھا الزکوٰۃ رواہ الشافعی واحمد وابن ابی شیبہ وعبد الرزاق وسعید بن منصور والدارقطنی انتہی ما فی التفسیر المظھری للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی والد ماجد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں الشافعی عن ابن عمرو ابن حماس ان اباہ قال مررت بعمر بن الخطاب وعلی عنقی ادمۃ احملھا فقال عمر الا تؤدی زکوتک یا حماس فقلت یا امیر المومنین مالی غیر ھذہ التی علی ظھری واھبۃ فی القرظ قال ذلک مال فضع فوضعتھا بین یدیہ فحسبھا

میں بھی زکوٰۃ فرض ہے جبکہ وہ تجارت کے لئے رکھا ہو اور اس میں تجارت کی نیت شرط ہے۔ کیونکہ نمو وجوب زکوٰۃ کے لئے بالاجماع شرط ہے اور مال میں نمو تجارت ہی سے ہوتا ہے ابن عمر کا بھی یہی مذہب ہے اور ساماں میں زکوٰۃ واجب ہونے کی دلیل حماس کی حدیث بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے پاس سے گذرا میری گردن پر چمڑے کی کھالیں تھیں آپ نے فرمایا اے حماس تو اپنی زکوٰۃ کیوں نہیں ادا کرتا! میں نے کہا میرے پاس تو یہی کچھ ہے آپ نے فرمایا یہ مال ہے اسے یہاں رکھ دیں نے رکھا تو آپ نے اس کا حساب کیا تو وہ نصاب کو پہنچ گئیں آپ نے ان کی زکوٰۃ لے لی۔

لہ ابن حماس کہتے ہیں کہ میرا باپ حضرت عمر فاروق کے پاس سے گذرا ان کی گردن پر کھالیں تھیں حضرت عمر نے کہا اے حماس اپنے مال کی زکوٰۃ کیوں نہیں ادا کرتا انھوں نے کہا میرے پاس تو یہی کچھ ہے۔ آپ

فوجدها قد وجبت فیها الزکوٰۃ فاخذ منها الزکوٰۃ انتہی ما فی ازالۃ الخفاء۔ یہ روایت حضرت عمرؓ کی اگرچہ لفظاً موقوف ہے مگر باعتبار حکم کے مرفوع ہے کیونکہ جس امر میں رائے کو دخل نہیں اس کو صحابی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا جب تک حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو جیسا کہ اہل حدیث اور فقہ پر مخفی نہیں اور اس آیت کریمہ والذین فی اموالہم حق معلوم للسائل والمحروم سے بھی مال تجارت میں فرضیت زکوٰۃ ثابت ہوتی ہے کیونکہ فی اموالہم میں مال تجارت بلاریب شامل ہے بدلیل اس آیت کے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ ای الا ان تکون الاموال اموال تجارۃ صادرۃ عن تراض منکم چنانچہ تفسیروں میں مذکور ہے لہذا تفسیر عزیزی میں پہلی آیت کا اس طرح پر ترجمہ کیا ہے والذین فی اموالہم یعنی وکسانیکہ در جمیع انواع مالہائے ایشان از نقد و محصول زراعت و مال تجارت وبردہ حق معلوم یعنی حقے است مقرر کردہ شدہ ومعین نمودہ کہ آن زکوٰۃ است وصدقۃ فطر انتہی مختصراً۔ اور ماہر شریعت پر واضح ہے کہ صلوٰۃ حق بدن ہے اور زکوٰۃ حق مال ہے اور مال تجارت جنس اموال میں بلاریب شامل ہے اسی واسطے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا جیسا کہ صحاح ستہ سے معلوم ہوتا ہے یا مواشی سائمہ یا زراعت یا تجارت سے لہذا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ الاموال النامیۃ ثلثۃ اصناف الماشیۃ

نے فرمایا یہ مال ہے اسے یہاں رکھو چنانچہ ان کا حساب کیا گیا تو نصاب پورا ہو گیا آپ نے اس سے زکوٰۃ لے لی۔ لہ اور وہ لوگ کہ ان کے مال میں سائل اور غیر سائل کے لئے ایک حصہ مقرر ہے

لہ۔ آپس میں اپنے مال باطل طریقہ سے نہ کھایا کرو ہاں اگر تجارت رضامندی سے ہو تو درست ہے یعنی مال اگر تجارت کی غرض سے رکھا ہو اور تمہاری آپس کی رضامندی سے اس میں سے نفع کما کر اگر تم کھالے تو جائز ہے۔

لہ بڑھنے والے مال تین قسم کے ہیں مویشی جو چراگاہ میں چر کر گزارہ کریں اور ان کی نسل بڑھے۔ کھیتیاں اور تجارت کا سامان چونکہ تجارت کا سامان دور کے شہروں سے لایا جاتا ہے اور کھیتیاں اور پھل وغیرہ پک کر سال کے بعد کمائی ہوتی ہے اور یہی زکوٰۃ کی بڑی قسمیں تھیں لہذا ان کے لئے ایک سال کی مدت رکھی گئی اور ان چیزوں کے لئے یہ مدت درست تھی۔

المتناسلۃ السائمۃ والزروع والتجارۃ ولما کان دوران التجارۃ من الابدان النامیۃ وحصاد الازر وع وجنی الثمرات فی کل سنۃ وھی اعظم انواع الزکوۃ قدر الحول لھا ولا تجمع مختلفۃ الطبائع وھی مظنۃ النماء وھی صالحۃ لمثل ھذہ التقدیرات انتہی کلامہ اور سابق معلوم ہو چکا کہ بیع کسب میں داخل ہے بدلیل روایت امام احمد کے رافع بن خدیج سے اور بیع عبارت ہے دوران مال تجارت سے تو نص قرآنی سے زکوۃ مال تجارت میں بھی فرض ہوئی کیونکہ صیغہ انفقوا کا آیۃ انفقوا من طیبات ما کسبتم[1] میں واسطے وجوب فرضی کے ہے۔ علی الاطلاق تو فرضیت زکوۃ مال تجارت میں قرآن مجید سے ثابت ہوئی باقی رہی حدیث ابو داؤد کی جو دربارہ زکوۃ مال تجارت کے وارد ہے اور وہ حدیث یہ ہے عن سمرۃ بن جندب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأمرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعدہ للبیع[2] رواہ ابو داؤد واسنادہ لین کذا فی بلوغ المرام۔ سو یہ حدیث دلیل مستقل فرضیت زکوۃ مال تجارت پر نہیں ہے بلکہ وہ دلالت کرتی ہے۔ نص آیت انفقوا من طیبات ما کسبتم[3] اور سند اجماع پر اور یہ حدیث سند اجماع کے واسطے کافی ہے اگرچہ سند اس کی لین ضعیف ہے اور فی نفسہ قوی نہیں کہ موجب اسقاط ہو البتہ اجماع سے اس میں قوت آگئی چنانچہ تفصیل اور تشریح اس کی بحث اجماع میں مذکور ہے کما لا یخفی علی الماھر باقوال العلماء من المتقدمین والمتاخرین واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ سوما کا ربیع الثانی ۱۲۹۸ھ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کے پاس مکان رہنے کا نہیں ہے یا کپڑا پہننے کو نہیں ہے یا کبھی کبھی اس کے پاس روزمرہ کا کھانا نہ رہتا ہو یا جس کے پاس یہ سب چیزیں موجود ہوں مگر قرض اس کے ذمہ زیادہ ہے تو ان سب صورتوں میں وہ زکوۃ لینے کے قابل ہے یا نہیں؟۔

---

[1] اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو [2] سمرہ بن جندب نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو مال تجارت میں سے زکوۃ دینے کا حکم دیا کرتے تھے [3] اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کیا کرو

الجواب - ان سب صورتوں میں اس کو زکوۃ لینا درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

کتاب الصیام

سوال۔ چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ ماہ شعبان سی روز بالتمام رسید در رویت ہلال حاصل نہ شد آیا روزہ بر مسلمین فرض شود یا نہ و نیز رمضان المبارک ثلثین تمام شد و رویت ہلال شوال حاصل نہ شد افطار بر مردمان جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا

الجواب۔ در صورت اولے روزہ داشتن بر مسلمین فرض شود و نیز در صورت ثانیہ افطار بر مردمان جائز است بلکہ فرض است در مشکوٰۃ شریف است عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصوموا حتی تروا الہلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ وفی روایۃ قال الشہر تسع و عشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین متفق علیہ دریں حدیث امر شدہ است کہ صوم و افطار بر رویت ہلال موقوف باید داشت و اگر در آخر ماہ بوجہ ابر وغیرہ رویت ہلال حاصل نشود پس مدت سی روز تمام باید کرد و بعد ازاں اگر رمضان است روزہ باید داشت و اگر ماہ شوال است افطار باید

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اگر شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں اور چاند نظر نہ آئے تو کیا مسلمانوں پر روزہ رکھنا فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر رمضان کے تیس دن پورے ہو جائیں اور چاند نظر نہ آئے تو کیا روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ دونوں صورتوں میں فرض ہے پہلی صورت میں روزہ رکھنا فرض ہے اور دوسری میں افطار کرنا فرض ہے رسول اللہ نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔ ایک حدیث میں ہے کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے چاند دیکھ لو انتیس کے بعد روزہ رکھو اگر بادل ہو جائے تو تیس دن کے بعد روزہ رکھو۔ اس حدیث میں حکم ہے کہ روزہ اور افطار دونوں چاند دیکھنے پر موقوف ہیں اگر مہینے کا اخیر ہو اور چاند نظر نہ آئے تو گنتی تیس دن کی ہونی چاہیے اگر شعبان کے تیس

کرد پس ہویدا شد کہ در ہر دو صورت مندرجہ سوال ہمان باید کرد کہ در صدر تحریر شد واللہ تعالیٰ اعلم حررہ عبدالحق اعظم گڈھی عفی عنہ ۔ سید محمد نذیر حسین

فائدہ ۔ برارباب خبرت واضح باد کہ بعض طلبہ از جہالت انکار وجود اختلاف مطالع می کنند پس باید دانست

اولاً ۔ آنکہ ماہ را حسب اختلاف نسبت او از قرب وبعد با آفتاب اشکال مختلفہ عارض می شود چون شکل ماہ کروی است مثل شکل آفتاب واز آفتاب خرد تر ہمیشہ نیمہ او تقریباً کہ مواجہ آفتاب است مضی باشد وقریب یک نیمہ او مظلم چہ در علم مناظر مبرہن شدہ کہ ہرگاہ کرہ از کرہ بزرگ تر روشنی پذیرد اکثر از نصف روشن گردد ومیان قطعہ مضی ومظلم او دائرہ فاصل بود کہ آنرا دائرہ نور گویند ۔ ومیان قطعہ مرئی وغیر مرئی او نیز دائرہ دیگر فاصل باشد کہ آنرا دائرہ رؤیت خوانند واقلیدس در مناظر بیان کردہ کہ مرئی از کرہ کمتر از نصف است و در اجتماع یعنی وقت بودن شمس وقمر در موضع واحد از فلک البروج بسبب تطابق دائرہ نور ودائرہ رؤیت تمامی نیمہ بے نور بطرف ماہ بود وازروشنی او ہیچ بماہ نماید وقطعہ نورانی از طرف آفتاب باشد واین حال را محاق گویند وہرگاہ از اجتماع گذرد و دوازدہ درجہ تقریباً از آفتاب دور شود قدرے از نیمہ روشن او نمایان گردد بسبب زوال انطباق دائرتین تقاطع اینہا لاعلی زوائم قائمہ واین را ہلال گویند پس از ان متزاید می شود روشنی او بزیادت بعد از آفتاب تا آنکہ می رسد بمقابلہ واین عبارت

ہیں تو روزہ رکھا جائے اور اگر رمضان کے تیس ہیں تو عید کرنی چاہیے ۔

فائدہ ۔ اہل علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ بعض طلباء جہالت کی وجہ سے مطلع کے اختلاف کا انکار کرتے ہیں سو معلوم ہونا چاہیے کہ سورج سے بُعد وقرب کی وجہ سے چاند کی مختلف شکلیں بن جاتی ہیں ۔ چونکہ چاند کی شکل سورج کی طرح گول ہے اور سورج سے بہت چھوٹا ہے تو ہمیشہ اس کا آدھا حصہ جو سورج کے بالمقابل ہوتا ہے روشن رہتا ہے اور دوسرا نصف حصہ بے نور کیونکہ علم مناظر میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جب کوئی کرہ اپنے سے بڑے کرے سے روشنی حاصل کرتا ہے تو اس کا آدھے سے زیادہ حصہ روشن ہوتا ہے اور اس کے بے نور اور نورانی قطعہ کے درمیان ایک دائرہ فاصل ہوتا ہے جسے دائرہ نور کہتے ہیں اور اس کے نظر آنے والے اور چھپے رہنے والے دائرہ کے درمیان بھی ایک دوسرا دائرہ فاصل ہوتا ہے اسے دائرہ رؤیت کہتے ہیں ۔ اقلیدس نے علم مناظر میں بیان کیا ہے کہ نظر آنے والا حصہ

است از بودن شش برج مابین شمس وقمر منعکس می شود حالت اولے محاقیہ یعنی تمامی نیمہ نورانی او بطرف ماہ باشد واین شکل را کہ از مقابلہ بوے حاصل شود بدر گویند باز منتاقص می شود روشنی او بسبب تقارب از آفتاب تا آنکہ رجوع می کند بحالت محاق وہمچنیں است حال او در انتقال من شکل الی شکل الی ما شاء اللہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار۔

ثانیا۔ آنکہ جمیع علمائے اہل اسلام را در وجود اختلاف مطالع قمر اتفاق است زیرا کہ کرویت ارض کہ مستلزم است اختلاف آنرا ثابت است براہین واضحہ کہ مذکور است در موضع خود وبنا بر آن ممکن است بامکان وقوعے کہ گاہے بتاریخ بست ونہم ماہ قمری در یک بلدہ بعد قمر از آفتاب بدوازدہ درجہ تقریبا نہ رسد وباہل آن بلدہ باوجود صفائی مطلع مرئی نگردد ودر بلدہ دیگر درین تاریخ بسبب رسیدن بعد او دوازدہ درجہ تقریبا از آفتاب مرئی شود وانکار این خالی از جہل نیست الحاصل در وجود اختلاف مطالع درمیان المسلمین اختلاف منقول نیست اگر اختلاف است در اعتبار وعدم اعتبار آن است فی طوالع الانوار حاشیہ در مختار مذکور است لا اختلاف فی وجود اختلاف المطالع بل الاختلاف فی اعتبارہ وعدم اعتبارہ انتہی۔

ثالثا آنکہ در کتب ہیئت آوردہ اند کہ ہر گاہ قمر دوازدہ درجہ تقریبا از آفتاب

دوسرے سے کم ہوتا ہے اور جب سورج اور چاند فلک البروج کے ایک ہی مقام میں ہوتے ہیں تو دائرہ نور اور دائرہ رویت کے تطابق کی وجہ سے بے نور حصہ چاند کی طرف ہوتا ہے اور اس کی روشنی چاند میں نظر نہیں آتی اور نورانی حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے اور اس حالت کو محاق کہتے ہیں۔ اور جب حالت اجتماع سے نکل جاتا ہے اور سورج سے قریبا بارہ درجے دور چلا جاتا ہے اور اس کے نصف روشن حصہ سے کچھ نمایاں ہوتا ہے کیونکہ دونوں دائروں کا تطابق زائل ہو جاتا ہے تو اس حالت کو ہلال کہتے ہیں اس کے بعد اس کی روشنی بڑھنے لگتی ہے کیونکہ وہ سورج سے دور ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے بالمقابل آجاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب سورج اور چاند کے درمیان چھ برج کا فاصلہ ہو جاتا ہے تو اس کی حالت بالکل بدل جاتی ہے یعنی اس کا نورانی حصہ چاند کی طرف ہو جاتا ہے اور اس شکل کو جو اس کے بالمقابل پیدا ہوتی ہے بدر کہتے ہیں پھر اس کے بعد چاند کی روشنی سورج کے قرب کی وجہ سے کم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ حالت محاق میں پہنچ جاتا ہے اور اس طرح اس کی کئی شکلیں بدلتی رہتی

دور شود ہلال مرئی گردد معنی آن این است کہ در بسیاری کم از آن رویت ہلال بہیچ جا ممکن نیست و ہنگام دوری او از آفتاب دوازدہ درجہ تقریباً امکان رویت ہلال است نہ وقوع آن در جمیع مواضع چہ ممکن است کہ در بعضے جاہا واقع شود و در بعضے جاہا نہ گردد بسبب اختلاف اوضاع بقاع است مثلاً در بقعہ کہ مدار قمر از افق بعید تر باشد از بقعہ دیگر رویت ہلال در انجا جلد تر بود بلکہ در بقعہ واحد نیز بسبب شمالی و جنوبی بودن قمر از مدار آفتاب و قرب و بعد او از افق در رویت اختلاف واقع می شود شارح چغمینی گوید ان المسکن اذا کان مدار القمر فیہ اقرب الی الانتصاب یکون رویۃ الہلال فیہ اسرع بل الرویۃ تختلف فی مسکن واحد ایضا بسبب قرب القمر و بعدہ واختلاف عرضہ وکونہ فی اجزاء مختلفۃ من فلک البروج وغیر ذلک ولذلک یعسر ضبطہا بحیث اعترض عند المتقدمون واطنب فیہ المتاخرون وہی غیر مضبوط بعد واما اختلاف الہواء صفاء وکدورۃ والبصر حدۃ وکلالا وان کان لہ دخل فی ذلک فقد قیل انہ لا عبرۃ بہ لبعد ضبطہ انتہی۔ پس بعد از تمہید این مقدمات گوئیم کہ جماعتے از علمائے حنفیہ اختلاف مطالع را اعتبار می کنند لان کل قوم مخاطبون بما عندہم کذا فی الزیلعی۔ ودر

ہیں۔ پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اختلاف مطلع کے متعلق کسی ایک عالم کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف اگر ہے تو صرف اس بات میں کہ اختلاف مطلع کا اعتبار کرنا چاہیے یا نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی شکل بھی کروی ہے اور ہو سکتا ہے کہ انتیس تاریخ کو کسی ایک مقام میں چاند کا سورج سے بعد بارہ درجے تک نہ پہنچے اور کسی دوسرے مقام میں اس کا بُعد بارہ درجہ کو پہنچ جائے پہلے مقام میں نظر نہ آئے اور دوسرے میں نظر آجائے اور اس کا انکار کرنا محض جہالت ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب چاند سورج سے بارہ درجہ تک دور ہو تو اس کا نظر آجانا ممکن ہے ضروری نہیں ہے اور اس سے کم فاصلہ پر رویت ناممکن ہے تو اس صورت میں بارہ درجہ پر ان مقامات میں تو چاند نظر آجائے گا جو مدار قمر سے قریب ہوں گے یعنی بلند ہوں گے اور جو دور ہوں گے وہاں نظر نہ آئے گا بلکہ ایک ہی عرض بلد پر شمال جنوب کے فرق سے چاند کی رویت میں فرق پڑ جاتا ہے چنانچہ چغمینی میں اس کی تصریح ہے اور پھر نظر کی تیزی اور کمزوری کا فرق بھی پڑتا ہے اور فضا کے مکدر یا صاف ہونے کا بھی۔

مندرجہ بالا تمہید کے بعد اب یہ جاننا چاہیے کہ علمائے احناف کی ایک جماعت نے اختلاف مطلع

جامع رموز گفتہ کہ ابو یوسف نیز باین طرف رفتہ حیث قال ذهب ابو یوسف الی ان حکم احدی البلدتین بالرؤیۃ لا یلزم الاخری انتہی۔ اما جم غفیر از مشائخ حنفیہ اختلاف مطالع را اعتبار نہ کنند و ظاہر الروایۃ ہمیں قول است و فتوے برہمیں است و مستند اینہا این حدیث صحیح است کہ بخاری و مسلم از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کردہ اند کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین وجہ استناد این است کہ پیغمبر صلعم معلق نہ فرمود صوم رمضان را برویت قومے معین در بلدہ معین و نفرمود للرؤیۃ التی وقعت فی بلدکم بلکہ معلق فرمود صوم را مطلق رویت ہلال و آن حاصل است برویت قومے در ہر بلدہ کہ واقع شود و این تعلیق برویت مستحیلہ نیست بلکہ برویت ممکنہ است چہ رویت مستحیلہ آنست کہ آن رویت فی نفسہا ممتنع باشد مثلا رویت قمر در حال محاق یعنی حال اجتماع او بآفتاب در موضع واحد از تلک البروج چنانکہ بالا گذشت و ما مامور شدہ ایم بداشتن روزہ بمطلق رویت فی ای بلد وقعت و این ممکن است و اگر ممکن نبودے ہیچ جا واقع نشدے و پر ظاہر است کہ رویت کل در بلدہ واحد ہم مراد نیست برین قیاس رویت یک بلدہ بر اہل بلدہ دیگر حجت شود۔ عن نافع عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ

کا اعتبار کیا ہے اور امام ابو یوسف بھی اس کے قائل ہیں اس کا اثر یہ ہوگا کہ جہاں چاند نظر آجائے گا وہاں کے لوگ روزہ کے مکلف ہوں گے اور جہاں چاند نظر نہ آئے گا وہ روزہ نہ رکھا جائے گا لیکن بہت زیادہ اکثریت اس طرف ہے کہ اختلاف مطلع کا اعتبار نہیں ہے اور اسی پر فتوے ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دیکھنے پر روزہ رکھو اور دیکھنے پر افطار کرو اگر بادل ہو جائے تو شعبان کی گنتی تیس دن پوری کرو۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم اور کسی علاقے کو رویت کے لئے خاص نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ اس رویت پر روزہ رکھو جو تمہارے شہر میں واقع ہو محلی۔ فتح القدیر۔ بحر الرائق وغیرہ میں ہے کہ ہر ایک آدمی کا دیکھنا مراد نہیں بلکہ بعض کے دیکھ لینے سے روزہ سب پر فرض ہو جائے گا اور وہ صرف ایک عادل آدمی ہے اور اگر رمضان کی انتیس تاریخ ہو تو اس کے لئے دو معتبر عادل آدمیوں کی گواہی ضروری ہے ربعی بن خراش کہتے ہیں کہ رمضان کی آخری تاریخ میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا دو بدوی آئے انہوں نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نے گذشتہ رات چاند دیکھا تھا تو رسول اللہ نے روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کا۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر مغرب میں چاند نظر آجائے تو اس سے مشرق

صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال لا تصوموا حتی تروا الھلال کذا فی الموطا للامام مالک لیس المراد تعلیقہ بالرویۃ فی حق کل واحد بل المراد بہ رویۃ بعضھم وھو واحد عدل انتہی ما فی المحلی مختصرا قال فی فتح القدیر انہ اذا ثبت فی مصر لزم سائر الناس فیلزم اھل المشرق برویۃ اھل المغرب فی ظاھر المذھب لعموم الخطاب فی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صوموا معلقا بمطلق الرویۃ فی قولہ لرویتہ برویۃ قوم یصدق اسم الرویۃ فیثبت ما تعلق بہ من عموم الحکم فیعم الوجوب انتہی وفی البحر وھو ظاھر الروایۃ وعلیہ الفتوی وھکذا فی سائر المعتبرات الحنفیۃ ودر افطار عند الجمہور کما لمکہ اربعہ درین داخل اند دو شاہد عدل باید شرط لفظ شہادت ولا نفطروا حتی تروہ لایقبل فیہ اقل من شاھدین عدلین باجماع الائمۃ الاربعۃ ویشترط لفظ الشھادۃ ویشترط عند الامام ابی حنیفۃ خاصۃ جمع عظیم اذا لم یکن فی السماء علۃ وقال ابو ثور وبعض اھل الحدیث ان شھادۃ الواحد مقبولۃ فی ھلال شوال کما فی رمضان وقد روی عن عمر بن الخطاب من طریق عبد الرحمن بن ابی لیلی انہ اجاز شھادۃ رجل واحد فی اضحی وفطر حکاہ الخطابی وھو روایۃ عند الحنفیۃ واحتج الجمہور بما اخرجہ النسائی عن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب مرفوعا فان شھد شاھدا عدل فافطروا وروی ابو داؤد عن ربعی بن حراش عن رجل من الصحابۃ قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشھدا

والوں کو بھی روزہ رکھنا پڑے گا بشرطیکہ چاند کی روایت ثابت ہو جائے کریب کہتے ہیں کہ مجھ کو ام الفضل نے کسی کام سے شام کے علاقہ میں بھیجا وہاں جمعہ کی رات کو ہم نے چاند دیکھا اور روزہ رکھ لیا اور سب لوگوں نے روزہ رکھا جب میں واپس آیا تو عبداللہ بن عباس نے مجھ سے پوچھا تم نے وہاں چاند کب دیکھا میں نے کہا جمعہ کی رات کو کہنے لگے کیا تم نے خود دیکھا تھا میں نے کہا صرف میں نے نہیں بلکہ امیر معاویہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے چاند دیکھا کہنے لگے یہاں تو چاند ہفتہ کی رات کو نظر آیا ہم اپنے روزے پورے کریں گے افطار نہیں کریں گے میں نے کہا کیا اتنے مسلمانوں کی شہادت آپ کے لئے کافی نہیں ہے؟ کہنے لگے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا۔ خطابی نے کہا۔ قاسم

عندہ صلعم باللہ لا ہللنا الہلال امس فامر النبی صلعم ان یفطروا زاد خلف فی حدیثہ وان یغدوا الی مصلاھم انتہی ما فی المحلی وظاہر المذہب عن ابی حنیفہ انہ اذا ثبت فی مصر لزم سائر الناس فیلزم اہل المشرق برؤیۃ اہل المغرب وانما یلزمھم اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب حتی لو شہد جماعۃ ان اہل بلد کذا رأوا ہلال رمضان قبلکم بیوم نصاموا وھذا الیوم ثلثون ولم یروا ہولاء الہلال لا یباح لہم فطر غد لان ھذہ جماعۃ لم یشہدوا بالرؤیۃ ولا علی شہادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم ولو شہدوا ان قاضی بلد اقضی بشہادۃ اثنین علی رؤیۃ الہلال جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادتہما وفی مسلم وابی داؤد والترمذی عن کریب ان ام الفضل بعثتہ الی معاویۃ بالشام فقال فقدمت الشام فقضیت حاجتہا واستہل علی رمضان وانا بالشام فرأینا الہلال یوم الجمعۃ ثم قدمت المدینۃ فی آخر شہر فسألنی ابن عباس ثم ذکر الہلال فقال متی رأیتموہ فقلت رأیناہ لیلۃ الجمعۃ فقال انت رأیتہ فقلت نعم ورآہ الناس وصاموا وصام معاویۃ فقال لکنا رأیناہ لیلۃ السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلثین او نراہ فقلت الا تکتفی برؤیۃ معاویۃ وصومہ فقال لا ھکذا امرنا رسول اللہ صلعم ظاہرہ اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابی من ذھب الی ظاہرہ القاسم وسالم وعکرمۃ وھو مذھب اسحٰق وقالوا لکل قوم رؤیتہم انتہی وھو وجہ للشافعی واختارہ صاحب التجرید وغیرہ من المشائخ الحنفیۃ وقال الزیلعی وھو الاشبہ وقال ابن الہمام ولا شک انہ اولی لانہ نص وقد یقال ان الاشارۃ الی قول ابن عباس ھکذا الی غیر ماجری بینہ وبین رسول ام الفضل وحینئذ لا دلیل فیہ لان مثل ما وقع من کلامہ لو وقع لنا لم نحکم بہ لانہ لم یشہد علی

سالم عکرمہ اسحاق امام شافعی۔ صاحب التجرید۔ زیلعی ابن ہمام وغیرہ نے اسی کو اقرب الی الصواب قرار دیا ہے۔ محلی میں ہے اگر ایسا ہی واقعہ ہمارے سامنے پیش ہوتا تو ہم بھی اس کی شہادت پر فیصلہ نہ کرتے کیونکہ اولاً انہوں نے شہادت کے الفاظ ہی بیان نہیں فرمائے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ ایک

غیرہ ولا علی حکم الحاکم واخبارہ ہو ان ہو معاویۃ لکنہ واحد لایثبت بہ وجوب القضاء علی القاضی علی انہ لم یات بلفظ الشہادۃ فانہم انتہی۔ ما فی المعلی شرح الموطا فلا دلیل فیہ لانہ لم یشہد علی شہادۃ غیرہ ولا علی حکم الحاکم ولئن سلم فانہ لم یات بلفظ الشہادۃ ولئن سلم فہو واحد لا یثبت بشہادتہ وجوب القضاء علی القاضی انتہی ما فی المصفی واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلکتہ و بمبئی و مدراس و بھوپال و ٹونک و حیدر آباد و جبل پور و گوالیار و ہوشنگ آباد اور مقامات کوٹ و رحمت پور و ٹیہ بزرگ وغیرہ ضلع فتحپور و کانپور میں بطور عام رویت ہلال شام دوشنبہ کو ہوئی مولوی نسیم صاحب نے بچشم خود دیکھا ہے اور شہر مراد آباد و جھوج پور و بلاری وغیرہ میں جمعرات کو عید ہوئی اور شہر مراد آباد میں دو ہزار سے زائد آدمیوں نے جمعرات کے دن جس میں سید امداد العلی ڈپٹی کلکٹر درجہ اول مراد آباد اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب بہادر جج ماتحت مراد آباد و حاجی مشیر علی خان صاحب و جناب محمد تفضل علی خاں صاحب و حاجی محمد مظہر حسن صاحب رامپوری اور ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب اور مولوی انوار الحق صاحب رئیسان بچھرایوں اور دیگر عمائد نے نماز عید الضحی یوم جمعرات کو عیدگاہ میں ادا کی ہے تو بلحاظ شہادت مذکورہ بالا و دیگر تائیدات کے جو اوپر مذکور ہوئیں آیا نماز عید الضحی اہل مسلمانان نماز گذاران یوم جمعرات کی صحیح ہوئی یا نہیں اور قربانی جائز اور صحیح ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ اور بعد اس تحقیق کے اگر کوئی شخص روزہ جمعرات مذکور کے دن کا رکھے اور رکھوائے وہ روزہ حرام ہوگا یا کیا فقط

الجواب۔ درصورت مرقومہ صلوۃ عید اضحی و قربانی جملہ مسلمانوں کی دن جمعرات کے مراد آباد وغیرہ میں بلاریب صحیح ہوئی کیونکہ اشخاص متعددہ ثقات نے شہادت دی اور نیز خطوط متواترہ مواضع مختلفہ سے بعنوان صحیح کہ ان میں تزویر و خداع کا کسی طرح مظنہ نہیں وارد ہوئے تو شک و شبہ اس میں ندرہا اعتماد اس پر بہتر ہو بحواشی حاکم جاہل

میں جو کی شہادت پر قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

الا الخصام کا کچھ علاج نہیں اور دن پنجشنبہ کے روزہ رکھنے والے مرتکب حرام کے ہوئے
کما لا یخفی علی الماہر المنصف نقول ان السنۃ جرت باقامۃ الخط مقام الخطاب[1]
فقد صرح الخصاف والصفار وغیرہما فی باب کتاب القاضی بذلک واستدل
بکتاب اللہ تعالی وبان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی الملوک وقام الکتاب
مقام الخطاب فی اللزوم ولزمنا امر اللہ تعالی وکذا کان زمن الخلیفۃ بعدہ
والقضاۃ یعملون بذلک من لدن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا
ھذا من غیر نکیر فکان کتاب القاضی کخطابہ واسند الی الشعبی والحسن
انہما کانا یعملان بالکتاب اذا جاء بغیر بینۃ وعن محمد بن الحسن مثل
ذلک فی القاضی اذا کتب للامیر رقعۃ وقص فیہا قصۃ وبعثہا الی الامیر
مع ثقۃ ولم یشہد علیہ قال استحسن ان ینفذہ اذا کان فی غیر حد فمن
ادعی انہ سنۃ مشتہرۃ ورد بالمنع فعلیہ البیان وما کونہ لم یخالف
الاجماع فظہر مما قدمناہ من اعتماد الصحابۃ علی الخط وقیامہ عندہم
مقام الخطاب انتہی ما فی العیون البصائر بخروج الاشباہ والنظائر ولو
اخبر القاضی فی محلتہ لم یعمل بخبرہ فکتابہ اولی لانہ قد یزور انما
جوزناہ لاثر علی رضی اللہ تعالی کذا فی الطحطاوی مختصرا۔ الجواب
صحیح وخلافہ قبیح۔

سید شریف حسین	سید محمد نذیر حسین

هذا الحق المبین

محمد یعقوب علی	سید احمد حسن

محمد احمد سید ابوالحامد

صح الجواب

محمد عبد الحلیم

الجیب مصیب

توفیق خدا ابا دشہود الحق

الجواب صحیح

جہاں شد منور زنور الحسن

الجواب صحیح

ذا ابو الحق والحق احق بالاتباع

ابوالطیب محمد شمس الحق	خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

محمد عبد العزیز عظیم آبادی

---

[1] ہم کہتے ہیں طریقہ یہی چلا آرہا ہے کہ خط کو خطاب کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ خصاف اور صفار نے
باب کتاب القاضی میں اس کی تصریح کی ہے اور قرآن مجید کو استدلال میں پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ رویت ہلال کی شہادت بذریعہ تار کے مانی جائے یا نہ جواب مطابق قرآن و حدیث کے دیجئے بینوا توجروا۔

الجواب۔ واضح ہو کہ خبر تار کی عند الشرع خبر کافر کی شمار کی جاتی ہے اس واسطے کہ اس کے کارکنان عموماً کافر ہی ہوتے ہیں اور شہادت کافر کی دیانات میں معتبر نہیں ہے لہٰذا خبر رویت ہلال کی بذریعہ تار کے عند الشرع معتبر نہیں ہے اور عمل درآمد ائمہ کرام کا اسی پر ہے جیسا کہ ماہران شریعت پر مخفی نہیں ہے واللہ اعلم۔ حررہ

ابو البشیر محمد عبد العزیز	سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵

فائدہ۔ جب کوئی ہلال شوال کا دن کو عین زوال کے وقت دیکھے تو یہ چاند شب آئندہ کا ہوگا اور یہ قول حضرت عمر و عثمان و انس و عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن عمر رضؓ کے اور یہ مذہب امام ابو حنیفہ و شافعی کا ہے اور جو دیکھے قبل زوال کے یا بعد زوال کے تو یہ چاند شب گذشتہ کا ہوگا اور یہ قول حضرت علی مرتضیٰ و عائشہ رضؓ کا ہے اور ایک قول حضرت عمر کا بھی یہی ہے اور یہ مذہب امام ابو یوسف کا ہے چنانچہ مصلی شرح موطا مولوی سلام اللہ سے واضح ہوتا ہے تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہوا نزدیک صحابہ کرام تو کفارہ بھی مختلف فیہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خبر رویت ہلال ماہ رمضان یا ماہ شوال کی بذریعہ تار برقی کے کسی دوسرے مقام سے آوے تو مقبول ہوگی یا نہیں

ہماری طرف ایک تحریر بھیجی جسے ہم اللہ کا خطاب کہتے ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم بادشاہوں کی طرف خطوط لکھے خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی یہی دستور رہا قاضی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے کہ آج تک تحریر دل پہ فیصلے کرتے آئے ہیں تو قاضی کا خط لکھنا اس کا خطاب شمار کیا جائے گا شعبی اور حسن صرف تحریر پہ عمل کیا کرتے تھے اگرچہ اور کوئی دلیل نہ ہو۔

محمد بن حسن سے کسی نے پوچھا کہ قاضی نے امیر کو رقعہ لکھا اور اس میں واقعہ بیان کر دیا اور ثقہ آدمی کے ہاتھ امیر کے پاس بھیج دیا اور اس پہ شہادت کوئی نہیں ہے تو امام محمد نے کہا اگر حدود کا معاملہ نہ ہو تو قاضی کی تحریر کو نافذ کر دینا چاہیے کیونکہ یہی مشہور سنت ہے۔

اور روزہ رکھنے اور روزہ افطار کرنے کے لئے گے آدمی کی شہادت مقبول ہے۔ بینوا۔ توجروا۔

الجواب۔ در صورت مرقومہ واضح ہو کہ قول کافر کا معاملات میں مقبول ہے اور دیانات میں مقبول نہیں جیسا کہ کنز و درمختار و ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے اور رویت ہلال رمضان و شوال دیانات سے ہے پس اس صورت میں خبر رویت ہلال ماہ رمضان یا شوال کی بذریعہ تاربرقی کے مقبول نہ ہوگی اور شہادت شخص واحد کی صوم ماہ رمضان میں اور دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی افطار روزہ میں مقبول ہے واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالےٰ اندریں صورت کہ جو خبر رویت ہلال بذریعہ تار کے آوے بمبئی وغیرہ سے اس کو معتبر جان کر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جو خبر رویت ہلال کی بذریعہ تار کے آوے وہ لایق قبول نہیں ہے بیان اس کا یہ ہے کہ اگر وہ خبر رویت ہلال فطر ہے تو وجہ عدم مقبولیت اس کی یہ ہے کہ وہ خبر خبر محض نہیں ہے بلکہ شہادت ہے اور شہادت میں لفظ اشہد اور مجلس قاضی اور نصاب شہادت ضرور ہے کما ہو مصرح فی کتب الفقہ اور خبر تار میں ان سب امور کا تحقق غیر مسلم ہے ومن یدعی فعلیہ البیان اور اگر خبر رویت ہلال صیام ہے پس اگرچہ یہ خبر خبر محض ہے شہادت نہیں ہے لیکن چونکہ اس خبر کی تبلیغ میں وسائط کفار ہوتے ہیں اور خبر کافر کی دیانات میں معتبر نہیں ہوتی اس لیے معتبر نہ ہوگی در مختار وغیرہ میں مرقوم ہے خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات انتہی اور اگر بالفرض جملہ کارکنان محکمہ تار مسلمین وعدول ہوں تو بھی یہ خبر معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ خبر الغائب للغائب ہے اور خبر الغائب للغائب میں ضرور ہے کہ کوئی امر ایسا ہو جو دلالت کرے اس بات پر کہ یہ خبر اس شخص کی ہے کہ جس کو ہم مخبر جانتے ہیں مثلاً جب کوئی وراء حجاب سے خبر دے تو ضرور ہے کہ سامع اس کی آواز کو پہچانتا ہو اور جب کوئی کتابتہً خبر دے تو ضرور ہے کہ مکتوب لہ کاتب کے خط کو پہچانتا ہو تدریب الراوی میں مرقوم ہے الخامس یصح السماع ممن ہو وراء حجاب اذا عرف صوتہ ان حدث

لے کافر کی خبر بالاتفاق معاملات میں قبول ہے دینی امور میں نہیں۔ کے جس آدمی کی آواز کی شناخت

بلفظ او عرف حضورہ بسماعہ ای مکان یسمع منہ ان قری علیہ ویکفی فی المعرفۃ بذلک خبر ثقۃ من اہل الخبرۃ بالشیخ انتہی اور بھی اس میں مرقوم ہے ثم یکفی فی الروایۃ بالکتابۃ معرفتہ ای المکتوب لہ خط الکاتب ولم لم تقم البینۃ علیہ انتہی اور ما نحن فیہ میں تحقق کسی امر کا مانند معرفت صوت ومعرفت خط کے مسلم نہیں ہے ومن یدعی فعلیہ البیان پس خبر تار غیر معتبر ٹھیری وہو المطلوب واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد بشیر عفی عنہ اصاب من اجاب فیما اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد بن عبد العزیز الجعفری المدعو بشیخ محمد القاضی فی بھوپال

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب انا العبد المتواری السید عبد الباری دفعہ اللہ للخیر الجاری وصانہ عن التماری۔

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب کتبہ ابو العالیہ محمد سلامت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح ذوالفقار احمد عفی عنہ۔ ہذا الجواب صحیح کتبہ محمد انور علی عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت چاند دیکھنے کے کوئی شخص اگر انگلی سے بتائے چاند کو تو آیا اس میں گناہ ہے یا نہیں اور مکروہ بھی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس میں کچھ گناہ نہیں اور مکروہ بھی نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین۔ سید نذیر حسین

جو اس کا سماع پردے کے پیچھے ہو تو بھی درست ہے یا سماع کے مقام پر اس کا حاضر ہونا یقینی طور پر معلوم ہو اور اس کے لئے ایک معتبر آدمی کی شہادت کافی ہے لے روایت بالکتابت درست ہے بشرطیکہ لکھنے والے کے خط کی شناخت ہو اگرچہ اس پر کوئی شہادت نہ ہو۔

کِتابُ صَدَقَۃُ الفِطرِ

سوال۔ احکام صدقۃ الفطر کیا کیا ہیں تفصیلا بیان فرمادیں۔

الجواب۔ جاننا چاہیے کہ صدقۃ فطر از روئے آیۃ کریمہ واحادیث صحیحہ کے فرض عین ہے فرمایا اللہ تعالےٰ نے قد افلح من تزکی ترجمہ۔ فلاح پائی جس نے صدقۃ فطر ادا کیا کیونکہ یہاں تزکی سے مراد از روئے حدیث مرفوع کے صدقۃ فطر ادا کرنا ہے اور یہ آیت صدقۃ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے فان اللہ تعالیٰ قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی ولابن خزیمۃ من طریق کثیر بن عبد اللہ عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن ھذہ الآیۃ فقال نزلت فی زکوۃ الفطر انتہی ما فی نیل الاوطار للعلامۃ الشوکانی اور ابی سعید خدریؓ اور ابن عمرؓ سے بھی یہی روایت ہے اور ابو العالیہ اور ابن سیرین بھی یہی کہتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے سوا قال الامام البغوی فی تفسیر المعالم تحت ھذہ الآیۃ وقال الاخرون ھو صدقۃ الفطر روی عن ابی سعید الخدری فی قولہ تعالےٰ قد افلح من تزکی قال اعطی صدقۃ الفطر وقال نافع کان ابن عمر اذا صلی الغداۃ یعنی من یوم العید قال یا نافع اخرجت الصدقۃ فان قلت نعم مضی الی المصلی وان قلت لا قال فالان فاخرج فانما نزلت ھذہ الآیۃ فی ھذا قد افلح من تزکی الآیۃ وھو قول ابی العالیۃ وابن سیرین انتہی ملخصا اور صحیحین میں یعنی بخاری اور مسلم میں اعرابی کے قصہ میں فلاح اس کے لئے ثابت ہوئی ہے جو صرف فرائض ادا کرے اور صدقۃ فطر ادا کرنے والے کو بھی افلح یعنی فلاح پائی فرمایا تو معلوم ہوا کہ صدقۃ فطر بھی فرض ہے کما لا یخفی علی الفطین قال الحافظ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری شرح البخاری وقال اللہ تعالیٰ قد افلح من تزکی وثبت انہا نزلت

فی زکوۃ الفطر وثبت فی الصحیحین اثبات حقیقۃ الفلاح لمن اقتصر علی الواجبات انتہی ان احادیث صحیحہ موعودہ میں سے ایک یہ ہے عن ابن عمرؓ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بہا ان تؤدی قبل خروج الناس الی الصلوۃ رواہ البخاری ومسلم۔

یعنی روایت ہے ابن عمرؓ سے کہا فرض کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ فطر ایک صاع خرما سے یا ایک صاع جو سے یا اس سے جو ان کے سوا اور کھانے کی چیزیں ہیں جن کا بیان انشاء اللہ تعالے آوے گا۔ ہر غلام و آزاد اور مرد اور عورت اور لڑکے اور جوان پر مسلمانوں سے اور حکم کیا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ادا کیا جاوے صدقۃ فطر پہلے اس سے کہ لوگ نماز کو نکلیں روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اس حدیث سے صراحۃ صدقۃ فطر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ حدیث میں لفظ فرض کا موجود ہے اور فرض کے دوسرے معنے مراد لینا بغیر کسی قرینہ صارفہ کے صحیح نہیں کیونکہ یہ معنے فرض کا حقیقت شرعیہ ہے کما تقرر فی الاصول اور اس کے سوا بہت سی حدیثیں ہیں ایک ہی پر اکتفا کیا تاکہ طول نہ ہو جاوے چنانچہ بخاری لے صدقۃ فطر کے فرض ہونے پر ایک باب منعقد کیا ہے مگر اس کی قضا نہیں ہے اور قاعدہ حکمیہ نہیں ہے کہ جو فرض عین ہے اس کی قضا لازم ہے محض بے دلیل ہے کما تقرر فی الاصول اور ہر مسلمان پر فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت خواہ لڑکا ہو خواہ جوان خواہ غلام ہو خواہ آزاد خواہ امیر ہو خواہ غریب۔ جیسا کہ حدیث مذکورۃ الصدر سے واضح ہے کہ مطلق ہے۔ شرط صاحب نصاب ہونے کی نہیں بلکہ دارقطنی اور احمد کی روایت میں تصریح بھی آگئی ہے کہ فقیر پر بھی فرض ہے واستدل بقولہ فی حدیث ابن عباسؓ طعمۃ الصائم علی انہا تجب علی الفقیر کما تجب علی الغنی وقد ورد ذلک صریحا فی حدیث ابی ہریرۃؓ عند احمد وفی حدیث ثعلبۃ ابن ابی صغیر عند الدارقطنی انتہی ما فی فتح الباری مگر استطاعت ضروری ہے فرمایا

لے ابن عباس کی حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ صدقۃ فطر فقیر پر بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح غنی پر ہے اور ابو ہریرۃ کی حدیث جو مسند احمد میں ہے اور ثعلبہ بن ابی صعیر کی حدیث جو دارقطنی میں ہے میں

اللہ تعالیٰ نے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا ترجمہ۔ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی کو لیکن اس کی طاقت کے موافق۔ لڑکے کا اگر مال ہو تو اس کا ولی اس میں سے صدقہ فطر نکالے اور اگر مال نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا باپ یا جس پر اس کا نفقہ واجب ہو ادا کرے یہی قول جمہور کا ہے وجوب فطرۃ الصغیر فی مالہ والمخاطب باخراجھا ولیہ ان کان للصغیر مال والا وجبت علی من تلزمہ نفقتہ والی ھذا ذھب الجمہور انتہی ما فی نیل الاوطار قولہ الصغیر والکبیر ظاھرہ وجوبھا علی الصغیر لکن المخاطب عنہ ولیہ فوجوبھا علی ھذا فی مال الصغیر والا فعلی من تلزمہ نفقتہ وھذا قول الجمہور انتہی ما فی فتح الباری۔ اور غلام کا مولے ادا کرے کیونکہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ مولے پر غلام کا صدقہ نہیں مگر صدقہ فطر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کا صدقہ فطر مولے ادا کرے قولہ علی العبد الخ ظاھرہ اخراج العبد عن نفسہ ولم یقل بہ الا داؤد وخالفہ اصحابہ والناس واحتجوا بحدیث ابی ھریرۃ مرفوعا لیس فی العبد صدقۃ الا صدقۃ الفطر اخرجہ مسلم ومقتضاہ انھا علی السید انتہی ما فی فتح الباری ملخصاً بقدر الحاجۃ۔ حنفی مذہب میں صدقہ فطر واجب ہے صاحب نصاب پر یعنی جس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب ہو اور لڑکے کا صدقہ صرف باپ ادا کرے اور سب باتوں میں موافق اسی کے ہے جو گذرا ہے ہدایہ میں ہے صدقۃ الفطر واجبۃ علی الحر المسلم اذا کان مالکا لمقدار النصاب فاضلا عن مسکنہ وثیابہ واثاثہ وفرسہ وسلاحہ وعبیدہ یخرج ذلک عن نفسہ ویخرج عن اولادہ الصغار ومالیکہ انتہی ملخصا اور وقت ادائے صدقہ کا قبل نماز عید الفطر کے ہے اور اگر کوئی دو یا تین روز یا زیادہ عید سے پہلے ادا کر دے تو جائز ہے اور بعد نماز عید کے اگر دے گا تو ادا نہ ہوگا کیونکہ

بھی نفقہ ہے صدقہ واجب بیان کیا گیا ہے۔

۱؎ صدقہ فطر آزاد مسلمان پر واجب ہے جب کہ وہ مکان۔ کپڑے۔ سامان خانہ۔ گھوڑے۔ اسلحہ حفاظت اور غلام کے علاوہ مقدار نصاب کا مالک ہو وہ اپنا صدقہ بھی دے اور اپنی چھوٹی اولاد اور غلاموں کا صدقہ بھی ادا کرے۔

آیت مذکورہ قد افلح من تزکی کے بعد وذکر اسم ربہ فصلی فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۃ فطر نماز پر مقدم ہے کیونکہ فصلے کو فائے تعقیب کے ذکر کیا ہے جس سے تعقیب صلاۃ کی صدقہ سے مستفاد ہوتی ہے کما لایخفی علی من لہ ادنی تامل اور حدیث میں آیا ہے وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر طھرۃ للصائم من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین فمن اداھا قبل الصلوۃ وھی زکوۃ مقبولۃ ومن اداھا بعد الصلوۃ فھی صدقۃ من الصدقات رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والدارقطنی والحاکم وصححہ کذا فی منتقی الاخبار و النیل وللبخاری وکان یعطون قبل الفطر بیوم او یومین انتھی وفی موضع آخر والظاھر ان من اخرج الفطر بعد صلوۃ العید کان کمن لم یخرجھا باعتبار اشتراکھما فی ترک ھذہ الصدقۃ الواجبۃ انتھی ما فی نیل الاوطار اور جو چیز طعام یعنی قابل قوت ہے مثل گیہوں جو پنیر خرما ستو وغیرہ کے اس میں سے صدقہ فطر ادا کرنا صحیح ہے عن عیاض بن عبد اللہ بن ابی سرح العامری انہ سمع ابا سعید الخدری یقول کنا نخرج زکوۃ الفطر صاعا من طعام او صاعا من شعیر او صاعا من تمر او صاعا من اقط او صاعا من زبیب رواہ البخاری مقدار اس کی گیہوں سے آدھا صاع اور سب چیزوں سے ایک پورا صاع ہے۔ عن الحسن قال خطب ابن عباس رضی اللہ عنہ فی آخر رمضان علی منبر البصرۃ فقال اخرجوا صدقۃ صومکم فکان الناس لم یعلموا فقال من ھھنا من اھل المدینۃ

لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر روزہ دار کے روزہ کو لغو اور رفث سے پاک کرنے اور مساکین کے کھانے کے لئے فرض قرار دیا۔ جو نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرے اس کی زکوۃ مقبول ہے اور جو نماز کے بعد ادا کرے وہ دوسرے صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ ایک دو دن پہلے ہی صدقہ فطر ادا کیا کرتے تھے اور جو بعد نماز ادا کرے گویا اس نے صدقہ فطر ادا ہی نہیں کیا۔

لہ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم گندم۔ جو۔ کھجور۔ پنیر اور منقہ میں سے ایک صاع (ڈھائی سیر) صدقہ فطر ادا کیا کرتے تھے۔ کلہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رمضان کے آخر میں بصرہ کے منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا اپنے روزے کا صدقہ ادا کرو لوگ گویا اس کو جانتے ہی نہ تھے آپ نے فرمایا کوئی مدینہ منورہ کا رہنے والا

تو موا الی اخوانکم نعلموھم نانھم لا یعلمون فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ الصدقۃ صاعا من تمر او شعیر او نصف صاع من قمح الحدیث رواہ ابوداؤد۔ وقد نمقہ المھیمن محمد شمس الحق الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ سیئات۔ لقد اصاب من اجاب ابو القاسم محمد عبد الرحمٰن اللاھوری۔ اصاب من اجاب محمد حسین خان خورجوی۔

یہ جواب صحیح ہے حررہ ابو العلی محمد عبد الرحمٰن الاعظم گڈھی المبارکفوری

جواب باصواب ہے حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ المجیب مصیب محمد فقیر اللہ

الجواب صحیح والرائے نجیح عبد الجلیل عربی

سید محمد نذیر حسین	محمد شمس الدین ۱۳۱۵
ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵	عبد الرؤف ۱۳۰۲

قد صح الجواب۔ ابو محمد عبد الرؤف البہاری المانقوری عنہ

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب ۔ ۱۳۰۰	خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲

الجواب صحیح عبد اللطیف عفی عنہ۔

سید محمد عبد السلام ۱۲۹۵	
عبد اللطیف	محمد طاہر ۱۳۰۱

وہ غریب مسلمان کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو بہت ہی بھوکا ہو اس پر یہ فطرہ کسی صورت سے نہیں ہے اگر اس کو دو وقت کی فراغت حاصل ہو تو اس کو دینا چاہیئے یہ فطرہ خواہ اپنے خویش کو یا غیر کو دے جو فطرہ دے سکتا ہے اس پر یہ فرض ہے حررہ محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دہلی۔ محمد امیر الدین ۱۳۰۱

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عید الفطر کا فطرہ ادا کرنا عید گاہ میں دینا جائز ہے یا سردار کے پاس اور اس کے مصلے میں جانا چاہیئے اور بدعتی و مشرک کا فطرہ ادا کرنا موحد مسلمان کے ساتھ جمع کرنا اور مصرف کی جگہ میں خرچ کرنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ صدقہ فطر قبل نماز کے ادا کرنا ضروری ہے خواہ عید گاہ میں ادا

یہاں ہو تو اٹھ کر آجائے اور اپنے بھائیوں کو بتلائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ ایک صاع کھجور اور جو سے فرض کیا ہے اور نصف صاع گندم سے۔

کرے خواہ سردار کو دیدے اور بدعتی اور مشرک کا صدقہ فطرہ موحد مسلمان کے صدقہ فطر کے ساتھ جمع کرنا اور مصرف کی جگہ میں خرچ کرنا جائز ہے مگر عبرت اور تنبیہ کی غرض سے موحدین کو چاہیے کہ اپنے صدقات کو مبتدعین اور مشرکین کے صدقات کے ساتھ جمع نہ کریں واللہ اعلم حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ۔

سید محمد ابوالحسن	سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ حدیث شریف میں جو صاع کا لفظ آیا ہے جس سے بہت احکام متعلق ہیں اس کا وزن ہندوستانی تول میں کیا ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جاننا چاہیے کہ صاع جو حدیث میں آیا ہے وصاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسے صاع حجازی کہتے ہیں اسی صاع حجازی سے صدقہ فطر وغیرہ ادا کرنا چاہیئے صاع عراقی سے نہیں کیونکہ صاع عراقی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صاع نہیں ہے چنانچہ اس کی تصریح کتب حدیث میں موجود ہے اور اجرا احکام اسی صاع سے ہونا چاہیئے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے اور اس کا وزن سیروں کے حساب سے یہ ہے جو مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ہے پس صدقہ فطر بسیر پختہ لکھنو کہ نود وشش روپیہ است ودر روپیہ یازدہ ماشہ نصف صاع از گندم ایک آثار وشش چھٹانک وسہ ماشہ باشد واز جو دو چنداں یعنی دو آثار ونیم پاؤ وشش ماشہ کہ وزن صاع است ونصف صاع بسیر انگریزی کہ ہشتاد روپیہ چہرہ دار است وہر روپیہ یازدہ ماشہ وچہار رتی است یک سیر نیم پاؤ ونیم چھٹانک ویک تولہ وسہ ماشہ باشد انتہی اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ اصل صدقہ فطر میں کیل یعنی پیمانہ تاپنے کا ہے اور وزن کے قدر کی جو حاجت پڑتی ہے تو صرف استظہاراً واستعانۃ لطلب حفظ الاحکام کما لایخفی علی الماہر اور لامحالہ قدر وزن میں قدر قلیل اختلاف معلوم ہوتا ہے اور حقیقت میں مشکل ہی ہے ضبط صاع کا ساتھ ارطال وغیرہ کے کیونکہ صاع جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا اس سے صدقہ فطر ادا کیا جاتا تھا وہ تو پیمانہ معروف ومشہور تھا۔ اب اندازہ وقدر اس کا وزنا ہونا ہے ساتھ مختلف ہونے اجناس صدقہ کے مثل حمص و ذرہ وغیرہ کے تو ضرور ہے

کہ ایسے پیمانہ سے صدقہ دینا چاہیئے کہ موافق صاع و پیمانہ رسول اللہ ؐ کے ہوا اور جو شخص اس کو نہ پائے تو لازم ہے کہ اس طرح سے ادا کرے کہ تیقن کامل ہو کہ یہ اس سے کم و ناقص نہیں ہوگا۔ مسک الختام میں لکھا ہے کہ احتیاطاً در صدقۂ فطر دو سیر انگریزی گندم باید داد و صاع از جو دو چہند آں یعنی دو سیر و یک نیم چھٹانک و احتیاطاً از جو چہار سیر باید داد انتہی۔ پس مقدر کرنا صاع کو ساتھ پانچ رطل کے بہت اقرب الی الصواب ہے اور کہا صاحب روضہ نے وقد یشکل ضبط الصاع بالارطال فان الصاع المخرج بہ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکیال معروف[1] ویختلف قدرہ وزنا باختلاف جنس ما یخرج کالذرۃ والحمص وغیرھما والصواب ما قالہ الدارمی ان الاعتماد علی الکیل بصاع معایر بالصاع الذی کان یخرج بہ فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن لم یجدہ لزمہ اخراج قدر تیقن انہ لا ینقص عنہ وعلی ھذا فالتقدیر بخمسۃ ارطال وثلث تقریب کذا فی عون الباری لحل ادلۃ البخاری اور بعض علما نے کہا ہے کہ صاع چار لپ یعنی چار بک متوسط آدمی کا ہے اور یہ تجربہ بھی کیا گیا ہے پس صحیح اور موافق ہے صاع رسول اللہ ؐ کے کذا فی القاموس وحکاہ النووی ایضا فی الروضۃ اور اہل پنجاب اس امر میں بہت اچھے اور خوب ہیں کیونکہ ان کے یہاں پیمانہ مثل مد کے پڑوپی ہے اور مثل صاع کے ٹوپہ ہے اور وہ اسی پر اجراء احکام وغیرہ کرتے ہیں فقط۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدھلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی فی اواخر شھر اللہ الذی انزل فیہ القرآن سنہ ۱۳۰۵ھ

سید محمد نذیر حسین	خادم شریعت رسول الاداب محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

	محمد امیر الدین واعظ مذہب حنفیہ جامع مسجد دہلی	محمد امیر الدین ۱۳۰۱

[1] صاع کو رطل سے ضبط کرنا مشکل ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو وہ ایک معروف پیمانہ تھا اور اس کا اندازہ اجناس کے وزن کے لحاظ سے مختلف ہو جاتا ہے جیسے چاول مسور وغیرہ دارمی نے صحیح کہا ہے کہ اعتماد تو صرف اسی صاع پر ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروج تھا

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی ۔جواب صحیح لکھا ہے راقم محمد یس الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی۔

جواب ہذا صحیح ہے حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔

جواب صحیح ہے محمد فقیر اللہ

قد صح الجواب واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ الفقیر ابو محمد عبد الرؤف البہاری المانفوری

اصاب من اجاب۔ محمد حسین خان خورجوی۔

الجواب صحیح عبد اللطیف عفی عنہ۔

عبد الرؤف ۱۳۰۲	عبد اللطیف

اگر وہ نہ مل سکے تو اتنا ادا کرے کہ اس کو یقین ہو جائے کہ یہ اس سے کم نہیں ہے اور اس طرح اس کا اندازہ پانچ رطل اور ثلث رطل ہے۔

کِتَابُ الحَجِّ وَزِیَارَۃِ المَدِیْنَۃِ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص جس پر حج فرض ہے کسی رئیس یا والی ملک کے ساتھ جا کر رئیس کے روپیہ سے حج ادا کرے تو اس کا حج ادا ہو جائے گا یعنی فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاوے گا یا نہیں؟

الجواب۔ وجوب حج سے فارغ الذمہ ہو جاوے گا یعنی فرضیت حج کی اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاوے گی اس کے اوپر یہ آیت دلالت کرتی ہے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا اس کی تفسیر میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن قول اللہ عزوجل من استطاع الیہ سبیلا قال الزاد والراحلۃ رواہ الحاکم ثم قال صحیح علی شرط البخاری ومسلم ولم یخرجاہ ورواہ ابن جریر عن یونس عن الحسن قال قراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا فقالوا یا رسول اللہ ما السبیل قال الزاد والراحلۃ ورواہ وکیع فی تفسیرہ عن یونس تفسیر ابن کثیر۔ پس آیت و حدیث سے ثابت ہوا کہ مطلقاً استطاعت شرط ہے اپنے مال سے ہو یا غیر کے مال سے اس میں یہ شرط نہیں فرمائی گئی کہ اپنا مال ذاتی ہونا چاہیئے بلکہ مطلقاً استطاعت شرط ہے پس جس وقت بیت اللہ تک پہنچ کر ارکان حج کو ادا کیا فرض ساقط ہو گیا اور جو شخص لے گیا تبرعاً اور انفاق کیا اس کے اجر کا مستحق ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ احمد علی

الجواب صحیح ابو تراب محمد عبد الوہاب۔ الجواب صحیح محمد بشیر عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

لہ اللہ کا حق ہے لوگوں کے ذمہ کہ جو لوگ راہ کی طاقت رکھتے ہوں وہ بیت اللہ کا حج کریں لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "راہ کی طاقت" کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب ہے سواری خرچ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدیث من حج ولم یزرنی فقد جفانی، کیسی ہے قابل عمل ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ حدیث بایں لفظ موضوع ہے اور حدیث موضوع قابل عمل نہیں ہوتی قال العلامۃ الشوکانی فی الفوائد المجموعۃ وکذا بلفظ من حج فلم یزرنی فقد جفانی قال الصغانی ایضا ھو موضوع وکذا قال الزرکشی وابن الجوزی انتہی واللہ تعالیٰ اعلم۔ المجیب عبد الوہاب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ میت کی جانب سے کسی غیر قرابت دار کا حج کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم حدیث میں نہیں آیا ہے عمرو کہتا ہے کہ صحیح ہے حدیث میں جس سائل کو میت کی جانب سے حج کرنے کی اجازت ملی ہے اس کے قرابت دار ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرابت میت کا حج ادا کرے تا قرابت دار کی تخصیص ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا قرض میت کی جانب سے ادا کرنا صحیح ہونے کو صحت حج کا مقیس علیہ قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی کا حج بھی صحیح ہے جس طرح کوئی اجنبی آدمی میت کا قرض ادا کرے تو اس کا ادا کرنا صحیح ہے قال ارأیت لو کان علی امک دین فقضیتہ الیس کان مقبولا منک قالت بلی فامرھا ان تحج اور حدیث من حج عن میت فللذی حج عنہ مثل اجرہ عام ہے اجنبی اور قرابت دار کو شامل ہے الحاصل عمرو کہتا ہے کہ غیر قرابت دار کا حج میت کی جانب سے بے شک صحیح ہے پس زید کا قول حق ہے یا عمرو کا۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ عمرو کا قول حق ہے بے شک غیر قرابت دار بھی میت کی طرف سے

---

[1] جس نے حج اور عمرہ کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا [2] علامہ شوکانی نے فوائد المجموعہ میں اور صغانی۔ زرکشی اور ابن جوزی نے اس حدیث کو "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا" موضوع کہا ہے۔ [3] آپ نے فرمایا اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو کیا تو اس کو اگر ادا کرتی تو تجھ سے اس کو قبول کر لیا جاتا یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں تو آپ نے اس کو حج کرنے کا حکم دیا [4] جو آدمی میت کی طرف

حج کرے تو صحیح ہوگا کیونکہ کسی حدیث سے میت کی طرف سے حج صحیح ہونے کے لئے قرابت دار کی تخصیص ثابت نہیں ہوتی ہاں اتنی بات ہے کہ میت کی طرف سے وہ شخص حج کرے جو اپنی طرف سے حج کر چکا ہو جیسا کہ شبرمہ کے قصہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ العبد العاجز عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی عمر ستر سال کی ہے اور دائم المرض ہے اور ہاتھ پاؤں میں ہمیشہ درد رہتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہوتا ہے اور ہندہ پر حج فرض ہے اور ہندہ بیوہ ہے اور ہندہ کا محرم ایک بھائی اور ایک بھتیجا ہی فقط ہے بھائی بسبب بیماری کے ناطاقت ہے سفر کے جانے کے لائق نہیں ہے اور بھتیجا جانے سے انکار کرتا ہے دور کے رشتہ کا ایک بھائی اور بھانجہ اپنے حج کرنے کو جاتا ہے اور اس بھانجہ کی زوجہ بھی ہمراہ جاتی ہے اور ہندہ کے بھائی کی زوجہ بھی ہمراہ جاتی ہے ایسی حالت میں ہندہ کو ہمراہ ان کے جانا جائز ہے یا نہیں اور ہندہ کی حالت اور طاقت مرض میں ہر سال بدتر ہوتی جاتی ہے اس صورت میں اگر شرع ہندہ کا حج کو خود جانا ناجائز رکھتی ہے تو ہندہ اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو حج کرا دے تو اس پر سے حج اتر جائے گا یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ۔ صورت مذکورہ میں چونکہ ہندہ ستر سال کی ہے اور دائم المرض ہے اور ہاتھ پاؤں میں ہمیشہ درد رہا کرتا ہے اور بعض اوقات اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور مرض میں بھی ہر سال بدتری ہوتی جاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتی اور حج کے ارکان بھی پورے طور سے ادا نہیں کر سکتی اگر اس کی ایسی ہی حالت ہے تو وہ اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو نائب بنا کر حج کرا سکتی ہے اور اس پر سے حج اتر جاوے گا منتقی میں ہے عن ابن عباس ان امراۃ من خثعم قالت یا رسول اللہ ان ابی ادرکتہ

سے حج کرے تو حج کرنے والے کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے ۔

لے قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول میرے باپ پر اللہ کا فریضہ حج بڑھاپے میں آگر

فریضۃ اللہ فی الحج شیخا کبیرا لا یستطیع ان یستوی علی ظہر بعیرہ قال فحجی عنہ رواہ الجماعۃ۔ وعن علی علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءتہ امرأۃ شابۃ من خثعم فقالت ان ابی کبیر وقد افند وادرکتہ فریضۃ اللہ فی الحج ولا یستطیع اداءھا فیجزی عنہ ان اؤدیہا عنہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم رواہ احمد والترمذی وصححہ۔ وعن عبد اللہ بن الزبیر قال جاء رجل من خثعم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان ابی ادرکہ الاسلام وھو شیخ کبیر لا یستطیع رکوب الرحل والحج مکتوب علیہ افاحج عنہ قال انت اکبر ولدہ قال نعم قال ارایت لو کان علی ابیک دین فقضیتہ عنہ اکان یجزی ذلک عنہ قال نعم قال فاحجج عنہ رواہ احمد والنسائی بمعناہ۔

قال الشوکانی فی نیل الاوطار صفحہ ۱۶۶ جلد ۴ واحادیث الباب تدل علی انہ یجوز الحج من الولد عن والدہ اذا کان غیر قادر علی الحج وقد ادعی بعضھم ان ھذہ القصۃ مختصۃ بالخثعمیۃ کما اختص سالم مولی ابی حذیفۃ بجواز رضاع الکبیر حکاہ ابن عبد البر وتعقب بان الاصل عدم الخصوص واما ما رواہ عبد الملک بن حبیب صاحب الواضحۃ باسنادین مرسلین فی ھذا الحدیث فزاد فحجی عنہ ولیس لاحد بعدہ فلا حجۃ فی ذلک لضعف اسنادھما مع الارسال والظاہر عدم اختصاص جواز ذلک بالابن وقد ادعی جماعۃ من اہل العلم انہ خاص بالابن فقال

فرض ہوا ہے، اور وہ اتنا بوڑھا ہے، کہ اونٹ پر بیٹھ بھی نہیں سکتا، آپ نے فرمایا، تو اس کی طرف سے حج کر۔ حضرت علی رض کی حدیث میں ہے، کہ اس عورت نے اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا اجازت ہے، عبد اللہ بن زبیر کی حدیث میں بالکل ایسا ہی واقعہ ایک مرد کی طرف سے بیان کیا گیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تو اپنے باپ کا بڑا بیٹا ہے، اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا، اور تو اس کو ادا کرتا، تو کیا وہ ادا ہو جاتا یا نہیں، اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا پھر تو اس کی طرف سے حج بھی کر۔ ﴿۱﴾ احادیث باب سے معلوم ہوتا ہے، کہ بیٹا اپنے باپ کی طرف سے حج کر سکتا ہے، اگر باپ کمزور ہو، بعض نے کہا، کہ یہ اس عورت کے لئے خاص اجازت تھی، جیسے سالم مولی ابو حذیفہ کو خصوصیت سے بڑا ہونے کے باوجود دودھ پینے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن اس کی تردید کر دی گئی ہے، عبد الملک بن حبیب نے جو روایت بیان کی ہے، اس میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، تو حج کر لے لیکن تیرے بعد اور کسی کو اجازت

فی الفتح ولا یخفی انہ جمود انتہی۔ حررہ احمد علی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک عورت عارضہ دوران سر میں مبتلا ہے، جس کی وجہ سے طاقت سفر کی نہیں رکھتی، اور اس کو مقدور حج کرنے کا ہے، اور محرم بھی اپنے ہمراہ لے جا سکتی ہے، مگر اپنے عارضہ سے مجبور ہے، پس اس پر بالفعل حج فرض ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ ہرگاہ وہ عورت بعارضہ دوران سر مبتلا ہے اور طاقت سفر کی نہیں رکھتی، تو بالفعل حج اس پر فرض نہیں، اور جو ابتدا ز بلوغ سے مقدور زاد و راحلہ و صحت بدن اور محرم ساتھ لے جانے کے واسطے رکھتی تھی، اور خرچ راہ محرم کے لئے بھی رکھتی تھی اور پھر باوجود شرائط حج کے پہلے حج کرنے کا اس کو اتفاق نہ ہوا، اور اب وہ مرض میں گرفتار ہوگئی تو اس پر واجب ہے، کہ اپنی طرف سے حج کرا دے، یا وصیت کرے، کہ بعد میرے حج کرا دینا میرے مال مملوک سے، اور جو اپنے روبرو زندگی میں حج نہ کرایا، اور نہ وصیت کرنے حج کرانے کی تو گنہ گار ہوگی۔ اما شرط وجوبہ فمنہا الاسلام و منہا العقل والبلوغ والحریۃ و منہا القدرۃ علی الزاد والراحلۃ و منہا سلامۃ البدن و منہا امن الطریق و منہا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت او عجوزۃ و وجود المحرم للمرأۃ شرط لوجوب الحج امر لاداء ثم بعضہم جعلوہ شرطا للوجوب و بعضہم شرطا للاداء وھو الصحیح و ثمرۃ الخلاف فیما اذا مات قبل الحج فعلی قول الاولین لا یلزمہ الوصیۃ وعلی قول الآخرین تلزمہ کذا فی النہایہ ھکذا فی العالمگیریۃ واللہ اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

نہیں ہے، وہ حدیث مرسل بھی ہے، اور ضعیف بھی ہے، لہٰذا اس سے حجت نہیں لی جا سکتی۔

لہ حج کے واجب ہونے کی شرطیں یہ ہیں مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، سواری اور خرچ ہو، تندرستی ہو، راستہ پر امن ہو، اگر عورت ہو تو ساتھ محرم ہو، خواہ عورت جوان ہو یا بوڑھی، اور عورت کے لئے محرم کا وجود واجب ہونے کے لئے شرط ہے، یا حج کے ادا کرنے کے لئے؟ بعض نے وجوب کے لئے شرط قرار دیا ہے، اور بعض نے ادا کے لئے اور یہی صحیح ہے، اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ اگر حج کرنے سے پہلے مر جائے، تو اس کو پہلے قول کے مطابق وصیت کرنا ضروری نہ ہوگا، اور دوسرے قول کے مطابق اس کو وصیت لازم ہوگی، نہایہ اور عالمگیری میں بھی اسی طرح ہے، واللہ اعلم۔

سوال:- ایک کسبی نے زنا سے توبہ کی، اب ارادہ اس کا حج کا ہے، اور مال اس کے پاس حرام کا ہے، ایسے مال سے حج کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- حج کرنا ایسے مال سے موجب قبولیت و تقرب و رضاء الٰہی کا نہیں ہوتا عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب الحدیث رواہ مسلم۔ پس مال حرام سے حج کرنا درست نہیں ہو واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:- اگر کسی شخص کے پاس مال وجہ حلال سے نہ ہو لیکن وہ شخص مستطیع ہو تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں، اور ایسے شخص مستطیع کا اسی مال سے حج کرنا باعث ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- جس شخص کے پاس مال وجہ حلال سے نہ ہو، بلکہ وجہ حرام سے ہو، اور اسی مال حرام ہی سے وہ مستطیع ہو تو اس پر حج فرض نہیں ہے، اور ایسے شخص کا مال حرام سے حج کرنا باعث قبولیت اور ثواب نہیں ہے۔ قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ الا الطیب رواہ الشیخان (مشکوۃ شریف باب فضل الصدقۃ) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ خود بھی پاک ہے، اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔

کتاب البیوع

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہڈی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہڈی کی تجارت جائز ہے، ماکول اللحم کی ہڈی ہو، یا غیر ماکول اللحم کی صحیح[1] بخاری صفحہ ۷۰ میں ہے۔ قال حماد لاباس بریش المیتۃ وقال الزہری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسا[2] من سلف العلماء یمتشطون بہا ویدہنون فیہا لایرون بہ باسا وقال ابن سیرین وابراہیم لاباس بتجارۃ العاج انتہی۔ یعنے حماد بن ابی سلیمان کوفی فقیہ نے کہا، کہ مردار کے پر میں کچھ مضائقہ نہیں ہے (یعنی مردار[3] کا پر نجس نہیں ہے، ماکول اللحم کا پر ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو) اور زہری نے مردار جانور جیسے ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے بارے میں (یعنی[4] ان جانوروں کی ہڈیوں کے بارے میں جو غیر ماکول اللحم ہیں) کہا کہ میں نے بہت سے علمائے سلف کو پایا، کہ وہ ان ہڈیوں کے کنگھے استعمال کرتے تھے، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کچھ مضائقہ نہیں، ان بہت سے علمائے سلف اور ابن سیرین وابراہیم کے اس قول کی تائید ابوداؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ یا ثوبان[5] اشتر لفاطمۃ قلادۃ من عصب وسوارین من عاج۔ اخرجہ فی باب الانتفاع بالعاج۔ عون المعبود صفحہ ۱۴۱ جلد ۴ میں ہے قال الخطابی

---

[1] اے ثوبان فاطمہ کے لئے عصب کا ایک ہار خرید لاؤ اور ہاتھی دانت کے دو کنگن۔ خطابی نے کہا ہے

(۱) مطبوعہ انصاری دہلی مع فتح الباری ۱۲ (۲) ناسا ای کثیرا والتنوین للتکثیر کذا فی فتح الباری ۱۲ (۳) کذا فی فتح الباری (۴) کذا فی فتح الباری ۱۲ (۵) یا ثوبان اشتر لفاطمۃ قلادۃ الخ اقول۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے حمید بن ابی حمید الشامی سے اور انہوں نے سلیمان المنبہی سے اور انہوں نے ثوبان سے روایت کیا ہے، یحییٰ بن معین وغیرہ نے حمید اور سلیمان دونوں کو مجہول اور غیر معروف بتایا ہے، مگر ابن حبان نے ان دونوں یعنی حمید شامی کندی اور سلیمان بن عبداللہ منبہی کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور باقی رجال ابوداؤد

فی المعالم العاج الذبل وھو عظم ظھر السلحفاۃ البحریۃ فاما العاج الذی تعرفہ العامۃ فھو انیاب الفیل وھو میتۃ لا یجوز استعمالہ انتھی قال التوربشتی بعد ما نقل عبارۃ الخطابی ھذہ من العجیب العدول عن اللغۃ المشھورۃ الی ما لم یشتھر بین اھل اللسان والمشھور ان العاج عظم انیاب الفیلۃ وعلی ھذا یفسرہ الناس اولھم و اخرھم انتھی قال القاری لعل وجہ العدول ان عظم المیت نجس عندہ قلت لا شک ان وجہ العدول ھو ما قال القاری کما یظھر من عبارۃ الخطابی وقد وقع الاختلاف فی عظم الفیل فعند الشافعی نجس وعند ابی حنیفۃ طاھر ونقل عن شیخ الاسلام الحافظ ابن تیمیۃ رحمہ انہ قال عظم المیتۃ لیس بنجس ولا تحلہ الحیاۃ فوقد اتخذ الصحابۃ رضی اللہ عنھم امشطۃ من عظام الفیل فلو کان نجسا ما اتخذوہ انتھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

ابو العلی محمد عبد الرحمن	سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع نامہ میں ایسی شرط کا درج کرنا جس کی وجہ سے آیندہ فریقین کو معاملہ بیع میں موقع نزاع کا پیدا ہوتا ہو، اور بیع اس کی وجہ سے باطل اور کالعدم ہو جاتی ہو، شرعاً جائز ہے، یا نہیں، شرط یہ ہے، کہ جملہ مراتب مندرجہ اقرار نامہ ثالثی فیصل ہو کر نافذ نہ ہو جائیں تو بیع نامہ بھی معدوم سمجھا جاوے گا، اور ہر فریق اپنی

عاج ذبل تو بحری کچھوے کی پیٹھ کی ہڈی ہے، اور عاج مطلق ہاتھی دانت کو کہتے ہیں، اور وہ مردار ہیں، ان کا استعمال درست نہیں، تورپشتی نے کہا بڑی عجیب بات ہے، کہ خطابی نے عاج کا وہ ترجمہ کیا ہے، جو عام مشہور لغت کے خلاف ہے مشہور لغت میں عاج کا ترجمہ ہاتھی دانت ہی ہے، ملا علی قاری نے کہا، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ خطابی کے نزدیک ہاتھی دانت کا استعمال ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کے نزدیک مردار کی ہڈی ناپاک ہے، حالانکہ صحابہ ہاتھی دانت کی کنگھیاں استعمال کرتے تھے اگر یہ ناپاک ہوتا، تو صحابہ ان کا استعمال نہ کرتے، ہاتھی دانت ابو حنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے، اور امام شافعی کے نزدیک پاک، علامہ ابن تیمیہ مردار کی ہڈی کو پاک کہتے ہیں۔

کے سب ثقہ ہیں، اور اس باب میں ایک ضعیف حدیث اور بھی آئی ہے، اخرجہ البیھقی فی سننہ عن بقیۃ عن عمر بن خالد عن قتادۃ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمتشط بمشط من عاج انتھی قال وروایۃ بقیۃ عن شیوخہ المجھولین ضعیفۃ انتھی قال الزیلعی اوھم بقولہ عن شیوخہ المجھولین ان الواسطی مجھول ولیس کذلک انتھی نصب الرایۃ جلد ۱ صفحہ ۶۲ و ۶۳ تھذیب التھذیب تقریب التھذیب میزان الاعتدال ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین

اپنی حالت موجودہ سابق قبل کارروائی کا پابند ہو جاوے گا۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ عقد بیع ایسی شرط کا متحمل نہیں ہو سکتا، اگر عقد میں ایسی شرط کی جاوے گی فاسد ہو جاوے گا، در مختار میں ہے۔ (لا یصح بیع بشرط الخ[1] عالمگیری میں ہے ان کان الشرط شرطا لم یعرف ورود الشرع بجوازہ فی صورۃ وھو لیس بمتعارف ان کان لاحد المتعاقدین فیہ منفعۃ او کان للمعقود علیہ منفعۃ والمعقود علیہ من اھل ان یستحق حقا علی الغیر فالعقد فاسد کذا فی الذخیرۃ الخ[2] ہدایہ میں ہے قد نہی النبی[3] صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع وشرط ولکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین او للمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسدہ[4] اھ اور ایسے عقد کا فسخ عاقدین پر واجب ہے درمختار میں ہے ویجب علی کل واحد منہما فسخہ (ای فسخ البیع الفاسد) قبل القبض او بعدہ مادام المبیع بحالہ جوھرۃ فی ید المشتری اعداما للفساد لانہ معصیۃ فیجب رفعہا[5] اھ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد المعروف بہ احمد رضا بریلوی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مردار کی کھال قبل دباغت کے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں کوئی حدیث، یا کوئی عبارت کتب معتبرہ مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جمہور علماء کے نزدیک مردار کی کھال کو قبل دباغت کے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور زہری کے نزدیک جائز ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی جوازہی کی طرف معلوم

---

[1] شرط سے بیع درست نہیں ہوتی [2] اگر شرط ایسی ہو جس کا شریعت میں جواز معروف نہ ہو، مثلاً بائع یا مشتری سے کسی ایک کو اس میں خاص فائدہ ہو، تو ایسی صورت میں شرط فاسد ہو گی [3] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے، اور ہر وہ شرط جس کو بیع جائز نہ رکھتی ہو، مثلاً کسی ایک کو بائع یا مشتری میں سے اس میں کوئی خاص فائدہ ہو، تو ایسی شرط فاسد ہو گی [5] دونوں (بائع اور مشتری) پر ضروری ہے، کہ بیع فاسد کو فسخ کر دیں خواہ قبضے سے پہلے یا اس کے بعد جب تک کہ بیچی ہوئی چیز خریدار کے پاس اپنی اصل شکل میں موجود رہے، تاکہ فساد ختم ہو جائے چونکہ فساد گناہ ہے، لہٰذا اس کا اٹھانا ضروری ہے۔

---

(۱) اخرجہ الطبرانی فی معجمہ الوسط من طریق ابی حنیفۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی عن بیع وشرط انتہی وضعفہ ابن القطان ملتقطا من نصب الرایۃ صفحہ ۱۷۸ جلد ۲
ابو سعید محمد شرف الدین

ہوتا ہے، جمہور کی دلیل صحیح مسلم اور سنن کی یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت فمر بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذتم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انھا میتۃ فقال انما حرم اکلھا رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ قال فیہ عن میمونۃ جعلہ من مسندھا ولیس فیہ للبخاری والنسائی ذکر الدباغ بحال کذا فی نیل الاوطار جلد ا صفحہ ۹۵۔ امام زہری کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بشاۃ میتۃ فقال ھلا استمتعتم باھابھا قالوا انھا میتۃ قال انما حرم اکلھا۔ جمہور نے زہری کی اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے، کہ صحیح بخاری میں ابن عباس کی یہ روایت مطلق ہے، اور صحیح مسلم وغیرہ میں ابن عباس کی اس روایت میں دباغت کی قید آئی ہے، پس ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مطلقہ مقیدہ پر محمول ہوگی، حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۴۱۳ جزء ۲۳ میں ابن عباس کی روایت مطلقہ کے تحت میں لکھتے ہیں۔ استدل بہ الزہری بجواز الانتفاع بجلد المیتۃ مطلقا سواء دبغ او لم یدبغ لکن صح التقیید من طرق اخری بالدباغ وھی حجۃ الجمہور انتہی۔ اور قاضی شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۶۲ جلد ا میں لکھتے ہیں ولعلہ لم یبلغ الزہری بقیۃ الروایات وسائر الاحادیث وقد ردہ فی البحر بمخالفۃ الاجماع انتہی۔ امام نووی شرح صحیح مسلم صفحہ ۱۵۹ جلد ا میں لکھتے ہیں۔ وقد احتج للزہری بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلا انتفعتم باھابھا ولم یذکر دباغھا ویجاب بانہ مطلق وجاءت الروایات الباقیۃ ببیان الدباغ و

لہ ابن عباس نے کہا میمونہ کی ایک لونڈی کو کسی نے ایک بکری صدقہ میں دی، وہ مر گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ اتار لیا، کہ اس کو رنگ کر کے اس سے فائدہ اٹھاتے، کہنے لگے یہ مر گئی ہے آپ نے فرمایا تو اس کا کھانا حرام ہوتا ہے، چمڑے سے فائدہ اٹھانا تو حرام نہیں ہوتا ابن ماجہ کے علاوہ ایک جماعت محدثین نے اسے روایت کیا ہے، بخاری اور نسائی میں دباغت کا ذکر نہیں سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ بکری کے پاس سے گذرے، آپ نے فرمایا اس کے چمڑے سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے، کہنے لگے یہ تو مر گئی ہے آپ نے فرمایا تو اس کا کھانا حرام ہوتا ہے۔ سلہ زہری نے مردار کی کھال سے مطلقاً فائدہ حاصل کرنے میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، خواہ وہ چمڑا رنگا ہو یا نہ لیکن دوسرے طرق سے چمڑے کا رنگا ہوا ہونا شرط معلوم ہوتا ہے یہ جمہور کا مذہب ہے سلہ ممکن ہے زہری کو دوسری روایات نہ پہنچ سکی ہوں، لہذا جمہور کے برخلاف ہونے کی وجہ سے اس کے قول کو رد کر دیا گیا ہے سلہ امام زہری کا استدلال یہ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ کرنے کا ذکر نہیں کیا

ان دباغہ طهوره انتہی۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابو علی محمد عبد الرحمن

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردار کا چمڑہ بلا مدبوغ خرید و فروخت کرنا، اور منفعت و قیمت کھانے و پینے میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ جائز نہیں ہے، جواز کے لئے دباغت شرط ہے، فی المنتقی صفحہ ۸ عن ابن[1] عباس قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ رض بشاۃ فماتت فمر بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذ تم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انہا میتۃ فقال انما حرم اکلہا رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ قال فیہ عن میمونۃ جعلوہ من مسندھا ولیس فیہ للبخاری والنسائی ذکر الدباغ بحال و فی لفظ لاحمد ان داجنا لمیمونۃ ماتت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انتفعتم باھابھا الا دبغتموہ فانہ ذکاتہ وعن ابن عباس رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما اھاب دبغ فقد طھر رواہ احمد ومسلم وابن ماجہ والترمذی وعن عائشۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر ان ینتفع بجلود المیتۃ اذا دبغت رواہ الخمسۃ الا الترمذی وللنسائی سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن جلود المیتۃ فقال دباغھا ذکاتھا وللدارقطنی عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال طھور کل ادیم دباغہ قال الدارقطنی اسنادہ کلھم ثقات وعن ابن عباس رض قال ماتت شاۃ لسودۃ بنت زمعۃ فقالت یا رسول اللہ ماتت فلانۃ

لیکن حقیقت یہ ہے، کہ دوسری روایات میں رنگنے کی شرط مذکور ہے اور رنگ کرنے ہی سے مردار کا چمڑا پاک ہوتا ہے۔

[1] حضرت میمونہ کی ایک لونڈی کو صدقہ میں ایک بکری ملی وہ مر گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا، تو آپ نے فرمایا تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ اتار لیا، کہ اس کو رنگ دے کر اس سے فائدہ اٹھاتے، کہنے لگے، یہ تو مر گئی ہے آپ نے فرمایا اس کا صرف کھانا حرام ہے، بخاری اور نسائی کی روایت میں دباغت رنگ دینے کا ذکر نہیں ہے، احمد کی روایت میں ہے، کہ میمونہ کی ایک بکری مر گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے اس کے چمڑے سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا کہ چمڑے کو رنگ کر دینا جانور کو ذبح کرنے کے مترادف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا جو چمڑا رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے، آپ نے فرمایا، مردار کا چمڑا جب رنگ دیا جائے، تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، آپ سے مردار کے چمڑے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، چمڑے کو رنگ دینا ذبح کرنے کے مترادف ہے آپ نے فرمایا، ہر چمڑے کا رنگ کر دینا اس کے لئے پاکیزگی ہے امام دار قطنی فرماتے ہیں، ان تمام روایات کی سند اچھی ہے

تعنی الشاۃ فقال لو اخذ تم مسکہا قالوا ناخذ مسک شاۃ قد ماتت فقال لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما قال اللہ تعالی قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر وانتم لا تطعمونہ ان تدبغوہ تنتفعوا بہ فارسلت الیہا فسلخت مسکہا فدبغتہ فاتخذت منہ قربۃ حتی تخرقت عندہا رواہ احمد باسناد صحیح اھ فان اختلج فی صدرک انہ ورد فی روایۃ البخاری ومالک فی الموطا واحمد فی مسندہ وبعض طرق النسائی وغیرہم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی شاۃ مولاۃ میمونۃ رضـ هلا انتفعتم باهابہا قالوا انہا میتۃ قال انما حرم اکلہا ولم یذکر الدباغ فدل ذلک علی ان جلد المیتۃ یحل الانتفاع بہ من غیر حاجۃ الی دباغ ازیح ذلک بانہ قد ورد التقیید بالدباغ فی روایات اخری صحیحۃ والاخبار یفسر بعض طرقہا بعضا فوجب الاخذ بہ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبداللہ | مدرسہ احمدیہ آرہ

| سید محمد نذیر حسین | محمد بشیر |

سوال:۔ مردہ مویشی کے چمڑے کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ہاں جائز ہے، مگر بشرط دباغت، بغیر دباغت کے مردہ مویشی کے چمڑے کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ مردار جانور جیسے بیل یا بکری یا اونٹ یا اس جانور کے جو غیر اللہ کے نام سے پکارا گیا ہو، چمڑے یا سینگ یا بال وغیرہ کی تجارت جائز ہے یا نہیں

الجواب:۔ ایسے مردہ جانوروں کے چمڑہ و بال و سینگ کی بیع و تجارت جائز ہے۔

ابن عباس سے روایت ہے، کہ حضرت سودہ بنت زمعہ کی ایک بکری مر گئی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ میری بکری مر گئی ہے آپ نے فرمایا اس کی کھال اتار لو، کہنے لگیں یا مردار کی کھال اتار لیں، آپ نے فرمایا اللہ نے فرمایا ہے آپ کہدیں، جو مجھ پر وحی ہوتی ہے اس میں تو کوئی چیز کسی کھانے والے پر حرام نہیں ہے، سوائے مردار یا بہنے والے خون یا خنزیر کے گوشت کے، اور تم مردار کو کھاؤ گے تو نہیں، تم اس کی کھال کو رنگ لو اور کام میں لاؤ حضرت سودہ نے اس کی کھال اتروائی اور رنگ کر اس کی مشک بنالی، اور پھر بالآخر وہ مشک پرانی ہو گئی، امام احمد نے اپنی مسند میں اسے روایت کیا ہے، اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال گذرے، کہ بخاری، موطا، اور مسند امام احمد اور نسائی کے بعض طرق میں حضرت میمونہ کے واقعہ میں مردار کے چمڑے کو رنگ دینے کی شرط نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری تمام روایات میں رنگنے کی شرط موجود ہے، اور احادیث کے بعض طرق بعض کی تفسیر کرتے ہیں، تو اس شرط کا قبول کرنا ضروری ہے

لیکن چربی کی بیع جائز نہیں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بشاۃ میتۃ فقال هلا ستمتعتم باهابها قالوا انها میتۃ قال انما حرم اکلها بخاری صفحہ ۱۹۲ ترجمہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذرے اوپر ایک مردہ بکری کے، پس فرمایا آپ نے کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے تم اس کے چمڑے سے، کہا صحابہ نے بے شک وہ مردہ ہے، فرمایا آپ نے کہ سوائے اس کے نہیں، کہ حرام کیا گیا ہے کھانا اس کا، اور بخاری کے اسی صفحہ میں ہے۔ باب فی العطار وبیع المسک۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کمثل صاحب المسک وکیر الحداد لا یعدمک من صاحب المسک اما ان یشتریہ واما ان تجد ریحہ الخ ترجمہ باب عطار وبیع المسک میں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال جلیس صالح اور جلیس سوء کے یعنی اچھے صحبتی اور برے صحبتی کے، جیسے مشک والا اور لوہار کی بھٹی، مشک والے سے تو اس سے محروم نہ رہے گا، کہ یا تو تو اس کو خرید کرے گا یا اس کی بو پاوے گا آخر حدیث تک، اور مشک اصل میں خون ہے، جو منجمد ہو گیا ہے، وقال حماد لا باس بریش المیتۃ وقال الزهری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسا من سلف العلماء یمتشطون بہا ویدهنون فیها لا یرون بہ باسا وقال ابن سیرین وابراہیم لا باس بتجارۃ العاج بخاری صفحہ ۳۷ ترجمہ اور کہا حماد نے نہیں برائی ہے بال میں مردہ کے، اور کہا زہری نے بیچ ہڈیاں مردہ کے مانند ہاتھی وغیرہ کے پایا میں نے لوگوں کو سلف علماء سے کہ کنگھی کرتے تھے اور تیل کا استعمال کرتے تھے بیچ اس کے اور نہیں دیکھتے تھے ساتھ اس کے برائی، اور کہا ابن سیرین اور ابراہیم نے نہیں برائی ہے ہاتھی دانت کی تجارت میں، البتہ مینہ اور اس کی چربی کی بیع منہی عنہ ہے، جیسا کہ بخاری ۲۹۶ و ۲۹۸ سے ظاہر ہے۔ سید محمد نذیر حسین

سوال: جھٹکا کئے ہوئے جانوروں کا چمڑا پاک ہے یا نہیں، اور اس کی تجارت درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب: جو جانور جھٹکے سے مارا جاتا ہے، وہ حکم میں مردار کے ہے، اور مردار کا چمڑہ بعد دباغت دینے کے پاک ہو جاتا ہے، اور جب اس کا چمڑا پاک ٹھہرا، تو جس طرح سے چاہے اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے، اس لئے اس کی اگر تجارت کی جائے، تو جائز ہے واللہ اعلم بالصواب، حررہ العبد العاجز عین الدین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

هو الموفق: جھٹکا کئے ہوئے جانوروں کا چمڑا قبل دباغت کے ناپاک ہے اور اس

کی تجارت جائز نہیں، اور بعد دباغت کے پاک ہے اور اس کی تجارت بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفی عنہ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانور مردار ماکول اللحم کے چمڑے سے بعد دباغت کے انتفاع جائز ہے یا نہیں، اور بر تقدیر جواز غرض یہ ہے کہ یہ انتفاع عام ہے مثل بیع و شراء و ساخت ڈول و بستر وغیرہ یا خاص ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جانور مردار ماکول اللحم کے چمڑے سے بعد دباغت کے انتفاع جائز ہے اور بجز کھانے کے اس سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے، مثلاً بیع و شراء و ساخت ڈول و بستر وغیرہ عن[1] عبداللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا دبغ الاھاب فقد طھر رواہ مسلم و عنہ قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت فمر بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذتم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انھا میتۃ فقال انما حرم اکلھا متفق علیہ وعن سودۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت ماتت لنا شاۃ فدبغنا مسکھا ثم مازلنا ننبذ فیہ حتی صار شنا رواہ البخاری (مشکوۃ شریف) یہ احادیث صاف صاف دلالت کرتی ہیں، کہ جانور مردار کے چمڑے سے بعد دباغت کے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے، ہاں اس کا کھانا البتہ حرام ہے۔

حررہ عبداللہ بیراعظم گڈھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بنارسی دوپٹہ یا کلابتونی کلاہ یا ناٹ بافی جوتا ادھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال دوم: کسی چیز کو کسی شخص سے جا کر لے طور پر لے کر پھر اس کی بیع کرنا جائز ہے، یا یہ بیع حدیث لاتبع مالیس عندک کا مصداق ہے، اور ناجائز ہے

---

[1] عبداللہ بن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جب چمڑے کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے، دوسری حدیث یہ ہے، کہ حضرت میمونہ کی ایک لونڈی کو صدقہ میں ایک بکری ملی، وہ مر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ اتار لیا، کہ رنگ کر اس کو کام میں لاتے۔ انہوں نے کہا، یہ تو مردار ہے، آپ نے فرمایا، مردار کا صرف کھانا حرام ہے، حضرت سودہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مر گئی، ہم نے اس کی کھال رنگ کر مشک بنالی، ہم اس میں پانی ڈال کر پیتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی ہو گئی۔

سوال سوم۔ آڑھتی اپنی سعی ومحنت کا حق مشتری سے لیتا ہے اگر وہ بائع سے بھی کچھ لینا ٹھہرالے جو در حقیقت وہ بھی مشتری ہی کی گرہ سے شئے مبیعہ کی قیمت بڑھا کر نکلے گا، تو جائز ہے یا نہیں

بینوا توجروا۔

الجواب (۱) بنارسی دوپٹہ یا کلابتونی کلاہ یا ٹاٹ بافی جوتا ادھار فروخت کرنے سے کوئی دلیل شرعی مانع نہیں لہذا اس کے جواز میں کلام نہیں صرف بیع صرف میں (جس میں دونوں جانب اثمان ہوتے ہیں) ادھار کی ممانعت وارد ہے مگر اشیاء مذکورہ اثمان سے نہیں ہیں بلکہ مبیعات سے ہیں، برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے۔ الصرف فی اللغۃ الزیادۃ منہا سمیت النافلۃ صرفا لزیادتہا علی الفرائض وفی الشرع بیع الثمن ای الذھب والفضۃ بالثمن جنسا بجنس کذھب بذھب او فضۃ بفضۃ او جنسا بغیر جنس کذھب بفضۃ او فضۃ بذھب و فی المبسوط الاموال ثلاثۃ انواع نوع ثمن علی کل حال وھو الدراھم والدنانیر صحبہا حرف الباء اولا کان ما قابلہا من جنسہا اولا ونوع مبیع علی کل حال وھو ما لیس من ذوات الامثال کالعروض والثیاب والدواب والممالیک ونوع مبیع من وجہ وثمن من وجہ کالمکیل والموزون فان کان معینا فی العقد کان مبیعا فان لم یکن معینا فیہ فان صحبہ حرف الباء وقابلہ مبیع فہو ثمن وفی شرح الوافی ونوع ثمن بالاصطلاح وھو سلعۃ فی الاصل کالفلوس فان کان رائجا کان ثمنا وان کان کاسدا کان سلعۃ وھذا لان الثمن عند العرب ما یکون دینا فی الذمۃ کذا قال الفراء والنقود لا تستحق فی العقد الا دینا فی الذمۃ فکانت ثمنا فی کل حال والعروض لا تستحق فی العقد الا عینا فکانت مبیعۃ والمکیل والموزون تستحق عینا بالعقد تارۃ ودینا اخری فکانت ثمنا فی حال ومبیعا فی حال و

لہ لغت میں صرف کا معنی زیادت ہے، یہی وجہ ہے کہ نوافل کو صرف کہتے ہیں کیونکہ وہ فرائض پر زاید ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں صرف یہ ہے کہ ثمن (قیمت) کو بیچا جائے یعنی سونے چاندی کو خواہ اپنی جنس سے ہو، مثلاً سونے کو سونے سے بیچا جائے یا چاندی کو چاندی سے، خواہ دوسری جنس سے مثلاً سونے کو چاندی سے، یا چاندی کو سونے سے، ان میں سے جس پر لفظ بیع پہلے صادق آئے گا، وہ ثمن متعین ہوگا، اور دوسرا مبیع، مبسوط میں ہے مال تین طرح کے ہیں، ایک تو وہ جو ہر حال میں قیمت ہی رہتے ہیں، مثلاً روپیہ یا پونڈ وغیرہ، دوسرے وہ جو ہر حال میں بیچی جانے والی چیزیں رہتی ہیں مثلاً سامان کپڑا، جانور وغیرہ، تیسری قسم یہ ہے کہ ایک حیثیت سے قیمت ہوں اور دوسری حیثیت سے مبیع، جیسے تانبے وغیرہ کے پیسے کہ اگر وہ رائج ہوں تو ثمن ہے، ورنہ سامان، ثمن کا حکم یہ ہے کہ عقد

من حکم الثمن بل لا یشترط وجودہ فی ملک العاقد عند العقد ولا یبطل العقد بفوات تسلیمہ وصح الاستبدال بہ دون حکم المبیع بخلافہ اس عبارت کی شہادت سے اشیاء مذکورہ مبیعات ہیں نہ اثمان، اولاً اس لئے کہ یہ عروض ہیں نہ نقود، ثانیاً اس لئے کہ عقد سے ان کے عین کا استحقاق ہوتا ہے یہ ذمہ پر دین نہیں ہوتیں، ثالثاً بوقت بیع ان کا ملک بائع میں ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ عقد باطل ہوتا ہے، رابعاً اس کا استبدال جائز نہیں ہوتا، اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان اشیاء میں جو کلابتون ملا ہوا ہے، وہ ان کو سیف محلی کی نظیر بناتا ہے جس کو برہان شرح مواہب الرحمن اور دیگر کتب فقہ میں بنظر حصہ چاندی کے چاندی کے حکم میں ٹھہرایا ہے اور اس پر ادھار کو ناجائز کہا ہے ایسا ہی کتب احادیث ابو داؤد و منتقی الاخبار وغیرہ میں حدیث مشہور فضالہ بن عبید سے جس میں زردار ہار کو بلا تفصیل و تمیز زر کے بیع کرنے سے منع کیا ہے، اور استنباط کیا ہے کہ حلیہ سیف یا قلاوہ کی بیع دینار سے بلا تمیز و استفصال جائز نہیں ہے، جس سے ادھار کی بھی ممانعت نکلتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشیاء میں اور قلادہ یا سیف محلی میں فرق ہے، حلیہ یا قلادہ سے استفصال اور تمیز زر و سیم کے بعد (بلا ضرر ہو یا خواہ بضرر) جو چیز حاصل ہوتی ہے، وہ عرفاً و شرعاً چاندی و سونا کہلاتی ہے، جو اثمان سے ہے بخلاف ان اشیاء کے کہ ان کے استفصال سے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ چاندی یا سونا نہیں، بلکہ ایک چیز کلابتون کہلاتی ہے، جو شرعاً و عرفاً سونا چاندی نہیں ہوتی، بلکہ چاندی یا سونے یا تانبے اور سوت یا ریشم سے مرکب ایک تیسری چیز ہوتی ہے، لہٰذا اس کا قیاس سونے چاندی پر قیاس مع الفارق ہے، ہاں جب مبیعہ خود کلابتون یا گوٹا کناری ہو تو وہ بنظر اپنے جزو مصاحب کے سونے چاندی کے حکم میں ہوگی کیونکہ اس تمیز و استفصال کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے، وہ سونا یا چاندی کہلاتی ہے، لہٰذا اس کی بیع حنفی مذہب میں سیف محلی کے حکم میں ہوگی، اور اگر کپڑے یا جوتے میں سونے کا تار بنا ہوا ہو تو بعد انفصال و تمیز کے سونا یا چاندی کہلاتی ہے تو وہ بھی گوٹا کناری کے مانند سیف محلی کے حکم میں ہے۔

الحاصل پارچہ جات وغیرہ عروض کے ساتھ ملنے والی چیز اگر چاندی سونے کے نام سے موسوم ہو اور عرفاً و شرعاً اس پر ان ناموں کا اطلاق ہو سکے، تو وہ باتفاق فقہ و حدیث عروض کو بھی اثمان کے حکم میں کر دے گی، ورنہ نہیں ایسا ہی درمختار اور اس کے حاشیہ

کے وقت عاقد کے پاس ہونا اس کا ضروری نہیں ہے بخلاف بیع کے کہ عقد کے وقت عاقد کے پاس اس کا ہونا ضروری ہے

ردالمحتار سے مفہوم ہوتا ہے، درمختار میں ہے۔ والاصل انہ متی بیع نقد مع غیرہ کمفضض ومزرکش بنقد من جنسہ شرط زیادۃ الثمن فلو مثلہ او اقل او جہل بطل ولو بغیر جنسہ شرط التقابض فقط۔ ردالمحتار صفحہ ۳۶۸ جلد ۴ میں ہے قولہ کمفضض ومزرکش الاول ما رصع بفضۃ او البس فضۃ کسرج من خشب البس فضۃ والثانی فی العرف ھو المطرز بخیوط فضۃ او ذھب ویعبر فی البحر بما حلیۃ السیف تشمل ما اذا کانت الفضۃ غیر ذلک کقبیعۃ السیف تامل وخرج المموہ کما علمت انفا تنبیہ لم یبین حکم العلم فی الثوب وفی الذخیرۃ واذا باع ثوبا منسوجا بذھب بالذھب الخالص لا بد لجوازہ من الاعتبار وھو ان یکون الذھب المنفصل اکثر وکان ینبغی ان یجری بدون اعتبار لان الذھب الذی نسج تخرج عن کونہ وزنیا ولذا لا یباع وزنا لکنہ وزنی بالنص فلا یخرج عن کونہ مال ربا ثم قال وفی الملتقی ان فی اعتبار الذھب فی السقف روایتین فلا یعتبر العلم فی الثوب وعن ابی حنیفۃ وابی یوسف انہ یعتبر ثم نقل عن التاتارخانیۃ ما حاصلہ عدم اعتبار علم الثوب والابریشم فی الذھب لکونہ تبعا محضا ونقل عن الکافی عدم اعتبار المموہ ثم قال قد علم بھذا ان الذھب ان کان عینا قائمۃ فی المبیع کمسامیر الذھب ونحوھا فی السقف مثلا یعتبر کطوق الامۃ وحلیۃ السیف ومثل المنسوج بالذھب فانہ قائم بعینہ غیر تابع بل ھو مقصود بالبیع کالحلیۃ والطوق ویسمی الثوب ثوبا

۱؎ اصل یہ ہے کہ جب نقد (سونا چاندی) کی بیع کسی اور چیز کے ساتھ مل کر ہو جیسے کہ کسی چیز پر چاندی یا سونے کا خول چڑھا ہوا ہو، یا کسی کپڑے میں سونے چاندی کے تارے ہوئے ہوں، تو اس میں زیادت ثمن کی شرط ہے، اگر اس کے برابر ہو یا کم ہو یا اس کی مقدار معلوم نہ ہو تو بیع باطل ہوگی، اور اگر اس کی بیع غیر جنس کے ساتھ ہو، مثلاً چاندی کی سونے سے، تو اس میں شرط قبضہ کی ہے، کہ نقد ہو ادھار نہ ہو۔

۲؎ مفضض اور مزرکش کا معنی یہ ہے، کہ جب کسی چیز پر چاندی کا خول ہو تو وہ مفضض ہے، مثلاً کاٹھی (زین) پر چاندی کا خول ہو اور مزرکش وہ کپڑا ہے، جس میں سونے چاندی کے تارے ہوئے ہوں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر سونے چاندی کی اکثریت ہو تو دوسری چیز اس کے تابع شمار کی جائے گی اور مردوں کے لئے اس کا استعمال ممنوع ہو جائے گا اور اگر ان کی مقدار کم ہو، تو سونا چاندی اس کے تابع ہوگا، ورمردوں کے لئے اس کا استعمال ناجائز نہ ہوگا یہی حال اس کپڑے کا ہے، جس میں ریشم اور سوت ملا ہوا ہو اگر اکثریت سوت کی ہے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں لیکن ریشم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بقدر چار انگشت ریشمی پٹی اگر ہو تو جائز ہے، اور زیادہ کی ممانعت ہے

ولنا یسمی ثوب ذہب بخلاف المموہ لانہ مجرد لون لا عین قائمۃ و بخلاف العلم فی الثوب فانہ تبع محض فان الثوب لا یسمی بہ ثوب ذہب الی ان قال ولا کذلک علم الثوب لان الشرع اہدر اعتبارہ حتی حل استعمالہ لکن ینبغی انہ لو زاد علی اربعۃ اصابع ان یعتبر ہہنا ایضا انتہی مختصرا۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اگر کسی کپڑے میں سونے یا چاندی کا تار بنا ہوا ہو تو وہ لائق لحاظ ہے یعنی اس کی بیع نقود سے دست بدست ہونی چاہیئے، گو اس کے ساتھ ریشم بھی ہو، کیونکہ وہ اصل مقصود نہیں ہوتا اور اگر تار سونے چاندی کا نہیں ہے، بلکہ کوئی چیز ملمع کی ہوئی ہے اور اس پر سونے چاندی کا صرف رنگ ہے، تو وہ لائق لحاظ نہیں ہے، اور اگر سونے چاندی کا تار کپڑے میں صرف کنارہ پر ہو، تو وہ بھی بشرطیکہ چار انگشت سے زائد نہ ہو، لائق لحاظ نہیں ہے ہم نے جواب میں بھی احتیاطاً کی ہے، اس شرط کے ساتھ بھی سونے چاندی کے تار کے بیع کا لحاظ ضروری ٹھہرایا ہے، اور یہ کہا ہے، کہ جو چیز مبیعہ سے جدا ہونے کے بعد چاندی سونا کہلاوے وہ بہر صورت تابع ہو، خواہ مقصود لائق لحاظ ہے، اور جو چاندی سونا نہ کہلاوے مثلاً کلابتون یا ملمع وہ لائق لحاظ نہیں ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

دوسرے سوال کا جواب:۔ اس سے بھی کوئی دلیل مانع نہیں، اور یہ بیع حدیث لا تبع مالیس عندک کا مصداق نہیں، اس حدیث میں اس چیز کی بیع سے ممانعت ہے، جو بوقت بیع بائع کی ملک میں نہ ہو اور صورت سوال میں بائع پہلے ایک چیز کو بیع کے طور پر جس کو شرع میں بیع بشرط خیار کہتے ہیں، خرید کر اپنی ملک میں لے آتا ہے، اور پیچھے اس کی بیع کرتا ہے، لہذا وہ بلاشبہ جائز ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

جواب سوال سوم آڑھتی اپنی سعی و محنت کا حق و اجرت مشتری سے لے لیتا ہے، تو پھر اس کا بائع سے کچھ ٹھہرا لینا، کہ وہ بھی درحقیقت مشتری کی گرہ سے مبیعہ کی قیمت بڑھا کر نکلتا ہے ناجائز اور صریح خیانت ہے، جس کا سائل کو بھی اعتراف ہے، پھر اس کا جواز پوچھنا کیا معنے رکھتا ہے،

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ ابو سعید محمد حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال، کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنار کی خاک خریدنا جس میں سونا اور چاندی دونوں ملے ہوتے ہیں، اور دونوں میں سے کسی کا انداز معلوم نہیں، کہ سونا کس قدر ہے،

اور اگر کسی چیز پر سونے یا چاندی کا ملمع ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

اور چاندی کس قدر ہے، جائز ہے یا نہیں، اس کا جواب موافق کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر فرمائیں۔

الجواب:۔ سنار کے کارخانہ کی راکھ جس کو نیارہ کہتے ہیں خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ پیسوں سے خریدی جائے، کیونکہ اس صورت میں جنس کا اختلاف ہو جاتا ہے، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاذا اختلفت هذه الاجناس فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد رواه مسلم یعنی جب جنس مختلف ہوں، تو جس طرح چاہو خرید کرو، یعنی اختلاف اجناس کی صورت میں کمی بیشی کا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور اس راکھ کو چاندی سے یا سونے سے خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ راکھ میں کس قدر سونا ہے، اور کس قدر چاندی ہے، اور چاندی کا چاندی سے خریدنا اور فروخت کرنا کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، اسی طرح سونے کا سونے سے خرید فروخت کرنا بھی کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاتبيعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض متفق عليه۔ والله تعالى اعلم۔

حررہ کاعلی احمد

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ خاک زرگر کی خرید فروخت کرنا بخلاف جنس جائز ورد الم تراب الصاغة انما لا يجوز بيعه بجنسه لاحتمال الربوا حتى لو باعه بخلاف جنسه جاز كذا في الهداية وغيرها من كتب الشريعة والله اعلم بالصواب۔

الراقم عاجز محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع ایسے مریض مرض الموت کی جس کو شدت الم مرض سے اپنی خبر نہ ہو اور معاملات و عقود کے سمجھنے پر قادر نہ ہو حتی کہ ثمن مبیع تک گن لینے اور اس پر تصرف کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، اور مشتری کے کلام کو سننے اور سمجھنے کی طاقت بھی اسے نہ ہو صحیح ہے یا باطل، اور ایسی بیع سے ملک مشتری مبیع میں ثابت ہوگی یا نہ بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں معلوم ہو، کہ ایسے مریض کی بیع صحیح نہیں ہے، اور ایسی بیع

لے سونے کو سونے سے برابر برابر بیچو، اور کمی بیشی نہ کرو، اور اسی طرح چاندی کو چاندی سے برابر بیچو، اور کمی بیشی نہ کرو۔ لے سنار کی خاک کی بیع بجنسہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں سود کا خطرہ ہے ہاں اگر اس کو دوسری جنس سے بیچ دیا جائے تو جائز ہے۔

...ے مبیع میں ملک مشتری ثابت نہیں ہوگی، سبل السلام شرح بلوغ المرام میں ہے وقد جعلوا
...شروط البیع انواعا منہا فی العاقد وھو ان یکون عاقلا ممیزا انتہی۔ اس سے معلوم
...ہوا، کہ بیع کی صحت کے لئے ضرور ہے، کہ بائع وقت بیع کے عاقل و ممیز ہو، اور صورت
...مسئولہ میں یہ بات مفقود ہے، لہذا یہ بیع صحیح و درست نہیں ہوئی اور جب بیع صحیح و درست
...نہیں ہوئی، تو مشتری مبیع کا مالک کیونکر ہو سکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید عبد الحفیظ غفرلہ

وقت بیع کے یعنی وقت ایجاب و قبول کے عاقدین کے ہوش و حواس و عقل کا ہونا
...شرط ہے، بلوغ شرط نہیں ہے

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان ملکیت اپنی
بقیمت مبلغ چھ سو پچیس روپیہ مع صرف قبالہ و دلالی وغیرہ کے بدست عبد اللہ کے
بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ بیع قطعی کیا، اور مبلغ پچیس روپیہ بیعانہ کے لے لئے، اور ۱۲
رجب ۱۳۱۵ھ کو مبلغ سات روپیہ زید نے مشتری سے واسطے خرید کاغذ اسٹامپ کے
لئے اور قبالہ تحریر کرا کر بحق مشتری واسطے تصدیق کرانے قبالہ کے زید یعنی بائع گیا، چونکہ مکان مذکور
بعوض تین سو روپیہ کے رہن تھا، اور باسٹھ روپیہ سود کے دینے ہو گئے تھے، مرتہن نے
عبد اللہ مشتری سے یہ کہا، کہ تین سو باسٹھ روپیہ جو میرے بذمہ زید واجب الوصول ہیں وضع
کر کے اپنے پاس رہنے دینا، زید بھی اس بات پر راضی ہو گیا، جب زید محکمہ رجسٹراری گیا، اور
قبالہ رجسٹری ہونے لگا، تو زید نے تین سو پچاس روپیہ دینے اقبال کئے، اور یہ کہا، کہ بارہ روپیہ
سود کے مشتری علاوہ زر قیمت مقررہ مکان مبیعہ کے دلوے، مشتری نے بوجہ معاملہ سود بارہ
روپیہ دینے سے انکار کیا، اس وجہ سے قبالہ رجسٹری نہیں ہوا، رجسٹرار نے واپس کر دیا، بعد ازیں
جو تقاضا بائع سے واسطے تصدیق کرانے قبالہ کے کہا گیا، تو وہ وعدہ امروز و فردا کرتا رہا، آخرکار
آخر ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ ہجری میں بائع فوت ہو گیا، اور بیعنامہ تحریر شدہ اقراری زید جو اس کے
دستخط و شہادت شعبان وغیرہ سے مزین و مرتب تھا، تصدیق کرانے سے رہ گیا، زید نے چار
وارث چھوڑے، ایک زوجہ ایک بیٹی، دو بیٹے، تینوں بچے بالغ ہیں، ان سے کہ ورثا سے بارہا
واسطے تکمیل کرانے بیعنامہ کے کہا، وہ آج کل کرتے رہے، جب زیادہ تاکید سے کہا گیا تو انہوں

۱؎ بیع کی چند ایک شرطیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیع کرنے والا عاقل اور باتمیز ہو۔

نے تکمیل بیعنامہ سے انکار کیا اور جواب دیا کہ جس نے بیعنامہ کیا تھا، وہ مر گیا، اب بیع فسخ ہو گئی، لہٰذا دریافت کیا جاتا ہے، کہ یہ بیع عند الشرع صحیح رہی یا فسخ ہو گئی، اور زید کے ورثاء پر تکمیل کرانا بیعنامہ کا لازم ہے یا نہیں، اور بصورت فسخ ہونے بیع کے جو بیس روپیہ زید نے لئے تھے، وہ اس کے ورثاء کو ادا کرنے پہنچتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں جب بیع قطعی ہو گئی، اور بعد وفات بائع کے وارثوں نے بھی معاملہ بیع کو تسلیم کر لیا، تو اب ورثاء کے ذمہ لازم ہے، کہ حسب قانون تصدیق بیع کرا دیویں، اور اگر فریقین کی رضامندی سے معاملہ فسخ ہو جائے تو زر بیعانہ مشتری کو واپس کر دیویں، لعربون ثمن عربنا بیعانہ مشتری کا رہتا ہے، جب تک مبیع مشتری کے قبضہ میں نہ جائے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ابو الحسن ابراہیم

فقیر محمد حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ فہیمن ورحیمن وکریمن ونصیبن نے اپنا مکان غیر مقسومہ قیمتی سو روپیہ کا جو کہ بذریعہ ترکہ کے حاصل ہوا تھا، بدست قادر خان برادر اپنے کے بیع کیا، اور بیع کے پیام وقرارداد میں صرف فہیمن تھی، کیونکہ مسماۃ مذکورہ سب کی بزرگ تھی یعنی کریمن ونصیبن کی دادی، ورحیمن کی پھوپھی تھی، لیکن چاروں بائعہ وقت تحریر بیعنامہ کے حاضر تھیں اور اجازت میں بھی شامل تھیں، مشتری کو حسب قانون سرکاری یعنی بعد اشتہار وغیرہ کے قبضہ دلایا گیا، اور اندراج نام سرکار میں کر دیا گیا، بعد ازاں قادر خان مشتری نے مکان مذکور کو اپنے بیٹے بہادر خان کو ہبہ کر دیا، بہادر خان نے از سر نو مکان کو تعمیر کیا، بعد اس کے بہادر خان حین حیات قادر خان پدر اپنے کے فوت ہو گیا، اس نے ایک بیٹی مسماۃ حکیمن اور اس کے شوہر نے اپنی ملکیت تصور کر کے عمارت عظیم الشان تیار کرائی، اب بعد انقضائے عرصہ بیس پچیس سال کے وبعد انتقال کریمن ونصیبن، رحیمن وخوہر نصیبن نے یہ دعوے کیا، کہ مسماۃ فہیمن نے بدون اطلاع رحیمن وکریمن وبحالت نابالغی نصیبن کے مکان مذکور فروخت کر دیا، زمین واپس دلائی جائے، آیا یہ دعوے رحیمن وشوہر نصیبن کا بعد انقضائے مدت مدید وخاموش رہنے ہر ایک مدعیان کے وقت تکمیل بیعنامہ کے کہ بذریعہ اشتہار سرکاری کے تمام مشتہر کیا گیا، ونیز مکان توڑ کر کے جدید تیار کیا گیا، اور ہر خاص وعام کو معلوم ہو گیا، مقبول ہو گا، یا بر قول فقہائے کرام کے لو باع عقارا وغیرہ وامراتہ او احد اقاربہ حاضر یعلم بہ ثم ادعی ابنہ مثلا انہ ملکہ لا تسمع دعواہ وجعل دعواہ

کالافصاح قطعا للتزویر ودفع الحیل بخلاف الاجنبی فانہ سکوتہ ولو جارا لایکون رضا الا اذا سکت الجار وقت البیع والتسلیم وتصرف المشتری فیہ زرعا وبناء فلا یسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوی قطعا للاطماع الفاسدۃ انتہی ما فی الشامی مردود وغیر مقبول ہوگا، دبر تقدیر قبول دعوی مدعیان بحالت عدم ثبوت اجازت وعلم دیگر یا لعان ونا البیت نصیبن جیسا کہ مدعیان کا دعوے ہے مکان حکیمن وشوہر حکیمن کا کہ لاکھوں روپیہ کی عمارت ہے منہدم کر کے اراضی کہ جس کی قیمت سو یا دو سو روپیہ کی ہوگی دلائی جاوے گی یا قیمت مکان سابق جو کہ معرض بیع کا تھا، بنابر قول فقہائے عظام والبیع الباطل لا یفید ملک التصرف ولو ھلک المبیع فیہ فیکون امانۃ عند بعض المشائخ لان العقد غیر معتبر فبقی القبض باذن المالک و عند البعض یکون مضمونا لانہ لا یکون ادنی حالا من المقبوض علی سوم الشراء قیل الاول قول ابی حنیفۃ والثانی قولھما انتہی اور بصورت نہیں دلانے جانے قیمت کے بلکہ وہی زمین جو کہ متنازع فیہ ہے، جس قدر کہ مکان ہدم کرنے میں خسارہ مدعی علیہ کا ہوگا مدعیان سے دلایا جائے گا یا نہیں، کیونکہ تھوڑی سی اراضی نکالنے میں مدعا علیہ کا لاکھوں روپیہ کا مکان منہدم ہو جائے گا، امید کہ ہر شق کا جواب مع تفصیل عنایت فرمایا جائے فقط بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں دعوی رحیمن وشوہر نصیبن کا مردود وغیر مقبول ہے، موافق قول فقہائے کرام کے، جو سوال میں مذکور ہے، اور بر تقدیر قبول دعوی مدعیان کے قیمت مکان سابق کی دلائی جاوے گی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق: تحریر قبالہ کے وقت اگر مسماۃ رحیمن و کریمن و نصیبن بالغہ تھیں، اور وہاں حاضر تھیں، اور ان کی اجازت سے مکان مذکور کا قبالہ لکھا گیا ہے، جیسا کہ سائل نے لکھا ہے، تو اس صورت میں رحیمن و شوہر نصیبن کا دعوے مردود و غیر مقبول ہوگا، اور اگر مسماۃ فہمین نے بدون

۱۔ اگر کوئی شخص اپنی غیر منقولہ یا کوئی جائیداد فروخت کرتا ہے اور اس کی بیوی یا اور کوئی قریبی رشتہ دار اس کے پاس موجود ہے جسے اس چیز کا علم ہے پھر اس کا بیٹا یا مثلاً دعوی ملکیت کرتا ہے تو اس کا دعوی قابل سماعت نہیں ہے اس کے مکر وفریب کے باعث اس کا دعوے سوائے ابراکرنے کے کچھ بھی نہیں ہوگا، برخلاف ایک اجنبی کے کہ اس کا خاموش رہنا اگرچہ وہ پڑوسی ہے، تو اس کا سکوت رضا نہیں ہوگا مگر اس صورت میں کہ ہمسایہ بیع وخریدار مشتری کے تصرف کے وقت خاموش رہے تو اس صورت میں اس کا دعوی غیر مسموع ہے اسی پر فتویٰ ہے تاکہ کوئی شخص ناجائز خواہش نہ کرے (شامی) ۲۔ باطل بیع ملکانہ تصرف کا فائدہ نہیں دیتی اگر چیز اس صورت میں ضائع ہوگئی تو بعض مشائخ کے نزدیک اس کی حیثیت امانت کی ہے کیونکہ یہ معاملہ معتبر نہیں، یہ قبضہ مالک کے اذن سے ہوگا بعض مشائخ ضمانت کے قائل ہیں کیونکہ یہ بیع کے مقابلہ میں مقبوض سے زیادہ قریب نہیں، کہا گیا ہے کہ پہلا قول ابو حنیفہ کا ہے اور دوسرا صاحبین کا۔

اطلاع رحیمن و کریمن و بحالت نابالغی نصیبن کے مکان مذکور کو فروخت کیا ہے، جیسا کہ مدعیان کا دعوی ہے، تو اس صورت میں مدعیان کو مکان سابق کی قیمت دلائی جاوے گی، اور مکان حکیمن و شوہر حکیمن کا جو لاکھوں روپیہ کی عمارت ہے منہدم کر کے اراضی نہیں دلائی جائے گی کیونکہ مکان کے منہدم کرنے میں مدعا علیہ کا لاکھوں روپے کا نقصان ہے، اور اگر مدعا علیہ اس نقصان کا متحمل ہو، تو بھی مکان منہدم کر کے اراضی نہیں دلائی جا سکتی، اس واسطے کہ اس میں اضاعت مال ہے، اور اضاعت مال ممنوع و ناجائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین دریں باب کہ یک قطعہ اراضی سکنی مشترکہ پنجاہ کس است و من جملہ آن ہشت کس یا نہ کس بلا تقسیم از طرف خود ہا تمام و کمال اراضی مذکورہ در غیبت چہل و یک کس باقی ماندہ بلا رضامندی ایشاں فروخت کردہ اند روئے شرع شریف ایں چنیں بیع جائز است یا نہ؟

الجواب: در صورت مرقومہ ایں چنیں بیع جائز نخواہد بود بے اجازت دیگر شرکاء چہ بیع کردن مال غیر را خواہ منقولے باشد یا غیر منقولے مانند زمین و مکان و باغ از طرف مالکش اگر فروختہ باشد بے اجازت آن موقوف خواہد ماند بر اجازت مالک آن و اگر بلا اجازت آن را ملک خود قرار دادہ خواہد فروخت، پس ایں بیع باطل خواہد شد بموجب روایت بحر الرائق و اشباہ، وقف بیع مال الغیر علی انہ لمالکہ قید بیبعہ لمالکہ لان بیعہ لنفسہ باطل کذا فی البحر والاشباہ عن البدائع کذا فی الدر المختار، و نیز ایں بیع بنا بر متعلق بودن حق شفعاء کہ خلیط در نفس بیع مستند باجازت ایشاں موقوف خواہد شد و آں ہشت کساں بے اطلاع و رضاء دیگر شرکاء کہ چہل و یک کس مستند حصہ ہائے خود فروختن نمی توانند و اگر بے اطلاع دیگر شرکاء فروختند دیگر آن را اختیار فسخ کنانیدن آن بیع را نیز میرسد، کہ آن را فسخ کنانیدہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک قطعہ اراضی رہائشی پنجاہ آدمیوں کا مشترک تھا، نو آدمیوں نے ان میں سے اس قطعہ کو بغیر دوسروں کی اطلاع کے فروخت کر دیا، کیا یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بیع درست نہیں ہے، کیونکہ کسی دوسرے آدمی کی چیز کوئی آدمی فروخت نہیں کر سکتا اگر فروخت کرے، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر اس کی طرف سے خود بیع کی ہے، تو اس کی اجازت پر یہ بیع موقوف رہے گی، اگر وہ اسے درست تسلیم کرے گا، تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں، اور اگر اس کو اپنی ملکیت قرار

یا خود ہا خرید کنند، چنانچہ در ہدایہ و شرح وقایہ و در مختار و فتاوے عالمگیری وغیرہ مذکور است و در حدیث شریف وارد است کہ ہر کہ زمین غیر را از راہ غصب خواہد گرفت ہفت طبقہ زمین در گردن او طوق کردہ خواہد شد یعنی در یں عذاب گرفتار خواہد شد، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: بیع سلم یعنی بدنی کرنا کاشتکار وغیرہ سے ساتھ نرخ معلوم کے گندم یا جو بصفت معلومہ اور ساتھ اجل معلوم کے درست ہے، بلا کراہت جیسا کہ کتب احادیث اور فقہ سے واضح ہوتا ہے، اور یہ شرط کر کے بدنی کرنا کہ بروقت فصل کے بازار کے نرخ سے سیر دو سیر مثلاً زیادہ لیں گے، جائز نہیں ہے شرعاً۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: اجابت استحساناً جائز اور درست ہے یعنی غلہ قرض لینا بنیا بقال سے ہر روز تھوڑا تھوڑا اور بعد چند روز کے حساب کر کے دام غلہ کا دے دینا ہوتا ہے، تو اس طرح کی بیع و شراء بنابر استحسان کے جائز ہے، چنانچہ در مختار و اشباہ و نظائر و عیون البصائر وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔ ما یستجیرہ الانسان من البیاع اذا حاسبہ علی اثمانہا بعد استہلاکہا فانہا جائزۃ استحساناً کذا فی القنیۃ وفی النہر جعلہ من قبیل البیع بالتعاطی کذا فی عیون البصائر وھکذا یستفاد من البحر الرائق واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین حررہ السید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے واسطے عمرو کے بلا فرمائش و طلب اس کے قفل بھیجا، اور قبل اس کے کہ عمرو کے پاس پہنچے قاسم نے بیچ ہی سے لے لیا، اور اپنے پاس رکھ لیا، اور عمرو کو نہ دیا، اور قیمت قفل کی زید کے پاس بھیج دی، بس سوال یہ

دے کر فروخت کرے، تو یہ بیع فاسد ہے، اور اپنی مشترکہ چیز بھی کوئی مالک دوسرے شرکاء کی اطلاع کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کو شفعہ کا حق ہے، وہ اس بیع کو فسخ کر سکتے ہیں، چنانچہ ہدایہ، شرح وقایہ، در مختار، فتاوی عالمگیری وغیرہ میں ایسا ہی مذکور ہے، اور حدیث میں ہے، کہ جو آدمی کسی کی زمین غصب کرے گا، تو قیامت کے دن اس زمین کے ساتوں طبقے اس کی گردن میں لٹکا دیئے جائیں گے یعنی وہ اس عذاب میں مبتلا رہے گا، واللہ اعلم

؂ اگر دوکاندار سے آدمی ادھار چیزیں لے کر کھالے، اور حساب کر کے بعد میں اس کی قیمت ادا کر دے تو یہ بیع استحساناً جائز ہے۔ استحسان یہ ہے کہ کسی چیز پر علت ظاہرہ کو چھوڑ کر علت خفیہ کی بنا پر جواز کا فتوی دینا، کہ عوام کو سہولت ہے)

ہے، کہ قاسم اور زید کے درمیان یہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں، اگر عمرو قاسم پر دعوے کرے، تو اس کا دعویٰ شرعاً صحیح ہوگا یا نہیں؟

سوال دوم: عمرو نے زید سے بعض چیزیں طلب کیں، زید نے حسب طلب عمرو کے پاس بھیج دیں، اور قبل اس کے کہ عمرو کے پاس پہنچیں قاسم نے بیچ میں ازراہ فریب و دغا کے لے لیں اور اپنے پاس رکھ لیں، تو اس صورت میں قاسم کی یہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں، اور اگر عمرو قاسم پر دعوے کرے، تو اس کا دعوے شرعاً صحیح ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جواب سوال اول، اس صورت میں زید سے جو بائع ہے پوچھنا چاہیئے کہ قاسم کے خریدنے سے راضی ہے یا نہیں، اگر راضی ہے، تو قاسم اور زید کے درمیان یہ بیع صحیح ہوئی، کیونکہ رضا بائع اور مشتری جو صحت بیع کے لئے شرط ہے وہ پائی گئی، اور اس صورت میں عمرو کا دعوے قاسم پر شرعاً صحیح نہیں ہو گا، اور اگر زید قاسم کے خریدنے سے راضی نہیں ہے بلکہ عمرو کے ساتھ بیع کرنے سے راضی ہے، تو اس صورت میں قاسم اور زید کے درمیان بیع صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ صحت بیع کے لئے رضا بائع و مشتری شرط ہے، اور وہ پائی نہیں گئی۔ البیع مبادلۃ المال بالمال بالتراضی فلن وجدت المبادلۃ بلا تراض لایکون بیعا شرعا کذا فی کتب الفقہ من الکنز والعینی وغیرھما۔ واللہ اعلم۔

جواب سوال دوم:۔ اس صورت میں قاسم خائن و غادر ہے، جب کہ زید اور عمرو کے درمیان ایک چیز کی بیع قرار پا گئی، تو اب قاسم کا بیچ میں ازراہ فریب و دغا کے لینا اور خریدنا ہرگز جائز نہیں اور اس کی یہ بیع صحیح نہیں ہوئی وکرہ[2] السوم علی سوم اخیہ وھو ان یرضی المتعاقدان بالبیع ویتقرر الثمن بینھما فیزید علیہ ویبطل بیعہ لقولہ علیہ السلام لایخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ ولا یسوم علی سوم اخیہ رواہ البخاری ومسلم کذا فی الکنز والعینی وغیرھما

---

[1] مال کا مال سے رضامندی کے ساتھ تبادلہ کا نام بیع ہے، اور اگر رضامندی کے بغیر تبادلہ ہو تو وہ شرعی بیع نہیں ہے، کتب فقہ میں ایسا ہی ہے [2] ایک بھائی کے نرخ پر نرخ بڑھانا جائز نہیں ہے، اور اس کی صورت یہ ہے، کہ دو خرید و فروخت کرنے والے جب رضامند ہو جائیں، اور قیمت مقرر ہو جائے، تو اس صورت میں ایک اور آدمی آکر کہہ دے کہ میں اس کی اتنی قیمت دینے کو تیار ہوں، اور اگر ابھی قیمت مقرر نہ ہوئی، تو پھر ہر آدمی نرخ بڑھا سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اور کوئی آدمی اپنے بھائی کے نرخ پر نرخ نہ بڑھائے، کتب فقہ و حدیث میں ایسا ہی ہے۔

من کتب الفقہ اور اس صورت میں دعوے عمرو کا قاسم پر شرعاً صحیح ہوگا، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ اس صورت میں کہ ان شہروں میں بیع سلم رس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں، اور رس عند العقد کسی جگہ موجود نہیں ہوتا، اور حضرت امام الہمام حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع سلم میں موجود ہونا مسلم فیہ کا وقت عقد سے وقت استحقاق تک شرط ہے، بخلاف امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک مسلم فیہ کا موجود ہونا عند العقد شرط نہیں وقت استحقاق کے ہونا اس کا شرط ہے، سو رس مذکور وقت استحقاق کے بکثرت موجود ہوتا ہے، اس صورت میں حنفی المذہب کو برائے رفع حرج اور ضرورت صحت بیع سلم کے قول امام شافعی پر عمل کرنا از روے اصول حنفیہ کے جائز ہے یا نہیں، اور خاتم المتاخرین ابن نجیم صاحب بحر رائق نے رسالہ بیع الوقف لا علی وجہ الاستبدال میں جو فرمایا ہے ویمکن ان یوخذ صحۃ الاستبدال من قول ابی یوسف رح وصحۃ البیع بغبن فاحش بقول ابی حنیفۃ رح بناء علی جواز التلفیق بین القولین قال فی الفتاوی البزازیۃ من کتاب الصلوۃ من فصل زلۃ القاری ومن علماء خوارزم من اختار عدم الفساد بالخطاء فی القراءۃ اخذا بمذہب الشافعی رح فقال لہ ابو الفوجی مذہبہ من غیر الفاتحۃ فقال للبا فوجی اخذت من مذہبہ الاطلاق وترکنا التقیید لما تقرر فی کلام محمد رح ان المجتہد یتبع الدلیل لا القائل حتی صح القضاء بصحۃ النکاح بعبارۃ النساء علی الغائب انتہی وما ذکر فی اخر التحریر من منع التلفیق فانما عزاہ الی بعض المتاخرین ولیس ھذا المذہب انتہی کلام صاحب البحر الرائق یہ قول صاحب بحر کا عند الفقہاء المحققین معتبر وقابل عمل ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: یہ قول صاحب بحر کا نزدیک فقہائے محققین کے معتبر اور مقبول ہے

لہ ہو سکتا ہے کہ صحۃ الاستبدال ابو یوسف کے قول سے حاصل کر لی جائے، اور صحۃ بیع بہ غبن فاحش ابو حنیفہ کے قول سے لے لی جائے، جواز تلفیق بین القولین کے طور پر، فتاوی بزازیہ کی کتاب الصلوۃ فصل زلۃ القاری میں لکھا ہے کہ علمائے خوارزم قرأت میں خطا ہو جانے سے عدم فساد نماز کے قائل ہیں، امام شافعی کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، امام محمد کا قول ہے، کہ مجتہد دلیل کی اتباع کرے نہ کہ قائل کی، اور تحریر کے آخر میں جو تلفیق کی مخالفت بیان کی گئی ہے، وہ بعض متاخرین کا مذہب ہے متقدمین کا نہیں۔

اور صاحب طحطاوی نے لکھا ہے، کہ نزدیک صاحب فتح القدیر کے تلفیق جائز ہے، اور قول سدید میں جو تصنیف استاذ الاستاذ صاحب طحطاوی کی ہے، مذکور ہے[1] وقد اشار المحقق فی التحریر الی عدم منع التلفیق وانہ لم یدر ما یمنع منہ۔ ونقل منع التلفیق عن بعض المتاخرین قال شارح تحریرہ العلامۃ ابن امیر الحاج وھو العلامۃ العراقی انفق خلق من فضلاء الاصولیین من المالکیۃ ولا علینا ان ناخذ بقولہ وقد وجدت عن بعض المشائخ ما یدل علی جوازہ وھو ما نقلہ فی البزازیۃ فقد حکم بصحۃ الحکم الملفق من المذھبین انتھی ما فی القول السدید لابن فروخ المکی اوحی فی البحر الرائق ان المقلد اذا قضی خلاف مذھبہ نفذ واقوی ما تمسک بہ ما فی البزازی ان لم یکن القاضی مجتھدا وقضی بالفتوی علی خلاف مذھبہ نفذ ولیس لغیرہ نقضہ ولہ نقضہ عن محمد رح وقال الثانی لیس لہ ان ینقضہ انتھی ما فی البحر الرائق مختصراً وھکذا فی الطحطاوی۔ پس معاملہ بیع سلم رس میں اوپر مذہب امام شافعی رح کے بلا تردد کریں، کیونکہ التزام ایک مذہب معین کا فرض وواجب نہیں ہے، چنانچہ مسلم الثبوت و تحریر ابن الہمام اور شرح بحر العلوم عبد العلی و مولانا نظام الدین وامیر الحاج و عقد الفرید و شرنبلالی و طحطاوی و رد المحتار وغیرہ میں مذکور ہے۔ کما لا یخفی علی العالم الماہر بالاصول والفروع، واللہ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین دریں کہ بیع الوفا عند الفقہاء الحنفیہ جائز است یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ دریں بیع اختلاف بسیار است میان فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ لیکن بنا بر

[1] محقق نے تحریر میں اشارہ کیا ہے کہ تلفیق منع نہیں ہے، بعض متاخرین نے تلفیق کو منع لکھا ہے مثلاً علامہ عراقی لیکن جب ہمارے ائمہ اس کے جواز کے قائل ہیں تو ہمیں ان کے قول کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بزازیہ میں ہے کہ تلفیق کا حکم صحیح ہے، بحر الرائق میں ہے کہ مقلد جب اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور بزازیہ میں ہے جب قاضی مجتہد نہ ہو اور کسی کے فتوی پر اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ نافذ ہوگا اور کوئی دوسرا اس کے فیصلہ کو توڑ نہیں سکتا ہاں وہ خود اپنے فیصلہ کو توڑ سکتا ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ علمائے احناف کے نزدیک بیع الوفا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس بیع کے بارے میں علمائے احناف میں بہت اختلاف ہے، لیکن بنا بر ضرورت

ضرورت اہل حاجت نزد مشائخ سمرقند وغیرہم جائز است ومفید بعض احکام بیع می شود یعنی انتفاع گرفتن بداں مشتری جائز است، نہ لزوم بیع برائے مشتری در اشباہ است. القاعدة السادسة من الخامسة الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت او خاصة ومنها الافتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على اهل بخارى وهكذا بمصر وقد سموه بيع الامانة والشافعية يسمونه الرهن المعاد وهكذا اسماه به في الملتقط انتهى ما في الاشباه قال المصنف ومن جعل البيع الجائز المعتاد يريد به بيع الوفاء وصورته ان يقول البائع للمشتري بعت منك هذا العين بمالك على من الدين على انى متى قضيت الدين فهولى او يقول بعت منك هذا العين بكذا على انى اذا دفعت اليك ثمنك تدفع العين الى وقد اختلف الناس فيه ومشائخ سمرقند جعلوه بيعا جائزا مفيدا لبعض الاحكام وهو الانتفاع به دون البيع والهبة على ما هو المعتاد بين الناس للحاجة اليه واختاره المصنف واشار اليه بقوله البيع الجائز المعتاد انتهى ما فى الهداية والعناية ومعنى قوله هو المعتاد انهم فى عرفهم لا يفهمون لزوم البيع بهذا الوجه بل يجوزونه الى ان يرد البائع الثمن الى المشترى ويفى المشترى برد المبيع على البائع من غير امتناع فلا يكون ذلك الا اذا لم يخرج عن ملكه ببيع وهبة ولهذا سموه بيع الوفا لانه وفى بما عهد من رد المبيع انتهى ما فى العناية ومن مشائخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا ببعض احكامه منهم الامام نجم الدين النسفى قال صاحب النهاية وعليه الفتوى انتهى ما فى العينى شرح الكنز قوله بيعا جائزا مفيدا لبعض الاحكام وهو حل الانتفاع دون البيع من غيره كذا قال السيد فى حاشية الهداية. مگر یہ عبارات قابل حجت نہیں، احتیاط ضروری ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین	حررہ سید محمد نذیر حسین

مشائخ سمرقند نے اس بیع کی اجازت دی ہے، اور بعض احکام بیع کا فائدہ دیتی ہے یعنی مشتری اس سے بیع کی طرح نفع اٹھا سکتا ہے، اہل بخارا و اہل مصر بھی اس کو جائز سمجھتے ہیں، اور اس کا نام انہوں نے بیع الامانت رکھا اور شوافع اس کو الرہن المعاد کہتے ہیں، بیع الوفا کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری کو کہے کہ میں یہ چیز تیرے ہاتھ اس قرض کے بدلے فروخت کرتا ہوں، جو مجھ پر ہے، بشرطیکہ جب میں تجھ کو قرض ادا کر دوں، تو تو یہ چیز واپس دے دینا، ہدایہ، عنایہ وغیرہ میں اس بیع کو جائز رکھا ہے، امام نجم الدین نسفی صاحب النہایہ اور شرح کنز میں بھی اسی کو جائز رکھا ہے۔

مسئلہ: عند الحنفیہ بیع مچھلی تالاب وندی و دریا کی قبل شکار کرنے اور پکڑنے کے بمقابلہ نقدین کے باطل ہے، اور بمقابلہ عروض وغیرہ ماسوائے نقدین کے فاسد ہے، چنانچہ شرح وقایہ و در مختار و طحطاوی وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے، پس حکم بیع باطل کا عدم ملک ہے اگرچہ بعد قبض کے ہو، اور حکم بیع فاسد کا مفید ملک ہے بعد قبض مبیعہ کے جیسا کہ کتب حنفیہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور جب فاسد میں مبیعہ مفید ملک مشتری ہوتا ہے، تو ثمن اس کا مفید ملک بائع بطریق ادلے ہوگا، چنانچہ علمائے ماہرین شریعت غراء پر مخفی نہیں، یہ صورت بیع مچھلی کی معلوم ہوئی اب صورت اجارہ کی اس سے معلوم کرنا چاہیے، تو صورت اجارہ مختلف فیہ ہے، لیکن بقول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجارہ دینا تالاب مچھلی درست ہے یعنی بنا پر ماہ دو ماہ کے مثلاً اجارہ دینا تالاب مچھلی کا کہ مستاجر میعاد مقررہ پر تالاب مچھلی سے فائدہ مند اور متنفع ہو جاوے۔ فی الدر المختار بیع سمک لم یصد لو بالعرض و الا فباطل لعدم الملک صدر الشریعة کذا فی الدر المختار ففی السمک الذی لم یصد ینبغی ان یکون البیع باطلا اذا کان بالدراھم والدنانیر و یکون فاسدا اذا کان بالعرض لانه ملک غیر متقوم لان التقویم بالاحراز والاحراز منتف ذکرہ العلامة نوح وهل یجوز اجارتها لصید السمک منها نقل فی البحر عن الایضاح عدم جوازها و نقل عن ابی یوسف فی کتاب الخراج عن ابی الزناد قال کتبت الی عمر بن الخطاب رض فی بحیرة یجتمع فیها السمک بارض العراق انوجرها فکتب الی ان افعلوا انتہی ما فی الطحطاوی مختصرا۔ پس حضرت عمر رض کے قول پر بعموم البلوے عمل جائز ہوگا، وکفی بہ قدوۃ واماما، واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

مسئلہ: معلوم کرنا چاہیے، کہ اطلاق ثمرہ کا زبان عرب میں اول ظہور شگوفہ سے

لہ جو مچھلی ابھی شکار نہ کی گئی ہو، اس کی بیع اگر سامان سے کی جائے تو فاسد ہے، ورنہ باطل ہے، کیونکہ وہ بائع کی ملک نہیں ہے، اور نہ وہ قیمت کا مستحق ہے، کیونکہ قیمت قبضہ کی ہے اور یہاں وہ مفقود ہے، علامہ نوح نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اور مچھلی ٹھیکہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؛ بحر میں ایضاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ ٹھیکہ جائز نہیں ہے لیکن امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ابو الزناد سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو لکھا، کہ عراق کی سرزمین میں ایک جگہ مچھلی بہت اکٹھی ہوتی ہے، کیا ہم اس کو ٹھیکہ پر دے دیا کریں، تو حضرت عمر رض نے اس کی اجازت دے دی، طحطاوی میں بھی ایسا ہی ہے۔

لے کے تا بہ نہایت پختگی پر اس کے ہوتا ہے، پس مذہب حنفی میں بنا بر قول اصح کے بیع ثمرہ اور میوہ کے بعد ظہور شگوفہ تخمینا در میوہ خام محض کہ قابل انتفاع آدمی و دواب کے بالفعل نہ ہو جائز ہے، کیونکہ نفع لینا اس سے عام ہے کہ فی الحال نفع اٹھانا اس سے حاصل ہو یا ثانی الحال فی المآل ہو، اور ظہور شگوفہ ولیکن ثمرہ خام محض منتفع بہ ہونا اس سے فی المآل متحقق ہے اور دلائل اس کے بتحقیق تمام فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہیں، پس اس صورت میں بیع انبہ کی بروقت ظاہر ہونے تمام و کمال مور و منجر کے یا بروقت ظہور پھل برابر دانہ نخود کے مثلا نمایاں ہو گیا ہو اور بر قول اصح کے مذہب حنفی میں جائز ہو گی، چنانچہ ہدایہ و کفایہ و عنایہ و بحر الرائق و در مختار و طحطاوی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، لیکن بیع مذکور مطلقا ہو یعنی بشرط قطع نہ ہو، کہ مشتری کو مضر ہے، اور بشرط ترک نہ ہو، کہ موجب فساد ہو، مطابق مذہب حنفی کے اور بعد خرید لینے مطلقا کے باذن بائع تا ادراک اور پختگی اس کے درخت پر رہنے دے تو کل میوہ طیب ہو گا، مشتری کو اور در صورتے کہ بعض پھل ظاہر ہوا، اور بعض ظاہر نہ ہوا ہو تو ہم بنا بر فتوے شمس الائمہ حلوانی کے بیع جائز ہو گی، بنظر عرف و عادت لوگوں کے، چنانچہ در مختار و طحطاوی سے مستفاد ہوتا ہے، اور نزدیک ائمہ ثلاثہ کے قبل ادراک و پختگی کے بیع ناجائز اور بشرط عدم قطع جائز ہے بنا بر عرف و عادت کے کما لا یخفی علی ماہر کتب الائمۃ الثلثۃ من باع ثمرۃ لم یبدا صلاحہا او قد بدا جاز البیع لانہ مال متقوم اما لکونہ منتفعا بہ فی الحال او فی المآل وقیل لا یجوز قبل ان یبدو صلاحہا والاول اصح انتہی ما فی الہدایۃ۔ ولم یبد صلاحہا بان لم یصلح لتناول بنی ادم وعلف الدواب کذا فی الکفایۃ وھکذا فی المعدن ومن باع ثمرۃ بارزۃ اما قبل الظہور فلا یصح اتفاقا ظہر صلاحہا او لا صح فی الاصح قال فی المصباح الثمرۃ ھو الحمل الذی تخرجہ الشجرۃ سواء اکل ام لا فیقال ثمر الاراک وثمر العوسج کما یقال ثمر النخل

لے اگر کوئی آدمی پھل پکنے سے پہلے فروخت کرے، یا ابھی پھل پکنا شروع ہی ہوا ہو، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ یہ مال متقوم ہے، خواہ اس کا نفع فی الحال اسے میسر آ سکتا ہو یا بالآخر اس کا نفع اس کو پہنچتا ہو، بعض اس بیع کو جائز نہیں سمجھتے لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ ہدایہ میں مرقوم ہے، اور پھل پکنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمیوں یا مویشیوں کے کھانے کے قابل ہو جائے، اور معدن کا بھی یہی حکم ہے، اگر کوئی ایسا پھل بیچے جو ابھی ظاہر بھی نہ ہوا ہو، تو یہ بیع بالاتفاق صحیح نہیں ہے، مصباح میں کہا ہے، کہ ثمرہ وہ پھل ہے، جو کوئی

وثمر العنب قال الازهری وا ثمر الشجر اطلع ثمرة اول ما يخرجه فهو مثمر انتهى محل الخلاف البيع بعد الظهور قبل بدو الصلاح مطلقا اى لا يشترط القطع ولا يشترط الترك فعند الائمة الثلاثة لا يجوز وعندنا يجوز وقد بين الكمال الدلائل مع التحقيق فى فتح القدير انتهى ما فى الطحطاوى مختصرا ولو برز بعضها دون بعض لا يصح فى ظاهر المذهب صححه السرخسى وافتى الحلوانى بالجواز لو الخارج اكثر زيلعى. ويقطعها المشترى فى الحال جبرا عليه وان شرط تركها على الاشجار فسد البيع كشرط القطع على البيع حاوى وقيل قائله محمد رحمة الله عليه لا يفسد اذا تناهت الثمرة للتعارف فكان شرطا يقتضيه العقد وبه يفتى قيد باشتراط الترك لانه لو شراها مطلقا وتركها باذن البائع طاب له الزيادة انتهى ما فى تنوير الابصار والدر المختار مختصرا وكان الحلوانى يفتى فى الكل بجوازه زعما انه مروى عن اصحابنا وهكذا حكى عن الامام الفضلى وكان يقول الموجود وقت العقد اصل وما يحدث تبع نقل شمس الائمة عنه ولم يقيده بكون الموجود وقت العقد اكثر بل قال عنه اجعل الموجود اصلا فى العقد وما يحدث ذلك تبعا وقال استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم ذلك عادة ظاهرة وفى نزع الناس عن عاداتهم حرج انتهى هكذا فى الطحطاوى ومن باع ثمرة بدا صلاحها او لا صح البيع لانه مال متقوم منتفع به فى الحال او فى المآل وقيل لا يجوز قبل ان يصير منتفعا به فى الحال لانه يستحق القطع فصار كالمقطوع فلم يكن منتفعا به حالا ومالا والاول اصح وعلى هذا الخلاف بيع الزرع قبل ان يتناوله المشافر والمناجل والاصح الجواز لانه منتفع به فى المآل وعند الثلاثة لا يجوز قبل الادراك الا اذا اشترط عدم القطع كذا فى العينى شرح الكنز۔

درخت نکالے، خواہ وہ کھایا جاتا ہو، یا نہ کھایا جاتا ہو، اور شروع نکلنے سے لے کر پھل کے کھانے کے قابل ہونے تک ثمر ہی کہلاتا ہے، اختلاف اس زمانہ کے متعلق ہے، کہ پھل ظاہر ہو چکا ہو، اور ابھی کھانے کے قابل نہ ہوا ہو، اس صورت میں بیع مطلق رکھنی چاہیئے، قیمت کا تعین نہ کرنا چاہیئے، کہ اس میں مشتری کا نقصان ہے، اور عقد کے وقت کسی چیز کا موجود ہونا، اصل ہے، اور اس کے حالات میں جو تبدیلی ہوتی ہے وہ اس کی فرع ہے، لیکن اس کی بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، امام حلوانی استحساناً مطلقاً بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ طحطاوی وغیرہ میں مذکور ہے، یہی حکم کھیتی وغیرہ کا کٹائی سے پہلے ہے۔

حاصل جواب بروجہ جواز بیع ثمار انبہ وغیرہ کا اسی طرح پر چاہیئے، کہ بروقت ظہور ثمرہ بصفت مذکورہ بالا کے بیع مطلقاً منعقد ہو جاوے، درمیان بائع و مشتری کے اس وجہ پر کہ شرط قطع و شرط ترک کا عقد بیع میں مذکور و مقرر نہ ہو، بلکہ عقد بیع مطلقاً ہو جاوے، اور بعد انعقاد بیع مطلق کے مشتری باذن یا اجازت بائع کے تا پختگی ثمرہ مجاز ہو درخت پر سے توڑ لینے میوہ کا، یا اس طرح پر عقد منعقد ہو، کہ اوپر مذہب حنفی کے جواز بیع قبل ظہور صلاحیت ثمرہ و میوہ کے اور شرط ترک کا تا ادراک ثمرہ اوپر مذہب ائمہ ثلاثہ کے بناء بروجہ تلفیق کے، اور جواز تلفیق کا فتاویٰ بزازیہ وغیرہ سے صاف واضح ہوتا ہے، قال فی فتاوی البزازیہ[1] من کتاب الصلوۃ من فصل زلۃ القاری ومن علماء خوارزم من اختار عدم الفساد بالخطاء فی القراءۃ اخذا بمذهب الامام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فقال لہ ابا فوجی من ھب من غیر الفاتحۃ فقال ابا فوجی اخذت من من ھب الاطلاق وترکت القید انتہی وما وقع فی اخر تحریر ابن الھمام من منع التلفیق فانما عزاہ الی بعض المتاخرین ولیس ھذا المذہب انتہی ما فی الرسالۃ الزینیۃ یعنی للشیخ زین بن الشیخ المرحوم ابراھیم بن المرحوم نجیم الحنفی تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ ورضوانہ وھکذا فی القول السدید للعلامۃ عبد العظیم بن الملا فروخ المکی وغیرہ۔ اور صحیح بخاری میں اس طرح باب منعقد کیا ہے، کہ باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا اور حکم اس مسئلہ میں جزماً جواز و عدم جواز کا نہ دیا بلکہ مطلق چھوڑا القوتہ الاختلاف فیہا بین العلماء عن زید بن ثابت قال کان الناس فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتبایعون الثمار فاذا جذ الناس وحضر تقاضیھم قال المبتاع انہ اصاب الثمر الدمان اصابہ امراض اصابہ قشام عاھات یحتجون بھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کثرت

---

[1] فتاوی بزازیہ کی کتاب الصلوۃ کی فصل زلۃ القاری میں ہے، علمائے خوارزم میں سے بعض وہ بھی ہیں جو قرات میں خطا کی وجہ سے نماز کے عدم فساد کے قائل ہیں، اور انہوں نے امام شافعی کے مذہب پر فیصلہ کیا ہے، باقوجی نے کہا، میں نے مطلق مذہب قبول کیا ہے، اور قید چھوڑ دی ہے۔

[2] اس میں علماء کا اختلاف اس لئے ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ پھل خریدتے اور بیچتے تھے، جب باغ کی کٹائی ہوتی، اور بائع قیمت کی وصولی کے لئے آتا، تو مشتری کہتا، اس کو فلاں آفت پہنچی فلاں حادثہ ہوا وغیرہ وغیرہ، جب اس قسم کے جھگڑے زیادہ ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

عنده الخصومة في ذلك فاما لا فلا تبتاعوا حتى يبدو صلاح الثمر كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم انتهى ما في صحيح البخاري مختصرا۔ قال ابن ابي ليلى والثوري لا يجوز بيع الثمرة قبل ان يبدو صلاحها مطلقا ورد هو من نقل الاجماع على البطلان و قال يزيد بن ابي حبيب يجوز مطلقا ولو بشرط التبقية ورد هو من نقل الاجماع فيه وقالت الحنفية يصح ان لم يشترط التبقية والنهي محمول على بيع الثمار قبل ان يوجد اصلا وقيل هو على ظاهره لكن النهي فيه للتنزيه انتهى ما في الفتح والعيني مختصرا اور لفظ مشورہ کا مشعر ہے نہی تنزیہی پر کما لا یخفی علی المتفطن۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و شرع متین کہ بیع بالوفا عند الشرع جائز است یا نہ بینوا توجروا

الجواب:۔ ارباب فطانت و دیانت پر مخفی نہیں، کہ رسم و رواج دلعا ل بیع الوفا کا قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں پایا نہیں گیا، بعد مدت دراز قرون ثلاثہ کے چند علمائے متاخرین بخارا و سمرقند وغیرہ نے صورتیں بیع الوفاء کی اختراع کیں اور نکالی ہیں، اور قواعد و ضوابط ائمہ اربعہ وغیرہ سے منع ہونا اس بیع الوفاء کا واضح ہوتا ہے، اور جس چیز کی اصل شرع سے نہ پائی جاوے وہ چیز منہی عنہا اور غیر مشروع ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد كما رواه البخاري وغيره من المحدثين هذا الحديث معدود من اصول الاسلام وقاعدة من قواعده فان معناه من اخترع في الدين ما لا يشهد له اصل من اصوله فلا يلتفت اليه وقال النووي شارح مسلم هذا الحديث

وسلم نے فرمایا پھلوں کے پکنے سے پہلے خرید و فروخت نہ کیا کرو، ابن ابی لیلی اور ثوری کہتے ہیں، کہ پھل پکنے سے پہلے پھل کی خرید و فروخت مطلقا جائز نہیں ہے، اور جو اس کے بطلان پر اجماع نقل کرتا ہے، وہ غلط کہتا ہے، یزید بن ابی حبیب اس کو مطلقا جائز کہتے ہیں، اور جو اس کے جواز پر اجماع نقل کرتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہے میں کہتا ہوں جن احادیث میں نہی وارد ہے، وہ نہی تنزیہہ پر محمول ہے۔

ل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی ایسا کام کرے، جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، تو وہ کام مردود ہے جیسا کہ امام بخاری اور دیگر محدثین سے مروی ہے، یہ حدیث اصول اسلام میں شمار کی جاتی ہے مطلب اس کا یہ ہے، کہ ہر وہ کام جس کا اصل اسلام میں نہ ہو، وہ توجہ کے قابل نہیں ہے، نووی نے کہا اس حدیث

مما یعتنی بحفظہ واستعمالہ فی ابطال المنکرات واشاعتہ الا ستدلال بہ کن لک انتہی ما فی فتح الباری شرح صحیح البخاری مختصراً۔ اور باوجود اس احداث واختراع کے دانے مخترعین کی بھی اس میں مختلف ہیں اب بیان اختلاف چند علماء متاخرین مخترعین کا سنو کہ صدر شہید تاج الاسلام وصدر شہید حسام الدین نے بیع الوفا کو بمنزلہ بیع المکرہ کے گردانا ہے، ثم من یجعل بیع الوفاء بمنزلۃ بیع المکرہ الصدر الشہید تاج الاسلام وصدر الشہید حسام الدین کان الفساد باعتبار فوت الرضا کذا فی الھدایۃ والکفایۃ والعینی شرح الکنز۔ اور دوسری وجہ فساد بیع الوفاء کی یہ ہے، کہ بیع مذکور بشرط فسخ واسترداد اور واپسی مبیعہ کے منعقد ہوتی ہے۔ لہ بیع الوفاء ھو ان یقول البائع للمشتری بعت منک ھذا بمالک علی من الدین علی انی متی قضیت الدین فھولی کذا فی الکفایۃ وغیرھا۔ ثم اذا ذکر الفسخ فیہ او قبلہ او زعماہ غیر لازم کان بیعا فاسدا۔ ترجمہ پھر جب کہ عاقدین نے بیع الوفاء کے اندر یا قبل اس کے فسخ کو ذکر کیا، یعنی شرط کیا، یا دونوں نے اسے بیع غیر لازم گمان کیا تو بیع فاسد ہوگی۔ ولو بعدہ علی وجہ المیعاد جاز وفی الظہیریۃ لو ذکر الشرط بعد العقد یلتحق بالعقد عند ابی حنیفۃ ولم یذکرانہ فی مجلس العقد او بعدہ اور ظہیریہ میں ہے، کہ اگر شرط مذکور ہوئی بعد عقد کے تو وہ شرط عقد کے ساتھ لاحق ہوگی نزدیک ابو حنیفہ کے، اور صاحب ظہیریہ نے یہ ذکر نہیں کیا، کہ ذکر شرط مجلس عقد میں ہوا یا بعد اس کے، یہ در مختار میں مذکور ہے، اور کہا صاحب طحطاوی محشی در مختار نے کہ جب شرط فسخ امام کے نزدیک ملحق عقد سے ہوئی، تو بیع فاسد ہوگی، اگرچہ شرط بعد مجلس ہو انتہی کلامہ تیسری وجہ فساد کی یہ ہے، کہ شرط خیار فسخ کا بیع الوفاء میں زیادہ تین دن سے معمول رہا ہے اور زیادہ تین دن سے عام ہے، کہ چار دن زیادہ ہو، یا چار مہینے یا چار برس ہو مثلاً حالانکہ شرط خیار فسخ کا بیع میں زیادہ تین دن سے نہیں ہے، پس اگر زیادہ تین دن سے خیار فسخ کا ہوگا تو بیع فاسد ہوگی، چنانچہ اس بات میں تمام متون وشروح وفتاوے حنفیہ مظہر وشاہد ہیں۔ قال[۲] فی الھدایۃ خیار الشرط جائز فی البیع للمشتری والبائع ولھما الخیار ثلثۃ

کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے، تاکہ منکرات کے ابطال میں کام دے سکے۔ لہ بیع الوفاء یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے، کہ میں تجھ کو یہ چیز تیرے قرض کے عوض فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ جب میں تیرا قرض ادا کردوں تو یہ چیز مجھے واپس کردینا۔ ۲ہ ہدایہ میں ہے، کہ خیار شرط بائع اور مشتری دونوں کے لئے تین دن تک جائز ہے، اور اس

ایام فسادونهما والاصل فیه ماروی ان حبان بن منقذ بن عمرو الانصاری کان یغبن فی البیاعات فقال له النبی علیه الصلوٰة والسلام اذا بایعت فقل لا خلابة ولی الخیار ثلاثة ایام ولا یجوز اکثر منها عند ابی حنیفة وهو قول زفر والشافعی ولابی حنیفة رحمة الله علیه ان شرط الخیار یخالف مقتضی العقد وهو اللزوم وانما جوزناه بخلاف القیاس لما رویناه من النص فیقتصر علی المدة المذکورة فیه وانتفت الزیادة انتهی ما فی الهدایة مختصرا قوله فیقتصر علی المدة المذکورة فیه وانتفت الزیادة وذکر فی المبسوط وابو حنیفة رحمة الله علیه استدل بالحدیث بان النبی علیه الصلوٰة والسلام قدر الخیار بثلاثة ایام والتقدیر الشرعی انما یکون لمنع الزیادة و النقصان او لمنع احدهما وهذا التقدیر لیس لمنع النقصان فان اشتراط الخیار دون ثلاثة ایام یجوز فعرفناه انه لمنع الزیادة اذ لو لم یمنع الزیادة لم یبق لهذا التقدیر فائدة کذا فی الکفایة وغیرها من شروح الهدایة۔

اب واضح ہو، کہ مجوزین بیع الوفا نے اس مسئلہ میں مذہب و مسلک اپنے امام کا چھوڑ کر غیر مسلک امام کا اختیار کیا، قطع نظر حدیث مذکور بالا سے، اور سید امام شجاع و علی السغدی نے اس بیع مذکور کو رہن قرار دیا، اور رہن ہونے پر وار و مدار رکھا۔ ومنهم من جعله رهنا لقصد المتعاقدین وهذا لان المتعاقدین وان سمیا بیعا ولکن غرضهما رهن والعبرة فی العقود

کی دلیل حضرت حبان بن منقذ بن عمرو الانصاری کی روایت ہے، کہ بیع کے وقت انہیں اکثر دھوکہ لگ جاتا، اس کی شکایت انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کی آپ نے فرمایا، کہ بیع کے وقت کہہ دیا کرو، کہ مجھے دھوکہ نہ دینا، اس کے بعد بیع کے فسخ اور عدم فسخ میں تمہیں تین دن تک اختیار ہے، ابو حنیفہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ تک خیار جائز نہیں، امام شافعی اور زفر کا بھی یہی مذہب ہے، ابو حنیفہ فرماتے ہیں، کہ شرط خیار اصل میں مقتضی عقد کے منافی ہے جو کہ لزوم ہے لیکن نص کے مقابلہ میں ہم نے قیاس ترک کر دیا ہے، لہذا مدت مذکورہ پر اقتصار کیا جائے گا، اور زیادت منتفی ہوگی۔ انتہی ما فی الہدایہ مختصرا مبسوط میں ہے، کہ امام ابو حنیفہ نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مدت خیار تین دن جائز رکھی ہے، نیز تقدیر شرعی (شرعی طور پر وقت مقرر کرنا) کمی بیشی کو منع کرنے کے لئے ہوا کرتا ہے، یا دونوں میں سے ایک کے صورت مسئولہ میں تقدیر شرعی کمی کے لئے جائز نہیں، کیونکہ تین دن سے کم خیار بالاتفاق جائز ہے، معلوم ہوا کہ حدیث پاک میں خیار کا تعین زیادت کو منع کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اگر زیادت کے لئے مانع بھی نہ ہو، تو تقدیر شرعی کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا، کذا فی الکفایۃ وغیرہا من شروح الہدایۃ۔ ؎ امام ابو شجاع اور علی السغدی بیع الوفا کو متعاقدین رہائع و

للمعانی فالکفالة بشرط براءة الاصیل حوالة والحوالة بشرط ان لا یبرأ کفالة والتوهیبة الحرة نفسها مع تسمیة المهر نکاح والاعارة باجر اجارة وللبائع استرداده اذا قضی دینه لا فرق بینه وبین الرهن فی حکم من الاحکام وکان السید الامام ابو شجاع هکذا اوصی بنیه عند موته بهذا وحین قدم القاضی الامام علی السغدی من بخارا الی السمرقند فاستفتی بهذا فکتب انه رهن ولیس ببیع ففرح السید الامام بموافقة فتواه وسئل القاضی الحسن الماتریدی عمن باع داره من اخر بثمن معلوم بیع الوفاء وتقابضا ثم استاجرها من المشتری مع شرائط صحة الاجارة وقبضها ومضت المدة هل یلزمه الاجرة فقال لا لانه عندنا رهن والراهن اذا استاجر من المرتهن لا یجب علیه الاجرة بهذه الاجارة فکذا هذا انتهی ما فی الکفایة وغیرها من الکتب الحنفیة۔

اور جب بیع الوفاء بدلیل سابق رہن حقیقۃً قرار پایا نزدیک امام حسن ماتریدی و سید ابو شجاع و قاضی علی سغدی کے، اور کتاب وثیقہ بیع الوفاء میں شرط نفع لے لینے مشتری اور راہن کے مندرج اور مشروط ہوتی ہے، تو یہ نفع مشروط خالی عن العوض بلاریب ربا میں داخل ہے اور عیاں راچہ بیان، یہ تو عرف عام شرقاً وغرباً ہو رہا ہے کہ مرتہن اور مشتری بقصد انتفاع کے معاملہ عقد بیع الوفاء و رہن کیا کرتے ہیں، اور جس چیز میں نفع متصور نہ ہو اس میں یہ معاملہ نہیں

مشتری کی غرض اور قصد کے پیش نظر رہن قرار دیتے ہیں، تاہم اگرچہ وہ اس کا بیع رکھتے ہیں لیکن درحقیقت یہ بیع نہیں ہے بلکہ رہن ہے، عقود میں معانی اور اسباب معتبر ہوتے ہیں، کفالت اس شرط کی بنا پر معتبر ہے کہ اصل بری ہو، حرہ عورت مقرو مہر کے بعد اگر اپنا نفس ہبہ بھی کرے، تو وہ نکاح ہوگا اسی طرح اعارہ اگر اجر کے ساتھ ہو تو وہ اجارہ متصور ہوگا بیع الوفاء میں بائع کو مبیع واپس کرنا ہوگا، اگر مشتری قرض واپس کرے اس میں اور رہن میں کسی حکم میں بھی اختلاف نہیں سید امام ابو شجاع کا یہی مذہب تھا، اور وفات کے وقت انہوں نے اپنے بیٹوں کو اسی مذہب کے اختیار کرنے کی وصیت کی تھی امام قاضی علی السغدی جب بخارا سے سمرقند تشریف لائے اور ان سے اس کے متعلق فتوی پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ رہن ہے، امام ابو شجاع اس فتوی پر بہت خوش ہوئے، قاضی حسن ماتریدی سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے بیع الوفاء کے ساتھ اپنا گھر بیع دیا اور مشتری نے لے لیا اس کے بعد بائع نے مشتری سے وہ مکان اجارہ پر لے لیا اب کیا مدت کے گذرنے پر اسے اجرت دینا لازم ہوگی، انہوں نے فرمایا ہمارے نزدیک یہ رہن کی صورت ہے، اور راہن جب مرتہن سے اجارہ پر کوئی چیز لے تو اس پر اجرت لازم نہیں آتی اسی طرح اس صورت میں ہے، انتہی ما فی الکفایۃ وغیرہا من الکتب الحنفیۃ۔

كرتے[1] المعروف كالمشروط كما في سائر الكتب الحنفية الربا هو لغة مطلق الزيادة وشرعا فضل خال عن عوض مشروط لاحد المتعاقدين انتهى ما في تنوير الابصار مختصرا قوله اى بائع و مشترى مثلا فمثلهما المقرضين والراهنين قهستانى قال ويدخل فيه ما اذا شرط الانتفاع بالرهن كالاستخدام والركوب والزراعة واللبس وشرب اللبن واكل الثمر فان الكل ربا حرام كما في الجواهر والتتف انتهى كذا في الطحطاوى وفي المضمرات ولو رهن شاة فقال له الراهن كل ولدها واشرب لبنها فلا ضمان عليه وكذا لو اذن له في ثمرة البستان فصار اكله كاكل الراهن ثم نقل عن التهذيب انه يكره للمرتهن ان ينتفع بالرهن وان اذن له الراهن قال المصنف وعليه يحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لا يحل للمرتهن ذلك ولو بالاذن لانه ربا قلت وتعليله يفيد انها تحريمية فتامله انتهى ما في الدر المختار ـ اور مضمرات ميں ہے اگر بكرى گرو ركھے، سو مرتہن سے راہن نے كہا كہ اس بكرى كا بچہ كھا اور دودھ پی، پس تاوان نہیں اس پر اور اسی طرح اگر راہن نے مرتہن كو باغ كے پھلوں میں اذن دیا، تو مرتہن كا كھانا راہن كے كھانے كے برابر ہوا پھر صاحب مضمرات نے تہذیب سے نقل كیا، كہ مرتہن كو نفع حاصل كرنا مرہون سے مكروہ ہے، اگرچہ اس كو راہن نے انتفاع كا اذن دیا ہو، اور مصنف نے شرح میں كہا اور اسی كراہت پر محمول ہے، جو محمد بن اسلم سے یہ منقول ہے كہ مرتہن كو یہ حلال نہیں، اگرچہ انتفاع باذن راہن كے ہو، كیونكہ یہ بیاج ہے میں كہتا ہوں، اور تعلیل اس كی اس كے مفید ہے، كہ مقرر كراہت تحریمی ہے انتہى ما فی الدر المختار

[1] معروف چیز مشروط ہی كی طرح ہوتی ہے، تمام حنفی كتابوں میں ایسا ہی ہے، كہ ربا لغت میں بڑھنے كو كہتے ہیں اور شریعت میں اس زیادت كا نام ہے، جو عوض سے خالی ہو، اور عقد كرنے والوں میں سے ایك كے ذمہ لازم ہو، اور رہن اور قرضہ لینے دینے والے بھی بائع اور مشتری كی طرح ہیں، طحطاوی اور جواہر میں ہے، كہ اگر رہن سے نفع اٹھانے كی شرط كر لی جائے، جیسے غلام سے خدمت لینا، جانور پر سواری كرنا، زمین سے غلہ لینا كپڑے كو پہننا، دودھ كو پینا، اور پھلوں كو كھانا، تو یہ سب سود ہے اور حرام ہے، مضمرات میں ہے، كہ اگر راہن مرتہن كے پاس بكری رہن ركھے، اور اسے كہے، كہ تو اس كا دودھ پی سكتا ہے اور اس كے بچے كو كھا سكتا ہے یا باغ رہن ركھے، اور بلا قیمت اس كا پھل كھانے كی اجازت دے دے، تو بھی یہ سود ہوگا، تہذیب میں ہے، كہ راہن اگر مرتہن كو شے مرہونہ سے نفع كی اجازت بھی دے دے، تو بھی وہ سود ہے كیونكہ وہ اصل قرضہ پر زیادت ہے۔

لا الانتفاع به مطلقا الا باذن کل للاخر وقیل لا یحل للمرتهن لانه ربوا کذا فی تنویر الابصار[1] اور کہا بعضوں نے کہ فائدہ لینا مرتہن کو جائز نہیں، اگرچہ راہن اجازت دے، اس واسطے کہ یہ تو بیاج ہے، دلیل سود بیاج کی یہ ہے، کہ جب مرتہن نے اپنا دین پورا پایا، تو جو منفعت حاصل کی، وہ فضل خالی عوض سے ہے، یہی تو بیاج ہے، اور درمختار میں مذکور ہے ان شرطه کان ربوا والا لا۔[2] اور بعضوں نے کہا کہ اگر عقد رہن میں استیفار منافع شرط کر لیا ہے، تو بیاج ہے، اور اگر شرط نہیں تو بیاج نہیں۔ اقول یہ اس صورت میں ہے، جب کہ عرف و عادت نہ ہو، لوگوں کی، کیونکہ غالب حال لوگوں کا یہی ہے، کہ رہن رکھنے سے انتفاع کا قصد رکھتے ہیں، اور جو فائدہ متوقع و متصور نہ ہو تو قرض نہ دیں، تو یہ بمنزلہ شرط کے ہے، اس واسطے کہ معروف کالمشروط ہے، یہ تائید ہے عدم جواز کی کذا فی الطحطاوی۔ لا یکره اذا لم یکن مشروطا قالوا انما یحل ذالک عند عدم الشرط اذا لم یکن فیه عرف ظاهر فان کان یعرف ان ذلک یفعل کذلک فلا کذا فی فتح القدیر فی باب الحوالة، اور صاحب ہدایہ نے یہ حدیث نقل کی ہے نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن قرض جر نفعا انتهی۔ یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرض دینے سے، کہ جو نفع کھینچ لا دے[3] یعنی بقصد منفعت لینے کے قرض دینا منهی عنه و ممنوع ہے، یہ بھی بقید شرط و بلا شرط دونوں پر وارد ہے کما لا یخفی علی المتدین المنصف انتهی ملخصاً۔

اور جامع صغیر سیوطی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کل قرض جر منفعة فهو ربا انتهی یعنی جو قرض نفع کھینچے پس وہ سود و بیاج ہے، اور بعض علمائے متاخرین نے جو لکھا ہے، کہ باذن راہن مرتہن کو نفع لینا مرہون سے جائز ہے، ایسے اذن سے دروازہ سود خواری کا کھول دیا انہوں نے، کیونکہ یہ اجازت اور اذن راہن کا اضطراری ہے یعنی اگر راہن نفع لینے کا اذن نہ دے، تو مرتہن قرض نہ دے راہن کو، اور راہن کو ضرورت قرض لینے کی ہے، تو یہ اذن دینا راہن کا مرتہن کو معتبر نہیں ہے، اور پہلے معلوم ہو چکا کہ عرف عام ہو رہا ہے، غرباء و شرفاء کہ جب تک

[1] متعاقدین میں سے ہر ایک نفع حاصل کرتا ہے لیکن مرتہن شئے مرہونہ سے نفع نہیں لے سکتا، کیونکہ وہ سود ہے۔
[2] اگر مرتہن شئے مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط کرے، تو وہ سود ہے، ورنہ نہیں [3] اگر نفع کی شرط نہ ہو، تو پھر نفع اٹھانا مکروہ نہیں ہے، لیکن یہ اس وقت ہے، جب عرف میں فائدہ اٹھانا دستور نہ ہو، اگر دستور ہو، تو پھر جائز نہیں
[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرضہ سے منع فرمایا، جو نفع لائے۔

راہن اذن دیدے، مرتہن کو نفع لینے کا تو قرض نہیں دیتا اور معاملہ رہن کا نہیں کرتا، تو یہ معروف کالمشروط ہے، چنانچہ پہلے فتح القدیر اور طحطاوی سے ممانعت ایسے اذن اضطراری اور لاچاری کی مذکور ہو چکی، ہاں اگر اذن اختیاری بطور عاریت کے دے، تو مضائقہ نہیں لیکن ایسا اذن مفقود عنقا کردار ہے۔ لما اباح لہ السکنی اخذ حکم العاریۃ حتی لو اراد منعہ کان لہ ذلک کذا فی الدر المختار۔ ترجمہ یعنی کسی نے گھر رہن رکھا، اور مرتہن کو اس کے اندر رہنا مباح کر دیا، تو گویا انہوں نے حکم عاریت کا لیا تھا، یہاں تک کہ اگر راہن مرتہن کے رہنے کو منع کرے، تو راہن کو پہنچتا ہے یہ در مختار میں مذکور ہے، تو دیکھو فی زماننا ایسا معاملہ کہیں پایا جاتا ہے، کہ راہن مرتہن کو نفع اٹھانے سے منع کرے، اور مرتہن بلا نفع لینے راہن سے معاملہ رہن کا کرے، ملا خام روزگار ناتجربہ کار نے قول واہی لکھ کر دروازہ بیاج کا کھول دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

تیرے جھوٹ فتوی نے خلقت کو مارا

اور بعض علماء متاخرین نے بیع الوفا کو بیع باطل قرار دیا ہے باعتبار بالہازل ومنہم من جعلہ باطلا بالہازل کذا فی الھدایہ ومن جعلہ باطلا یعتبرہ بالہازل ثم اذا تواضعا علی الہزل باصلہ ثم اتفقا علی البناء فان البیع منعقد لان الہازل مختار راض بمباشرۃ السبب لکنہ غیر راض ولا مختار لحکمہ فکان لخیار الشرط مؤبد او انعقد العقد فاسدا غیر موجب للملک کخیار المتبایعین ایں۱۔ اور مشائخ سمرقند نے بیع الوفا کو جائز رکھا ہے، باعتبار انتفاع کے فقط، چنانچہ ہدایہ و کفایہ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔

ارباب فطانت و دیانت پر مخفی نہیں، کہ اگر اس مسئلہ میں دلیل کتاب و سنت یا قول صحابہ کرام اور مجتہدین اعلام سے پائی جاتی تو ایسا اختلاف کثیر نہیں واقع ہوتا، کہ بعضے علماء نے اس بیع الوفار کو بمنزلہ بیع مکرہ کے فاسد ٹھہرایا ہے، اور بعضے اس کو رہن قرار دیتے ہیں، اور بعضے جائز اور بعضے بیع باطل کہتے ہیں، اور حسن شرنبلالی نے نو قول اس اختلاف میں نقل کئے ہیں بسبیل تنزل حاصل مسئلہ کا یہ ہے، کہ یہ بیع الوفار مکروہ تحریمی سے خالی نہیں، اور مکروہ تحریمی قریب حرام کے نزدیک امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے اور حرام ہے نزدیک امام محمد کے جیسا کہ تمام کتب فقہ میں مذکور ہے، اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو کوئی مشتبہات

ل بعض نے بیع بالوفا کو باطل کہا ہے، اور اس کو ٹھٹھا اور مخول پر محمول کیا ہے اور پھر بھی اگر وہ بیع کر لیں، تو یہ بیع فاسد کی طرح ہوگی، جس میں بائع مشتری کو ہمیشہ کا اختیار ہوگا۔

سے پرہیز کرے گا، تو اپنے دین اور آبرو کو بچائے گا، اور ایک روایت میں یوں واقع ہوا ہے جو کوئی مشتبہات میں پڑے گا، تو حرام میں پڑے گا، اور مرتکب اس کا ہوگا۔ عن[1] النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بین والحرام بین آنچہ حلال ست پیدا و ہویدا است و آنچہ حرام است نیز پیدا و ہویدا است و بینہما مشتبہات و میان حلال و حرام چیز ہاست کہ مانند یکدیگر و اشتباہ می شود کہ حرام اند یا حلال از جہت تعارض دلائل و اختلاف اقوال و مانند آن لا یعلمہن کثیر من الناس نمی شناسند آن چیز ہا را بسیارے از مردم بجہت عدم علم و تمیز فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ و عرضہ کسے کہ پرہیز کند شبہات را و نیفتد در محل اشتباہ طلب برأت کرد و احتیاط نمود مر دین خود را از ذم شرعی و نگاہ داشت آبروے خود را از طعنہ کنندگان و عیب گیرندگان و در روایتے چنیں واقع شدہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کسے کہ بیفتد در شبہات می افتد یا نزدیک است کہ بیفتد در حرام کذا فی المشکوۃ و ترجمہ الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی، بپاس خاطر عاطر مستفتی شریعت شعار کے تمامی وجوہات بیع الوفا کے کہ مشتمل اور پر شبہات ربا بلکہ عین ربا کے ہے لکھے گئے، کہ عاقل بالغ ہشیار اپنے حلال روپے کو بذریعہ بیع الوفار کے دام حرام میں ڈال کر نارضامندی خدا و رسول کی حاصل کرے ازبس عجیب العجاب عند اولی الالباب ہے، ما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

ازشرف سید کونین شد ۱۲۹۳ شریف حسین

الجواب صحیح

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سوال: مسمی احمد اقرار معتبر نمودہ اعتراف صحیح کرد بریں معنی کہ موازی در و بست بست بسوہ قصبہ فلاں و فلاں بمقابلہ چہل ہزار روپیہ سکہ چہرہ شاہی کہ نصف آن مبلغ بست ہزار روپیہ می شوند بدست حامد و محمود نابالغان برادران علاتی خود بیع کردم و فروختم بیعا صحیحا شرعا و زر ثمن شئے مبیعہ مذکورہ بمشتریان مرقومان معاف کردہ و بخشیدہ شئے مبیعہ مرقومہ را از قبض و دخل

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حلال بالکل ظاہر ہے، اور حرام بھی بالکل ظاہر ہے، اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، سو جو آدمی شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین بھی بچا لیا، اور عزت بھی اور جو شبہات میں جا پڑا، وہ بالآخر حرام میں جا پڑے گا۔

سوال: احمد نے اپنے دو نابالغ علاتی بھائیوں کے ہاتھ چالیس ہزار روپیہ میں کچھ زمین فروخت کر دی، اور کہا کہ میں نے اس کی قیمت ان کو معاف کر دی، اور یہ سب کچھ باقاعدہ قانونی طور پر تحریر ہو گیا، اور قبضہ

خود آوردہ بہ تحت تصرف مشتریان مذکوران باہتمام وسرپرستی مسماۃ ہندہ والدہ مشتریان مذکوران گذاشتم پس نیست ونماندہ من مقر ومن بقیوم مقامی را از زرثمن آن وشئے مبیعہ مرقومہ ہیچ حقے ودعوے انتہے۔ عبارت بیعنامہ وہبہ ثمن پس دریں صورت سوال است کہ بیع بایجاب وقبول منعقد میشود یا بمجرد ایجاب تمام میشود چراکہ دریں بیع صرف ایجاب بائع مع ہبہ زرثمن یافتہ شد وقبول مشتری بعد ایجاب وہبہ زرثمن اشارۃً مفہوم میشود در ضمن قبض پس ہرگاہ ایجاب بائع وہبہ زرثمن در مجلس انعقاد بیع یافتہ شود وقبول مشتری بعد ایجاب وہبہ زرثمن یافتہ شود دریں صورت بیع مذکور عند الفقہاء الحنفیہ صحیح ومنعقد شد یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ می نویسند کہ مقارنت ہبہ ثمن با ایجاب قبل وجود قبول مشتری مبطل ایجاب است، پس در صورت مرقومہ ایجاب باطل شد وہرگاہ ایجاب باطل شد، بعدہ اعتبار قبول مشتری کہ در ضمن قبض مفہوم می شود بلا ایجاب موجب انعقاد بیع ہرگز نخواہد بود بناءً علیہ در صورت مرقومہ نہ بیع صحیح ومنعقد شد ونہ ہبہ ثمن روا گردید۔ شرطہ فی صحۃ الایجاب ان لا یقترن بما یبطلہ فلو وھب الثمن قبل القبول بطل کذا فی الطحطاوی ناقلا عن شرح الملتقی قال بعت منک ھذا العبد بالف ووھبت الثمن منک و قال الاخر اشتریت لا یصح کذا فی الوجیز الکردری واما اذا باع بکذا من الثمن وقبل المشتری ثم ابرأہ من الثمن او وھبہ او تصدق علیہ صح کذا فی جواہر الاخلاطی ھکذا

بھی ان کو ان کی والدہ کی معرفت دے دیا گیا، اب سوال یہ ہے، کہ یہاں ایجاب تو ہے لیکن قبول قبضہ کے ضمن میں اشارہ ہے اور قبول سے قبل زرثمن معاف کر دیا گیا ہے، کیا اس صورت میں یہ بیع درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ احناف کے نزدیک قبول سے اول اگر قیمت معاف کر دی جائے، تو بیع باطل ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مرقومہ میں بیع باطل ہے، اور اس کے بعد مشتری کا ضمناً قبضہ کی صورت میں قبول کرنا، قبول بلا ایجاب ہے جس سے بیع منعقد نہیں ہوگی، ایجاب کی صحت کے لئے شرط یہ ہے، کہ کوئی چیز ایسی اس کے ساتھ نہ لگادی جائے جو ایجاب کو باطل کر دے، مثلاً اگر قبول سے قبل زرثمن مشتری کو ہبہ کر دے، تو ایجاب باطل ہو جائے گا طحطاوی نے شرح ملتقی سے ایسا ہی نقل کیا ہے، وجیز میں ہے کہ اگر بائع کہے کہ میں نے یہ غلام تیرے ہاتھ فروخت کیا، اور قیمت تجھ کو معاف کر دی، اور دوسرے نے کہا، کہ میں نے قبول کیا تو یہ صورت صحیح نہیں ہے، اور اگر کسی مقررہ قیمت سے فروخت کرے، اور مشتری اس کو قبول کرے، پھر بائع قیمت اس کو معاف کر دے، تو یہ صورت صحیح ہے، جواہر اخلاطی وفتاوی عالمگیری میں ایسا ہی ہے۔

فی الفتاوی عالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

فیصلہ: آج تاریخ شانزدہم ماہ جمادی الاولی روبرو مولوی محمد قطب الدین خان صاحب اور روبرو ہمارے درپیش ہوا، مقدمہ متنازع فیہا درباب خرید اراضی کہ درمیان حافظ نقشبند خاں صاحب ومرزا مراد بیگ صاحب کے تنازع تھا، اور واسطہ فیما بین دونوں کے احمد علی صاحب تھے، اور اظہار میاں احمد علی صاحب کا یہ ہے، کہ نیلام میں اراضی بذات خود خرید کی، میں نے، اور اس میں خواہش دونوں فریقین کی نہ تھی، بلکہ از خود میں نے خریدی، لیکن نویسندہ متصدی سے کہدیا، کہ نام نقشبند خاں کا اور مرزا مراد بیگ کا لکھ لینا، متصدی نے نقشبند خان کا نام لکھ لیا، مرزا مراد بیگ کا نام نہ لکھا، بعد ازاں میں نے وہاں سے آکر زوجہ حافظ نقشبند خاں اور مرزا مراد بیگ سے کہا، کہ میں نے اراضی اپنے نام سے خرید کی ہے، تم دونوں اراضی مذکورہ کو خرید لو بہتر یہ ہے، کہ جس طرح سے تم دونوں کرایہ دیتے تھے، اسی طرح خرید کر لو، اس پر زوجہ حافظ صاحب نے کہا، نصفی زمین میں نے خرید کی، اور نصفی مراد بیگ خریدیں گے، مگر مرزا مراد بیگ نے اس جلسہ خاص میں کچھ جواب نہ دیا، پھر اس مجلس سے ہم تو متفرق ہوئے، بعد ازاں برادر مراد بیگ نے ارادہ کیا، کہ ہم خرید لیں گے، اس نے بھی خرید نہ کی، انتہا ہوا کلام میاں احمد علی کا اور نیز اوروں سے انکار مراد بیگ کا پایا جانا واضح ہوا، بعدہ زوجہ حافظ مذکور نے کل روپے حاجی علی جان صاحب سے بنام شوہر اپنے قرض لے کر معرفت مرزا مراد بیگ کے سرکار میں بھجوا دیئے، پھر سرکار نے خریدار مستقل حافظ نقشبند خان کو جان کر رسید زرثمن مبیعہ اراضی کی بنام حافظ نقشبند خاں کے دے دی، بعد بیان اور اظہار میاں احمد علی کے مرزا مراد بیگ نے کچھ جواب نہ دیا، اور خاموش رہے، لہذا حکم شرعی دیا گیا، کہ خریدنا مرزا مراد بیگ کا شرعا ثبوت نہ ہوا، اس لئے کہ جب میاں احمد علی نے کہا، کہ تم اس اراضی کو خرید کر لو، تو مرزا مراد بیگ نے جلسہ خاص میں استدعا خریداری کی نہ کی، اور اس جلسہ سے چلے گئے، تو قبول ان کی طرف سے مجلس خاص میں نہ پایا گیا، اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، تو خریدنا ان کی طرف سے متحقق نہ ہوا کیونکہ ایجاب وقبول ایک مجلس میں شرط ہے واسطے انعقاد بیع کے اور یہ مرزا مراد بیگ کی جانب سے مفقود ہے، اور زوجہ نقشبند خاں کی طرف سے اس مجلس خاص میں قبول اور خریداری اس کی ثابت ہوئی، لہذا انہوں نے زرثمن ادا کر دیا، تو بیع نقشبند خاں کی طرف سے

پائی گئی، اور وہ اراضی بحکم بیع ملک حافظ نقشبند خان کی ہوئی شرعاً اور دعویٰ مرزا مراد بیگ کا باطل ہوا، اور قابل سماعت کے شرعاً نہ رہا۔ واذا[1] وجب احد المتعاقدين البيع فالآخر بالخيار ان شاء قبل في المجلس وان شاء رده خيار القبول لانه لو لم يثبت له الخيار يلزمه حكم البيع من غير رضاه واذا لم يفد الحكم بدون قبول الآخر فللموجب ان يرجع عنه قبل قبوله لخلوه عن ابطال حق الغير الى آخر ما في الهداية وغيرها من كتب الفقه

واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۷۰

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ کرنسی جس کو چلنی بولتے ہیں، بمنزلہ روپیہ کے جاری ہیں، اور اکثر ان کے نرخ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اگر کوئی مسلمان اس کو بحصول منفعت ارزانی میں خریدے، اور بوقت گرانی وغیرہ کے اس کو بحصول منافع فروخت کرے تو از روئے شرع شریف جائز ہے کمی بیشی اس میں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ درصورت مرقومہ اولاً معلوم کرنا چاہیے، کہ سرکاری نوٹ دو قسم کے ہوتے ہیں، سو ایک قسم کے نوٹ کا سود سرکاری بنک سے ملتا ہے، دوسری قسم کا نوٹ بحکم سرکار انگریزی واسطے معاملات روزمرہ رعایا کے کہ وہ اسے خرید و فروخت کریں رواج دیا گیا، پس ہر دو قسم نوٹ حکم روپیہ کا انگریزی عملداری میں رکھتے ہیں، چنانچہ اہل تجارت نوٹ کو بمنزلہ روپیہ کے سمجھتے ہیں، اور اس سے مال خریدتے ہیں، اور باہم اس کی بیع و شرا کرتے ہیں۔ ثانیاً بیع و شرا ہر دو قسم نوٹ سے مقصود متعاقدین کا صرف کاغذ کی بیع و شرا نہیں ہے، بلکہ بیع و شرا اس زر کی مقصود ہے جو اس میں مرقوم ہے، اور ثمنیت اس میں بحکم ترویج حاکم وقت قرار پائی ہے، سو خرید و فروخت کمی اور بیشی کے ساتھ بمقابلہ روپیہ کے یا بیع و شرا النقدین کے بالنسیہ اور تملیک الدین من غیر من علیہ الدین حرام اور ناروا ہوگا شرعاً اور اس عقد کو اس قسم سفتجہ یعنی ہنڈوی درشنی قرار دیجئے اور یہ بات اس پر صادق ہے، کہ مثل ہنڈوی درشنی جس جہاجن اور تاجر اور سرکاری بنک والوں کو دیا جاوے، تو وہ بلا تامل زر مرقوم اس کا یا اسباب بالعوض اس کے حوالہ کردیگا

---

[1] جب متعاقدین میں سے ایک نے بیع کا ایجاب کیا، تو دوسرے کو اختیار ہے، اگر چاہے تو اسے مجلس میں قبول کرے اور اگر چاہے تو رد کردے، اور اس قبول کا اختیار ہے، کیونکہ اگر اس کو اختیار نہ دیا جائے، تو اس کو بغیر رضامندی کے بیع کو تسلیم کرنا لازم آئے گا، اور جب تک دوسرا اس کو قبول نہ کرے، پہلے کو حق ہے کہ وہ اپنی بات سے رجوع کرلے کیونکہ اس نے کسی غیر کا حق باطل نہیں کیا (ہدایہ)

پس سفتجہ کہ اولاً قرض و ثانیاً حوالہ ہے بدون کمی و بیشی کے مکروہ ہے، اور کمی بیشی کے ساتھ حرام ہے لان کل دین و قرض جر نفعاً فھو ربا کذا یستفاد من الھدایۃ وغیرھا مہندا اگر نوٹ مثل ہنڈوی کے قرار دیا جاوے، تو یہ بھی ممکن نہیں، اس لئے کہ ہنڈوی کے تلف سے روپیہ تلف نہیں ہوتا، اور اس کے عوض میں مہاجن ثمنے دیتا ہے، جیسے منی آرڈر یعنی سرکاری ہنڈوی کے تلف ہونے سے سرکاری خزانہ سے ثمنے ملتا ہے، غرض روپیہ اس کا کسی نہج سے تلف نہیں ہوتا، بخلاف نوٹ کے کہ اس کے تلف ہونے سے سرکار ہرگز ثمنے نہیں دیتی اور جب وہ تلف ہو جاوے گا، تو روپیہ بھی اس کا تلف ہو جاوے گا، اور جو کوئی نوٹ کو اشٹامپ ٹکٹ پر قیاس کر کے اس کی بیع و شرا میں جواز کمی بیشی کا سمجھے، تو یہ قیاس کرنا اس کا قیاس مع الفارق ہے اس واسطے کہ واضع اسٹامپ و ٹکٹ نے اس کو واسطے ثمنیت کے وضع نہیں کیا بلکہ خاص اپنی عدالتوں میں اس کو رواج قرار دیا ہے، کہ بذریعہ اس کے دعوی مدعی یا مدعی علیہ کا عند السرکار مسموع ہو گا والالا، چنانچہ عرفاً یہ بات ثابت ہے، کہ تمام تجارتوں میں خرید و فروخت مال کی اسٹامپ و ٹکٹ سے نہیں ہوتی، اور نہ کوئی ان کو خرید کر اپنے پاس یا سرکاری بنک میں رکھتا ہے، اور نہ کوئی فائدہ ان سے سوائے عدالت انگریزی کے حاصل کرتا ہے، پس اس سے معلوم ہوا، کہ اسٹامپ و ٹکٹ بحکم سرکار روپیہ نہیں قرار دیا گیا، اور نوٹ قرار دیا گیا، چنانچہ تفصیل اس کی اوپر بیان ہو چکی، حاصل کلام حکم نوٹ کا مثل حکم دراہم متعین کے ہو گا، اور نیز بیع و شرا اس میں مثل دراہم کے جاری ہو گی۔ کما لا یخفی علی العالم الماھر بالفقہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

زشرف سید کونین شد ۱۲۸۸ شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

درحقیقت کمی بیشی اس میں جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ ابو الاحیاء محمد نعیم عفی عنہ

۱۸/ ذی قعدہ سنہ ۱۲۸۸ھ

ھوالمصوب:۔ فی الواقع بیع و شرا نوٹ کی مثل بیع و شرا اثمان کے ہے، کیونکہ مقصود متعاقدین کا صرف بیع کاغذ کی نہیں ہوتی، بلکہ بیع دراہم و دنانیر کی والعبرۃ فی العقود للمعانی لا للالفاظ پس زیادتی و کمی ممنوع ہو گی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی حفظہ عن موجبات الغی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

ل اس لئے کہ ہر وہ قرضہ جو نفع لائے، وہ سود ہے، ہدایہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ھوالموفق:۔ فی الحقیقت کرنسی نوٹ کی بیع و شراء مثل بیع و شراء دراہم و دنانیر کے ہے اس میں کمی بیشی درست نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ نمقہ خادم رادنیا ماالکریم محمد ابراہیم غفرلہ اللہ الکریم ابن مولانا محمد علی مرحوم

محمد ابراہیم ۱۲۸

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً دھان نقد بارہ پنسیری کے حساب سے فروخت ہوتا ہے، اگر اسی دھان کو ادھار یعنی قرض ایک من کے حساب سے فروخت کرے، تو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ ایسی بیع جائز ہے۔ لعموم الادلۃ القاضیۃ بجوازہ کقولہ تعالیٰ احل اللہ البیع وحرم اللہ الربا و قولہ تعالیٰ یاایھا الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم وغیر ذلک من النصوص۔ قال فی النیل صفحہ ۱۳۶ جلد ۵ وھو مذھب الشافعیۃ والحنفیۃ والجمھور الخ ومن قال بحرم بیع الشئ باکثر من سعر یومہ لاجل النسا تمسک بحدیث ابی ھریرۃ رض مرفوعا من باع بیعتین فی بیعۃ فلہ اوکسھما اوالربا رواہ ابوداؤد۔ وفیہ ان فی اسنادہ محمد بن عمرو بن علقمۃ قال فی النیل صفحہ ۱۲ جلد ۵ وقد تکلم فیہ غیر واحد قال المنذری والمشھور عنہ من روایۃ الدراوردی ومحمد بن عبد اللہ الانصاری انہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیعتین فی بیعۃ قال فی صفحہ ۱۳ جلد ۵ ولا حجۃ فیہ علی المطلوب ولو سلمنا ان تلک الروایۃ التی تفرد بھا ذلک الراوی صالحۃ للاحتجاج لکان احتمالھا لتفسیر خارج عن محل النزاع کما سلف صفحہ ۱۲ جلد ۵ عن ابن رسلان وھو ان یسلفہ دینارا فی قفیز حنطۃ الی شھر فلما حل الاجل طالبہ بالحنطۃ قال بعنی القفیز الذی لک علی

لہ کیونکہ عام دلائل اس کے جواز کا فیصلہ صادر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا، اے ایماندارو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھایا کرو، ہاں اگر رضامندی سے تجارت ہو تو درست ہے، نیل الاوطار صفحہ ۱۳ جلد ۵ میں ہے شافعیہ حنفیہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے، اور جو لوگ ادھار کی وجہ سے وقتی نرخ سے زیادہ لینا حرام سمجھتے ہیں، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ایک بیع میں دو بیع کرے اسے چاہئے، کہ یا تو کم لے لے اور یا پھر سود کھائے، اس حدیث کی سند میں محمد بن عمرو بن علقمہ ضعیف ہے، پھر اس کا ایک جواب بھی ہے، کہ اس کے معنی اور بھی تو ہو سکتے ہیں، مثلاً ایک آدمی ایک ٹوپہ گندم ایک روپیہ میں ایک مہینہ کی میعاد پر لیتا ہے ایک

الی شهرین بقفیزین فصار ذلک بیعتین فی بیعة لان البیع الثانی قد دخل علی الاول فیرد الیه اوکسهما وهو الاول کذا فی شرح السنن لابن رسلان) فادحا فی الاستدلال بها علی المتنازع فیه علی ان غایة ما فیها الدلالة علی المنع من البیع اذا وقع علی هذه الصورة وهی ان یقول نقدا بکذا و نسیئة بکذا الا اذا قال من اول الامر نسیئة بکذا فقط و کان اکثر من سعر یومه مع ان المتمسکین بهذه الروایة یمنعون من هذه الصورة ولا یدل الحدیث علی ذلک فالدلیل اخص من الدعوی وقد جمعنا رسالة فی هذه المسئلة وسمیناها شفاء الغلل فی حکم زیادة الثمن لمجرد الاجل وحققناها تحقیقا لم نسبق الیه والله اعلم بالصواب. کتبه محمد عبد الله عفی عنه

سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک شخص اپنے مکان میں غلہ گندم رکھتا ہے، اور وہی شخص یعنی اس کا مالک گندم کو نقد فی روپیہ پچیس سیر فروخت کرتا ہے، اور اگر مہلت پر بطور قرضہ کے دیوے تو فی روپیہ بیس سیر دیتا ہے، یہ بیع حلال ہے یا حرام بینوا توجروا۔

الجواب: اگر بائع نقد کی صورت یا ادھار کی صورت کو متعین کر کے فروخت کرے تو بیع حلال و جائز ہے یعنی بائع بیچنے کے وقت خریدار سے کہے کہ میں تیرے ہاتھ اس غلہ کو نقد فی روپیہ پچیس سیر فروخت کرتا ہوں، یا یوں کہے کہ اس غلہ کو ادھار فی روپیہ بیس سیر فروخت کرتا ہوں، تو یہ بیع جائز و درست ہے۔ لعموم الادلة القاضیة بجوازہ، اور اگر نقد کی صورت یا ادھار کی صورت کو خاص اور متعین کر کے فروخت نہ کرے، تو یہ بیع حرام و ناجائز ہے یعنی فروخت کے وقت یوں کہے، کہ اس غلہ کو تیرے ہاتھ نقد پچیس سیر فی روپیہ اور ادھار

مہینہ کے بعد گندم دینے والا مطالبہ کرے، تو لینے والا کہے کہ میرے پاس اس وقت گندم نہیں ہے، تم دو مہینے کے بعد مجھ سے دو ٹوپہ گندم لے لینا، ایک بیع میں دو بیع کرنے کا یہ مطلب ہے اس صورت میں کم قیمت پر بیع کرنا ضرور ہوگا، ورنہ زیادتی جو دوسری بیع میں کی جا رہی ہے، وہ سود شمار ہوگی، ابن رسلان کی شرح السنن میں بھی ایسا ہی ہے اگر ایک چیز کی دو قیمتیں بتائے نقد کی اور ادھار کی اور، تو اس صورت کو مانعین نے ناجائز کہا ہے، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور اگر ادھار کی قیمت وقتی نرخ سے زیادہ بتلائے، اور وقتی نرخ نہ بتائے تو اس صورت میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، ہم نے اس کی تفصیل ایک مستقل رسالہ میں بیان کی ہے، جس کا نام "شفاء الغلل فی حکم زیادۃ الثمن لمجرد الاجل" ہے

ـــہ کیونکہ عام دلائل اس کے جواز کا تقاضا کرتے ہیں۔

فی روپیہ بیس سیر فروخت کرتا ہوں، اور نقد کی صورت کو یا ادھار کی صورت کو خاص و متعین نہ کرے تو اس طرح کی بیع ناجائز ہے، جامع ترمذی میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ[1] قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ وقد فسر بعض اھل العلم قالوا بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک ھذا الثوب بنقد بعشرۃ وبنسیئۃ بعشرین ولا یفارقہ علی احد البیعین فاذا فارقہ علی احدھما فلا باس اذا کانت العقدۃ علی احد منھما انتہی

کتبہ علی محمد | سید محمد نذیر حسین

سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندرین صورت کہ شخصے غلہ یا پارچہ رابشن مؤجل باجل معلوم فروخت نماید و قیمت نسبت نرخ بازار کہ بنقد فروخت می شود زیادہ گیرد مثلاً گندم در بازار بنرخ فی من یک روپیہ فروخت می شود، و این شخص یک روپیہ راسی و پنج آثار بدہد پس این بیع جائز است یا ناجائز و در صورت عدم جواز آیا از قبیل ربا است یا زیادت ثمن بسبب اجل موجب عدم جواز است و روایت فقہیہ ولو باع رجل علی انہ بالنقد بکذا و بالنسیئۃ بکذا او الی شہر بکذا و الی شہرین بکذا لا یجوز بر عدم جواز صورت مسئولہ دلالت وارد یا نہ و ہم این عقد در حدیث کل قرض جر نفعا فھو ربوا داخل است یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب:- پیش از تحریر جواب واجب است اطلاع بر منشاء شبہ کسانیکہ در بادی

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے بعض اہل علم نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے، کہ مثلاً بائع کہے میں یہ کپڑا تیرے ہاتھ نقد دس روپے میں بیچتا ہوں، اور ادھار بیس روپے میں، اور ان دونوں بیعوں میں سے کسی ایک کا فیصلہ کرکے علیحدہ نہ ہوں، اگر علیحدہ ہو جائیں تو جس پر بھی ان کا سودا ہو جائے گا درست ہوگا۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نقد قیمت پر کوئی چیز ارزاں فروخت کرتا ہے، اور ادھار مہنگی فروخت کرتا ہے، کیا اس طرح کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو کیا یہ زیادت سود ہے یا نہیں؟ اور فقہ کی روایت کہ اگر وہ نقد ایک قیمت پر فروخت کرے، اور ادھار دوسری قیمت پر تو یہ جائز نہیں ہے، اور حدیث میں جو آیا ہے، کہ ہر وہ قرضہ جو نفع لائے وہ سود ہے، یہ زیادت سود بنتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- جواب تحریر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اس شبہ کی بنیاد واضح کردی جائے

---

(۱) اخرجہ ایضا احمد والنسائی وصححہ الترمذی نیل جلد ۵ صفحہ ۱۲ ۔ ابو سعید محمد شرف الدین۔

الاے این بیع را در حکم ربوا گمان کرده اند چه ظاہر است که متردد در جواز این بیع در نفس این مبادلہ شبہ داشتہ باشد چراکہ در بیع مکیل بموزون کہ دریں اتحاد جنس است و نہ اتحاد و قدر تفاضل و نساء ہر دو حرام نیست۔ کلما حرم الفضل حرم النساء ولا عکس وکلما حل النساء حل الفضل ولا عکس کذا فی الحلبی وھکذا فی الدر المختار وغیرہ و این امرے ست کہ اگر کسے رسالہ فارسی یا ہندی در مسائل فقہ خواندہ باشد مخفی نتواند شد و دریں صورت جواب مشتمل بر بیان علت ربوا وجوداً و عدماً و اہتمام بر آن در الفلاح آن زاید محض است و قاطع مادہ شک و شبہ کسے کہ دریں بیع تردد نتواند شد بلکہ مقصود واللہ اعلم بمرادہ این است کہ ہرگاہ نرخ گندم مثلاً در بازار فی روپیہ سی آثار باشد پس یک روپیہ مقابل سی آثار گندم گردید و اندریں حال بائع آن گندم را کہ در صورت اجل معین و معلوم قیمت آن زیادہ از یک روپیہ می گیرد اخذ زیادت برائے او ناروا است لکونہ ربوا زیرا کہ این فضل است خالی از عوض کہ در مقابل آن بجز اجل دیگرے از مبیع نیست۔ ع الاجل فی نفسہ لیس بمال فلا یقابلہ شئ فی الثمن حقیقۃ اذا لم یشترط زیادۃ الثمن بمقابلتہ و یزاد فی الثمن لاجلہ اذا ذکر الاجل بمقابلۃ زیادۃ الثمن قصداً فاعتبر مالا فی المرابحۃ حتی اشترط بیان الاجل احترازا عن شبہۃ الخیانۃ ولم یعتبر مالا فی حق الرجوع عملا بالحقیقۃ انتہی ما فی الطحطاوی مختصراً من باب

جو متردد ین کو اس زیادت کے سود ہونے کا شبہ ڈال رہی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ متردد کو اصل بیع کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ بیع مکیل کی موزون سے ہے، نہ اس میں اتحاد جنس ہے اور نہ ہی اتحاد قدر تفاضل اور ادھار حرام ہے، در مختار میں ہے جب زیادت حرام ہوگی تو ادھار بھی حرام ہوگا اور اس کا عکس حرام نہ ہوگا اور جب ادھار جائز ہوگا تو زیادت بھی جائز ہوگی، اور اس کا عکس جائز نہ ہوگا۔ اور یہ مسئلہ ہر اس آدمی کو معلوم ہے جس نے فقہ کا کوئی رسالہ فارسی یا ہندی زبان میں پڑھا ہے، اب متردد کو شبہ یہ ہے، کہ مثلاً بازار میں گندم نقد ایک روپیہ کی تیس سیر ملتی ہے، تو تیس سیر گندم تو ایک روپیہ کی ہوگئی، اب وہ جو ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت وصول کرتا ہے، وہ زیادت کسی مبیع کے مقابلہ نہیں، بلکہ "مدت" کے مقابلہ میں ہے اور مدت "مال" نہیں ہے، تو اس صورت میں یہ زیادت خالی از عوض ہوگی، اور اسی چیز کا نام سود ہے، اور یہ شبہ طحطاوی کی عبارت سے پیدا ہوا کہ اس نے لکھا ہے، کہ مدت فی نفسہ مال نہیں ہے قیمت کا کوئی حصہ حقیقتاً اس کے مقابل نہیں لایا جا سکتا جب کہ اس کے ساتھ زیادت ثمن کی شرط نہ کر لی جائے، اور اگر زیادت مدت کے لئے زیادت ثمن کی شرط کر لی جائے تو پھر مدت کو مال تصور کر لیا جائے گا، اس سے خیانت کے شبہ سے تو بچ جائے گا اور

المرابحة وهكذا في الهداية والكفاية وغيرها من المعتبرات الحنفية كما لا يخفى على الماهر بالفقه۔ پس از طحطاوی وہدایہ وغیرہ واضح گشتہ کہ ثمن بمقابلہ اجل نمی شود، وقتے کہ شرط زیادت ثمن بمقابلہ آن عند العقد مذکور نہ باشد و ہرگاہ ذکر اجل بمقابلہ زیادت ثمن قصداً باشد پس زیادت ثمن برائے آن بلا ریب خواہد بود، پس این قاعدہ کلیہ فقہیہ مطردہ منعکسہ را یاد داری کہ بر مطلب جواب زود رسی، پس جواب بالصواب فقیہانہ بطور حل چنین باید کہ ہم این اشتباہ بکلی رفع کند و ہم صورت جواز این بیع پیش مترددان مثل آئینہ درخشان تر گردد، و تقریرش این است کہ این ثمن گو زاید از قیمت گندم موافق نرخ بازار باشد مقابل اجل نیست بلکہ مقابل ہمان قدر گندم است کہ مشتری بشرط اجل گرفتن آن ثمن کہ زاید از قیمت گندم و در رد در وقوع عقد برضا و رغبت و بلا اکراہ منظور کردہ و قبول نمودہ و اجل معلوم و مشروط فی العقد گردیدہ و زیادت ثمن بذکر اجل معلوم بر آن مبیعہ معینہ گشتہ چہ زیادت ثمن بالاجل عرف متعارف است۔ لان للاجل شبها بالمبيع الا يرى انه يزاد في الثمن لاجل الاجل والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة انتهى ما في الهداية مختصراً من باب المرابحة وهكذا في الكفاية وقال في العناية حاشية الهداية وهو ان يقول ان احلتني مدة كذا فثمنه يكون كذا بزيادة مقدار ثبت زيادة الثمن

حقیقۃ رجوع کی صورت میں اسے مال تصور نہ کیا جائے گا، طحطاوی ہدایہ کفایہ میں اسی طرح ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر مدت کے مقابلہ میں زیادت ثمن کی قیمت نہ کرلی جائے، تو قیمت اجل کے مقابلہ میں شمار نہ ہوگی، اور اگر اس کی شرط کرلی جائے، تو قیمت مدت کے مقابلہ میں جائز ہوگی، اب اس قاعدہ کو ذہن میں رکھیں اور جواب سنیں۔

یہ قیمت جو ادھار کی صورت میں بڑھ گئی ہے یہ زیادت حقیقۃ مدت کے مقابل نہیں ہے، بلکہ اس رضا کے مقابل ہے، جو مشتری نے بائع سے بوقت عقد ادھار ظاہر کی ہے، مثلاً گندم نقد ایک روپیہ کی تیس سیر ہے اور یہ بازار کا موجودہ نرخ ہے، اور ادھار کی صورت میں اس نے تیس سیر گندم ایک روپیہ چار آنہ کی خریدی ہے تو یہ چار آنے مدت قرض کے مقابل نہیں ہے، بلکہ رضامندی کے مقابل ہوں گے، کہ مشتری نے اس کو قبول کرلیا ہے، یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ کی مندرجہ بالا عبارت میں شرط زیادت کی وضاحت شرط قرار دی گئی ہے، ورنہ اگر وضاحت نہ ہو تو اسے جائز نہیں سمجھا گیا اور عرف میں معلوم ہے کہ مدت کے سبب قیمت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے، ہدایہ، عنایہ اور برہان میں تصریحاً لکھا ہے کیونکہ مدت کو مبیع کے ساتھ مشابہت ہے کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ مدت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے

فی الاجل بالشرط انتہی کلامہ و در برہان شرح مواہب الرحمٰن فی تائید مذہب النعمان مذکور است لان للاجل تاثیرا فی نقصان المالیۃ فالتجار یشترون بالنقد اقل مما یشترون بالنسیئۃ انتہی کلامہ و در عینی شرح کنز وغیرہ مذکور است۔ کہ تقویم مبیع بثمن حال و مؤجل کردہ می شود بنا بر عرف یقوم المبیع بثمن حال و بثمن مؤجل بالتعارف کذا فی العینی والکافی وحسن الچلپی و شرط اجل در ثمن کہ دین باشد و اجل معلوم باشد از ان امور است کہ شرع بجواز آن وارد شدہ و ہرگاہ زیادت بر ثمن اول نزد علمائے حنفیہ جائز است و ملتحق باصل عقد می شود کما ہو مشرح فی الہدایۃ وغیرہا پس زیادت اصل بالثمن الثابت مقصودا اکہ کل آن مقابل کل مبیع است عند تقرر العقد لاجل المعلوم بطریق اولے جائز و ملتحق باصل عقد خواہد بود، بالجملہ فروخت گندم مثلا بثمن مؤجل باجل معلوم کہ زیادہ از قیمت آن بموافق نرخ بازار است، جائز است و مؤدی الی الربا نیست و نہ داخل است در امتناعیکہ ازیں روایت مصرحہ فتاوی عالمگیری ظاہر مستفاد می شود۔ ولو باع رجل علی انہ بالنقد بکذا و بالنسیئۃ بکذا او الی شہر بکذا او الی شہرین بکذا و نہ در حدیث کل قرض جر نفعا فہو ربا چہ در اول یعنے در عبارت عالمگیری تعیین بیک نوع بیع نیست، چہ جہالت ثمن در ما نحن فیہ معین و مشخص و معلوم است و بعض علماء از اہل حدیث ہمیں توجیہ و تفسیر کہ در عبارت فتاوی عالمگیری کردہ شد در حدیث نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ کما رواہ الترمذی

مثلاً اس طرح کہے، کہ اگر مدت تک تو مجھے مہلت دے دے تو یہ قیمت ادا کروں گا، اور قیمت موجودہ نرخ سے زیادہ بتلائے اور اس کی وجہ یہ ہے، کہ تاجروں کو ادھار مال دینے سے نقصان ہوتا ہے، کیونکہ اگر ان کو قیمت نقد مل جائے تو وہ اس سے دوبارہ سہ بارہ تجارت کر کے نفع کماتے ہیں، اور ادھار کی صورت میں وہ اس فائدہ سے محروم ہو جاتے ہیں، لہٰذا یہ زیادت اس نقصان کے مقابلہ میں شمار کی جائے گی عینی، کافی، چلپی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ یہ زیادت ربوا (سود) نہیں ہے، اور سوال میں جو عالمگیری کی عبارت اور حدیث درج کی گئی ہے، اس کا اصل میں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ عالمگیری کی عبارت میں ایک طرح کی بیع کی تعیین نہیں ہے، کیونکہ اس میں قیمت کی جہالت پائی جاتی ہے، اور ہم جو بحث کر رہے ہیں اس میں قیمت مشخص و معلوم ہے، اور یہی توجیہ بعض علمائے اہل حدیث نے اس حدیث میں کی ہے جو ترمذی میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیعیں کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بعض اہل علم

کردہ اند، وقد فسر بعض اھل العلم قالوا بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک ھذا الثوب بنقد بعشرۃ وبنسیئۃ بعشرین ولا یفارقہ علی احد البیعین فاذا فارقہ علی احد ھما فلا باس اذا کانت العقدۃ علی واحد منھما انتھی ما فی جامع الترمذی مختصرا۔ و دوم فرض است کہ تغائر نوعے دارد با عقد بیع کما لا یخفی علی المتفطن الماھر بالشریعۃ الغراء و روایت الیضلع و شاہان وغیرہ کہ مجیب اول در جواب خود ایراد کردہ خلاف قواعد شرعیہ و ضوابط حنفیہ اصولا و فروعا قابل اعتبار و اعتماد پراں نخواہد بود چنانکہ پیشتر از ہدایہ و عنایہ و کفایہ و در مختار و برہان و طحطاوی وغیرہ واضح گردید، واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ مراد آباد سے زید آیا، اور عمرو سے چائے کا سودا کیا، عمرو نے سن کر کہا، کہ کچھ مضائقہ نہیں میں خرید لوں گا، اس شرط پر کہ وہ تحفہ ہو، اور دو چار روپیہ کے نقصان کا کچھ خوف بھی نہیں، پھر زید عمرو سے کچھ خریدنے لگا عمرو نے اس وقت زید سے کہا، کہ تم مجھ سے سودا خریدتے ہو، لیکن تمہاری چائے بے دیکھے میں نہ خریدوں گا، جیسے تم نے دیکھ کر مجھ سے سودا لیا، اسی طور سے میں تمہاری چائے لوں گا، اس کے بعد زید نے مراد آباد سے چائے کا صندوق منگوا کر مزدور کے ہاتھ عمرو کی دکان پر بھجوا دیا، عمرو نے مزدور سے کہا، صندوق یہاں سے لے جا، میں مالک کے پاس آکر دیکھ لوں گا، اتنے میں مالک خود آیا، اور کہنے لگا، تم صندوق واپس کرتے ہو، جیسا کہو گے ویسا کر دوں گا، پھر مالک چلا گیا، عمرو نے چائے سے کر ایک دوکاندار سے حال دریافت کیا کہ کیا بھاؤ کی ہے، اس نے کہا، کہ چھ آنے سیر کی بازار میں ملتی ہے، اور مالک کا بیان یہ ہے، کہ میری چائے ایک روپیہ اڑھائی آنہ سیر کی ہے، عمرو نے اسی وقت صندوق چائے

لے کہا، ایک بیع میں دو بیع کا مطلب یہ ہے، کہ مثلاً کہے میں یہ کپڑا نقد دس درہم سے تجھ کو دوں گا، اور ادھار بیس درہم سے، اور دونوں قیمتوں میں سے کسی ایک قیمت پر فیصلہ نہ ہو، اگر کسی ایک قیمت پر فیصلہ ہو جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور دوسری وجہ اس بیع کے درست ہونے کی یہ ہے، کہ اس میں نوع کا تغایر ہے، کیونکہ ایک طرف قرض ہے، اور دوسری طرف عقد بیع، لہٰذا ان شبہات کا اعتبار نہ کیا جائے گا، جو مترددنے بیان کئے ہیں، جیسا کہ ہدایہ، عنایہ، کفایہ، درمختار، برہان اور طحطاوی کی عبارات سے واضح ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

کا مالک کے پاس بھجوا دیا، پھر مالک آکر تکرار کرنے لگا، اور کہنے لگا، کہ تم کیوں نہیں لیتے، عمرو نے جواب دیا، اس چاول کے خریدنے میں میرا سراسر نقصان ہے، میں نہیں خریدتا، اگر دس پانچ روپیہ کا پس وپیش ہوتا، تو بھی خرید لیتا، پر ہرگز نہ لوں گا، لہٰذا اس صورت میں بیع ثابت ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مرقومہ میں یہ بیع منعقد نہ ہوئی، کیونکہ قبول مشتری کی طرف سے نہیں پایا جاتا اس بیع میں حالانکہ ایجاب اور قبول دونوں رکن بیع ہیں، اور جب ایک رکن نہیں پایا گیا، تو بیع کسی صورت سے منعقد نہ ہوئی، جیسا کہ کتب فقہ مانند ہدایہ وشرح وقایہ و در مختار اور فتاوی عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے۔ تعریف بیع کی یہ ہے۔ مبادلۃ[1] المال بالمال بتراضی الطرفین فالایجاب والقبول وھما رکنہ فالایجاب ما یذکر اولا من کلام احد المتعاقدین والقبول ما یذکر ثانیا من الاخر الدال علی التراضی قید بہ اقتداء بالاٰیۃ وبیانا للبیع الشرعی اذا وجد لزم البیع بلا خیار الا لعیب او عدم رؤیۃ کذا فی الدر المختار وغیرہ من کتب الفقہ۔ بہرحال یہ بیع شرعا منعقد نہ ہوئی بسبب عدم قبول ورضا مشتری کے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تجارت غلہ کی عموماً حرام ہے یا نہیں زید کہتا ہے، کہ تجارت غلہ کی عموماً حرام ہے، کیونکہ وہ احتکار ہے، اور احتکار حرام ہے، آیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ رب زدنی علما۔ قول زید کا بدیہی البطلان ہے، کیونکہ تجارت غلہ کی عموماً ہرگز حرام نہیں ہے، اور نہ وہ احتکار ہے، البتہ خریدنا غلہ وغیرہ کا جو قوت ہو آدمیوں کا یا بہائم کا گرانی میں تجارت کے لئے اور روک رکھنا اس کا تاکہ گرانی میں فروخت

---

[1] بیع نام ہے مبادلہ مال کا مال سے جو کہ طرفین کی رضامندی سے ہو، تو ایجاب وقبول اس کے رکن ہیں ایجاب نام ہے بائع ومشتری میں سے پہلے کی کلام کا، اور قبول نام ہے دوسرے کی قبولیت کا جس سے طرفین کی رضامندی ظاہر ہو جائے، اور یہ قید آیت کی اقتدا اور شرعی بیع کے بیان کے لئے ہے، جب یہ رضامندی پائی جائے گی، تو بیع لازم ہو جائے گی، اور اس میں اختیار نہیں ہوگا، ہاں عیب یا عدم رؤیت کی وجہ سے اختیار باقی رہے گا۔

کیا جاتے احتکار ممنوع اور حرام ہے، امام نووی منہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج میں فرماتے ہیں. قال اهل اللغة الخاطی بالهمزة هو العاصی الاثم وهذا الحديث صريح فی تحريم الاحتكار قال اصحابنا الاحتكار المحرم هو الاحتكار فی الاقوات خاصة هو ان يشتری الطعام فی وقت الغلاء للتجارة ولا يبيعه فی الحال بل يدخره ليغلو ثمنه انتهى. اور طیبی ترشیح شرح مشکوۃ المصابیح میں لکھتے ہیں. الاحتكار المحرم هو فی الاقوات خاصة بان يشتری الطعام فی وقت الغلاء ولا يبيعه فی الحال بل يدخره ليغلو انتهى. اور مجالس الابرار میں مرقوم ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احتكر فهو خاطئ هذا الحديث من صحاح المصابيح رواه عمرو بن عبد الله ومعناه ان من يجمع الطعام الذی يجلب الى البلاد يحبسه ليبيعه فی وقت الغلاء فهو اثم لتعلق حق العامة به وهو بالحبس والامتناع عن البيع يريد ابطال حقهم وتضييق الامر عليهم وهو ظلم عام وصاحبه ملعون كما روی انه عليه الصلوة والسلام قال الجالب مرزوق والمحتكر ملعون فانه عليه الصلوة والسلام بين فی هذا الحديث ان الذی يجلب الامتعة والاقوات ويبيعها لتحصيل الربح يحصل له الربح ولا اثم عليه لان الناس ينتفعون به فينالهم بركة دعائهم والذی يشتری الطعام الذی

۱؎ اس حدیث سے احتکار کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اور حرام احتکار وہ ہے، جو اشیاء خوردنی میں ہو، اور اس کی صورت یہ ہے، کہ گرانی کے موسم میں کوئی آدمی خوردنی اشیاء تجارت کے لئے خریدے، اور اس وقت فروخت نہ کرے، بلکہ اس کو ذخیرہ کرلے، تاکہ اس کی قیمت اور مہنگی ہو جائے۔

۲؎ حرام احتکار صرف اشیاء خوردنی میں ہے، کہ مثلاً کوئی مہنگائی کے وقت غلہ خریدے اور اسے اس وقت فروخت نہ کرے، بلکہ ذخیرہ کرلے، تاکہ اور زیادہ مہنگا ہو جائے۔

۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو احتکار کرے وہ گنہ گار ہے" یہ حدیث صحیح ہے، اور مطلب اس کا یہ ہے، کہ جو شخص ایسا غلہ جمع کرے، جو شہر والوں کی غذا ہو، اور اسے روک رکھے، تاکہ اس کو مہنگا کر کے بیچے، تو یہ شخص گنہ گار ہے، کیونکہ اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق وابستہ ہے، اور وہ ان کے حق کو اس روکنے کی وجہ سے باطل کر رہا ہے، اور یہ ظلم ہے، ایسا آدمی ملعون ہے، جیسا کہ حضور سے مروی ہے کہ "جالب (غلہ باہر سے لانے والا) کو رزق ملتا ہے، اور احتکار کرنے والا ملعون ہے" اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ لانے والے کی تجارت کو حلال قرار دیا ہے، اور اس کے لئے برکت کی دعا کی ہے، اور

یجئ الی البلاد ویحبسہ لیبیعہ فی وقت الغلاء فہو ملعون بعید عن الرحمۃ ولا یحصل لہ البرکۃ ما دام فی ذلک الفعل انتہی وفی مجمع البحار من احتکر طعاما ای اشتراہ وحبسہ لیقل فیغلو والحکر والحکرۃ الاسم منہ وفی موضع آخر من احتکر فہو خاطئ بالھمز المحرم من الاحتکار ما ھو فی الاقوات وقت الغلاء للتجارۃ ویدخر للغلاء انتہی. وفی الفتح فیہ اشعار بان الاحتکار انما یمنع فی حالۃ مخصوصۃ انتہی۔

اور اگر بازار سے خرید نہ کرے، بلکہ اس کی زمین کا ہو، یا ارزانی میں خرید کرے، لیکن اس کو روکے نہیں، بلکہ فوراً بیچ ڈالے، یا گرانی میں اس کو روکے لیکن تجارت مقصود نہ ہو، بلکہ مصارف روزمرہ کے لئے اس نے مول لیا ہو، یا جنس قوت بشر اور بہائم سے خارج ہو تو ان سب صورتوں میں تجارت مذکور حرام نہیں ہے، بلکہ جائز اور درست ہے باتفاق حنفیہ اور شافعیہ قال النووی فی شرح صحیح مسلم فاما اذا جاء بہ من قریتہ او اشتراہ فی وقت الرخص وادخرہ او ابتاعہ لیبیعہ فی وقت الغلاء لحاجتہ الی اکلہ او ابتاعہ لیبیعہ فی وقتہ فلیس باحتکار ولا تحریم فیہ واما غیر الاقوات فلا یحرم الاحتکار فیہ بکل حال ھذا تفصیل مذھبنا قال العلماء والحکمۃ فی تحریم الاحتکار دفع الضرر علی عامۃ الناس کما اجمع العلماء علی انہ لو کان عند انسان طعام واضطر الناس الیہ ولم یجدوا

احتکار کرنے والے کو گنہگار قرار دیا ہے، اور ملعون کہہ کر اسے برکت سے محروم قرار دیا ہے، مجمع البحار میں ہے، کہ احتکار وہ حرام ہے، کہ کوئی آدمی غلہ خرید کر روک لے تاکہ اور زیادہ مہنگا ہو جائے، اور احتکار صرف خوردنی اشیاء میں ہے، اور اس کی شرطیں یہ ہیں، کہ مہنگائی کا وقت ہو اور تجارت کی غرض سے خریدے اور مہنگا ہونے کے لئے ذخیرہ کرے، اس سے معلوم ہوا، کہ احتکار مخصوص حالت میں منع ہے، عام اوقات میں منع نہیں ہے۔

لے نووی شرح مسلم میں، اور طیبی نے شرح مشکوۃ میں اور عینی نے عمدۃ القاری میں، اور صاحب مجالس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، کہ اگر کوئی آدمی غلہ باہر سے خرید کر لاتے یا ارزانی کے وقت خریدے، یا اپنے کھانے کے لئے ذخیرہ کرے یا اپنی ضرورت کے وقت مہنگائی میں غلہ فروخت کرے تو ان صورتوں میں احتکار حرام نہیں ہے، اور غلہ کے علاوہ اور کسی چیز میں کسی حال میں بھی احتکار حرام نہیں ہے اور احتکار کی حرمت اس لئے ہے، کہ عوام سے تکلیف رفع کی جائے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے، کہ اگر کسی کے

غیرہ اجبر علی بیعہ دفعا للضرر عن الناس الی قولہ وحمل الحدیث علی احتکار القوت عند الحاجۃ الیہ والغلاء وکذا حملہ الشافعی وابو حنیفۃ وآخرون وھو الصحیح انتہی وقال الطیبی فی شرح المشکوۃ فاما اذا جلب من قریتہ او اشتراہ فی وقت الرخص وادخرہ وباعہ فی وقت الغلاء فلیس باحتکار ولا تحریم فیہ اما غیر الاقوات فلا یحرم الاحتکار فیہ بکل حال انتہی بقدر الحاجۃ وفی المجالس ومن حبس غلۃ ارضہ لا یکون محتکرا لانہ خالص حقہ لم یتعلق بہ حق العامۃ لکن لو کان للناس الیہ حاجۃ فالافضل لہ ان یبیعہ ولو امتنع عن البیع یکون مسیئا لقلۃ شفقتہ علی المسلمین انتہی وفی موضع اخر وھذا فیما یضر حبسہ عند الحاجۃ الیہ مما ھو قوت البشر والبہائم کالبر والشعیر والتمر والتین والزبیب۔ انتہی۔ اور علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں۔ قال الکرمانی الحکرۃ احتکار الطعام ای حبسہ یتربص بہ الغلاء ھذا بحسب اللغۃ واما الفقہاء فقد اشترطوا اشراطا مذکورۃ فی الفقہ انتہی اور مجمع البحار میں مذکور ہے المحرم من الاحتکار ما ھو فی الاقوات وقت الغلاء للتجارۃ ویؤخر للغلاء لا فیما جاء من قریتہ او اشتراہ فی الرخص وادخرہ او ابتاع فی الغلاء لیبیعہ فی الحال۔

پس اگر صغریٰ میں احتکار سے مراد احتکار شرعی ہے پس صغریٰ ممنوع ہے، کیونکہ تجارت گندم اور جو اور چنے بلکہ جمیع اقسام اناج کے، بلکہ جمیع اقسام اقوات بشر اور بہائم کے ہرگز احتکار شرعی نہیں ہے، چنانچہ سابقا مفصلا معلوم ہوا، اور اگر مراد احتکار لغوی ہے تو مسلم ہے، لیکن کبریٰ میں احتکار سے کیا مراد ہے، اگر مراد احتکار شرعی ہے، تو حد اوسط مقرر نہیں، چنانچہ خود ظاہر ہے اور اگر مراد احتکار لغوی ہے، تو حد اوسط مقرر ہے لیکن کبریٰ ممنوع ہے، کیونکہ احتکار لغوی ہرگز حرام نہیں ہے، بلکہ جائز و درست ہے بلا وغدغہ بلکہ خود خیر القرون میں موجود و متحقق

پاس غلہ ہو اور اس نے مہنگائی کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہو اور بازار میں غلہ نہ مل رہا ہو تو اسے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا، تاکہ لوگوں کی تکلیف رفع ہو، امام شافعی اور ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے، اگر کسی کے پاس اپنی زمین کا غلہ ہو، تو اس کے روکنے میں احتکار نہیں ہے، کیونکہ اس میں کسی اور کا حق نہیں ہے، ہاں اگر لوگ مجبور ہوں، تو وہ کچھ گنہگار ضرور ہوگا، کیونکہ اس میں شفقت کی کمی ہے، انسان کی خوراک کے علاوہ مویشیوں کی خوراک میں بھی احتکار حرام ہے۔

تھا حرام نہیں، صحیح مسلم میں جو ثانی صحاح ستہ ہے، اور بعض کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ اور مقدم از صحیح البخاری ہے، سعید بن مسیب سے منقول ہے[1]۔ فقیل لسعید فانک تحتکر قال سعید ان معمر الذی کان یحدث ھذا الحدیث کان یحتکر انتھی۔ پس سعید بن مسیب تابعی جلیل الشان اور معمر بن عبداللہ راوی حدیث سید الانس والجان جو زیتون کے تیل کا احتکار کرتے تھے، معاذ اللہ زید کے مذہب کے موافق مرتکب حرام کے ٹھہرتے ہیں ولیس ہذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام اور اکابر اہل سنت والجماعت ہرگز ان کو مرتکب اس کا قرار نہیں دیتے ہیں، بلکہ حدیث کو محمول احتکار شرعی پر کرتے ہیں، اور ان کے قول کو مخصوص باحتکار لغوی کرتے ہیں، نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں[2] واما ماذکر فی الکتاب عن سعید بن المسیب ومعمر راوی الحدیث انھما کان یحتکران فقال ابن عبد البر وآخرون انما کانا یحتکران الزیت وحملا الحدیث علی احتکار القوت عند الحاجۃ الیہ والغلاء وکذا حملہ الشافعی وابو حنیفۃ وآخرون وھو الصحیح انتھی

فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ھذا ما علینا ان نقول ومن اللہ نرجو احسن القبول نمقہ العبد الخامل الجانی السید امیر احمد النقوی السھسوانی بواہ اللہ فی دار التھانی وسخر لہ غرکان المقاصد والامانی فقط ہر درین وقت موجود نیست

ما نمقہ البحر القمقام والحبر الھمام راس الفقھاء والمحدثین سند الاذکیاء والمحققین فھو حق حقیق وصدق انیق لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ وانا العبد الضعیف المستجیر الی رحمۃ ربی القدیر ابو المجتبی الشہیر بسید عبد الرحمن یصلح شانہ المنان الحق لا یتجاوز عما فی ھذا الجواب فماذا بعد الحق الا الضلال کما لا یخفی علی اولی النھی والافضال

سید احمد حسن	سید محمد نذیر حسین	زشرف سید کونین شد شریف حسین
خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین		ابو الحسنات محمد عبد الحی

[1] سعید بن مسیب سے کہا گیا، کہ آپ تو احتکار کرتے ہیں، انہوں نے کہا، کہ معمر جنہوں نے یہ حدیث بیان کی وہ بھی احتکار کرتے تھے

[2] سعید بن مسیب اور معمر جو احتکار کی حدیث کے راوی ہیں یہ تیل کا ذخیرہ کیا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ احتکار غلہ میں ہے، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور دوسروں کا بھی یہی مذہب ہے، اور یہی صحیح ہے۔

سوال: غلہ اس غرض سے جمع کرنا، کہ اس کو گران کرکے فروخت کریں گے یہ جائز ہے یا نہیں، اور گناہ کہاں تک ہے؟

الجواب: گرانی کے زمانہ میں غلہ خرید کرکے جمع کرنا، اور اس غرض سے رکھنا کہ جب اور گراں ہوگا، تو فروخت کریں گے جائز نہیں ہے، اور اسی کا نام احتکار ہے، اور اسی کی ممانعت حدیث میں آئی ہے، روضۃ الندیہ میں ہے۔ قال[1] اصحابنا الاحتکار المحرم ھو الاحتکار فی الاقوات خاصۃ وھو ان یشتری طعاما فی وقت الغلاء ولا یبیعہ فی الحال بل یدخرہ لیغلو ثمنہ۔ مگر جب کہ ارزانی کے زمانہ میں خریدا ہو، اور اس کو جمع کیا ہو یا اپنے خرچ کے لئے گرانی کے زمانہ میں خریدا ہو یا بروقت فروخت کرنے کے لئے خریدا ہو، تو نہ یہ احتکار ہے، اور نہ حرام، اسی روضۃ الندیہ میں ہے۔ واما[2] اذا اشتراہ او جاءہ من قریتہ وقت الرخص او ادخرہ او ابتاعہ فی وقت الغلاء لحاجتہ الی الاکل او ابتاعہ لیبیعہ فی الوقت فلیس باحتکار ولا تحریم فیہ۔ ونیز اس میں ہے۔ ولا[3] یکون الاحتکار المحرم الا اذا کان لقصد ان یغلی ذلک علی المسلمین۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ حررہ عبد الرحیم اعظم گڈھی کوپوی ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ حنا سائیدہ ریت طوان عرصہ چالیس سال سے بہت شہروں میں خاص کر شہر دہلی میں کثرت سے ہزاروں من فروخت ہوتی ہے، اور مشتری بھی جانتے ہیں، کہ اس میں ریت ملی ہوئی ہے اور بائع بھی یہ کہہ کر فروخت کرتے ہیں، کہ اس میں ریت ملی ہوئی ہے تم دیکھ لو، خریدار بھی نہیں دریافت کرتے، کہ اس میں کس قدر ریت اور کس قدر حنا ہے، خریدار خوش ہو کر لیتے ہیں بلکہ کہتے ہیں، کہ اس سے بھاری لاؤ، یعنی زیادہ ریت طوان لاؤ، اس باعث کہ جس قدر

---

[1] ہمارے اصحاب کا یہ مسلک ہے، کہ احتکار حرام صرف خوردنی اشیاء میں ہے، اور اس کی صورت یہ ہے، کہ گرانی کے وقت میں غلہ خریدے، اور اس کو اور مہنگا ہونے کے خیال سے ذخیرہ کرے، اور فروخت نہ کرے۔ [2] اگر غلہ ارزانی کے وقت خریدے یا کسی بستی سے منگائے اور اس کو ذخیرہ کرلے، یا اس کو گرانی میں اپنے کھانے کے لئے خریدے، اور ضرورت کے وقت اس کو بیچ ڈالے تو نہ یہ احتکار ہے نہ حرام ہے [3] احتکار حرام وہ ہے، جو مسلمانوں پر غلہ گراں کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

زیت زیادہ ہو گی، قیمت میں کم ہو گی، اور خالص حنا کو کم لیتے ہیں، ردیے بردیے مخالص کے خالص کی کم قدر کرتے ہیں بہ سبب زیادہ قیمت ہونے کے، اگر خالص فروخت پانچ من ہو، تو مخالص پانسو من بلکہ ہزار من فروخت ہوتی ہے، یہ عرف و رواج بازار جاری ہے، ہرگز اس میں دھوکا فریب نہیں ہے، الغرض صورت بالا میں کوئی شخص حنا زیت ملوان فروخت کرے، موافق عرف و رواج اہل تجار جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب ۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ حسب رواج و عرف تجاروں کے کوئی شخص حنا ملونی کر کے فروخت کرے، اور تجار اس ملونی سے واقف اور ماہر ہوں تو اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے، کیونکہ عادت غالبہ اور عرف لوگوں کا یہ بھی ایک حجت ہے حجج شرعیہ سے، اور اس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں، جیسا کہ تفصیل اس کی مطولات میں مذکور ہے، اور اعتبار عرف کا اللہ صاحب کے کلام سے ثابت ہے دیکھو ۔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان الآیۃ۔ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف الآیۃ۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف الآیۃ۔ فامسکوھن بمعروف الآیۃ۔ فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف الآیۃ۔ علی ہذا القیاس بہت آیات اس بارہ میں منقول ہیں، بجہت طوالت نقل نہیں کی گئیں، اور علاوہ اس کے یہ بیع بیع غرر یعنی فریب میں داخل نہیں ہے، اس واسطے کہ تجار ملونی مذکور سے واقف ہیں، اور خوشی سے ملونی حنا کو خریدتے ہیں، اور نیز یہ بیع من غش فلیس منا کے مصداق بھی نہیں ہے، اس لئے کہ فریب اس بیع میں جب ثابت ہو، کہ جب اہل تجار اس سے واقف نہ ہوں وہ لوگ ملونی اور غیر ملونی کو جانتے ہیں، اور ملونی کو عیب نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ رغبت سے اس کو لیتے ہیں، پس اس صورت میں کسی نوع کا خلل شرعی ثابت نہیں ہے، یہ بیع درست ہے

؎ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس سے مطالبہ عرف کے مطابق کیا جائے اور وہ شرافت سے ادا کرے۔ اور فرمایا، موت کے وقت اگر کسی کے پاس مال ہو تو اسے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنا چاہیئے، اور فرمایا، عورتوں کے بھی مردوں پر دستور کے مطابق ایسے ہی حق ہیں جتنے مردوں کے عورتوں پر ہیں، اور فرمایا، اگر وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ دستور کے مطابق نکاح کرنا چاہیں، تو ان کو مت روکو۔

؎ جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور جو کوئی اس بیع کی صحت پر اعتراض کرے، تو اعتراض اس کا غیر معتبر ہے، اس کو چاہیئے قرآن مجید اور حدیث شریف سے کوئی دلیل عدم جواز کی پیش کرے۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ سید محمد شریف حسین عفی عنہ۔

سید شریف حسین | سید محمد نذیر حسین | سید احمد حسن | محمد عبد المجید

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

سوال: ایک شخص چمڑے خشک کو پانی میں بھگو کر بیچتا ہے، کیا یہ بیع جائز ہے؟

الجواب: اگر مشتریان اس حالت سے واقف ہیں، اور دیدہ ودانستہ خریدتے ہیں، تو جائز ہے، کیونکہ تراضی طرفین کی پائی گئی، اور اگر ناواقف ہیں، اور شخص مذکور نے اسے آگاہ بھی نہیں کیا، تو ناجائز ہے، مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ[1] ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی صبرۃ طعام فادخل یدہ فیھا فنالت اصابعہ بللا فقال ما ھذا یا صاحب الطعام قال اصابتہ السماء یا رسول اللہ قال افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس من غش فلیس منی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ۔ ۶ جمادی الثانیہ ۱۳۱۷ھ　　سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع شئے غائب کی جائز ہے یا نہیں، یعنی مشتری نے مبیع کو نہیں دیکھا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کا مثل دیکھا ہے، جیسے ایک کتاب چھپی ہوئی دیکھی، اس کو دیکھ کر وہی کتاب دوسرے مطبع سے منگوالی، اور دوسری یہ کہ اس کا مثل بھی نہیں دیکھا ہے، اور بائع ومشتری سے ملاقات نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بیع دونوں صورتوں میں جائز ہوگی، کیونکہ بیع صرف ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتی ہے رویت مبیع شرط نہیں ہے، خواہ ایجاب وقبول (یعنی بائع کہے کہ میں نے بیچا و مشتری کہے کہ میں نے لیا) تلفظ سے ہو، یا کتابت سے ہدایہ میں ہے البیع ینعقد

---

[1] حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے آپ نے اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا، آپ کو بھیگا ہوا معلوم ہوا آپ نے فرمایا، ارے غلے والے یہ کیا ہے اس نے کہا یا رسول اللہ اس پہ بارش ہو گئی تھی آپ نے فرمایا تو نے بھیگی ہوئی کو اوپر کیوں نہ ڈالا کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے، جو دھوکہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بالایجاب والقبول۔ ترجمہ۔ بیع جائز ہو جاتی ہے ایجاب اور قبول سے، ہاں خیار رویت مشتری کو باقی رہے گا، ہدایہ میں ہے۔ ومن اشتری شیئا لم یرہ فالبیع جائز وله الخیار اذا رآہ ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ انتہی۔ ترجمہ۔ جو خریدے ایسی چیز کو کہ نہیں دیکھا ہے اس کو تو بیع جائز ہے، اور اس کو اختیار ہے، کہ جب دیکھے تو اگر چاہے تو کل قیمت دے کر لے اور اگر چاہے، تو پھیر دے، اور تلفظ اور کتابت کا حکم ایک ہے، ہدایہ میں ہے الکتاب کالخطاب یعنی لکھنے اور بولنے کا ایک حکم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الجیب محمد یسین الرحیم آبادی

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص بیمار بارہ دن پہلے مرنے اپنے سے ہوش وحواس وثبات عقل اپنی سے آدھا مکان مشترکہ مملوکہ اپنا بیع بالقد دختر اپنی کے بیع کیا بمقابلہ دو سو روپیہ کے اور ایجاب اور قبول درمیان بائع اور مشتریہ کے پایا گیا، و لیکن تقابض بدلین وقوع میں نہیں آیا اس صورت میں بیع مذکور منعقد اور لازم ہوئی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ جب ایجاب وقبول پایا گیا، بیع لازم ہوئی بغیر خیار[1] کے اور بدون رضا ایک دوسرے کے فسخ نہیں ہو سکتی۔ اذا وجدا لزم البیع بلاخیار الا بعیب اوعدم رؤیة کذا فی الدر المختار والھدایة وغیرھما من کتب الفقه۔ واللہ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] اگر ایجاب وقبول دونوں پائے جائیں، تو بیع لازم ہو جائے گی، اور عیب یا عدم رؤیت کے علاوہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے بیع فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

کتاب الربوٰ

سوال:۔ (۱) تعریف رشوت اور فرق درمیان رشوت و سود کے کیا ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص سرکاری ملازم کے ساتھ کسی کام کے کرانے میں محنتانہ مقرر کرے، مگر وہ کام بذات خود نہیں کر سکتا، لیکن اپنے افسر بالا بااختیار سے حسب منشا سائل کا کام کرایا جاوے تو بلا اطلاع افسر بالا کے محنتانہ مقرر شدہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی ملازم حسب اختیار للہ دیگر شخص کے ساتھ سلوک کرے، تو اس شخص کو للہ خاطر و تواضع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر کوئی ملازم کم سرمایہ ماتحتان متعلقہ سے نقدی و بیش قیمتی اشیاء نہیں، مگر اشیاء خوردنی و استعمالی روزمرہ لیوے، جس کی قیمت ماتحتان نہ لیں، اور بطور احسان مندی یا للہ بخش دیں، تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں۔

(۵) اگر کوئی شخص رشوت لینا چھوڑ دے، اور خالص توبہ کرے، تو جو روپیہ یا مال و مویشی یا نوشیدنی یا خوردنی اشیاء لی ہوں، یا اس روپیہ سے خرید کی ہیں، اور اشیاء مذکورہ بالا واپس نہ کر سکتا ہو، یا کوئی شخص مر گیا ہو، یا بہت دراز فاصلہ پر ہو جس سے ملاقات ہونے کا اتفاق نہیں ہو سکتا، تو اس روپیہ اور اشیاء مذکورہ کو تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ (۱) رشوت کے معنی ہیں کسی شخص کو کچھ مال اس غرض سے دینا، کہ وہ شخص امر باطل و ناحق پر اس کی اعانت کرے، اور اس غرض سے جو مال دیوے وہ راشی ہے، اور جو مال لیوے وہ مرتشی ہے، اور جو شخص دونوں کے درمیان اس لین دین کی بات چیت کرے، وہ رائش ہے، اور حدیث میں ان تینوں شخصوں پر خدا کی لعنت آئی ہے، اور امر حق کے حاصل کرنے کے لئے یا ظلم ظالم کے دفع کرنے کے لئے مال دینا رشوت نہیں ہے اور سود اس زیادتی کا نام ہے، جو ھقاً وحنماً مال بمال میں بلا عوض مشروط ہو، رشوت اور سود کی تعریف سے ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے، وہ بھی ظاہر ہو گیا، مجمع البحار میں ہے

والرشوۃ[1] بالکسر والضم وصلۃ الی الحاجۃ بالمصانعۃ من الرشاء المتصل بہ الی الماء ومن یعطی توصلا الی اخذ حق او دفع ظلم فغیر داخل فیہ روی ان ابن مسعود اخذ بارض الحبشۃ فی شئی فاعطی دینارین حتی خلی سبیلہ وروی عن جماعۃ من ائمۃ التابعین قالوا لا باس ان یصانع عن نفسہ ومالہ اذا خاف الظلم انتہی۔

(۲) صورت مسئولہ میں اس سرکاری ملازم کو محنتانہ مقررشدہ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس نے خود سائل کا کام کیا نہیں ہے، بلکہ اپنی سفارش سے اپنے افسر بالا سے سائل کے کام کو کرایا ہے، اور سفارش پر محنتانہ لینا جائز نہیں ہے۔ بلوغ المرام میں ہے۔ عن[2] ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من شفع لاخیہ شفاعۃ فاھدی لہ ھدیۃ فقبلھا فقد اتی بابا عظیما من ابواب الربا رواہ احمد وابوداؤد وفی اسنادہ مقال۔ سبل السلام صفحہ ۲۳ جلد ۲ میں ہے۔ فیہ[3] دلیل علی تحریم الھدیۃ فی مقابلۃ الشفاعۃ وظاھرہ سواء کان قاصدا لذلک عند الشفاعۃ او غیر قاصد لھا وتسمیتہ من باب الاستعارۃ للشبہ بینھما وذلک لان الربا ھو الزیادۃ فی المال من الغیر لا فی مقابلۃ عوض وھذا مثلہ ولعل المراد اذا کانت الشفاعۃ فی واجب کالشفاعۃ عند السلطان فی انقاذ المظلوم من ید الظالم او کانت فی محظور کالشفاعۃ عندہ فی تولیۃ ظالم علی الرعیۃ فانھا فی الاولی واجبۃ فاخذ الھدیۃ فی مقابلھا محرم والثانیۃ

---

[1] رشوت اس چیز کا نام ہے، جو اپنے حق سے زائد وصول کرنے کے لئے کسی حاکم یا افسر کو دی جائے، اور اگر کوئی اپنا حق لینے کے لئے یا ظلم سے بچنے کے لئے کچھ دے، تو وہ رشوت میں داخل نہیں، کہتے ہیں حبشہ کے علاقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کسی طرح پکڑ لئے گئے، تو آپ نے دو دینار دے کر اپنی خلاصی کرالی، ائمہ تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے، کہ جب آدمی کو اپنے مال یا جان پر ظلم کا خوف ہو تو کچھ دے کر نجات حاصل کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے [2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے بھائی کی کوئی سفارش کرے، اور وہ اس کو ہدیہ دے، اور وہ قبول کرے، تو اس نے بہت بڑا سود لیا۔ [3] اس میں دلیل ہے، کہ سفارش کے مقابلہ میں ہدیہ لینا حرام ہے، برابر ہے، کہ شفاعت کے وقت ہدیہ لینے کا اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو، اور اس کو استعارۃ سود کہا ہے، کیونکہ سود وہ مال ہے، جو بغیر کسی عوض کے لیا جائے، اور اس کی یہی کیفیت ہے، اگر شفاعت کسی واجب کام کی ہو، مثلاً مظلوم کو ظالم سے حق دلانے کے متعلق یا کسی خطرناک کام کی روک تھام کے لئے ہو مثلاً کسی ظالم حاکم کو رعیت پر مسلط کرنے کے متعلق تو ان دونوں صورتوں میں اس شفاعت پر ہدیہ لینا بالاتفاق

محظورۃ نقبضها فی مقابلۃ محظور واما اذا کانت الشفاعۃ فی امر مباح فلعلہ جائز اخذ الهدیۃ لانها مکافاۃ علی احسان غیر واجب ویحتمل انها تحرم لان الشفاعۃ شیٔ یسیر لا یؤخذ علیہ مکافاۃ وانما قال المصنف وفی اسنادہ مقال لانہ رواہ القسم عن ابی امامۃ وھو ابو عبد الرحمن مولاھم الاموی الشامی فیہ مقال قال المنذری قلت فی المیزان قال الامام احمد روی عنہ علی بن زید اعاجیب وما اراھا الا من قبل القسم وقال ابن حبان کان ممن روی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعضلات ثم قال انہ وثقہ ابن معین وقال الترمذی ثقۃ انتہی۔

(۳) جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان لیکن یہ لازم ہے کہ دیگر شخص کے ساتھ جو سلوک کرتا ہے اگر اس کا یہ سلوک کرنا اس کی ملازمت و کار منصبی میں داخل ہے تو اس صورت میں اس سلوک پر اس کو اس دیگر شخص سے کچھ ہدیہ وغیرہ لینا جائز نہیں ہے عن ابی حمید الساعدی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استعمل رجلا من الازد یقال لہ ابن اللتبیۃ علی الصدقۃ فجاء فقال ھذا لکم وھذا اھدی لی فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ وقال ما بال العامل نبعثہ فیجیٔ فیقول ھذا لکم وھذا اھدی لی الا جلس فی بیت امہ او ابیہ فینظر ایھدی لہ ام لا الحدیث رواہ الشیخان وابوداود وغیرھم واللفظ لابی داود قال الخطابی فی المعالم فی قولہ الا جلس فی بیت امہ او ابیہ فینظر ایھدی الیہ ام لا دلیل علی ان کل امر یتذرع

حرام ہے، اور اگر سفارش کسی مباح یا مستحب کام میں ہو، تو بعض کے نزدیک اس پر ہدیہ لے لینا جائز ہے، اور بعض اس کو بھی حرام کہتے ہیں، کہ اتنے معمولی سے کام پر ہدیہ وصول کر لینا انسانی شفقت کے خلاف ہے۔

۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن لتبیہ ازدی کو صدقہ وصول کرنے پر ملازم رکھا، وہ لے کر آیا، تو کہنے لگا، یہ تو تمہارا صدقہ ہے، اور یہ میرا ہدیہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا یہ کیسے لوگ ہیں، جن کو ہم عامل مقرر کرتے ہیں، پھر وہ آ کر کہتے ہیں، کہ یہ مجھے ہدیہ ملا تھا، اگر اتنے ہی ہدیے اس کو ملتے تھے، تو اپنی ماں یا باپ کے گھر میں بیٹھا رہتا، پھر دیکھتا، کہ اسے ہدیے ملتے ہیں یا نہیں! اس حدیث میں دلیل ہے، کہ ہر وہ کام جو ممنوع کام کا وسیلہ بنے وہ حرام ہے، اس میں وہ قرضہ بھی شامل ہے، جو نفع لائے اور وہ مرہون مکان بھی جس میں مرتہن بغیر کرائے کے رہے، البتہ سواری کے جانور پر خوراک کے عوض سواری کی جا سکے گی۔

بہ الی محظور فہو محظور وید خل فی ذلک القرض بجوا لمنفعۃ والدار المرھونۃ یسکنھا المرتھن بلا اجرۃ والدابۃ المرھونۃ یرکبھا دیرتفق بھا من غیر عوض انتہی۔

(۴) نہیں جائز ہے۔ کما ظہر من حدیث ابی حمید المذکور

(۵) فقہائے حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں اشیاء مذکورہ کو صدقہ کردینا چاہیئے، اس نیت سے کہ ان اشیاء کا ثواب ان کے مالکان کو پہنچے، اور ان اشیاء کو اپنے مصرف میں لانا جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر مال از کسب زنا وغنا ونیاحت حاصل شود عند الشرع در مال مذکور چہ حکم است، جواب مطابق مذہب حنفی تحریر کردہ شود بینوا ترحموا

الجواب:- در کتب فقہ می نویسند کہ آنچہ مال از کسب زنا وغنا ونیاحت وغیرہ باشد پس سبیل آن است، کہ آن را بارباب اموال رد کنند، اگر معلوم باشند، واگر معلوم نباشند صدقہ کردہ دہد از طرف ایشان تا اگر عین مال بایشان نرسیدہ ثوابش برسد۔ یجب ردہ علی اربابہ ان علموا والا تصدق لیصل ثوابہ ان لم یصل عینہ کذا فی ایضاح الاصلاح شرح امداد الفتاح وفی الملتقی امرأۃ نائحۃ او صاحبۃ طبل او صاحبۃ زمارۃ اکتسبت مالا ردتہ علی اربابہ ان علموا والا تصدق بہ کذا فی الھندیۃ والطحاوی من کان عندہ مال حرام فھو مامور بتصدقہ علی الفقراء الیٰ اخر ما فی منح الازھر ولا یجوز اخذ الاجرۃ علی الغناء والنوح والملاھی لان المعصیۃ لا یتصور استحقاقہا بالعقد فلا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جو مال زنا یا گانے بجانے یا نوحہ کرنے سے حاصل کیا جائے اس کا کیا حکم ہے؟ فتوی حنفی مذہب کے مطابق لکھیں۔

الجواب:- فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے، کہ ایسے مال کو اصل مالکوں کو واپس کردیا جائے اگر وہ معلوم نہ ہوں یا مر گئے ہوں، یا کہیں دور چلے گئے ہوں، کہ ان تک رسائی نہ ہو سکے، تو اس مال کو صدقہ کردیا جائے، اور اس کا ثواب ان کو پہنچا دیا جائے، ایضاح الاصلاح، ملتقی، ہندیہ، طحطاوی، زیلعی، عینی، قسطلانی، شرح نووی میں ہے، ایسے مال کا اصل مالکوں کی طرف واپس کرنا واجب ہے اگر ان کو پہنچایا جا سکے، ورنہ اس کو صدقہ کرکے اس کا ثواب پہنچا دیا جائے اس صورت میں اگرچہ ان کو اصل مال تو نہ ملے گا، لیکن اس کا معاوضہ مل جائے گا، اور یہی حکم ہے ہر اس مال کا جو حرام طریقے سے حاصل ہو رہا ہو اور ایسے مال کو واپس کرنے کا حکم اس لئے دیا جاتا

یجب علیہ الاجر وان اعطاہ الاجر وقبضہ لا یحل لہ ویجب علیہ ردہ کذا فی الزیلعی والعینی وغیرھما من کتب الفقہ واجمعوا علی ان اجرۃ الزنا باطلۃ کذا فی العینی شرح صحیح البخاری والقسطلانی وشرح النووی وغیرہ۔

وسبب رد این است، کہ ہرگاہ گیرندہ مال بوجہ حرام وزنا وغیرہ مالک آن نہ شد، پس آن مال از ملک مالک خارج نہ گشتہ، دریں صورت طریق رسانیدن حقوق عباد ہمیں است کہ آن را بمالکانش برسانند اگر معلوم باشند والا از طرف ایشاں صدقہ کنند، ودلیل بریں مدعی این آیت کریمہ را می گردانند ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا الایۃ۔ قال فی البیضاوی خطاب یعم المکلفین والامانات وان نزلت یوم الفتح فی عثمان بن طلحۃ انتہی ما فیہ وھکذا فی الجلالین والنیسا فوری وغیرھما، ودر بنا مسجد ومرمت آن مال حلال طیب ضرور باید چہ مسجدے کہ از مال حرام تیار بودہ باشد، خواندن نماز دراں مکروہ است ونزد امام احمد حرام ودر چاہ ہم صرف نہ کنند بلکہ بفقراء ومساکین بدہند بایں نیت کہ ثواب ایں مال بمالک آن مال برسد، تا از عذاب اخروی رہا شود۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت کو بلا نکاح ایک مدت تک اپنے پاس رکھا، اور کسی قدر روپیہ بھی اس کو دیتا رہا، اب بعد چند برسوں کے زید اور عورت مذکور کو ہدایت ہوئی، اور انہوں نے توبہ کی، اور دونوں کے باہم عقد موافق شریعت کے کر لیا ہے، اب جو مال کہ زید نے اس عورت کو حالت غیر نکاح میں دیا تھا، اب وہ مال اس عورت کو حلال ہے یا نہیں، اور اگر حلال نہیں، تو اس مال کو کس جگہ خرچ کرنا چاہیئے۔

ہے، کہ زنا، یا نوحہ، یا گانے بجانے کے سبب سے جو مال حاصل ہو، وہ شریعت میں عقد صحیح نہیں ہے، جب عقد صحیح نہ ہوا، تو وہ اصل مالک کی ملکیت رہا، ایسی صورت میں حقوق العباد سمجھ کر اس کو واپس کرنا واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، خدا تمہیں حکم دیتا ہے، کہ امانتیں اصل مالکوں کی طرف واپس کر دو، اگرچہ یہ آیت عثمان بن طلحہ کے حق میں نازل ہوئی لیکن حکم اس کا بہر حال عام ہے، اور اگر صدقہ کرے، تو ایسے مال کو مسجد پر نہ لگائے کیونکہ جس مسجد کی تعمیر میں حرام مال خرچ ہوتا ہو، اس میں نماز پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے، امام احمد تو مطلقاً حرام کہتے ہیں، اور ائمہ احناف مکروہ، اور نہ ہی ایسے مال کو کسی وقف کنوئیں کی تعمیر میں خرچ کیا جائے، بلکہ مسکینوں کو دے دیا جائے۔

الجواب: سو وہ روپیہ اس عورت کو حلال نہیں ہے اس واسطے کہ وہ روپیہ اس کو بمقابلہ زنا کے ملا ہے، اور ایسا مال خبیث ہوتا ہے، وہ روپیہ عورت زید کو واپس کردے، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو بیگھہ زمین بکر سے بقیمت مبلغ پچاس روپیہ خرید کی، اور شرط یہ ہوئی، کہ بکر جو بائع ہے بنسبت زید مشتری کو اگر چار برس کے اندر کل روپیہ ادا کردے، تو زمین بکر کی بکر کو ملے گی، اور مدت معینہ تک نہیں دیا تو زمین مشتری کی ہو جاوے گی، اور بائع کو اس پر کوئی دعوی نہیں رہے گا، اور مدت معینہ تک مشتری اس زمین کی مالگذاری دیتا رہے گا، اور اس کے منافع سے مشتری مدت معینہ تک منتفع ہوتا رہے گا، ایسی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور یہ سود میں داخل ہے یا نہیں، بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب: یہ بیع شرعاً ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع و شرا سے منع فرمایا ہے، طبرانی میں ہے نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے کہ جس میں شرط ہو منع فرمایا ہے، چونکہ بائع و مشتری نے اس بیع میں ایسی شرط کی ہے، کہ بالکل منافی و مخالف بیع ہے، اس لئے یہ بیع فاسد و باطل ہے، اور ایسی شرط بیوع میں کرنی، جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل فرمایا ہے، صحیحین میں حضرت عائشہ سے روایت ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بال رجال يشترطون شروطا ليست في كتاب الله ما كان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وان كان مائة شرط۔ یعنی آپ فرماتے ہیں، کہ کیا حال ہے لوگوں کا، کہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، جو شرط ایسی ہو، کہ اللہ کی کتاب میں نہ ہو، تو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں، امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں الخامس ان قوله صلى الله عليه وسلم كل شرط الخ صريح في ابطال كل شرط ليس له اصل في كتاب الله وقام الاجماع على ان من شرط في البيع شرطا لا يحل فهو لا يجوز عملا بهذا الحديث انتهى۔

لہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا، کہ ہر وہ شرط الخ اس پر صریح دلالت ہے، کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے

فقہاء اس مسئلہ میں مختلف ہیں، بعضوں نے اس بیع کو رہن میں داخل کیا ہے، اس صورت میں منافع وزوائد بحکم حدیث لہ غنمہ وعلیہ غرمہ[1] کا مضمون ہوگا جواہر الفتاوی میں ہے کہ یہی قول صحیح ہے، اور فتاوے خیر الدین رملی میں لکھا ہے، کہ علیہ الاکثر یعنی اسی پر اکثر علماء ہیں اور بعضے علماء جنہوں نے اس صورت کو بیع میں داخل کیا ہے، انہوں نے بھی بسبب اس شرط استرداد کے جو صلب عقد میں واقع ہوا ہے۔ اس بیع کو فاسد کہا ہے، پس صورت مندرجہ مسئولہ باتفاق فقہاء وعلماء ناجائز ہے، اور وہ منافع تا انقضائے میعاد محض سود اور ربا میں داخل ہیں، اور وہ منافع ذمہ اس خریدار کے مضمون ہوں گے۔ کما لا یخفی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وعندہ ام الکتاب۔ کتبہ العبد المذنب الخائف یوم البطش ابو عبداللہ مولا بخش بہاری عفا اللہ تعالیٰ عنہ۔

ناظرین فتوے ہذا پر مخفی نہ رہے، کہ کتب حدیث کے تتبع سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ شروط فی البیوع مطلقاً حرام نہیں ہیں، اس بارے میں چند روایتیں وارد ہیں، جن کو شیخین و اہل سنن وغیرہم نے روایت کیا ہے، ان کو ہم یہاں پر بوجہ ذیل کرتے ہیں، پہلی حدیث جس کو شیخین وغیرہما نے بروایت حضرت جابر نقل کیا ہے، لفظ حدیث یہ ہیں فاستثنیت حملانہ الی اھلی، اور لفظ بخاری واحمد کا یہ ہے وشرطت[2] ظھرہ الی المدینۃ، دوسری حدیث جس کو شیخین نے دربارہ بریرہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے، جس کا لفظ یہ ہے[3] وان اشترطوا مائۃ شرط، امام مسلم نے ابن عمر وابوہریرہ سے بھی بایں لفظ روایت کیا ہے تیسری حدیث جس کو اہل سنن واحمد وغیرہم نے عبداللہ بن عمرو سے بایں لفظ نقل کیا ہے۔ کا یحل سلف وکا بیع وکا شرطان فی بیع۔

ان احادیث ثلاثہ سے درباب بیع مع الشرط کے تین حالتیں معلوم ہوئیں، حضرت جابر کی روایت سے بیع وشرط دونوں کا صحیح ہونا ثابت ہوا، حضرت عائشہ رض کی روایت جو درباب واقعہ بریرہ مروی ہے، اس سے یہ ثابت ہوا، کہ بیع صحیح ہے، اور شرط باطل اور حدیث ابن عمرو سے یہ ثابت ہوا، کہ بیع اور شرط دونوں باطل ہیں، سلف وخلف نے

باطل ہے، اور اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے اجماع قائم ہوا ہے، کہ بیع میں ایسی تمام شرطیں جو حلال نہ ہوں مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ [1] شئے مرہونہ کا نفع، نقصان راہن کا ہے، [2] میں نے اپنے گھر تک اس پر سواری کرنا مستثنے کر لیا، [3] اور میں نے مدینہ تک اس پر سوار ہونے کی شرط کر لی، [3] اگرچہ سو شرطیں مقرر کریں۔

اپنے مسلک کا موقوف علیہ انہیں روایتوں کو قرار دیا ہے، ابن شبرمہ رح جو معاصر امام ابو حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ کے ہیں، ان کا یہ مذہب ہے، کہ بیع مع الشرط ہے، اور ان کے دعوے کی دلیل یہی حدیث جابر کی ہے، اور ابن ابی لیلیٰ کا مذہب یہ ہے، کہ بیع صحیح ہے اور شرط باطل، اور ان کے مدعی کی حجت یہی حدیث حضرت عائشہ کی ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے، کہ بیع و شرط دونوں باطل ہیں، جیسا کہ حدیث نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط سے مستفاد ہوتا ہے، بنا بر بعض ادلہ ثلاثہ کے بعض سلف و خلف نے جواز بیع الوفا کا فتویٰ دیا ہے، مگر مفتی بہ قول یہ ہے کہ بیع الوفا جائز نہیں، جیسا کہ جناب مستطاب حضرتنا و مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں، کہ نہ سندے قابل اعتماد و نہ وجہے صحت یافتہ می شود، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی قائل عدم جواز ہی کے ہیں، اور اس کے عدم جواز کی اور وجہیں بھی بہ تفصیل درج ذیل ہیں، فلینظر الیہ و تامل فیہ،

روایات ثلاثہ مذکورہ بالا پر غائر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ شروط فی البیوع کی استقراءً تین حالتیں ہیں، یا تو باطل فی نفسہا ہوں، یا صحیح معمول بہا، یا مؤدی الی الربا، ان میں سے اول و ثانی شرطیں جب عقد بیع میں واقع ہوں گی، تو مقتضی فساد نہ ہوں گی، پہلی شرط اس وجہ سے، کہ جب وہ باطل فی نفسہ ہے، تو کالعدم ہے، گویا عقد بیع میں اس کا ذکر ہی نہیں ہے، اور ثانی شرط کا عدم اقتضائے فساد ظاہر ہے، اور تیسری شرط جب واقع فی العقد ہوگی، تو مقتضی فساد ہوگی، اور اس کا اقتضائے فساد بھی بین ہے، اس تنقیح کے بعد صورت مسئولہ میں جو شرط فی عقد البیع واقع ہے، یہ دیکھنا چاہیے، کہ ان شرطوں میں سے کون شرط پائی جاتی ہے۔ ناظرین پر پوشیدہ نہ رہے، کہ اس خصوص میں شرط مؤدی الی الربا جو تیسری قسم کی شرط ہے پائی جاتی ہے، کیونکہ صورت مرقومۃ الصدر میں یہ شرط مندرج ہے کہ بکر زید کو اگر چار برس کے اندر کل روپیہ وصول دے دیوے تو زمین بکر کی بکر کو ملے گی، نہیں تو زمین مشتری کی ہو جاوے گی اور اس زمین کے منافع سے مشتری زید تا مدت معینہ منتفع ہوتا رہے گا، اس سے بالبداہت ظاہر ہو گیا، کہ یہ شرط مؤدی الی الربا ہے، اور جب کہ یہ شرط مؤدی الی الربا ہوئی، تو بیع الوفا باطل ہو گئی، اس لئے

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

کہ یہ شرط مؤدی الی الربا مقتضے فساد ہے، اس کے علاوہ اور بھی قباحتوں سے یہ بیع الوفاء باطل ہے، اولاً بقاعدہ معروفہ العبرۃ فی العقود بالمعانی لا بالالفاظ، یہ عقد، عقد رہن ہے اور رہن کا انتفاع مرتہن کو اگرچہ باذن راہن عام ازیں کہ وہ مشروط بشرط حقیقۃً ہو یا حکماً باتفاق علمائے محدثین وفقہائے مجتہدین درست نہیں ہے، کیونکہ یہ ربا ہے، پس بحسب اصول مقرر مسلمہ بالا جب کہ عقد رہن کا انعقاد ثابت ہو چکا، تو تملیک منافع مشتری کے حق میں کسی طرح صحیح نہیں ہوئی، یہ پہلی قباحت مخل صحت بیع الوفا ہے۔

ثانیاً شرط رد جو عقد بیع میں واقع ہے، یہ دوسری قباحت مخل صحت بیع الوفا ہے کیونکہ اس شرط رد نے اس بیع الوفا کو بیع فاسد کر دیا ہے۔

ثالثاً اس صورت میں تو بیع کو استقرار ہے، اور نہ بائع ومشتری کو اطمینان، اور یہ تیسری قباحت سب قباحتوں سے زیادہ مخل صحت بیع الوفا ہے، ولا شرطان فی بیع دراصل اسی وجہ سے منہی عنہ ہوئی، کہ اس میں طرفین کو تردد ہے، اور بیع کو استقرار نہیں ہے فلیتامل فیہ

رابعاً یہ کہ تراضی طرفین جس پر معاملات شرعیہ کا دارومدار ہے، بوجہ اس کے کہ اس بیع کی حقیقت کا علم نہیں ہے، ثابت نہیں ہوا، یہ چوتھی قباحت مخل صحت بیع الوفا ہے۔

خامساً بقاعدہ مذکورہ بالا کے جب کہ یہ عقد، عقد رہن ہوا، تو بعد گذرنے میعاد کے شئے مرہون کا مالک مشتری نہیں ہو سکتا، اور اس عقد میں بائع کی طرف سے مالک بنایا گیا ہے، یہ پانچویں قباحت مخل صحت بیع الوفا ہے۔

سادساً جب کہ شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے، تو شئے مرہون بعد گذرنے میعاد معینہ کے زر ثمن کے عوض ہرگز بیع نہیں ہو جا سکتی ہے، حالانکہ اس بیع میں ایک محتمل شئی پردہ شئے مرہون بیع قرار دی گئی ہے، ہذا واضح البطلان، اور یہ چھٹی قباحت مخل صحت بیع الوفا ہے

خلاصہ یہ ہوا کہ بیع الوفا بوجوہ شئے قباحتوں کے بھی ناجائز اور بے اصل ہے، اور فرع بے اصل لا اصل لہ ہے، مسلمانوں کو اس سے اجتناب لابدی ہے، اور اسی طرح سود کھانے کے حیلہ سے احتراز ضروری ہے۔ ہذا ما سنح لی فی ہذا الجواب واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ اضعف عباد اللہ الوبی ابو المعالی محمد علی فیضی مئوی دانا پوری غفرلہ ولوالدیہ ولاساتذتہ

ابو المعالی محمد علی ۱۳۱۳

جواب مجیبین ماشاء اللہ خوب تحقیق سے لکھا گیا ہے، جزاہما اللہ خیرا مفتی بہ مذہب حنفیہ میں بھی ایسا ہی ہے، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی وصاحب درمختار وغیرہ لکھتے

ہیں، کہ منافع کو اصل میں مجرے کرے، ورنہ سود۔ واللہ اعلم۔ فقیر ابوالحسنات محمد عبدالغفور دانا پوری عظیم آبادی، واعظ اسلام پٹنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بہتر روپیہ آفس سے فی سینکڑہ دو روپیہ سود کے حساب سے قرض بہ نیت خرید زمین یا تجارت کے لایا، ڈیڑھ روپیہ ماہواری سود مثلاً ڈیڑھ برس تک ہر مہینہ آفس میں دیتا رہا۔ آخر میں کل اصل روپیہ مع سود یک مہینہ کے آفس میں پہنچانے کو تیار ہوا، عمرو نے اس کو کہا، کہ میری شادی میں روپیہ کی ضرورت ہے آپ فقط سود گذشتہ کا دے کر اصل روپیہ مجھ کو دیجئے، آفس میں اپنے نام پر بدستور سابق رہنے دینا، میں آپ کے نام سے ہر مہینہ سود داخل کروں گا۔ زید نے جواب دیا، کہ ڈیڑھ روپیہ سود ماہ گذشتہ کا جو میرے ذمہ باقی ہے، اس کو بھی اگر آپ اپنے ذمہ رکھ کر اپنے پاس سے میرے نام سے داخل کر دیگے، تب آپ کو روپیہ دوں گا، ورنہ نہیں دوں گا، عمرو نے قبول کر کے ڈیڑھ روپیہ داخل کر کے زید سے روپیہ لے کر اس تاریخ سے ہر مہینہ کا سود زید کے نام سے اپنے پاس سے آفس میں داخل کرتا رہا، جب زید کے آفس سے روپیہ لینے کا زمانہ قریب تین سال کے ہوا، تب آفس سے پروانہ زید کے مکان پر پہنچا، کہ مبلغ مذکور میعاد کے اندر آفس میں داخل کر دو، ورنہ جو آئین مقرر ہے عمل میں لایا جاوے گا، زید اس وقت سفر میں تھا، عمرو نے آفس میں ضامن دے کر روپیہ اپنے نام لکھوا کر بعدہ ہر مہینہ زید کے نام آفس میں دیتا رہا، تا وقتیکہ اپنے نام نہ لکھوایا تھا، ان دونوں معاملہ میں زید آخذ الربا بھی و معطی الربا دونوں ہوگا یا فقط ایک، اور یہ معاملہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ معاملہ گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ سود کا معاملہ ہے، اور سود کا معاملہ بلا شبہ گناہ کبیرہ ہے۔ عن[1] جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم وعن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب الحدیث وفیہ فمن زاد واستزاد فقد اربی الاخذ والمعطی فیہ سواء رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ صفحہ ۲۴۶۔

---

[1] حضرت جابر کہتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، سود لینے، دینے والے اور اس کے کاتب اور گواہوں پر اور فرمایا وہ گناہ میں سب برابر ہیں۔ حضرت ابوسعید کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا سونا سونے کے ساتھ الخ اور اس میں ہے، جو زیادہ دے یا زیادہ طلب کرے تو بیشک سود لیا، لینے اور دینے والا اس میں برابر ہے۔

اور بلوغ المرام صفحہ ۱۰۱ میں ہے۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فهو ربا رواہ الحارث بن ابی اسامۃ واسنادہ ساقط ولہ شاھد ضعیف عن فضالۃ بن عبید عند البیہقی واخر موقوف عن عبد اللہ بن سلام عند البخاری۔ معاملہ مذکور میں زید کا معطی الربا ہونا تو صاف ظاہر ہے، رہی یہ بات کہ وہ آخذ الربا ہے یا نہیں، سو واضح ہو، کہ وہ آخذ الربا بھی ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ زید نے جو اصل روپیہ عمرو کو دیا ہے، سو یہ دینا بطور قرض کے ہے، اور قرض کے ذریعہ سے نفع اٹھانا اخذ ربا ہے، پس جب کہ عمرو نے موافق کہنے زید کے ڈیڑھ روپیہ سود ماہ گذشتہ کا جو زید کے ذمہ آفس کا باقی تھا، اپنے پاس سے داخل کر کے زید سے روپیہ لیا، تو بلا شبہ زید آخذ ربا ہوا، ثانیاً اس وجہ سے کہ جب تک آفس کا روپیہ زید کے نام تھا، اور عمرو ہر مہینہ کا سود زید کے نام اپنے پاس سے داخل کرتا رہا، تب تک اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ زید اصل روپیہ عمرو کو دے کر ہر مہینہ کا سود عمرو سے خود لیتا ہے، اور پھر اس کو اپنے ہر مہینہ کے سود میں جو اس کے ذمہ آفس کا ہوتا جاتا ہے، عمرو کی معرفت آفس میں داخل کرتا ہے، بناء علیہ زید اس معاملہ میں آخذ الربا بھی ہے، اور معطی الربا بھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زمین کو گرو دینا، اور چند روپیہ مرتہن سے لینا اور جب تک وہ روپیہ واپس نہ دیوے، تب تک محصول اس زمین کا مرتہن کے ذمہ مقرر کرنا، اور بعوض سود چند آنے پیسے فی بیگہ اس سے منہا کرنا بمقدار مال گذاری سرکاری جائز ہے یا ناجائز، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ محصول زمین میں سے بمقدار مال گذاری سرکاری منہا کرنے کے بعد بقیہ زر محصول جو مرتہن کے پاس باقی رہتا ہے، وہ صریح سود ہے، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ رہن کی صورت ہے، اور رہن کی صورت فی الحقیقت قرض ہی کی صورت ہے، چنانچہ سبل السلام شرح بلوغ المرام میں ہے۔ ھو ای الرھن لغۃ الاحتباس وفی الشرع جعل مال وثیقۃ علی دین انتہی مختصرا۔ لہذا مرتہن نے جو بقیہ زر محصول سے

لے حضرت علی سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر وہ قرض جس سے فائدہ لیا جائے، وہ سود ہے ۔ سے رہن کا لغوی معنی "روکنا" ہے، اور شریعت میں اس کا معنی ہے، کہ قرض ملنے کو محفوظ کرنے کے لئے وثیقہ کے طور پر کوئی مال لے لیا جائے۔

نفع اٹھایا ہے، یہ نفع قرض کے ذریعہ سے اٹھایا ہے، جو ناجائز ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے ناجائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ عبدالحق اعظم گڈھی عفی عنہ
۴ ار رجب ۱۳۱۷ھ
سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض قوموں میں سردار لوگ مقرر ہوتے ہیں، اور ان کی سرداری کا ایک روپیہ یا دو یا دس پانچ روپیہ نقد یا کھانا وغیرہ مقرر ہوتا ہے اور برادری کا کھلانا یا مٹھائی وغیرہ امور شادی میں تقسیم کرنا مقرر ہوتا ہے اور بروقت نکاح یا خطبہ وغیرہ کے والیان ناکح یا مخطوب سے لیا جاتا ہے، اس کو مقدور دینے کا ہو یا نہ ہو، قرض لا کر دے یا سودی، بلکہ سردار اور برادری والے خود اس کو قرض یا سودی دلوا دیتے ہیں، لیکن جو صیغہ ان کا مقرر شدہ ہے، وہ ضرور لے لیتے ہیں، اور اگر صیغہ مقررہ نہ دیوے، تو نکاح ہونے نہیں دیتے، اور برادری سے خارج کر دیتے ہیں، بے چارے غریب کو مجبوراً دینا ہی پڑتا ہے سو ایسے سرداروں کا مقرر کرنا، اور ایسا روپیہ و کھانا جبراً لینا شریعت میں درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب:۔ ایسے سرداروں کا مقرر کرنا اور ایسا روپیہ اور کھانا جبراً لینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ ظلم و اکل المال بالباطل ہے، اور وہ حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ وقال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا وکان ذلک علی اللہ یسیرا۔ و قال اللہ تعالیٰ فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم وبصدھم

لہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ، کہ تم مقدمات حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ مجرمانہ طور پر کھا جاؤ، حالانکہ تم اس کو جانتے ہو، اور فرمایا ”اے ایماندارو! اپنے مال آپس میں باطل طریق سے نہ کھاؤ، ہاں آپس کی رضا مندی سے اگر تجارت ہو تو منافع کھا سکتے ہو، اور اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو، اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے، اور اگر کوئی شخص ظلم اور زیادتی سے ایسا کرے گا، تو ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور یہ اللہ کے لئے آسان بات ہے“ اور فرمایا، یہودیوں کے ظلم اور خدا کی راہ سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں، جو ان کے لئے پہلے حلال تھیں، اور وہ سود لیتے تھے

عن سبیل اللہ کثیرا واخذھم الربا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل وقال تعالی انہ لا یفلح الظالمون وقال تعالی الا لعنۃ اللہ علی الظالمین وقال تعالی اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا۔

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: ۔ ما قولکم رحمکم اللہ ۔ اندریں مسئلہ کہ[1] مسلمے سود می گرفت، اکنون بوعظ علماء سود خوری ترک نمودہ است۔ الحال اموال سود را چہ کند خیرات کردن می تواند یا نہ در حالیکہ صاحبان اموال را نسیا منسیا گردانیدہ است، واگر صدقہ از مال حرام جائز نہ باشد ایں جزئی نیز بحوالہ کتاب نوشتہ شود، پس مال مذکورہ را چہ کردہ شود، بینوا توجروا۔

الجواب: ۔ درصورت مرقومہ معلوم ہو کہ اس مال کو نیا بتہ اس شخص کی طرف سے خدا کی راہ میں خرچ کردے، اس نیت سے کہ یا الٰہی اس صدقہ کا ثواب اس شخص کو پہنچے جس سے میں نے یہ مال حاصل کیا ہے اس میں اپنے ثواب کا ہرگز امیدوار نہ ہو۔ کذا فی شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری والفتاوی العالمگیریۃ واللہ اعلم بالصواب ۔

حررہ السید ابو الحسن

سید محمد نذیر حسین

سوال: ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود ہندوستان میں لینا کیسا ہے، اور استعمال چربی خنزیر کا حلال ہے یا حرام ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: ۔ حلال جاننے والا سود لینے کو یعنی حلال سمجھ کر لیوے کافر ہے اور مرتکب بغیر حلال سمجھنے کے فاسق ہے ۔ قال[2] اللہ تعالی الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا

حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا، اور باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھایا کرتے تھے" اور فرمایا "ظالم لوگ کبھی نجات نہ پائیں گے" اور فرمایا "ظالموں پر خدا کی لعنت ہے" اور فرمایا "جس نے ظلم کیا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر جب وہ خدا کے پاس جائے گا، تو وہ اس کو بدترین سزا دے گا"

[1] ایک مسلمان آدمی پہلے سود لیا کرتا تھا، اب علماء کے وعظ سے اس نے توبہ کر لی ہے۔ اب سودی روپے کا کیا کرے، جن سے سود لیا تھا، وہ اب بھول چکے ہیں، ایسے مال کو خیرات کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر حرام مال سے صدقہ نا جائز ہو، تو یہ بھی کتاب کے حوالے سے لکھیں۔ [2] اللہ تعالی نے فرمایا جو سود کھاتے ہیں وہ اس طرح اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہا کرتے تھے، کہ

واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔ وعن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم۔ اور سود سب جگہ حرام ہے، اور اس تخصیص کا کچھ ثبوت نہیں، اور ایسا ہی حال چربی خنزیر کا ہے، قال اللہ تعالیٰ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر۔ خنزیر من کل الوجوہ حرام ہے، گو چربی ہی ہو مستحل کافر مرتکب فاسق۔ حررہ محمد سعید عفی عنہ

الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال — سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین محققین اس مسئلہ میں کہ بعضے عالم حنفی یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان و بنگالہ میں سود لینا جائز ہے نزدیک امام ابوحنیفہ کے کیونکہ وہ دار الحرب ہے، سو ہم دو امر کی تحقیق چاہتے ہیں، ایک امر یہ کہ ہندوستان دار الحرب ہے علی التحقیق یا نہیں، دوسرا امر یہ ہے، کہ باوجود دار الحرب ہونے ہندوستان کے سود لینا یہاں مسلمانوں کو جائز ہے یا حرام، بیان کرو قرآن شریف اور حدیث صحیح مرفوع سے، کہ نزدیک محدثین متقدمین و متاخرین کے ثابت ہوئی ہو، ثواب پاؤ گے۔

الجواب: ۔ درصورت مرقومہ پہلے حال امر اول کا بیان کیا جاتا ہے بغور سنو، واضح ہو کہ کتب فقہ حنفیہ میں مذکور ہے، کہ دار الحرب دار الاسلام ہو جاتا ہے احکام اسلام کے جاری کرنے سے اس میں جیسے نماز جمعہ و عید بطریق شہرت و اعلان کے ساتھ ادا کرنا، اور حال ہندوستان و بنگالہ کا یہی ہے، پھر کیونکر ہندوستان و بنگالہ دار الحرب ہوگا، اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے، اور جب تک احکام اسلام جاری و باقی رہیں گے، دار الاسلام دار الحرب ہرگز نہ ہوگا، اور اکثر مشائخ حنفیہ نے اس کو بدلیل قوی و محکم کیا ہے، چنانچہ تنویر الابصار والدر المختار وطحطاوی وفصول عمادی وغیرہ میں مذکور ہے۔ تصیر[2] دار الحرب دار الاسلام باجراء احکام الاسلام کجمعۃ وعید کذا فی الدر المختار۔ اب آگے دلیل امام ابوحنیفہ

تجارت بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے، شہادت دینے والے سب پر لعنت کی ہے اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس نے تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام قرار دیا ہے۔

[2] در مختار میں ہے، کہ اسلام کے احکام مثلاً جمعہ و عیدین وغیرہ جاری ہو جانے سے دار الحرب دار الاسلام بن جائے گا

کی بیان ہوتی ہے فصول عمادیہ سے۔ ولہ ای ولابی حنیفۃ ان ھذہ البلدۃ صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیہا فما بقی شئ من احکام الاسلام فیہا تبقی دار الاسلام علی ما عرف ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی شئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ ھکذا ذکر شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر الاصل وذکر رحمہ اللہ فی موضع اخر ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب اذا بقی شئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اھل الاسلام وذکر صدر الاسلام ابوالیسر فی سیر الاصل ایضا ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب مالم یبطل جمیع ما بہ صارت دار الاسلام کذا ذکرہ فی باب المرتدین وذکر شیخ الاسلام الاسبیجابی فی مبسوطہ ان دار الاسلام محکومۃ بکونہا دار الاسلام فیبقی ھذا الحکم ببقاء حکم واحد فیہا ولا تصیر دار الحرب الا بعد زوال القرائن کلہا ودار الحرب تصیر دار الاسلام بزوال بعض القرائن وھو ان یجری فیہا احکام الاسلام انتہی ما فی فصول العمادیۃ فی اول الکتاب۔ عالم فقیہ اوشنر دشنی نے اپنے فصول میں ابوالیسر سے ذکر کیا ہے، کہ دارالاسلام دار الحرب نہیں ہوتا، جب تک وہ سب امور باطل نہ ہو جائیں، کہ جن کے جہت سے دارالاسلام ہوا، اور شیخ الاسلام اسبیجابی نے اپنی مبسوط میں اس طرح ذکر کیا ہے، کہ دارالاسلام کہ بسبب جاری ہونے احکام اسلام کے دارالاسلام ہوا ہے، تو جب تک کوئی چیز علائق اسلام سے باقی رہے گی، تو جانب اسلام کو ترجیح دی جاوے گی۔ کذا ذکرہ السید احمد الطحطاوی فی حاشیۃ الدر المختار، پس تحریر کتب معتبرہ بالا سے صاف واضح ہوا، کہ جب تک تلاوت و وعظ و نصیحت قرآن شریف

لہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دار الحرب میں جب تک دارالاسلام کے احکام جاری رہیں گے، وہ دارالاسلام ہی متصور ہوگا، کیونکہ اصول میں یہ بات طے ہو چکی ہے، کہ جب کسی علت کی بنا پر کوئی حکم لگایا جائے، تو جب تک وہ علت باقی ہے، اس وقت تک وہی حکم متصور ہوگا، شیخ الاسلام ابوبکر نے شرح سیر الاصل میں اسی طرح ذکر کیا ہے ایک دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں، کہ دار الحرب میں جب تک دارالاسلام کا ایک حکم بھی نافذ ہے، وہ دار الاسلام کے حکم میں ہے، اگرچہ اہل اسلام کا غلبہ وہاں سے زائل ہو چکا ہو، صدر الاسلام ابوالیسر سیر الاصل میں لکھتے ہیں کہ دارالاسلام میں جب تک ایک حکم بھی اسلام کا نافذ ہے وہ دار الحرب نہیں ہوگا، شیخ الاسلام اسبیجابی اپنی مبسوط میں لکھتے ہیں کہ دارالاسلام اس لئے دارالاسلام ہے، کہ اس میں اسلامی قوانین و احکام جاری و ساری ہیں، جب تک اسلام کا ایک قانون بھی اس میں جاری رہے گا، وہ دارالاسلام ہی متصور ہوگا۔

دعوت اسلام و ادائے جمعہ و عیدین بلا و اشتہار عام و اعلان تمام پایا جائے گا ہندوستان میں تو وہ بدستور دار الاسلام رہے گا، دار الحرب نہ ہوگا، چنانچہ علمائے دیندار محققین ماہرین شرع پر مخفی نہیں ہے۔

دوسرا امر یہ کہ دار الحرب میں سود لینا حرام ہے یا حلال، سو اب اس مسئلہ تحقیق کما حقہ بیان کی جاتی ہے۔ پس سنو! فی الواقع متن فقہ حنفی میں مذکور ہے، کہ سود لینا دار الحرب میں نزدیک امام ابو حنیفہ کے جائز ہے، بدلیل اس حدیث کے کہ لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب[1]۔ لیکن یہ حدیث مانند شتر بے مہار کے ہے، کیونکہ یہ حدیث نزدیک محدثین متقدمین و متاخرین کے ثابت نہیں ہوئی، اسی واسطے حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری نے درایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں کہا ہے، کہ حدیث لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب[2] لم اجدہ لکن ذکرہ الشافعی و من طریقہ البیہقی قال قال ابو یوسف انما قال ابو حنیفۃ ھذا لان بعض المشیخۃ حدثنا عن مکحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ربوا بین اھل الحرب اظنہ قال واھل الاسلام انتہی ما فی الدرایۃ۔ اس مقام میں بہت غور کرنا چاہیئے، کہ امام ابو یوسف نے اس حدیث کو نقل کر دیا، اور آپ اس پر عمل نہ کیا، کیونکہ ان کے نزدیک قابل اعتماد نہ ہوتی، اور فی الواقع یہ حدیث مثل شتر بے مہار کے ہے، اس لئے کہ نہ سند متصل درمیان راوی و مروی عنہ کے درجہ بدرجہ باسامی رواۃ پائی جاتی ہے، اور نہ متن متین کہ لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب[3] متن صحیح ہے یا لا ربوا بین اھل الحرب واھل الاسلام[4] متن صحیح ہے، اور ظاہر ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک خبر معلق بلا اسناد و تعدیل مبہم مقبول نہیں جیسا کہ شرح نخبۃ الفکر و تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں مذکور ہے، بالجملہ از روئے قواعد اہل حدیث و فقہ

---

[1] دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سود نہیں ہے [2] مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں سود نہیں ہے، اس حدیث کو میں نے نہیں دیکھا، ہاں شافعی نے اس کو ذکر کیا ہے، بیہقی نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے، کہ امام ابو حنیفہ نے ایسا فرمایا، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی، کہ اہل حرب کے درمیان سود نہیں ہے، اور میرا خیال ہے، کہ یہ بھی فرمایا، اور اہل اسلام میں

[3] مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں سود نہیں ہے [4] اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان سود نہیں ہے۔

کے بمقابلہ نص قرانی کے حدیث لا ربوا بین المسلم الخ قابل اعتماد و استدلال کے ہرگز نہیں ہو سکتی نزدیک علماے اہل فطانت و دیانت کے۔ و بالفرض اگر حدیث مذکور ساتھ سند صحیح کے بھی پائی جاتی ہو تاہم زیادت ساتھ خبر واحد کے نص قطعی قرآنی پر ہرگز جائز نہ ہوگی چنانچہ ماہران اصول پر مخفی نہیں، ربوا خوار کو چاہیے کہ اس مقام میں فتح القدیر کو بغور ملاحظہ کرے کہ سود لینے سے باز آ دے۔ ولهذا لا يفيد لمعارضة اطلاق النصوص الا بعد ثبوت صحة حديث مكحول وقد يقال لو سلم حجيته فالزيادة بخبر الواحد لا تجوز فاثبات قيد زائد على المطلق من نحو لا تاكلوا الربوا ونحوه هو الزيادة لا تجوز انتهى ما في فتح القدير بقدر الحاجة۔

اب آگے سنو کہ امام صاحب بواسطہ حدیث مذکور کے ربوا لینا دار الحرب میں جائز رکھتے ہیں، نہ دار الاسلام میں اور ہندوستان شرعاً و عرفاً موافق شروط قرار دادہ امام صاحب کے دار الحرب نہیں ہے، چنانچہ فصول عمادیہ و طحطاوی وغیرہ سے پہلے واضح ہو چکا، پس امام صاحب کے نزدیک بھی سود لینا ہندوستان و بنگالہ میں حرام و نا جائز ہوگا، کیونکہ دار الاسلام ہے، تو اس صورت میں نزدیک تمام اہل حدیث و فقہ خصوصاً نزدیک امام ابو یوسف و چاروں اماموں کے معاملہ لینا دینا سود کا ہندوستان و بنگالہ میں حرام قطعی ہوگا، کیونکہ قولہ تعالی و حرم الربوا نص قطعی ہے، منکر اس کی حرمت کا بے شک کافر ہوگا، چنانچہ ماہران شریعت پر مخفی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درباب سود کے کہ فی زماننا اکثر اہل اسلام بدلیل اس کے کہ یہ ملک دار الحرب ہے، اور دار الحرب میں سود لینا درست ہے آپس میں ہندوؤں اور مسلمانوں سے سود لیتے ہیں اور دیتے ہیں، آیا اس حیلہ سے سود لینا مسلمانوں کو اس ملک میں درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ جاننا چاہیے، کہ سود کا لینا، دینا خواہ دار الاسلام میں ہو خواہ دار الحرب میں حرام اور ممنوع ہے، نزدیک امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد، اور امام ابو یوسف اور جمہور علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کیونکہ قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ رضی

سے حرمت ربوا کی ثابت ہے قطعاً، مگر امام ابوحنیفہ و محمد فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں کافر حربی سے سود لینا درست ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، ولیکن ملک ہندوستان رنگون سے لے کر پشاور تک ہرگز دار الحرب نہیں مطابق مذہب امام صاحب کے اس لئے کہ موافق تحقیق اور تنقیح علمائے متاخرین حنفیہ کے دار الحرب کی تعریف نزدیک امام صاحب کے یہ ہے، کہ جب کہ کوئی شعائر اسلام کے مثل نماز جمعہ و جماعت علی الاعلان اور پڑھنا قرآن مجید کا برملا پایا نہ جاوے، بلکہ تمام شعائر اسلام کے موقوف ہو جاویں تو اس صورت میں دار الاسلام دار الحرب ہو جاتا ہے، اور جب تک ایک سبب بھی شعائر اسلام کا موجود ہوگا، تو دار الحرب متحقق نہ ہوگا جیسا کہ فصول عمادی و طحطاوی وغیرہ میں مذکور ہے جب کہ ہندوستان دار الحرب نہ ٹھہرا نزدیک امام صاحب کے تو سود کا لینا دینا ہندوستان میں نزدیک امام صاحب کے بھی حرام اور ممنوع ہوگا۔ دلیلہ[1] ان ھذہ البلدۃ صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا فما بقی شیء من احکام دار الاسلام فیھا یبقی دار الاسلام علی ما عرف ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی شیء من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ ھکذا ذکرہ شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر الاصل وذکر فی موضع اخر منھا ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب اذا بقی شیء من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اھل الاسلام وذکر صدر الاسلام ابو الیسر فی سیر الاصل ایضا ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب مالم یبطل جمیع ما بہ صارت دار الاسلام کذا ذکرہ فی باب احکام المرتدین وذکر شیخ الاسلام الاسبیجابی فی مبسوطہ ان دار الاسلام محکومۃ بکونھا دار الاسلام فیبقی ھذا الحکم ببقاء حکم واحد فیھا ولا تصیر دار الحرب الا بعد زوال القرائن کلھا ودار الحرب تصیر دار الاسلام بزوال بعض القرائن وھو ان یجری فیھا احکام الاسلام وذکر الامتی فی واقعاتہ ھکذا وذکر السید الامام ناصر الدین ؒ فی المنثور ان دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فما بقی علقۃ من علائق الاسلام یترجح

---

[1] امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے، کہ احکام اسلامیہ کے اجراء کی وجہ سے یہ شہر دار الاسلام ہو چکے ہیں جب تک ان میں اسلام کا ایک حکم بھی جاری رہے گا، یہ دار الاسلام رہیں گے، کیونکہ ظاہر بات ہے، کہ جب کوئی حکم علت کے سبب سے ثابت ہو، تو جب تک وہ علت قائم رہے گی، وہ حکم بھی ثابت رہے گا، اگرچہ ان شہروں میں اسلام کا غلبہ نہ ہو، اسبیجابی نے کہا جب تک کسی شہر میں اسلام کا ایک بھی حکم باقی ہے وہ دار الاسلام رہے،

جانب الاسلام کذا فی الفصول العمادیۃ وھکذا فی الطحطاوی والدر المختار وغیرھما من کتب الفقہ، قال مولانا عبد العزیز الدھلوی بعد نقل ھذہ الروایات المذکورۃ فی جواب السائل المستفتی فعلم من ھذہ الروایات الفقھیۃ ان ھذہ البلاد لا تصیر دار الحرب علی مذھب الامام الاعظم ابی حنیفۃ رح بل تکون دار الاسلام کما کان ولا یجوز للمسلم اخذ الربوا من النصرانی وغیرہ لان حرمتہ قطعیۃ ثابتۃ بالآیۃ بقولہ تعالٰی احل اللّٰہ البیع وحرم الربوا وبقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ کما ھو مذکور فی کتب الاحادیث من الصحاح الستۃ وعلی مذھب صاحبیہ تصیر دار الحرب اذا اجری فیھا احکامھم وفی اخذ الربوا من الحربی اختلاف فعند الامام الشافعی ومالک واحمد وابی یوسف رحمھم اللّٰہ تعالٰی لا یجوز فی دار الحرب ایضا وعند الامام الاعظم ابی حنیفۃ رحمۃ اللّٰہ علیہ ومحمد یجوز فی دار الحرب کما قال فی الھدایۃ ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافا لابی یوسف والشافعی رح انتھی ما نقل مولانا المرحوم مختصرا اور مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم ومغفور نے بھی بیچ جواب مستفتی کے ارشاد فرمایا ہے کہ سود لینا دار الحرب میں حربی سے بھی درست نہیں، چنانچہ عبارت فتوی جناب مولانا مبرور کی بعینہ نقل کی جاتی ہے در حلت و حرمت مبلغ سود در دار الحرب از حربیاں کلامی است وآں اینست کہ حرمت ربوا بنص قطعی ثابت است کما[1] قال اللّٰہ تعالٰی احل اللّٰہ البیع و

شاہ عبد العزیز دہلوی نے انہیں روایات فقہیہ کو نقل کرکے اپنے فتوی میں لکھا ہے، کہ یہ شہر ہندوستان کے شہر امام ابو حنیفہ کے مذہب پر بھی دار الحرب نہیں ہیں، بلکہ دار الاسلام ہیں، اور مسلمان کو عیسائی سے یہاں سود لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی حرمت قرآن وحدیث کی نصوص کی بنا پر قطعی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اللہ نے تجارت کو حلال کیا، اور سود کو حرام" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے سب پر لعنت کی ہے، جیسا کہ صحاح ستہ کی احادیث میں مذکور ہے، اور صاحبین کے مذہب پر جب کہیں احکام اسلامیہ کا اجرا ہو جائے، تو وہ دار الاسلام ہو جاتا ہے، اور حربی سے سود لینے کے متعلق اختلاف ہے، امام مالک، شافعی، احمد اور ابو یوسف کے نزدیک قطعی حرام ہے اور امام ابو حنیفہ اور محمد اس کو جائز کہتے ہیں۔

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام۔

حرمة الربوا۔ وحلت ربوا از کافر حربی در دار الحرب ظنی است پس عمل کردن بر دلیل اقوی و اوکد است خصوصاً وقتیکہ در دار الحرب بودن درین دیار علماء را اختلاف باشد پس اجتناب در گرفتن سود از حربی اوکد و الزم خواہد بود و نیز قاعدہ فقہاست اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، و این وقتے باشد کہ ہر دو دلیل در یک مرتبہ باشد و چون یک دلیل کمتر باشد از دلیل دیگر پس عمل براقوی موکد تر می شود، بنا برین قاعدہ ہم ربا از حربی نباید گرفت و آئندہ از معاملہ سود گرفتن از حربی چہ جائے مسلم اجتناب باید نمود، تمام شد عبارت فتوی جناب مولانا مرحوم۔

واجب ہے مسلمان دیندار سعادت شعار پر کہ کہنے سے کسی نیم ملاں کے سود کے لینے دینے سے اگرچہ دار الحرب میں ہو پرہیز و اجتناب ضرور کریں، اور مضامین ان آیتوں سے خوف و خطر میں رہے، چنانچہ خدا تعالیٰ خود سود خواروں کے حق میں فرماتا ہے۔ لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ۔ و یمحق اللہ الربوا۔ فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ۔ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین۔ ومن عاد فاولٰئک اصحب النار ھم فیھا خالدون۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ	سید محمد نذیر حسین	فقیر خواجہ ضیاء الدین
ھذا الجواب صحیح۔	محمد قطب الدین	سید محمد ہاشم	محمد یوسف
الجواب حق والمجیب محقق۔	محمد مسعود نقشبندی	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

چونکہ در سوال مرقوم است، کہ سود فی زماننا اکثر اہل اسلام بدلیل این کہ این ملک دار الحرب است و در دار الحرب سود گرفتن درست است، ہندو و مسلمان باہم دیگر سود می گیرند و می دہند پس ازیں حیلہ سود گرفتن مسلمانان را درین ملک درست یا نہ۔

جواب اس سوال صرف این قدر باید کہ این ملک دار الحرب نیست حسب روایات

لے "وہ قیامت کو ایسے اٹھیں گے، جیسے کسی کو شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو" اور "اللہ سود کو مٹاتا ہے" "اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ" "اگر تم ایماندار ہو تو باقی سود چھوڑ دو" "اور جو شخص پھر بھی سود لے گا، سو یہ لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

لے چونکہ سوال میں یہ لکھا ہے، کہ ہمارے زمانے میں اکثر مسلمان اس دلیل سے کہ یہ ہندوستان دار الحرب ہے اور دار الحرب میں سود لینا دینا جائز ہے، ہندوؤں سے سودی معاملات کرتے ہیں، پس اس حیلہ سے مسلمانوں کو

استفسار درین صورت سود گرفتن بالاتفاق درست نیست، وسائل سوال از چین ورد سن کہ بالاتفاق دار الحرب مستند نمی کند کہ در جواب نوشتہ شود وگفتگو درین مقدمہ بسیار است دور کتب خمسہ امام محمد مرقوم است، کہ طول بسیاری خواہد پس جواب باین قدر ست، کہ این ملک دار الحرب نیست ددو تحطاہم برین است، وبردیگر روایات نیست

کتبہ صدر الدین خان صدر الصدور سابق دہلی۔ بقلم خاکسار محمد سبحان علی لکھنوی،

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے اندر کہ رشوت کا کھانا، اور سود کا کھانا، اور بیاج کا کھانا، اور شراب کا پینا، اور غیر اللہ کے نام کا کھانا اس میں کچھ فرق ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیے، کہ رشوت کا کھانا، اور سود کا کھانا اور سود کا کھانا اور شراب کا پینا حرام ہے، اور سب حرام ہونے میں برابر ہیں، اور علماء کا اتفاق ہے مخلوق کی نذر کے حرام ہونے پر، اور یہ نذر منعقد نہیں ہوتی، اور وہ حرام ہے جائز نہیں اس کا لینا اور کھانا، بحر الرائق میں مذکور ہے۔ انعقد الاجماع علی حرمۃ نذر المخلوق ولا ینعقد نذر المخلوق وانہ حرام بل سحت ولا یجوز اخذہ واکلہ انتہی اور دلیل الصالحین میں مرقوم ہے النذر لا یکون الا للہ تعالیٰ فمن نذر لنبی او ولی لا یلزم علیہ شئی فان اعطی ذلک الشئی لاحد من الناس علی تلک النیۃ لا یجوز اخذہ ان علموا لاخذ بذلک فان کان طعاما لا یحل اکلہ وان کان ذبیحۃ فھو میتۃ فان اکلوا وسموا اللہ تعالیٰ علیہا کفروا جمیعا وان نذروا للہ تعالیٰ فاکلوا ثم وھبوا ثوابہ لاحد من الناس فتلک

سود لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب صرف اتنا ہے، کہ یہ ملک دار الحرب نہیں ہے، اور یہاں سود لینا دینا بالاتفاق درست نہیں ہے، امام محمد نے کتب خمسہ میں لکھا ہے، کہ اس بارے میں گفتگو بہت طویل ہے ؎۲ اس پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر حرام ہے، اور مخلوق کی نذر منعقد نہیں ہوتی، اور اس کا لینا اور کھانا بھی حرام ہے۔ ؎۳ نذر صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اگر کوئی نبی یا ولی کی نذر مانے تو اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، اور اگر اس نیت سے کوئی کسی کو کچھ نذر دے، تو اس کا لینا معلوم ہو جانے کے بعد جائز نہیں ہے، اگر کھانا ہو، تو اس کا کھانا حرام ہے اگر ذبیحہ ہو، تو وہ مردار ہے، اور اگر ایسی نذر کو خدا کا نام لے کر بھی کھائیں گے، تو بھی وہ کافر ہیں، اور اگر نذر اللہ کی ہو اور کھا کر کسی آدمی کو اس کا ثواب بخشیں، تو یہ جائز ہے۔

تجوز انتہی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین

ز شرف سید کونین شد شریف حسین

سوال:۔ سودی روپیہ سے کر تجارت کرنا حرام اور گناہ ہے یا نہیں، اور مال حاصل کردہ سودی روپیہ سے طیب و پاک ہے یا ناپاک، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سودی روپیہ سے کر تجارت کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس واسطے کہ سود حرام قطعی ہے، اور سود لینے والے اور دینے والے، اور گواہ ہونے والے اور تمسک لکھنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم۔ کذا فی المشکوٰۃ۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود کے گناہ ستر حصے ہیں، ان کا آسان حصہ یہ ہے، کہ اپنی ماں سے زنا کرے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ رواہ ابن ماجہ والبیہقی کذا فی المشکوٰۃ۔ اور مال حاصل کردہ سودی روپیہ سے ناپاک ہے، اس واسطے کہ جب سبب حرام دنا شروع ٹھہرا، تو جو چیز اس سے حاصل ہوگی، وہ بھی اسی کے حکم میں ہوگی۔ کما لا یخفی علی المتامل واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید شریف حسین | ز شرف سید کونین شد شریف حسین | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع وشرا و داد و ستد کرنا دانستہ یا نادانستہ سود خوار سے کہ اکثر مال اس کا حرام ہے، جائز ہے یا ناجائز بحوالہ کتب فقہ جواب تحریر فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ دانستہ بیع وشرا و داد و ستد سود خوار سے کہ اکثر مال اس کا حرام ہے جائز نہیں، اور نادانستہ موجب حرمت و معصیت کا نہیں الحرمۃ تنتقل بالعلم[1] کذا فی الدر المختار وغیرہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ز شرف سید کونین شد شریف حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مال کافر کا اور اراضی وغیرہ

---

[1] حرمت علم ہونے سے منتقل ہوتی ہے ۱۲

رافضی کی از روئے غدر و فریب و خیانت کے لینا درست ہے یا نہیں اور اس میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: از روئے غدر و فریب کے لینا مال کا فر کا اور رافضی وغیرہ رافضی کی حرام و ناجائز ہے، اور اس میں مسجد بنانا بھی ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: قرض خواہ اگر سود اگر کو خرچہ آمد و رفت و خوراک و سواری وغیرہ کا مدیون و مشتری سے لینا نہیں پہنچتا شرعاً۔ ^(۱)^ وما شرط فی العقد المشروع لا یجوز الا کالا الذی فی الغیاثیۃ اور یہ خرچہ خوراک وغیرہ کا لینا عقد مشروع میں داخل نہیں ہے، اور دعوت مدیون کی اگر بجہت قرض کے ہے یعنی قرض کی شرما شرمی کرتا ہے، تو تقوی و توریع کی راہ سے احتراز کرنا اس دعوت اور ہدیہ سے افضل ہے، کیونکہ یہ مشروط بعقد نہیں، اور جو مشروط ہو، تو حرام ہوگا یہی معنی ہیں۔ ^(۲)^ کل قرض جر منفعۃ فہو ربا کے، اور جو مستقرض اور مدیون صاحب مروت و سخاوت ہے، کہ قطع نظر قرض خواہ و مقرض سے جو کوئی اس کے مکان پر آتا ہے، وہ اس کی دعوت اپنے وجود و کرم سے کرتا ہے، تو ایسے شخص کی دعوت اور ہدیہ قبول کرنا مضائقہ نہیں درست ہے۔ فی الاشباہ کل قرض جر نفعا فہو حرام کذا فی الدر المختار قولہ کل قرض جر نفعا ای قال الکرخی ہذا اذا کانت المنفعۃ مشروطۃ فی العقد فان لم تکن مشروطۃ فقد فعم اجود فلا باس بہ وقال الطحطاوی ما احب لہ ذلک وذلک دون الکراہۃ ومحمد لم یر بذلک باسا والا فضل ان یتورع المقرض عن قبول الہدیۃ اذا علم انہا لاجل القرض وان کانت لصداقۃ او قرابۃ بینہما او کان المستقرض معروفا بالجود والسخاء فلا یتورع وان اشکل الامر تورع واجابۃ الدعوۃ علی ذلک۔ انتہی ما فی الطحطاوی والعالمگیریۃ مختصراً۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

---

^(۱)^ عقد مشروع میں جو شرط کی جائے، وہ جائز ہے باقی نہیں۔ ^(۲)^ ہر قرض جو نفع لائے وہ سود ہے

^(۳)^ ہر قرض جو نفع لائے وہ حرام ہے، کرخی نے کہا اگر قرض میں نفع کی شرط ہو، تو حرام ہے ورنہ اگر شرط نہ ہو، اور مقروض از خود کچھ زیادہ دے دے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر قرضخواہ کو معلوم ہو جائے، کہ مقروض قرضہ کی وجہ سے ہدیہ وغیرہ دے رہا ہے، تو وہ ہدیہ قبول نہ کرے، ہاں اگر ان میں قرابت ہو، یا قرض خواہ سخی آدمی ہو اور ہر ایک کو روٹی وغیرہ کھلاتا ہو تو اس صورت میں اس سے ہدیہ لے لینا جائز ہے

کِتَابُ الاِجَارَہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی زمین مملوکہ کسی شخص کو اجارہ پر دیوے، پھر قبل از انقضائے میعاد اجارہ کسی اور کے پاس اس زمین کو بیع کر دیوے، تو کیا اس بیع سے اجارہ فسخ ہو جائے گا یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب: اقول وباللہ التوفیق۔ اجارہ بحال خود باقی رہتا ہے، فاسد نہیں ہوتا ہدایہ میں ہے۔ ومن اجر عبدہ ثم باعہ فلیس بعذر لانہ موجب لفسخ الاجارۃ لانہ لا یلزمہ الضرر بالمضی علی موجب العقد وانما یفوتہ الاسترباح وانہ امر زائد یعنی جو شخص غلام کو نوکر کرے، پھر اس کو بیع کر دیوے، تو یہ عذر نہیں ہے (یعنی کہ جس سے اس کی نوکری جاتی رہے) اس لئے کہ خریدار کو اس کی نوکری کے بحال رہنے سے ضرر لازم نہیں آتا۔ ہاں اتنا ہے، کہ وہ نفع نہیں پا سکے گا، سو یہ ایک زائد بات ہے، پس زمین کو بھی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے، شرح اقناع فقہ شافعی میں ہے۔ ولا تنفسخ ببیع العین المؤجرۃ للمکتری او لغیرہ ولو بغیر اذن المکتری یعنی اجارہ پڑی ہوئی چیز کو بیع کر دینے سے اجارہ فسخ نہیں ہوتا، خواہ اجارہ پر لینے والے کے پاس بیچیں یا کسی اور کے پاس، اگرچہ اجارہ پر لینے والے کے اذن بغیر بھی بیع کر دیویں۔ المنہاج للنووی میں ہے ولو باعہا لغیرہ جاز فی الاظہر ولا تنفسخ یعنی اگر مستاجر کے سوا کسی اور کے پاس بیع کر دیوے تو جائز ہے، اور اجارہ فسخ نہیں ہوگا، شارح شربینی لکھتے ہیں۔ اذن المستاجر ام لا یعنی اجارہ پر لینے والے نے بیع کرنے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، دونوں صورتوں میں بیع کرنا جائز ہے، پھر آگے جا کر شارح لکھتے ہیں۔ فتبقی فی ید المستاجر الی انقضاء المدۃ وللمشتری الخیار ان جہل الاجارۃ ولکن ان علمہا وجہل المدۃ یعنی تو وہ چیز بیع ہو جانے کے بعد میعاد اجارہ کے ختم ہو جانے تک مستاجر کے قبضہ میں رہے گی،

اور خریدار کو اگر (بیع کے وقت) اس کا اجارہ پر دیا جانا معلوم نہ ہو، تو (جب معلوم ہوا اس کو اختیار ہے (چاہے رکھے چاہے واپس کر دیوے) اور اسی طرح (خریدار اختیار رکھتا ہے) اگر چیز کے اجارہ ہونے کو جانتا ہو اور میعاد کا علم نہ رکھتا ہو، کہ کتنی ہے، یعنی اگر اجارہ کی میعاد اس کو منظور نہ ہو، تو چیز مبیعہ واپس کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ عبد التواب الملتانی تاب اللہ علیہ۔ الجواب صحیح۔ حررہ محمد شمس الحق عفی عنہ العظیم آبادی

محمد شمس الحق — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بکر کو عرصہ کئی سال سے روزمرہ اس کے مکان پر جا کر پڑھاتا رہا تخمینا تین گھنٹہ تک، اس خیال سے کہ ایک مرد شریف، وضعدار، امیر کبیر اور قدر دان ہے، ضرور ہے کہ خدمت معقول کرے گا، کچھ ماہانہ یا سالانہ مقرر نہیں کیا، چنانچہ زید بکر کو دوران تعلیم میں جب کبھی وقت معین سے پہنچنے میں دیر ہو گئی، تو بکر نے اسی حالت میں دوران تعلیم میں کئی مرتبہ کہا کہ آپ یہ جانتے ہوں گے کہ میں آپ سے مفت پڑھتا ہوں، اور آپ کی کچھ خدمت نہ کروں گا، ایسا نہیں ہے، آپ اپنے وقت معین پر آدیں، اور دیر نہ کریں، آپ کے دیر کرنے میں میرا حرج ہوتا ہے، میں آپ کو بعوض آپ کی تعلیم کے زرکثیر دوں گا، اور ایک قطعہ مکان بھی حسب دلخواہ آپ کے تیار کرا دوں گا، زید نے کہا بہت اچھا، اگر آپ زرکثیر دیں گے، تو میں بھی اپنے وقت پر حاضر ضرور ہوں گا، چنانچہ زید بعد اس کے کئی سال تک۔ ہر روز بوقت صبح تخمینا تین گھنٹہ پڑھاتا رہا، اور بکر نے زید سے بخاری شریف، مسلم شریف، سنن ابو داؤد، ترمذی شریف منتقی اور خطبہ مؤلفہ جناب نواب صاحب بہادر مرحوم اور چند رسائل علم نحو پڑھے اور تعمیر مکان موعود بکر نے واسطے زید کے شروع کر دی، مگر مکان تیار نہیں ہوا تھا، کہ تقدیر الہی سے بکر عرصہ چھ یوم میں علم حدیث پڑھتے پڑھتے مر گیا، لہٰذا گذارش ہے، کہ زید حق المحنت اپنا یعنی اجر المثل درصورت صحت عقد اجارہ یا لزوم الیفا حسب وعدہ بکر کے وصی یا وارث بکر سے از روئے شرع شریف حاصل کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو، کہ ہر گاہ بکر کو خواہش علم کی ہوئی، تو زید بمقتضائے خواہش بکر کے کئی سال تک اس کے مکان پر جا کر تین گھنٹہ پڑھاتا رہا، اور اسی درمیان میں بکر نے زید سے کہا کہ میں بعوض آپ کی تعلیم کے زرکثیر دوں گا الی آخر ما فی السوال، تو حسب بیان

سوال کے یہ صورت اجارہ کی ہوئی بعوض اجرت بلا مقدار معین کے کیونکہ تعریف اجارہ کی اس صورت پر صادق آتی ہے۔ قال فی تنویر الابصار والدر المختار الاجارۃ شرعا تملیک نفع بعوض انتہی کلامہ وقال فی الھدایۃ الاجارۃ عقد یرد علی المنافع بعوض انتہی کلامہ پس تعلیم کرنا زید کا بکر کو تملیک نفع بعوض اجرت کے، اور ثبوت و تقرر اجرت بعوض کا کلام بکر سے صاف معلوم ہوا، تو بکر یا وارثان بکر یا وصی بکر پر اجرت و مشاہرہ دینا زید کو لازم ہوگا بنا بر ارشاد خدا تعالے یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود الایۃ۔ اور مراد عقود سے دائے حقوق اللہ تعالے اور حقوق عباد ہیں، ایسا ہی تفسیر دل میں مذکور ہے، اور زید کو اجرت بالمثل موافق عرف کے دی جاوے گی یعنی تعارف ناس میں ایسے اجیر ذی علم کی اجرت بعوض محنت و تعلیم صاحب ثروت سے جس قدر عرف میں معروف ہو دلوائی جاوے گی چنانچہ آیت کریمہ فلیاکل بالمعروف اس کی طرف مشیر و مظہر ہے، اور اسی قاعدہ مرجحہ شرعیہ سے فقہا لکھتے ہیں المعروف کالمشروط کذا فی الاشباہ والھدایۃ وغیرھما، اور مدار عرف کا جا بجا قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے، کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ، اور اسی قاعدہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محصل زکوٰۃ کو بقدر رواج عرف کے اجرت دیتے تھے، اور وقت بھیجنے کے اجرت مقرر نہیں کرتے تھے۔ والعامل یدفع الامام الیہ ان عمل بقدر عملہ فیعطیہ انتہی ما فی الھدایۃ اور قطع نظر عقد اجارہ سے وعدہ بھی مستفاد ہوتا ہے، بطریق دلالت نص کے اور ایفاء وعدہ کا بھی لازم ہوتا ہے، بنا بر دفع حاجت ناس کے المواعید قد تکون لازمۃ لحاجۃ الناس رھو یعطیہ کما فی الکافی والخانیۃ ھکذا فی الدر المختار قال اللہ تعالی یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود وقال اللہ تعالی اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا وقال اللہ تعالی یا ایھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند

۱؎ اجارہ شرعاً یہ ہے کہ نفع کی تملیک کسی چیز کے عوض میں ہو، در مختار اور ہدایہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

۲؎ اے ایمان والو اپنے عہد و پیمان پورے کرو۔ ۳؎ تو دستور کے مطابق کھائے

۴؎ رواج کا حکم شرطی کی طرح ہے ۵؎ امام لازم کو اس کے کام کے مطابق اجرت دیدے

۶؎ وعدے کا پورا لوگوں کی ضرورت کے لئے واجب ہوتا ہے ۷؎ فرمایا اللہ تعالی نے اے ایماندار والو اپنے عہد پورے کرو، اور فرمایا عہد پورے کرو عہد سے سوال ہوگا، اور فرمایا اے ایماندارو! وہ بات کیوں کہتے ہو، جو تم خود نہیں کرتے۔ اللہ اس سے بہت ناراض ہوتا ہے، کہ تم ایسی بات کہو، جو تم خود نہیں کرتے۔

اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون اور حدیث سفیان میں ہے۔ فزعمت انہ یامرکم بالصلوۃ و الصدق والعفاف والوفاء بالعہد واداء الامانۃ انتہی من البخاری بقدر الحاجۃ مختصرا اور حدیث ابوہریرہ میں ہے ان[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اٰیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا اؤتمن خان واذا وعد اخلف متفق علیہ اور حدیث عبادہ بن صامت میں ہے۔ واوفوا[۳] اذا وعدتم رواہ احمد وابن ابی الدنیا وابن حبان فی صحیحہ والحاکم والبیہقی وقال الحاکم صحیح الاسناد۔ کذا فی الترغیب والترھیب للحافظ المنذری اور حدیث انس بن مالک میں ہے واذا[۴] وعد فلا یخلف رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ وابویعلی والحاکم والبیہقی کذا فی الترغیب والترھیب۔

ان آیات واحادیث مذکورہ میں بعض میں صیغہ امر کا و نہی کا آیا ہے، اور بعض میں لفظ امر اور یہ دونوں دال وجوب پر ہیں، کیونکہ اصل امر میں وجوب ہے جب تک کہ صارف نہ پایا جاوے، اور بعض آیت میں قول ما لا تفعلون کی نسبت جس میں اخلاف وعدہ بھی داخل ہے کبر مقتا عند اللہ آیا ہے، یہ بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے، اور بعض حدیث میں اخلاف وعدہ کو آیتِ نفاق قرار دیا ہے، یہ بھی امارت وجوب ہے، پس ضرور ہے، کہ وارثان بکر یا وصی اس کے بکر کو حسب صحت عقد اجارہ ولزوم ایفائے وعدہ اجر مثل متعارف دیویں تا کہ بکر پر کسی طرح کا مواخذہ نہ ہو جیسا کہ ادلہ مذکورہ بالا اس پر دال ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب حسب ارشاد مولانا مولوی محمد بشیر صاحب از بھوپال۔ ۴ رجمادی الاولیٰ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سید احمد شاہ کہ متقی آدمی ہیں، ان کو ملازمت تحصیلداری ملتی ہے، وہ بحکم ومن[۵] لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون قبول نہیں کرتے آیا ملازمت عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

---

[۱] تو نے کہا ہے، وہ نماز، سچائی، پاکدامنی، عہد پورا کرنے اور امانت کے ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرتا ہے، تو جھوٹ بولتا ہے امانت میں خیانت کرتا ہے، وعدہ خلافی کا مرتکب ہوتا ہے۔

[۳] جب وعدہ کرو، تو پورا کرو۔

[۴] مومن وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

[۵] جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ کافر ہیں۔

الجواب۔ عن عبد الرحمن بن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عبد الرحمن بن سمرۃ لا تسأل الامارۃ فانک ان اعطیتہا عن غیر مسئلۃ اعنت علیہا وان اعطیتہا عن مسئلۃ وکلت الیہا متفق علیہ۔ یہ حدیث اس امر پر بالصراحت دلالت کرتی ہے، کہ اپنی طرف سے ایسی نوکری کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے جس میں نوع حکومت ہو نیل الاوطار میں ہے ویستفاد من ھذا ان طلب ما یتعلق بالحکم مکروہ انتہی۔ اور اگر بلا مطالبہ ملے تو اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ باقی رہی نوکری کفار کی، سو اگر یہ نوکری اصلاح مصالح و دفع شرور و مفاسد مثل دفع شر زندان و قطاع الطریق و بناء قناطیر و بنان سرائے وغیر ذلک مما لا محذور فیہ شرعاً ہے، تو جائز ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے حاکم کافر سے داروغگی خزائن مصر بغرض اقامت عدل درخواست کی، اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرعون کی نوکری دودھ پلانے پر قبول کی، اور اگر یہ نوکری ممنوعات شرعیہ و معاصی پر ہے جیسے لشکر و فوج کو جمع کرنا واسطے قتال اہل اسلام کے یا ایسی نوکری ہے، جس میں ناجائز احکام کا عمل میں لانا یا جاری کرنا پڑتا ہے تو ناجائز ہے۔ قال فی العالمگیریۃ لا یجوز الاستیجار علی المعاصی کالاستیجار علی منفعۃ غیر مقدورۃ لا ستیفاء شرعاً انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سید محمد نذیر حسین

حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ ۱۴ رجب ۱۳۱۷ھ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرکار نے جو کوڑی پر ٹھیکہ لگا دیا ہے، اگر کوئی شخص یہ ٹھیکا اس طرح اٹھاوے کہ سرکار کو مقدار معین دیا کرے گا اور وہ خود راس مذبوح پر سے ٹھیکہ حاصل کیا کرے، یہ جائز ہے یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب:- یہ ٹھیکہ جائز ہے، اس واسطے کہ یہ اجارہ کی ایک قسم ہے اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

۱ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن سمرہ کو فرمایا، امارت کا سوال نہ کرنا اگر تجھے بغیر سوال کے مل گئی تو تیری مدد کی جائے گی، اور اگر بغیر سوال کے تجھے ملی تو تجھے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔

۲ے اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ حکومت کا طلب کرنا مکروہ ہے۔

۳ے گناہ پر ملازمت کرنا جائز نہیں، جیسے کوئی ایسے نفع پر ملازمت کرے جس کو پورا کرنا ممکن نہ ہو۔

سوال ۔ ایک شخص کے مویشی شخص غیر کے کھیت کو چر گئے، اب زراعت والے نے مویشی کو پکڑ کر جو سرکار بہادر نے پانچ آنے مقرر کیا کانجی حوض میں داخل کر دیا، اب بغیر جرمانہ کے مویشی نہیں چھوڑتا، ہر مویشی کا جرمانہ سرکار بہادر نے مقرر کر دیا ہے، یہاں تک کہ سور ادرتے کا بھی، اب اگر کوئی شخص مسلمان موحد سرکار بہادر سے پانچ آنہ کو اجارہ پر لیوے، اور جو جرمانہ سرکار نے مقرر کیا ہے، اس سے زیادہ جرمانہ مویشیوں کا لیوے یہ ظلم ہے یا نہیں، اور سور کا جرمانہ لینا عند الشرع جائز ہے یا نہیں، اور شخص مسلمان کو اس پانچ آنہ میں مویشی کا داخل کرنا روا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب ۔ مویشیوں کا جو جرمانہ سرکار نے مقرر کیا ہے، اس کا لینا سرکار بہادر کو خود جائز نہیں، اور کسی مسلمان کو سرکار بہادر سے پانچ آنہ کو اجارہ پر لینا جائز نہیں، اور کسی مسلمان کو اس پانچ آنہ میں مویشی کو داخل کرنا بھی جائز نہیں، سرکار بہادر کو تو اس وجہ سے جرمانہ لینا جائز نہیں، کہ اس کی وہ مستحق نہیں، کیونکہ اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا ہے، بلکہ صاحب زراعت کا نقصان ہوا ہے، تو وہ جرمانہ صاحب زراعت کو دلوانا چاہیئے، نہ کہ خود سرکار کو لینا چاہیئے اور دلوانا بھی چاہیئے، اور بقدر نقصان صاحب زراعت کے نہ کم اور نہ زیادہ اور کسی مسلمان کو سرکار بہادر سے پانچ آنہ کو اجارہ پر لینا اس وجہ سے جائز نہیں ہے، کہ جب سرکار بہادر کو خود جائز نہیں، تو اس کا اجارہ کیونکر جائز ہوگا رہی یہ بات کہ کسی مسلمان کو اس پانچ آنہ میں مویشی کا داخل کرنا جائز ہے یا نہیں، سو صاحب زراعت اگر اپنا نقصان صاحب مویشی سے خود لے سکے، تو اپنا نقصان خود صاحب مویشی سے لے لینا چاہیئے اور اس کے مویشی کو پانچ آنہ میں داخل نہیں کرنا چاہیئے، اور اگر اپنا نقصان خود نہ لے سکے اور صاحب مویشی اپنے مویشی کی حفاظت اور اس کے نقصان کا خیال نہ کریں، تو دفع حرج کے لئے مجبوراً مویشی کو پانچ آنہ میں داخل کر دے، تو کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا، واللہ اعلم

حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ | سید ابو الحسن | سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ رجواڑے ملک میں بکری پر محصول لگایا ہے کہیں آٹھ آنہ، اور کہیں چار آنہ بروقت خرید نے کے خریدار سے لیا جاتا ہے اس محصول کا ٹھیکہ دیا جاتا ہے، کبھی تمام ریاست کا ایک شخص کو، اور کبھی ایک ایک ضلع کا ایک ایک شخص کو، اور تعداد نہ بکری کی معلوم ہوتی ہے اور نہ محصول کی کہ کس قدر حاصل ہوگا، سو ایسا ٹھیکہ لینا جائز ہے

یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- بکریوں پر محصول لگانا، اور خریدنے کے وقت خریدار سے لینا صریح ظلم ہے اور اس کا ٹھیکہ لینا ظلم پر اعانت کرنا ہے، اور اعانت علی الظلم حرام و ناجائز ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان پس ایسا ٹھیکہ لینا جائز نہیں ہے واللہ اعلم

حررہ علی احمد۔ سید محمد نذیر حسین

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ پڑھوائی قرآن شریف یا حدیث شریف یا فقہ یا نکاح یا کسی اور نیک کام کی جو کہ عبادات میں داخل ہیں جیسے امامت یا مؤذنی یا وعظ و نصیحت یا شروع کرائی قرآن شریف یا سیپارہ یا رکوع یا سورت یا کسی اور دین کی کتاب جیسے تفسیر یا حدیث یا فقہ، یا نماز کی آیا ان کی اجرت مقرر کر کے یا بے مقرر کر کے لینے دینے کا حکم قرآن شریف یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اقوال صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین سے ثبوت ہے، تو مع ترجمہ اردو کے لکھ دو اس عربی کی عبارت کو، اور جو منع ہے قرآن شریف یا حدیث شریف یا تفاسیر سے یا علماء متقدمین یا متاخرین یا مجتہدین یا جمہور یا اجماع امت یا فقہ کی کتابوں سے، تو لند اس پر جواب با صواب لکھ دو۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- لینا اجرت کا اور عبادات کے مثل اذان و اقامت و تعلیم قرآن کے جائز نہیں نزدیک امام اعظم کے اور نزدیک متاخرین حنفیہ کے جائز ہے، اور یہی مذہب ہے اور اماموں کا، اور اسی پر فتوی ہے اور بیان اس کا کتب دینیہ میں اس طرح ہے قال فی الھدایۃ لا یجوز الاستیجار علی الاذان والحج وکذا الامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ والاصل ان کل طاعۃ یختص بھا المسلم لا یجوز الاستیجار علیہ عندنا وعند الشافعی رح یصح فی کل ما لا یتعین علی الاجیر لانہ استیجار علی عمل معلوم غیر متعین علیہ فیجوز ولنا قولہ علیہ السلام اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ وفی اخر ما عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عثمان بن ابی العاص وان اتخذت مؤذنا

لہ قولہ وان اتخذت مؤذنا الخ اقول لم اجد ھذا اللفظ فی کتب الحدیث لہ طرق والفاظ احدھا ما اخرجہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ والحاکم فی المستدرک وصححہ علی شرط مسلم وحسنہ الترمذی عن عثمان بن ابی العاص قال ان اخر ما عھد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتخذ مؤذنا لا یاخذ علی اذانہ اجرا انتہی نصب الرایۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ ۔ نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۳۵۷۔ ابو سعید محمد شرف الدین

خلا تا خذ علی اذانہ اجرا انتہی یعنی نہیں جائز اجارہ لینا اوپر اذان اور حج اور امامت اور تعلیم قرآن اور فقہ کے، اور اصل یہ ہے، کہ جو طاعت خاص ہے ساتھ مسلمان کے اجارہ لینا اوپر اس کے ہمارے نزدیک یعنی اجرت کا لینا دینا جائز نہیں ہے، اور شافعی کے نزدیک صحیح ہے اجارہ ہر ایک طاعت میں، جو طاعت کہ نہیں معین اوپر واجب اوپر اجیر کے یعنی نوکر کے اس واسطے کہ یہ اجارہ کرتا ہے اوپر عمل معلوم کے ایسا عمل کہ نہیں متعین اس کے اوپر پس جائز ہے، اور ہماری دلیل ہے قول علیہ السلام کا پڑھاؤ قرآن اور مت کھاؤ ساتھ اس کے اور بیچ آخر اس کے ہے کہ وصیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی العاص کو کہ اگر رکھا جاوے تو مؤذن تو مت لیجیو اذان پر اجرت انتہی۔

اور مشکوٰۃ میں ہے۔ عن عبادۃ بن الصامت قال قلت یا رسول اللہ رجل اھدی الی قوسا من کنت اعلمہ الکتاب والقرآن ولیست بمال فارمی علیھا فی سبیل اللہ قال ان کنت تحب ان تطوق طوقا من نار فاقبلھا رواہ ابوداؤد وابن ماجہ یعنی روایت ہے عبادہ بن صامت سے کہا اس نے کہ کہا میں نے اے اللہ کے رسول ایک آدمی جس کو میں پڑھاتا تھا قرآن، اس نے مجھ کو ایک کمان بطور ہدیہ کے دی ہے، اور کمان کچھ مال نہیں، پس تیر اندازی کروں میں ساتھ اس کے اللہ کی راہ میں آپ نے فرمایا، اگر دوست رکھتا ہے تو اس بات کو کہ طوق پہنایا جاوے تو آگ کا تو قبول کر لے اس کمان کو انتہی۔

اس حدیث میں جو تہدید ہے، دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ حرام ہے لینا اجرت کا تعلیم قرآن پر اور یہی مذہب علمائے متقدمین حنفیہ کا ہے اور علمائے اہل مدینہ اور شافعی وغیرہ علماء کا مذہب یہ ہے، کہ جائز ہے لینا اجرت مذکور کا، چنانچہ خلاصۃ الفقہ میں مذکور ہے حیث قال وعند اہل المدینۃ یجوز وبہ اخذ الشافعی وبہ اخذ نصیر وعثمان وابونصر وبہ کان یفتی الفقیہ انتہی۔ اور ان لوگوں نے جواب دیا ہے حنفیہ کی دلیلوں کا، اور تائید کی ہے حدیث عبادہ بن صامت میں۔ قال فی حاشیۃ المشکوٰۃ المجوزون اولوا ھذا الحدیث بان عبادۃ کان متبرعا بالتعلیم وناویا الاحتساب فیہ فکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یبطل حسبتہ باخذ ھدیتہ کذا فہم من الطیبی انتہی یعنی جو

لہ اہل مدینہ کہتے ہیں جائز ہے، اور یہی مذہب ہے امام شافعی، نصیر، عثمان، ابو نصر اور فقیہ کا

علماء حکم دیتے ہیں جواز اس اجرت کا تاویل کی انہوں نے اس حدیث میں اس طرح کہ عبادہ نے پڑھایا تھا قرآن خاص واسطے اللہ کے، تو حضرت نے کروہ سمجھا اس بات کو کہ باطل کردے عبادہ اجر عظیم اخروی کو ایک کمان ہدیہ میں لے کر ایسا ہی سمجھا جاتا ہے طیبی سے انتہی۔

اور حجت پکڑی ہے جائز کرنے والوں نے اس اجرت کے لینے کو حدیث ابن عباس سے عن ابن عباس ان نفرا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مروا بماء فیہم لدیغ او سلیم فعرض لہم رجل من اہل الماء فقال ہل فیکم من راق ان فی الماء رجلا لدیغا او سلیما فانطلق رجل منہم فقرا بفاتحۃ الکتاب علی شاء فبرأ فجاء بالشاء الی اصحابہ فکرہوا ذلک وقالوا اخذت علی کتاب اللہ اجرا حتی قدموا المدینۃ فقالوا یا رسول اللہ اخذ علی کتاب اللہ اجرا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ رواہ البخاری وفی روایۃ اصبتم اقسموا واضربوا لی معکم سہما انتہی۔ یعنی تحقیق چند اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرے اوپر ایک پانی کے اس پانی پر جو لوگ تھے ان میں سے ایک آدمی سانپ یا بچھو کا کاٹا ہوا تھا، تو ان میں سے ایک آدمی نے پوچھا اصحاب سے کہ آیا تم میں سے کوئی جھاڑنے والا، تعویذ کرنے والا ہے تحقیق ہم میں سے ایک آدمی ہے کاٹا ہوا سانپ یا بچھو کا، پس گیا ان اصحاب میں سے ایک آدمی اور پڑھی اس نے الحمد کچھ بکریاں لینی کر کے، وہ اچھا ہو گیا، پھر آیا وہ بکریاں لے کر پاس اپنے اصحاب کے، تو پسند نہ کیا یہ کام انہوں نے، اور کہنے لگے کہ لیا تو نے کتاب اللہ کے اوپر اجر، پھر آئے وہ مدینہ میں، اور کہا انہوں نے یا رسول اللہ لیا ہے اس نے کتاب اللہ کے اوپر اجر آپ نے فرمایا، بہتر اس چیز کا کہ لو تم اوپر اس کے اجر کتاب اللہ ہے، روایت کیا اس کو بخاری نے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم نے درست کام کیا ہے، تقسیم کرو، اور میرا بھی حصہ اپنے ساتھ لگاؤ۔ قال فی اللمعات والمقصود تطییب قلوبہم وبیان انہ حلال طیب وفیہ دلیل علی ان الرقیۃ بالقرآن واخذ الاجرۃ علیہا جائز بلا شبہۃ وہکذا حکم الاجرۃ علی تعلیم القرآن وکتابتہ مع خلاف فیہ والمشہور من مذہب ابی حنیفۃ الحرمۃ والکراہۃ ورخص فیہ المتاخرون یعنی مقصود حضرت کا اس قول سے کہ میرا بھی حصہ

اپنے ساتھ لگاؤ" خوش کرنا ہے ان کے دلوں کا، اور بیان کرنا اس بات کا کہ یہ حلال طیب ہے، اور اس حدیث میں دلیل ہے اس بات پر کہ رقیہ کرنا ساتھ قرآن کے اور اجر لینا اس پر جائز ہے بلاشبہ اور یہی حکم ہے اجرت لینے کا اوپر تعلیم قرآن کے، اور کتابت قرآن کے لیکن اس میں کچھ خلاف ہے، اور مشہور مذہب ابوحنیفہ کا حرمت اور کراہت ہے، اور رخصت دی ہے متاخرین نے بیچ لینے اس اجر کے۔

اجارات بخاری کے باب ما یعطی فی الرقیۃ میں مذکور ہے، وقال ابن عباس رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احق ما اخذ تم علیہ اجرا کتاب اللہ وقال الشعبی لا یشترط المعلم الا ان یعطی شیئا فیقبلہ وقال الحکم لم اسمع احدا کرہ اجر المعلم و اعطی الحسن عشرۃ دراھم وقال فی حاشیتہ وقد اختلفوا فی اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ بالفاتحۃ وفی اخذہ علی التعلیم فاجازہ عطاء وابو قلابۃ وھو قول مالک والشافعی واحمد وابی ثور ونقلہ القرطبی عن ابی حنیفۃ رح فی الرقیۃ وھو قول اسحق وکرہ الزھری تعلیم القران بالاجر وقال ابو حنیفۃ واصحابہ لا یجوز ان یاخذ علی تعلیم القران اجرا انتہی۔

و در مالا بد منہ نوشتہ اجرت گرفتن بر اذان و امامت و تعلیم قرآن و فقہ وغیرہ عبادات جائز نیست نزد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و نزد دیگر ائمہ جائز است، و درین زمانہ فتوی بر آن است کہ بر تعلیم قرآن و مانند آن اجرت گرفتن جائز است انتہی بلفظہ یعنی اجرت لینی اور اذان اور امامت اور تعلیم قرآن اور فقہ اور عبادتوں کے جائز نہیں نزدیک امام اعظم کے، اور دوسرے اماموں کے نزدیک جائز ہے، اور اس زمانہ میں فتویٰ اس بات پر ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینی جائز ہے، اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے منع کیا ہے، تو وہ مبنی ہے ایک حکمت اور احتیاط پر، اور

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جس پر تم سب سے زیادہ فائدہ حاصل کرو وہ اللہ کی کتاب ہے شعبی کہتے ہیں، کہ معلم اجرت لینے کی شرط نہ کرے، ویسے کوئی دے دے تو لے لے، حکم نے کہا میں نے کوئی بھی آدمی ایسا نہیں دیکھا، جو اجرت لینے کو مکروہ سمجھتا ہو، حسن نے معلم کو خود دس درہم دیئے، اور سورت فاتحہ پڑھ کر دم کرنے یا اس کی تعلیم کی اجرت لینے میں اختلاف ہے، عطاء، ابوقلابہ، امام مالک، شافعی، احمد، ابوثور، امام ابوحنیفہ اور اسحاق اس کو جائز سمجھتے ہیں، زہری تعلیم قرآن کی اجرت کو مکروہ کہتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

اب ضرورت داعی ہے، اور منع میں کام نہیں چلتا پس فتوی دیا جواز پر اور یہ قاعدہ ٹھہرا ہوا ہے الضرورات تبیح المحظورات یعنی ضرورتیں مباح کر دیتی ہیں ممنوع چیزوں کو قال فی الھدایۃ و بعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظھر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن و علیہ الفتوی۔ یعنی ہدایہ میں لکھا ہے کہ بعض مشایخ ہمارے یعنی مشایخ بلخ نے بطور استحسان جائز رکھا ہے اجارہ کو اوپر تعلیم قرآن کے اس زمانہ میں اس واسطے کہ ظاہر ہو گیا ہے فتور امور دینیہ میں پس منع کرنے میں ضائع ہو جائے گا حفظ کرنا قرآن کا، اور اسی پر یعنی جواز اخذ اجرت پر فتوے ہے۔ و فی العالمگیریۃ و المختار للفتوی فی زماننا قول ھؤلاء۔ یعنی فتاوی عالمگیری میں ہے، اور مختار ہے واسطے فتوی کے اس زمانہ میں قول ان کا یعنی جو مشایخ بلخ کا ہے۔ انتہی۔ و فی الکافی کان المنع کان لرغبۃ الناس فیھا حسبۃ للہ و مروۃ للمتعلمین و نحوھم فی مجازاۃ الاحسان بالاحسان و الیوم قد زال المعنیان فیفتی علی انہ یجوز الاستیجار علی تعلیم القرآن و الفقہ۔ یعنی کافی میں ہے، کہ تھا منع کرنا علمائے حنفیہ کا اس لئے کہ اس زمانہ میں لوگوں کو رغبت تھی خالصاً للہ پڑھانے کی، اور شاگرد مروت اور سلوک کرتے تھے استادوں سے اور جزا دیتے تھے احسان کی احسان کے ساتھ بدون تقرر کئے، اور اس زمانہ میں یہ دونوں باتیں جاتی رہیں، پس فتوے دیا جاتا ہے اور اس بات کے کہ جائز ہے اجرت کا لینا اوپر تعلیم قرآن اور فقہ کے، اور ایسا ہی مذکور ہے ابو المکارم میں۔

وقال شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ انما کرہ المتقدمون الاستیجار علی تعلیم القرآن لانہ کان للمعلمین عطیات فی بیت المال فی ذلک الزمان وکان لھم زیادۃ رغبۃ فی الدین و فی زماننا انقطعت عطیاتھم و انتقصت رغائب الناس فی امر الاخرۃ فلو اشتغلوا بالتعلیم مع الحاجۃ الی مصالح المعاش یختل معاشھم قلنا بصحۃ الاجارۃ و وجوب الاجرۃ للمعلم بحیث لو امتنع الوالد عن اعطاء الاجر حبس و ان لم یکن بینھما شرط یوم الولد بتطییب قلب المعلم وارضائہ۔ یعنی کہا شیخ الاسلام امام ابوبکر محمد بن فضل نے کہ اس واسطے ناپسند رکھا ہے متقدمین نے قرآن کی پڑھوائی لینی، کہ ان کے زمانہ میں معلمین کے واسطے روزینہ معین تھے بیت المال سے اور تھی ان کو زیادہ رغبت دین میں، اور اس زمانہ میں قطع ہو گئے وظیفے ان کے اور کم ہو گئیں رغبتیں

آدمیوں کی امر آخرت میں، پس اگر اللہ پڑھانے لگیں یہ لوگ اس حال میں، کہ ان کو حاجتیں لگی ہوئی ہیں تو خلل پڑے گا ان کی معاش میں، اس لئے حکم کیا ہم نے ساتھ صحیح ہونے اجارہ کے اور واجب ہونے اجرت معلم کے اس طرح پر کہ اگر یانہ رہے باپ لڑکے کا اجرت دینے سے تو قید کیا جاوے وہ، اور اگر نہ شرط کی گئی ہو درمیان ان کے اجرت کی، تو امر کیا جاوے لڑکے کو ساتھ خوش کرنے دل استاد کے اور راضی کرنے اس کے کے انتہی۔

اور فقیہ حافظ ابو اللیث سمرقندی کہ معتمد علمائے حنفیہ میں سے ہیں، اور اب تو سو نو برس ان کی وفات کو ہوئے رحمت کرے اللہ ان پر ان سے روایت ہے۔ قال کنت افتی بثلاث ثم اشیاء فرجعت عنها کنت افتی ان لا یحل للمعلم اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن وکنت افتی ان لا ینبغی للعالم ان یدخل علی السلطان وکنت افتی لا ینبغی لصاحب العلم ان یخرج الی القری لیذکرهم لیجمعوا له شیئا فرجعت ان ذلک کلہ انتہی ما فی قاضی خان۔ یعنی فقیہ ابو اللیث نے کہا، فتوے دیتا تھا میں ساتھ تین چیزوں کے، پس رجوع کیا میں نے ان سے، فتوی دیتا تھا میں یہ کہ نہیں حلال واسطے معلم کے لینے اجرت کا اوپر تعلیم قرآن کے، اور فتوی دیتا تھا میں یہ کہ نہ چاہیئے عالم کو آنا جانا پاس بادشاہ کے، اور فتوی دیتا تھا میں کہ نہ چاہیئے صاحب علم کو یہ کہ جاوے گاؤں میں پس وعظ کرے ان کو تاکہ جمع کریں واسطے اس کے کچھ، پس رجوع کیا میں نے ان تینوں باتوں سے، تمام ہوا وہ جو کہ قاضی خان میں ہے، اور حاشیہ قدوری میں ہے، برہان شرح مواہب الرحمن سے لا یبعد ان یختلف الحکم باختلاف الاوقات الا تری ان النساء کن یخرجن بالجماعات فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ حتی منعهن ابن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن ذلک یعنی کچھ بعید نہیں کہ حکم مختلف ہو جاوے وقت کے مختلف ہو جانے سے کیا نہیں دیکھتے تم اس بات کو کہ عورتیں نکلتی تھیں واسطے جماعت کے بیچ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بیچ زمانہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے، اور منع کیا ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے نے۔ انتہی۔

اور کچھ شک نہیں، کہ اس زمانہ میں اگر فتوی جواز پر نہ دیا جائے، تو حرج عظیم پیدا ہوتا ہے، اور حرج کا دفع کرنا ثابت ہے آیات اور احادیث سے۔ قال اللہ تعالی وما جعل علیکم فی الدین من حرج فرمایا اللہ تعالی نے نہیں رکھا اوپر تمہارے اس دین

میں کوئی حرج یعنی خدا نے اس دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی، اس طرح کہ آسان کر دیا امورِ دینیہ کو وقت ضرورتوں کے بیان کیا اس کو تفسیر جلالین میں، اور فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الدین یسر یعنی تحقیق دین مبنی ہے آسانی اور سہولت پر، پس لازم ہوا دفع کرنا حرج کا، اور حرج یہ ہے، کہ اگر معلمین حفاظ کو فتوے دیا جاوے اوپر حرام ہونے اس اجرت کے، تو ظاہر ہے کہ وہ اس کو چھوڑ کر کچھ اور نوکری یا پیشہ کریں گے، تو وہ جو ہزار ہا لڑکے پڑھتے ہیں یہ سب رجوع کریں گے اپنے ماں باپ کی طرف، اور ماں باپ سب کے خواندہ نہیں، تو ناخواندہ کی اولاد بالکل بے علم رہے گی، اور جو لوگ کہ خواندہ ہیں کوئی ان میں سے تاجر کوئی نوکر ہے، کوئی کسی پیشہ میں مصروف ہے، تو ان کو بھی اس قدر فرصت حاصل نہیں کہ صبح سے شام تک اپنے بچوں کو پڑھایا کریں، تو ظاہر ہے کہ ان کی اولاد بھی قرآن شریف سے محروم رہ جائے گی، تو اس صورت میں گم ہو جاوے گا سلسلہ پڑھنے اس کتاب مقدس کا جہان سے، یہی معنی ہیں اس لفظ کے جو لکھا ہے صاحب ہدایہ نے نفوا لامتناع تضییع حفظ القرآن، اور بعض فقہاء نے لکھا ہے۔ لو لم یفتح لهم باب التعليم بالاجر لذهب القرآن انتہی اور شرح وقایہ میں ہے لکن لما وقع الفتور فی الامور الدینية یفتی الیوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه تحرزا عن الاندراس یعنی جب کہ واقع ہوا فتور امور دینیہ میں تو فتوے دیا جاتا ہے اس زمانہ میں ساتھ صحت اجارہ کے واسطے تعلیم قرآن اور فقہ کے، کیونکہ منع کرنے میں خوف ہے گم ہو جانے علم دین کا، انتہی، اور یہی مذکور ہے حاشیہ شامی در مختار میں۔

اور شاہ عبد العزیز قدس سرہ العزیز نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ و عبادات کہ بسبب تعین مدت یا تخصیص مکان مباح می شوند نیز برآنہا اجرت گرفتن جائز است مثل تعلیم قرآن مطفل کسے در خانہ او از صبح تا شام کہ باین خصوصیت و قیود ہرگز عبادت نیست " یعنی جو عبادت کہ بسبب تعین مدت یا خاص کرنے مکان کے مباح ہو جاتی ہے، اس پر اجرت لینی جائز ہے، جیسا کہ پڑھانا قرآن کا کسی کے لڑکے کو اس کے گھر بیٹھ کے صبح سے شام تک کہ اس خصوصیت اور اس قید کے ساتھ مقید ہو کر پڑھانا ہرگز عبادت نہیں ہے، انتہی، پس جب کہ ان قیدوں کے ساتھ مقید ہو کر پڑھانا جس طرح اب مکتبوں میں مروج ہے عبادت نہ ٹھہرا، تو اس پر اجرت کا لینا بلاشبہ جائز ہوا، اور کتب احادیث میں مذکور ہے

ما رآہ المؤمنون حسنا فہو عند اللہ حسن۔ یعنی جس چیز کو مومنین نیک جانیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی نیک ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ تعلیم قرآن جو باتفاق علمائے متاخرین مذاہب اربعہ کے صحیح ہے تو اللہ کے نزدیک بھی یہ اجارہ صحیح ہے، اور جب کہ صحیح ہوا اجارہ جیسا کہ اوپر بیان کیا ہم نے تو واجب ہوا ادا کرنا حق اجیر کا اوپر مستاجر کے، درمختار میں لکھا ہے۔ ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان ویجبر المستاجر علی دفع ما قیل فیجب المسمی بعقد واجر المثل اذا لم یذکر مدۃ ویحبس بہ وبہ یفتی ویجبر علی دفع الحلاوۃ المرسومۃ ھی ما یہدی للمعلم علی رؤس بعض سور القرآن۔ یعنی فتوے دیا جاتا ہے اس زمانہ میں ساتھ صحیح ہونے اجارہ کے واسطے تعلیم قرآن و فقہ اور واسطے امامت اور اذان کے اور جبر کیا جاوے مستاجر یعنی نوکر رکھنے والا معلم اور مؤذن اور امام کا اوپر دینے اس وظیفہ کے جو دینا قبول کیا تھا، پس جو کچھ وقت عقد کہ ان کے درمیان مسمی ہو چکا ہے واجب الاداء ہوگا، اور اگر ذکر مدت کا درمیان میں نہیں آیا، تو اجر مثل لازم ہوگا اور قید کیا جاوے مستاجر بسبب نہ دینے اجر کے اسی پر فتوے ہے، اور جبر کیا جاوے اوپر دینے شیرینی کے جو دی جاتی ہے معلموں کو اور شروع کرنے قرآن کی بعض سورتوں کے انتہی۔ وفی الخلاصۃ ولو امتنع اب الصبی من اداء الوظیفۃ یجبر علی الرسم چون حلوا وپنج شنبہی وعیدی، اور خلاصہ میں ہے، یعنی اگر باز رہے باپ لڑکے کا ادائے وظیفہ سے جبر کیا جاوے اوپر رسوم کے مانند حلوا و جمعراتی اور عیدی کے انتہی، اور یہی مذکور ہے فتاوی عالمگیری میں حیث قال وقد استحسنوا اجبر والد الصبی علی المبرۃ المرسومۃ انتہی۔ اور نکاح پر اجرت لینے کا حال یہ ہے، کہ اگر قاضی کے ذمہ واجب ہو نکاح مثل نکاح صغیرہ لڑکیوں کے کہ ان کا کوئی ولی نہ ہو، تو اجرت لینا حلال نہیں، اور اس کے سوائے حلال ہے۔ فی الخلاصۃ فی فصل الحظر والاباحۃ من کتاب القضاء ولا یحل لہ اخذ شئ علی النکاح ان کان نکاحا یجب علیہ مباشرتہ کنکاح الصغائر وفی غیرہا یحل انتہی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد الضعیف الراجی لفضلہ الوسیع عبد السمیع

فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد	محمد یعقوب نانوتوی	سعادت علی سہارنپوری

سید محمد نذیر حسین | العبد السید عبدالحمید | محمد محفوظ اللہ | قاضی پانی پتی

امیر باز خان | محمد عبدالرحمن پانی پتی | محمد عبدالوہاب

مولانا عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کے قول سے تطبیق جاتی ہے متقدمین اور متاخرین کے اقوال میں کہ یہ معلم جو اجرت لیتے ہیں صرف اپنے وقت کی لڑکوں کی تعلیم میں لیتے ہیں پس ایسے معلموں کو لینا اجرت کا سب کے نزدیک جائز ہوا فقط

محمد قطب الدین

پہلے جو تحریر میں نے کی ہے وہ کافی ہے کہ اس میں ثبوت اخذ اجرت بالاصول یعنی بالکتاب و بالسنتہ ہے فقط

سید محمد ہاشم | محمد اسد علی

سوال:۔ قاضی وغیرہ را اجرت گرفتن نکاح خوانی بجبر بحکم شریعت غرا جائز است یا نہ، بینوا، توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ باید دانست کہ اجرت گرفتن بر نکاح خوانی بجبر و اکراہ حرام است چنانکہ در فتاوی حمادیہ و نصاب الاحتساب و قنیہ وغیرہ مذکور است و ہر کرا شک و شبہ باشد بسوئے این کتب مذکورہ مراجعت نماید، واللہ اعلم بالصواب

راقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذبح کرنا جانوروں کا اجرت لے کر درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ اجرت لینا اوپر ذبح کرنے جانوروں کے درست ہے۔ لو استاجر بذبح شاة وغیرہا یجوز ہکذا علی حفر القبر کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرہا من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خالد کا نوکر خاص قدیم سے ہے، اب تحویل زید سے کچھ روپے جاتے رہے ہیں، اس صورت میں زید پر ضمان آتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

سوال:۔ نکاح خواں نکاح پڑھنے کی اجرت جبراً لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جبراً نکاح خوانی کی اجرت لینا منع اور حرام ہے۔ فتاوی حمادیہ، نصاب الاحتساب، قنیہ وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے جس کو شک ہو وہاں دیکھ لے۔ واللہ اعلم۔

لہ بکری وغیرہ کے ذبح پر اجرت لینی جائز ہے اور اسی طرح قبر کی کھدائی پر بھی اجرت لینا جائز ہے۔

الجواب: صورت مذکورہ میں زید خالد کا نوکر خاص ہے، اور جو چیز نوکر خاص کے ہاتھ سے یا اس کے عمل سے جاتی رہے، اس میں ضمان نہیں آتا۔ والاجیر الخاص الذی یستحق الاجرة بتسلیم نفسہ فی المدة وان لم یعمل کمن استوجر شهرا للخدمة او لرعی الغنم وانما سمی اجیر واحد لانہ لا یمکنہ ان یعمل لغیرہ قال ولا ضمان علی الاجیر الخاص فیما تلف من عملہ اما الاول فلان العین امانة فی یدہ لانہ قبض باذنہ وھذا ظاھر عندہ وکذا عندھما لان تضمین الاجیر المشترک نوع استحسان عندھما لصیانة اموال الناس والاجیر الواحد لا یتقبل الاعمال فیکون السلامة غالبة فیوخذ فیہ بالقیاس واما الثانی فلان المنافع متی صارت مملوکة للمستاجر فاذا امرہ بالتصرف فی ملکہ صح ویصیر نائبا منابہ فصار فعلہ منقولا الیہ کانہ فعل بنفسہ فلھذا لا یضمنہ انتہی ما فی الھدایة واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

بطفیل نبی الهی بخش

زمرت سید کونین شد شریف حسین

سوال: زید کے پاس چند درخت تاڑ کے ہیں، اس تاڑ کو زید ہر سال پاسی کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، اور پاسی تاڑی اس کی فروخت کرنے کو خریدتا ہے، زید کو قیمت تاڑ کی لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں تاڑ کو پاسی کے ہاتھ اجارہ پر دینا، اور اس کی قیمت لینا جائز نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: ٹھیکہ تاڑی وخمر کا درست ہے یا نہیں، اور جو شخص کہ ٹھیکہ لیوے اس کی

---

[1] وہ خاص ملازم جو مدت مقررہ کی اجرت وصول کرتا ہے، اگرچہ وہ کوئی کام کرے یا نہ کرے، جیسے ماہانہ تنخواہ پانے والا ملازم مثلاً خدمت یا بکریاں چرانے کے لئے، اسے اجیر اس لئے کہا جاتا ہے، کہ وہ اس کے بغیر اور کوئی کام نہیں کر سکتا، ایسے خاص ملازم پر ضمانت نہیں ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ سے کچھ نقصان ہو جائے یا اس کے کام سے نقصان ہو جائے، پہلی صورت تو ظاہر ہے، کہ مالک کا مال اس کے ہاتھ میں امانت تھا اور وہ جو مشترک ملازم پر ضمانت ڈالی جاتی ہے، وہ ایک طرح کا استحسان ہے تاکہ لوگوں کے مال محفوظ رہ سکیں اور ایک آدمی کے ملازم سے عموماً نقصان نہیں ہوتا، تو یہ فتوی غالب گمان کی بنا پر دیا گیا ہے، اور دوسری صورت میں اس پر تاوان اس لئے نہیں آتا، کہ اجیر خاص (ملازم) ماذون ہے، تو گویا کہ جو کام ملازم نے کیا ہے، وہ خود اس نے کیا ہے، لہذا اس پر تاوان نہ ہو گا۔

دعوت وغیرہ و امامت جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ تاڑی اور خمر کا ٹھیکہ مثل خرید و فروخت اس کی کے ہے شرعاً ما یصلح ثمنا یصلح اجرۃ کما فی کتب الفقہ جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحۃ بیعہ بخلاف دین علی المسلم لبطلانہ کما فی المتون والشروح الحنفیۃ لانہ مال متقوم فی حق الکافر فملکہ البائع فیحل الاخذ منہ قولہ لبطلانہ لان الخمر لیس بمال متقوم فی حق المسلم فبقی الثمن علی ملک المشتری فلا یحل لہ اخذہ من البائع کما فی الطحطاوی وھکذا فی الھدایۃ وغیرھا۔ پس اس صورت میں مال اور طعام تاڑی وشراب کے ٹھیکہ لینے والے کا حرام اور لینا مال اس کا، اور کھانا کھانا اس کا، اور دعوت اس کی قبول کرنی حرام ہے شرعاً، اگر بذریعہ تاڑی اور خمر یا بوجہ اور حرام کے حاصل کیا ہو۔ ولا یجیب دعوۃ الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقہ وکذا دعوۃ من غالب مالہ حرام مالم یخبر انہ حلال وبالعکس یجیب مالم یتبین انہ حرام واکل الربوا وکاسب الحرام لو اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یاکل الا خبر ما فی الطحطاوی والعالمگیریۃ وغیرھما من کتب الفقہ۔ اور ایسے شخص مذکور کو امام نہ بنا دے اس لئے کہ یہ فاسق قابل اہانت کے ہے۔ ولا یقدم الفاسق للامامۃ کما فی المستملی وغیرہ من کتب الفقہ واللہ اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

لہ جو چیز قیمت بن سکتی ہے، وہ اجرت بھی ہو سکتی ہے، کتب فقہ میں اسی طرح ہے، اگر کافر شراب کی قیمت سے مسلمان کا قرضہ ادا کرے، تو مسلمان اپنے قرضے میں کافر سے وہ روپیہ لے سکتا ہے کیونکہ کافر کے لئے شراب مال متقوم ہے، اور اس کی بیع صحیح ہے لیکن اگر مسلمان شراب کی قیمت سے قرض ادا کرنا چاہے تو وہ اس کو لینا جائز نہیں کیونکہ شراب مسلمان کے لئے مال متقوم نہیں ہے، کتب متون و شروح حنفیہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

سہ کھلے ہوئے فاسق کی دعوت کو قبول کرنا جائز نہیں ہے تاکہ اسے معلوم ہو جائے، کہ اس کے فسق پر خوش نہیں ہے، اور اسی طرح اس آدمی کی دعوت بھی قبول نہ کی جائے جس کا زیادہ مال حرام ہو جب تک کہ وہ اس چیز کی وضاحت نہ کرے کہ یہ دعوت حلال مال سے ہے، اور جس کا اکثر مال حلال ہو اس کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ دعوت حرام مال سے ہوئی ہے، اور اسی طرح سود خوار اور حرام کی کمائی والا اگر ہدیہ بھیجے یا جس کا اکثر مال حرام ہے، تو اس کو قبول نہ کرے۔

سوال: ۔ تاڑی و شراب کا سرکہ کھانا جائز ہے یا نہ، اور جائز ہے تو کس کے نزدیک جائز ہے، اور کس کے نزدیک ناجائز، بینوا توجروا۔

الجواب: ۔ تاڑی و شراب کا سرکہ بنانا حرام ہے، اور تاڑی و شراب کا سرکہ بنایا ہوا کھانا بھی حرام و ناجائز ہے، اور یہی مذہب ہے امام احمد حنبل اور جمہور کا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے، مگر حق یہی ہے، کہ ناجائز ہے، جیسا کہ امام احمد اور جمہور کا مذہب ہے، صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت انس رضہ سے روایت ہے، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الخمر تتخذ خلا فقال لا[1] و نیز ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ ان ابا طلحۃ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ایتام ورثوا لخمر قال اھرقھا قال افلا نجعلھا خلا قال لا[2] نیل الاوطار میں ہے۔ فیہ دلیل علی انہ لا یجوز تخلیل الخمر ولا تطھر بالتخلیل[3] و قال لا یجوز لاحد الا انتفاع بھا الا بالاراقۃ انتہی۔ امام نووی صحیح مسلم کی حدیث مذکور کے تحت میں لکھتے ہیں۔ ھذا دلیل الشافعی والجمھور انہ لا یجوز تخلیل الخمر ولا تطھر بالتخلیل[4] و قال الاوزاعی واللیث وابوحنیفۃ تطھر انتہی مختصرا

حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: ۔ اجارہ دینا تاڑ و کھجور کے درخت کو درست ہے شرعاً یا نادرست ہے بینوا توجروا۔

الجواب: ۔ درصورت مرقومہ اولاً تعریف اجارہ کی معلوم کرنا چاہیئے، ثانیاً اس کے منافع شرعی سے مطلع ہونا چاہیئے، پس تعریف اجارہ کی شرعاً یہ ہے۔ تملیک نفع مقصود من العین بعوض[5] کذا فی کتب الفقہ۔ وما جاز ان یکون ثمنا فی البیع جاز

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ شراب کا سرکہ بنالیا جائے، آپ نے فرمایا نہیں۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوطلحہ نے سوال کیا، کہ یتیموں کے ورثہ میں کچھ شراب ملا ہے آپ نے فرمایا اس کو گرادو، انہوں نے کہا، کہ اس کا سرکہ نہ بنالیا جائے آپ نے فرمایا نہیں۔

[3] اس میں دلیل ہے، کہ شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے، اور گرانے کے سوا اور کسی قسم کا اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے [4] یہ حدیث جمہور اور امام شافعی کی دلیل ہے، کہ شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی سرکہ بنانے سے وہ پاک ہوجاتا ہے اوزاعی لیث اور ابوحنیفہ کہتے ہیں، کہ پاک ہوجاتا ہے۔ [5] کسی معین شے کے نفع کو کسی کی تملیک میں دے دینا کسی عوض کے بدلہ میں کتب فقہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اور جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہے

ان یکون اجرۃ فی الاجارۃ لان الاجرۃ ثمن المنفعۃ فیعتبر بثمن المبیع کذا فی الهدایۃ۔ پس اجارہ تاڑ میں درخت تاڑ عین مقصود علیہ ہے، اور منافع مقصود اس کا عرق جو نکلتا ہے، اس سے اور تقاطر ہوتا ہے، اور عرق اس کا بمجرد نکلنے و ٹپکنے کے مشروب مباح شرعاً کیونکہ اس میں سکر اور نشہ فی الفور نہیں پایا جاتا ہے، اور وہ اس وقت مثل شیرہ انگور کے ہے، اور بیع شیرہ انگور کی بہرحال درست ہے، کیونکہ وہ مال متقوم ہے شرعاً، اور بعد تغیر حال کے سکر اس میں عارض ہوتا ہے، تو یہ تغیر حال سکر منافع تاڑ کا فی نفسہ نہیں ہوا، کہ اجارہ اس سے فاسد ہو جائے، بلکہ بعد مرور چند ساعات کے سکر اس میں آجاتا ہے، تو یہ منافی اور مانع اجارہ تاڑ کا نہیں ہو سکتا جیسے شیرہ انگور خمار کے ہاتھ فروخت کرنا کتب حنفیہ مانند ہدایہ وغیرہا سے جائز مستفاد ہوتا ہے، ویسے ہی تاڑ کے عرق کا ہے، جو کہ پاسی کے ہاتھ فروخت ہوتا ہے۔ ولا باس ببیع العصیر ممن یعلم انہ یتخذہ خمرا لان المعصیۃ لا تقام بعینہ بل بعد تغیرہ بخلاف بیع السلاح فی ایام الفتنۃ لان المعصیۃ تقوم بعینہ۔ انتہی ما فی الهدایۃ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ (۱) خدمت میں علمائے دین و مفتیان شرع متین کے عرض یہ ہے کہ ایک دکان واسطے شراب بیچنے کے کسی کافر کو کرایہ پر دے کے کوئی مسلمان اس کرایہ کو اپنے خرچہ میں لایا تو درست ہوگا یا نہیں؟

(۲) ایک مسلمان نے کسی ہنود کو گھر کرایہ پر دیا، ہنود مذکور اس مکان مذکور میں پوجا اور پرستش اپنے دین و آئین کے موافق کرتا ہے، پس اس صورت میں اس مسلمان مذکور کو اس مکان مسطور کا کرایہ لے کے کھانا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ روا نہیں، کیونکہ اعانت اور معصیت کے ہے، قال اللہ تعالیٰ تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الایۃ والیہ ذہب صاحباہ دلالۃ الثلاثۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

واجارہ میں اجرت بن سکتی ہے، کیونکہ اجرت منفعت کا ثمن ہے، اور اس کو بیع کے ثمن کے ساتھ اعتبار کیا گیا ہے ۱۲ ۔ لے عصارہ کو پاسی کے ہاتھ فروخت کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں فوراً معصیت لاحق نہیں ہوتی، بلکہ تغیر کے بعد اس میں سکر آتا ہے بخلاف جنگ کے زمانہ میں دشمن کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنے کے، کیونکہ اس میں اسی وقت معصیت لاحق ہو جاتی ہے ۱۲

تعاون کرو نیکی اور تقوی پر اور نہ تعاون کرو گناہ اور معصیت پر ۱۲

ذشرف سید کونین شش شریف حسین	خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

یہ جواب صحیح وصواب ہے
عبد الکریم عفی عنہ

محمد غلام اکبر خان قمری السنی

مسئلہ: کرایہ پر دینا مکان کا کسی کو یا بائع شراب وتاڑی وغیرہ کو قیاساً جائز ہے اور استحساناً ناجائز ہے۔ قال فخر الاسلام قول الامام قیاس وقولهما استحسان کذا یستفاد من الکفایۃ وعیون البصائر وغیرهما من کتب الفقہ۔ اور کتب فقہ فروعیہ اور اصولیہ میں مذکور ہے کہ استحسان مقدم ہوتا ہے قیاس جلی پر یعنی ترک العمل بالقیاس فیصار الی الاستحسان کذا فی نور الانوار وکشف المنار وهدایۃ وغیرہ کما لا یخفی علی الماهر بالفقہ وجہ الاستحسان قوی لانہ اعانۃ علی المعصیۃ قال اللہ تعالی وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآیۃ کما لا یخفی علی المتفطن الماهر بالشریعۃ الغراء

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: ٹھیکہ دینا تاڑ کے درخت کا دو وجہ سے محظور فیہا ہے ایک وجہ یہ ہے کہ اجارہ محض اشجار پر تعامل نہیں، صدر اول سے۔ لا تعامل فی اجارۃ الاشجار المجردۃ کذا فی الطحطاوی دوسری وجہ یہ ہے من قبیل مشتبہات سے ہے، اور جو مشتبہات سے پرہیز واجتناب کرے گا، دین اور آبرو اپنی بچاسکے گا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام فرمود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پس کسے کہ پرہیز کند شبہات را در نیفتد در محل اشتباہ طلب برات کرد مر دین خود را از ذم شرعی ونگہداشت آبروئے خود را از طعن کنندگان وعیب گیرندگان وکسے کہ بیفتد در شبہات واقع شود و بیفتد در حرام چنانچہ در صحیح بخاری

ؔ فخر الاسلام نے کہا امام کا قول قیاس ہے اور صاحبین کا استحسان، کفایہ اور عیون البصائر وغیرہ فقہ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے ؔ قیاس پر عمل چھوڑ دیا جائے گا اور استحسان پر عمل کیا جائے گا، اور استحسان کی توجیہ زیادہ قوی ہے کیونکہ قیاس پر عمل کرنے سے گناہ پر مدد ہے اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ، زیادتی پر مدد نہ کرو ؔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شبہات سے بچا اس نے اپنا دین اور عزت بچالی۔ اور جو شبہات میں مبتلا ہو گیا۔ وہ حرام میں مبتلا ہوا۔

و مسلم وغیر ہما مذکور است، پس در اجارہ تا اعانت بر معصیت است و لا تعاونوا[1] علی الاثم والعدوان۔

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کاشتکاری افیون کی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ جائز ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

المجیب سید عبد الوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ دستور عمل معلم قرآن مجید کا دیار ہندوستان میں اس طرح سے ہو رہا ہے کہ معلم تمام روز یا اکثر روز مکتب خانہ میں لڑکوں کو لئے بیٹھا رہتا ہے، اور تعلیم کیا کرتا ہے اور یہاں وسیلہ اجرت صرف تعلیم قرآن پر ہے، یا عوض اس امر کے کہ تمام روز نگہبانی لڑکوں کی سوائے تعلیم کے بھی کیا کرتا ہے، پس دونوں امر پر لینا مزدوری کا فی زمانا درست ہے، یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ اجرت لینی تعلیم قرآن مجید پر نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حرام اور ناجائز ہے، اور نزدیک امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل و ابو ثور و متاخرین حنفیہ کے جائز و درست ہے، چنانچہ شرح صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے، اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دس درم اجرت معلم قرآن مجید کو دیئے ہیں، کذا[2] فی البخاری و فی الزیلعی و کثیر من الکتب لو لم یفتح لھم باب التعلیم بالاجر لذھب القرآن فافتوا بجوازہ کذا فی الشامی حاشیۃ الدر المختار۔ اور کسی کے گھر جا کر پڑھانا، یا اطفال کو صبح سے شام تک قید میں رکھنا یہ ایک عمل ہے سوائے تعلیم کے اگر اس عمل کے بدلہ میں کوئی اجرت لیوے تو بلا شبہ بالاتفاق روا و حلال ہے، اور ویسے ہی کسی کے مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھانا اور مقید رہنا یہ بھی ایک عمل ہے، اس کے مقابلہ میں اجرت لینی جائز ہے، جیسا کہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحت اس آیت کریمہ کے ان[3] الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون

---

[1] گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ [2] بخاری، زیلعی اور بہت سی کتابوں میں لکھا ہے، کہ اگر مزدوری دے کر قرآن کی تعلیم کا دروازہ نہ کھولا گیا، تو قرآن مجید کی تعلیم ختم ہو جائے گی، لہٰذا حنفیہ متاخرین نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، شامی میں بھی اسی طرح ہے [3] جو لوگ ہماری نازل کردہ آیات بینات کو کھل کر سامنے آجانے کے بعد چھپا رہے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی

ارقام فرمایا ہے، وہ یہ ہے۔

ازین آیت معلوم می شود، کہ تعلیم علم دین فرض است، و برادائے فرض اجرت گرفتن درست نیست مانند نماز و روزہ فرض، و نیز ازیں آیت میتواں فہمید کہ خبر واحد واجب القبول والعمل است، زیرا کہ فرض کردن اظہار برائے فرض کردن عمل است، آرے آن علوم کہ بدین تعلق ندارند و مکلفین در ادائے تکالیف شرعیہ بآن محتاج نمی شوند، مثل طب و ہندسہ و اکثر فنون ریاضی و طبعی و علم تواریخ و نظم و شعر و انشاء بر تعلیم آنہا اجرت گرفتن جائز است لیکن درینجا دقیقہ باید فہمید کہ اجرت بر نفس تعلیم حرام است، اما در خانہ کسے قطع مسافت کردہ برائے تعلیم رفتن یا اطفال را از صبح تا شام در قید داشتن عملے است ورائے تعلیم در مقابلہ این اجرت گرفتن بلا شبہ حلال است و ہم چنین مقید بودن بجلوس در مدرسہ کسے تا مدت دراز نیز مقابل اجرت می تواند شد انتہی۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے بھی ایسا ہی اپنی کتاب مالابدمنہ میں تحریر کیا ہے

اجرت گرفتن بر اذان و امامت و تعلیم قرآن و فقہ وغیرہ عبادات جائز نیست نزد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و نزد دیگر ائمہ جائز است، و درین زمانہ فتوی برآن است کہ بر تعلیم قرآن و امامت و اذان اجرت گرفتن جائز است، انتہی، قولہ ودرین زمانہ فتوی برآن است آہ این قول مشائخ بلخ است بشرطیکہ برائش مدت معین کردہ شود این گاہ اجرت معین شدہ باشد ہماں واجب است

بھی لعنت ہے" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ علم دین کی تعلیم فرض ہے اور فرض کی ادائیگی پر اجرت لینا منع ہے مثلاً نماز روزہ وغیرہ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ خبر واحد واجب القبول والعمل ہے، کیونکہ اظہار کو اسی لئے فرض کیا جا رہا ہے، تاکہ اس پر عمل کیا جا سکے۔ ہاں وہ علوم جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مکلفین شریعت کے اوامر کی تعمیل کے لئے ان کے محتاج نہیں ہیں، مثلاً طب، ہندسہ، ریاضی، طبعی، تاریخ، نظم، شعر انشاء وغیرہ ان کی تعلیم پر اجرت لے لینا جائز ہے، لیکن اس جگہ ایک باریک نکتہ ہے، اسے سمجھ لینا چاہیئے یہ تو صحیح ہے، کہ قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینا جائز نہیں ہے لیکن مسافت طے کر کے کسی کے مدرسہ میں جانا اور بڑی دیر تک بچوں کے ساتھ ڈیوٹی دینا، یہ کام تعلیم قرآن کے علاوہ ہیں ان کی اجرت لے لینا جائز ہے۔

لہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اذان، امامت، تعلیم قرآن و حدیث اور فقہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، دوسرے اماموں کے نزدیک جائز ہے، اور اس زمانہ میں فتوی اسی پر ہے، کہ ان چیزوں کی اجرت لے لینا جائز ہے۔

لکہ اس زمانہ میں تعلیم قرآن کی اجرت لینا جائز ہے، یہ بلخ کے مشائخ کے قول پر فتوی ہے، بشرطیکہ مدت اور اجرت

واگر مدت معین نہ شدہ باشد یا ایام اجارہ درمیان نیامدہ باشد اجر مثل لازم آید۔ ومشائخ بلخ جوزوا الاستیجار علی تعلیم القرآن اذا ضرب لذلک مدۃ وافتوا بوجوب المسمی عند عدم الاستیجار اصلا وعند الاستیجار بدون المدۃ افتوا بوجوب اجر المثل کذا فی المحیط وکذا جوزوا الاستیجار علی تعلیم الفقہ ونحوہ والمختار للفتوی فی زماننا قول ہؤلاء کذا فی الفتاوی الغیاثیۃ ہکذا فی العالمگیریۃ۔ اور نیز اجرت لینی اوپر تعلیم علم لغتہ اور ادب کے بالاجماع ثابت اور جائز ہے۔ ویجوز الاستیجار علی تعلیم اللغۃ والادب بالاجماع کذا فی السراج الوہاج ہکذا فی العالمگیریۃ۔

خلاصہ اس باب کا یہ ہے کہ متقدمین کے نزدیک امام اور مؤذن اور معلم قرآن کو نوکری لینی جائز نہیں لیکن بعضے علمائے متاخرین کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے قال لا یجوز الاستیجار علی الاذان والحج وکذا الامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ والاصل ان کل طاعۃ یختص بہا المسلم لا یجوز الاستیجار علیہ عندنا وقال الشافعی یصح فی کل ما لا یتعین علی الاجیر لانہ استیجار علی عمل معلوم غیر متعین علیہ فیجوز ولنا قولہ علیہ الصلوۃ والسلام اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ وفی آخر ما عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عثمان بن ابی العاص الثقفی ان اتخذت مؤذنا فلا تاخذ علی الاذان اجرا ولان القربۃ متی حصلت وقعت عن العامل ولہذا یعتبر اہلیتہ فلا یجوز لہ اخذ الاجر من غیرہ کما فی الصوم والصلوۃ ولان التعلیم مما لا یقدر المعلم علیہ الا بمعنی من قبل المتعلم فیکون ملتزما ما لا یقدر علی تسلیمہ فلا

مقرر ہوں اور اگر اجرت مقرر نہ ہو تو اس کے لئے اجرت مثل لازم آئے گی۔

لہ لغت ادب وغیرہ علوم کی تعلیم پر اجرت سے لینا بالاتفاق جائز ہے ۔ کہ اذان حج امامت تعلیم قرآن وفقہ کی اجرت لینا جائز نہیں ہے اور اصل یہ ہے کہ ہر طاعت جس کے لئے مسلمان خاص ہے اس کی اجرت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے، اور امام شافعی کے نزدیک ہر اس کام پر اجرت لینا جائز ہے جو کسی خاص آدمی کے ذمہ نہ ہو، ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے "قرآن پڑھاؤ، اور اس کی اجرت سے کر نہ کھاؤ" اور آپ نے اپنی آخری زندگی میں عثمان بن ابی العاص ثقفی کو لکھا تھا، کہ اذان کی اجرت نہ لینا، اور چونکہ یہ افعال قربت الٰہی کے ہیں اور ان کا ثواب خدا تعالیٰ سے لینا ہے، لہٰذا ان کی اجرت آدمیوں سے نہیں لی جا سکتی، اور ہمارے بعض مشائخ نے آج کل تعلیم قرآن کی اجرت

یعنی بعض مشائخنا رحمہم اللہ استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظهر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتوی انتہی ما فی الہدایۃ یجوز للامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجر انتہی ما فی النہایۃ حاشیۃ الہدایۃ۔ اور کتب احادیث سے بھی مزدوری لینی اوپر تعلیم قرآن کے ثابت ہے، چنانچہ ایک حدیث برائے اختصار صحیح بخاری ومشارق الانوار ترجمہ تحفۃ الاخیار سے معہ ترجمہ فائدہ اوپر اثبات اجرت مذکور کے تحریر کی جاتی ہے۔ عن ابن عباس ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ۔ ترجمہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضرت نے فرمایا، جن کاموں پر تم مزدوری لیتے ہو، تو قرآن کی مزدوری لینا ان سے زیادہ تر لائق ہے۔

فائدہ:۔ حضرت کے اصحاب ایک گاؤں میں گئے، کسی نے ان کی ضیافت نہ کی، ان کے زمیندار کو سانپ نے کاٹا، جھاڑ پھونک بہتیری کی آرام نہ ہوا، تو وہ لوگ اصحاب کے پاس آئے، کہ تم میں سے کسی کو منتر آتا ہو، تو اس کو جھاڑے، ابو سعید خدری صحابی نے کہا کہ ہاں ہم کو منتر آتا ہے، لیکن بغیر کچھ لئے ہم نہیں پڑھیں گے، تم نے ہماری ضیافت نہ کی تیس بکریوں کا وعدہ ٹھیرا، ابو سعید نے الحمد اس پر پڑھی، وہ فوراً اچھا ہو گیا، تیس بکریاں لے آئے، بعض اصحاب نے کھانے میں تامل کیا، اور قرآن پر محنت لینا درست نہ جانا، حضرت کے روبرو یہ سب قصہ بیان کیا، حضرت نے فرمایا، تم نے اچھا، قرآن پر مزدوری لینا زیادہ تر درست ہے، ان بکریوں میں ہمارا بھی حصہ لگاؤ، پھر حضرت نے فرمایا، کہ تم کو بھلا معلوم ہو گیا، کہ الحمد سانپ کا منتر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ قرآن پڑھانے کی بھی محنت لینی درست ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک اور شافعی کا اور پچھلے حنفی مذہبوں کا، انتہی۔ فقال یا رسول اللہ واللہ ما رقیت الا بفاتحۃ الکتاب فتبسم وقال وما ادراک انہا رقیۃ ثم قال خذوا منہم واضربوا لی بسہم معکم۔ الحدیث کذا فی صحیح مسلم۔ هذا تصریح لجواز اخذ الاجرۃ علی

ے لینا بہتر خیال کیا ہے، کیونکہ امور دینیہ میں سستی پیدا ہو چکی ہے، اور آج کل اگر اجرت کے جواز کا فتوی نہ دیا جائے، تو قرآن مجید کی تعلیم ختم ہو جائے گی، اور اسی پر فتوے ہے ہدایہ میں ہے امام، مؤذن اور معلم کو اجرت لینا جائز ہے

ے اس نے کہا، اے اللہ کے رسول خدا کی قسم میں نے صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھ کر دم کی تھی، آپ ہنس پڑے اور فرمایا تجھے کیسے معلوم ہوا، کہ یہ سورت رقیہ (دم کرنے کی) ہے، پھر آپ نے فرمایا، اپنا حصہ لے لو اور میرا حصہ بھی اس میں سے نکالو اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ فاتحہ کے ساتھ دم

الرقية بالفاتحة والذكر انها حلال لا كراهة فيها وكذا الاجرة على تعليم القران وهذا مذهب الشافعي ومالك واحمد واسحق وابي ثور واخرين من السلف ومن بعدهم ومنعها ابو حنيفة في تعليم القران واجازها في الرقية كذا في شرح مسلم للنووي۔

بعد اس کے واضح ہو ماہرین شریعت غرا پر کہ اجارہ تعلیم قرآن مجید کا واسطے باقی رہنے حفظ قرآن اور جاری رہنے اس کے کہ اس میں حفظ دین و اسلام پر ضرور ہے روا رکھا علمائے دین حامی شرع متین نے بخلاف اجارہ قرات قرآن بنا بر ایصال ثواب میت کے جیسا کہ فی زماننا سپارہ خوانی باجرت یا اجلاس قرآن خوان کا عند القبر رواج ہو رہا ہے محض ناجائز ہے، چنانچہ سید محمد امین شامی نے رد المحتار حاشیہ در المختار میں بخوبی لکھا ہے تھوڑی عبارت اس کی بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش علماء روزگار کے نقل ہوتی ہے، عبارتہ ہکذا۔

واجمعوا[1] على ان الحج عن الغير بطريق النيابة لا الاستيجار ولهذا لو فضل مع النائب شئ من النفقة يجب عليه رده للاصيل او ورثته ولو كان اجرة لما وجب رده فظهر لك بهذا عدم صحة ما في الجوهرة من قوله واختلفوا في الاستيجار على قراءة القران مدة معلومة قال بعضهم لا يجوز وقال بعضهم يجوز وهو المختار اه والصواب ان يقال على تعليم القران فان الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فانه لا ضرورة فيها فان كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام وان كان عن عمد

کرنے کی اجرت لے لینا بلا کراہت جائز ہے اور اسی طرح قرآن کی تعلیم اجرت پر بھی جائز ہے، امام شافعی مالک، احمد، اسحاق، ابو ثور اور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کہتے ہیں، کہ سورت فاتحہ کے دم کی اجرت لینا تو جائز ہے، لیکن قرآن کی تعلیم کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

[1] اس بات پر اتفاق ہے، کہ کسی کی طرف سے حج بطور نیابت تو جائز ہے، اجرت پر جائز نہیں، یہی وجہ ہے، کہ اگر نائب کے پاس اخراجات میں سے کوئی چیز بچ جائے تو اس کو اصل مالک کی طرف واپس کرنا ضروری ہے اور اگر اجرت جائز ہوتا، تو اس کا واپس کرنا ضروری نہ ہوتا، اس عبارت سے جوہرہ کی غلطی تجھ پر آشکار ہو گئی ہو گی کہ قرات قرآن مدت معلومہ تک کی اجرت لینا بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہی مختار ہے، درست یہ تھا کہ کہتا، کہ تعلیم قرآن کی اجرت بعض کے نزدیک جائز ہے، اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ اختلاف تعلیم قرآن میں ہے قرات قرآن میں نہیں، اگر جوہرہ کی یہ کلام قلم کی لغزش ہے تو خیر اور اگر عمدا یہ لکھا گیا ہے تو یہ

فهو مخالف لكلام هو قاطبة فلا يقبل وقد اطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستندا الى النقول الصريحة فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة في شرح الهداية ان القران بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري وقال العيني في شرح الهداية ويمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطي آثمان فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لا يجوز لان فيه الامر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لاجل المال فاذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة فاين يصل الثواب الى المستاجر ولولا الاجرة ما قرأ احد لاحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انا لله وانا اليه راجعون وقد اغتر بما في الجوهرة صاحب البحر في كتاب الوقف وتبعه الشارح في كتاب الوصايا حيث يشعر كلامهما بجواز الاستيجار على كل الطاعات ومنها القراءة وقد رده الشيخ خير الدين في حاشية البحر في كتاب الوقف حيث قال اقول المفتى به جواز الاخذ استحسانا على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة كما صرح به في التاتارخانية حيث قال لا معنى لهذه الوصية ولصلة القاري لقراءته لان هذا بمنزلة الاجرة والاجارة في ذلك باطلة وهي بدعة ولم يفعلها احد من الخلفاء وقد ذكرنا مسئلة تعليم القرآن على استحسان اه

تمام ائمہ کے اقوال کے مخالف ہے لہٰذا مردود ہے، صاحب تبیین المحارم نے اس کی تردید میں مفصل گفتگو کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ اجرت سے قرآن پڑھنے میں ثواب ہی نہیں ہوتا نہ میت کو نہ قاری کو، عینی شرح ہدایہ میں ہے، کہ دنیا کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اس کی اجرت لینے دینے والا دونوں گنہگار ہیں، اور آج کل جو قرآن مجید کے پارے قرارت کے لئے تقسیم کر دیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں قرارت کا اجرت پر حکم دیا جاتا ہے، اور حکم دینے والے کو ثواب بخشنے کا، اگر قاری ہی کو بوجہ عدم صحیح نیت ثواب نہ ملے گا، تو آمر کو کیسے مل جائے گا، اور اگر اجرت نہ ہوتی، تو کوئی بھی قرآن نہ پڑھتا، ان لوگوں نے قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنا لیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون، جوہرہ کی عبارت سے صاحب البحر اور اس کے شارح نے بھی دھوکا کھایا کہ انہوں نے عبادات کی اجرت لینے کا فتوے دے دیا، اور ان میں سے قرارت کو بھی سمجھ لیا، اصل اس کی تردید خیر الدین رملی نے حاشیہ پر کر دی اس نے لکھا کہ استحسانا تعلیم قرآن پر اجرت کی اجازت دی گئی ہے نہ قرارۃ مجردہ پر جیسا کہ تاتارخانیہ میں اس کی تصریح ہے، کہ تعلیم قرآن کی اجرت ضرورت کی وجہ سے جائز سمجھی گئی ہے اور قبر پر قرآن پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، اس سے صاحب البحر کے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے، کہ اگر

یعنی للضرورۃ ولا ضرورۃ فی الاستیجار علی القراءۃ علی القبر وفی الزیلعی وکثیر من الکتب لو لم یفتح لھم باب التعلیم بالاجر لذھب القرآن فافتوا بجوازہ ورأوہ حسنا تنبیہ ا ہ کلام الرملی وما فی التاتارخانیۃ فیہ رد علی من قال لو اوصی لقاری یقرأ علی قبرہ فھٰذا ینبغی ان یجوز علی وجہ الصلۃ دون الاجر ومن صرح ببطلان ھٰذہ الوصیۃ صاحب الولوالجیۃ والمحیط والبزازیۃ وفیہ رد ایضا علی صاحب البحر حیث علل البطلان بانہ مبنی علی القول بکراھۃ القرآن علی القبر ولیس کذلک بل لما فیہ من شبہ الاستیجار علی القراءۃ کما علمت وصرح بہ فی الاختیار وکذا قال فی الولوالجیۃ ما نصہ ولو زار قبر صدیق او قریب لہ وقرأ عندہ شیئا من القرآن فھو حسن اما الوصیۃ بذلک فلا معنی لھا ولا معنی ایضا لصلۃ القاری لان ذلک یشبہ استیجارہ علی قراءۃ القرآن وذلک باطل ولم یفعل ذلک احد من الخلفاء اذ لو کانت العلۃ ما قالہ لم یصح قولہ ھٰذا فھو حسن وممن افتی ببطلان ھٰذہ الوصیۃ الخیر الرملی کما ھو مبسوط فی وصایا فتاواہ فراجعھا ونقل العلامۃ الخلوتی فی حاشیۃ المنتھی الحنبلی عن شیخ الاسلام تقی الدین ما نصہ ولا یصح الاستیجار علی القراءۃ واھدائھا الی المیت لانہ لم ینقل عن احد من الائمۃ الاذن فی ذلک وقد قال العلماء ان القاری اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب لہ فای شیء یھدیہ الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستیجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل بہ احد من الائمۃ وانما تنازعوا فی الاستیجار علی التعلیم ا ہ بحروفہ وممن صرح بذلک ایضا الامام البرکوی قدس سرہ فی اخر طریقۃ المحمدیۃ نقال الفصل الثالث فی امور مبتدعۃ

میت کسی قاری کو قبر پر قرآن پڑھنے کی وصیت کر جائے تو یہ باطل ہے، کیونکہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے، حالانکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے، کہ یہ معاملہ قرأت پر اجرت لینے کے مشابہ ہے، ہاں اگر کسی دوست کی قبر پر انسان کوئی کچھ قرآن پڑھدے تو یہ جائز ہے اور وصیت اور اجرت پر قرآن پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی ایسا نہ کیا، اگر یہ چیز درست ہوتی تو وہ ضرور کرتے اور نہ ہی ائمہ نے اس کی اجازت دی ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے، کہ جب مال پر قرأت قرآن کی جائے، تو اس کا قاری کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا، میت کو کیا بخشے گا، میت کو نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے، اور یہ سرے سے نیک عمل ہی نہیں ہے امام برکوی نے طریقہ محمدیہ کی تیسری فصل میں لکھا ہے، کہ آج کل بہت سی بدعات جاری ہو چکی ہیں، جن پر لوگ ٹوٹ پڑے

باطلة اکب الناس علیها علی ظن انها قرب مقصودة الی ان قال ومنها الوصیة من المیت باتخاذ الطعام والضیافة یوم موته او بعده وباعطاء دراهم لمن یتلو القرآن لروحه او یسبح او یهلل له وکلها بدع منکرات باطلة والماخوذ منها حرام للآخذ وهو عاص بالتلاوة والذکر لاجل الدنیا اه ملخصا انتهی۔ اور حدیث استیجارہ کی منافی حدیث قوس کے نہیں، کہ صاحب اس کا محض نظر ثواب کی رکھتا تھا ابتداء سے نہ بارادہ اجرت کے تعلیم کیا تھا۔ ولا ینافی حدیث القوس لان صاحبه کان محتسبا لا اجیرا انتهی ما فی مجمع بحار الانوار للفاضل محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

الجواب صحیح

شفیع خلق محمد کریم اللہ است

علم رشد از فیض قاسم قسمت عبد الحکیم

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

محمد مسعود فہو غفور رحیم

ست منصور علی ارا احمد

محمد اسد علی اسلام آبادی

عبدہ محمد یوسف

عبد الرب

حافظ نور محمد

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مستاجر نے بعد انعقاد عقد اجارہ کے وقت ادائے کرایہ کے اجیر سے ایک پیسہ مثلاً حط کرانا اور چھوڑ دینا چاہا اور اجیر نے بعد وصول کرانے کے اپنی خوشی سے ایک پیسہ چھوڑ دیا تو اس سے عقد اجارہ میں کچھ فساد تو نہیں ہوا، اور ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ موجب عقد اجارہ کا قادر اور متمکن ہونا ہے معقود علیہ کے انتفاع اٹھانے پر، اور جو مخالف موجب عقد اجارہ ہو وہ مفسد عقد ہے اور صورت سوال میں کوئی ایسی شے نہیں ہے، جو مخالف عقد اجارہ ہو، پس صورت مسئولہ میں عقد اجارہ میں فساد نہیں آیا، فموجب[1] العقد ان لا یجب الاجر الا بالتمکن من استیفاء المعقود علیه وکل شرط یخالف موجب العقد فهو مفسد العقد انتهی ما فی الکفایة حاشیة الهدایة

ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے ثواب ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک میت کی طرف سے وصیت بھی ہے کہ مرنے کے بعد یا دوسرے روز کھانا پکا کر ضیافت کریں یا اس کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے قاریوں سے قرآن پڑھوائیں، اور ان کو اجرت دیں یہ تمام منکر بدعات ہیں اس طرح کی اجرت لینا بھی حرام ہے اور دنیا کے لئے تلاوت اور ذکر کرنا بھی گناہ ہے [1] عقد کا موجب یہ ہے، کہ معقود علیہ کے پورا ہو جانے کے بعد اجرت پوری وصول ہو جاتی ہے، اور ہر وہ شرط جو موجب عقد کے مخالف ہو، وہ عقد کی مفسد ہے۔

مختصراً بقدر الحاجۃ۔ پس بموجب روایت کفایہ کے صلب عقد اجارہ میں کوئی شرط مفسد نہیں پائی جاتی شرعاً اور بعد انعقاد عقد اجارہ کے وقت ادائے کرایہ کے مستاجر نے اجیر سے ایک پیسہ مثلاً حط کرایا اور چھوڑ دینا چاہا اور اجیر نے بعد وصول کرایہ مقرر کے ایک پیسہ چھوڑ دیا اور حط کر دیا کرایہ میں سے بخوشی اپنی، سو یہ مخالف موجب عقد اجارہ نہیں ہے اور ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ بعد انعقاد عقد بیع کے حط و زیادت مبیع یا ثمن میں جائز ہے، اور مخالف عقد بیع نہیں اسی طرح عقد اجارہ میں بعد انعقاد کے حط و زیادت کرایہ جائز ہے اور مخالف موجب عقد اجارہ نہیں۔ ماجاز ان یکون ثمنا فی المبیع جاز ان یکون اجرۃ فی الاجارۃ لان الاجرۃ ثمن المنفعۃ فیعتبر بثمن المبیع کذا فی الهدایۃ۔ وایضا فیهما ولنا انهما بالحط والزیادۃ یغیران العقد من وصف مشروع الی وصف مشروع وهو کونه رابحا او خاسرا او عدلا ولهما ولایۃ الرفع فاولی ان یکون لهما ولایۃ التغییر وصار کما اذا اسقطا الخیار او شرطاه بعد العقد واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کہا، کہ یہ کام تو کر تو میں تجھے ہر برس پانچ سو روپے دوں گا عمرو نے قبول کیا، اور کام کرنا شروع کرنا اس اقرار کے موافق زید نے پہلے برس کے روپے پانچ سو بغیر مانگے عمرو کے عمرو کو دے دیئے مگر اب زید عمرو کو روپیہ نہیں دیتا، حالانکہ عمرو کو کام کرتے ہوئے کئی برس ہو گئے، اور عمرو جو اپنی اجرت سالانہ زید سے مانگتا ہے، تو زید سکوت کرتا ہے، اور کام کرنے کو موقوف بھی نہیں کراتا پس اس صورت میں عمرو اتنے برسوں کی اجرت کا مستحق ہے یا نہیں، اور سکوت زید موجب سقوط اجرت کا ہو گا، یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ صورت مرقومہ صورت اجارہ کی ہے، کیونکہ اجارہ میں معلوم ہونا معقود علیہ یعنی منافع کا اور معقود بہ کا یعنی اجرت کا واسطے صحت اجارہ کے ضرور ہے اور صورت سوال میں معقود علیہ یعنی وہ کام مطلوب مذکور ہے، اور معقود بہ یعنی وہ پانچ سو روپے اجرت اس کام کی بھی مذکور ہے تو اس صورت میں زید مستاجر یعنی کام کرانے والا، اور عمرو اجیر یعنی کام کرنے

---

۱ جو چیز بیع میں ثمن ہو سکتی ہے وہ اجارہ میں اجرت بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اجرت منافع کی قیمت ہے تو اسے بیع کی قیمت پر قیاس کر لینا چاہیئے، اور دونوں متعاقدوں کو قیمت اجارہ میں کمی بیشی کا اختیار ہے، بالکل اسی طرح جیسے بیع میں خیار اور شرط بعد العقد کی ان کو اجازت ہے۔

والا ہوا، پس زید کی طرف سے ایجاب اجارہ کا اور عمرو کی طرف سے قبول کرنا اس کا پایا گیا، تو عقد اجارہ متحقق اور ثابت بلا ریب ہوا پس جب تک زید عقد اجارہ مذکور کو فسخ نہ کرے گا، یعنی یہ کام کرانا موقوف نہ کرے گا، تب تک عمرو مستحق اجرت پانچ سو روپیہ کا ہوتا رہے گا اور بر وقت طلب کرنے اجرت اس کام کے سکوت زید کا موجب سقوط اجرت کا نہ ہوگا پس زید پر واجب ہے کہ جس قدر عمرو نے ہر سال کام مطلوب اس کا بناتا رہا، اور کرتا رہا اجرت اس کام کی اس کو ادا کر دے۔ الاجارة عقد یرد علی المنافع وقد شهدت بصحتها الاثار وهی قوله علیه السلام اعطوا الاجیر اجره قبل ان یجف عرقه وقوله علیه السلام من استاجر اجیرا فلیعلمه اجره ولا تصح حتی تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة لما روینا ولان الجهالة فی المعقود علیه وبدله تفضی الی المنازعة کجهالة الثمن والثمن فی البیع واذا استوفی المنفعة یثبت الملك فی الاجر لتحقق التسویة کذا فی الهدایة وغیرها من کتب الفقه واللہ اعلم بالصواب سید محمد نذیر حسین

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ قصہ خوان و داستان گویان کہ در دربار بادشاہ وامیر نوکری می کنند آیا ایں اجرت نوکری بخدمت داستان گوئی گرفتن جائز است شرعا یا نہ واگر ناجائز باشد حرام باشد یا مکروہ تحریمی ودریں دو شق است، یکے آنکہ ایں اجرت مشروط باشد بشرط قصہ خوانی ودیگر شق آنکہ قطع نظر ازیں شرط یعنی ایں کس مدام یاگاہ گاہ ہے قصہ خوانی کردہ وشنوندگان نیز مدام یاگاہ گاہ ہے چیزے

ل اجارہ ایک ایسا عقد ہے، جو منافع پر وارد ہوتا ہے اس کی صحت پر احادیث دلالت کرتی ہیں، حضور نے فرمایا «مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو» اور فرمایا، جو کسی کو مزدور رکھے، وہ اس سے مزدوری مقرر کرلے" اور یہ عقد جب تک منافع اور اجرت معلوم نہ ہو صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر کام اور اجرت مقرر نہ ہوگی، تو جھگڑا پیدا ہو جائے گا، جیسا کہ بیع میں ثمن اور چیز معین نہ ہوں تو جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے، جب مالک منافع حاصل کرے، تو مزدور کو اس کی مزدوری پوری مل جائے۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ قصہ خوان اور داستان گو جو امیروں اور بادشاہوں کے پاس نوکری کرتے ہیں، اور داستان گوئی یا قصہ خوانی کی تنخواہ لیتے ہیں یہ شرعا جائز ہے یا حرام یا مکروہ تحریمی؟ اور پھر اس کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ داستان وقصہ گوئی کی اجرت یا تنخواہ مقرر کرکے ہیں اور دوسری یہ کہ لوگ گاہے بگاہے کوئی داستان سناتے رہیں، اور امراء ان کو وقتا فوقتا کچھ دیتے رہیں اور مزدوری یا تنخواہ مقرر نہ ہو، پس

مقرر دادند بلاذکر عوض خدمت داستان گوئی پس درین صورت ہر چہ جواز و عدم جواز باشد از روئے مذہب حنفی ارشاد فرمایند۔

الجواب: اجرت بر خدمت قصہ خوانی و داستان گوئی گرفتن مکروہ تحریمی ست واگر دادن شنوندگان چیزے قصہ خوان و داستان گو را خواہ مدام باشد خواہ گاہ گاہ مشروط بشرط قصہ خوانی و داستان گوئی و بلازای این کار نیست گرفتن آن مباح است چرا کہ این اعطا است از جانب معطی برضا و رغبت او بدون شرط و عقد و تقاضی[۱] النوح والمزامیر و الطبل و شئ من اللھو وعلی ھذا الحداد و قراءۃ الشعر و غیرہ من الاکاذیب والاراجیز[۲] ابی حنیفۃ وابی یوسف و محمد کذا فی غایۃ السروجی و غایۃ البیان و فی حکمہ اساطیر الاولین یعنی افسانہائے ورد[۳] پیشینان بغیر شرط و لا تقاضی یباح لذلک خزانۃ الفقہ واما المغنی والنائحۃ والقوال فالامر فیہ ایسر ان کان الاعطاء بالرضاء من غیر شرط و عقد رجل جمع المال وھو مطرب او مغنی ھل یباح لوارثہ ذلک ان کان اخذ المال من غیر شرط یباح لانہ اعطی المال من غیر طوع۔ عینی شرح ہدایہ۔

نمقہ محمد صدر الدین | سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: مال حرام مطلق مثل آمدنی شراب و تاڑی وغیرہ اپنے تصرف و خرچ میں لانا، یا غیر کو بطور ضیافت و ہدیہ یا قرض یا عوض اجرت کے دینا اور لینا یا صدقہ دینا اس میں سے حرام اور منہی عنہ ہے، اور جو فقراء و مساکین کو بطور حصول ثواب کے دیا، اور متوقع ثواب کا ہوا، اور فقیر نے دیدہ و دانستہ مال حرام کو لے لیا، اور اس پر مدح و ثنا اور دعا کی، تو دونوں دینے والا اور لینے والا کافر ہوں گے، اور باوجود علم حرمت اموال کے تبادل بالایدی سے مال

ان صورتوں میں سے جو کچھ جائز ہے یا جائز ہے حنفی مذہب کے مطابق تحریر فرمائیں۔

الجواب: قصہ خوانی اور داستان گوئی کی اجرت لینا مکروہ تحریمی ہے، بشرطیکہ مقرر کر کے لے اور اگر مقرر نہ ہو، بلکہ امراء از خود گاہے بگاہے ان کو دے دیں، تو یہ جائز ہے، نوحہ، باجہ، طبلہ، شعر گوئی، حدی خوانی پر اجرت لینا امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف و محمد کے نزدیک حرام ہے، غایۃ السروجی اور غایۃ البیان میں اسی طرح ہے اور یہی حال پہلے جھوٹے افسانے سنانے کا ہے علاوہ دوسروں کے نزدیک اگر ان کو کوئی از خود دے دے تو جائز ہے اگر مقرر کر کے لیں، تو حرام ہے۔

---

(۱)(۲)(۳) یہاں اصل میں تین مقام سے عبارت ساقط ہے۔

حرام موجب حلت کا نہیں شرعاً[1] مطعمہ حرام ومشربہ شراب وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذلک رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ اور کتب فقہ مانند اشباہ ونظائر وغیرہ میں مذکور ہے[2] ما حرم اخذہ حرم اعطائہ انتہی۔ لو[3] مات مسلم وترک ثمن خمر باعہ مسلم لا یحل لورثتہ کما بسطہ الزیلعی وفی الاشباہ الحرمۃ منتقل مع العلم الا للوارث الا اذا علی ربہ قلت ومر فی البیع الفاسد لکن فی المجتبی مات وکسبہ حرام وفی فتاوی اهل سمرقند ولسنا ناخذ بھذہ الروایۃ بل ھو حرام علی الورثۃ قولہ فتنبہ اشار بہ الی ضعف ما فی الاشباہ انتہی ما فی الطحطاوی مختصرا واکل الربوا وکاسب الحرام لو اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یاکلہ مالم یخبرہ ان ذلک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ وان کان غالب مالہ حلالا فلا باس بقبول ھدیہ والاکل ھکذا فی الطحطاوی والفتاوی العالمگیریۃ وفی الخلاصۃ لو علم الفقیر بخزانتہ من الحرام ودعا لہ ولمن المعطی کفر او فی الظہیریۃ دفع الی فقیر یرجو الثواب کفر ولو علم الفقیر بعد العلم بحرمتہ وامن من اعطائہ کفرا جمیعا لان الدعاء والتامین انما یکون فی ارتکاب الطاعۃ دون المعصیۃ وارتکاب الحرام انتہی ما

---

[1] اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا بھی حرام ہے، اس کا پہننا بھی حرام ہے، تو اس کی دعا کس طرح قبول ہو سکتی ہے۔ [2] جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

[3] اگر مسلمان مرجائے اور شراب کی قیمت چھوڑ جائے تو اس کے وارثوں کے لئے جائز نہیں ہے، اشباہ میں ہے کہ حرمت علم سے منتقل ہوتی ہے، مگر وارث کے لئے مجتبیٰ اور فتاوی اہل سمرقند میں ہے، کہ ایسے مال کا لینا وارثوں کے لئے حلال نہیں ہے، اور سود کھانے والا، اور حرام کمائی کرنے والا اگر ہدیہ بھیجے، یا جس کا اکثر مال حرام ہو تو اسے قبول نہ کیا جائے اور جب تک وہ صراحتہ بیان نہ کرے، کہ یہ دعوت حلال مال سے کی گئی ہے اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے، اور اگر اکثر مال اس کا حلال ہو، تو اس کا ہدیہ قبول کر لینا اور دعوت کا کھا لینا جائز ہے، خلاصہ میں ہے، کہ اگر فقیر کو معلوم ہو جائے کہ دینے والے نے اس کو حرام مال میں سے دیا ہے، اور پھر وہ اس کے لئے دعا کرے، تو کافر ہو جائے گا، اور اگر دینے والا حرام مال دے کر ثواب کی امید رکھے، تو وہ بھی کافر ہے، اور اگر ایک دعا کرے، اور دوسرا آمین کہے تو دونوں کافر ہو گئے، کیونکہ دعا اور آمین اطاعت بجالانے پر ہوتی ہے، نہ کہ ارتکاب معاصی وحرام پر۔

فی المنح الازھر۔ واضح ہو کہ سبیل مال حرام کا یہ ہے شرعاً کہ جس جس کسی کا مال بوجہ رشوت یا ربا یا حرام کاری اور زنا اور غناء سے جمع کیا ہو، تو فرض و واجب ہے اس پر کہ ان مالوں کو بمالکان مال رد کر دے، اگر صاحبان مال موجود اور معلوم ہوں، ورنہ ان مالوں کو صدقہ کر دے اس نیت سے کہ یا الٰہی جس جس کسی کا مال صدقہ کرتا ہوں، ان لوگوں کو ثواب اس کا پہنچا اور اپنا ثواب دینے کا تصور نہ کرے، چنانچہ زیلعی و طحطاوی وغیرہ سے مستفاد ہوتا ہے، اور جس کسی کا کسب حرام ہے یا مال حرام ہے، چنانچہ مال زانیہ و رقاصہ و رشوت خوار و سود خوار وغیرہ کا ہو، پس ایسے لوگوں کے ہاتھ کچھ چیز بیچنا یا مزدوری کرنی اور وہ زانیہ وغیرہ ثمن اور اجرت و مزدوری مال حرام سے دیں، تو بائع اور نوکر کو اس مال حرام کو عوض مبیعہ اور مزدوری کے لینا حرام ہے۔ لان[1] ما حرم اخذہ حرم اعطائہ کذا فی الاشباہ و منتقل الحرمۃ مع العلم کذا فی الدر المختار وغیرہ یردونھا علی اربابھا ان عرفوھم والا تصدقوا بھا لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبہ فانہ یتصدق بہ بنیۃ الخصماء کما افادہ الحموی وغیرہ۔ ہاں اگر زانیہ و رقص کرنے والا وغیرہ کسی غیر سے قرض لے کر ثمن یا مزدوری بائع یا نوکر کو نوکری حلال کے عوض دے تو مضائقہ نہیں درست و جائز ہوگا، چنانچہ اشباہ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے، ولیکن طالب العلم کو نہ چاہیئے، کہ زانیہ فاجرہ یا رقاصہ فاسقہ کی نوکری تعلیم و تعلم کی قبول کرے، کہ دور از جادہ دیانت ہے الحیاء[2] شعبۃ من الایمان الحدیث وفی روایۃ الحیاء من الایمان کما فی الصحاح الستۃ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک جائداد کسی شخص کو اجارہ یعنی ٹھیکہ پر کسی رقم معین پر دی، اور ایک وثیقہ اس مضمون کا لکھوا گیا، کہ تا حیات میں منافع مقررہ سے منتفع ہوتا رہوں گا، بعد میری موت کے میری وجیہ ہندہ تا حیات منافع مذکور کی مالک رہے گی، اب زید فوت ہو گیا، ہندہ حسب اس تحریر

---

[1] جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے، اور حرمت علم کے ساتھ منتقل ہوتی ہے اور مال حرام اصل مالکوں کو اگر معلوم ہوں تو واپس لیا جائے ورنہ اس کو صدقہ کیا جائے، کیونکہ خبیث کمائی کا واحد علاج یہی ہے کہ وہ اصل کو دے سے جائے ورنہ صدقہ کر کے ان کو اس کا ثواب پہنچا دیا جائے تاکہ قیامت کو تقاضے سے بچ جائے۔

[2] حیا ایمان کی ایک شاخ ہے، اور فرمایا حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔

کے دعوے کرتی ہے، کہ میں اس منافع کی مستحق ہوں، آیا شرعاً ہندہ مستحق منافع ہے یا نہیں اور زید کے اور وارث بھی موجود ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- در صورت مرقومہ ماہرین شریعت پر واضح ہو کہ اجارہ میں شے مملوکہ موجر یعنی اجارہ دہندہ کی رہتی ہے، اور تملیک منافع اس شے کا بعوض مال واسطے مستاجر کے ہوتی ہے کذا فی سائر کتب الفقہ والحدیث، اور اجارہ وقت موت احد العاقدین کے منفسخ ہو جاتا ہے کیونکہ جس شے سے منفعت حاصل ہوتی تھی، وہ شے مملوک مورث عاقد کے بروقت فوت ہو جانے یعنی مورث عاقد کے منتقل ہو کر طرف وارث غیر عاقد کے آجاتی ہے، پس جب اصل وہ شے محل عقد عاقد سے بسبب ارث اضطراری سے خارج ہو گئی، تو منافع جو فرع ہے یعنی وہ منافع جو ساعۃ فساعۃ بعد موت مورث کے حادث ہوگا، تو یہ بھی منتفی ہوگا، اور جاریہ گا اور زید کا دیتے رہنا، ناحیات مستاجرہ لغو و بے کار متصور ہوگا، کیونکہ بعد موت زید کے وارث زید اس کے مستحق ہوں گے، اور زید کا اس میں کچھ علاقہ نہ رہے گا شرعاً، تو اس صورت میں دعوے ہندہ مستاجرہ کا باطل و نا مسموع ہوگا شرعاً، کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ

(اذا مات احد المتعاقدين وقد عقد الاجارة لنفسه انفسخت - الاجارة لانه لو بقي العقد تصير المنفعة المملوكة له او الاجرة المملوكة له لغير العاقد مستحقة بالعقد لانه ينتقل بالموت الى الوارث وذلك لا يجوز انتهى ما فى الهداية قال فى العناية لا نا لا نتقل من المورث الى الوارث لا يتصور فى المنفعة والاجرة المملوكة لان عقد الاجارة ينعقد ساعة فساعة على المنافع فلو قلنا بالانتقال كان ذلك قولا بالانتقال مما لم يملك المورث الى الوارث انتهى ما فى الهداية ولنا طريقان احدهما فى موت الموجر فنقول المستحق بالعقد المنافع التى تحدث فى ملك الموجر وقد فات ذلك بموته فيبطل الاجارة لفوات المعقود عليه لان رقبه الدار تنتقل الى الوارث والمنفعة تحدث

لہ اجارہ کے متعاقدین میں سے اگر ایک مر جائے تو عقد اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر موجر فوت ہو جائے تو اس کے وارث منفعت کے وارث ہوں گے، اور اگر اجیر (مزدور) فوت ہو جائے تو اس کے وارث اجرت کے وارث ہوں گے، اور یہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ منفعت اور اجرت بر نسبت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اور اجرت منفعت کے استیفاء کے بعد ہوگی، تو گویا وارث ایک ایسی چیز کے وارث قرار دیئے جائیں گے جس کا مالک ان کا مورث بھی نہیں تھا، اور پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ منفعت مجردہ وراثت میں

علی ملک صاحب الرقبۃ لما ان الاجارۃ تجدد فی حق المعقود علیہ بحسب ما یحدث من المنفعۃ ولیس لہ ولایۃ الزام العقد فی ملک الغیر والطریق الآخر فی موت المستاجر اذا لو بقی العقد بعد موتہ انما یبقی علی انہ یخلفہ الوارث والمنفعۃ المجردۃ لا تورث الا تری ان المستعیر اذا مات لا یخلفہ وارثہ فی المنفعۃ انتہی ما فی فتح القدیر مختصرا وایضا فیہ فی مقام اخر واذا ثبت انتفاء الارث تعین بطلان العقد کعقد النکاح یرتفع بموت الزوج کان وارثہ لا یخلفہ فیہ کذا فی المبسوط الی ہنا لفظ النہایۃ ۔ انتہی کلامہ ۔

ہرگاہ یہ اجارہ بوجوہ مذکورہ باطل ہوا شرعاً تو اس جائداد مذکورہ کو عوض متمم حصہ ترکہ شوہری کے مسماۃ ہندہ کو دینا ضرور ہے، کہ وہ مسماۃ میراث شوہری سے محروم نہ رہے اور جو جائداد مذکورہ متمم حصہ میں کافی نہ ہو تو ہر وارث اپنے اپنے حصہ میں سے بقدر متمم حصہ کے پورا کر دیں، کہ تدارک مافات کا ہو جاوے اور زید بھی مواخذہ آخرت سے نجات پاوے اور بپاداش اس تقصیر کے میراث جنت سے محروم نہ ہو جاوے ۔ عن[1] انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ رواہ ابن ماجہ ۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

میں نہیں آتی، نیز اگر مستعیر فوت ہو جائے تو اس کے ورثا مستعار کے وارث ہو سکتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور جب وراثت کی نفی ہو گئی تو عقد بھی فسخ ہو گیا جیسے کہ نکاح احد الزوجین کی موت سے ختم ہو جاتا ہے اور وارث اس کے خلیفہ نہیں بن سکتے ۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی وارث کی میراث کو قطع کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی میراث کو جنت سے قطع کر دے گا ۔

کتاب المضاربۃ والبضاعۃ

سوال:۔ باعث اس تحریر کا یہ ہے، کہ ایک شخص تجارت پیشہ ضعیف ہوا، اس نے دو ہزار روپے اپنے بیٹے اور پوتے کو بطور بضاعت کے دیئے اور کہا کہ تجارت میں لگاؤ یعنی بطور وکالت کے تجارت کرکے کل منافع مجھ کو ملتا ہے اور وہ شخص مالک دس روپیہ اس منافع میں سے آپ لیا کرے گا اور جو کچھ منافع دس روپے سے زاید ہو وہ تم کو مبارک ہوگا، مجھ کو اس کا دعویٰ نہیں، وہ میں نے معاف کیا، لیکن حق والد سمجھ کر سعی اور کوشش اس تجارت میں بہت سی کرتے رہو، کہ اوقات بسر اس میں میری ہوتی رہے، پس بیٹا اور پوتے نے اس بات کو قبول کرکے مبلغ دو ہزار روپیہ لے لیا اور اقرار دس روپیہ کا ماہ بماہ دینے کا کیا، مگر یہ بات کہی کہ جب والد ماجد روپیہ اپنا طلب کریں گے، تو یہ روپیہ بطور قسط سو روپیہ ماہواری ادا کریں گے، کیونکہ روپیہ تجارت میں مشغول رہتا ہے، سر دست ادا کرنا اس کا یک مشت دشوار ہوگا، اور کل منافع اس کا ابتداء طلب سے تا ادائے زر مرقومہ ماہبانہ نہ دیں گے یعنی روپیہ جس قدر ماہبانہ میں دینا رہوں گا، اس قدر منافع کم دیا کروں گا، تو اب ارباب شرع سے سوال ہے، کہ یہ صورت جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ صورت بطور بضاعت کے درست ہے، اور معاملہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[1] کا اس میں پایا جاتا ہے، باپ، بیٹے کو مبارک ہو، چنانچہ کتب شریعت سے ایسا ہی واضح ہوتا ہے

سید محمد نذیر حسین

حفیظ اللہ خان

عبدہ محمد قطب الدین

الجواب:۔ یہ بضاعت نہیں ہے، کہ اس میں کل ربح کا استحقاق مالک کے

[1] احسان کا بدلہ احسان ہے۔

لئے مشروط ہے، سو عامل نہ مستحق ربح ہے اور نہ مستحق اجر اور اگر یہ روپیہ ہلاک ہو جاوے
تو اس پر ضمان لازم نہیں ہے۔ وتستبضع عند اشتراطہ لرب المال فلا ربح لہ ولا
اجر ولا ضمان علیہ بالہلاک بحر۔ یہ عقد صریح مضاربت فاسدہ کی ہے کہ اس
میں دس روپے ماہواری مالک کے لئے مقرر کئے گئے ہیں، یہ ربوا ہے اور اس صورت میں
کل نفع کا مالک ہے اور عامل مستحق اجر مثل کا ہے۔ الا بعد ان یکون الربح بینہما شائعا
کالنصف والثلث لا سہما معینا یقطع الشرکۃ کمائۃ درہم ومع النصف
عشرۃ الخامس ان یکون نصیب کل منہما معلوما فکل شرط یؤدی الی جہالۃ
الربح فاسد وما لا فلا السادس ان یکون المضاربۃ مشروطا من الربح لو شرطا
لہ شیئا او کلیۃ من راس المال او منہ ومن الربح فسدت وحکمہا انہ امین
بعد دفع المال عند العمل وشریک عند الربح واجیر عند الفساد فلہ اجر
مثلہ والربح کل لرب المال بحر۔ پس چاہئے کہ یہ عقد فاسد فوراً فسخ کیا جاوے
اگر اس پر عمل پھر اتفاقاً جاری ہوا ہے، تو عامل کو اجر مثل کے سوا اور کچھ استحقاق نہیں اور مالک
کل ربح کا مستحق ہے، ورنہ ربوا لازم ہوگا۔ فقط۔ اور یہ جواب کہ یہ صورت بطور بضاعت
کے درست ہے، اور مسئلہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کا پایا جاتا ہے، صحیح
نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واسلم۔

کریم اللہ

عبدہ محمد قطب الدین

محمد ہاشم

سابق ازیں کہ برائے استفتاء مثل ایں سوال من دو مفتی صاحب مہر ثبت نمودہ بودم بعد

---

۱ اگر تجارت کے لئے روپیہ لینے والا اس شرط پر روپیہ لے، کہ کل مال (اصل مع منافع) کا مالک مال والا ہوگا تو لینے والے کو نہ منافع ملے گا نہ مزدوری، اور اگر مال اس سے ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان بھی نہ ہوگا۔

۲ چوتھی صورت یہ ہے کہ ان میں منافع معروف ہو، مثلاً نصف یا ثلث اور حصہ مقرر نہ ہو اس سے شرکت منقطع ہو جائے گی، پانچویں صورت یہ ہے کہ ہر ایک کا حصہ مقرر ہو، پس ہر ایسی شرط جو منافع کی جہالت کی طرف پہنچائے، وہ فاسد ہے اور جو ایسی نہ ہو وہ صحیح ہے اور چھٹی صورت یہ ہے کہ مضاربہ منافع سے مشروط ہو تو اس صورت میں کام کرنے والا یا تو راس المال کا وکیل ہوگا، یا راس المال اور منافع دونوں کی طرف سے، تو یہ عقد فاسد ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ کام کرنے والا مال مل جانے کے بعد کام کے وقت امین ہوگا اور منافع کے وقت شریک ہوگا اور نقصان کے وقت مزدور ہوگا تو اس صورت میں اس کو اجر مثل ملے گا اور منافع سارا مال والے کا ہوگا۔

رفتن مستفتی کہ تامل کردم معلوم شد کہ صریح ربوا است لہذا برارت خود مستفتی فرستادم کہ بہرم محو نماید مستفتی این سوال متبدل کردہ آوردو این جواب صحیح است۔

حررہ محمد قطب الدین — عبدہ محمد قطب الدین

الجواب۔ عجب است از مجیب ثانی کہ در صورت مسئولہ عقد متعاقدین را باوجود آنکہ از بضاعت بودنش انکار داشت، وجہ شبہ وحکم مختص آنرا بزعم خود دلیل عدم البضاعت قرار دادہ بے دغدغہ حوالہ قلم ساخت وبا سند صحیح بحر الرائق کہ صریح تعریف البضاعت می کند خلاف واقع رائے خویش را بآن مدلل گردانید اگر نوشتے ساخت کہ این بضاعت است چرا کہ درین کل ربح برائے مالک مشروط شدہ وحکمش چنان وچنین کذا فی البحر ومستبضع عند اشتراطہ لرب المال خلاء بحی لہ ولا اجر ولا ضمان علیہ بالھلاک پس بجا بودے کما لا یخفی علی اہل الفتوے وعلاوہ بریں در عبارت سوال صاف لفظ بطور بضاعت وکل ربح نسبت رب المال نوشتہ است، اما مجیب ثانی بکلی از اغماض کرد، ودر آخر کلام رب المال یعنی دہ روپیہ خود گرفتن وما بقی بعامل فروگذاشتہ بودے معاف کردن نظر انداختہ مضاربت فاسدہ تجویز نمود، حالانکہ ابتدا لئے عقد مضاربت بحقیقت فیما بین متعاقدین منعقد نشدہ تا این شرط آن را فاسد کند بلکہ این قول مالک خارج بر عقد بضاعت است از قسم کلام اختیاریہ وظاہر است کہ در

لہ مجیب ثانی سے تعجب ہوتا ہے کہ اس صورت مرقومہ کو باوجود اس کے کہ اس کے بضاعت ہونے سے انکار کیا ہے، اور اس کے حکم خاص اور وجہ مشتبہ کو اپنے خیال سے دلیل عدم بضاعت کی قرار دے دیا ہے، اور بے خوف وخطر اس کو قلم کے حوالہ کر دیا ہے، اور بحر الرائق کی عبارت کو جو اس کو صاف بضاعت تسلیم کرتا ہے خلاف واقع اپنی رائے کو اس سے مدلل کرتا ہے، اگر مجیب اس طرح لکھتا کہ یہ بضاعت ہے، کیونکہ اس میں کل منافع مالک کے لئے مشروط ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ بحر میں ہے کہ اگر کوئی رب المال سے شرط طور پر مال لے تو نہ اس کو منافع ملے گا، نہ مزدوری اور نہ ہی اس کے تلف ہونے پر اس پر ضمانت ہوگی تو جواب صحیح ہوتا، اس کے علاوہ سوال میں صاف لفظ بطور بضاعت وکل نفع برائے رب المال لکھا ہے، لیکن مجیب نے اس سے چشم پوشی کر لی ہے، اور پھر کلام کے آخری حصہ کو کہ رب المال دس روپیہ خود لے لے گا اور باقی عامل کو معاف کر دے گا، کو بھی نظر انداز کر کے اس کو مضاربت فاسدہ تجویز کر دیا ہے، حالانکہ حقیقت میں ابتدا ہی سے عقد مضاربت ان میں نہیں ہوا، کہ وہ فاسد ہو جاتا، بلکہ مالک کا یہ کلام عقد

عقد بضاعت نزدیک علماء مضارب رب المال مستحق ومالک تصرفات کل ربح گردد چون بالخود تصرف کل ربح گردید باخذ بعض وایثار بعض دیگر اگرچہ نسبت شاں باشد چگونہ ربوا خوار و ملام خواہد شد کہ تصرف او ہمہ در ملک است۔ قال الزیلعی اعلوان للانسان ان یتصرف فی ملکہ کیف یشاء۔ آرے در عقد استقراض کہ مضارب مالک عین المال ومستحق کل ربح می باشد دران صورت رب المال یعنی مقرض اگر چیزے از ربح برائے خود مقرر می سازد بلا شبہ آن ربوا وحرام خواہد شد ازان کہ آنجا فضل مال مقرض است بلاعوض وہمین است تعریف ربوا در فقہ فی الکنز وغیرہا ھو فضل مال بلاعوض فی معاوضۃ مال بمال وعامل بضاعت چون ہیچ از ربح استحقاق ندارد کہ ہنگام عقد بلا اجر عمل قبول کردہ پس نسبت رب المال متبرع شد و اگر رب المال ہم از ربح ملک خود بوے چیزے تبرعاً مقرر کند چہ قباحت دارد بلکہ جائز بود در ہم چنین صورت معاملہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان البتہ یا فتہ می شود۔ واللہ اعلم

کتبہ المذنب | العبید راج الی رحمۃ السلام |

جواب مجیب اول صحیح اور درست ہے، غرض باپ روپیہ دینے والے کی صراحۃ یہ ہے، کہ کل نفع دو ہزار روپے کا مجھ کو ملتا رہے اور درصورتیکہ نفع دس روپے ماہواری سے زیادہ ہوگا وہ زیادتی تم کو مبارک رہے گی، اور سوال سے یہ امر ہرگز نہیں نکلتا، کہ مراد رب المال کی یہ ہو، کہ دس روپیہ خواہ مخواہ ہم کو دینے ہوں گے، خواہ نفع اس سے زیادہ ہو یا کم، جو مجیب ثانی نے سمجھا ہے پس یہ بموجب روایت کتب فقہیہ کے بضاعت ہے۔ دفع المال الی آخر مع شرط الربح کلہ للمالک

بضاعت سے علیحدہ ایک بات ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہمارے نزدیک رب المال مستحق اور مالک کل تصرفات منافع کا ہوتا ہے، اور جس صورت میں کہ وہ تمام منافع کا مالک تھا، اس نے اس میں سے کچھ حصہ لے لیا، اور باقی عامل کو دے دیا ہے، تو اس سے سود کیسے لازم آجائے گا، کیونکہ اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا ہے، اور انسان اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے ہاں اگر اس کی صورت قرض کی ہوتی کہ مستقرض تمام منافع وراس المال کا مالک ہوتا ہے اور پھر قرضہ دینے والا اس میں سے اپنے لئے کوئی حصہ مقرر کر لیتا، تو تو یقیناً یہ سود ہوتا کیونکہ وہ اصل مال سے زیادت بلاعوض ہے، اور فقہ کی کتابوں میں سود کی یہی تعریف کی گئی ہے پس اس موجودہ صورت میں معاملہ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے

لہ بضاعت یہ ہے، کہ کسی دوسرے

بضاعة فیکون وکیلا متبرعا۔ درمختار وغیرہ کتب فقہیہ۔ اور ایفائے وعدہ یعنی مبارک کرنا زیادہ از دہ روپیہ بیٹے پوتے کو ذمہ باپ کے لازم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ و اوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا۔ اور بنار مضاربت کی خواہ صحیح ہو یا فاسدہ اوپر اشتراک فی الربح کے ہے المضاربة عقد علی الشرکة بمال من احد الجانبین ومرادہ الشرکة فی الربح وهو یستحق بالمال وهو یسمی بالمال من احد الجانبین والعمل من جانب الآخر ولا مضاربة بدونها الا تری ان الربح لو شرط کله لرب المال کان بضاعة ولو شرط جمیعه للمضارب کان قرضا کذا فی الهدایة وغیرها من المتون والشروح قوله فی الربح وان لم یشترکا فی الربح خرج العقد الی البضاعة او القرض کذا فی الطحطاوی وغیرها من الحواشی۔ پس بموجب ان روایات کے عقد مذکور عقد مضاربت صحیحہ یا فاسدہ نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ اشتراک فی الربح نہیں پایا جاتا، ہاں اگر اشتراک فی الربح کر کے دس روپیہ لینے کی شرط کرتا اس طور سے کہ نفع کم ہو یا زیادہ زیادتی سے لی جائے گی تو مضاربت فاسدہ ہوتی اور یہی معنی ہیں ان روایات کے کہ جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ دراہم مسمات کے شرط کرنے سے مضاربت فاسدہ ہو جاتی ہے، چنانچہ عبارات کتب فقہیہ دال صریح ہیں اس مدعا پر فان شرط زیادة عشرة فله اجر مثله لفساده فلعله لا یربح الا هذا القدر فتنقطع الشرکة فی الربح هکذا فی الهدایة۔ اور صورت مذکورہ میں اشتراک فی الربح اصل ہی سے نہیں ہے

کو اس شرط پر مال دیا جائے، کہ تمام منافع مالک بضاعت کا ہوگا، اور عامل اس میں وکیل ہوگا۔

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا عہد پورے کرو، کہ عہد سے سوال کیا جائے گا۔ [2] مضاربت عقد شرکت ہے جس میں ایک جانب سے مال ہے، اور دوسری جانب سے محنت، اور منافع ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، اور اس صورت کے علاوہ مضاربت نہیں ہوتی کیا اس پر غور نہیں کرتے کہ اگر منافع سارا رب المال کا ہو تو اس کا نام بضاعت ہوگا، اور اگر سارا منافع کام کرنے والے کا ہو تو اس کا نام قرض ہوگا، اگر مضاربت کی شکل میں وہ دونوں منافع میں شریک نہ ہوں گے تو یہ عقد یا تو بضاعت بن جائے گا، یا پھر قرض، ہدایہ اور طحطاوی وغیرہ میں اسی طرح ہے [3] اگر رب المال نے اپنے لئے دس روپیہ زائد منافع کی شرط کر لی تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا اور عامل کو اجر مثل ملے گا کیونکہ ہو سکتا ہے، کہ صرف اسی قدر ہی منافع حاصل ہو تو اس صورت میں منافع کی شرکت باطل ہو جائے گی۔

بلکہ کل ربح رب المال کے لئے مشروط ہے، اور عقد مذکور میں ربوا کی بو بھی نہیں، چہ جائیکہ صریح ربوا ہو، اس واسطے کہ ربوا یا قرض میں ہوتا ہے، یا بیع میں، چنانچہ عبارت مظہری سے معلوم ہوتا ہے۔ قال[1] تحت قولہ تعالیٰ وحرم الربوا المعنی ان اللہ تعالیٰ حرم الزیادۃ فی القرض علی المقدار المدفوع والزیادۃ فی البیع لاحد البدلین علی الاٰخر۔ وما نحن فیہ میں ظاہر ہے، کہ صورت بیع کی ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی صورت قرض ہے، بلکہ مجیب ثانی کی خود یہ تحریر ہے، کہ اگر سب روپیہ ہلاک ہو جاوے، تو اس پر ضمان لازم نہیں آتا، اگر صورت قرض کی ہے، پھر ضمان لازم نہ آنے کے کیا معنے ہیں، اور مفہوم ربوا کا عقد مذکور پر ہرگز صادق نہیں آتا۔ [2]الربوا ھو فضل خال عن العوض بمعیار شرعی مشروط لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ تنویر الابصار والدر المختار الربا ھو فضل خال عن عوض شرط لاحد المتعاقدین فی معاوضۃ مال بمال ۱۲ ملتقی الابحر۔

پس صورت مذکورہ میں ربوا کا قائل ہونا بلاسند محض ہے، کوئی دلیل عقلی یا نقلی اس پر قائم نہیں، بلکہ مخالف کتاب وسنت واجماع وقیاس وکتب فقہ کی ہے، عالم کی شان سے بعید ہے، کہ عقد صحیح کو بلا دلیل شرعی ربوا کہ اعظم کبائر سے ہے منسوب کرے، رہا یہ امر کہ کلام مجیب ثانی کا تین چار وجہ سے مشتمل اور پر تعارض اور تدافع کے ہے، وجہ اول تحریر کرتے ہیں، یہ بضاعت نہیں، کہ اس میں کل ربح کا استحقاق مالک کے لئے مشروط ہے، آگے روایت یہ لائے ہیں وھو مستبضع عند اشتراط لرب المال۔ پس عبارت سابقہ بلاشبہ بھی وجہ صحت نہیں رکھتی، اور معارض روایت آوردہ کے ہے، دوسری وجہ یہ کہ وہی عبارت سابقہ معارض اس کے ہے، کہ کہتے ہیں، کہ یہ مضاربت فاسدہ ہے حالانکہ مضاربت میں فاسدہ ہونا صحیحہ اشتراک فی الربح شرط ہے، چنانچہ روایت آئندہ آوردہ مجیب ثانی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہتے ہیں [3]انواع بعد ان یکون الربح بینھما شائعا

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ نے سود کو حرام کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدار قرض سے زیادہ لینا حرام قرار دیا ہے، جو مستقرض کو دی گئی تھی، اور تجارت میں جو زیادت ہوتی ہے، وہ اشیاء کے تبادلہ پر ہوتی ہے (جس میں نقصان کا بھی احتمال ہے)۔ [2] تنویر الابصار، در مختار، ملتقی الابحر میں سود کی تعریف یہ ہے، کہ سود وہ "زیادت" ہے جو شرعی معیار کے مطابق عوض سے خالی ہو، اور معاوضہ میں احد المتعاقدین کے لئے مشروط ہو۔ [3] چوتھی صورت یہ ہے، کہ منافع ان کے درمیان تقسیم ہو۔

تیسری وجہ تدافع فی الکلام کی یہ ہے، کہ اس عقد کو ربوا کہتے ہیں، حالانکہ اوپر تحریر کر چکے ہیں کہ ضمان ہلاکت اس روپیہ کا اس پر لازم نہیں ہے، ربوا بھی ہو کہ مخصوص بمعاوضات ہے اور ضمان بھی لازم تئاوے، یہ امر خلاف قاعدہ کتب فقہ ہے، چوتھی وجہ یہ کہ مضاربت فاسدہ کو ربوا کسی نے بھی نہیں لکھا، واللہ اعلم بالصواب۔

محمد محفوظ اللہ من احفاد القاضی محمد ثناء اللہ الپانی پتی ۱۲۸۳ھ

چونکہ رب المال صرف باپ ہے، صورت مضاربت صحیحہ و فاسدہ قطعاً نہیں ہے، اور جب نفع بعوض تجارت مقرر ہوا نہ بالقرض والبیع تو یہ ربا بھی نہ ہوا، البتہ بضاعت ہے اور مستبضع ماذون ہے۔ والمستبضع ای من دفع المال بضاعۃ بان یشترط الربح لرب المال در المختار ۱۲ ولو قال خذ ھذہ الالف بضاعۃ واشتر لی بھا وابیع لعل اللہ یرزقنی شیئا کان جائزا عالمگیری۔ اور مراد باپ کی صاف ہے، کہ بہتا ہے نفع سے کہ میں اس کا مالک ہوں دس روپیہ لیا کروں گا، نہ کہ خواہ نقصان ہو خواہ نفع اس واسطے کہ لفظ مابقی اور زائد تم کو مبارک خود دال ہے، کہ نفع سے سوائے دس روپیہ کے تم کو مبارک یعنی مباح اور معاف کیا، تو یہ معافی حقوق خود کسی طرح ربوا نہیں ہے، بلکہ صاف مصداق ھل جزاء الاحسان الا الاحسان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

رحیم است بخشندہ عاصیان

مسئلہ: کوئی شخص کسی شخص مفلس سے یہ بات کہے، کہ میں تجھ کو سو روپے اپنے پاس سے دیتا ہوں، اس شرط پر کہ تو تجارت کر اور چار آنہ فی روپیہ مجھ کو نفع دینا، اور کسی سے اسی شرط پر دلوا دے، تو صورت اولیٰ میں دو حال سے خالی نہیں، کہ یا قرض کے طریق سے دیا ہو، سو روپیہ پھر اس میں چار آنے یا کم و بیش اپنے واسطے نفع ٹھہرا لیے تو یہ ربا و سود ہے۔ کل[1] قرض جر نفعا فھو ربا کذا فی الھدایۃ وغیرھا۔ اور یہ جو بطور شرکت مضاربت کے سو

لہ اور مال بضاعت کے طور پر اس کو دیا جائے گا، اور شرط کر لی جائے گی، کہ تمام منافع رب المال کا ہوگا، مثلاً کہے، کہ یہ ایک ہزار ہے اور اس سے تجارت کر کے منافع پیدا کرو تا کہ اللہ اس سے مجھ کو روزی دے تو یہ درست ہے ۱۲

لہ ہر وہ قرضہ جو منافع لائے وہ سود ہے۔

(۱) قولہ کل قرض جر نفعا الخ حاصل ما قال الزیلعی انما اخرجہ الحارث بن ابی اسامۃ فی سندہ کا ابو الجھم فی جزئہ المعروف عن علی مرفوعا و ابن عدی فی الکامل عن جابر وسندھما ضعیف وروی ابن ابی

(۱) ہر قرض جو نفع لائے الخ زیلعی اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو حارث بن

روپے دیئے ہوں، تو اس صورت میں نفع باخودہا نصف انصف مقرر کرلے، یا دو ثلث رب المال
اور ایک ثلث مضارب یعنی روپیہ لینے والا، اور محنت تجارت میں کرنے والا سے لے
تو اس طرح سے عقد مضاربت صحیح اور درست ہے، اور جو صاحب مال اپنے واسطے نفع
معین کرلے، کہ پانچ روپیہ یا دس روپیہ مثلاً میں لے لیا کروں گا، باقی نفع تم لیجیو، تو یہ صورت

شیبۃ فی مصنفہ حدثنا ابو خالد الاحمر عن حجاج عن عطاء قال کانوا یکرھون کل قرض جر
منفعۃ۔ انتہی نصب الرایۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ وفی التلخیص حدیث ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم نہی عن قرض جر منفعۃ وفی روایۃ کل قرض جر منفعۃ فھو ربا قال عمر بن بدر فی
المغنی لم یصح فیہ شیء واما امام الحرمین فقال انہ صح وتبعہ الغزالی وقد رواہ الحارث بن
ابی اسامۃ فی مسندہ من حدیث علی باللفظ الاول وفی اسنادہ سوار بن مصعب وھو
متروک ورواہ البیہقی فی المعرفۃ عن فضالۃ بن عبید موقوفا بلفظ کل قرض جر منفعۃ
فھو وجہ من وجوہ الربا ورواہ فی السنن الکبری عن ابن مسعود وابی بن کعب و عبد اللہ
بن سلام موقوفا علیھم انتہی تلخیص جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ وقال الحافظ فی بلوغ المرام بعد
ذکرہ عن علی مرفوعا ولہ شاھد ضعیف عن فضالۃ بن عبید عند البیہقی وآخر موقوف
عن عبد اللہ بن سلام عند البخاری انتہی اقول اخرجہ البخاری فی مناقب عبد اللہ بن
سلام من طریق سلیمان بن حرب حدثنا شعبۃ عن سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ قال اتیت

ابی اسامہ نے اپنے جزء میں حضرت علی رض سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابن عدی نے کامل میں جابر رض سے
لیکن دونوں کی روایت سنداً ضعیف ہے، ابن ابی شیبہ نے حجاج عن عطاء کے واسطے سے ان الفاظ سے
روایت کی ہے، جو قرض منافع لائے صحابہ اسے مکروہ سمجھتے تھے، نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ تلخیص میں ہے
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن قرض جر منفعۃ، ایک روایت میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا، عمر بن بدر اپنی
کتاب المغنی میں لکھتے ہیں، کہ اس بارہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں، امام الحرمین اور امام غزالی اسے صحیح قرار
دیتے ہیں، حارث بن اسامہ کی مذکورہ بالا روایت میں سوار بن مصعب متروک الحدیث ہے، بیہقی نے المعرفۃ
میں فضالہ بن عبید سے موقوفاً ان الفاظ سے روایت کی ہے، کل قرض جر منفعۃ فھو وجہ من وجوہ الربا، نیز امام
بیہقی نے سنن کبری میں ابن مسعود، ابی بن کعب اور عبد اللہ بن سلام سے موقوفاً اس روایت کو بیان کیا ہے۔
تلخیص جلد ۲ صفحہ ۲۴۵، حافظ ابن حجر بلوغ المرام میں حضرت علی سے مرفوعاً اس روایت کو نقل کرنے کے بعد
فرماتے ہیں، کہ بیہقی کے ہاں ایک ضعیف شاہد موجود ہے اور امام بخاری عبد اللہ بن سلام سے موقوفاً روایت

مضاربت فاسد کی ہے، اور قاطع شرکت ہے روا نہیں، چنانچہ تمام کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے، اور صورت ثانیہ دلوا دینے میں غیر کا اپنی معرفت سے تو اس صورت میں دلوا دینے والا محض اجنبی ہے، اور محض متوسط کسی طرح سے مستحق نفع کا نہیں ہو سکتا۔ کما لا[1] یستحق الاجنبی نفعا بغیر العقد کذا فی العنایۃ وغیرہا

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید نے مبلغ سو روپیہ بلا سودی واسطے سوداگری کرنے کے بکر اس شرط پر دیے، کہ اسباب خرید کر کے بیچے، اور جس قدر منافع ہو اس میں سے نصف بحق محنت بکر کو دیوے، اور نصف آپ لیوے، یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ صورت مرقومہ صورت مضاربت[2] کی ہے، سو یہ معاملہ بلا شبہ جائز و درست ہے۔ المضاربۃ ھی شرکۃ بمال من جانب وعمل من جانب کذا فی الکنز وغیرہ من کتب الفقہ واللہ اعلم۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] جیسے کہ کوئی اجنبی بغیر عقد کے منافع کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

[2] مضاربت یہ ہے، کہ ایک جانب سے مال کی شرکت ہوتی ہے، اور دوسری جانب سے عمل کی۔

المدینۃ فلقیت عبد اللہ بن سلام فقال الا تجیئ فاطعمک سویقا وتمرا وتدخل فی بیت ثم قال انک بارض الربا بہا فاش اذا کان لک علی رجل حق فاھدی الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذ فانہ ربا۔ انتہی بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۹۴۔

ابو سعید محمد شرف الدین مصحح

کرتے ہیں، میں کہتا ہوں، امام بخاری علیہ الرحمۃ مناقب عبد اللہ بن سلام میں سلیمان بن حرب کے واسطے بیان کرتے ہیں، کہ سعید بن ابی بردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، کہ میں مدینہ منورہ میں آیا، تو مجھے عبد اللہ بن سلام ملے، اور فرمانے لگے، کہ آؤ میں تم کو ستو اور کھجوریں کھلاتا ہوں، اور گھر میں بٹھیں گے، پھر فرمانے لگے، تم جس علاقہ کے رہنے والے ہو، وہاں عام طور پر سودی لین دین ہوتا ہے، تم نے اگر کسی سے قرض لینا ہو، اور وہ تمہیں ایک گٹھڑی گھاس لا کر دیتا ہے، یا جو اور روئی وغیرہ دیتا ہے، تو وہ نہ لینا کیونکہ وہ سود میں شمار ہوں گے۔ انتہی۔

کتاب الشفعۃ

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ شخصے مکان خود می فروشد پس بموجب حکم شرع شریف خریداری آں بر شفیع مکان پشت میرسد یا بہ شریک فی الطریق بید ملاحظہ نقشہ آنچہ حکم شرع باشد زیب تسطیر نمایند۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ باید دانست کہ پیشتر مستحق حق شفعہ شریک در مبیع است پستر مستحق شریک در حق مبیع کہ عبارت از کوچہ مشترکہ سربستہ است پستر جار ملاصق است کہ پشت مکان ہر دو شفیع باشد۔ تجب الشفعۃ بالخلیط وھو الشریک الذی لم یقاسم فی نفس المبیع ثم فی حق المبیع کالشرب والطریق خاصا ثم تجب الشفعۃ بعد ذلک للجار الملاصق وھو الذی دارہ علی ظھر الدار المشفوعۃ وبابہ فی سکۃ اخری کذا فی الکنز والعینی وغیرھما من کتب الفقہ۔ پس دریں صورت حق شفعہ آنکہ شریک فی الطریق است مقدم خواہد شد۔ بہ نسبت آں کسے کہ شفیع مکان پشت است
واللہ اعلم بالصواب۔
سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک آدمی اپنا مکان فروخت کرنا چاہتا ہے، اس کی خریداری کا حق راستے کے شریک کو ہے یا پشت کے مکان والے کو؟

الجواب:۔ سب سے پہلے حق نفس مبیع میں شریک کا ہے اس کے بعد اس کا حق ہے، جس کا راستہ مشترک ہو اس کے بعد اس کا حق ہے، جو پشت پر مکان رکھتا ہو، کنز وعینی وغیرہ میں ہے سب سے پہلے شفع کا حق خلیط کو ہے، اور خلیط وہ ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو پھر اس کا حق ہے جس کا راستہ مشترک ہو پھر جار لاحق کا حق ہے اور وہ ہے جس کے مکان کی پشت اس کے مکان کی پشت سے ملی ہوئی ہو، پس اس صورت میں پہلے حق شریک فی الطریق کا ہے، بعد ازاں پشت کے مکان والے کا۔

خریدا بعدہ عمرو بکر شفیعان کو معلوم ہوا، کہ زید نے مکان مذکور کو خرید کیا، لہٰذا پاس خریدِ زید کے شفیعان نے دعوٰے شفع کا نہ کیا، پھر شفیعان کو معلوم ہوا، کہ زید آپ نہیں لیتا اوروں کو دلواتا ہے، لہٰذا شفیعان مذکورین نے پھر دعوٰے کیا شفعہ کا تو اس صورت میں دعوٰے شفیعان صحیح اور مسموع ہوگا شرعاً یا باطل ہوگا۔

الجواب: در صورت مرقومہ دعوٰے شفیعان کا مسموع ہوگا اور مستحق حق شفعہ کے ہوں گے شرعاً۔ لو علم بان المشتری زید ثم بان انہ بکر فلہ الشفعۃ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار فالتسلیم فی حق البعض لا یکون تسلیما فی حق غیرہ کذا فی الطحطاوی وغیرہ من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب۔[1]

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال[(۱)] . . . .

الجواب: در صورت مرقومہ باید دانست، کہ مراتب شفعہ سہ است، اول خلیط فی المبیع یعنی در نفس مبیع مشارکت داشتہ باشد، پستر خلیط در حق مبیع کہ طریق و کوچہ و شرب مراد ازان است شرکت دارد، پستر جار ملاصق کہ خانہ او پس پشت دارد مشفوعہ باشد مستحق شفعہ می شود، و درین مسئلہ مذکورہ صورت شفعہ خلیطان است و ہمیں معنی ہمہ شرکا در کوچہ و شرب باخذ واستحقاق شفعہ متساوی الاقدام ہستند، ترجیح نزدیکان بر دوران ہرگز درین جا نمی شود، و بعد وریں ایشان حق شفعہ واجب خواہد بود، تجب الشفعۃ للخلیط ہو الذی یشارک فی الارض التی لم تقاسم ثم تجب للخلیط فی حق المبیع وہو الذی قاسم وبقیت لہ شرکتہ فی حق العقار کالشرب والطریق بشرط ان یکونا خاصین ثم تجب الشفعۃ

---

[1] اگر اس کو معلوم ہوا، کہ زید خرید رہا ہے اور اس نے اس کو تسلیم کر لیا، پھر معلوم ہوا، کہ اصل خریدار بکر ہے تو اس کو شفعہ کا حق پہنچتا ہے، کیونکہ ایک کے حق میں تسلیم کرنا دوسرے کے حق میں تسلیم کرنے کو مستلزم نہیں ہے، طحطاوی اور کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

الجواب: معلوم ہونا چاہیے، کہ شفعہ کے تین مراتب ہیں، پہلا خلیط فی المبیع کا یعنی اس آدمی کا، جو فروخت شدہ چیز میں شریک ہے، دوسرا اس آدمی کا جو راستہ، کوچہ اور کوئیں میں شریک ہو اس کے بعد تیسرا اس آدمی کا جس کی مکان کی پشت فروخت شدہ مکان کی پشت سے ملی ہوئی ہو، اور اس مرقومہ صورت

---

(۱) اس سوال کی عبارت اصل مسودہ سے نہیں ملی، صرف جواب موجود ہے جو بغرض افادہ ذیل میں درج ہے۔

الجار الملاصق وھو الذی دارہ علی ظھر الدار المشفوعۃ و بابہ فی سکۃ اخری کذا فی الکنز والعینی والھدایۃ وشرح الوقایۃ وغیرھا من کتب الفقہ وجمیع اھل الزقاق الذی طریقھم فیہ شرکاء فی شفعۃ من مکان فی ادناہ واقصاہ فی ذلک سواء و تجب الشفعۃ للخلیط علی عدد الرؤس لا بالبیع کذا فی الکنز والعینی وغیرہ۔ ودرین صورت کہ زید ملصق مکان بکر است وعمر ہر دو را اخذ شفعہ بالمناصفہ برابر ست ترجیح یکے بدیگرے اصلا نیست۔ لانھم کلھم خلطاء فی الطریق کذا فی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: صورت ہبہ بالعوض بر چند گونہ است یکے آنکہ زید مثلاً بکر را زمینے یا مکانے بدون شرط عوض ہبہ کرد بعد ازاں بکر نیز قطعہ زمین یا قطعہ مکان بغیر شرط عوض ہبہ کرد۔ درین ہر دو صورت حق شفعہ نمی رسد زیرا کہ تبرع و احسان یافتہ شد از جانبین اما الھبۃ بلا عوض مشروط فلا شفعۃ بھا ان وقعت فی العقار لانھا تبرع من الجانبین کذا فی کتب الفقہ من الھدایۃ والدر المختار وغیرھما۔ وصورت دیگر این است کہ زید ببکر این چنین گفتہ کہ من این قطعہ زمین یا مکان را ترا ہبہ می کنم باین شرط کہ تو مرا فلاں چیز یا فلاں مکان عوض بدہی پس این صورت را ہبہ بشرط عوض می گویند و درین

ہیں کوچہ کے شرکاء کا حق شفعہ ہے، اور ان سب کا حق برابر ہے، نزدیک کو دور والے پر کوئی ترجیح نہیں ہے، اور ان کی تعداد کے مطابق حق شفعہ واجب ہوگا، کنز عینی ہدایہ، شرح وقایہ وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہے، پس اس صورت میں کہ زید کا مکان بکر کے مکان سے ملا ہوا ہے اور عمرو کو جو دونوں سے شفعہ کا حق برابر ہے، کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے، کیونکہ ان کا راستہ مشترک ہے۔

مسئلہ۔ ہبہ بالعوض کی صورت چند طرح ہے، ایک صورت تو یہ ہے، کہ مثلاً زید نے کوئی زمین یا مکان بکر کو بغیر شرط عوض ہبہ کردیا ہے، اور اس کے کچھ مدت بعد بکر نے بھی کوئی زمین کا قطعہ یا مکان بغیر کسی شرط معاوضہ کے اس کو ہبہ کردیا ہے، ان دونوں صورتوں میں حق شفعہ نہیں ہے، کیونکہ یہ جانبین کی طرف سے احسان اور ہبہ ہے، خرید و فروخت نہیں، چنانچہ ہدایہ اور در مختار وغیرہ میں ہے کہ ہبہ اگر بغیر کسی عوض مشروط کے ہو، تو اس میں شفعہ نہیں ہے، کیونکہ وہ جانبین سے احسان کی صورت ہے، اور دوسری صورت یہ ہے، کہ زید مثلاً بکر سے کہے، کہ میں زمین کا یہ قطعہ یا مکان تجھ کو ہبہ کرتا ہوں، بشرطیکہ تو بھی فلاں چیز مجھ کو دے

صورت تقابض بدلین از ہر دو جانب ضرور است، دریں صورت حق شفعہ خواہد رسید، زیراکہ دریں صورت در ابتدا ہبہ است و در انتہا بیع است، کہ مبادلۃ المال بالمال یافتہ می شود۔ واذا وھب بشرط العوض اعتبر التقابض فی العوضین ویبطل بالشیوع لانہ ھبۃ ابتداء وتستحق فیہ الشفعۃ لانہ بیع انتہاء کذا فی الھدایۃ وغیرھا من کتب الفقہ۔ وصورت دیگر این چنین است کہ ہبہ کردم ترا این مکان را بعوض چنین و چناں پس این ہبہ از ابتداء و انتہاء بیع است، دریں صورت ہم حق شفعہ می رسد۔ اما لوذکرہ بحرف الباء بان قال وھبت منک ھذا العبد بثوبک ھذا او بالف درھم وقبلہ الآخر یکون بیعا ابتداء وانتہاء بالاجماع کذا فی الکفایۃ وغیرھا من کتب الفقہ

واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے حقیقی چچا زاد بھائی نے اپنا حصہ سکونتی مکان کو بدست عمرو فروخت کر دیا، اور عمرو سے کوئی رشتہ زید یا بائع کا نہیں ہے، اور نہ مکان مبیع عمرو کے مکان سکونتی کے متصل یا پیوستہ ہے، زید مکان مبیع کو عمرو سے بسبب جدی ہونے بائع کے بذریعہ حق شفعہ کے باداے زر بیع واپس چاہتا ہے آیا بحکم شرع کے زید مستحق واپسی مکان کا بسبب جدی ہونے کے ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: زید اس صورت میں بسبب جدی ہونے کے شفیع نہیں ہو سکتا ہے اور اس کو یہ حق نہیں ہے، کہ باداے زر ثمن اس مکان کو عمرو سے واپس کرلے، اس لئے کہ حق شفع صرف تین سببوں سے ثابت ہوتا ہے، پہلا یہ کہ نفس مبیع میں شرکت ہو یعنی مبیع درمیان بائع اور شفیع کے مشترک ہو، اور تقسیم نہ ہوئی ہو، دوسرا یہ کہ حق مبیع میں شرکت ہو، مثلاً اس طرح پہ

دے تو اس صورت کو ہبہ بشرط عوض کہتے ہیں، اس صورت میں طرفین کا قبضہ ہونا ضروری ہے، اور اس میں حق شفعہ بھی ہے، کیونکہ اس صورت کی ابتداء تو ہبہ کی ہے لیکن انتہاء بیع کی صورت ہے، کیونکہ اس میں مال کا تبادلہ مال سے پایا جاتا ہے ہدایہ میں اسی طرح ہے، اور تیسری صورت یہ ہے، کہ مثلاً میں تجھ کو یہ مکان ہبہ کرتا ہوں، اور تو مجھے اتنے پیسے دے دے، یہ صورت ابتداء سے انتہاء تک بیع کی ہے، اس صورت میں بھی حق شفع ہے، کفایہ وغیرہ کتب فقہ میں ہے، کہ اگر لفظ باء سے اس کا تذکرہ کرے، مثلاً کہے میں تجھ کو یہ غلام ایک ہزار درہم کے مقابلہ میں ہبہ کرتا ہوں تو یہ ابتداء سے انتہاء تک بیع ہے۔ واللہ اعلم۔

کہ مبیع اور ملک شفیع کا ایک طریق ہو، تیسرا یہ کہ شفیع مبیع کا جار ہو یعنی ہمسایہ، اور مکان مبیع کا جدی ہونا ان تینوں سببوں میں سے کوئی سبب نہیں ہے۔ قال فی الھدایۃ الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق ثم للجار انتہی

واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد یسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید شفیع کو خبر بیع کی اس کے گھر میں ایسے وقت میں پہنچی کہ بہت سے لوگ اس وقت میں حاضر تھے، زید فی الفور بمقابلہ حاضرین مجلس کے طلب مواثبت موافق شرع کے بجالایا بعدہ زید خبر دہندہ وجملہ حاضرین مجلس کو ساتھ لئے ہوئے معدود یہ بمقدار قیمت مندرجہ قبالہ شئے مبیعہ اولا نزد مشتری بعدہ نزد بائع بعدہ بر شئے مبیعہ جاکر موافق شرع کے طلب اشہاد بجالایا، وجملہ ہمراہیان کو ہر جگہ گواہ رکھتا گیا، فقط۔ خبر دہندہ بھی ویسے ہی موافق شفیع وموافق کتاب شرع کے شہادت دیتا ہے، کہ شفیع ہم کو وفلان فلان حاضرین مجلس کو اداوقت طلب مواثبت بعدہ نزد مشتری وبعدہ نزد بائع وبعدہ بر شئے مبیعہ ساتھ لے جا کر طلب اشہاد بجالایا، اور ہر جگہ پر یہ بھی کہا، کہ تم لوگ گواہ رہو فقط۔ منجملہ حاضرین مجلس کے دو کس دیگر گواہان جملہ بیان میں مدعی وخبر دہندہ کے موافق ہیں، مگر وہ لوگ اپنے اظہار میں یہ نہیں کہتے، کہ وقت طلب مواثبت ونزد مشتری ونزد بائع وبر شئے مشفوعہ کے شفیع نے ہم لوگوں سے ایسا کہا، کہ تم لوگ گواہ رہو، سوائے خبر دہندہ کے ہر دو گواہان اس امر خاص میں ساکت ہیں، نہ ان کو انکار ہے نہ اقرار، نہ ان دونوں سے اس امر خاص میں استفسار ہوا فقط۔ اور خبر دہندہ بھی ایسا گواہ معتبر نہیں ہے، کہ صرف اسی کے قول پر اعتماد کیا جاوے، پس اس صورت خاص میں شہادت پر ایسے دو کسان دیگران کے طلب اشہاد موافق کتب حنفیہ کے صحیح ہوا ہے، یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر دونوں گواہوں نے اس طرح سے ادائے شہادت کی ہو کہ شفیع نے ہمارے روبرو طلب شفع کا کیا، بروقت طلب مواثبت اور نزد مشتری اور نزد بائع کے اور ہم اس کے اقرار طلب شفع پر بلاریب گواہی دیتے ہیں، اور ہم بخوبی گواہ ہیں اس کے طلب شفعہ کے، تو اس حالت میں حق شفعہ شفیع کا ثابت ہوگا، اور شفعہ باطل نہ ہوگا، اگرچہ شفیع

۱؎ ہدایہ میں ہے، شفعہ واجب ہے اولاً نفس مبیع میں شریک کے لئے، پھر حق مبیع میں شریک کے لئے، پھر پشت کے ہمسایہ کے لئے۔

نے بروقت طلب شفعہ کے یہ نہ کہا ہو کہ تم لوگ گواہ رہو، کیونکہ شرط اشہاد نہیں ہے صحت شہادت حقوق میں مگر بروقت ادائے شہادت علی الشہادت کے اشہاد شرط ہے فقط، اور سوال مذکور سے یہ صورت ادائے شہادت علی الشہادت نہیں پائی جاتی ہے پس دعوے طلب شفعہ کا بہ نسبت شفیع کے بعدم اشہاد وقت طلب مواثبت کے ساقط نہیں ہو سکتا، بنا بر اس کے کہ مقصود و مطلوب اشہاد سے تقریبہ اثبات شفعہ کا ہے، اور یہ مقصود بیان شہادت ہر دو شاہدوں سے کہ ہمارے روبرو طلب شفعہ اوقات فراغ میں فی الفور کیا تھا، صاف واضح ہوتا ہے، پس جو مقصود اشہاد سے حاصل ہوتا ہے، وہ مقصود یہاں نفس ادائے شہادت ہر دو شاہدوں سے حاصل ہے۔ کما لا یخفی علی الفقیہ الماہر بالشریعۃ الغراء۔ لا یشترط لصحۃ الشہادۃ الاشہاد فان الشرط العلم فیجوز ان یشہد بکل ما سمعہ او ابصرہ کالبیع والاقرار والطلاق والغصب والقذف والقتل مما یثبت بدون القضاء وفیہ اشعار بان الاشہاد لیس بلازم فی حق الا فی حق لم یثبت الا بالقضاء مثل الشہادۃ علی الشہادۃ فانہ شرط فیہا کذا فی مختصر الوقایۃ وجامع الرموز مختصراً لان من سمع اقرار غیرہ حل لہ الشہادۃ وان لم یقل لہ اشہد کذا فی الہدایۃ وایضا فیہا اذا سمع ذلک الشاہد او راٰہ وسعہ ان یشہد بہ وان لم یشہد علیہ لانہ علم ما ہو الموجب بنفسہ وہو الرکن فی اطلاق الاداء قال اللہ تعالیٰ الا من شہد بالحق وہم یعلمون ومنہ ما لا یثبت الحکم فیہ بنفسہ مثل الشہادۃ علی الشہادۃ فاذا سمع شاہدا یشہد بشیٔ لم

۱؎ صحت شہادت کے لئے کسی کو گواہ بنانا شرط نہیں ہے، کیونکہ اس کے لئے شرط صرف علم کی ہے، تو جائز ہے، کہ آدمی ہر اس چیز کی شہادت دے، جو اس نے دیکھی یا سنی ہو مثلاً بیع، اقرار، طلاق، غصب، قذف اور قتل وغیرہ میں، یعنی ان چیزوں میں جو بغیر قضا کے بھی ثابت ہو جاتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان مقدمات کے سوا جو بغیر قضا کے ثابت نہیں ہوتے، کسی کو گواہ بنانا ضروری نہیں ہے۔ ہدایہ میں یہ بھی ہے، کہ جب شاہد نے کوئی بات سنی یا دیکھی ہو تو اس کو شہادت دینے کا حق ہے، اگرچہ اس کو کسی نے گواہ نہ بنایا ہو کیونکہ اس کو وہ چیزیں معلوم تو ہو چکی ہیں، جو ادائے شہادت کے لئے ضروری ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "مگر جو شہادت حق ادا کرے، اور وہ جانتے ہوں" اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، کہ بنفسہ حکم ثابت نہیں ہوتا مثلاً شہادت پر شہادت، کہ جب کسی شاہد کو گواہی دیتے ہوئے سنے تو اس کو جائز نہیں ہے کہ اس

یحولہمان یشہد علی شہادتہ الا ان یشہد علیہا لان الشہادۃ غیر موجبۃ بنفسہا و انما تصیر بالنقل الی مجلس القضاء کذا فی الہدایۃ۔ پس اس صورت خاص میں شہادت دو کسان دیگران ثبوت شفعہ ہوگا۔ کما لا یخفی علی المتامل واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

کی شہادت پر شہادت دے، ہاں اگر وہ شاہد اس کو گواہ بنالے، تو پھر یہ گواہی دے سکتا ہے، واللہ اعلم

کتاب المزارعۃ

سوال:۔ زمین کا مالک اگر اپنی زمین کی بٹائی نصف لے تو درست ہے، یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ زمین کی بٹائی نصف لینی جائز ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عامل اہل خیبر بشطر ما یخرج منہا رواہ مسلم۔[1]

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین مزارعت میں دینا بایں شرط کہ مزارع رب الارض کو چند روپیہ بطور قرض دیوے، جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

سوال دوم۔ مالک نے زمین کا شتکار کو بایں شرط دی، کہ دس من غلہ اس میں سے ہم کو دے دینا، باقی تمہارا، جائز ہے یا ناجائز۔ اور اگر خزانہ دو روپیہ فی بیگھہ مثلاً مقرر کرکے دیں تو جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سوال اول یعنی زمین مزارعت کے لئے اس شرط پر دینا، کہ مزارع رب الارض کو چند روپیہ بطور قرض کے دے ناجائز ہے، کیونکہ اس صورت میں مزارع کو زمین مذکور سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے اس واسطے کہ جب رب الارض نے مزارعت میں زمین دینے کے لئے یہ شرط لگائی، کہ مزارع رب الارض کو چند روپے بطور قرض دیوے، تو اب ظاہر ہے کہ یہ نفع اسی قرض کی وجہ سے ہوگا، اور قرض ہی اس نفع کا ذریعہ ٹھہرے گا، اور قرض کے ذریعہ سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، بلوغ المرام میں ہے۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا رواہ الحارث بن ابی اسامۃ واسنادہ ساقط ولہ شاھد ضعیف عن فضالۃ بن عبید عند البیہقی واخر موقوفا عن عبد اللہ بن سلام عند البخاری۔[2] یہ حدیث اگرچہ فی نفسہ ضعیف ہے لیکن تعدد طرق کی وجہ

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کو نصف بٹائی پر زمین پر مزارعہ برقرار رکھا۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ قرضہ جو منافع لائے وہ سود ہے۔

سے قابل استدلال ہے، روضۃ الندیہ شرح درر بہیہ میں ہے۔ ولا یجوزان یجر القرض نفعا للمقرض۔ پھر احادیث و آثار کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ وما فی الباب من الاحادیث والآثار یشد بعضہا بعضا۔

جواب سوال دوم۔ زمین اس شرط پر دینا کہ دس من غلہ اس میں سے ہم کو دے دینا باقی تمہارا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط فاسد ہے، اس واسطے کہ ممکن ہے، کہ صرف دس من ہی غلہ پیدا ہو، تو اس صورت میں بے چارہ مزارعہ بالکل محروم رہ جاوے گا، اور سراسر خسارہ میں پڑ جاوے گا۔ ہاں اس شرط پر زمین دینا جائز ہے، کہ جس قدر غلہ پیدا ہو اس میں سے مثلاً ایک ثلث ہمارا باقی تمہارا یا نصف ہمارا نصف تمہارا یا دو ثلث ہمارا باقی تمہارا یعنی جزء مشاع کی شرط کرنا کہ جس سے کسی صورت میں قطع شرکت نہ ہو، بلکہ جس قدر غلہ پیدا ہو، تھوڑا یا زیادہ اس میں دونوں اپنے اپنے حصہ مقررہ کے شریک رہیں جائز و درست ہے، موطا امام محمد صفحہ ۳۵۴ میں ہے۔ اخبرنا مالک اخبرنا ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن ان حنظلۃ الانصاری اخبرہ انہ سال رافع بن خدیج عن کراء المزارع فقال قد نہی عنہ قال حنظلۃ فقلت لرافع بالذہب والورق قال رافع لاباس بکرائہا بالذہب والورق قال محمد وبہذا ناخذ لاباس بکرائہا بالذہب والورق بالحنطۃ کیلا معلوما وضربا معلوما مالم یشترط ذلک مما یخرج منہا فان اشترط مما یخرج منہا کیلا معلوما فلا خیر فیہ وہو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا۔ ونیز اسی کتاب میں ہے قال محمد وبہذا ناخذ لاباس بمعاملۃ النخل علی الشطر والثلث والربع وبمزارعۃ الارض البیضاء علی الشطر والثلث والربع الخ حاشیہ مؤطا امام محمد میں ہے۔ قولہ فلا خیر

لہ اور یہ جائز نہیں ہے، کہ قرضہ قرضہ دینے والے کو نفع دلائے ۱۲ اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں، جن سے ایک دوسری کو تقویت ملتی ہے۔

۲ے حنظلہ انصاری نے رافع بن خدیج سے زمین کو ٹھیکے پر دینے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا منع ہے پھر پوچھا اگر سونے یا چاندی سے اس کا ٹھیکہ مقرر کر لیا جائے تو پھر؟ کہا یہ جائز ہے، امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مذہب ہے، اگر سونے چاندی سے ٹھیکہ مقرر کر لیا جائے تو بھی درست ہے اور اگر گندم وغیرہ کا ماپ مقرر کر لیا جائے بشرطیکہ اس زمین کی وہ گندم پیداوار نہ ہو، تو بھی جائز ہے، اور اگر اسی کی پیداوار سے غلہ کا ٹھیکہ مقرر کر لیا جائے تو منع ہے، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے، اور امام محمد نے کہا، اگر اس طرح کا معاملہ کیا جائے کہ جو پیداوار ہو گی اس

فیہ ای لایجل ذلك فلعله لا یخرج منه الا ذلك القدر المعہود فهذا الشرط لکونه فاسد ایفسد العقد نعم کونها بثلث ما یخرج اوربعه ونحو ذلك من الکسور جائز انتہی۔ اور فی بیگھہ دو روپیہ مثلاً غلہ مقرر کر کے زمین دلویں تو اس کے جائز ہونے میں کچھ کلام نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ ۱۴ رجب ۱۳۱۷ھ ہجری

سید محمد نذیر حسین

کا نصف یا ثلث یا ربع یا کوئی کسر شرع کی ہوگی، تو یہ صورت جائز ہے اور مقررہ مقدار کی ممانعت اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے، کہ اس میں سے صرف اتنی ہی پیداوار ہو، جو انہوں نے زمین کے ٹھیکہ میں مقرر کر لی ہے۔

کِتَابُ الشَّرِکَۃِ

سوال:- ایک شخص کے چند لڑکے اور چند لڑکیاں مختلف زوجات کے بطن سے ہوئیں، ازاں جملہ اس نے ایک لڑکے کو جو بڑا تھا، اپنی دکان کے کاروبار میں شریک کیا اس لڑکے نے دکان کو اپنی چند سال کی کوشش سے ایسی ترقی دی، کہ سیکڑوں سے ہزاروں ہو گئے، پھر اس شخص نے لڑکے کو مع اس کے عیال کے اپنے عیال سے علیحدہ کر دیا، اور اس کے اخراجات کا حصہ آمدنی دکان سے اپنے حصہ اخراجات روزمرہ کے مساوی مقرر کر دیا، اخراجات کے لئے ایک دفعہ تنخواہیں مقرر کرنی تجویز کیں، بائیس روپے ماہوار اپنے خرچ کے لئے، اور بائیس ہی روپے اس کے لئے مقرر کئے، اور خرید و فروخت مال دکان میں اور خریدے کر مکانات میں اپنا اور اس ایک بیٹے کا نام درج کاغذات کر دیا، لائسنس بلوہ وغیرہ میں دونوں کا نام درج کرایا، دکان کے متعلق سرکار سے جرمانہ ہوا، تو دونوں پر ہوا، جس سے قرض لیا، دونوں کے نام سے لیا، جس کو دیا دونوں کے نام سے دیا، اخیر عمر میں باپ نے کاروبار کا تعلق چھوڑ کر جملہ کاروبار بیٹے ہی کے سپرد کر دیا، اور بیٹے نے دکان کا کام ایک مدت دراز تک اسی طور پر کیا اور اپنی عمر کا حصہ اسی کام میں صرف کیا، وہ شخص اب فوت ہو گیا ہے اب بیٹا مدعی ہے، کہ میں اس دکان میں اپنے باپ کے سامنے **نصف حصہ** کا شریک رہا ہوں، نصف دکان و مکانات وغیرہ اموال جس میں میرا نام ہے، مجھے بطور شرکت ملنا چاہیئے اور نصف میں مجھے حصہ حسب فرائض و وراثت ملنا چاہیئے، علمائے دین سے سوال ہے کہ یہ دعوے اس کا بجا ہے یا نہیں، اور عمل درآمد مذکور سے اس کی شراکت ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- صورت مسئول عنہا میں عقد شرکت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ انعقاد عقد شرکت میں اختلاط راس مال کا طرفین سے کہ جس پر ربح متفرع ہو، ضرور ہے، اور سوال سائل

سے یہ قید معرا و خالی ہے اور نیز ہر عقد شرعی میں ایجاب وقبول رکن عقد ہوتا ہے، اور ایجاب وقبول سوال سائل میں مفقود ہے، پھر کیونکر عقد شرکت متصور ہو کر پسر مستحق نصف مال تجارت پدر کا کیا جاوے۔ [1]الشرکۃ وھی شرعا ما یحدث بالاختیار بین اثنین فصاعدا من الاختلاط لتحصیل الربح وقد یحصل بغیر قصد کالارث کذا فی فتح الباری شرح صحیح البخاری من باب الشرکۃ۔ اور باپ نے جو کچھ خرچ اخراجات بقدر حاجت روائی کے بیٹے کا معمول کر رکھا تھا وہ بطور ہدیہ و معاش کے تھا، نہ بطریق حصہ نصفی شرکت کے اولاد سعادت مند فرمانبردار اور کارگذار کی بہبودی والدین کے منقوش خاطر رہتی ہے، اور معاملہ میں نام فرضی درج کرنا پسر کلاں کا واسطے وجاہت و اعتماد اس کے تھا، اور ایسا معمول سوداگروں میں ہوا کرتا ہے، تو یہ بطریق شرکت کے نہیں کیا جا سکتا، کما لا یخفی علی الماھر بالعرف واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دکان کے فارم پر نام حامد اور محمود کا پڑتا تھا، جو آپس میں باپ اور بیٹا ہیں، باپ محمود اپنے بیٹے حامد کو بقدر ضرورت خانہ داری چالیس پچاس روپے دیا کرتا تھا، اور شادی غمی میں بھی خرچ کیا کرتا تھا، اب بقضائے الٰہی حامد فوت ہو گیا، اس کی اولاد شرکت دکان کا دعویٰ کرتی ہے، آیا ایسی حالت میں وہ شریک دکان شمار کیا جاوے گا، یا محض اس کے والد کی دکان سمجھی جاوے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- صورت مسئول عنہا میں عقد شرکت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ انعقاد عقد شرکت میں اختلاط اس مال کا طرفین سے ضرور ہے منعقد ہونے میں عقد شرکت کے کہ اس پر ربح متفرع ہو، اور سوال سائل سے یہ قید معرا و خالی ہے، اور نیز عقد شرعی میں ایجاب وقبول رکن عقد ہوتا ہے، یہ ایجاب وقبول بھی سوال سائل میں مفقود ہے، پھر کیونکر عقد شرکت متصور ہو کہ پسر مستحق نصف مال تجارت پدر کا ہو، الشرکۃ وھی شرعا ما یحدث بالاختیار بین اثنین فصاعدا من الاختلاط لتحصیل الربح وقد یحصل بغیر قصد کالارث انتہی۔ ما فی فتح الباری من باب الشرکۃ من صحیح البخاری۔ اور باپ نے جو کچھ خرچ اخراجات بقدر حاجت روائی کے بیٹے کا معمول کر رکھا تھا، وہ بطور مدد معاش کے تھا، نہ بطریق حصہ

[1] شرکت شرعاً وہ ہے، جو دو آدمیوں یا زیادہ کے اختیار سے اختلاط پیدا ہو، تاکہ نفع حاصل ہو، اور کبھی شرکت بغیر ارادہ کے بھی ہوتی ہے جیسے کہ وراثت۔

نصف شرکت کے، اولاد سعادت مند فرمانبرداری اور کارگذاری اور بہبودی والدین کے ملحوظ خاطر رکھتی ہے، اور معاملہ میں تمام فرضی درج کرنا پسر کلاں کا واسطے تمیز وجاہت واعتبار واسطے کے گئے سوداگروں میں معمول ہو رہا ہے نہ بطریق شرکت کے کما لا یخفی علی الماہر بالعرف واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وحبیبہ شوہر و زوجہ ہیں اور اولاد پسری بکر و خالد رکھتے ہیں، زید وحبیبہ وبکر وخالد بشمولیت زندگی بسر کرتے رہے اور بکر باجازت زید امورات خانگی کو انجام دیتا رہا اور اس عرصہ میں کمائی زید وبکر وخالد سے اعانت کر کے جائداد خریدی اور شراکت بدستور رہی، مگر بکر نے بوجہ کارکردگی کاغذات وقبالجات سرکاری میں پوشیدہ طور سے نام خود درج کرالیا، صورت بدستور میں زید نے ۱۸۸۹ء میں انتقال کیا، ازاں بعد بکر وخالد بھی ۱۸۹۳ء تک بدستور شامل رہے، ۱۸۹۳ء میں بوجہ تکرار خالد پسر خرد نے دعوے حصہ خود بحصہ مساوی کیا، بکر کا جواب ہے، کہ اس نے بذات خود بصورت علیحدگی پدر کے جائداد پیدا کی ہے باب سو دریافت طلب امر یہ ہے، کہ جائداد متنازعہ مذکورہ ترکہ پدری متصور ہو کر خالد پسر خورد حصہ نصفی کا مستحق ہے یا کہ نہیں، اور علیحدگی از روئے شریعت کس طور سے تصور ہوتی ہے آیا بلا تقسیم یا کر با تقسیم جائداد منقولہ وغیر منقولہ بروئے شرع شریف مفصل بیان ہونا چاہیئے، فقط۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جب کہ یہ متحقق ومعلوم ہے، کہ زید وبکر وخالد تینوں شریک رہے، اور آمدنی ہر ایک کی دوسرے کی آمدنی سے مخلوط رہی، اور خرچ بھی مخلوط رہا تو اب جو کچھ جائداد بکر نے آمدنی مشترک سے خریدی، وہ سب کی ہے، صرف بکر کے نام درج کرا دینے سے وہ جائداد بکر کی نہ ہو گی، بلکہ اگر یہ معلوم ہو جاوے، کہ ہر ایک کا کس قدر روپیہ صرف ہوا ہے، تب تو وہ اسی مقدار کا مالک ہو گا، اور اگر یہ معلوم ومتعین نہ ہو تو پھر بعد انتقال زید ہر دو برادر بحصہ مساوی مالک ہوں گے، کتب فقہ میں یہ مصرح ہے، کہ اگر بھائی بھائی باہم شریک رہیں، اور ہر ایک کسب حاصل کریں، اور بعد میں جدا ہوں، تو برابر تقسیم کریں گے، جب کہ مقدار ہر ایک کے کسب کی معلوم نہ ہو، اسی طرح باپ اور بیٹا ایک جگہ ایک گھر میں رہیں، اور ہر ایک کسب کرے، اور آمدنی وخرچ مختلط رہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اول اگر وہ اولاد جو باپ کی شریک ہیں، باپ ہی کے عیال میں شمار ہوتے ہیں، اور دست نگر باپ کے ہیں، تو اس

صورت میں کل مکسوبہ باپ کا شمار ہوگا اور سب اولاد کو برابر تقسیم ہوگا اور اگر اولاد باپ کے عیال میں شمار نہ ہو، تو پھر سب برابر شمار ہوں گے۔ کما فی الشامی۔ فی زوج امرأۃ وابنھا اجتمعا فی دار واحدۃ واخذ کل منھما یکتسب علیحدۃ ویجمعان کسبھما ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمییز فاجاب بانہ بینھما بالسویۃ وکذلک لو اجتمع اخوۃ یعملون فی ترکۃ ابیھم ونما المال فھو بینھم سویۃ ولو اختلفوا فی العمل والرای ثم ھذا فی غیر الابن مع ابیہ لما فی القنیۃ الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لھما شئ فالکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینا لہ الا تری لو غرس شجرۃ تکون للاب ۔

پس صورت مسئولہ میں ضرور ہے کہ اس جائداد کو ترکہ پدری شمار کیا جاوے، اور ہر ایک کو بحصہ مساوی مالک سمجھا جاوے، ہر دو یعنی دونوں بھائی بکر اور خالد بحصہ مساوی مالک اس جائداد کے ہوں گے، مگر جب کہ بکر علیحدگی اپنی اور خالص ہونا اس جائداد کا اپنے بیٹے سے ثابت کر دیوے اور علیحدگی اس وقت ثابت ہوگی کہ آمدنی ربح کا جدا جدا حساب ہو کھانے پینے اور دیگر اخراجات میں شرکت نہ رہے تا وقتیکہ کھانے اور پینے اور دیگر اخراجات و آمدنی میں شرکت ہے حکم مذکورہ بالا باقی ہے، یعنی وہ جدا جدا شمار نہ ہوں گے اسی طرح جائداد غیر منقولہ کی آمدنی غلہ وغیرہ اگر مختلط رہے، تب جدا جدا شمار نہ ہوں گے، اگر آمدنی تقسیم ہو جاتی اور ہر ایک اس میں سے جدا ہو کر خرچ کرتا، اس وقت علیحدہ سمجھے جاتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی ۱۳؍ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمود علی عفی عنہ۔ الجواب صحیح محمد یعقوب عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

سید محمد نذیر حسین | سید محمد ابو الحسن | سید محمد عبد السلام

لہ ایک عورت کا خاوند اور بیٹا اگر ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور ان میں سے ہر ایک علیحدہ کمائی کرتا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ دونوں کا کام برابر ہے یا فرق ہے تو وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گے، اسی طرح اگر بھائی اکٹھے باپ کے ترکہ میں کام کرتے ہوں اور مال بڑھتا رہے تو وہ اس میں برابر ہوں گے، اگرچہ عقل اور محنت کے لحاظ سے ان میں فرق ہو اور یہ اس صورت میں ہے کہ معاملہ باپ بیٹے کا نہ ہو، اگر باپ بیٹا دونوں ایک ہی صنعت میں کام کرتے ہوں اور ان کی کوئی چیز ان کی ملکیت نہ ہو تو اس صورت میں اگر بیٹا نابالغ ہے، تو وہ ساری کمائی باپ کی ہوگی، کیونکہ وہ اس کا مددگار ہے کیا آپ غور نہیں کرتے، کہ چھوٹا بچہ اگر درخت لگائے تو وہ باپ کی ملکیت ہوگا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بنگالہ میں دستور ہے کہ بچھڑا خرید کر دوسرے کو دے دیتے ہیں، جب وہ بڑا ہو جاتا ہے، تو خرید نے والا اس کو بیچ کر پوری قیمت کے دو حصے کر کے ایک حصہ خود اور ایک حصہ پالنے والے کو، یا بعد اصل قیمت کے ایک حصہ خود لیتے ہیں اور ایک حصہ پالنے والے کو دیتے ہیں، پس یہ جائز ہے کہ نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ معاملہ مذکور جائز ہے، کیونکہ یہ منجملہ صور شرکت کے ہے، اور شرکت کا جواز نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعا قال اللہ تعالیٰ انا ثالث الشریکین الحدیث[1] اخرجہ ابوداؤد، اور کوئی وجہ ممانعت کی اس میں پائی نہیں جاتی، و نیز حدیث المسلمون علی شروطھم[2] الحدیث رواہ الترمذی وغیرھا۔ اس کی صحت و جواز پر دال ہے واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ دو بھائی دو ماں کے بطن سے ہیں، مگر ایک بھائی عرصہ تخمیناً چودہ برس کا ہوا کہ فوت ہو گیا جس کے ایک لڑکا نابالغ اس وقت تھا، اور اب بھی موجود ہے اور اس کی ماں بھی موجود ہے تاریخ وفات متوفی سے وہ لڑکا اور اس کی ماں میرے ساتھ رہتے رہے اور کل سرمایہ مشترکہ تھا عرصہ تخمیناً سات برس کا ہوا، کہ میں نے از روئے احکام شرع شریف زکوٰۃ مال کی ادا کرنی چاہی، اور اپنی بھاوج یعنی مادر نابالغ مذکور سے بھی پوچھا، کہ مال کی زکوٰۃ دینا چاہیے اس نے کہا چونکہ میرا حصہ ہے زکوٰۃ مت دیجیئے ورنہ میں روز قیامت تیں دامن گیر ہوں گی، تو میں نے مجبوراً مولانا فضل الرحمن مرادآبادی سے دریافت کیا، اور پوچھا کہ میں کل سرمایہ مشترکہ سے زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں، مگر میری بھاوج روکتی ہے، اور میں نے یہ بھی پوچھا کہ آیا میں کل مال کی زکوٰۃ دے سکتا ہوں، یا صرف اپنے نصف حصہ کی، تو آپ نے فرمایا، کہ چونکہ تمہاری بھاوج لڑکے نابالغ کی ولیہ ہے تم اپنے نصف مال کی زکوٰۃ دے سکتے ہو، میں نے پوچھا کہ کس طرح پر کروں تو آپ نے فرمایا کہ تمام مال مشترکہ شمار کر کے نصف جدا کر دو اور نصف میں سے زکوٰۃ دو اور نابالغ کے حصہ کو علیحدہ رکھ دو اور اس میں سے ہرگز مت چھونا ورنہ خدا اور رسول کے نزدیک

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو شریکوں میں تیسرا میں ہوں الحدیث

[2] مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، الحدیث۔

گنہگار ہوگے، اور میں نے یہ بھی پوچھا کہ کس زمانہ تک اس طرح رکھا رہے، فرمایا کہ جب تک لڑکا لعمر اٹھارہ سال بالغ نہ ہوجاوے، تب پھر اس بالغ کو اختیار ہوگا، کہ چاہے زکوۃ دے یا نہ دے، میں نے پوچھا، کہ اس کی اور اس کی ماں کی پرورش کیونکر ہوئے، تو آپ نے فرمایا، کہ چاہے اس کے حصہ سے ان کی پرورش کرو، یا اپنے پاس سے اگر اس کے حصہ سے پرورش کرو، تو یادداشت کے لئے خرچ لکھتے جانا، چنانچہ مراد آباد سے واپسی کے وقت میں نے یہی تمام حالات، مولوی محمد نعیم صاحب عالم فرنگی محلی لکھنوی سے ظاہر کئے تو آپ نے بھی مثل مولانا صاحب ممدوح کے ارشاد فرمایا، چنانچہ میں نے ویسا ہی کیا یعنی تمام جائداد مشترکہ از قسم نقد و زیورات و اشیاء دکانداری جو اس وقت موجود تھی سب کو شمار کر کے نصفا نصف تقسیم کر کے اپنے نصف حصہ سے زکوۃ ادا کی، اور اب تک اپنے حصہ سے سال بسال ادا کرتا ہوں، اور اپنے ہی حصہ سے دکانداری کرتا ہوں، اور تمام مال نابالغ کا محفوظ جگہ پر رکھ دیا ہے، اور لڑکے کی ماں یعنی اپنی بھاوج کو نہیں دیا، اس خیال سے کہ ان سے ضائع نہ ہوجاوے، میں نے ولیہ نابالغ مذکور کو اس وقت ان حالات تقسیم سے مطلع بھی کر دیا تھا، لیکن میں نے اس کے سامنے تقسیم نہیں کی، اور نہ اس کو مقدار حصہ کی جلا دی، عرصہ تخمینا چار برس کا ہوتا ہے، کہ مجھ سے اور میری بھاوج سے چند معاملات خانگی میں جھگڑا ہوا تھا، تو میں نے اپنے تین عزیزوں سے ولیہ نابالغ کے پاس کہلا بھیجا، کہ اگر وہ چاہیں تو جائداد تقسیم شدہ کو اپنے پاس رکھ لیں، یا اگر کہیں تو اور کسی کے پاس رکھ دی جاوے تو انہوں نے جواب دیا، کہ جس طور پر رکھی ہے رکھی رہنے دیں، اور جس طرح میری اور میرے لڑکے کی پرورش کرتے رہے، کرتے رہیں، چنانچہ پھر بھی وہ مال میرے پاس رکھا رہا اور اب تک رکھا ہے، اور میں برابر پرورش کرتا رہا، اب لڑکا اٹھارہ سال کا ہوکر بالغ ہوا اور مجھ سے اس وقت تک کی تمام جائداد موجودہ میں نصف حصہ لینا چاہتا ہے، اور تقسیم سابقہ کو قبول نہیں کرتا ہے، اور سوالات حسب ذیل پیش کرتا ہے۔

اول یہ کہ نابالغ کی ولیہ کیا کیا اختیار رکھتی ہے؟

دوم اگر ولیہ کو اختیار از طرف نابالغ حاصل ہے تو تقسیم جائداد کے کیا فرائض ہیں؟

سوم ولیہ کا موجود ہونا وقت تقسیم جائداد نابالغ جائز ہے یا ناجائز؟

چہارم اگر ولیہ کی غیر موجودگی میں جائداد تقسیم کی گئی، تو اس تقسیم کو بالغ تسلیم کر سکتا ہے یا نہیں

پس اب علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ آیا وہ تقسیم سابقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور آیا وہ لڑکا وہی حصہ تقسیم شدہ سابق کا پا سکتا ہے، یا آنکہ کل جائداد موجودہ بشمول حصہ منقسمہ میں بھی جو ہیں نے خود پیدا کیا ہے بقدر نصف حصہ پا سکتا ہے؟

الجواب۔ اگر وہ لڑکا جواب بالغ ہو چکا ہے اس تقسیم کو جائز رکھے، تو تقسیم صحیح ہو گی، ورنہ نہیں، فتاوے عالمگیریہ میں ہے۔ واذا اقتسم القوم القرية وهي ميراث بينهم بغير قضاء قاض وفيهم صغير ليس له وصي لم تجز القسمة قال وكذلك لو رفعوا بحكم بعض الفقهاء فقسمها بينهم على الاصل والميراث ثم قسمها بينهم بالعدل وفيهم صغير لا وصي له لم تجز لان الحكم لا ولاية له على الصغير قال وان كبر الصبي واجاز فهو جائز انتهی مختصراً[1]۔ تو جب یہ تقسیم ناجائز ٹھہری، تو جمیع جائداد وغیرہ کو اسی حالت پر راجع کیا جاوے گا، جیسا کہ وقت وفات مورث کے تھا۔ پھر از سر نو تقسیم ہو گی، اور جو کچھ اس فریق تقسیم کنندہ نے اس پر زائد کیا ہے اس کو الگ کرے، اور جو زکوٰۃ نکالی ہے اس کو بھی منہا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبد الحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو دونوں شراکت میں کھیت کرتے ہیں، زید کا ایک بیل ہے عمرو نے بیل کا منہ رسی سے خوب باندھ دیا۔ بیل بوجہ دم رکنے کے اسی صدمہ سے مر گیا، تو اب زید عمرو سے قیمت بیل لے سکتا ہے، یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ اگر وہاں کا عرف یہی ہے، کہ جب بیل کو ہل جوتنے وغیرہ کے لئے باہر لے جاتے ہیں، تو اس کا منہ غیر کی زراعت کھانے کے خیال سے باندھ دیا کرتے ہیں تو اس صورت میں زید عمرو سے قیمت بیل وصول نہیں کر سکتا ہے، اور اگر یہ عرف نہیں ہے

---

[1] اگر کوئی قوم بغیر کسی قاضی کی قضا کے کسی بستی کی تقسیم کرے، جو ان میں مشترک ہو اور ان میں کوئی چھوٹا بچہ بھی ہو، جس کا کوئی وصی نہ ہو، تو یہ تقسیم جائز نہ ہو گی، اور اسی طرح اگر کسی عالم کی تقسیم پر راضی ہو جائیں، اور وہ اس کو اصل اور میراث کے مطابق تقسیم کر دے اور انصاف سے تقسیم کرے، اور ان میں کوئی چھوٹا بچہ بھی ہو، جس کا کوئی وصی نہ ہو تو یہ تقسیم جائز نہ ہو گی، کیونکہ اس کو بچے پر ولایت نہیں ہے، اور اگر بچہ جوان ہو کر اس تقسیم کو درست تسلیم کرے، تو وہ جائز ہو گی

پھر بھی اس نے اس کا منہانہ دیا تو اس صورت میں قیمت بیل دعویٰ کر سکتا ہے۔

حررہ علی محمد عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: چیز مشترک کی خرید و فروخت میں ایک شریک کا اجرت ٹھہرانا بنا پر محنت و مشقت حصول اس چیز کے درست نہیں، یا اجرت فاسد ہے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کے اور اکثر علمائے حنفیہ اسی پر فتوے دیتے ہیں، چنانچہ ہدایہ و شرح وقایہ و در مختار اور فتاوی عالمگیری میں مذکور ہے، مگر علمائے حنفیہ بلخ کے اس کو روا رکھتے ہیں، چنانچہ اشباہ والنظائر وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔ من حمل طعاما مشترکا بینہ وبین غیرہ لایستحق الاجر لانہ لایعمل شیئا للشریک الا ویقع بعضہ لنفسہ فلا یستحق الاجر ہکذا فی الکنز وہدایہ وغیرہا[1]۔ سید محمد نذیر حسین

[1] اگر کوئی آدمی ایسا غلہ اٹھائے جو اس کے اور کسی اور کے درمیان مشترک ہو تو اسے اجرت نہیں ملے گی کیونکہ وہ اپنے شریک ہی کا کام نہیں کر رہا ہے، بلکہ اس میں اس کا اپنا حصہ بھی ہے لہٰذا وہ مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا، کنز وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

كِتَابُ الوَدِيعَۃِ

سوال: ایک شخص صاحب علم نے ایک انجمن قائم کی اور آپ بمنظوری اس انجمن کے میر مجلس بنے، چنانچہ عرصہ تک کام چلتا رہا، جو کچھ سرمایہ انجمن کے نام سے جمع ہوتا تھا، وہ انہیں کے پاس جمع رہتا، جہاں سے حسب ضرورت بمنظوری انجمن کے مدرسہ کے لئے منگایا جاتا تھا، میر مجلس صاحب موصوف کے فوت ہونے کے بعد ایک اور صاحب میر مجلس ہوئے، ان کے فوت ہونے کے بعد ایک اور صاحب بمنظوری انجمن تجویز ہوئے، دس گیارہ سال کے بعد میر مجلس اول کے صاحبزادے کے ایک دو دوستوں نے خواہش کی کہ صاحبزادہ مذکور کو میر مجلس بنایا جائے مگر مجلس میں باقاعدہ پیش نہ ہوئے صرف بالا ہی بالا ممبران سے استفسار کیا گیا جسے اکثر ممبران نے مسترد کر دیا، اس پر صاحبزادہ مذکور مع اپنے ان دوستوں کے انجمن مذکور سے الگ ہو گئے اور چند ایک اور آدمی جو اس انجمن کے ممبر بھی نہ تھے ملا کر ایک انجمن قائم کی، اور خود میر مجلس بنے، مدرسہ مذکور کے ایک مدرس کو مع اس کے چند شاگردوں کے اپنی مسجد میں اپنی انجمن کی نگرانی میں کر لیا، مگر سابق انجمن بدستور جاری ہے، اسی طرح اس کی کارروائی اجلاس وغیرہ ہوتی رہی، جیسے جلسے ہمیشہ ہوا کرتے تھے، سالانہ جلسہ بھی بدستور ہوا جن میں علمائے کرام تقریریں اور وعظ کرتے ہیں، بلکہ صاحبزادہ مذکور کو بھی مدعو کیا جاتا ہے، اشتہار بھی اسی نام سے مشتہر کئے جاتے ہیں، اور چسپاں ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ سابق انجمن کا سرمایہ جو ان کے پاس ہے کس کا حق ہے، اس انجمن کا جو باوجود علیحدگی صاحبزادہ مذکور کے جاری رہی، اور کارروائی عام طور پر جلسوں میں دکھائی رہی یا اس انجمن کا جو صاحبزادہ نے نئی قائم کی، جس کا ذکر اوپر ہوا، واضح رہے، کہ انجمن کے قواعد کے مطابق انجمن ایک باقاعدہ لوگوں کے مجموعہ کا نام ہے، کسی خاص شخص کا نہیں، اتنے عرصہ میں کئی صاحب آئے اور کئی گئے، ایسے ہی کئی عہدہ دار بدلے، اور کئی تجویز ہوئے، یہ سوال اپنی تسلی کے

لئے پوچھتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ ومن اللہ التوفیق للصواب، آج تک جتنی انجمنیں قائم ہو چکی ہیں، اور ہوتی جاتی ہیں، ان میں سے میرے علم میں ایک بھی ایسی نہیں جو قدیم اسلام کی مجالس شوریٰ کے اصول وطریق پر قائم ہو، وہاں صدر انجمن یا امام وقت جو صدر اول میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور من بعد خلفائے راشدین اور ان کے اتباع سلف صالحین ہوئے بطریق ارشاد واجب الاتباع وشاورھم فی الامر[1] امرھم شوریٰ[2] اہل حل وعقد سے مشورہ لیتے مگر آخر بفحوائے واذا عزمت فتوکل علی اللہ[3] فیصلہ امام وقت ہی کی رائے پر ہوتا، اور منجملہ آراء اصحاب شوریٰ ان ہی لوگوں کی رائے کو غلبہ ہوتا تھا، جو امام وقت کی رائے سے متوافق ہوتے، گو ان کی تعداد میں قلت اور جانب مخالف میں کثرت ہوا کرتی، اور یہاں یورپ کے آئین وقانون کے مطابق پریزیڈنٹ صاحب یا صدر انجمن کی رائے کو صرف دو ارکان مجلس کے برابر سمجھا جاتا ہے، اور آراء ارکان مجلس سے جس طرف کثرت ہو اسی طرف کو غالب قرار دیا جاتا ہے، گو صدر انجمن یا پریزیڈنٹ کی رائے جانب ثانی کے موافق ہو اور کثرت رائے کے برخلاف، در یں حالات انجمنوں کی نسبت یہ دیکھنا ضروری ہے، کہ انجمن کے فیصلہ جات جو کثرت رائے سے طے ہوتے ہیں، یہ کسی شرعی اصول کی شہادت سے نفاذ پا سکتے ہیں یا نہیں، اور یہ حکم جواز شرعی کا محل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

ہم نے اس امر میں غور وفکر سے کام کیا، تو ہمیں چند اصول وقواعد شرعی ایسے مل گئے جن سے کثرت رائے پر فیصلہ نفاذ وجواز حاصل کر سکتا ہے، اول یہ شرعی قاعدہ المعروف کالمشروط یعنی عرف جو مخالف شرع نہ ہو ایسے ہی ہوتی ہے، جیسے ایک امر مشروط، اس قاعدہ کو صحیح بخاری میں باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون الخ میں احادیث وآثار سے ثابت کیا ہے، اور کتب فقہیہ میں سے الاشباہ والنظائر میں بذیل قاعدہ العادۃ محکمۃ اس کو مدلل کیا ہے، دوم قاعدہ کلیہ نبویہ المسلمون علی شروطھم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا[4] یہ قاعدہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد سے ثابت ہے جو کتب حدیث میں مروی ہے، اور فقہائے اسلام میں بلا اختلاف مسلم چلا آتا ہے، سوم

---

[1] اور کام میں ان سے مشورہ کر [2] جب تو ارادہ کرے تو اللہ پر بھروسہ کر، [3] دستور شرط ہی کی طرح ہے۔
[4] مسلمان اپنی شرائط پر قائم ہیں، ماسوائے اس طرح کے جو حلال کو حرام کرے، یا حرام کو حلال کرے۔

قاعدہ کلیہ فقہیہ شرط الواقف کنص الشارع[1] جو کتب فقہ درمختار وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے
ان قواعد کے علاوہ بعض آثار سلف میں صریح بھی پایا جاتا ہے کہ وہ عند الاختلاف کثرت رائے
کا لحاظ فرماتے اور اکثر کی رائے کو اقل پر ترجیح دیتے ان اصول و روایات کی شہادت
سے معلوم ہوتا ہے، کہ انجمنوں کے فیصلے جو کثرت رائے پر ہوتے ہیں، وہ شرعی جواز و نفاذ
کے محل ہیں، اور اس کثرت کے مخالف بعض شذوذ کی رائے ہرگز لائق لحاظ نہیں ہے جب
یہ امر ثابت و مسلم ہوتا، تو اس سے سوال متعلق رقم چندہ کا (جو امین کے پاس امانت ہے) جواب
آسانی سے حاصل ہو گیا کہ اس انجمن میں جو لوگ بطریق رکن ممبر شریک ہوتے ہیں وہ اس انجمن
کے قاعدہ فیصلہ کثرت رائے کو تسلیم کئے ہوتے ہیں، اور یہ قاعدہ ان میں معروف ہے اور
جو لوگ اس انجمن میں چندہ دے چکے ہیں، وہ بھی اس قاعدہ کے علم و اطلاع کے ساتھ کہ وہ
چندہ انجمن کی کثرت رائے کے ساتھ صرف ہوگا، دے چکے ہیں، گویا ان لوگوں کے چندہ
دینے کے وقت یہ شرط ہو چکی ہے کہ وہ غلبہ و کثرت رائے انجمن سے صرف ہو، نہ کسی خاص
شخص یا بعض اشخاص کی خاص و شاذ رائے سے اس سے صاف و یقینی نتیجہ پیدا ہوتا ہے
کہ اس چندہ کے صرف و تصرف کی مستحق وہ انجمن ہے جو قدیم سے قائم ہے اور اس کے اکثر
ممبروں کی رائے سے وہ صرف ہونا چاہیئے نہ شذوذ و معدودے چند اشخاص کی رائے
سے جنہوں نے انجمن کی کثرت رائے حاصل کرنے کے بغیر ایک جداگانہ انجمن جداگانہ
صدر انجمن پیدا کر لی ہے اس محدث انجمن کا کوئی حق اس چندہ کے صرف کرنے
میں نہیں ہے امین انجمن خدا کا خوف رکھتا ہے اور خدا کے لئے مستفتی ہوا ہے۔ تو اب
اس حکم شرعی کا کاربند ہو، میں اس وقت سفر میں ہوں، میرے پاس کوئی کتاب حدیث
و فقہ کی اس وقت نہیں ہے، اس لئے نقل عبارت سے معذور ہوں، اور مجرد حوالجات پر
مکتفی ہوا ہوں، جو اہل علم اس فتوے کی تصدیق کریں، وہ میرے حوالجات کی تصدیق کے
لئے عبارات کتب حدیث و فقہ نقل کریں، آخر میں یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے، کہ ممکن ہے
کہ بعض اشخاص نے انجمن کے قاعدہ فیصلہ کثرت رائے سے محض ناواقف ہو کر کسی خاص
شخص کی تقلید و پیروی سے اس کے اختیار و تصرف کی نیت سے چندہ دیا ہو، اور اس
کو اس چندہ کے صرف کرنے کا حق دے دیا ہو، انجمن یا اس کے اکثر ممبروں کو اختیار

[1] وقف کرنے والے کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے۔

تصرف اور صرف کرنے کا حق نہ دیا ہو، اگر کسی ایسے شخص کا امین انجمن کو علم اور یقین ہو اور اس رقم عطائیہ کا بھی خصوصیت کے ساتھ علم ہو، کہ اس قدر روپیہ اس نے کسی خاص شخص کے اختیار و تصرف میں دیا تھا، انجمن یا اس کی کثرت رائے کو ممتاز تصرف نہ ٹھہرایا تھا، تو اس قدر روپیہ وہ انجمن کے حوالہ نہ کرے، باقی سب کا سب روپیہ انجمن کے حوالہ کرے۔

راقم ابو سعید محمد حسین بٹالوی　　سید محمد نذیر حسین

سوال: ۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کسی کے پاس کوئی چیز امانت رکھی۔ امین کے قصور حفظ سے وہ شے تلف ہوگئی، اس صورت میں امین کو ضمان دینا واجب ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: ۔اس صورت میں ضمان دینا واجب ہے۔ ھکذا فی جمیع کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع فی کل باب

کتبہ محمد عبد القادر عفی عنہ

ضمان آتا ہے تعدی سے، اگر تعدی کے معنی اس میں پائے جاتے ہیں تو بیشک ضمان امین پر واجب ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔ حررہ ابو الحسن

سید محمد نذیر حسین

سوال: ۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد فوت ہوئی۔ اور والد ہندہ کا قبل از شادی ہندہ فوت ہو چکا ہے۔ اس کا پدری حصہ جو ترکہ پدر سے ملا تھا، وہ موجود ہے علاوہ اس کے ہندہ کے جو بہن بھائی لاولد فوت ہوئے اس میں سے بھی حصہ شرعی پہنچا تھا، مگر اس دیگر حصہ میں آپس کی رضامندی سے یہ بات طے و رجسٹری شدہ ہوگئی تھی، کہ اس حصہ کی رقم ہندہ کی شادی میں صرف کی جاوے گی، لہٰذا وہ رقم حصہ ثانی کی جس کا تخمینہ ایک ہزار روپیہ تھا، ہندہ کی شادی میں لگا دیا گیا، اور وہ ثانی رقم شادی کے مصرف کو کافی ووافی تھی، اب والی ہندہ یہ کہتے ہیں، کہ ہم نے دونوں حصوں کی رقم ہندہ کی شادی میں صرف کردی، اب شرع شریف سے یہ استفسار ہے، کہ آیا والی ہندہ کو یہ حق ہے، کہ دونوں حصوں کی رقم خواہ کسی قدر ہو لگا دیں، یا موافق ضرورت وکار اجرا کے صرف کریں، بینوا توجروا۔

الجواب: ۔صورت مسئولہ میں جب کہ صرف دیگر حصہ کی بابت آپس کی رضامندی

سے یہ بات طے ورجسٹری شدہ ہوتی تھی کہ اس حصہ دیگر کی رقم ہندہ کی شادی میں صرف کی جاوے گی، اور حصہ دیگر کی رقم مصارف شادی کو کافی ووافی تھی، تو اولیائے ہندہ کو ہرگز یہ حق وجائز نہیں تھا کہ دونوں حصہ کی رقم خواہ کسی قدر ہو شادی میں لگا دیں، بلکہ حصہ دیگر سے بھی ان کو بقدر ضرورت ہی سے صرف کرنا جائز تھا، پس اولیائے ہندہ کا ہندہ کے دونوں حصوں کی رقم کو اس کی شادی میں صرف کر دینا ان کی صریح خیانت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص نے اپنا زیور اپنے دوست کو بدین مراد دیا کہ میرے مسکن میں ہمیشہ خوف وخطر رہتا ہے، تم اس زیور کو حفاظت سے اپنے پاس رکھ لو، جب اپنے والدین کے گھر جاؤں گا، تب آپ سے یہ زیور لے کر ان کے پاس رکھ دوں گا، کیونکہ کل میرا زیور وہاں رکھا رہتا ہے، چنانچہ حسب فہمائش سائل کے وہ زیور اس کا دوست اپنے گھر لے گیا، بعد تین روز کے امین زیور آیا، اور بیان کیا، کہ زیور آپ کا گم ہوگیا، صاحب زیور نے دریافت کیا، کہ کہاں رکھا تھا، جواب دیا کہ چھپر میں رکھ دیا تھا، صاحب زیور نے کہا، کہ میں اپنا زیور تم سے لوں گا، کیونکہ تم نے حفاظت سے نہیں رکھا تھا، اب امین یہ کہتا ہے، کہ اگر شرعاً مجھ کو دینا پہنچتا ہے، تو میں ضرور دوں گا ورنہ نہیں، بینوا توجروا ۔

الجواب:۔ ضمان لینا اس زیور مذکور کا آتا ہے شرعاً، بسبب قصور حفاظت کے، کیونکہ حفاظت زیور کی صندوقچہ اور صندوق اور مکان محفوظ اور محرز میں ہوتی ہے، باعتبار عرف وعادت خواص وعوام کے اور چھپر محل حفاظت زیور نہیں ہے کہ وہ مکان محفوظ اور محرز نہیں پس جب کہ اس شخص نے ودیعت اور امانت کے رکھنے میں قصور کیا، اور حفاظت حسب حال اس زیور کے موافق دستور عرف وعادت کے نہیں پائی گئی، تو اس صورت میں ضمان دینا لازم آتا ہے کہ اس میں تعدی اور عدم خبرگیری پائی گئی۔[1] المحافظۃ علی غیر المعتاد فی حکم المتعدی فی الغیاثیۃ وغیرہا من کتب الفقہ - واللہ اعلم

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

[1] حفاظت اگر دستور کے مطابق نہ کی جائے تو وہ تعدی کے حکم میں ہے غیاثیہ وغیرہ کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے

کتاب الرّھن

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے زمین رہن رکھی تو مرتہن کو اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں، اور زمین مرہونہ کا قیاس سواری کے جانور اور دودھ کے جانور پر صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:- شئے مرہون سے نفع اٹھانے کے بارے میں احادیث سے دو باتیں ثابت ہیں، ایک تو یہ کہ سواری اور دودھ کے جانور مرہون سے بمقابلہ اس کے نفقہ کے مرتہن نفع اٹھانا جائز ہے یعنی جب سواری کا کوئی جانور یا دودھ کا کوئی جانور مرہون ہو اور اس کے دانہ گھاس وغیرہ کا خرچہ مرتہن کے ذمہ ہو، تو مرتہن کو جائز ہے کہ بقدر اپنے خرچہ کے جانور مرہون پر سواری کرے اور دودھ کے جانور مرہون کا دودھ پیئے، اور اس کو اپنے خرچہ سے زیادہ نفع اٹھانا جائز نہیں، مثلاً گائے مرہون پر مرتہن کا روزانہ ایک دو آنہ خرچہ ہوتا ہے اور گائے روزانہ چار آنہ کا دودھ دیتی ہے تو اس کو صرف بقدر دو آنہ کے دودھ پینا جائز ہے اور باقی دو آنہ کا دودھ راہن کا ہے اور مرتہن کو اس باقی دودھ کا پینا جائز نہیں، اگر اس کو پیئے گا تو سود میں داخل ہوگا، صحیح بخاری میں ہے۔ عن[1] ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظھر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب ویشرب بنفقتہ ونیز صحیح بخاری میں ہے قال[2] المغیرۃ عن ابراھیم ترکب الضالۃ بقدر علفھا وتحلب بقدر علفھا والرھن مثلہ۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر سواری کا جانور رہن ہو، تو اخراجات کے معاوضہ میں اس پر سواری کی جائے گی اور دودھ والے جانور کا دودھ خرچ کے معاوضہ میں پیا جائے گا۔ اور جو سواری کرے گا، دودھ پیئے گا وہ خرچ برداشت کرے گا۔ [2] گم شدہ جانور پر سواری بھی چارہ کے عوض کی جائے گی اور دودھ والے جانور کا دودھ بھی چارہ کے عوض پیا جائے گا اور رہن کا بھی یہی حکم ہے۔

فی الفتح[1] قولہ والرھن مثلہ ای فی الحکم المذکور وقد وصلہ سعید بن منصور بالاسناد المذکور ولفظ الدابۃ اذا کانت مرھونۃ ترکب بقدر علفھا واذا کان لھا لبن یشرب منہ بقدر علفھا ورواہ حماد بن سلمۃ فی جامعہ عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم باوضح من ھذا ولفظ اذا ارتھن شاۃ شرب المرتھن من لبنھا بقدر ثمن علفھا فان استفضل من اللبن بعد ثمن العلف فھو ربا انتھی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ سوائے سواری اور دودھ کے جانور کے کسی اور شے مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ اس کی ممانعت ثابت ہے منتقی میں ہے۔ عن[2] ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یغلق الرھن من صاحبہ الذی رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ رواہ الشافعی والدارقطنی وقال ھذا اسناد حسن متصل قال فی نیل الاوطار وقولہ[3] لہ غنمہ وعلیہ غرمہ فیہ دلیل مذھب الجمہور المتقدم وقال فیما تقدم قال الشافعی وابوحنیفۃ ومالک وجمہور العلماء لا ینتفع المرتھن من الرھن بشیئ بل الفوائد للراھن والمئونۃ علیہ الا ان الشارع قدجعل الغنم والغرم للراھن۔ انتھی۔ پس جب احادیث سے یہ دونوں باتیں ثابت ہیں تو معلوم ہوا کہ زمین مرہونہ سے مرتہن کو نفع اٹھانا جائز نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین مرہونہ کا قیاس سواری کے جانور پر صحیح نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع الوفا جائز ہے یا نہیں یعنی اگر پوری قیمت زمین کی دے دی جائے اور ایک مدت مقرر کی جائے، کہ بعد گذر جانے مدت معینہ کے زمین مشتری کے پاس رہے گی، اگر مدت کے اندر اقالہ کر لے، تو کچھ نہ دیا

---

[1] حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ مثلاً اگر مرتہن کے پاس دودھ دینے والی بکری رہن رکھے تو مرتہن کو چارہ کی قیمت کے برابر اس کا دودھ لینا جائز ہوگا، اگر زیادہ لے گا تو سود ہوگا۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رہن راہن سے روکا نہیں جاسکتا، اس کا نفع ونقصان راہن کا ہے

[3] شے مرہون کا نفع نقصان راہن کا ہے اس میں جمہور کے مذہب کی دلیل ہے امام شافعی، ابوحنیفہ، مالک اور جمہور علماء نے کہا مرتہن رہن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ تمام نفع ونقصان راہن کا ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے نفع ونقصان راہن کا رکھا ہے۔

جاوے گا، جو مشتری کو منافع زمین سے حاصل ہوا ہے، وہ اسی کے پاس رہے گا۔ یہ منافع سود میں داخل ہوگا یا صورت جواز میں رہے گا۔

سوال دوم۔ زید نے اپنا مکان سکونت کے لئے عمرو کو دے دیا تینتیس سال اور چھ ماہ سکونت کرتے ہوئے گذر گئے، زید نے کہا میرا مکان خالی کر دے، عمرو نے کہا از روے حدیث کے یہ مکان میرے ملک میں ہوگیا، آیا از روئے حکم اللہ اور اس کے رسول کے زمین عمرو کی ہوگئی، یا زید لے سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:- بیع الوفا کی جو صورت سوال میں مندرج ہے وہ جائز نہیں ہے اور مشتری کو منافع مذکور کا لینا ناجائز ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ مدت معینہ تک زمین مذکور رہن ہے ہاں البتہ جب مدت گذر جاوے گی، تو بیع ہو جاوے گی، اور جب کہ مدت مذکور کے اندر زمین مذکور رہن ہے تو اب مدت مذکورہ کے اندر مشتری کو جو کچھ منافع زمین سے حاصل ہوا ہے وہ اسے نہیں مل سکتا، کیونکہ مرتہن کو شے مرہون سے باستثناء سواری اور دودھ کے اور نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن[1] ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر يركب بنفقة اذا كان مرهونا ولبن الدر يشرب بنفقة اذا كان مرهونا وعلى الذى يركب ويشرب النفقة رواه البخارى وعن ابى هريرة ايضا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يغلق الرهن من صاحبه الذى رهنه له غنمه وعليه غرمه رواه الشافعى والدارقطنى وقال هذا اسناد حسن متصل كذا فى المنتقى۔ والله اعلم بالصواب۔

جواب سوال دوم:- شرع کی رو سے زمین عمرو کی نہیں ہوئی، بلکہ زید اس کو لے سکتا ہے کیونکہ زید نے مکان مذکور عمرو کو سکونت کے لئے دیا ہے، سکونت کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ زید نے عمرو کو مکان مذکور کا مالک نہیں کر دیا تھا، بلکہ اس کو احسان کے طور پر سکونت کے لئے دیا تھا، کہ جب تک ہم چاہیں عمرو اس میں رہا کرے، لہٰذا زید مکان مذکور

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ سواری کے جانور پر خرچ کے بدلے سواری کی جاسکے گی اور دودھ والے جانور کا دودھ خرچ کے عوض پیا جائے گا۔ جب کہ وہ رہن ہو، اور جو دودھ پئے گا یا سواری کرے گا، وہی خرچ برداشت کرے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رہن راہن سے روکا نہیں جاسکتا، اس کا نفع ونقصان اسی کا ہے۔

جب چاہے لے سکتا ہے، ہاں اگر زید نے مکان مذکور کا عمرو کو مالک کر دیا ہوتا تو بیشک نہیں لے سکتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والیہ المرجع والمآب۔

سید محمد نذیر حسین

الراقم محمد عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنا مکان رہن رکھا اس شرط سے کہ ہمارے مکان کا کرایہ نہیں، اور تمہارے روپے کا سود نہیں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال دوم:۔ دوسرے شخص کا مکان رہن کر کے اس میں رہے، تو کرایہ اس کو دیوے یا نہیں اور اس کی مرمت میں جو روپیہ صرف ہو، تو وہ اس سے لیوے یا نہیں؟

سوال سوم۔ میوہ جات کے درخت رہن لینا۔ اور ان کا میوہ کھانا درست ہے یا نہیں اور اس کی میعاد خواہ کتنے ہی سال کی ہو اور درخت کی خشک لکڑی اپنے خرچ میں وہ شخص جس کے پاس رہن ہے لاوے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب:۔ جواب سوال اول کسی شخص کا اس شرط سے مکان رہن رکھنا کہ ہمارے مکان کا کرایہ نہیں اور تمہارے روپے کا سود نہیں، جائز نہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ مرتہن کا مکان مرہون میں بلا کرایہ کے خود رہنا یا کسی اور کو اس میں رکھنا شئے مرہون سے نفع اٹھانا ہے، اور شئے مرہون سے باستثنائے سواری اور دودھ کے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اگرچہ راہن مرتہن کو شئے مرہون سے نفع اٹھانے کی اجازت بھی دے دے، اس واسطے کہ شئے مرہون سے نفع اٹھانا سود میں داخل ہے۔

جواب سوال دوم۔ دوسرے شخص کا مکان رہن میں رکھ کر اس میں رہے، تو ضرور اس کا کرایہ دینا چاہیے، کیونکہ مکان مرہون میں مرتہن کا بلا کرایہ کے رہنا جائز نہیں ہے جیسا کہ جواب سوال اول میں معلوم ہوا، اور اس کی مرمت میں جو روپیہ راہن کی اجازت سے صرف کیا ہے راہن سے اس کو وصول کرے۔

جواب سوال سوم۔ میوہ جات کے درخت رہن لینا، اور ان کا میوہ مرتہن کو کھانا جائز نہیں ہے، اور درخت کی خشک لکڑی بھی اس کو اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبد الرحیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دو بیگھہ زمین ایک سو روپے

پر عمرو کو نو برس کے واسطے اس طور پر اجارہ دیتا ہے اگر جو کچھ اس میں پیدا ہو، وہ تم نو برس تک لو، اور زر محصول زمین کا فی سال مبلغ ایک روپیہ تم ادا کرتے رہو، اور درست چاہ وغیرہ بھی کرتے رہو، نو برس کے اندر اگر میں تم کو سو روپیہ دے دوں، تو زمین مذکور پھیری، ورنہ بعد نو برس کے یہی اجارہ بیع خیال کیا جائے گا، یہ معاملہ شرعاً جائز ہے کہ نہیں۔ فقط

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں کہ جو اصل رہن ہے دو باتیں قابل توجہ ہیں، اول مرتہن کا منافع مرہونہ سے منتفع ہونا، سو واضح رہے کہ اکثر علماء کا جن جن کی تفصیص اس بارہ میں نظر پڑی، مذہب یہ ہے کہ مرتہن کو بقدر اپنے صرف کے فائدہ اٹھانا جائز ہے، زاید نہیں، جواز کی دلیل حدیث الظہر یرکب بنفقتہ الحدیث ہے، اور زاید کے عدم جواز کی دلیل وہ آیات و احادیث ہیں جو حرمت سود پر دلالت کرتی ہیں، دوسری یہ شرط ہے کہ در صورت عدم فک رہن کے یہ رہن بیع خیال کیا جاوے، تو یہ شرط صحیح ہے، اور بیشک در صورت عدم فک رہن کے بیع ہو جاوے گی، اس لیے کہ یہ معاملہ تجارۃ عن تراض میں داخل ہے اور ممانعت کی خاص کوئی نص نہیں پائی گئی بلکہ حدیث المسلمون علی شروطہما حدیث اخرجہ الترمذی وابوداود والحاکم والدارقطنی وصححہ ابن حبان والترمذی سے جواز ثابت ہے۔ فقط۔ حررہ العبد الاواب ابو تراب عبد الوھاب عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

الجواب صحیح والرای نجیح۔ ابو یحیی محمد ۱۳۱۳ھ ہجری۔

سوال:۔ انتفاع شے مرہون سے مثل مکان وملک وغیرہ کے جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے، بلکہ بشرط ارادہ انتفاع کے قرض دینا سود ہے کل قرض جر نفعا فھو ربا[1] الحدیث یکرہ للمرتہن ان ینتفع بالرھن وان اذن لہ الراھن قال المصنف وعلیہ یحمل ما عن محمد بن اسلم من انہ لا یحل للمرتہن ذلک ولو بالاذن لانہ ربا قلت وتعلیلہ یفید انہا تحریمیۃ کذا فی الدر المختار قلت والغالب من احوال الناس انہم یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم

[1] ہر وہ قرض جو نفع لائے، وہ سود ہے، مرتہن کو اگر راہن اجازت بھی دے دے تو بھی اس کو رہن سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ وہ سود ہے، اور یہ کراہت تحریمی ہے، میں کہتا ہوں کہ آج کل لوگوں کا دستور بھی یہی ہے۔

وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم كذا فى الطحطاوى - الراقم سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال :- چہ می فرمایند علمائے دین متین کہ بعوض رہن مرتہن را از شے مرہون انتفاع گرفتن جائز است یا حرام اگرچہ باجازت راہن باشد، بینوا توجروا۔

الجواب :- انتفاع از مرہون اگرچہ باجازت راہن باشد مکروہ است بموجب روایت اشباہ وغیرہ کہ در کتب فقہ مرقوم است

محمد تکرم الدین

فقیر احمد سعید احمدی ۱۲۵۵

محمد رضی الدین ۱۲۴۲

اگرچہ روایت خلاف آں نیز آمدہ، لیکن اصح و مفتی بہ ہمیں است کہ در جواب مرقوم شد۔

سطرے چند از آخر باب رہن در مختار و منح الغفار و قنیۃ و اشباہ مؤید جواب بقلم می آید، اگرچہ صاحب ہدایہ وغیرہ بجواز انتفاع گرفتن مرتہن باشیاء مرہونہ باذن راہن رفتہ است مگر ترجیح جانب کراہت و عدم جواز است زیرا کہ ہرگاہ حلال و حرام و محرم و مبیح مجتمع شوند غلبہ جانب حرام می شود۔ اذا اجتمع الحلال والحرام او المحرم والمبيح غلب الحرام كذا فى الاشباه وغيره ثم نقل عن التهذيب انه يكره للمرتهن ان ينتفع بالرهن وان اذن الراهن قال المصنف وعليه يحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لا يحل للمرتهن ذلك ولو بالاذن لانه ربوا قلت وتعليله يفيد انها تحريمية هكذا فى الدر المختار ومنح الغفار

کہ رہن لیتے وقت نفع کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو، تو کوئی رہن ہی نہ رکھے اور یہ شرط کی طرح ہے کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے، اور اس سے بھی رہن سے فائدہ نہ اٹھانے کی تائید ہوتی ہے۔

سوال :- اگر راہن مرتہن کو شے مرہون سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دے، تو کیا پھر بھی اس سے فائدہ اٹھانا منع ہے یا جائز ہے۔

الجواب :- اگر راہن اجازت دے دے تو بھی شے مرہون سے مرتہن کو نفع اٹھانا اشباہ وغیرہ کتب کی روایت کے مطابق مکروہ ہے، در المختار، منح الغفار، قنیہ وغیرہ میں اس فائدہ اٹھانے کو مکروہ لکھا ہے، اگرچہ صاحب ہدایہ کا میلان جواز کی طرف ہے، کیونکہ جب حلال و حرام اور محرم و مبیح میں معارضہ ہو جا وے، تو غلبہ جانب حرام کو ہوتا ہے۔ اشباہ، تہذیب، در مختار اور منح الغفار میں اسی طرح ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا، اگر راہن مرتہن کو مکان مرہونہ میں رہائش کی اجازت دے دے تو بھی مکروہ ہے کیونکہ

عن ابی یوسف المرتھن سکن الدار باذن الراھن یکرہ واطلق فی الصرف انہ لا یکرہ صح الاحتیاط الا جتناب عنہ قلت لما فیہ من شبہ الربوا ثم من قنیۃ علاء نجو السزاھدی ومثل ھذا النقل البرجندی عن القنیۃ ویکرہ للمرتھن الانتفاع باذن الراھن کذا فی الاشباہ ۔ الراقم محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین — محمد مخصوص اللہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین گرو رکھ کر اس کا نفع بغیر وضع کے مرتہن کو جائز ہے یا نہیں، زید کہتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے تو جب تک ادلہ شرعیہ سے اس کی حرمت ثابت نہ ہوگی، مرتہن اور راہن کی باہمی رضا پر اس کا نفع مرتہن کو جائز ہوگا، اور جو دلائل اس کی حرمت پر ہیں، سب ضعیف ہیں، اور نہ اس پر اجماع ہے پس علمائے محققین کے نزدیک زید کا قول صحیح ہے، یا غلط، اور اس کی حرمت کچھ قرآن و حدیث صحیح اور اجماع ثابت ہے یا نہیں ۔ بینوا بالدلیل توجروا اجر الجزیل عند رب الجلیل ۔

الجواب: بلغنی کتابك منذ ایام لکن بسبب کثرۃ المشاغل وعلالۃ الفرصۃ وقع التوقف فی الجواب ولا رجو منکم العفو والعذر عند کرام الناس مقبول، اختلف اھل العلم فی منافع المرھون ھل یجوز اخذھا للمرتھن ام لا قال الجمھور لا یجوز ونمسکو بالعموم ادلۃ حرمۃ الربا واحادیث منھا حدیث سفیان بن عیینۃ عن زیاد بن سعد عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغلق الرھن ممن رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ اخرجہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک والدارقطنی فی سننہ وقال زیاد بن سعد من الحفاظ الثقات وھذا اسناد حسن متصل وقال الحافظ فی بلوغ المرام ان رجالہ ثقات قال الحاکم ھذا حدیث صحیح اعلی الاسناد علی شرط[1] الشیخین وتابع زیاد بن سعد علی ھذہ الروایۃ مالک بن انس وابن ابی ذئب وسلیمان بن ابی داؤد الحرانی ومحمد

اس میں سود کا شبہ ہے، برجندی میں ہے کہ مرتہن کو راہن کی اجازت سے بھی شئے مرہونہ سے نفع اٹھانا مکروہ ہے

[1] قولہ علی شرط الشیخین ثم قال بعدہ ولم یخرجاہ لاختلاف فیہ علی اصحاب الزھری وقد تابع زیاد بن سعد الخ کذا فی نصب الرایۃ جلد دوم صفحہ ۳۲۹ ابو سعید محمد شرف الدین ۔

بن الولید الزبیدی ومعمر بن الراشد ثم اخرج احادیثھم واخرج الدارقطنی ایضا احادیثھم الاحدیث مالک واخرجہ ایضا ابن ماجۃ من طریق اسحق بن راشد عن الزھری ورواہ الاوزاعی ویونس وابن ابی ذئب عن الزھری عن سعید مرسلا صحح[1] ابوداود والبزار وابن القطان ارسالہ وصحح الدارقطنی وعبد الحق وابن عبد البر وحسن ابن حزم روایۃ ابن ابی ذئب المتصلۃ وصححہ ابن عبد البر وعبد الحق وقال ابن القیم فی اعلام الموقعین اسنادہ حسن قولہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ قیل انہا مدرجۃ من قول ابن المسیب صرح بہ ابن ابی وھب وابوداود ورفعہا ابن ابی ذئب ومعمر وغیرہما قلت الحدیث متصل عند الجمہور ولو صححنا قول من یرسلہ فمراسیل ابن المسیب قال احمد بن حنبل وابن معین فیہا اصح المراسیل وقد تامل الائمۃ المتقدمون مراسیلہ فوجدوھا باسانید صحیحۃ وھذہ الشرائط لم توجد فی مراسیل غیرہ مع ان المرسل حجۃ عند الجمہور وھو مذھب ابی حنیفۃ ومالک واحمد فی المشہور عنہما وقال الحافظ ابن جریر واجمع التابعون باسرھم علی قبول المرسل ولم یات عنہم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدھم الی رأس المائتین قال ابوداود فی رسالتہ الی اھل مکۃ اما المراسیل فقد کان یحتج بہا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالک والاوزاعی حتی جاء الشافعی فتکلم فیہ قلت والشافعی ایضا یقول بحجیتہ بشرط ان یعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر مرسلا او مسندا صحیحا کان او ضعیفا کما فی شرح النخبۃ و

(۱) قولہ وصحح ابوداود والبزار وابن القطان ارسالہ وصحح الدارقطنی وعبد الحق وابن عبد البر وصلہ الخ اقول فی التلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ انصاری دھلی وصحح ابوداود والبزار والدارقطنی وابن القطان ارسلہ ولہ طرق فی الدارقطنی والبیہقی کلہا ضعیفۃ وصححہ ابن عبد البر وعبد الحق وصلہ الخ وقال فی نصب الرایۃ جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ ورواہ الدارقطنی فی سننہ وقال ھذا اسناد حسن متصل انتہی وکذا رأیت فی سنن الدارقطنی جلد اصفحہ ۳۰۲ قال بعد اخرجہ زیاد بن سعد من الحفاظ الثقات وھذا اسناد حسن متصل انتہی کما تقدم فی اصل الفتوی ثم قال الدارقطنی بعد قلیل فی جلد صفحہ ۳۰۳ ارسلہ عبد الرزاق وغیرہ عن معمر ثوبسا قد فالحاصل انہ ارسلہ معمر ووصلہ زیاد بن سعد وغیرہ واللہ اعلم
ابو سعید محمد شرف الدین

شرح وحسنہ۔ قال الحافظ ابن القیم والمرسل اذا اتصل بہ عمل وعضدہ قیاس اوقول صحابی او کان مرسلہ معروفا باختیار الشیوخ ورغبتہ عن الروایۃ عن الضعفاء والمتروکین ونحو ذلک مما یقتضی قوتہ عمل بہ۔ وھذا المرسل معتضد بمجیئہ من وجہ اخر رواہ الدارقطنی عن محمد بن عمرو بن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ ووافقہ قیاس و اتصل بہ عمل الجمہور ومرسلہ معروف باختیار ورغبتہ عن الروایۃ عن الضعفاء والمتروکین فھو مقبول عند الجمیع واما قول من قال قولہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ مدرجۃ من قول ابن المسیب فلا ادری وجہہ مع انہا موجودۃ فی غیر طریق ابن المسیب فکیف تکون من قول ابن المسیب ومنہا حدیث کل قرض جر منفعۃ فھو ربا لکنہ لم یصح مرفوعا والاصل فیہ انہ موقوف اخرجہ البیہقی موقوفا علی ابن مسعود وابی بن کعب وعبد اللہ بن سلام وابن عباس وفضالۃ بن عبید ومنہا حدیث عائشۃ مرفوعا الخراج بالضمان رواہ احمد وابوداؤد والنسائی و الترمذی وابن ماجۃ۔ والشافعی والحاکم وابوداؤد الطیالسی وصححہ الترمذی وابن حبان وابن جارود والحاکم وابن القطان وابن خزیمۃ وضعفہ البخاری ولھذا الحدیث فی سنن ابی داؤد ثلاث طرق اثنتان رجالہما رجال الصحیح والثالثۃ قال ابوداود اسنادہ لیس بذالک ولعل سبب ذلک ان فیہ مسلم بن خالد الزنجی شیخ الشافعی ووثقہ یحیی بن معین وتابعہ عمرو بن علی المقدمی وھو متفق علی الاحتجاج قال الشوکانی ولا ادری وجہ تضعیف البخاری لھذا الحدیث والحق ان الشی المرھون مال الراھن فان ھلک ھلک مال الراھن ولا ضمان علی المرتھن فعلم من الحدیث ان اخراج المرھون وقلتہ للراھن ومنہا حدیث رواہ شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعا لا یحل بیع ما لیس عندک ولا ربح ما لم یضمن اخرجہ ابن ماجۃ والبیہقی والحاکم وفی المشکوۃ قال الخطابی وفی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلا جلس فی بیت امہ وابیہ فینظر اھدی الیہ ام لا دلیل علی ان کل امر یتذرع بہ الی محظور فھو محظور قال السید فی تفسیر کلام الخطابی ومن ذلک القرض یجر المنفعۃ والدار المرھون یسکنہا المرتھن بلا کراء۔ قال بعض اھل العلم یجوز الانتفاع بالمرھون وھو مذھب احمد و

اسحق والليث والحسن وغيرهم واستدلوا بحديث الظهر يركب بنفقته اذا كان مرهونا ولبن الدر يشرب بنفقته اذا كان مرهونا وعلى الذي يركب ويشرب لنفقته رواه البخاري واهل القول الاول يجيبون عن هذا الحديث باجوبة منها ان هذا الحديث ليس بمخالف للاحاديث الماضية بل المراد منه ان على الراهن النفقة وبنفقته يكون الشرب والركوب لكن يرد هذا الوجه ان هذا الحديث في رواية عند احمد بلفظ اذا كانت الدابة مرهونة فعلى المرتهن علفها ولبن الدر يشرب وعلى الذي يشرب نفقته فيه بيان للاجمال الوارد في الحديث وتصريح بان الركوب والمشرب للمرتهن بنفقته لكن لا ادري الحديث بلفظ احمد صحيح عند اهل الحديث امرلا ورجال اسناده ثقات ويحتمل ان تكون هذه الزيادة مختلطة من هشيم فهما من حديث لان عبد الله بن المبارك وجعفرا وغيرهما رووه بغير هذه الزيادة والله اعلم. ثم لا يخفى عليك ان مجوزي الانتفاع بالمرهون من السلف لا يعمون الحكم في كل مرهون بل يخصون الحكم بذات الدر والمركوب بمفهوم الحديث كما قال الحافظ ابن حجر في الفتح وهو قول احمد واسحق وطائفة قالوا ينتفع المرتهن من الرهن بالركوب والحلب بقدر النفقة ولا ينتفع بغيرهما وقد صرح بذلك الامام محمد بن قدامة المقدسي الحنبلي في كتابه المسمى بالعمدة في الفقه ولا ينتفع بشئ من الرهن الا ما كان مركوبا او محلوبا فللمرتهن ان يركب ويحلب بمقدار العلف وللراهن غنمه من غلته وكسبه ونمائه لكنه يكون رهنا معه وعليه غرمه من مؤنته ومخزنه وكفنه ان مات انتهى وقال محمد بن عبد الوهاب الحنبلي في مختصره لشرح ابن تيمية قال احمد الرهن لا ينتفع منه بشئ الا حديث ابي هريرة خاصة في الذي يركب ويحلب ويعلف قيل له فان الركوب واللبن اكثر قال لا بقدر ونقل حنبل ان له استخدام العبد ايضا وبه قال ابو ثور اذا امتنع مالك من الانفاق قال ابوبكر خالف حنبل الجماعة والعمل على انه لا ينتفع من الرهن بشئ الا ما خصه الشارع نفيما عداه يبقى على مقتضى القياس قال احمد اكره قرض الدور وهو الربا المحض يعني اذا كانت الدار في قرض رهنا ينتفع بها المرتهن انتهى فثبت بما ذكرنا ان مجوزي الانتفاع يخصون الانتفاع بالركوب والشرب بقدر النفقة لا

الزائد علیہا ولا یجوزون الانتفاع بغیرھما وفی البخاری عن ابراھیم النخعی ترکب الضالة بقدر علفھا وتحلب بقدر علفھا والرھن مثلہ قال الحافظ فی الفتح ورواہ حماد بن سلمة فی جامعہ بلفظ ولفظہ اذا ارتھن شاة شرب المرتھن من لبنہا بقدر ثمن علفھا فان استفضل من اللبن بعد ثمن العلف فھو ربا وقد ظفرت وللہ الحمد فی ھذہ المسئلة بحدیثین کل واحد منھما فصل الخطاب و القول الفیصل فی الباب احدھما عن سمرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال[1] من رھن ارضا بدین علیہ فانہ یقضی من ثمرتھا ما فضل بعد نفقتھا یقضی ذلک من دینہ ذلک الذی علیہ بعد ان یحسب لصاحبہا الذی ھی عندہ عملہ ونفقتہ بالعدل اخرجہ عبد الرزاق وثانیہما ما اخرجہ ایضا عن طاؤس قال فی کتاب[2] معاذ بن جبل من ارتھن ارضا فھو یحسب ثمرھا لصاحب الرھن من عام حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا اعلم احدا من السلف و الخلف قال بجواز الانتفاع بالارض المرھونة او الدار المرھونة للمرتھن فی القرض ومن ادعی فعلیہ الاثبات والحاصل ان عموم الکتاب وتصریحات السنة والقیاس وسلف الامة وخلفھا علی المنع فمن قال بجوازہ مع ورود ما دلت فی منعہ مستدلا بان الاصل فی الاشیاء الاباحة فمنشاء قولہ غفلة عن ھذہ الروایات واصطلاحات اھل العلم بل الاصل فی اموال المسلمین الفروج الحرمة الا ما احلہ اللہ لنا والکتاب والسنة واھل العلم متفقون علی ان الفروج واموال المسلمین معصومة لا یحل اخذھا الا بحقہا والا کان ذلک من الزنا واکل اموال الناس بالباطل ھذا ما تیسر لی الآن ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی رضی اللہ عنہما

---

(۱) قولہ من رھن ارضا الخ اقول اخرجہ الطبرانی فی الکبیر کذا فی کنز العمال فی سنن الاقوال الافعال جلد ۳ صفحہ ۲۴۷ و ۲۴۸ مطبوعہ حیدرآباد دکن وقال فی الجامع الازھر من حدیث النبی الانور بعد ان عزاہ الی الطبرانی فی الکبیر وفی اسنادہ متنا کیر انتہی۔

(۲) قولہ فی کتاب معاذ بن جبل الخ کذا عزاہ الی عبد الرزاق فی الجامع صاحب کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۴۸ - ابو سعید محمد شرف الدین مصحح -

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جواب نہایت ہی صحیح اور مدلل ہے، اور اس کا ماحصل مختصر اردو میں یہ ہے، کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یغلق الرھن ممن رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ۔ یعنی رہن رکھنے والا اگر اپنے رہن کو چھڑانا چاہے، تو اس کے رہن کو روکنا نہیں چاہیئے اس کا فائدہ بھی اسی کو دینا چاہیئے اور اس کا نقصان بھی اسی پر ڈالنا چاہیئے یعنی قرض کے بدلے مال مرہون سے کسی قسم کا فائدہ جائز نہیں اور نہ نقصان اٹھانا اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنے مستدرک میں اور دارقطنی نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے، اور اس کے راوی بھی سب ثقہ ہیں، دارقطنی نے کہا ہے اس کی اسناد حسن متصل ہے، حاکم نے اس کو صحیح اعلی الاسناد علی شرط الشیخین فرمایا ہے، بعض محدثین نے اس کو مرسل بھی کہا ہے، مگر دارقطنی اور عبدالحق اور ابن عبدالبر نے اس کے متصل ہونے کو صحیح کہا ہے، اور ابن حزم ظاہری نے بھی ایک روایت متصلہ کو حسن کہا ہے، اور علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں کہا ہے، کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے، اور اصول حدیث میں ہے، کہ جس روایت کے راوی سب ثقہ ہوں مگر بعض کی روایت مرسل ہے اور بعض کی متصل تو محدثین محققین اسی طرف گئے ہیں کہ متصل صحیح ہوگی کیونکہ زیادتی ثقہ کی مقبول ہے، پس روایات متصلہ تو حجت قاطعہ ہیں، باقی رہی مرسل اس کے قبول کر لینے میں بھی تمام تابعین کا اجماع ہے، اور کسی سے اس کا انکار ثابت نہیں ہوا اور نہ سنہ ۲۰۰ ہجری تک کسی امام نے مرسل میں کلام کیا، ہاں شافعی نے مرسل کے قبول کرنے سے انکار کیا، مگر جب کسی دوسری روایت مرسل یا مسند صحیح یا ضعیف سے اس کی تقویت ہوتی ہو، تو وہ مرسل امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حجت ہے، اور ما نحن فیہ میں ایسا ہی ہے، بہر صورت اس حدیث کی روایات متصلہ اور مرسلہ سب حجت ہیں، اور حدیث میں آیا ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ یعنی جس قرض سے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے یہ حدیث اگرچہ مرفوع بھی ہے مگر موقوف صحیح ہے اور پانچ صحابہ کا قول ہے یعنی ابن مسعود اور ابی ابن کعب اور عبداللہ بن سلام اور ابن عباس اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم کا، اور جب کوئی حدیث مرفوع ان کے مخالف نہیں، اور نہ کوئی صحابی ان کے مخالف ہے، تو ان صحابہ مذکورین کے اقوال حجت ہوں خصوصاً جب حدیث مرفوع کے موافق بھی ہیں، اور جو حدیث میں آیا ہے الظھر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا سو

اوّل تو اس حدیث کے معنوں میں ہی اختلاف ہے، ایک معنی یہ ہیں کہ سواری کے جانور کی سواری اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ رہن کی حالت میں کھلانے پلانے کے بدلے میں لے لیا کرے، اور دوسرے معنی یہ کہ کھلانے پلانے کے قدر لے لیا کرے، اور انہی معنی کو ابراہیم نخعی تابعی نے اختیار کیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، بلکہ جامع حماد میں ہے کہ کھلانے پلانے سے زیادہ سواری یا دودھ لے گا، تو وہ سود ہے، اگر پہلے معنی بھی لئے جائیں تو بھی شارع نے خاص سواری اور دودھ کے جانور کا نام لیا ہے۔ کوئی قاعدہ کلیہ بیان نہیں فرمایا، قاعدہ کلیہ تو اس کے منع پر فرمایا، جیسا کہ پہلی حدیث میں گذر چکا، اور دودھ اکثر کھلانے پلانے کے قریب ہوتا ہے، اور اس میں اندازہ کرنا کہ کتنا کھلایا پلایا، اور کتنے کا دودھ ہُوا، اور کتنے کی سواری یہ مشکل تھا، اس لئے شارع نے اس امر میں امت پر تنگی نہیں کی، اور قاعدہ کلیہ سے اس کو خاص کر لیا، باقی سب صورتیں سود میں داخل رہیں، اس لئے جن لوگوں نے اس حدیث کے پہلے معنی کئے ہیں، انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ اس کے ماسوا میں نفع حاصل کرنا جائز نہیں، چنانچہ امام احمد وغیرہ جو جائز کہتے ہیں، انہوں نے کہا ہے، کہ یہ معاوضہ سواری اور دودھ کے ساتھ جو نص میں وارد ہے، خاص ہے اس کے ماسوا میں حرام اور سود ہے، جیسے کہ امام احمد نے گروی مکان سے نفع حاصل کرنے کو سود فرمایا ہے، غرض امت محمدیہ میں سے کسی صحابی یا تابعی یا امام، محدث یا فقیہ نے زمین مرہونہ کا نفع جائز نہیں کہا، جو دعویٰ کرے، اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے، اور ایسے معاملات میں قیاس کرنا حرام ہے، خصوصاً جب قاعدہ کلیہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ رہن سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں، تو نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا سب کے نزدیک مردود ہے، لیجیے خدا کے فضل سے قاعدہ کلیہ کے علاوہ خاص اس مسئلہ میں دو حدیثیں مل گئی ہیں، جو اس باب میں نص قاطع ہیں، حدیث اوّل، حضرت سمرہ سے روایت ہے، کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو کوئی قرض کے بدلے اپنی زمین کو کسی کے پاس رہن رکھے، تو زمین کی پیداوار میں سے بعد وضع خرچ اخراجات کے جو باقی بچے وہ قرض میں محسوب کیا جائے، اور مزدوری اور خرچ جو کچھ ہوا ہو، اس کو بھی انصاف کے ساتھ لگائے، روایت کیا اس حدیث کو عبدالرزاق نے، حدیث دوم، طاؤس تابعی کہتے ہیں، کہ معاذ صحابی (جن کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمن میں قاضی اور حاکم مقرر کر رکھا) کی کتاب میں لکھا ہُوا تھا، کہ جو کوئی کسی کی زمین گروی رکھے، تو اس کی پیداوار قرض میں محسوب

کرے، اور یہ حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں دیا تھا، جب آپ نے حج کیا یعنی آخر عمر میں روایت کیا اس حدیث کو عبد الرزاق نے، اور آیت اذا تداینتم بدین الی قولہ تعالیٰ فرھان مقبوضہ اس پر دال ہے، کہ معاملہ رہن فرد دین ہے، اور نیل میں ہے اذا کانت الزیادۃ علی الدین مشروطۃ فی العقد فتحرم اتفاقا پس اول تو صحابہ وتابعین اور دیگر ائمہ مجتہدین میں سے کوئی اہل علم زمین گرو کے نفع کو جائز نہیں کہتا، اور بالفرض اگر کوئی جائز بھی کہتا، تو بھی اس کا قول ان احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں مردود ہوتا، غرض نہ تو احادیث کی رو سے یہ نفع جائز ہو سکتا ہے، اور نہ کسی اہل علم کے قول سے، بلکہ حرمت پر نصوص مذکورہ صریح دال ہیں، اور اصل شئی میں اباحت کا مسئلہ اول کو اموال اور فروج کے ماسوا میں ہے، جیسا کہ اصول میں مصرح ہے، کہ اموال اور فروج میں اصل حرمت ہے، مگر جس کو خدا ورسول ہمارے لئے حلال کرے، ورنہ زنا اور اکل اموال الناس بالباطل میں داخل ہوگا، دوم نصوص کے مقابلہ میں بالاتفاق مردود ہے۔ حررہ العاجز ابو عبد الرحمٰن محمد تغمدہ اللہ الصمد بفضلہ المؤید۔

بدلائل مذکورہ بالا اراضی مرہونہ سے مرتہن کو نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ حررہ السید محمد نذیر حسین

عافاہ اللہ فی الدارین	سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹ھ
سید محمد ابو الحسن	اسما احمد عفی عنہ ۱۳۱۴	خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰ھ
ابو عبد الحی محمد ولایت حسین ۱۳۱۴ھ		خادم شریعت محمدی ابو عبد اللہ محمد نعمت اللہ عفی عنہ ۱۳۱۳ھ
ابو عبد اللہ محمد امانت اللہ عفا اللہ عنہ ۱۳۰۹ھ		محمد نبیا بن خان عفی عنہ ۱۳۰۹ھ
	محمد مسلم خان ۱۳۰۰ھ	ابو البشیر محمد عبد العزیز ۱۳۱۳ھ

لہ جب قرض پر زیادتی بوقت معاملہ مشروط ہو، تو اس کی حرمت متفق علیہ ہے ۱۲

کتاب الھبۃ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہبہ کرنا ولی کا ولد نابالغ کو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو، کہ ہبہ کرنا ولی کا ولد نابالغ کو جائز ہے، اور تمام اور پورا ہوتا ہے بمجرد عقد یعنی ایجاب فقط کے بلا شرط قبول و قبضہ کے، چنانچہ تمام کتب فقہ معتبرہ میں ساتھ بسط و تفصیل کے مرقوم ہے۔ ھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل تتم بالعقد لو کان الموھوب معلوما و کان فی یدہ او ید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب انتھی ما فی تنویر الابصار والدر المختار واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہبہ کیا، لیکن کل کارروائی اس کی اپنے نام سے رکھی، آیا اس صورت میں وہ ہبہ تام ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ ہبہ بلا قبضہ موجب ملکیت موہوب لہ کا نہیں ہو سکتا، اور قبل قبضہ کے اگر واہب فوت ہو جاوے تو ہبہ بنا بر اس اصل کے باطل ہو جاوے گا، اور مال ہبہ کردہ شدہ ورثہ واہب کا ہوگا، اور اسی طرح اگر موہوب لہ فوت ہو جائے اور قبضہ اس کا نہیں ہوا ہے، اور دلیل اشتراط قبضہ کی یہ حدیث ام کلثوم ہے۔ رواہ احمد والطبرانی عن ام کلثوم بنت ابی سلمۃ وھی بنت ام سلمۃ قالت لما تزوج النبی

لہ ایسے آدمی کا بچے کو ہبہ کرنا جو اس کا ولی ہے، درست ہے بشرطیکہ شے موہوب معلوم ہو جو اس پر قبضہ بچے کا ہو یا ہبہ کرنے والے کا، کیونکہ ولی کا قبضہ اس کے قبضہ کے قائم مقام ہے، اور اصل یہ ہے کہ ولی کا ہر عقد درست ہے، اور اس میں صرف ایجاب ہوگا، قبول کی شرط نہیں ۔ ۲ے حضرت ام سلمہ نے کہا کہ

صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمۃ قال لھا انی قد اھدیت الی النجاشی حلۃ واواقی من مسک ولا اری النجاشی الا قدمات ولا اری ھدیتی الا مردودۃ علی فان ردت علی فھی لک قالت وکان کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورد علیہ ھدیتہ فاعطی کل امرأۃ من نسائہ اوقیۃ مسک واعطی ام سلمۃ بقیۃ المسک والحلۃ اسنادہ حسن انتہی ما فی فتح الباری شرح البخاری وعن عائشۃ ان ابا بکر الصدیق کان نحلھا جاد عشرین وسقا من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال یا بنیۃ انی کنت نحلتک جاد عشرین وسقا ولو کنت جددتہ واحترتہ کان لک وانما ھو الیوم مال وارث فاقتسموہ علی کتاب اللہ رواہ مالک فی الموطا من طریق ابن شھاب عن عروۃ وھذا الاثر یدل علی ان الھبۃ انما تملک بالقبض لقولہ لو کنت جددتہ واحترتہ کان لک وذلک لان قبض الثمرۃ یکون بالجد او قبض الارض بالحرث کذا فی النیل واما اقوال العلماء ففی صحیح البخاری باب اذا وھب ھبۃ او وعد ثم مات قبل ان تصل الیہ وقال عبیدۃ ان مات وکانت فصلت الھدیۃ والمھدی لہ حی فھی لورثتہ وان لم تکن فصلت فھی لورثۃ الذی اھدی انتہی وفی العالمگیریۃ قال فی الاصل ولا تجوز ھبۃ المریض

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، تو فرمایا میں نے نجاشی کی طرف ایک حلہ اور چند اوقیہ کستوری بھیجی تھی، اور میرے خیال میں نجاشی کی موت ہوگئی ہے، اور غالباً میرا ہدیہ واپس ہی آجائے گا، اگر وہ واپس آگیا، تو وہ تیرا ہے، کہتی ہیں، پھر ایسا ہی ہوا، آپ کا ہدیہ واپس آگیا آپ نے اپنی عورتوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک اوقیہ کستوری دے دی، اور بقیہ کستوری اور حلہ ام سلمہ کو ہبہ کر دیا، حضرت عائشہ کہتی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق نے ان کو غابہ کے مال میں سے بیس وسق کھجوریں ہبہ کی تھیں، جب آپ کی وفات کا وقت آیا، تو آپ نے فرمایا میں نے تجھ سے بیس وسق کا وعدہ کیا تھا، اگر میں خود اس کو کاٹتا اور جمع کرتا، تو وہ تجھے مل جاتا، اب تو وارثوں کا مال ہے، اس کو اللہ کی کتاب کے موافق تقسیم کر دینا، اس حدیث میں دلیل ہے کہ ہبہ قبضہ کے بعد مکمل ہوتا ہے، صحیح بخاری میں ہے، جب کوئی ہبہ کرے یا وعدہ کرے پھر اس چیز کے پہنچنے سے پہلے مر جائے، ابو عبیدہ نے کہا، اگر ہبہ کرنے والا ہبہ کی چیز بھیج چکا ہو، اور اس کے بعد مرے، تو وہ چیز موہوب لہ اور اس کے وارثوں کی ہے، اور اگر ہبہ کرنے والا ہبہ کی چیز بھیجنے سے پہلے مر جائے، تو وہ ہبہ کرنے والے کے وارثوں کی ہے، اور بیمار کا ہبہ یا صدقہ نہیں قبضہ کی

ولا صدقۃ الا مقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث واذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت انتہی۔ وفی الہدایۃ وتصح بالایجاب والقبول والقبض والقبض لابد منہ لثبوت الملک لقولہ علیہ السلام[1] لا تجوز الہبۃ الا مقبوضۃ والمراد نفی الملک لان الجواز بدونہ ثابت انتہی ملخصا وفی فتح الباری والنیل ذھب الجمہور الی ان الہدیۃ لا تنتقل الی المہدی الیہ الا بان یقبضہا ھو او وکیلہ۔ حاصل کلام یہ ہے، کہ اشیاء موہوبہ کی تملیک بلا قبضہ کے نہیں ہو سکتی، ایسا ہی حدیث مذکور اور اثر مذکور اور اقوال مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے، اور یہی مذہب جمہور کا ہے، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے پوتے کو کچھ جائداد ہبہ کی، مگر قبضہ نہیں دلایا، اس کی رسید وغیرہ اپنے ہی نام سے دیتا رہا، اب پوتے اس کے دعوے کرتے ہیں، آیا دعویٰ ان کا صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: اگر اس شخص نے اپنے پوتے کو ان کی صغر سنی و حالت نابالغی میں ہبہ کیا تھا، تو ان کا دعوے صحیح ہے، ہدایہ میں ہے واذا[2] وھب الاب لابنہ الصغیر ملکھا الابن بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الہبۃ انتہی درمختار میں ہے ھبۃ[3] من لہ ولایۃ علی الطفل تتم بالعقد لو کان الموہوب معلوما وکان فی

صورت میں جائز ہے، جب کہ ثلث سے کم ہو، اور اگر ہبہ کرنے والا قبضہ دینے سے پہلے مرجائے تو ہبہ باطل ہو جائے گا ہدایہ میں ہے، کہ ہبہ ایجاب و قبول اور قبضہ سے صحیح ہوتا ہے، کیونکہ حضور نے فرمایا ہے، کہ ہبہ قبضہ کے سوا جائز نہیں ہے، اور اس سے مراد ملکیت کی نفی ہے، کیونکہ اس کے بغیر بھی جواز ثابت ہوتا ہے، اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے، کہ ہدیہ جہدی لہ کی طرف اس وقت تک منتقل نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ یا اس کا وکیل اس پر قبضہ نہ کرے۔

[2] اگر باپ اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کرے تو بیٹا عقد ہی سے اس کا مالک ہوگا، کیونکہ وہ باپ کے قبضہ میں ہے، اور باپ قبضہ میں اس کا نائب ہوگا [3] اس آدمی کا ہبہ جو بچے کا ولی ہے صرف عقد ہی سے پورا ہو جاتا ہے، بشرطیکہ موہوب معلوم ہو، اور بچے یا اس کے ولی (وا ہب) کے قبضہ میں ہو کیونکہ ولی کا قبضہ بچے کی طرف سے نیابتاً درست ہے

---

(۱) قولہ علیہ السلام لا تجوز الہبۃ الخ قلت غریب ورواہ عبد الرزاق من قول النخعی رواہ فی آخر الوصایا من مصنفہ فقال اخبرنا سفیان الثوری عن منصور عن ابراھیم قال لا تجوز الہبۃ حتی تقبض والصدقۃ تجوز قبل ان تقبض انتہی نصب الرایۃ۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

یدہ او فی ید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ۔ اور اگر اس شخص نے اپنے پوتوں کو بالغ ہونے کے بعد ہبہ کیا تھا تو ان کا دعوے صحیح نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان عمرو کے پاس رہن رکھا اس میں شرط یہ تھی، کہ روپیہ رہن کا بعد میعاد یک مشت ادا کروں گا اس کے بعد زید فوت ہوگیا، زید کے وارث تین ہیں، ایک خالد دوسری ہندہ تیسری ناطقہ، خالد دو حصہ کا مالک ہے، اور ہندہ اور ناطقہ ایک ایک حصہ کی مالک، خالد نے اپنے حقوق متعلق مکان عمرو کے نام ہبہ کر دیئے، اور قابض کرا دیا، اور ہندہ اور ناطقہ نے دوسرے شخص کے ہاتھ اپنے حقوق بیع کر دیئے، سو خالد کا ہبہ کرنا اپنے حقوق متعلقہ مکان کا بنام عمرو جائز ہے یا نہیں، اور ہندہ اور ناطقہ کی طرف سے مشتری اس نصف مکان کو انفکاک کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ ہبہ کرنا خالد کا عمرو کو غیر صحیح ہے، کیونکہ حصہ خالد کا مقسوم نہیں ہے سو لا یجوز الہبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ کذا فی الہدایۃ اور حصہ ہندہ اور ناطقہ کا اس وقت عمرو سے منفک کیا جا سکتا ہے، کہ کل دین عمرو کا جو ذمہ مورث یعنی زید کے ہے ادا کیا جاوے، کیونکہ خالد نے جو ہبہ کیا تھا، وہ صحیح نہیں ہے، جو بوجہ مشاع ہونے کے پس کل دین کے عوض کل مکان مرہون رہا۔ ولو قضاہ بعض الدین الذی رھن بمکان لہ ان یحبس الکل حتی یستوفی ما بقی اقل او اکثر کذا فی التاتارخانیۃ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین
حررہ محمد ابراھیم

سوال:۔ اگر کوئی شخص بحین حیات اپنی کل اشیاء واملاک کو اپنے بیٹا و بیٹی کو درمیان اپنے تقسیم کر دینا چاہے تو شرعاً کس طور سے تقسیم کرے یعنی بحصص مساوی فیما بین اولاد ذکور و اناث یا جس طور سے بحصہ کم و بیش بعد ممات تقسیم ہوتا ہے، مذہب حنفی کے مطابق جواب ارقام فرما دیں، بینوا توجروا

الجواب:۔ فی الطحطاوی لا باس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا اذا لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ نسوی بینہم یعطی البنت

۱؎ اور غیر منقسم چیز کا ہبہ درست نہیں ہے، تاوقتیکہ وہ تقسیم نہ ہو جاوے ۲؎ اگر راہن کچھ قرضہ ادا کر دے تو مرتہن کو حق پہنچتا ہے کہ پوری چیز مرہونہ کو روک رکھے تاوقتیکہ اس کا پورا قرضہ ادا نہ ہو جائے

کما ہو عند الثانی وعلیہ الفتوی۔ یعنی طحطاوی میں ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں بعض اولاد کے زیادہ چاہنے میں اس واسطے کہ محبت دل کا فعل ہے یعنی اس میں اختیار نہیں، اور اسی طرح بعض اولاد کے زیادہ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں، جب کہ ضرر رسانی باقی اولاد کی مقصود نہ ہو، اور اگر ضرر رسانی کا قصد کرے تو ان میں برابری رکھے یعنی بیٹی کو دے بیٹے کے برابر ابو یوسف کے نزدیک اور اسی پر فتوے ہے، اور امام محمد کا قول غیر مختار یہ ہے، کہ عطایا میں بیٹی کا دونا بیٹے کو دے میراث کے مانند کذا فی الطحطاوی، واللہ تعالے اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، ان میں ایک لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی کر چکا ہے، اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہنوز نا کتخدا ہیں، اور زید کے پاس جائداد منقولہ اور غیر منقولہ تخمیناً نو ہزار ہیں، ان میں سے آٹھ ہزار کے مکان اور ایک ہزار روپیہ کی غیر منقولہ مالیت ہے، اب زید کی یہ استدعا ہے، کہ حیات کا اعتبار نہیں اپنی حیات میں اس کو کس طور پر تقسیم کرے، از روئے حدیث و قرآن مجید کے ہر ایک کا حصہ تحریر فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بعد حمد و صلوۃ کے واضح ہو کہ نیل الاوطار جلد پنجم نعمان بن بشیر کی روایت ہے، کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعدلوا بین ابنائکم اعدلوا بین ابنائکم اعدلوا بین ابنائکم رواہ ابوداؤد والنسائی۔ یعنی اپنے بیٹوں میں انصاف کرو اپنے بیٹوں میں انصاف کرو اپنے بیٹوں میں انصاف کرو، اور ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ کی روایت میں یہ لفظ ہے سووا بین اولادکم فی العطیۃ ولو کنت مفضلا احدا لفضلت النساء (نیل الاوطار صفحہ ۲۴۲ جلد ۵) یعنی اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنے میں برابری کرو یہ نہیں کہ کسی کو کم کسی کو زیادہ دو، بلکہ سب کو برابر دو، اگر میں کسی کو زیادہ دینے کا حکم کرتا، تو لڑکیوں کے واسطے کرتا، اور مسلم کی بھی ایک روایت میں یہ لفظ ہے اعدلوا فی اولادکم یعنی اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنے میں برابری کرو، ان روایتوں میں یہ بات تو صاف طور پر بیان ہی ہو گئی، کہ اولاد میں سے ہر ایک کو برابر دینا چاہیئے، اتنی بات کو معلوم کرنا باقی رہا، کہ برابر دینے کا آیا یہ مطلب ہے کہ از روئے فرائض کے جس کا جتنا حق ہے، اسی قدر دیا جاوے، یعنی لڑکوں کو دوہرا حصہ اور لڑکیوں کو اکہرا حصہ یا سب کو برابر دیا جاوے، سو امام احمد و اسحاق اور بعض شافعیہ اور مالکیہ نے کہا ہے، کہ

فرائض کے موافق دینا مراد ہے یعنی لڑکوں کو دوہرا اور لڑکیوں کو اکہرا، اور باقی سب علماء کا یہ قول ہے کہ لڑکا ہو خواہ لڑکی سب کو برابر دیا جائے، اور ظاہر الفاظ حدیثوں کے اسی قول کی تائید کرتے ہیں نیل الاوطار جلد پنجم صفحہ ۲۴۴ و ۲۴۶) پس یہ مسئلہ یوں ہوا کہ مورث کے فوت ہونے پر لڑکی کو بہ نسبت لڑکے کے نصف ملتا ہے، اور مورث خود اپنی زندگی میں تقسیم کرے، تو لڑکا لڑکی دونوں برابر ہیں، اور سوال میں مذکور ہے، کہ ایک لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی کر دی ہے، اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں شادی سے باقی ہیں، لہذا الحکم تسویہ یا تو زید کو یوں چاہیئے، کہ ان تینوں پسر و دختران کی شادی کر دے، تب جو کچھ باقی رہے، اس کو سب اولاد پر بطریق مساوات تقسیم کر دے یا جتنا پہلے تینوں شادیوں میں صرف کیا ہے، اس قدر مال منقولہ یا جائداد الگ کر کے تینوں بچوں ناکتخدا کے واسطے کسی متولی کے سپرد کر دے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم،

حررہ العاجز حمید اللہ عفی عنہ، ساکن سرادہ، ضلع میرٹھ، ۲۶ جمادی الاول ۱۳۱۷ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ہرگاہ تقسیم بطور فرائض اللہ جائز نہ شد پس اگر یکے از فرزندان یا دو قطعہ اراضی از آں بکسے ہبہ کند یا بیع کند جائز خواہد بود یا نے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جائز نیست زیرا کہ مملوکہ ایشاں نیست کہ جائز باشد، چنانکہ جناب شاہ صاحب در عدم جواز تقسیم اشارہ فرمودہ اند، در بیع و ہبہ ملک بائع و واہب شرط است، در صحت عقد و ہبہ کما فی کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین	
ھو القادر الخالق المجیر	

محمد عبد الوہاب	فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد	
حفیظ اللہ خان	مستجاب ولی محمد سرفراز	رحمت اللہ	محمد نظام الدین
محمد کریم اللہ	محمد قطب الدین	خادم شرع متین قاضی بدر الدین

سراج العلماء ضیاء الفقہاء مفتی عدالت العالیہ سلطانی سید رحمت علی خان

سید محمد عماد الدین قادری الحسنی الحسینی		محمد نجف علی خان

سوال:۔ غیر شرعی تقسیم وراثت کے بعد ایک یا دو لڑکوں نے اس مال سے کسی کو ہبہ یا بیع کر دیا تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:۔ ناجائز ہے، کیونکہ یہ چیزیں ان کی مملوکہ نہیں ہے، چنانچہ جناب شاہ صاحب نے تقسیم کے عدم جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور بیع اور ہبہ میں عقد کے صحیح ہونے کے لئے ملکیت شرط ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو صد گز زمین عمرو کو ہبہ کر دی، اور یہ شرط کر دی، کہ زمین موہوبہ میں عمرو مدرسہ تعمیر کرے، اگر عمرو بعد قبض کے خلاف شرط کے عمل میں لایا، پس شرط مذکور کے فوت ہونے سے ہبہ برقرار رہا یا ٹوٹ گیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: واضح ہو کہ ہبہ وصدقہ وغیرہ تبرع ہے اور تبرع متحمل شروط کا نہیں ہوتا اس لئے شارع نے شرط کو باطل ولغو گردانا ہے، اور عقد کو برقرار رکھا ہے، ہدایہ میں ہے، ولو وهبها له على ان يردها عليه او على ان يعتقها او يتخذها ام ولد او وهب له دارا او تصدق عليه بدار على ان يرد عليه شيئا منها او يعوضه شيئا منها فالهبة جائزة والشرط باطل لان هذه الشروط تخالف مقتضى العقد فكانت فاسدة والهبة لا تبطل بها الا ترى ان النبي عليه الصلوة والسلام اجاز العمرى وابطل شرط المعمر بخلاف البيع لانه عليه الصلوة والسلام نهى عن بيع وشرط ولان الشرط الفاسد في معنى الربوا وهو يعمل في المعاوضات دون التبرعات انتهى، پس معلوم ہوا کہ یہ شرط کرنا زید کا کہ زمین موہوبہ میں مدرسہ تعمیر کرے، لغو وبیکار ہے، ہبہ کے درست ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے صرف یہ شرط لغو وباطل شرعاً قرار پائے گی، کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ واما في باب الهبة فالحكم هو الملك والملك يثبت بالقبض في حكم ركن العلة في باب الهبة والفساد لا يؤثر في الركن فلغا الشرط۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ سید عبد الحفیظ

سید محمد نذیر حسین	فقیر محمد حسین	یقال لہ ابراھیم

الجواب صحیح۔ ابو محمد عبد الحق عفی عنہ الجواب صحیح۔ انور شاہ کشمیری، مدرس مدرسہ امینیہ

ہبہ صحیح است وشرط باطل لیکن رجوع از ہبہ جائز است | فتح محمد | مدرس مدرسہ فتح پوری، دہلی

لہ اگر ہبہ کرنے والا اس شرط پر ہبہ کرے، کہ پھر اس کو واپس کر دینا، یا اس کو آزاد کر دینا، یا اس کو ام ولد بنا لینا یا اس کو مکان ہبہ کر دیا، یا اس کے بدلہ میں کوئی چیز دے دینا تو یہ ہبہ جائز ہے اور شرط باطل ہے، کیونکہ یہ شرائط تقاضائے عقد کے خلاف ہیں، لہذا فاسد ہوں گی، اور ہبہ باطل نہیں ہوگا، کیا غور نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمری کو جائز رکھا اور عمری دینے والے کی شرط کو باطل کیا، بخلاف بیع کے کہ حضور نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے، کیونکہ شرط فاسد سود کے مترادف ہے اور شرط معاملات میں تو مؤثر ہے لیکن احسانات میں مؤثر نہیں

۲ے اور ہبہ کے باب میں حکم یہ ہے، کہ اس کی ملکیت قبضہ سے ثابت ہو جائے گی، اور فساد رکن میں مؤثر نہیں ہوگا، تو شرط لغو ہو گی،

جواب صحیح وصواب ہے، بے شک ہبہ صحیح ونافذ ہوا، اور شرط واہب کی باطل ہے لیکن موہوب لہ کو اپنا اقرار سے پھرنا اور زمین میں مدرسہ نہ بنانے کا گناہ وعتاب ضرور ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ[1] یا ایہا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود۔ اور رجوع از ہبہ جائز علی الاطلاق نہیں، کما ہو مذکور فی کتب الفقہ فقط۔

محمد یعقوب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کو بنام اپنی اولاد ذکور واناث کے ہبہ کرنا چاہتی ہے، آیا اس کو یہ حق شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں، کہ بیٹے اور بیٹی کو برابر مساوی حصہ دے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ کو شرعاً یہ حق ہے، کہ اپنے بیٹے اور بیٹی کو مساوی حصہ دے، کیونکہ ظاہر فیصلہ نبوی یہی ہے، کہ جب کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے، تو بیٹے اور بیٹی کو مساوی حصہ دے، جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ عن[2] نعمان بن بشیر ان اباہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی نحلت ابنی ہذا غلاما کان لی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل ولدک نحلتہ مثل ہذا فقال لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارجعہ وفی لفظ فانطلق ابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیشہدہ علی صدقتی فقال افعلت ہذا بولدک کلہم قال لا قال فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم فرجع ابی فرد تلک الصدقۃ متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم قال فاشہد علی ہذا غیری ثم قال ایسرک ان یکونوا لک فی البر سواء قال بلی قال فلا اذن کذا فی بلوغ المرام۔ اس حدیث سے

---

[1] اے ایمان والو اپنے عقد پورے کرو۔

[2] نعمان بن بشیر کے باپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا کہ میں نے اپنے اس بچے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کیا تو نے اپنے سب بیٹوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا، اس سے رجوع کر، اور ایک روایت میں ہے کہ میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، تاکہ آپ کو میرے صدقہ پر گواہ بنائیں تو آپ نے فرمایا، کیا تو نے اپنی سب اولاد سے یہی سلوک کیا ہے، اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد میں انصاف کرو، تو میرے باپ نے اس صدقہ سے رجوع کر لیا، اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے سوا کسی اور کو اس پر گواہ بنا، پھر فرمایا، کیا تو چاہتا ہے، کہ تیری ساری اولاد تجھ سے اچھا سلوک کرنے میں برابر ہو اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، پھر تو بھی بے انصافی نہ کر۔

ظاہر یہی ہے، کہ ہبہ اور عطیہ میں بیٹا اور بیٹی کو برابر اور مساوی حصہ دینا چاہیئے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں، کہ جب باپ اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے، یا کچھ عطیہ دیوے، تو بیٹے کو دو حصہ دے اور بیٹی کو ایک حصہ دے، جیسے کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اور بیٹی میں اس کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے، مگر ظاہر الفاظ حدیث نعمان بن بشیر سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ جب باپ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے، تو بیٹا اور بیٹی کو حصہ برابر دے، اور زندگی کی حالت میں باپ کے ہبہ اور عطیہ کرنے کو تقسیم ترکہ پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں ہے علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر سبل السلام میں نعمان بن بشیر کی حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔ الحدیث[1] دلیل علی وجوب المساواۃ بین الاولاد فی الھبۃ وقد صرح بہ البخاری وھو قول احمد واسحٰق واٰخرین وانھا باطلۃ مع عدم المساواۃ وھو الذی یفیدہ الفاظ الحدیث من امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بارجاعہ من قولہ ومن قولہ اتقوا اللہ اعدلوا بین اولادکم وقولہ فلا اذن وقولہ لا اشھد علی جور واختلف فی کیفیۃ التسویۃ فقیل بان تکون عطیۃ الذکر والانثی سواء وھو ظاہر قولہ فی بعض الفاظہ عند النسائی الا سویت بینھم وعند ابن حبان سووا بینھم ولحدیث ابن عباس سووا بین اولادکم فی العطیۃ فلو کنت مفضلا احدا لفضلت النساء اخرجہ سعید بن منصور والبیھقی باسناد حسن و قیل التسویۃ ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین علی حسب التوریث انتہی۔

حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے ماں باپ سے علیحدہ ہے، سارا کاروبار جدا ہے، ایسی صورت میں زید کے مال کو اس کا باپ یا ماں ڈوم یا چمار کو بلا اذن زید کے دے دے، تو جائز ہے یا نہیں، اور جب کہ زید کو خبر ہوئی تو اس شئے کو واپس اپنی ماں سے کرایا، واپس کرانے کا مواخذہ شرعی زید کے ذمہ ہوگا یا نہیں واضح رہے، کہ واپس لینے سے اس کے ماں باپ زید سے مطلق رنجیدہ نہیں ہیں۔ بینوا توجروا، مکرر

[1] اس حدیث میں دلیل ہے، کہ اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات واجب ہے، اور امام احمد اسحاق اور دوسرے علماء کا یہی مذہب ہے، اگر مساوات نہ ہو تو ہبہ باطل ہو جاتا ہے، حدیث کے الفاظ اس پر صاف دلالت کر رہے ہیں، اور مساوات کی کیفیت میں اختلاف ہے، اکثر کا قول یہ ہے کہ ہبہ میں لڑکی اور لڑکا برابر ہے، اور وراثت میں لڑکے کو لڑکی سے دگنا ملتا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال ہے، کہ ہبہ میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھنا مساوات ہی ہے۔

آنکہ جواب قرآن و حدیث سے موافق مذہب حنفی تحریر فرمایا جائے فقط

الراقم حکیم عبدالحلیم از شہر چھپرہ متصل صدر تھانہ ۶ ربیع المظفر ۱۳۱۷ ہجری،

الجواب۔ ہوالموفق للصواب۔ صورت مسئولہ میں زید کے مال اور باپ کو بغیر اجازت و اذن زید کے مال میں تصرف کرنا اور کسی کو ہبہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ ضرورت کے وقت باپ کو حق تملک زید کے مال میں شرعاً ثابت ہے۔ فی رد المحتار ان للاب ولایۃ تملک مال ابنہ للحاجۃ الی ابقاء نفسہ فکذا الی صون نسلہ لانہ جزءمنہ لکن الاولی اشد ولذا یتملک الطعام بغیر قیمۃ والجاریۃ بالقیمۃ و یحل لہ الطعام عند الحاجۃ دون وطوء الجاریۃ و یجبر الابن علی الانفاق علیہ دون دفع الجاریۃ للتسری فللحاجۃ جاز لہ التملک ولقصورھا اوجبنا علیہ القیمۃ مراعاۃ للحقین اور حدیث میں جو آیا ہے انت و مالک لابیک اس سے ظاہر مراد نہیں ہے، تاکہ جمیلہ تصرفات مثل بیع و ہبہ کے باپ کے لئے جائز ہو جیسے خود اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بیٹا ہرگز مملوک نہیں ہے، ورنہ باپ کو اختیار ہوتا، کہ اپنے بیٹے کی بیع و فروخت کرے اور کوئی عاقل اس کا قائل نہیں ہے، اور نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بھی فرمایا ہے، اور اضافت مال کی کاف خطاب کی طرف جو عبارت ابن سے ہے، مفید تملک اور اختصاص ہے، اس سے بھی معلوم ہوا، کہ مال بیٹے کا مملوک باپ کا نہیں ہے، ورنہ لازم آوے گا، کہ شئے واحد مملوک بملک تام دو مالکوں کے ہے حالت واحدہ میں، اور اس کا بطلان ظاہر ہے بلکہ مراد اس حدیث سے یہ ہے، کہ جائز ہے باپ کے لئے انتفاع مال ابن سے وقت ضرورت کے۔ فی[۲] شرح الوقایۃ فان قولہ علیہ السلام انت و

---

[۱] باپ کو اپنی جان بچانے کے لئے اپنے بیٹے کے مال میں ملکیت کی ولایت ہے، اور اپنی محفوظ رکھنے کے لئے بھی، لیکن پہلی ضرورت چونکہ زیادہ شدید ہے، لہٰذا وہ کھانے وغیرہ کا تو بغیر قیمت کے مالک ہے اور لونڈی وغیرہ کا بغیر قیمت کے، ضرورت کے وقت باپ اپنے بیٹے کا کھانا تو کھا سکتا ہے لیکن اس کی لونڈی سے صحبت نہیں کر سکتا، اور بیٹے کو باپ کے کھانے کے لئے تو مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن لونڈی دینے کے لئے نہیں، اگر باپ بیٹے کی لونڈی لے لے، تو ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز ہے اور چونکہ حاجت ضروری نہیں ہے لہٰذا ہم نے اس پر قیمت واجب کر دی تاکہ دونوں حقوق کی رعایت رہے

[۲] شرح وقایہ میں ہے، کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے، اس کا حقیقی معنی

مالك لابيك لايراد به المعنى الحقيقي وهو ان يكون ملكا للاب ضرورة كونه ملك الابن يدل عليه قوله انت ومالك لابيك فيراد به المعنى المجازي وهو حل الانتفاع والله اعلم بالصواب۔ حررہ غلام حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید با حیات ہے اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے، زید اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کو اپنے لڑکے یا پوتے کے نام ہبہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اور اس حیلہ سے اپنے بعد وفات لڑکی کو ترکہ سے محروم رکھنا چاہتا ہے، آیا یہ ہبہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، اس ہبہ ہو جانے کے بعد جب کہ زید انتقال کرے، تو اس کی لڑکی شرعاً ترکہ لے سکتی ہے، یا نہیں، ہبہ کے جواز یا عدم جواز کو، اور نیز شرعاً ترکہ پانے یا نہ پانے کو مدلل بقرآن و حدیث تحریر فرمائیے۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب۔ یہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے اس لئے کہ یہ ہبہ لڑکی کے اضرار کو مستلزم ہے اور اضرار شرعاً ناجائز ہے۔ قال العلامۃ الزیلعی فی نصب الرایۃ جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ روی الحاکم فی المستدرك فی البیوع من حدیث عثمان بن محمد بن عثمان بن ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن حدثنی عبد العزیز بن محمد الدراوردی عن عمرو بن یحیی المازنی عن ابیہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ضرر ولا ضرار من ضار ضارہ اللہ ومن شاق شق اللہ علیہ[1] اھ وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ اھ وقال العلامۃ رح وروی ھذا الحدیث عن عبادۃ بن الصامت وابن عباس وابی لبابۃ وثعلبۃ بن مالك وجابر بن عبد اللہ وعائشۃ ایضا انتہی وھذہ الاحادیث وان کان فی طرق بعضہا او اکثرہا کلام لکنہا بتعدد طرقہا تتقوی، اور بھی یہ ہبہ لڑکی کے عقوق کو مؤدی ہے، اور عقوق گناہ کبیرہ و ناجائز ہے، قال فی المشکوۃ صفحہ ۹ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکبائر الاشراك باللہ[2]

مراد نہیں، بلکہ اس کا مجازی معنی مراد ہے، کہ باپ اپنے بیٹے کے مال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ نہیں کہ حقیقۃً اس کا مال ہو جاتا ہے

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ خود نقصان اٹھاؤ، نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ، جو کسی کو تکلیف دے گا، اللہ اس کو دے گا، اور جو کسی پر سختی کرے گا، اللہ اس پر سختی کرے گا۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا،

وعقوق الوالدين الحديث۔ اور بھی یہ ہبہ لڑکی کو میراث سے محروم کرنے کو متضمن ہے اور عورتوں کو میراث سے محروم کرنا جاہلی طریقہ ہے، جس کو اسلام نے باطل وناجائز قرار دیا ہے قال فی الجلالین صفحہ ۸۶ نزل ردا لما کان علیہ الجاهلية من عدم توريث النساء والصغار للرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه اوكثر نصيبا مفروضا ۱۵ اور جب یہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے تو شرعاً باطل وکالعدم ہے۔ لحدیث من عمل عملا ليس عليه امرنا فهورد رواہ مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷۔ اور جب یہ شرعاً باطل وکالعدم ہے تو لڑکی بعد انتقال نیاز حسین کے مال سے شرعاً ترکہ لے سکتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ۔ | مدرسہ احمدیہ آرہ |

الجواب صحیح۔ کتبہ محمد حامد غفرلہ

الجیب مصیب۔ کتبہ احمد علی۔

طابق الجواب بالکتاب کتبہ محمد نعمان عفی عنہ

الجواب صحیح۔ محمد نجم الدین عفی عنہ

الجواب صحیح۔ کتبہ محمد عبدالعزیز عفی عنہ

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح۔ کتبہ عبدالوہاب عفی عنہ

محمد ضمیر الحق عفی عنہ

الجواب صحیح۔ عبدالنور المظفر پوری

الجواب صحیح، یوسف، المرشد آبادی

الجواب صحیح والمجیب نجیح۔ کتبہ محمد ہاشم عفی عنہ

المجیب مصیب، واللہ تعالیٰ اعلم

من اجاب فقد اصاب۔ فضل رب بہاری

ابو صالح محمد عبدالوہاب عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین |

سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ اہلیہ سابقہ کو کہ جس کے عقد کو عرصہ چھتیس سال کا ہوا، اور اس سے ایک بیٹا اور بیٹی اور پوتا و پوتی و نواسہ وغیرہ پیدا ہوئے، اور اب زید نے مسماۃ ہندہ اہلیہ سابقہ کے پاس دوسرے مکان میں آنا جانا اور خدمت لینا اور حق شب داری وغیرہ واسطے لگانے الزام عدم اطاعت ونافرمانی

۱؎ یہ آیت جاہلیت کے اس رواج کی تردید کے لئے نازل ہوئی کہ وہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی، مردوں کے لئے حصہ ہے اس چیز سے جو ماں باپ چھوڑ جائیں اور قرابت دار، اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو قرابت دار اور ماں باپ چھوڑ جائیں خواہ کم ہو یا زیادہ ہر ایک کا حصہ مقرر ہے۔

کے ترک کیا اور اس مدت دراز زمانہ موافقت میں (یعنی چھتیس سال میں) جو کچھ زید نے خوشی یابت جائداد منقولہ یا غیر منقولہ اپنی رضامندی سے اہلیہ سابقہ اپنی کو ہبہ کرکے دے دی ہے اور قابض کر دیا ہے اب بوجہ طمع نفسانی یا کسی اغوائش یا اہلیہ جدیدہ کی آسائش کے خیال سے وہ ہبہ کی ہوئی جائداد کو عدم اطاعت ونافرمانی کا الزام اہلیہ سابقہ کو لگا کر واپس لینا چاہتا ہے، حالانکہ اہلیہ سابقہ کو اطاعت وفرمانبرداری میں بموجب حکم شرع کے زید عمر اپنے سے بالکل انکار نہیں پس ایسی حالت واقعہ میں زید کا جائداد موہوبہ کو اہلیہ سابقہ سے واپس

لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: درصورتیکہ زید نے اپنی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ برضا ورغبت اپنی زوجہ اولیٰ کو ہبہ کر دی، اور قابض بھی کر دیا تو بلاشبہ جائداد موہوبہ ملک زوجہ اولیٰ کے ہو گئی اب زید کے لئے جائداد موہوبہ کو واپس لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ عن[1] ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العائد فی ھبتہ کالکلب یقئ ثم یعود فی قیئہ متفق علیہ۔ عالمگیریہ میں ہے۔ اذا[2] وھب احد الزوجین لصاحبہ لا یرجع فی الھبۃ وان انقطع النکاح بینھما۔ انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید عبد السلام عفی عنہ، ۱۷ محرم ۱۳۱۷ھ | سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق: فی الواقع صورت مسئولہ میں زید کو ہرگز جائز نہیں ہے کہ جائداد موہوبہ کو اپنی زوجہ اولیٰ سے واپس لیوے۔ بلوغ المرام میں ہے۔ عن[3] ابن عمر عن ابن عباس رضی اللہ عنھم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لرجل ان یعطی العطیۃ ثم یرجع فیھا الا الوالد فیما یعطی ولدہ رواہ احمد والاربعۃ وصححہ الترمذی وابن حبان والحاکم قال فی سبل السلام قولہ لا یحل ظاھر فی التحریم والقول بانہ مجاز عن الکراھۃ الشدیدۃ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہبہ میں رجوع کرنے والے کی مثال کتے کی سی ہے جو قے کرکے پھر کھا لیتا ہے۔ [2] میاں بیوی میں سے اگر کوئی دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کرے، تو اس میں رجوع نہیں کر سکتا، خواہ ان کا نکاح ہی کیوں نہ ٹوٹ جائے۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جائز نہیں ہے، کہ کوئی آدمی عطیہ دے کر پھر اس سے رجوع کرے، مگر باپ اپنے بیٹے کو دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے، اسے احمد اور اربعہ نے روایت کیا ہے ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، سبل السلام میں ہے، کہ ہبہ میں رجوع کردہ تحریمی ہے

صرف لہ عن ظاہرہ وقولہ الا الوالد دلیل علی انہ یجوز للاب الرجوع فیما وھبہ لابنہ کبیرا کان او صغیرا ورخصتہ الہدویۃ بالطفل وھو خلاف ظاھر الاحادیث انتہی، و وقال فیہ تحت حدیث العائد فی ھبتہ کالکلب الخ فیہ دلالۃ علی تحریم الرجوع فی الہبۃ وھو مذہب جماھیر العلماء وبوب البخاری باب لا یحل لاحد ان یرجع فی ھبتہ وصدقتہ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے تین لڑکے چھوڑ کے نکل گیا، دو چار مہینہ کے انتظار کے بعد اس کے لڑکوں نے اس کے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا، اس تقسیم کے دو برس کے بعد پھر وہ شخص آ گیا اور اس تقسیم سے کچھ بھی ناخوش نہ ہوا بلکہ اپنی زبان سے بھی کہہ دیا، کہ تم لوگوں نے اچھا کیا، پھر چند دنوں کے بعد وہ شخص مکان سے یہ کہتا ہوا چلا گیا، کہ میں پھر نہیں آؤں گا، لڑکوں نے جو پہلے تقسیم کر لیا وہی تقسیم قائم رہی اس شخص کے دوسری مرتبہ نکل جانے کے دو برس کے بعد اس کا ایک بیٹا انتقال کر گیا، اب اس متوفی کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور بھائی وغیرہ ہیں، اب اس کے بھائی لوگ کہتے ہیں، کہ اس کی اولاد کو حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ شاید ہمارے والد آج تک زندہ ہوں، اور اولاد متوفی کہتے ہیں کہ ضرور ملے گا، کیونکہ شخص غائب پہلی تقسیم میں راضی تھا، اور اپنی زبان سے کہہ بھی دیا تھا، کہ تم لوگوں نے اچھا کیا، اور معترض نہ ہوا، تو گویا اسی کی تقسیم کی ہوئی ہے، اور غائب کا آج تک پتہ نہیں ہے، اور جب تقسیم کر دیا، تو مال میرے باپ کا ہے، اب آیا متوفی کا ترکہ اس کی اولاد کو پہنچے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں متوفی کا ترکہ اس کی اولاد کو ضرور پہنچے گا، متوفی کا والد خواہ زندہ ہو، خواہ زندہ نہ ہو، کیونکہ جب اس کا والد ان لوگوں کی تقسیم سے کچھ بھی ناخوش نہ ہوا، بلکہ اس تقسیم پر اپنی رضامندی ظاہر کی، اور یہ کہا، کہ تم لوگوں نے اچھا کیا، تو گویا اس کے والد نے اپنے مال کو خود تقسیم کر کے اپنے تینوں لڑکوں کو علی التسویہ ہبہ کر دیا، اور قبضہ بھی کرا دیا، پس متوفی اپنے حصہ کا آپ مالک تھا، اس کے بعد اس کی اولاد کو پہنچے گا، اور اس کی اولاد کے علاوہ اس کا

باپ اپنے بیٹے کو ہبہ کر کے واپس لے سکتا ہے، بیٹا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا جمہور کا یہی مذہب ہے، ہدویہ صرف چھوٹے بچے سے باپ کا رجوع جائز سمجھتے ہیں، لیکن یہ حدیث کے خلاف ہے، امام بخاری علیہ الرحمۃ ترجمہ باب میں فرماتے ہیں، کہ صدقہ اور ہبہ میں رجوع جائز نہیں۔

کوئی اور بھی وارث ہوگا، وہ بھی پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

سید محمد نذیر حسین

حررہ عبدالعزیز عفی عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ولد نے ایک مکان اپنے روپے سے اپنی زوجہ کے نام سے خرید کیا اور اس پر لاگت وغیرہ لگا کر اس کو درست کرایا اور زید مذکور نے کوئی ہبہ نامہ اس کی نسبت نہیں لکھا اور نیز اس کے قبضہ و تصرف میں بھی نہیں دیا اور زید مذکور نے وصیت نامہ میں بھی اپنی ملکیت میں لکھا ہے سماۃ مذکورہ کہتی ہے کہ مکان مذکور میری ملکیت ہے اور دیگر ورثا کہتے ہیں کہ مکان مذکور ملکیت زید ہے، اب عندالشرع جائداد مذکور کس کی ملکیت قرار دی جائے گی، بینوا توجروا،

الجواب: صورت مسئولہ میں جائداد مذکور شرعاً زید کی ملکیت قرار دی جائے گی، اور زید کے تمام ورثا پر بقدران کے سہام کے تقسیم ہوگی، کیونکہ زید نے اس کی نسبت نہ کوئی ہبہ نامہ لکھا ہے اور نہ اس کو اپنی زوجہ کے قبضہ و تصرف میں دیا ہے، بلکہ وصیت نامہ میں اس کو اپنی ملکیت میں لکھا ہے، پھر جائداد مذکور زوجہ کی ملکیت کیونکر ہو سکتی ہے، رہا زید کا اپنی زوجہ کے نام سے جائداد مذکور کو خریدنا، اور قبالہ میں زوجہ کا نام فرضی درج کرنا، سو یہ بنام زوجہ ہبہ کرنا نہیں ہے، اور بالفرض اگر ہبہ ہو تو بھی چونکہ زوجہ کا اس پر قبضہ نہیں ہے، اور ہبہ بلا قبضہ مفید ملک نہیں ہوتا، اس وجہ سے جائداد مذکور زوجہ کی ملکیت نہیں ہو سکتی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے لڑکے صغیر السن کے نام ایک مکان خریدا، اور اس کے نام سرخط کیا، اور اس کا کرایہ وغیرہ اس کے نام جمع کرتا رہا، اب زید فوت ہو گیا، پس وہ مکان اس لڑکے کے نام خاص رہا، یا سب وارث اس میں شریک ہوں گے، بینوا توجروا۔

الجواب: جب کہ زید نے مکان بنام اپنے پسر صغیر السن کے خریدا، اور اس کو کرایہ دیا، اور کرایہ دار سے سرخط مکان اس لڑکے کے نام کا لکھوا دیا، اور اس کا کرایہ وغیرہ بھی اس کے نام کا علیحدہ جمع کرتا رہا، تو وہ مکان پسر نابالغ کے ملک میں آگیا، بحکم ہبہ، اور جو سرخط اپنے نام سے زید لکھتا، اور کرایہ اپنے نام جمع کرتا، تو وہ مکان ملک زید میں رہتا، اور بنام پسر فرضی متصور ہوتا، جیسے کپڑا پسر نابالغ کے لئے قطع کرا دیا، تو بمجرد قطع کرا دینے کے پسر نابالغ مالک اس کپڑے نا دوختہ

کا ہو جاتا ہے، اور قبضہ باپ کا قائم مقام قبضہ پسر نابالغ کے متحقق ہوتا ہے شرعاً۔ اور فتاوٰے عالمگیری میں غیاثیہ سے منقول ہے، کہ صغیر کے باپ نے انگور یا کوئی درخت لگایا، اور کہا جعلتہ باسم ابنی یعنی اس کو میں نے اپنے بیٹے کے نام ٹھہرا دیا، اور مشہور کیا، تو یہ ہبہ ہے، اور یہی قول اظہر ہے، اسی پر ہمارے اکثر مشائخ ہیں، ابو الصغیر غرس کرما او شجرا ثم قال جعلتہ لابنی فھو ھبۃ وان قال جعلتہ باسم ابنی فکذلک ھو الاظہر وعلیہ اکثر مشائخنا کذا فی الغیاثیۃ ہکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وفی بحر الرائق اغرسہ باسم ابنی کالا قرب الصحۃ انتہی ما فیہ مختصرا۔ پس جیسے انگور یا درخت لگایا پسر کے نام سے وہ انگور یا درخت ملک پسر نابالغ کے ہو جاتا ہے بطور ہبہ کے اسی طرح جو مکان اس کے نام سے خرید اتو وہ مکان اس کے ملک میں آجاتا ہے۔ لان حکم المثلین واحد کما لا یخفی علی المتامل واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ احقر الانام عبد السلام شبیرہ حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد زر خرید بحیز ہبنا مہا اپنی زوجہ مسماۃ رحمت بی بی اور دختر صلبی مسماۃ افضل کو ہبہ کر دی، اور مالک بنا دیا اور ہبہ نامہ رجسٹری کرا دیا، اور موہوب لہما مکان پر قابض ہیں، عرصہ قریباً پندرہ سال کا ہو گیا اب چچا مسماۃ افضل موہوب لہا کے اس مکان پر جو کہ پدر افضل نے بنام مسماۃ افضل ورحمت بی بی زوجہ اپنی کے ہبہ کر دیا تھا، دعوٰے کرتے ہیں، آیا شرعاً ان کا حصہ مکان موہوبہ میں کچھ پہنچتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں جب کہ زید نے اپنی جائداد زر خرید اپنی زوجہ اور دختر کو ہبہ کر دیا، اور مالک بنا دیا، اور موہوب لہما جائداد موہوب پر قابض بھی ہو گئے تو جائداد موہوب موہوب لہما کی ملک ہو گئی، پس چچا کا دعوٰے شرعاً غیر مسموع ونا جائز ہے اور جائداد موہوب میں چچا کا کچھ بھی حصہ نہیں پہنچتا ہے، ہدایہ میں ہے، ²تصح بالایجاب والقبول والقبض و القبض لابد منہ لثبوت الملک وقال مالک رحمۃ اللہ علیہ ثبت الملک فیہ قبل اعتبارا بالبیع ولنا قولہ علیہ السلام لا یجوز الھبۃ الا مقبوضۃ والمراد نفی الملک

---

¹ چھوٹے بچے کے باپ نے انگور یا درخت لگایا، اور کہا میں نے یہ اپنے بچے کے لئے کیا، یا بچے کے نام کیا تو یہ ہبہ ہے ² ہبہ ایجاب، قبول اور قبضہ سے درست ہو جاتا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

کان الجواب بلا وتد ثابت انتہی مختصراً۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے روپیہ سے ایک قطعہ زمین اپنے بیٹے بکر کے نام سے خریدی، اور اس کو اپنے روپیہ سے تعمیر کرایا، اس کے بعد زید پندرہ بیس برس زندہ رہا، اور اس مکان میں مع ورثہ سکونت پذیر رہا، جب کبھی ضرورت ہوئی اپنے روپے سے مرمت کرواتا رہا، بعد انتقال زید کے کل ورثہ اسی مکان میں سکونت پذیر رہے، اور قبضہ بھی سب ورثہ کا رہا، بعد انتقال زید کے جب کبھی مرمت مکان کی ضرورت ہوتی، مال متروکہ سے ہوتی رہی، از روئے شرع شریف یہ مکان خاص ملکیت بکر ہے، یا مثل اور جائداد کے سب ورثہ کا ہے بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت سوال سے ظاہر ہے، کہ موافق دستور کے اسم فرضی بنام بکر کے خرید کیا، اور اسم فرضی موجب ملک بکر نہیں ہو سکتا، اس واسطے کہ غایت مافی الباب خرید نا باسم فرضی اقرار کرنا ایک ملک کا ہے، بنام غیر، اور اقرار شرعاً عبارت ہے غیر شخص کے اس حق کی خبر دینے سے جو مقر پر ثابت اور لازم ہے، اور اقرار اخبار ہے۔ ھو لغۃ الاثبات یقال قرالشئ اذا ثبت وشرعا اخبار بحق علیہ للغیر کذا فی تنویر الابصار والدر المختار اور عقد بیع انشا ہے اما حکمہ فثبوت الملک فی البیع للمشتری وفی الثمن للبائع اذا کان باتا انتہی ما فی العالمگیریۃ۔ اور سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مباشر عقد زید ہے اور فرضی نام بکر کا وقت خرید کے درج کر دیا، اور ثمن اپنے مال مملوکہ سے ادا کیا، کیونکہ قبل خرید کے یہ زید کا نہ تھا، کیونکہ ہنوز خرید ہی نہ تھا، کہ اقرار زید کا بہ نسبت بکر کے مفید ملک مقر لہ کا ہووے، اور بعد خرید کے صریح عاقد اور مودی ثمن زید ہے تو اب وہ مکان ملک زید میں آگیا، اور اقرار اخبار حق ثابت سے ہے جو زید پر بخفا مشعر ہے، اور یہ بات صریح کذب ہے، کہ ملک بکر کا نہیں ہو سکتا بنا بر اس کے کہ اقرار اخبار ہے محتمل ہے،

قبضہ سے پہلے بھی موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اور ہماری دلیل آنحضرت کا قول ہے کہ ہبہ قبضہ سے جائز ہے، اور اس سے مراد قبضہ سے پہلے ملکیت کی نفی ہے ورنہ ہبہ اس کے سوا بھی ثابت ہے۔

۱؎ اقرار کے معنی لغت میں ثابت کرنا ہے اور شریعت میں اپنے اوپر غیر کا حق تسلیم کرنے کا نام ہے مکذا فی تنویر الابصار والدرالمختار ۲؎ بیع کا حکم یہ ہے کہ مبیع میں مشتری کا ملک ثابت ہو جاتا ہے اور قیمت میں بائع کا۔

صدق وکذب کا، اور مدلول لفظی وضعی کا تخلف لفظ سے جائز ہے، اور جو اقرار انشا ہوتا، تو تخلف صحیح نہ ہوتا، اس واسطے کہ انشا میں مدلول لفظی وضعی کا تخلف ممنوع ہے، جیسا کہ فقہ کی کتب اس سے مالا مال ہے، اور اسباب ملک کے تین چیزیں ہیں یا استیلاء یا بیع و ہبہ یا وراثت و وصیت، سوال میں یہ تینوں چیزیں مفقود ہیں، پس اس قاعدہ فقہیہ سے ظاہر ہوا، کہ نام فرضی درج ہو جانا سبب ملک کا نہیں ہو سکتا شرعاً، ہاں صورت ہبہ پر محمول ہو سکتا ہے، اور یہ مفید ملک موہوب لہ جب ہوتا ہے، کہ قبضہ موہوب لہ کا پایا جاوے اور یہاں قبضہ مفقود ہے، تو ہبہ بھی صحیح اور مفید ملک موہوب لہ نہ ہوا، شرعاً چنانچہ فتاوے قاضی خان اور عالمگیری میں مذکور ہے، من اراد التحقیق فلیراجع الیہما۔

پس صورت مسئول عنہا میں موافق تحریر مذکور کے ہبہ ثابت نہیں ہوتا یعنی اس تقریر سے کہ مکان خریدتا ہوں باسم بکر، کما لا یخفی علی الماہر المتفقن بالفقہ، پس جیسا کہ ملک زید کا تھا، ویسا ہی قائم رہا، اور بعد موت زید کے ترکہ زید ہے، اور سب ورثہ مستحق ہیں نہ ملک بکر خاص اور ہبہ بغیر قبضہ باطل ہے، اور یہاں قبضہ کبھی نہیں پایا گیا، اور یہاں کا عرف ہے، کہ دکان و مکان بنام ایک اولاد کے کرتے ہیں، اور ملک اپنی رکھتے ہیں، پس بقاعدہ کلیہ فقہا المعروف کالمشروط کے ہبہ نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، المجیب لطف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مولوی عبد الحی لکھنوی کے مجموعہ فتاوے میں ہے، استفتاء، زید نے اپنے زر ذاتی سے رہنا و شراء اکثر جائداد واسطے اپنے اور بکر اور خالد اپنے برادران علاتی کے حاصل کی اور قبالجات رہن اور بیع کے بھی اپنے بھائی وغیرہ کے نام سے تیار کرائے اب ورثہ زید مذکور کے بکر و خالد کو اشیاء موصوفۃ الذکر سے بے دخل اور ان کی ملکیت کو ان اشیاء سے زائل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ہو الموفق:۔ اگر جائداد واشیا زید کی ہیں، بہ ثبوت شرعی تو ورثہ زید کو اختیار ہے، واللہ اعلم، نمقہ خادم دلبار الصمد علی محمد غفر لہ الصمد الاحد،

الجواب صحیح۔ حررہ محمد عبد الحی عفی عنہ

اس مضمون کا ایک اور سوال ہے اس کے جواب میں لکھتے ہیں سجل نامہ شرعاً لاشے محض است، وجود و عدم او برابر است، ازاں رفع حجت اولاد عبد الرشید نمی تواند شد

واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحی عفی عنہ

اس مضمون کا ایک فتوی مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کا بھی میرے پاس موجود تھا مگر وہ اس وقت دستیاب نہ ہوا، فقط عبد الجبار غزنوی عفی عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حین حیات میں اپنی ایک لڑکی زینب کا جہیز اکٹھا کیا تھا، پلنگ، صندوق، برتن وغیرہ سب اسی کے نام سے خریدے، اور کپڑے بھی اسی کے بدن کے سلوائے، اور عنقریب اس کی شادی ہونے والی تھی کہ زید کا انتقال ہو گیا، اب وہ جہیز جو زینب کے لئے مخصوص کیا گیا تھا مثل دیگر مال متروکہ زید کے تمام ورثہ پر تقسیم ہوگا، یا فقط زینب ہی کے لئے مخصوص کیا جاوے گا، دیگر یہ کہ زید کی زوجہ ایام عدت میں اگر اپنے ماں باپ یا خالہ کے گھر بندیجہ اس کے کہ جو اس کے اور اس کے ماں باپ یا خالہ کے گھر میں لگی ہوئی ہے، چلی جایا کرے تو درست ہے یا نہیں، بینوا بالسنۃ والکتاب، توجروا عند اللہ یوم الحساب۔

الجواب:۔ علمائے حنفیہ کے نزدیک صورت مسئولہ میں اگر سامان جہیز کے خریدنے اور کپڑے سلوانے کے وقت لڑکی مسماۃ زینب نابالغہ تھی، تو وہ جہیز زینب کی ملک ہے وہ اسی کے لئے خاص کیا جاوے گا، اور مثل دیگر ترکہ زید کے تمام ورثہ پر تقسیم نہ ہوگا، اور اگر بالغہ تھی، تو وہ جہیز اس کی ملک نہیں ہے، اور اس کے لئے خاص نہیں کیا جاوے گا، بلکہ مثل دیگر ترکہ زید کے تمام ورثہ پر تقسیم ہوگا، فتاوی عالمگیریہ میں ہے۔ رجل جهز لابنته ثم مات قبل التسليم اليها طلب بقية الورثة نصيبهم من الجهاز فان كانت الابنة بالغة وقت التجهيز فلباقي الورثة نصيبهم هكذا ذكروا هو الصحيح لانها اذا كانت بالغة ولم يسلم اليها لا يصح القبض والملك بخلاف ما اذا كانت صغيرة حيث لا نصيب للباقين لانها اذا كانت صغيرة كان الاب قابضا لها انتهى، علمائے حنفیہ کے نزدیک

لہ سجان نام شریعت کے لحاظ سے بالکل بے کار چیز ہے، اس کا موجود ہونا برابر ہے، اس سے جھگڑا رفع نہیں ہو سکتا، ۲ے ایک آدمی نے اپنی لڑکی کے لئے جہیز تیار کیا، اور اس کے حوالہ کرنے سے پہلے مر گیا، اب وارثوں نے جہیز کے مال سے حصہ طلب کیا، تو اگر لڑکی بالغ تھی، تو وارث اس سے حصہ لے سکتے ہیں، کیونکہ جوان لڑکی کا اس پر قبضہ نہیں ہوا تھا، اور اگر لڑکی نابالغ تھی تو وارث حصہ لے سکتے ہیں کیوں کہ اس کی طرف سے نیا چاباپ کے قبضہ میں تھا۔

یہ بات اس لئے ہے کہ ان کے نزدیک ہبہ بلا قبض مفید ملک نہیں ہوتا، ہاں اولاد صغیر کو جو کچھ باپ ہبہ کرے، وہ ہبہ بلا قبض کے بھی مفید ملک ہوتا ہے لیکن امام مالک وغیرہ جن علماء کا مذہب یہ ہے، کہ ہبہ بلا قبض بھی مفید ملک ہوتا ہے، سوان کے نزدیک صورت مسئولہ میں وہ جہیز زینب ہی کی ملک ہے، خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ اس واسطے کہ امام مالک وغیرہ کے نزدیک ہبہ بلا قبض بھی مفید ملک ہوتا ہے۔ عون الباری میں ہے واختلف ھل من شرط صحۃ الہبۃ القبض ام لا فالجمہور وھو قول الشافعی الجدید والکوفیون انہا لا تملک الا بالقبض لقول ابی بکر الصدیق لعائشۃ رضی اللہ عنہما فی مرضہ فیما نحلہا فی صحتہ من عشرین وسقا وددت انک حزتیہ اوقبضتیہ وانما ھو الیوم مال الوارث ولانہ عقد ارفاق کالقرض فلا یملک الا بالقبض وفی القدیم تصح بنفس العقد وھو مشہور مذھب المالکیۃ وقال المرداوی من الحنابلۃ وتصح بعقد وتملک بہ ایضا ولو بمعاطاۃ بفعل فتجہیز بنتہ بجہاز الی الزوج تملیک وھو کبیع فی تراخی قبولہ وتقدیمہ وغیرھما انتہی مختصرا۔

جواب سوال دوم سوال کی تقریر سے ظاہر ہے، کہ یہ دونوں مکان الگ الگ ہیں درمیان کھڑکی ہے، تو بوقت حاجت کے دن کو جانا جائز ہے، بغیر حاجت کے نہیں، امام نووی شرح صحیح مسلم صفحہ ۴۸۶ جلد ۱ میں لکھتے ہیں۔ وفی الحدیث الذی حدیث جابر طلقت خالتی فارادت ان تجذ نخلہا فزجرھا ان تخرج فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال بلی فجذی نخلک فانک عسی ان تصدقی او تفعلی معروفا دلیل لخروج المعتدۃ

---

[۱] ہبہ میں قبضہ شرط ہے یا نہیں، جمہور اور کوفیوں اور امام شافعی کے نئے قول کے مطابق ہبہ میں قبضہ شرط ہے، اس کے بغیر ملکیت ثابت نہیں ہوتی، حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہ کو اپنی مرض الموت میں فرمایا، کہ میں نے تجھ کو بیس وسق کا ہبہ کیا تھا، کاش کہ تو اس پر قبضہ کر لیتی، اور آج وہ وارثوں کا مال ہے، اور اس لئے کہ وہ بھی قرضہ کی طرح ایک احسان کا معاملہ ہے، قبضہ کے بغیر ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہبہ بلا قبضہ درست ہے امام شافعی کا پہلا قول اور امام مالک اور حنابلہ میں سے مرداوی کا یہ مذہب ہے، کہ ہبہ بلا قبضہ درست ہے اور اس صورت میں بالغ لڑکی کا جہیز بلا قبضہ درست ہوگا اور اس کی مثال بیع تراخی کی ہے۔ [۲] جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ کو طلاق ہو، وہ کھجوروں کی رکھوالی کے لئے باہر جانا چاہتی تھی، جابر نے ان کو روکا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ نے فرمایا جاؤ

البائن للحاجة ومن ذهب مالك والثوري والليث والشافعي واحمد وآخرين جواز خروجها في النهار للحاجة وكذلك عند هولاء لا يجوز لها الخروج في عدة الوفاة و وافقهم ابوحنيفة في عدة الوفاة وقال في البائن لا تخرج ليلا ولا نهارا۔ انتهى۔
قاضی شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔ وقد روى جواز خروج المتوفى عنها زوجها للعذر عن جماعة منهم عمر اخرج عنه ابن ابي شيبة انه رخص للمتوفى عنها ان تاتي اهلها بياض يومها وان زيد بن ثابت رخص لها في بياض يومها واخرج عبد الرزاق عن ابن عمر انه كان له ابنة تعتد من وفاة زوجها فكانت تاتيهم بالنهار فتحدث اليهم فاذا كان بالليل امرها ان ترجع الى بيتها۔ واخرج ايضا عن ابن مسعود في نساء نعي اليهن ازواجهن وتشكين الوحشة فقال ابن مسعود يجتمعن بالنهار ثم ترجع كل امرأة منهن الى بيتها بالليل واخرج سعيد بن منصور عن علي رضي الله عنه انه جوز للمسافر الانتقال وروى الحجاج بن منهال ان امرأة سالت ام سلمة بان اباها مريض وانها في عدة وفاة فاذنت لها في وسط النهار واخرج الشافعي وعبد الرزاق عن مجاهد مرسلا ان رجالا استشهدوا باحد فقال نساؤهم يا رسول الله انا نستوحش في بيوتنا فنبيت عند احدنا فاذن لهن ان يتحدثن عند احدهن

کھجوروں کی رکھوالی کرو، ہوسکتا ہے، کہ تو کوئی صدقہ کرے، یا کوئی نیک کام کرے، اس حدیث میں دلیل ہے، کہ عدت میں عورت ضرورت کے لئے باہر نکل سکتی ہے، امام مالک، ثوری، لیث، شافعی، احمد اور دوسرے لوگوں کا یہی مذہب ہے، خواہ عدت طلاق کی ہو یا وفات خاوند کی، امام ابوحنیفہ وفات کی عدت میں جواز کے قائل ہیں، طلاق کی عدت میں نہیں، سدات کو نہ دن کو، حضرت عمر نے بیوہ کو عدت میں حکم دیا، کہ دن کو میکے گھر میں آجایا کرے، زید بن ثابت کا بھی یہی مذہب ہے، عبداللہ بن عمرؓ کی بیٹی بیوہ ہوگئی، تو وہ عدت کے دنوں میں ان کے پاس آکر باتیں کیا کرتی اور رات کو اپنے گھر چلی جاتی کچھ بیوہ عورتوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اپنی تنہائی کا وحشت کا شکوہ کیا، آپ نے فرمایا دن کو اکٹھی ہو کر باتیں کر لیا کرو، اور رات کو اپنے اپنے گھروں میں چلی جایا کرو، حضرت علی نے عدت والی عورت کو سفر کرنے کی اجازت دی، ام سلمہ سے ایک عورت نے پوچھا، میرا باپ بیمار ہے، آپ نے فرمایا، دن کو آجایا کر، مجاہد نے کہا، احد کی جنگ میں کچھ عورتیں بیوہ ہوئیں، انہوں نے تنہائی کی وحشت کا شکوہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکٹھی رہا کرو، جب سونے کا وقت ہو تو اپنے اپنے گھروں میں جا کر سویا کرو۔

فاذا کان وقت النوم ثاوی کل واحد الی بیتہما۔ انتہی۔

سید محمد نذیر حسین

حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زمین سکنی اپنے زر خالص سے خریدی، اور قبالہ میں نام بکر اپنے فرزند کا درج کرایا جس کی عمر قریب بارہ سال کے تھی، بعدہ زمین مذکور پر عملہ مکان اپنے زر خالص سے زید نے بنوایا، اور بکر کو آباد کیا، جس کو عرصہ تقریباً چوبیس سال کا ہوا، زید فوت ہوگیا، دو سال ہوگئے، اور اپنی زندگی میں زید اس عملہ کی مرمت شکست و ریخت خصوصی کراتا رہا، اور کبھی بکر بھی کراتا رہا، چونکہ اب ترکہ زید ورثہ زید تقسیم کرتے ہیں، آیا وہ زمین و عملہ اس کا متروکہ زید میں شمار کیا جاوے گا، یا کہ ملکیت بکر قرار دی جاوے گی، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ زید نے زمین مذکور اپنے زر خالص سے خریدی اور قبالہ میں اپنے فرزند بکر کا نام درج کرایا، اور پھر زمین مذکور پر عملہ مکان بنوا کر بکر کو آباد کیا، تو ظاہر یہی ہے، کہ زید نے زمین مذکور مع عملہ مکان کے بکر کو ہبہ کر دیا ہے، اور زید کا بکر کو اس مکان میں آباد کرنا اس کو قبضہ دلانا ہے اور زید کا اپنی زندگی میں گاہے گاہے اس مکان کی مرمت کرانا اس کے ہبہ کرنے کے منافی نہیں ہے پس صورت مسئولہ میں وہ زمین اور اس کا عملہ متروکہ زید میں شمار نہیں کیا جاوے گا، بلکہ ملکیت بکر کی قرار دی جاوے گی۔ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سوال: سوال از علمائے دین اندریں معنی کہ مسمی پیر بخش بن عظیم الدین بحالت حیات خود کہ از اولاد بہرہ نداشت، موازی سی درجہ اراضی مسکن مملوکہ مقبوضہ خویش کہ از ترکہ پدری بموجب فرائض اللہ بادر سیدہ بود بخوشی تمام بمسماۃ عزیزن بنت شیخ فیض علی برادر زادی خود ہبہ نمودہ داد چنانچہ بروقت ہبہ اراضی موہوبہ ہمسایگان سید احمد علی و شیخ نتھن وغیرہ وچند مستورات برادری موجود بودند گواہ این معنی موجود بعد ہفت سال پیر بخش مذکور بقضائے الٰہی وفات یافت الحال فیض علی برادر پیر بخش متوفی براہ عصبیت اراضی موہوبہ را فروخت کردہ دریں ضمن

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیر بخش لاولد نے اپنی زندگی میں اپنی بھتیجی کو اپنے ملکیتی موروثی مکان میں سے تیس ہاتھ زمین ہبہ کی تھی اس وقت کافی گواہ موجود تھے، سات سال کے بعد پیر بخش فوت ہوگیا اس کے بھائی نے (جو بھتیجی موہوب لہا کا باپ ہے) ضد کی وجہ سے اس ہبہ شدہ زمین کو فروخت کر دیا ہے

قبالہ کان نیارنہ گردیدہ، کہ فیض علی ہم فوت شد، و فی الحال بہادر خان نامی داماد فیض علی متوفی کہ اصلاً حقیت و عصبیت ندارد خواہاں اراضی مذکور موہوب لہا ست، پس دریں صورت آنچہ حکم شرع شریف دریں باشد قلمی فرمایند بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ اگر پیر بخش اراضی مذکورہ را بہ برادر زادی خود ہبہ کردہ قابض کنائیدہ باشد، پس ہبہ صحیح و نافذ و مفید ملک موہوب لہا گردید، بعد ازاں نہ اولاد نہ وارثانش را دراں دعوے خواہد بود، زیرا کہ قبضہ من جملہ شرائط ہبہ است، و ہر گاہ وجود قبضہ یافتہ شد ہبہ مفید ملک موہوب لہا گشت۔ من شرائط الھبۃ القبض وحکمھا ثبوت الملک للموھوب لہ کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ چھ برس کا گذرا کہ زید نے بروقت نکاح کے تیسرا حصہ ایک قطعہ مکان میں سے اپنی بہو زوجہ پسر اپنے کو ہبہ کیا اور بخش دیا، اور قبضہ بھی بہو کا بصفت مشاع اس پر کرا دیا، اور ہبہ نامہ اسٹامپ کے کاغذ پر لکھ دیا، اور بنابر وثوق اور زیادہ مضبوطی کے قبالہ اس مکان کا بھی بہو کے حوالہ کر دیا چنانچہ قبالہ اس کا تاحال بہو کے پاس موجود ہے، اور بہو کا قبضہ اس پر ایک سال تک رہا بعد ازاں بہو اپنی ماں کے ہاں چلی آئی، اب ارباب شرع شریف سے عرض ہے، کہ ہبہ بصفت مشاع مع قبضہ ایک سال کے مفید ملک موہوب لہ کے ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ درصورت مرقومہ یہ صورت ہبہ مشاع کی ہے، اور ہبہ مشاع مع قبض بصفت مشاع کے مفید ملک موہوب لہ کے ہوتا ہے، اور یہ قول مفتی بہ کے جیسا کہ فصول اور درمختار سے واضح ہوتا ہے۔ عن[1] الفصول الھبۃ الفاسدۃ تفید الملک بالقبض وبہ یفتی ومثلہ فی البزازیۃ علی خلاف ما صحح فی العمادیۃ لکن لفظ الفتوی آکد من لفظ التصحیح

اس کی رجسٹری نہیں ہوئی تھی کہ یہ بھی مرگیا، اب اس کا داماد لڑکی موہوب لہا کا بہنوئی، جو قطعاً حق نہیں رکھتا، اور عصبہ بھی نہیں ہے، اس زمین کا خواہش مند ہے، اس صورت میں شریعت کا حکم بیان فرمادیں۔

الجواب:۔ اگر پیر بخش نے اراضی موہوبہ کا قبضہ اپنی بھتیجی کو دے دیا تھا تو وہ ہبہ صحیح ہوگیا اس کے بعد نہ وہ خود اور نہ اس کے وارث اس کو واپس لے سکتے ہیں، کیونکہ ہبہ میں جب قبضہ ہوجائے، تو ہبہ مفید ملک موہوب لہ کے ہوجاتا ہے، فقہ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے

[1] ہبہ فاسد بھی قبضہ سے مفید ملک ہوجاتا ہے اور اسی پر فتوی ہے، بزازیہ میں بھی ایسا ہی ہے، لیکن عمادیہ میں

کما بسط المصنف مع بقیۃ احکام المشاع انتہی ما فی الدر المختار، اور قبضہ ایک دن کا کافی ہے، چہ جائے کہ ایک سال وہ مسماۃ موہوب لہا اس پر قابض رہی، اور قبالہ اس مکان کا جیب دے دیا، واسطے اعتماد کے تو قول عاقل کا جہاں تک ممکن ہو اور محمل صحیح کے حمل کرنا چاہیئے، اور جب کہ روایت مفتی بہ موجود ہو تو اس میں کسی کو جگہ کلام کی نہ رہی، بہر حال وہ مکان تیسرا حصہ ملک میں موہوب لہا کے آگیا جیسا کہ در مختار سے مستفاد ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے بیوہ بہو کے واسطے ہندی چھٹی میں یہ الفاظ لکھ دیے، کہ جو اس کا گہنا، کپڑا، برتن ہے، اس سے ہمیں کچھ واسطہ نہیں، ان الفاظ کے لکھنے سے کہ جو قسم زیور وغیرہ مذکور قسم اعیان سے ہے، ملک زید سے نکل جاتا ہے یا نہیں یا ملک بیوہ بہو کے ہو گیا، اور یہ ابراء شرعاً صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: شرعاً یہ ابراء مجہول ہے، کیونکہ زیور وغیرہ اعیان سے ہے، اور الفاظ مذکورہ بالا سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ زید نے اپنے مملوکہ اعیان سے یعنی زیور وغیرہ سے ابراء کیا ہے، یا زیور وغیرہ بہو بیوہ سے جو کہ اس کو باپ کی جانب سے جہیز میں ملا تھا، اور نہ اس صورت مسئولہ میں کچھ تعداد زیور وغیرہ، اور نہ قدر نہ جنس نہ وصف اور نہ نوع بیان ہے یعنی یہ زیور طلائی اور فلاں فلاں عدد یا نقرئی یا کپڑا ریشمی یا سوتی اور اتنے عدد ہے، اور برتن مسی ہیں یا کانسی یا گلٹ ہیں اور اتنے ہیں، پس اس صورت میں جہالت ثابت ہے، اور شرع شریف میں ابراء مجہول اور تملیک مجہول باطل ہے، جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں مسطور ہے، عبارتہ ہکذا۔ لہٰذا[1] الابراء المجہول باطل وکذا التملیک المجہول باطل۔

حررہ سید سلطان حسین، مدرس کوانہ

ھذا الجواب غلط غیر صحیح[2] لان الجہالۃ المقر بہ لا تمنع صحۃ الاقرار کذا فی شرح الطحاوی والکفایۃ وھکذا فی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ وانما یعتبر الاقرار اظہارا فی حق ملکیۃ المقر بہ حتی یحکم بملکیۃ للمقر لہ بنفس الاقرار ولا نسمع الدعو

اس کے خلاف ہے، اور "فتوی" کا لفظ "صحیح" کے لفظ سے زیادہ مؤکد ہے۔ [1] دست برداری اور تملیک اگر مجہول ہو تو باطل ہے [2] یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ مقر بہ (جس چیز کا اقرار کیا گیا ہے) کی جہالت صحت اقرار میں مانع نہیں ہے، اقرار تو خبر ہے، کہ مقر بہ کی ملکیت مقر لہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے) کے

بعد الابراء العام کذا فی تنویر الابصار شرح الاشباہ والنظائر وھکذا فی الھندیۃ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے، کہ جب لکھنے والے نے اس طرح پر لکھا کہ جو اس کا گہنا اور کپڑا اور برتن ہے، اس سے نہیں کچھ واسطہ نہیں، تو دو امر اس سے ثابت ہوئے ایک اقرار ملکیت مقرلہ کا بقرینہ اضافت کہ مشعر ہے بافادہ ملکیت مقرلہ کے اس کا گہنا اور کپڑا اور برتن یعنی یہ چیزیں ملک اس کی ہیں، دوسرا ابراء یعنی مجھ کو ان چیزوں سے اس کے کچھ واسطہ نہیں ہے، تو اس تحریر سے اقرار مقرلہ کا اور ابراء اس سے پایا جاتا ہے ولو قال این چیز آن فلان است فھذا اقرار کذا فی الظھیریۃ کذا فی العالمگیریۃ۔ اس سے نہیں کچھ واسطہ نہیں یعنی دعوی اس سے نہیں، تو ابراء دعوی اعیان سے متحقق ہوا، پھر اجد ابراء کے دعوی مقر کا ساقط ہوا، اور جو چیز ساقط ہوئی، وہ پھر عود نہیں کرتی۔ وقد صرحوا بان البراءۃ من دعوی الاعیان تصح کذا فی الحموی وغیرہ من کتب الفقہ ان الساقط لا یعود لان الساقط تلاشی فلا یحتمل العود کذا فی الاشباہ والحموی وغیرھما من کتب الفقہ، پس وہ گہنا اور کپڑا اور برتن زن مذکور کا ہوگا، اور دعوی وارثان مقر کا اس میں باطل ہوگا شرعاً کما لا یخفی علی العالم بالفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال[1]

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ اگر شخص مالدار مذکور الصدر نے دو ہزار روپے اپنے لڑکے کو اس طرح پر دیئے کہ تجارت ان روپیوں میں ہمارے واسطے کرے چنانچہ وہ لڑکا تجارت ان روپیوں میں کرتا رہا، اور بعد چندے وہ شخص مذکور فوت ہوا، تو وہ مبالغ مع منافع جملہ متروکہ شخص متوفی سے شمار ہوں گے، اور تمام روپے اس کے ان مبالغ مع منافع میں مستحق میراث ہوں گے، اور جو اس طرح سے کہہ کر نہ دیا کہ ہمارے واسطے تجارت کر، تو وہ مبالغ مذکور مع منافع موہوب ہوں گے بہ نسبت پسر مذکور کے، کیونکہ جب

واسطے ثابت ہو جاتی ہے، اور عام دست برداری کے بعد دعوی مسموع نہیں ہوگا لے کتب فقہ میں تصریح ہے، کہ اعیان (سونا چاندی) کے دعوے سے برات صحیح ہے، اور جو چیز ساقط ہو جائے وہ واپس نہیں ہو سکتی کیونکہ ساقط لاشئے ہے، اس میں رجوع نہیں ہو سکتا۔

[1] اصل مسودہ سے سوال کا مضمون نہیں ملا، جواب بجنسہ بغرض رفاہ عام درج کر دیا گیا ہے ۱۲

قید تجارت کی اپنے واسطے ذکر نہ کی، اور بلاذکر اس قید کے مبالغ پسر کو دے دیئے، تو وہ مبالغ مذکور موجب و مفید ہبہ کو ہوں گے، اس لئے کہ ایجاب و قبول اور قبض بلاذکر قید مذکور کے پائے گئے، تو صراحتہ اور دلالتہ تملیک پسر کی متحقق ہوئی۔ رجل[1] دفع الی ابنہ فی صحتہ مالا یتصرف فیہ ففعل وکثر ذلک فمات الاب ان اعطاہ ھبۃ فالکل لہ وان دفع الیہ لان یعمل فیہ للاب، فھو میراث کذا فی جوھر الفتاوی وکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ اور دوسری وجہ ہبہ کی یہ ہے، کہ عرف عام شرفاء طرفا ہو رہا ہے کہ ہر گاہ کوئی شخص کسی اپنے بیٹے کو کسی سبب سے معیت اکل و شرب سے جدا کر دیتا ہے تو جو کچھ نقد حسب مقدور اپنے اس کو دے دیا کرتا ہے، تو نقد ملک بیٹے کا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے صورت سوال میں پدر کا حساب و کتاب نفع و نقصان کا لینا پسر سے مذکور نہیں ہے اور قاعدہ کلیہ فقہاء کا منعقد ہوا کہ المعروف کالمشروط اور اعتبار کرنا عرف عام پر اور اس پہ کاربند ہونا احکام شرعیہ میں قرآن مجید سے ثابت ہے۔ قولہ[2] تعالیٰ اذا تراضوا بینھم و قولہ تعالیٰ رزقھن وکسوتھن بالمعروف وقولہ تعالیٰ اذا سلمتم ما اتیتم بالمعروف وقولہ تعالیٰ الا ان تقولوا قولا معروفا وقولہ تعالیٰ علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعا بالمعروف وقولہ تعالیٰ للمطلقات متاع بالمعروف وغیرھا من الایات الکریمۃ اعتبار و اعتماد عرف عام پر ناطق ہیں، اور جس کا زیادہ تحقیق منظور ہو صحیح بخاری وغیرہ کتب احادیث کی طرف رجوع کرے، کہ مدار کار اکثر مسائل کا عرف عام پر موقوف اور مربوط ہونا اس پر واضح ہو جاوے گا۔ واللہ اعلم بالصواب، فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

---

[1] ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو اپنی صحت کی حالت میں کچھ مال بغرض تجارت دیا، اس نے تجارت کی اور وہ مال بڑھ گیا، پھر باپ فوت ہو گیا، اگر اس نے وہ مال بیٹے کو ہبہ کیا تھا، تو تمام مال بیٹے کا ہے، اور اگر باپ نے وہ مال اپنے لئے کام کرنے کی غرض سے اس کو دیا تھا، تو وہ میراث ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا" جب کہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہو جائیں" اور فرمایا" دستور کے مطابق ان کی روٹی اور کپڑا" اور فرمایا" جب تم دستور کے مطابق جو کچھ دینا ہے دے دو" اور فرمایا" مگر یہ کہ تم دستور کے مطابق بات کرو" اور فرمایا" دستور کے مطابق دولت مند کے ذمہ اس کے قدر کے مطابق ہے، اور تنگ دست پہ اس کے حساب سے" اور فرمایا" دستور کے مطابق طلاق والی عورت کو سامان ملے گا"

مسئلہ: اگر مرض سل ودق وغیرہ میں کوئی مبتلا ہوا، اور ایک سال گذرنے سے پہلے مرگیا، یا خوف موت اس میں ہوا یعنی روز بروز مرض ترقی پڑتا رہا، اور اسی مرض میں فوت ہو گیا، تو یہ مرض الموت ہے، اگر اس نے اپنے اس مرض الموت میں کسی کو اپنی کوئی شئے ہبہ کی ہے تو فقط ایک ثلث میں جاری ہوگا، اور ایسا ہبہ حکم وصیت میں محسوب ہوگا، اور وصیت غیر وارث کے حق میں معتبر ہوگی، اور وارث کے حق معتبر نہ ہوگی۔ وھبۃ[1] مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدۃ سنۃ ولم یخف موتہ منہ وان لم تطل وخیف موتہ فمن ثلثہ کذا فی تنویر الابصار وغیرہ من المتون واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال: زید نے اول ہندہ سے نکاح کیا، پھر بعد اس کے دوسری بہن زینب سے نکاح کیا، سو ہندہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دوسری بہن سے دو لڑکیاں ہیں، ایک لڑکی بڑی بہن کو دی، اور دوسری لڑکی دوسری بہن کو دی، اور زید نے اپنی حین حیات میں ورثہ اپنا نصفا نصف کرکے دونوں لڑکیوں کو ہبہ کیا، اور قبضہ کرا دیا، از روئے شرع شریف کے ورثہ زید کا دونوں لڑکیوں کو پہنچتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: درصورتیکہ زید نے حالت صحت وثبات عقل میں اشیاء مملوکہ اپنی کو نصفا نصف کرکے جدا جدا دونوں لڑکیوں کو دے دیا، اور ہبہ کر دیا، اور دونوں کو اس پر قابض کرا دیا، تو وہ شے موہوب ملک مالک سے باہر ہو کر ملک میں دونوں لڑکیوں موہوب لہما کے آگئی، اور دونوں لڑکیاں اس شئے موہوب کی از روئے ہبہ کے بلاریب مالک ہوگئیں اور بعد ازاں زید واہب فوت ہوگیا، تو یہ ہبہ کسی طرح سے مسترد نہیں ہوسکتا، اور دعوی دوسرے وارثان زید کا اس میں باطل اور ناسموع ہوگا شرعا۔ ومن[2] شرائط صحتھا فی الموھوب بان یکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول، ورکنھا الایجاب والقبول وحکمھا ثبوت الملک للموھوب لہ الی آخر ما فی الدر المختار والھدایۃ وغیرھما من کتب الفقہ اھ

---

[1] لولا لنجا، مفلوج اور سل یا دق والا اگر اپنا کل مال ہبہ کردے، تو اگر ایک سال تک اس کے بعد زندہ رہا، اور موت کا خطرہ پیدا نہ ہوا، تو یہ ہبہ صحیح ہوگا۔ اور اگر سال کے اندر اندر مرگیا، یا اس کی موت کا خطرہ پیدا ہوتا رہا، تو اس کے لئے یہ بیماری مرض موت ہوگی، اور ثلث مال کا ہبہ صحیح ہوگا۔

[2] موہوب میں صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس پر قبضہ ہو، علیحدہ کر دی گئی ہو اور ہبہ کا رکن ایجاب وقبول ہے۔

موت احد المتعاقدين يمنع الرجوع فيها كذا في الدر المختار وغيره من كتب الفقه والله اعلم بالصواب ۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ مسماۃ ہندہ از عمرو اقرار کرد و نوشتہ داد کہ پس از علیحدگی حصہ من از ترکہ والد مرحوم کہ در میان حصص دیگر شرکا مشترک است بسبب رعایت حقوق ملازم قدیمی نزد والد خود و نیز بجلد وے سعی در علیحدگی حصہ ام ہفت روپیہ ماہوار بشما تا حین حیات خود خواہم داد و بعد من اولاد من بشما و اولاد شما ہمیں نمط سلوک خواہد کرد، بعد پنج شش ماہ ازین اقرار مسماۃ ہندہ مذکورہ جملہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ بنام دختر خود ہبہ کردہ بدون ذکر ایں ہفت روپیہ ماہواری ہبہ نامہ مرتب کنانیدہ داد و من جملہ دیگر گواہان عمرو مذکور بدون تعرض از ان ہفت روپیہ موعودہ بران ہبہ نامہ گواہی خود ثبت گردانیدہ بعدہ واہبہ مسطورہ انتقال کرد و ہنوز حصہ مشترکہ مسماۃ مذکورہ از قبضہ دیگر ورثہ علیحدہ تمام وکمال نشدہ باشد بلکہ بقدر نصف یا کم و بیش جدا گردیدہ باشد، کہ عمرو مذکور از موہوب لہا دعوے آن ہفت روپیہ ماہواری کند، پس سوال کردہ می شود، کہ با وجود عدم علیحدگی تمام وکمال حصہ مشترکہ مسماۃ ہندہ و عدم تقریر و ذکر آن ہفت روپیہ ماہوار دران ہبہ نامہ و تعرض نہ کردن مسمی عمرو عند الشہادت بر ہبہ نامہ دعوے مسمی عمرو درست است یا نہ بینوا توجروا ۔

الجواب ۔ در صورت مرقومہ باید دانست، کہ دعوے عمرو بمجرد اقرار مسماۃ ہندہ قابل

اور اس کا حکم موہوب لہا کی ملکیت کا ثبوت ہے، واہب اور موہوب لہ میں سے اگر کوئی فوت ہو جائے تو اس میں رجوع منع ہو جاتا ہے۔

سوال ۔ ہندہ نے عمرو سے تحریری اقرار کیا، کہ اگر تمہاری کوشش سے میرا آبائی ورثہ دوسرے شرکا سے علیحدہ ہو جائے، تو چونکہ تو میرے باپ کا بھی غلام تھا، اور میرے معاملہ میں بھی کوشش کرے گا، میں اپنی زندگی تک تجھ کو سات روپیہ ماہوار ادا کرتی رہوں گی، اور میرے بعد میری اولاد بھی تمہاری اولاد کو سات روپیہ دیتی رہے گی، اس اقرار کے پانچ چھ ماہ بعد ہندہ نے اپنی تمام جائداد اپنی بیٹی کو ہبہ کر دی، اور تحریر میں ان سات روپیہ کا تذکرہ نہ کیا، اس تحریر پر دوسرے گواہوں کے علاوہ خود عمرو نے بھی دستخط کیے، اور اس وقت اس نے ان روپوں کا کوئی ذکر تک نہ کیا، اس کے بعد ہندہ فوت ہو گئی، اور اب تک بھی اس کی تمام جائداد شرکا سے علیحدہ نہیں ہوئی، اب عمرو نے ہندہ کی لڑکی سے سات روپیہ ماہوار کا مطالبہ کیا ہے، کیا اس کو یہ حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ صرف ہندہ کے اقرار سے عمرو کا دعوے ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ صرف اقرار شریعت میں

سماعت نخواہد بود شرعاً زیرا کہ اقرار سبب ملک نیست چہ اقرار اخبار است واخبار محتمل کذب می شود آرے اگر مسماۃ ہندہ بذات خود چیزے دادہ او را قابض بران کنانیدہ وادے تا این بطور ہبہ مبتداۃ بودے، وحالانکہ مسماۃ ہندہ در زندگی چیزے نہ دادہ بعد ازان دعویٰ عمرو بابت ہفت روپیہ بر ہندہ مسموع نشود. ولا تسمع دعواہ علیہ بانہ اقر لہ بشیئ معین بناء علی الاقرار لہ بذلک بہ یفتی لانہ اخبار یحتمل الکذب حتی لو اقر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملک نعم لو سلمہ برضاہ کان ابتداء ہبۃ وھو الاوجہ بزازیہ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار قولہ لانہ اخبار ای لا سبب للزوم المقر بہ علی المقر وھو قد جعل سبب وجوب المدعی بہ علی المقر الاقرار وھذا باطل لما علم من کلام مشائخنا ان الاقرار لیس سببا للملک کذا فی الطحطاوی۔

دو دیگر وجہ بر عدم سماعت دعوئے عمرو این است، کہ وقت بر ہندہ دعوئے ہفت روپیہ نہ کردہ، بعد انتقال وے اشیائے مملوکہ بسبب ہبہ در ملک ہندہ باقی نماندہ کہ بران دعوے کند مع ہذا علیحدگی تمام وکمال نشدہ کہ بجاہد وے آن مستحق ہفت روپیہ شدے اذا فات الشرط فات المشروط کہ قاعدہ کلیہ فقہا است موجب سقوط دعوئے او گردیدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سبب ملک نہیں ہے، اس لئے کہ اقرار ایک خبر ہے، جس میں جھوٹ کا بھی امکان ہے، اگر ہندہ اپنی زندگی میں سات روپیہ ماہوار شروع کر دیتی، تو یہ اقرار درست ہوتا، اور اب اس کی وفات کے بعد عمرو کا دعویٰ مسموع نہیں ہے، بزازیہ اور طحطاوی میں ہے "صرف مدعی علیہ کے اقرار سے مدعی کا دعویٰ نہیں نہیں سنا جائے گا کہ اس نے اس کو ایک معین چیز دینے کا وعدہ کیا تھا، اور اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ یہ خبر ہے، اس میں کذب کا احتمال بھی ہے، اگر کوئی جھوٹا اقرار کرے، تو وہ اس کے لئے حلال نہیں، کیونکہ صرف اقرار ملک کا سبب نہیں ہے، ہاں اگر اس کو اپنی رضا سے وہ چیز سپرد کر دیتا، تو وہ ہبہ مبتداۃ ہو جاتا

اور عمرو کا دعویٰ مسموع نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمرو نے ہبہ کے وقت تو ہندہ پر دعویٰ نہ کیا، اور ہبہ کے بعد وہ مال ہندہ کا نہ رہا، کہ اس پر دعویٰ کر سکے اور پھر سات روپے ماہوار اس کے لئے علیحدگی وراثت کی شرط پر تھے، وہ شرط بھی پوری نہ ہوئی "جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے" یہ فقہاء کا مشہور قاعدہ کلیہ ہے، جو عمرو کے دعوے کے سقوط کا موجب ہے، واللہ اعلم۔

سوال:۔ ماقولکم دام فیضکم رحمکم اللہ سبحانہ کہ ایک جاگیر عطاء سلطانی بنام خانقاہ اور بمد معاش اولاد صاحب خانقاہ ہے، تو اب وہ جائداد نسلاً بعد نسل وبطناً بعد بطن علی سبیل الارث اولاد صاحب خانقاہ پر منقسم ہوتی ہوتی زید اور عمرو تک کہ یہ دونوں برادر حقیقی ہیں پہنچی، اور طریقہ قدماء سلف اس خاندان کا درباب مصارف آمدنی اس جائداد کے یوں شائع اور جاری رہا، کہ بعد خرچ ضروری کے درویشان اور واردان کی خدمت کیا کرتے تھے، اور اب عمرو نے بقضائے الٰہی انتقال کیا، اور ایک برادر حقیقی یعنی زید اور زوجہ اپنی اور ایک دختر اپنی اور والدہ اور برادر عم زاد کہ وہ برادر حقیقی زوجہ زید وزوجہ عمرو کا چھوڑیں، پھر زید نے بھی انتقال کیا، اس نے ایک زوجہ اپنی اور ایک زوجہ برادر حقیقی متوفی کی، اور ایک دختر برادر حقیقی متوفی کی اور ایک والدہ اور برادر عم زاد چھوڑیں، اب زوجہ زید وزوجہ عمرو کہ یہ دونوں ہمشیرہ حقیقی ہیں، کہ عمرو داماد اپنے کو کہ وہ ایک جدی ہے جائداد موروثی اپنے کو ہبہ وبخشش کر دیں، اور وہ داماد مصارف اس جائداد کا جیسا کہ طریقہ قدماء اس خاندان کا ہے، ویسا ہی کرتا رہے تو اس صورت میں زوجہ زید اور زوجہ عمرو جائداد موروثی اپنی اپنے داماد کو ہبہ کیا چاہتی ہیں، درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ زوجہ زید وزوجہ عمرو اپنے داماد کو ہبہ کرنے میں مختار ومجاز ہیں لیکن دغدغہ اس بات کا ہے، کہ داماد مذکور بعد حصول ہبہ کے دستور قدیم پر عمل نہ کرے، تو دونوں مستورات دست افسوس ملتی رہیں گی، اس صورت میں مناسب یہ ہے، کہ تا زندگی اپنے داماد کو بطور وکالت جائداد موروثی پر اپنے مقرر کریں، کہ بطور قدیم کارگذار ہے، اور بعد اس کے دختر مالک رہے گی، یا نصفی ہبہ کریں، اور نصفی باقی ہیں بدستور قدیم عمل ودرآمد جاری رہے اور بعد وفات اس کے یہ نصفی بھی میراث میں دختر کے آجاوے گی تو اس صورت میں ضرر کسی کا نہ ہوگا، آیندہ اختیار ہے، جس طرح اپنی رائے میں مصلحت تصور کریں اس پر کاربند ہوں۔ لہ یجوز للرجل ان یتصرف فی ملکہ کیف یشاء، کذا فی الھندیۃ وفی الظہیریۃ لو اعطی الخلیفۃ ارضا المستحق لایجوز النزع عنہ فکان ملکا لہ ولورثتہ بحیث یجوز بیعہ

لہ آدمی اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، اگر خلیفہ کسی مستحق کو کوئی زمین دے دے تو وہ دوبارہ اس سے واپس نہیں لی جا سکتی، وہ اس کی ملکیت ہے، اور اس کے بعد اس کے وارثوں کی، وہ اس کی خرید وفروخت کر سکتا ہے، اکثر مشائخ کا یہی مذہب ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔

وشرادہ وغیر ذلک وبہ یفتی وعلیہ اکثر المشائخ انتہی کلامہ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے مسماۃ ہندہ اجنبیہ کو ایک موضع ان الفاظ سے دیا، کہ نقد وغلہ واسطے مصارف ضروری کے بطور خدمت گذاری جو دیا جاتا تھا، کا ہندہ میرے تکملہ اس کا نہیں کرتے تھے، لہذا فلاں موضع اپنا واسطے جملہ اخراجات ہندہ کے ہبہ کیا، بطور خود انتظام کر کے آمدنی دیہہ مذکور سے حوائج ضروری اپنے وادا نے مالگذاری سرکار کرتی رہے، اس میں ہم کو حجت ومزاحمت نہ ہوگی اور مسماۃ مذکور نے بایں لفظ قبول کیا، کہ خورد پوشش ضروری کے لئے یہ گاؤں دیا ہے، اور میں رضامند ہوں، یہ دینا شرعاً عاریت ہے یا ایجاب وقبول ہبہ کا ہے، فقط

الجواب:۔ درصورت مرقومہ یہ صورت عاریت کی ہے نہ ہبہ کی کیونکہ ہرگاہ مسماۃ ہندہ نے بایں الفاظ قبول کیا، کہ خورد پوشش ضروری کے لئے یہ گاؤں دیا ہے، تو ہندہ نے فحوائے کلام زید سے یہی سمجھ کر کہ یہ عاریت صریح ہے مجازاً بنا کر اطلاق محل اور حال کے قبول کیا، کہ عین گاؤں بنفسہا سے خورد پوشش متعذر ہے، اگر بمنافع اور آمدنی اس گاؤں سے خورد پوشش متصور ہوگا، تو یہ صریح مجازاً تملیک منافع ہے، نہ عین رقبہ زمین گاؤں کی، تو عبارت زید بلا ریب مماثل اس عبارت اطعمتك ارضی کے ہوئی، لان حکمہا فی افادۃ المعنی المراد واحد کما لا یخفی علی المتفطن قال فی الدر المختار اطعمتك[1] ارضی ای غلتہا لانہ صریح مجاز من اطلاق اسم المحل علی الحال انتہی، اور یہی معنی مراد عبارت زید سے اظہر من الشمس ہیں، اور تشریح اس کی یہ ہے کہ میں نے اپنی اراضی فلاں گاؤں کی تجھ کو خورد پوشش کے لئے دی، یعنی اراضی کا غلہ تیرے کھانے کو دیا، پس لفظ خورد پوشش کا مثل غلہ زمین کے عبارت میں صریح مجاز ہے من قبیل اسم محل کے حال پر، کیونکہ غلہ پیدا ہوتا ہے زمین میں، تو غلہ حال اور زمین گاؤں محل اس کا یعنی جیسے غلہ جب مضاف ہو مثلاً زمین کی طرف تو غلہ ہی مراد ہوتا ہے عرفاً تو ایسا ہی جب خورد پوشش مضاف ہوگا زمین گاؤں کی طرف تو وہی منافع مراد ہوگا، نہ عین زمین۔ کما لا یخفی علی المتامل، قال فی الدر المختار منحتك[2] ای اعطیتك ثوبی او جاریتی

---

[1] اگر کوئی اطعمتک ارضی (میں نے تجھے اپنی زمین کھلائی) کے الفاظ کہے، تو اس سے مراد اس زمین کا غلہ ہوگا کیونکہ یہ صریحاً مجاز ہے، اور اطلاق اسم المحل علی الحال کے قبیل سے ہے [2] منحتک ثوبی (میں نے تجھے یہ کپڑا دیا) یا یہ لونڈی

ھذہ وحملتك علی دابتی ھذہ اذا لم یرد بہ بمنحتك وحملتك الھبة لانہ صریح فیفید العاریة بلا نیة والھبة بھا ای مجازا انتہی ما فی الدر المختار یعنی عاریت صحیح ہے اس لفظ سے کہ منحتك یعنی میں نے تجھ کو کپڑا یا یہ لونڈی دی، اور عاریت صحیح ہے اس لفظ حملتك سے یعنی میں نے تجھ کو چڑھایا اپنے اس جانور پر جب کہ متکلم منحتك اور حملتك کے لفظ سے ہبہ کا ارادہ نہ کرے، اس واسطے کہ وہ ہبہ میں صریح ہے، تو عاریت کو مفید ہے بلا نیت ہبہ، اور ہبہ کو مفید ہے بطریق مجاز کے نیت ہبہ سے، ہکذا یستفاد من حواشی الدر المختار والبحر، اور سوال مذکور سے نیت ہبہ کی نیہ سے ہرگز معلوم نہیں ہوتی، بلکہ زید نیت ہبہ سے صاف منکر ہے، اور اشباہ والنظائر میں یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے، کہ الامور بمقاصدھا، پھر جب زید نے نیت ہبہ کی نہ کی، تو ہبہ معدوم ہوا اور مفقود ہوا، اور عاریت مقصود، اسی نظر سے ہندہ نے بایں لفظ قبول کیا، کہ خورد پوشش ضروری کے لئے یہ گاؤں دیا ہے، کیونکہ قبول مترتب ہوتا ہے، اور بر فحوائے ایجاب کے۔ کما لا یخفی علی الماھر بالفقہ، واللہ اعلم بالصواب، فاعتبروا یا اولی الالباب فقط

سید محمد نذیر حسین	سید محمد شریف حسین	محمد یوسف
محمد صدیق	محمد عبد الحلیم	محمد حفیظ اللہ
محمد اسماعیل	محمد مسعود	محمد سجاد اللہ
محمد عالم علی		

فی العالمگیریة والاصل فی ھذہ المسائل انہ اذا اتی بلفظ ینبئ عن تملیك الرقبة یکون ھبة واذا کان منبأ عن تملیك المنفعة یکون عاریة واذا احتمل ھذا وذلك ینوی فی ذلك کذا فی المستصفی شرح النافع انتہی

محمد لطف اللہ

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی چار دختر اور ایک بھائی اور بہن حقیقی ہیں، اس نے اپنی چاروں دختر کی اولاد ذکور وانات کو کل مال ہبہ کر دیا، اور بھائی بہن کو کچھ نہیں دیا، پس شرعاً ہبہ مذکورہ بموجب مذہب حنفی اور قرآن وحدیث کے جائز رہا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب ۔ در صورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ہندہ مذکورہ نے جو ہبہ اپنی اولاد کی اولاد کے نام کیا ہے، اس میں سراسر حق تلفی بھائی بہن کی پائی گئی، سو بموجب مذہب حنفی کے

بخشی یا اپنی سواری پر مجھے سوار کیا، جب اس سے ہبہ مراد نہ ہوگا، تو صریحاً عاریت ہوگا، اور ہبہ مجازاً ہوگا۔

یہ ہبہ صحیح رہا، مگر قرآن اور حدیث کے مخالف ہوا، کیونکہ قرآن سے عموماً و خصوصاً نہی ضرر کی ثابت ہے، علیٰ ہذا القیاس حدیث سے بھی نہی ضرر کی عموماً و خصوصاً پائی جاتی ہے، جیسا کہ کتب معتبرہ سے ظاہر ہے۔ حدثنا عبداللہ بن خالد النمیری ابو المغلس حدثنا فضیل بن سلیمان حدثنا موسیٰ بن عقبۃ حدثنا اسحق بن یحییٰ بن الولید عن عبادۃ بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی ان لا ضرر ولا ضرار۔ حدثنا محمد بن یحییٰ ثنا عبدالرزاق انبانا معمر عن جابر الجعفی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ضرر ولا ضرار کذا فی سنن ابن ماجہ قال ابن کثیر اما حدیث لا ضرر ولا ضرار فرواہ ابن ماجہ عن عبادۃ بن الصامت وروی من حدیث ابن عباس وابی سعید الخدری وھو حدیث مشہور انتہی وحدیث عبادۃ اخرجہ ایضا البیہقی وحدیث ابی سعید اخرجہ ابن ماجہ والدارقطنی والحاکم والبیہقی وقد روی[1] من حدیث ثعلبۃ بن مالک القرظی الطبرانی فی الکبیر وابونعیم کذا فی الروضۃ الندیۃ اور علمائے حنفیہ ایسے ہبہ کو جس میں بعض ورثہ کی حق تلفی پائی جاتی ہے اگرچہ جائز کہتے ہیں مگر ایسے ہبہ کرنے کو گناہ اور ایسے ہبہ کرنے والے کو گنہگار بتلاتے ہیں، اور بعض مذہب میں ایسا ہبہ رد کر دیا جائے گا، اور ہر وارث کو بقدر اس کی میراث کے دے دیا جاوے گا درمختار میں ہے ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم انتہی، اور طحطاوی میں ہے۔ قولہ کل المال للولد ای وحرمان بقیۃ الورثۃ قولہ جاز ای صح لا ینقض و فی بعض المذاھب یرد علیہ تصدہ ویجعل متروکہ میراثا لکل الورثۃ انتہی۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سید محمد شریف حسین

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ، اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، دارقطنی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، طبرانی کبیر ابو نعیم نے فی الروضۃ الندیہ اسے روایت کیا ہے۔

لے اگر بحالت صحت اپنا کل مال بیٹے کو ہبہ کر دے تو جائز ہے، اور طحاوی نے درمختار کی اس عبارت کی تردید کی ہے اور لکھا ہے، اگر تمام مال بیٹے کو ہبہ کر دے، تو یہ ہبہ تو صحیح ہو گا، لیکن اس ہبہ میں رجوع ہو گا، اور مال میراث میں رکھا جائے گا، اور کل وارثوں میں تقسیم ہو گا۔

---

(۱) وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ کذا فی نصب الرایۃ ۱۲۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

کِتَابُ الشُرُوط

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے چند بیگھہ زمین بلامنافع ایک شخص کو اس شرط پر دی تھی، کہ اگر تم اپنے بھائی بلادری کو جو کہ بد دین ہیں چھوڑ دو، اور مع اپنے اہل وعیال کے دین پر ثابت قدم اور مضبوط رہو، جب تک تم اس شرط مذکور پر قائم رہو گے، زمین بلامنافع ہے، اب تک شخص مذکور ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا، یعنے شرط کو بجا نہیں لایا، ایسی صورت میں صاحب دہندہ اپنی زمین کو واپس کر سکتا ہے، یا نہیں دلائل قرآن وحدیث سے ہونے چاہیئے، بینوا توجروا۔

الجواب: جب شخص مذکور شرط بجا نہیں لایا، تو بے شک صاحب دہندہ اپنی زمین کو واپس کر سکتا ہے، قرآن مجید میں حضرت موسی اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں یہ مذکور ہے، کہ موسی علیہ السلام نے یہ شرط کی تھی، کہ اگر اس کے بعد آپ سے میں کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، جب موسٰی علیہ السلام اپنی اس شرط کو بجا نہیں لائے، تو خضر علیہ السلام نے ان کو جواب دے دیا، اور فرمایا، ھذا فراق بینی وبینك یعنی اب میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے، صحیح بخاری میں ہے باب الشروط مع الناس بالقول حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ اشارة[1] الی قوله ان سألتك عن شئ بعدھا فلا تصاحبنی والتزام موسی بذلك ولم یکتبا ذلك ولم یشهد احدا وفیه العمل بمقتضی مادل علیه الشرط فان الخضر قال لموسی لما اخلف الشرط ھذا فراق بینی وبینك

---

[1] اشارہ ہے موسی علیہ السلام کے اس قول کی طرف کہ اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، موسی علیہ السلام نے اس کو لازم کیا، اور انہوں نے نہ اس کو لکھا، اور نہ اس پر کسی کو گواہ بنایا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ شرط کے مطابق عمل کرنا چاہیئے، موسی علیہ السلام نے جب شرط کی خلاف ورزی کی تو خضر علیہ السلام نے فرمایا، یہ ہے تیرے اور میرے درمیان جدائی، اور موسی علیہ السلام نے اس کا انکار نہ کیا،

بینک ولم ینکر موسیٰ علیہ السلام ذلک ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

حررہ علی محمد

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: ۔ اگر شرط حرام اور خلاف شرع نہ ہو تو اس شرط کو وفا کرنا مرد مسلم دیندار کو ضرور ہے، جیسا کہ حدیث بخاری و مسلم سے مستفاد ہوتا ہے۔ عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ[1] فرمود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ سزاوار ترین شرطہائے کہ باید کہ وفا کنید شما آن شرط ما استحللتم بہ الفروج شرطیست، کہ حلال کردہ اید شما بآن شرط فرجہا را و تصرف کردہ اید دران تصرف خاص و مراد بآن شرط مہر یا مہر و نفقہ کہ مستحق است آن را زن و سوق حدیث مقتضی شق ثانی است ۔ کما لا یخفی علی المتامل المتفطن واللہ اعلم ۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پختہ شرط جسے تم کو پورا کرنا چاہیے وہ ہے جس سے تم نے شرمگاہ کو حلال کیا، یعنی حق مہر اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرط کو پورا کرنا چاہیے۔

کِتَابُ الوَقفِ

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید کے قبضہ میں زمین ہے اور کسی نے زید پر دعوے کیا کہ یہ زمین جو تیرے قبضہ میں ہے وقفی ہے اور سند میں ایک ایسا کاغذ پیش کیا کہ جس پر تصدیق کسی حاکم کی نہیں ہے اور گواہان حاشیہ میں سے کوئی باقی نہیں ہے اور اس کاغذ میں لکھا ہے کہ یہ زمین مذکور وقفی ہے اور حاکم سے بذریعہ اس کاغذ کے چاہا کہ زمین وقفی قرار دی جاوے اور زید کی ملک سے نکال لی جاوے تو آیا حاکم کو شرعاً اس زمین مذکور کو وقفی قرار دے کر زید کی ملک سے نکال لینا پہنچتا ہے یا نہیں۔

الجواب :۔ صورت مسئول عنہا میں زمین مذکور کا غذ مذکور سے کہ جس میں لکھا ہوا ہے کہ یہ زمین وقفی ہے، شرعاً وقفی ہونا ثابت نہیں ہوتا، بنابراں حاکم کو شرعاً زمین مذکور وقفی قرار دے کر زید سے نکال لینا نہیں حق پہنچتا، جب تک وقف کرنے والا خود اقرار نہ کرے، کہ یہ کاغذ میرا لکھا ہوا ہے، یا گواہان عادل سے ثابت ہو کہ کاغذ مذکور وقف کرنے والے کا لکھا ہوا ہے، چنانچہ درمختار میں مرقوم ہے۔ ذکر فی الخانیۃ والاسعاف ادعی رجل علی رجل فی یدہ ضیعۃ انہا وقف واحضر صکا فیہ خطوط العدل والقضاۃ الماضین وطلب من القاضی القضا بذلک الصک قالوا لیس للقاضی ذلک لان القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ انما ھی البینۃ اوالاقرار اما الصک فلا یصلح الحجۃ لان الخط یشبہ الخط وما ذکرناہ عن الخانیۃ محلہ ما اذا لم یکن للصک وجود فی سجل القضاۃ اما لو وجد فیہ فانہ یعمل بہ انتہی ملخصا۔ ترجمہ اس روایت کا یہ ہے، کہ خانیہ اور اسعاف میں مذکور ہے کہ کسی آدمی کے قبضہ میں زمین ہے، اور دوسرے شخص نے اس پر دعوی کیا کہ یہ زمین وقفی ہے اور ایسا کاغذ کہ جس میں نوشتہ اشخاص عادل اور قاضی امام

گذشتہ کا لکھا پیش کیا، اور بذریعہ اس کاغذ کے چاہا، کہ یہ زمین مندرجہ کاغذ وقف قرار دی جاوے، تو حاکم کو مناسب نہیں ہے، کہ زمین مذکور کو وقف قرار دے دے، کیونکہ حاکم تو حکم حجت پر کرتا ہے، اور حجت اصل میں گواہ معتبر یا اقرار ہے، اور کاغذ تو کسی طرح صلاحیت حجت ہونے کی نہیں رکھتا، اس وجہ سے کہ خط مشابہ دوسرے خط کے بھی ہوتا ہے، پس خط پر کیسے اعتماد کر لیا جاوے، اور وہ کہ خانیہ سے ذکر کیا گیا، کہ کاغذ پر عمل نہ کیا جاوے گا تو یہ اس صورت میں ہے، کہ اس کی نقل اور وجود دفتر قاضی میں نہ ہو، اور اگر دفتر قاضی میں اس کا وجود ہو، تو اس پر عمل کیا جاوے گا، فقط واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم۔

بے شک اس زمین کا وقفی ہونا محض اس کاغذ سے تا وقتیکہ اس کی کوئی اصل رجسٹر سرکار میں نہ ہو، ثابت نہیں ہوتا، قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار والمعروف الآن ما کتب فی الواقعۃ وبقی عند القاضی ولیس علیہ خطہ والحجۃ ما علیہ علامۃ القاضی اعلاہ وخط الشاہدین اسفلہ واعطی الخصم بحر ملخصا وانما یطلبہ لان الدیوان وضع لیکون حجۃ عند الحاجۃ فیجعل فی ید من لہ ولایۃ التفصل وما فی ید الخصم لا یؤمن علیہ التغییر بزیادۃ ونقصان۔ انتہی۔ امانت اللہ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی زرعی جس میں ایک مسجد بھی قدیم وکہنہ غیر آباد موجود ہے واسطے گورستان کے خرید کی، اور چند قبریں بھی اس نے اپنے خاندان کی اس میں بنائیں، لیکن کچھ زمانہ کے بعد سرکار سے زمین مذکور میں مردوں کا دفن کرنا حکما موقوف ہو گیا، اور وہ اراضی عرصے سے محض بے کار پڑی ہے جب کہ زید کا انتقال ہو گیا، تو اس کے جائز ورثہ چاہتے ہیں، کہ اراضی مذکور کو باستثنائے مسجد وقبور کے باقی افتادہ زمین کو بیع کر کے ایک ایسے دیگر شہر میں کہ جہاں کے مسلمانوں کو واسطے زمین گورستان زر چندہ کی خواہش ہے، زر ثمن زمین مذکور کا بھیج دیا جاوے، تاکہ

لہ اور دستور یہ ہے کہ جو فی الواقعہ نہ لکھا گیا ہو، اور نہ اس پر قاضی کے دستخط ہوں، اور نہ گواہوں کے، اس پر عمل نہ کیا جاوے گا، اور اگر اس پر قاضی اور گواہوں کے دستخط ہوں، اور قاضی کے پاس اس کا ریکارڈ ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا کیونکہ عدالتوں میں رجسٹری کی نقل اسی لئے تو رکھی جاتی ہے، کہ ضرورت کے وقت کام آسکے اور تحریر وہ معتبر ہے جو قاضی کے پاس ہو، ورنہ مدعی تو اس میں ہر قسم کی کمی بیشی کر سکتا ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے گورستان میں روپیہ زمین مذکورہ کا لگ جاوے، آیا عند الشرع شریف بیع زمین گورستان مذکورہ کی جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب سرکار سے زمین مذکورہ بالا میں مردوں کا دفن کرنا موقوف و ممنوع ہوگیا، اور زمین بے کار ہوگئی، تو اس کو بیع کرکے اس کا زر ثمن دوسرے شہر میں جہاں کے مسلمانوں کو واسطے زمین گورستان کے زر چندہ کی حاجت ہے بھیج دیا جاوے درست ہے، کہ قربت واحد ہے، خصوصاً نزدیک امام محمد کے۔ ولو خرب ما حوله[1] استغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی وبہ یفتی عاد الی الملک ای ملک الھانی دوارثہ عند محمد وعن الثانی ینقل الی مسجد اٰخر باذن القاضی کذا فی تنویر الابصار و الدر المختار۔ حررہ العاجز السید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک باغ کو وقف کیا، اور اس کے لئے چند آدمیوں کو متولی مقرر کردیا اب اس کے متولی لوگ اس کا حساب و کتاب ٹھیک نہیں رکھتے اور اس کی آمدنی کو بخوبی نہیں سمجھاتے پس اب واقف کو یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں کہ ان متولیوں کو معزول کرکے خود اپنے آپ کو یا اپنے بھائی کو متولی مقرر کرے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب:۔ واقف نے ان متولیوں کے مقرر کرنے کے وقت اگر ماہ بماہ یا سال بسال وغیرہ ازمنہ کے حساب فہمی کی شرط لگائی تھی تو یہ حساب دہی ان متولیوں پر واجب ہے، لان[2] شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ کما صرح بہ فی شرح المجمع للمصنف ھکذا فی رد المختار علی الدر المختار وفیہ ایضا الشرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع وھو مالک فلہ ان یجعل مالہ حیث شاء ما لم یکن معصیۃ انتھی، اور اگر شرط نہیں لگائی، تو بھی متولیوں کو لازم تھا، کہ اپنی امانت داری و دیانت داری ثابت

---

[1] اگر اس کا ماحول خراب ہو جائے، اور اس کی ضرورت باقی نہ رہے تو بھی امام صاحب کے نزدیک وہ مسجد ہی رہے گی، اور دوسرا قول یہ ہے، اور اسی پر فتوی ہے کہ وہ جگہ بانی اور اس کے وارثوں کے ملک میں واپس آجائے گی، تیسرا ایک قول یہ ہے، کہ اس کو قاضی کے حکم سے کسی اور مسجد کی طرف منتقل کردیا جائے گا۔

[2] کیونکہ وقف کرنے والے کی شرط شارع کے نص کی طرح ہے، وقف کرنے والے کی شرطیں معتبر ہیں بشرطیکہ شریعت کے برخلاف نہ ہوں، کیونکہ وہ مالک ہے اس کو اختیار ہے کہ اپنا مال جہاں چاہے خرچ کرے بشرطیکہ مال خرچ کرنے میں گناہ نہ ہو۔

رکھنے کے لئے اور اپنے کو تہمت خیانت سے بچانے کے لئے بموجب اتقوا مواضع[1] التھم ٹھیک ٹھیک حساب دیتے رہتے، تاکہ مال موقوفہ کے مصرف کا پورا پتہ چلتا، اور واقف کو اطمینان ہوتا رہتا، اور اس کے دل میں خطرہ وشبہ خیانت کا نہ پیدا ہوتا لیکن جب شبہ خیانت پاگیا، تو محاسبہ لازم ہوا، در مختار میں لکھا ہے، لا تلزم[2] المحاسبۃ فی کل عام ویکتفی القاضی منہ بالاجمال ولو معروفا بالامانۃ ولو متہما یجبرہ علی التعین شیئا فشیئا انتہی۔ پس اب اپنے اطمینان کے لئے واقف کو اختیار ہے، کہ ان متولیوں کو معزول کرکے اپنے آپ کو یا اپنے کسی دوسرے بھائی کو متولی مقرر کرے، در مختار میں ہے، للواقف[3] عزل الناظر مطلقا بہ یفتی، اور اسی میں ہے جعل الواقف الولایۃ لنفسہ جائز بالاجماع انتہی اور اسی میں یہ بھی ہے۔ وما[4] یصلح احد للتولیۃ من اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الاجانب لانہ اشفق ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیھم انتہی وھکذا فی عامۃ الکتب۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ العبد الضعیف الراجی الی اللہ ابو محمد عبد اللہ غفر لہ ۱۲ محرم ۱۳۰۱ھ

الجواب صحیح۔ زاھد حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے اجداد کو زمانہ شاہی میں اس غرض سے سلاطین اسلام نے معافی دی، کہ اس سے خرچ مسجد وصرف خوراک طلبہ وافطاری ماہ رمضان المبارک ہوا کرے، ونیز متولیان اپنے اور اپنے اہل وعیال اور گھربار کے خورد ونوش کے بھی کفیل رہیں چنانچہ اسی طرح پر عمل درآمد ہوتا رہا، جب زید متولی ہوا، تو اس نے اسراف فضول کرکے اس جائداد کو زیر بار قرضہ کا کرکے رہن کردیا، پس فعل زید کا ایسی جائداد کی نسبت جو اغراض مذکورہ بالا کے واسطے دی گئی تھی کیا اثر رکھے گا، اور ایسی جائداد وقف قرار پاوے گی یا نہیں، جواب عنایت فرمایئے، ثواب خدا سے پایئے، فقط،

---

[1] الزام کی جگہ سے بچنے کی کوشش کرو

[2] حساب ہر سال ضروری نہیں ہے، اگر متولی امین ہو، تو قاضی کو بالاجمال حساب دیکھ لینا کافی ہے، اور اگر متولی کے متعلق بدگمانی ہو تو ایک ایک چیز کا الگ الگ حساب لینا چاہیئے،

[3] اگر وقف کرنے والا اپنے آپ کو متولی بنالے، تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

[4] وقف کرنے والا اقرابداروں میں سے اگر کوئی متولی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو کسی غیر کو متولی نہ بنانا چاہیئے کیونکہ اس میں زیادہ شفقت ہے۔

الجواب۔ ہو المصوب۔ صورت مسئولہ میں جائداد مذکور وقف قرار پاوے گی، اور زید یا تو معزول کر دیا جاوے، یا اس کے ساتھ ایک اور دوسرا شخص امین مقرر کر دیا جاوے۔ عالمگیریہ میں ہے۔ متولی الوقف[لہ] لو باع شیئا منہ او رھن فھو خیانۃ فیعزل او یضم الیہ ثقۃ۔ ردالمحتار میں ہے اذا کان للوقف متول من جہۃ الواقف او من جہۃ غیرہ من القضاۃ لا یملک القاضی نصب متول آخر بلا سبب موجب لذلک وھو ظہور خیانۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس زمین زراعت قسم حرام بہ سبب فعل حرام سرکار سے بخشش ہوئی تھی، اب وہ فعل حرام نہ رہا، نہ سرکار رہی، اب دوسری سرکار کی حکومت ہے، اور زید کی تیسری پشت ہے، اس پشت مذکور پر محصول مقرر ہو گیا، اس صورت میں وہ حلال ہوئی یا حرام رہی، اگر کچھ زمین وقف کر دے، تو جائز ہے یا ناجائز، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں زمین جو فعل حرام سے حاصل ہوئی ہے، وہ حرام ہے اس کی حرمت کا ازالہ کسی طرح نہیں ہو سکتا، کیونکہ مال حرام کا رد کرنا طرف اصل مالک کے اگر معلوم ہو، واجب ہے یا اس کو تصدق کر دینا لازم، مگر نہ بہ نیت طلب ثواب کے بلکہ بری ہونے کی نیت سے، درمختار میں ہے۔ یرد علی اربابہ ان علموا والا یتصدق بہ ویکفر اذا تصدق بالحرام القطعی ردالمحتار میں ہے ای مع رجاء الثواب الناشی عن استحلالہ اھ، تو معلوم ہوا کہ گو اب نہ وہ فعل حرام رہا، اور نہ وہ سرکار رہی اور کئی نسل اس پگنڈی میں آئی، مگر پھر بھی وہ حلال نہ ہو گی، اور جب وہ حلال نہ ہوئی تو اس کا وقف کرنا کیونکر جائز ہو گا، اور اس زمین کے وارثوں کی طرف منتقل ہونے سے وہ حلال نہیں ہو سکتی، درمختار میں ہے ھو حرام مطلقا علی الورثۃ۔ اور وقف مال حرام سے جائز نہیں ہے، چنانچہ مسلم کی حدیث میں ہے

[لہ] وقف کا متولی اگر وقف سے کوئی چیز فروخت کر دے یا رہن رکھے تو یہ خیانت ہے، اس کو معزول کر کے اس پر کوئی معتبر آدمی مقرر کیا جائے گا، اگر وقف کرنے والے کی طرف سے وقف کا کوئی متولی مقرر ہو یا کسی اور قاضی کا مقرر کردہ متولی ہو تو اس کو بلا وجہ قاضی معزول نہیں کر سکتا، اور وجہ قابل معزولی خیانت ہے۔

ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب[1] شیخ عبدالحق دہلوی مشکوۃ میں فرماتے ہیں تصدق از مال حرام چیزے نیست۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ شرعاً متولی اوقاف جائداد موقوفہ کو بنظر اصلاح اس جائداد کے یا بنظر اصلاح اس شئے کے جس پر یہ جائداد وقف کی گئی ہے رہن کر سکتا ہے یا نہیں، متولی محاصل وقف سے باختیار خود یا باجازت وقف کنندگان کسی قدر اپنے مصارف کے لئے سالانہ یا ماہواری لے سکتا ہے یا نہیں، اصلاح وقف کی تدابیر نکالنے میں صرف اہل محلہ ہی شرعاً مجاز ہیں یا اور بقیہ اہل اسلام بھی اس کے مجاز ہیں، اگر جملہ اہل اسلام کو بہبودی اوقاف میں رائے زنی کا اختیار ہے، تو شرعاً عمائد اہل اسلام کی رائے قابل اعتماد اور لائق استثناء ہے یا رائے عوام، بینوا توجروا،

الجواب:۔ واضح ہو کہ مضمون سوال و نیز بیان سائل سے ظاہر ہوا، کہ دکانین متعلقہ مسجد کو بانی رہن رکھ کر مر گیا، پھر کوئی صورت اس کے انفکاک و خلاص کی ظہور میں نہ آئی، اس بات کو عرصہ سالہاسال کا گذر گیا، اور میعاد رہن کی موافق قوانین سرکار حال منقضی ہونے لگی اس میں خوف تلف دکانین کا پایا گیا، اور امداد اہل اسلام و نیز بانی کی اولاد نہیں پائی گئی، اس اثنا میں بخوف تلف متولی مسجد دکانین نے موافق قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات کے دکانین موقوفہ کی رہائی کے واسطے دوسرے شخص کے پاس دکانین کو رہن رکھ کر تمام روپیہ مرتہن اول کا ادا کر دیا، اور مرتہن ثانی کے لئے ماہوار قسط مقرر کر دی، کہ اس میں روپیہ اس کا ادا ہو جاوے، تو اس صورت میں واسطے اصلاح دالبقاء دکانین موقوفہ کے متولی کا رہن رکھنا جائز ہے البتہ اتلاف کی صورت میں رہن رکھنا جائز نہیں، سو وہ یہ صورت نہیں ہے۔ ولکن ایفتی بکل ماھو انفع للوقف فیما اختلف العلماء فیہ حاوی القدسی کذا فی تنویر الابصار والدر المختار، متولی موافق عمل اور مزدوری اپنی کے اجرت لے سکتا ہے، زاید کا مستحق نہیں ہے، وھو ایضاً للمتولی اجر مثل عملہ فقط انتہی ما فی الدر المختار وغیرہ،[2] مسجد کے نمازی وغیرہ کو وقف کی اصلاح وغیرہ میں کسی طرح کا اختیار و مجاز حاصل نہیں ہے لیکن کا ھل المسجد

---

[1] اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔ جس چیز میں وقف کا فائدہ ہو، اسی کا فتوی دیا جائے گا جن مسائل میں علماء کا اختلاف ہے۔ [3] متولی اپنے کام کے مطابق وقف سے مزدوری لے سکتا ہے۔

[4] مسجد میں نماز پڑھنے والے لوگوں کو متولی ہونے کا حق نہیں ہے۔

التولیۃ کذا فی السراجیۃ وغیرہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اہل مسجد کو اس کی اصلاح وغیرہ کی تولیت حاصل نہیں، تو غیر اہل مسجد کو بدرجہ اولیٰ اختیار حاصل نہیں ہکذا فی المعتبرات واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین محمد عبد الحمید ۱۲۹۳	زشرف سید کونین سید شریف حسین	سید حامد علی ۱۳۰۳

سوال:۔ زید نے اپنے ثبات ہوش و عقل و حواس میں ایک وصیت نامہ لکھا اور اس وصیت نامہ میں اپنی جائداد میں سے ایک مکان واسطے صرف مسجد کے بایں شرط کہ نصف آمدنی مرمت مکان میں اور نصف آمدنی صرف مسجد میں لکھا۔ بعد لکھنے وصیت نامہ کے زید مذکور نے تمام اہل محلہ کے روبرو اس مکان کو وقف کر دیا، اور حوالہ متولی کر کے قبضہ اپنا اس سے اٹھا لیا، اور سات برس سے جس قدر آمدنی آئی متولی مسجد پر صرف کرتا رہا اس کے بعد زید فوت ہو گیا، اب یہ مکان وقف شدہ ورثہ کو ملے گا، یا بموجب وصیت نامہ کے حکم جاری ہوگا، یا وقف تصور کیا جاوے گا۔ فقط

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیے، جب کہ زید مذکور نے بعد لکھنے وصیت نامہ کے کل مکان اپنے کو وقف کر دیا، تو اس صورت میں وقف صحیح رہا، اور وصیت باطل ہو گئی پس دعویٰ ورثاء زید کا نسبت مکان مذکور کے لغو و ناجائز ہے اگر وہ کریں جیسا کہ اس حدیث بخاری سے معلوم ہوتا ہے۔ عن[1] ابن عمر رضی اللہ عنہ قال اصاب عمر رضی اللہ عنہ ارضا بخیبر فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستامرہ فیہا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط ھو انفس عندی منہ فقال ان شئت حبست اصلہا وتصدقت بہا قال فتصدق بہا عمر رضی اللہ عنہ۔ و نیز تنویر الابصار و درمختار سے مستفاد ہے فاذا تم[2] و لزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن فلا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشورہ کے لئے آئے، اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول مجھے خیبر میں ایسی اچھی زمین ملی ہے، کہ اتنی اچھی زمین مجھے کبھی نہ ملی تھی، آپ نے فرمایا، اگر تو چاہے، تو اس کا اصل اپنے پاس رکھ، اور اس کی پیداوار صدقہ کر دے، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی پیداوار صدقہ کر دی۔ [2] جب وقف پورا ہو جائے، تو نہ واقف اس کا مالک رہتا ہے، نہ وہ کسی اور کی ملک میں آ سکتا ہے نہ مستعار دیا جا سکتا ہے نہ رہن رکھا جا سکتا ہے، نہ اس کو باطل کیا جا سکتا

عنہ وعلیہ الفتوی ابن الکمال وابن الشحنۃ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرھما من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: ہر ہوش مند عاقبت اندیش پر مخفی نہیں، کہ شئے وقفی خصوصاً مسجد کا بیع یا نیلام یا مسمار کرنا بخاطر کسی اہل ہنود کے مندر یا شوالہ میں ملانے کے واسطے دنیا بھر کے مذہب وملت کے نزدیک درست وروا نہیں، خواہ اس میں خود واقف قصد کرے یا حاکم وقت ارادہ ان امور مذکورہ کا کرے ہرگز جائز نہیں، جو شخص اقدام اس باب میں کرے گا، گنہ گار ہوگا، کیونکہ پرستش گاہ میں تصرف مالکانہ کرنا کسی ادیان میں درست نہیں ہے، اور حکم شئے وقفی کا مثل حر کے ہے یعنی جیسے حر رقبہ غلام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ویسے ہی شئے وقف بعد وقف کے ملک ہونا قبول نہیں کرتا، فان الوقف بعد الصحۃ لا یقبل الملک کالحر لا یقبل الرقیۃ کذا فی شرح الوقایۃ وغیرھا الوقف لا یباع ولا یوھب ولا یورث کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ والدر المختار وغیرھما من کتب الفقہ واللہ تعالی اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: اگر کسی واقف نے یہ وصیت کی ہو کہ آمدنی فلاں مکان موقوف یا فلاں دکان موقوف کی فلاں مسجد کے مصرف میں خرچ ہوتی رہے، تو کیا کسی وارث واقف یا حاکم یا متولی کو جائز ہے، کہ اس مکان یا دکان موقوف کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے مصرف میں صرف کرے بینوا توجروا

الجواب: ہرگاہ نص صریح واقف کی طرف سے یہ پائی گئی کہ فلاں مکان موقوف یا فلاں دکان موقوف کی آمدنی فلاں مسجد کے مصرف میں خرچ ہوتی رہے، تو بعد ازاں کسی وارث واقف یا حاکم یا متولی کو روا نہیں، کہ آمدنی اس مکان موقوف یا دکان موقوف کی کسی دوسری مسجد کے مصرف میں صرف کرے۔ شرط الواقف یجب اتباعہ لقولھم شرط الواقف کنص الشارع کذا فی الاشباہ والقنیۃ والدر المختار وغیرھا من کتب الفقہ- وان

ہے، نہ وہ ذمہ میں تقسیم ہو سکتا ہے، اور اسی پر فتوی ہے ۔ ۱؎ وقف صحیح ہو جانے کے بعد ملکیت کو قبول نہیں کرتا، جیسے کہ آزاد غلام نہیں ہو سکتا، وقف نہ بیچا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے نہ وراثت میں تقسیم ہو سکتا ہے ۔ ۲؎ وقف کرنے والے کی شرط کو ملحوظ رکھنا واجب ہے، کیونکہ کہا ہے، کہ وقف کرنے

اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجداً ومدرسۃ ووقف علیهما اوقافا لا یجوز له ذلك كذا فی الدر المختار (یعنی اگر مختلف ہوں اس طرح پر کہ دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا، اور دونوں پر اوقاف وقف کیے تو حاکم کو یہ جائز نہیں ہے، کہ ایک کا محصول دوسرے پر صرف کرے، پھر جو کوئی خلاف نص موصی و واقف کے کرے گا، وہ وعید میں اس آیت کریمہ کے فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه علی الذین یبدلونه داخل ہوگا، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: دعوی زید با قامت بینہ وگذاردن دو گواہ عادل برثبوت وقف قدسے زمین مقبول ومسموع خواہد بود وثبوت وقف آن قطعہ بلا ریب شود وبیع دران قطعہ ثابت نخواہد شد ان کل وقف[1] هو حق الله تعالیٰ فالشهادة علیه صحیحة بدون الدعوی وکل وقف[2] هو حق العباد فالشهادة علیه لا تصح بدون الدعوی كذا فی الذخیرة، وزیادہ برین این است، کہ اگر قطعہ زمین را باظہار ملکیت خود فروختہ باشد، بعد ازان گوید کہ من وقف کردہ بودم این را وبینہ بر وقف قائم نمودہ پس بینہ او معتبر شود ووقف بدان بینہ ثابت خواہد بود۔ من باع ارضا ثم قال كنت وقفتها او قال هی وقف علی ان لم یقم بینة علی ذلك واراد تحلیف المدعی علیه لیس له ذلك لان سبق الدعوی الصحیحة شرط التحلیف وقد انعدم لمكان التناقض منه وان اقام البینة فالمختار انها تسمع لان الدعوی ان بطلت للتناقض بقیت الشهادة وهی مقبولة علی الوقف من غیر دعوی كذا فی الغیاثیة و متی قبلت ینتقض البیع كذا فی الواقعات الحسامیة، هكذا فی الهندیة وغیرها

والے کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے ۔ لے جو اس کو سننے کے بعد بدل دے گا، تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہوگا جو اس کو بدلیں گے۔

مسئلہ: اگر زید کسی زمین کے وقف ہونے کا دعوےٰ کرے، اور دلیل قائم کرے دو گواہ عادل وقف کی شہادت پر پیش کرے تو اس کا دعویٰ مسموع گا، اور اس قطعہ زمین کو فروخت نہ کیا جا سکے گا، ہر وہ وقف جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں شہادت بغیر دعوی بھی صحیح ہے، اور جو وقف بندوں کا حق ہو اس پر بغیر دعوی کے شہادت صحیح نہیں ہے، اگر کوئی آدمی کسی زمین کو فروخت کرے پھر کہے کہ میں نے اس کو وقف کیا تھا تو یہ دعوی صحیح ہوگا بشرطیکہ اس پر کوئی دلیل قائم کرے، اگر دلیل پیش کر دے تو اس دلیل سے وقف ثابت ہو جائے گا، اور اگر دعوی تناقض کی

(۱) کالمسجد وغیرہ (۲) کالمدرستہ وغیرھا۔

من کتب الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ وقف بالوکالت اس طرح پر جائز ہے، کہ ایک شخص یہ کہے، کہ مجھ کو اپنی جائداد وقف کرنی منظور ہے، لہذا میں نے زید کو واسطے تحریر دستاویز وقف کے مختار کیا، اور نسبت نامزد کرنے متولی کے کچھ اختیار نہیں دیا، اور مختار نے واقف کی طرف سے یعنی واقف کے اقرار سے ایک دستاویز وقف نامہ تحریر کرکے واقف کے دستخط اپنے قلم سے کرکے اپنے اقرار سے رجسٹری کرادی، در حقیقت شرعاً یہ وقف عمل میں آیا، یا نہیں، اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس طرح پر کہنا کہ مجھ کو اپنی جائداد وقف کرنی منظور ہے، لہذا زید کو واسطے تحریر دستاویز وقف کے مختار کیا، الی آخرہ، موجب ثبوت وقف کا نہیں ہو سکتا کیونکہ واقف نے اپنے زبان سے رکن وقف کو بیان نہیں کیا، اور جب تک رکن شئے کا مذکور نہ ہو، تب تک اس شئے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ورکنہ الخاصۃ کارضی ھذہ صدقۃ موبدۃ علی المساکین ونحوہ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار والفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا من الکتب الفقہ۔ اور واقف کا یہ کہنا، کہ مجھ کو اپنی جائداد وقف کرنی منظور ہے، بطور اخبار کے آیندہ پر ہے، نہ انشاء وقف کرنے کا بالفعل، پس اس صورت میں ثبوت وقف واعتبار تحریر وقف نامہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید صاحب جائداد واولاد چاہتا ہے، کہ بعد فوت ہونے میرے کے وارثان شرعی اس کی جائداد کو باہم تقسیم اور منتقل اور تلف نہ کریں اس واسطے وہ وصیت کیا چاہتا ہے انہیں وارثان شرعی کو، اور در صورت اندیشہ انکار وعدم تعمیل ان کے دیگر اشخاص غیر کو اس مضمون سے کہ بعد میرے وارثان شرعی اس جائداد کو ضائع اور تلف نہ کرسکیں، بلکہ اس کی آمدنی کو کرایہ وغیرہ سے بقدر حصص شرعی ہر وارث اپنا حصہ لے کر گذارہ کرتا رہے، اور جائداد بحالہ قائم اور محفوظ انتقال اور تقسیم وغیرہ سے رہے آیا

وجہ سے باطل بھی ہو جائے گا، تو پھر بھی شہادت سلو مانی رہے گی ۱۲ اور وقف پر بغیر دعوی بھی مقبول ہے۔

؎ اور اس کا خاص رکن یہ ہے، کہ وہ اس طرح کہے، کہ میری یہ زمین ہمیشہ کے لئے مساکین پر صدقہ ہے۔

ایسی وصیت برضامندی وارثان شرعی یا بلا رضامندی ان کے بدون وقف کرنے جائداد کے نسبت حفظ جائداد کے شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور وارثان مذکور شرعاً ممنوع التصرف انتقال جائداد سے ہو سکتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں ہو سکتے، تو درصورت وقف کرنے جائداد کے وارثان مذکور آمدنی جائداد موقوفہ کے بقدر حصص شرعی خود متمتع ہو سکتے ہیں یا نہیں، یعنی موصی جائداد کو بہ نیت حفظ جائداد اور بقا اس کی کے وقف کر دے، اور آمدنی نقدی جائداد کو درمیان وارثان کے بقدر حصص شرعی منقسم کر دے تو یہ طریق شرعاً بھی جائز ہے یا نہیں، اور اگر یہ دونوں صورتیں شرعاً جائز نہیں ہیں، تو پھر وہ کون سی صورت ہے، کہ جس سے جائداد محفوظ رہے، اور محاصل اس کا وارثان پر تقسیم ہوتا رہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ سائل نے سوال مذکور میں جو دو صورتیں ایک وصیت دوسری وقف واسطے امتناع تصرف وارثان خود و عدم انتقال جائداد تحریر کی ہیں، اور استفسار کیا ہے، کہ ان دونوں صورتوں میں کون سی ایسی جائز صورت ہے، کہ جس سے جائداد منتقل نہ ہونے پائے اور اس کی آمدنی سے وارثان بقدر حصص خود اپنا اپنا حصہ بھی پاتے رہیں، پس واضح ہو، کہ ان دونوں صورتوں میں صورت وقف موافق مدعا سائل ہے، اور جائز بھی ہے اس صورت میں بلاشک جائداد انتقال سے محفوظ رہے گی، اور محاصل اس کا وارثان میں تقسیم ہوتا رہے گا، اور یہ بات وصیت میں حاصل نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ذوشرف سید کونین شد شریف حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپنے جیتے جی اپنے آپ کو متولی ٹھہرا کر اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کو بشرطان شرائط مفصلہ ذیل کے وقف کیا۔

اول یہ کہ نفع فلاں موضع کا ہمیشہ مصارف وارد و صادر و مرمت چاہ وپل میں رہے۔

دوسرے یہ کہ فلاں فلاں موضع کا نفع فلاں فلاں شخص اور ان کی اولاد در اولاد پاوے۔

تیسرے یہ کہ ہر شخص اپنے حصہ کے موافق متولی رہے، اور چاہیں تو سب متفق ہو کر ایک کو متولی کر دیں۔

چوتھے یہ کہ موقوف علیہم کو ہبہ یا بیع یا کسی طرح کا انتقال کرنے کا اختیار نہیں، ہاں بصورت مناسب باخذ ضمانت پانچسالہ ٹھیکہ دیں۔

پانچویں یہ کہ اندرونی گھر جس کے قبضہ میں ہے دہ اسی کے پاس رہے، بیرونی گھر شراکت

ہیں رہے، فقط اب استفسار یہ ہے، کہ موجب مذہب حنفی کے وقف میں یہ شرائط صحیح ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- کتب فقہ حنفی میں لکھا ہے، کہ شرط واقف کی نص شارع کی طرح واجب العمل ہے، چنانچہ اشباہ میں ہے، شرط الواقف یجب اتباعہ لقولہم شرط الواقف کنص الشارع ای فی وجوب العمل۔ ہاں آٹھ مسئلوں کو فقہا نے اس حکم میں سے الگ کیا ہے، سو سوائے چوتھی شرط مندرجہ سوال کی شرائط مندرجہ سوال میں سے اور کوئی شرط ان الگ کئے ہوئے مسائل میں سے نہیں ہے، البتہ صرف چوتھی شرط میں بصورت مصلحت قاضی کو استبدال پہنچتا ہے، کما فی الاشباہ۔ الثامنۃ شرط الواقف عدم الاستبدال فللقاضی الاستبدال اذا کان اصلح، محصل کلام یہ ہے، کہ بر تقدیر شرائط مذکورہ کی صحت وقف میں کچھ کلام شرعی نہیں، فقط

سید محمد نذیر حسین

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی بادشاہ نے زید کو دیہہ یا اراضی دیہہ وغیرہ بقید لفظ التمغا مدد معاش با فرزندان زید بلا قید اسامی نسلاً بعد نسل عطا کیا ہوا، اور اس پر فرزندان زید کا عمل در آمد در عطائے سلطانی سے بموجب آئین و تجویز اول سلطان موصوف کے ایک مدت مدید تخمیناً دو ڈھائی سو برس تک دستور العمل جاری رہا ہوا اور قواعد میراث اور فرائض مثل حجب ارث موانع ارث وغیرہ جاری کبھی نہیں ہوئے ہوں، اور اب کوئی شخص فرزندان زید سے برخلاف اس عمل در آمد قدیم کے اجرائے قواعد میراث شرعی کا چاہے، اور پہلے بذریعہ تحریر اقرار نامہ مہری خود عمل در آمد قدیم پر عمل کر چکا ہوا اور باقی فرزندان زید عمل در آمد قدیم کو تسلیم کریں، اور برخلاف عمل در آمد قدیم کے اجرائے قواعد میراث شرعی کا نہ چاہیں، تو بموجب احکام شرع شریف کے دیہہ عطیہ سلطانی میں جو کہ بصفت بالا موصوف ہے فرائض جاری ہوگی یا عملدر آمد قدیم جاری رہے گا، بینوا توجروا۔

الجواب :- ارباب شریعت غرا پر مخفی نہیں ہے کہ حکم التمغا عطیہ مدد معاش دوامی نسلاً بعد نسل مانند حکم وقف کے ہے یعنی جیسے وقف میں ترکہ اور قسمت شرعی جاری نہیں ہوتی، اسی طرح مدد معاش میں تقسیم بطور فرائض شرعی کے جاری نہیں ہوسکتی، کیونکہ غرض اور نیت

۱؎ واقف کی شرط پر عمل کرنا اسی طرح واجب ہے، جیسے شارع کی نص پر عمل واجب ہے ۲؎ ساتواں یہ ہے، کہ وقف کرنے والے کی شرائط کو بدلا نہ جائے، ہاں اگر اس کے بدلنے میں مصلحت ہو تو قاضی اس کو بدل سکتا ہے۔

عطا کرنے والے کی عطا، مدد معاش میں پرورش ہر کس ذکور وانا ث میں سے موافق حاجت ہر شخص کے ہوتی ہے، اور یہ غرض سہام شرعی میں نہیں پائی جاتی پس خواہ مخواہ حکم اس کا حکم وقف کا سا ہوگا۔ الامور بمقاصدھا کذا فی الاشباہ والنظائر وغیرہ من کتب الفقہ لہذا علمائے کرام سابقین نے تنصیص کی ہے، کہ در مدد معاش عطائے سلطانی فرائض جاری نہ می شود، کذا فی رسالۃ التمغا للعلامۃ التھانیسری، اور دلیل قاطع اور برہان ساطع اس پر خالصہ نبی نضیر وفدک وغیرہ کا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا نورث ما ترکنا صدقۃ الحدیث رواہ البخاری ومسلم وغیرھما، پھر باوصف اس کے تصریح وتخصیص سلطان معطی کے اور دستور آمد اور دستور العمل دو ڈھائی سو برس سے چلا آیا درمیان اولاد جد اعلیٰ کے اور تعامل وتعارف بلا قسمت شرعی حسب الحکم فرمان سلطانی نیز جاری رہا، لہذا ان خلاف اس کے مقبول نہ ہوگا کان شرط الواقف کنص الشارع والمعروف کالمشروط کذا فی الدر المختار والاشباہ وغیرھما من کتب الفقہ، پس بموجب تجویز وشرائط واذن سلاطین موصوفین پیشین کے حسب عطیہ دیہہ مرقومہ بالا میں عملدرآمد قدیمانہ جاری رہے گا، اور قول ایک شخص کا اولاد زید موصوف سے برخلاف عمل درآمد قدیم کے مقبول اور مسموع نہ ہوگا خصوصاً جب کہ وہ خود بذات خود عملدرآمد کر چکا۔ بطریق اولے قول اس کا ثانی الحال میں باطل ہوگا۔ کما لا یخفی علی العالم الماھر بالشریعۃ الغراء۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معنی کہ بمقابر اولیاء اللہ کہ در دیار ہندوستان است دیہات واراضی کہ برائے مصارف خانقاہ وخرچ وارد وصادر مقرر باشد فرزندان آن ولی اگر خواہند تقسیم کردہ بطور فرائض گرفتن میتوانند یا نہ واگر تقسیم نمودن نتوانند کدام کس متہد ومتولی آن شود، وہر چہ جنس ونقد ہر روزہ آمدنی خانقاہ شود دران فرائض جاری می تواند شد یا نہ، اگر فرزندان دختر ے وپسرے وبرادر عینی برائے سجادہ

---

[1] امور کا اعتبار مقصد کے مطابق ہوگا [2] ہم وارث نہیں بنائے جاتے، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

[3] وقف کرنے والے کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے، اور جس کا دستور ہو وہ شرط ہی کی طرح ہے۔

نشینی کہ آنرا خلافت می گویند باہم نزاع کنند، کدام ازینہا استحقاق دارد و دعوی سجادہ نشینی وخلافت قاضی سماعت میتواند کرد، واگر قاضی این دعوے را سماعت نکند چگونہ رفع نزاع آنہا کردہ شود، وسجادہ نشینی کدام کس را مقرر نمودہ آید فقط

الجواب:۔ دیہات واراضی کہ برائے مصارف خانقاہ وخرچ دارد و صادر مقرر است فرزندان را بطور فرائض تقسیم کردن وحصہ ہائے گرفتن نمی رسد بلکہ یک کس را از خود متولی قرار دہند تا موافق حاجت تقسیم نماید آرے اگر اولاد محتاج اند، ودر جملہ متعلقان وخدام خانقاہ داخل اند پس آنہارا نیز نصیبے است بقدر حاجت واگر بسبب تنازع میان یک کس را یعنی شخصے را قرار ندہند، حاکم وقت عادل را باید کہ متولی این وقف یک کس را از آنہا کہ موصوف بعدالت وامانت باشد از طرف خود مقرر رساند و در نیاز ہر روزہ کہ بخانقاہ می آید بقدر حاجت در اولاد وخدام صرف باید نمود، متولی جمع وتقسیم یک کس را این باید ساخت وتقسیم پرورش احباب از اولاد وخدام باید نمود مانند تقسیم خمس بذوی القربی آرے کسانیکہ حاجت زائد دارند یا خدمت زائد در خانقاہ می نمایند یا باعث مرجع خلق می شوند ترجیح نمودن آنہا باکے ندارد دونیا علی التقصیل من الخمس وسجادہ نشینی وخلافت دو معنی دارد اول ریاست جمع وتقسیم و عزل ونصب خدام وتقدیم وتاخیر مصالح واین معنی موروث نیست بلکہ مفوض راتفاق واجماع

است واگر اتفاق نہ کنند مفوض برائے حاکم عادل است، دوم اخذ بیعت وتلقین اذکار و اقامت جماعت وجمعہ وترتیب حلقہ ذکر واشغال واین معنی ہم البتہ موروث نیست، بلکہ موقوف بر لیاقت این کار است، ودر معرفت لیاقت این کار سہ طریق است قیاسا علی الخلافۃ الکبریٰ، اول آنکہ سجادہ نشین سابق او را خلیفہ ساختہ باشد، وبا خذ بیعت وتلقین اذکار اذکار وا ورا بحضور خود مجاز وبا ذون ساختہ باشد، دوم اتفاق واجماع خلفا ومریدان بزرگ وہم برادران او بر خلافت وسجادہ نشینی این کس، سوم شورے یعنی چند کس از یاران کار کردہ، و اصحاب آن طریق باہم مشورت نمودہ یک کس را از اولاد یا از خلفائے آن بزرگ بخلافت او منسوب سازند دعوے آن سجادہ نشینی وخلافت ابتدائے قاضی استماع نماید بلکہ اہل حل وعقد آن جماعت را تعیید کند کہ از میان خودہا یکے را کہ الیق باین کار باشد خلیفہ سازند یا چند کس را از ان انتخاب نمودہ، این امر را دو بانہا مفوض سازند، اما بعد از انکہ بیکے از طرق ثلاثہ شخصے برائے سجادہ نشینی وخلافت متعین شدہ باشد، وشخصے دیگر از دو درین امر منازعت نماید البتہ دعوے شخص اول را بشنود ودفع نزاع باقامت شہود معتبر بر ثبوت سجادہ نشینی و خلافت بیکے از طرق ثلاثہ می تواند کرد، واگر شخص دوم دعوے نا اہلیت شخص اول وتغیر وتبدیل سیرت محمودہ می کند پس تفتیش نمودہ صدق وکذب آن را دریافتہ اگر خواہد اول را معزول نماید ودر نصب خلیفہ دیگر بیکے از طرق ثلاثہ متمسک شود، واگر ہر دو دعوے تعیین خلیفہ سابق

می کنند یا ہر دو کس دعوے اتفاق اہل حل وعقد یا اہل شورے نماید قاضی بطلب شہود وتزکیہ آن دفع نزاع نماید بالجملہ درین امور وراثت جاری نیست وراثت محض در اعیان مملوکہ آن میت است کہ در آخر حین حیات مالک آن بود نقل از فتوی شاہ عبد العزیز قدس سرہ

حفیظ اللہ	محمد عبد الرب	محمد صدر الدین	فقیر احمد سعید احمدی
سید محمد نذیر حسین	محمد کریم اللہ	سید رحمت علی معروف اکرام الدین مفتی	
مستجاب فی اللہ محمد سراز	عبد اللہ	ھو القادر الخالق الخبیر	

سوال: ما اندرین مسئلہ کہ موضع عطائے سلطانی بلفظ التمغا مدد معاش فرزندان زید نسلاً بعد نسل باولاد مورث یعنی موہوب لہ منظوری نواب گورنر جنرل بہادر با ابطال بیع حصص بنام موہوبہ یافتہ مانند اولاد پسرے حصہ خود بعد ممات پدر خود نیز عمل در آمد تمامی اولاد موہوب لہ ہمین قاعدہ کہ رو بروے حیات زید ولد یا ولد ولد زید کدامی حصہ از عطائے مسطوبیع نیابد از عرصہ دونیم صد سال جاری وساری است بدین قاعدہ مدد معاش واہبہ اول رو برو عمل در آمد چلن ندوبہ خاندان موہوب لہ از مرور مدت مذکور نیست و نابود گردید الحال وقت حیات زید فرزند فرزند متوفی دعوے کہ کدامی قدر حصہ از موضع موہوبہ مجددبہ بیان مدد معاش مفقود العمل در آمد بر زید می کند درست است یا نہ و اگر بر تقدیر زید مذکور برعایت پرورش پسر متوفی را قدرے ماہوار تا حیات خود و بعد ممات وادن حصہ برابر فرزندان باوجود موجود بودن دین ذمہ خود مندرج اقرار نامہ موسومہ پسر مذکور تحریر کردہ باشد۔

ایک موضع بطور مدد معاش بادشاہ نے فرزندان زید کو نسلاً بعد نسل عطا کیا، گورنر جنرل بہادر نے اس کو منظور کیا اور موضع مذکور کی تقسیم اولاد در اولاد کو اس کے حصص کی خرید و فروخت سے منع کر دیا، اور لکھا ہے کہ موہوب لہ کے بعد اس کی نرینہ اولاد اس کی پیداوار سے حصہ لیتی رہے، قریباً اڑھائی سو سال اسی پر عمل در آمد رہا ہے، اب متوفی موجودہ زید کا پوتا جس کا باپ فوت ہو چکا ہے دعوے کرتا ہے، کہ زید اس کو اس کا حصہ الگ کر دے، اور متولی موجودہ پر قرضہ بھی ہے، بتایا جائے کہ اس صورت میں متولی موجودہ کا پوتا یہ دعوے کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور پھر اس کو قرضہ میں سے بھی حصہ لینا چاہیئے یا نہیں؟

بصورت یافتگی حصہ مذکور پسر را دائے دین زندگی جد یعنی زید مذکور میسر شد یا میسر شد بینوا توجروا

الجواب: در صورت مرقومہ ہرگاہ حکم نواب گورنر جنرل بہادر ابطال ہبہ و بیع حصہائے موہوبہ دیافتہ باندن اولاد پسری بعد ممات پدر خود نافذ شد و نیز عملدر آمد تمامی اولاد موہوب لہ چنانکہ در سوال مذکور است از مدت دو نیم صد سال جاری وساری است، پس ازان انحراف جائز نخواہد بود۔ لان تصرف الامام والحاکم فیما یری المصلحۃ فیہ نافذ ویجب الاتباع فیہ ولا یجوز الانحراف عنہ کذا فی الفتاویٰ درو بروئے زید ولد زید وولد ولد او دعوی کدامی بقدر حصہ از موضع موہوبہ مذکورہ نخواہد رسید بلکہ دعوی او باطل خواہد بود، زیرا کہ در حیات مورث راحیثیت وراثت میسر شد شرعا وعرفا وبموجب اقرار نامہ موسومہ پسر مذکور بصورت یافتگی حصہ مذکور پسر را دائے دین زید صد فرزند فرزند مقدم است تا وقتیکہ ادائے دین نشود پسران زید وفرزند فرزند زید مذکور را دران دعوے نخواہد رسید۔ لان الدین مقدم علی المیراث کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ اعلم

حررہ سید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

الجواب: صورت مرقومہ میں جب کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے حکم ابطال ہبہ اور بیع حصہ ہائے زمین موہوبہ کی ممانعت بھی کر رکھی ہے، اور متولی کا فرزند بھی موجود ہے، اور موہوب لہ کی اولاد میں عرصہ اڑھائی سو سال سے اس کے خلاف عمل رہا ہے، زید متولی کے پوتے کا یہ دعوے کیسے تسلیم ہو سکتا ہے، جس چیز میں امام یا حاکم مصلحت سمجھے اس میں اس کا حکم نافذ ہے، اور اس کی اتباع لازمی ہے، اس سے انحراف نہیں کیا جاسکتا، اور زید کی موجودگی میں اس کے بیٹے یا پوتے کا دعوی درست نہیں ہے، کیونکہ مورث کی موجودگی میں وارث کا کوئی حق نہیں ہے اور پھر قرضہ کا ادا کرنا وراثت پر مقدم ہے، واللہ اعلم۔

کتابُ الحقوق وَالدّعویٰ وَالاُقرار

مسئلہ ۔ ارباب شریعت پر مخفی نہیں، کہ مدعی کو حلف دینا خلاف کتاب و سنت کے ہے۔ قال اللہ تعالیٰ[1] ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا اور حدیث شریف سے صاف واضح ہوتا ہے، کہ اقامت بینہ مدعی پر ہے، اور یمین مدعی علیہ پر۔ عن[2] عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البینۃ للمدعی والیمین علی المدعی علیہ رواہ الترمذی وعن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو یعطی الناس بدعوٰھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ رواہ مسلم وفی شرحہ للنووی انہ قال وجاء فی روایۃ البیھقی باسناد حسن او صحیح زیادۃ عن ابن عباس مرفوعا لکن البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر کذا فی المشکوٰۃ۔ اور مدعی علیہ کا کہنا مدعی کو تو قسم شرعی طور پر کھالے، سراسر لغو اور خلاف شرع ہے، اور حاکم ذی الاقتدار پر واجب ہے کہ مدعی سے بینہ طلب کرے، اور اگر اس کے پاس بینہ نہ ہوں، تو مدعی علیہ سے حلف لے، اگر مدعی علیہ حلف سے انکار کرے، تو مدعی علیہ پر حق مدعی کا لازم و واجب الادا کردے، اور آیت کریمہ ومن[3] لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون سے ڈرتا رہے۔

سید محمد نذیر حسین

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ تم کو رسول دے، اسے لے لو، اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دلیل مدعی کے ذمہ ہے، اور قسم مدعی علیہ پر۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر لوگوں کو ان کے دعوے کے مطابق حق دلوا دیا جائے، تو لوگوں کے خون اور مال لے جائیں، قسم مدعی علیہ پر ہے اور ابن عباس نے مرفوعاً فرمایا، دلیل مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ پر۔

[3] جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، تو یہی لوگ فاسق ہیں۔

مسئلہ:۔ دعوی احد الشرکاء در کمی حصہ مقسومہ خود از راہ غلطی بعد اقرار باستیفار حصہ خود مقبول و مصدق نخواہد بود، مگر بحجت شرعیہ یعنی گواہان یا باقرار خصم یا نکول مدعی علیہ لعموم حدیث البینۃ للمدعی والیمین علی المدعی علیہ اخرجہ الترمذی۔ ولو ادعی احدھم ان من نصیبہ شیئا وقع فی ید صاحبہ غلطا وقد کان اقر بالاستیفاء او لم یقر بہ ذکرہ البرجندی لم یصدق الا ببرھان او اقرار الخصم او نکولہ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندرین مسئلہ کہ در ہر دیار و امصار اکثر مقدمات بر تحریر کاغذات مثل تبالجات و تمسکات و وصیت نامہ و ہبہ نامہ و اقرار نامہ و کاغذ مہر د فرمان شاہی وغیرہا فیصل می شوند و این کاغذہائے بر توسط ثبوت دعوی و سند مدعی می باشند حالانکہ بسبب گذشتن سالہائے دراز نہ وصیت کنندہ باقی می ماند و نہ ہبہ کنندہ وغیرہ و نہ گواہان حاشیہ و باوجود فوت شدن جمیع آنہا باستان کاغذات صحیح و درست میمانند خصوصا کاغذے کہ دستخط حاکم آن وقت ہم باشد پس اگر کسے از مثل این چنین تحریر کہ قرین بمہر وگواہی گواہان معتبرہ باشد اما بسبب انقضا مدت مدیدا زموصی و واہب وشواہد حاکمہ ہمہ فوت شدہ باشند اثبات دعوئے خود خواہد عند الشرع الشریف آن تحریر معتبر و مثبت مدعا او خواہد شد یا نہ بینوا توجروا۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی آدمی اقرار کرے کہ میں نے اپنے شریک سے اپنا حصہ پورا وصول کر لیا ہے، اور اس کے بعد دعوی کرے کہ مجھے حصہ کم ملا ہے، تو یہ دعوی درست تسلیم نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر مدعی گواہ پیش کرے یا فریق دوم اقرار کر لے یا وہ لاجواب ہو جائے پھر یہ دعوے تسلیم کر لیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں عموم ہے کہ مدعی دلیل پیش کرے، اور مدعا علیہ پر قسم ہے، چنانچہ برجندی، تنویر الابصار وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہر ملک میں رواج ہے، کہ اکثر مقدمات کاغذات پر درج کئے جاتے ہیں مثلاً اسٹامپ وکاغذات رجسٹری وغیرہ پر اعلان پر مشہور آدمیوں کی گواہی بھی ہوتی ہے اور حاکم عدالت کی مہر بھی ہوتی ہے لیکن چونکہ ان کاغذات کو لکھے ہوئے بڑی مدت گذر چکی ہوتی ہے، اور کاغذات لکھے ہوئے گواہوں اور فیصلہ کرنے والے حاکم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہوتا، کیا ایسے کاغذات کی بنا پر اگر کوئی شخص اپنا دعوی پیش کرے تو شریعت میں ایسے کاغذات کی بنا پر دعوی ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اور مسئلہ مسئول عنہا نزد اکثر علمائے حنفیہ قبالجات و تمسکات و فرامین قدیمہ بدون اقامت بینہ یا اقرار مدعی علیہ یا نکول او قابل حجت شرعیہ نخواہند بود، زیرا کہ حجت شرعیہ ہمین بینہ و اقرار نکول اند، چنانچہ از اشباہ و نظائر وغیرہ واضح می شود، و از بعض روایات چنان مستفاد می شود، کہ اگر قبالجات وغیرہ چنانکہ در سوال مذکور است بشرطیکہ مظنہ کذب و تزویر نباشد مقبول خواہد بود مذہب امام مالک ہمین است، پس احتجاج بدان درین دیار کہ مروج است، بنا بر بعض روایت حنفیہ یا بر مذہب امام مالک است۔ لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ فلا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما فی وقف الخانیۃ اشباہ قولہ کما فی وقف الخانیۃ نص عبارتہا رجل فی یدہ ضیعۃ فجاء رجل وادعی انہا وقف واحضر صکا فیہ خطوط العدول والقضاۃ الماضیۃ فطلب من القاضی القضاء بذلک الصک قالوا لیس للقاضی ان یقضی بذلک الصک لان القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ او الاقرار او النکول اما الصک فلا یصح حجۃ لان الخط یشبہ الخط کذا فی الحموی وھکذا فی الطحطاوی وغیرہ وفی حاوی الزاھدی من فصل القضاء بالصکوک القدیمۃ بلا شاھد معلما بعلامۃ دفتر صک قدیم لا یوجد احد من وقت کتابۃ وفیہ الحکم بالبینۃ او بالاقرار فی الملک او فی المسیل او الوقف وقال الحاکم فی اخرۃ کتبہ تذکرۃ وحجۃ وقت مساس الحاجۃ او وقت الاحتیاج الیہ

الجواب: اکثر علمائے حنفیہ کے نزدیک ایسے کاغذات و فرامین مثبت مدعا نہیں ہیں، کیونکہ یہ شرعی حجت نہیں، شرعی حجت صرف گواہ، اقرار مدعی علیہ، اور مدعی علیہ کا لا جواب ہونا ہے، اور علمائے احناف اور مالکیہ کے نزدیک اگر ان میں جھوٹ کا گمان نہ ہو تو وہ مقبول ہیں اور اس علاقے میں جو ایسے کاغذات پر فیصلے ہوتے ہیں امام مالک اور بعض احناف کے مسلک پر ہوتے ہیں، چنانچہ حنفی فقہ کی کتابوں کے اقتباس یہ ہیں تحریر پر نہ اعتماد کیا جا سکتا ہے، نہ اس پر عمل ہو سکتا ہے، لہذا کسی وقف کے مکتوب پر جس پر پہلے حاکموں کے دستخط ہوں، قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ قاضی تو دلیل ہی سے فیصلہ کر سکتا ہے، اور دلیل گواہ ہے یا اقرار فریق مخالف یا اس کا لا جواب ہو جانا، اگر کسی آدمی کے پاس کچھ زمین ہو، اور کوئی آدمی آ کر عدالت میں تحریر پیش کرے، کہ یہ زمین وقف ہے، تو قاضی اس تحریر کی بنا پر فیصلہ نہیں کر سکتا، قاضی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سامنے کوئی دلیل ہو، اور دلیل گواہ اور اقرار مدعی علیہ یا اس کا لا جواب ہونا ہے، اور تحریر تو تحریر کے مشابہ

یقوم مقام الشاھدین حتی جاز الحکم بہ لمن کان فی یدہ ان لم یتھمہ الخصم بالتغییر والتزویر فیہ وان اتھمہ کذلک یستحلف من کان فی یدہ علی عدم التغییر والتزویر فیہ فان حلف یحکم بہ ایضا لانہ یقوم مقام الشاھدین وان لم یحلف علی ذلک بطل کونہ حجۃ حتی لو اقام من کان الصک فی یدہ بینۃ علی انہ صک فلان القاضی وما فیہ من الحکم حکمہ تقبل بینتہ را مضاہ قاضی الوقت وھذا ینافی ما ذکرہ قاضی خان الموافق لاصل المذھب کذا فی الطحطاوی۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

فائدہ:۔ باید دانست کہ تقادم زمانہ موجب اسقاط حق عبد نمی شود موافق مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ الحق لا یسقط بتقادم الزمان قذفا او قصاصا او لعانا او حقا لعبد کذا فی الجوھرۃ النیرۃ۔ ھکذا فی الاشباہ والنظائر ظاھر المذھب وعلیہ الفتوی ان الحق متی ثبت واستقر لا یسقط الا باسقاطہ وھو التصریح بلسانہ کما فی سائر الحقوق کذا فی الھدایۃ ویقبل سجل القضاۃ الماضیۃ عند تقادم الزمان فی الشھادۃ وان مات شھودھا حیث کان مضمونھا ثابتا فی السجل المحفوظ کذا فی الدر المختار مختصرا واللہ اعلم بالصواب | سید محمد نذیر حسین

ہو سکتی ہے، لہٰذا وہ حجت نہیں ہو سکتی، ہاں اگر کوئی ایسی تحریر ہو جس میں کسی سابقہ قاضی نے باقاعدہ دلائل لکھ کر کوئی فیصلہ کیا ہو اور شہادتیں موجود ہوں، اور جس کے پاس وہ تحریر ہے، وہ دیانتدار آدمی ہو، اس پر تحریر میں تغیر و تبدل کرنے کا گمان نہ ہو، تو ایسی تحریر پر فیصلہ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ فریق مخالف اس پر بددیانتی کا الزام نہ لگائے، اور اگر الزام لگائے، تو صاحب تحریر سے قسم لی جائے گی، اگر قسم دے دے تو پھر بھی اس پر فیصلہ ہو سکتا ہے، اور اگر قسم نہ اٹھائے، تو وہ تحریر حجت نہیں ہو سکے گی، ہاں اگر اس کے سچا ہونے کے متعلق شہادات یقینی پیش کر دے تو بھی اسے قبول کر لیا جائے گا۔

فائدہ:۔ معلوم ہونا چاہیے، کہ طویل مدت گذر جانے سے کسی کا حق ساقط نہیں ہو جاتا، امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے، جوہرہ، اشباہ، ہدایہ، در مختار میں ہے، کہ بندے کا حق مدت مدید گذر جانے سے ساقط نہیں ہو جاتا، مثلاً قذف، قصاص، لعان یا قرضہ وغیرہ، جب حق ثابت ہو جائے تو جب تک صاحب حق ساقط نہ کرے، وہ ساقط نہیں ہو سکتا، اگر کسی رجسٹری کا مضمون صحیح اور ثابت ہو، صاف واضح ہو، دستور کے موافق باقاعدہ مہر عدالت اور گواہوں کے دستخط سے مزین ہو تو اسے قبول کر لیا جائے گا۔

سوال: مسلمانوں کو اپنے مقدمہ اور فیصلہ میں کافر کو پنچ اور ثالث بنانا اور ان سے رائے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمانوں کو اپنے مقدمہ اور فیصلہ میں کافر کو پنچ اور ثالث بنانا جائز نہیں ہے شرعاً لقوله تعالیٰ لن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا[1] الآیۃ، ہاں اگر کافر فیصلہ میں مسلمانوں کی رائے کی موافقت کرے، تو مضائقہ نہیں، امور دنیا میں اگر کافر سے رائے لے، تو درست ہے، امور دین میں درست نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پسر زید مر گیا، اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں بعد اپنے چھوڑیں، اس وقت زید نے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا کہ چھ روپیہ ماہواری واسطے نان و نفقہ نبیرہ و نبیرہ ہائے مذکورین کے تاحین حیات دیتا رہوں گا، لکھ دیا بعد اس کے زید نے ماہوار مذکور دینا بند کر دیا، اس واسطے کہ وہ مفلس و قرضدار ہو گیا ہے، پس سوال یہ ہے کہ از روئے اقرار نامہ مذکور کے زید پر چھ روپیہ ماہوار کا دعویٰ کرنا صحیح و مسموع ہوگا شرعاً یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: مقر اپنی خوشی سے اپنے اقرار کے مطابق جو دیوے، تو وہ بطور ہبہ مبتداۃ کے ہوگا، اور اگر وہ نہ دے، تو اس پر دعویٰ کرنا صحیح اور مسموع نہ ہوگا، بالخصوص جب کہ مقر مفلس اور مقروض ہو گیا ہو، تو بطریق اولیٰ اس پر دعویٰ کرنا غیر مسموع ہوگا۔ ولا تسمع دعواہ علیہ بانہ اقر لہ بشیء معین بناء علی الاقرار لہ بذلك بہ یفتی لانہ یحتمل الکذب[2] حتی لو اقر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملك نعم لو سلمہ برضاہ کان ابتداء ھبۃ وھو الاوجہ بزازیہ لکنا فی الدر المختار لما شرا اخبارا لای لا سبب للزوم المقر بہ علی المقر وھو قد جعل سبب وجوب المدعی بہ علی المقر الاقرار لکانہ قال الطالبہ بلا سبب یوجبہ علیہ اولزمہ باقرار وھذا باطل لما علم من کلام مشائخنا ان الاقرار لیس

---

[1] اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کبھی غالب نہ کریں گے [2] اس بات پر مدعی کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا کہ فلاں آدمی نے مجھ کو فلاں چیز دینے کا اقرار کیا تھا، اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ یہ خبر ہے، اور اس میں جھوٹ کا احتمال ہے لہٰذا اقرار سبب ملک نہیں، ہاں اگر اقرار کے بعد وہ چیز اس کو دے دے تو یہ ہبہ صحیح ہوگا، اس میں مشائخ کا کلام اصول ہے، کہ صرف اقرار سبب ملک نہیں ہے۔

سبہا للملک کذا فی الطحطاوی۔ واللہ اعلم بالصواب　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے یا ہندہ نے فارغ خطی اس طرح سے لکھ دی کہ چند کلمہ لفظ فارغ خطی لا دعوے اپنے حقوق سے لکھ دیئے تو دعوی زید و ہندہ کا ساقط ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورتے کہ زید نے یا ہندہ نے لا دعوے حق ملک اپنے سے لکھ دیا تو دعوے زید و ہندہ کا اس حق سے ساقط ہوگیا، پھر دعوے اس کا باطل ہوگا شرعا کیونکہ ابراء دعوی عین سے درست ہے، پھر جب ابراء دعوی اعیان سے پایا گیا تو وہ ابراء صحیح ہوا، تو بعد ازاں دعوے کرنا اس کا مسموع نہ ہوگا۔ وقد صرحوا بان البراءۃ من الاعیان تصح ومن دعوی الاعیان لا تصح کذا فی عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر وغیرہ من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ درین واقعہ علمائے کرام چہ می فرمایند کہ در جائے یک طفل ذکر و دیگرانثی است و دو زنان ہستند و ہر واحد می گوید کہ پسر من است درین حال میان ہر دو زن مدعیہ پسر دعوی ہر دو زن صحیح خواہد بود یا نہ و آن ولد ذکر کرا میرسد، در شرح محمدی حنفی کرمایان بمذہب امام ابو حنیفہ ایم۔ بینوا توجروا۔

دیگر آنکہ غلامے ہندو یا نصرانی گواہی دو مسلم گذرانید، برانیکہ پدر من و مادر من ہندو یا نصرانی بودند و من پسران ہر دو نصرانی یا ہندوام و دیگر مسلم دو شاہد مسلم برین گذرانید، کہ پدر و مادر او مسلم بودند پس درین صورت شاہدے کدام شخص ازین ہر دو مقبول و معتبر است در شریعت، بینوا توجروا۔

لے عیون البصائر میں ہے، کہ اعیان سے دست برداری صحیح ہے، اور اس کے بعد پھر دعوی اعیان کا کرنا درست نہیں ہے۔

سوال :۔ ایک جگہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے، اور دو عورتیں ہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک عورت دعوی کرتی ہے کہ لڑکا میرا ہے، اس صورت میں لڑکا کس عورت کو ملے گا۔ فتوی حنفی مذہب کے مطابق تحریر کریں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک ہندو یا عیسائی دو مسلمانوں کی شہادت پیش کرتا ہے کہ اس کے ماں باپ ہندو یا عیسائی تھے اور ایک مسلمان دو مسلمانوں کی شہادت پیش کرتا ہے، کہ اس ماں باپ مسلمان تھے، اس صورت میں کس کے گواہ معتبر ہونگے

الجواب ۔ اگر یکے ازاں ہر دو زن کہ ہر واحد ازینہا دعوی طفل کہ معبر عن نفسہ نیست می
کند، ذوالید است، پس یا ہر دو بینہ می دارند یا نمی دارند، اگر ہر دو بینہ دارند پس بینہ ذوالید
مقبول است، واگر ہر دو بینہ ندارند پس حکم برائے ذوالید کردہ خواہد شد، واگر ذوالید بینہ دارد
وزن خارج بینہ ندارد، دراں صورت ہم حکم برائے ذوالید کردہ خواہد شد، واگر عکس آن
است پس حکم برائے خارج است، واگر احدے از ہر دو زن ذوالید نیست پس ہر یکے
ازاں دو زن کہ بینہ خواہد آورد حکم برائے اوست، واگر ہر دو بینہ دارند پس بر قول صاحبین
رحمہما اللہ نسب آن طفل از ہیچ یکے ازینہا ثابت نخواہد شد، و بر قول امام اعظم رحمہ اللہ
نسب او از ہر دو ثابت می شود، واگر برائے ہر دو زن بینہ نیست حکم نکردہ خواہد شد، و
نسب طفل ازاں ہر دو بلا خلاف، و در صورتے کہ طفل و دختر در یک جا ہر دو جمع شدہ است
چنانکہ در سوال سائل است و ہر واحد از ہر دو زن دعوے پسری کند و دختر را از خود نفی می نماید
پس از دو حال خالی نیست، یا آن ہر دو زن شیر دار بودہ اند یا نبودہ اند، اگر شیر دار نبودہ اند پس حکم آن
مذکور شد آنفا، و در صورتے کہ شیر دار بودہ اند، دراں حال شیر ہر دو زن وزن کردہ خواہد شد پس
شیر ہر یکے ازینہا کہ ثقیل و گران تر در وزن خواہد بود پسر پسر اوست، واللہ اعلم۔ صبی فی ید
امرأۃ ادعت امرأۃ اخری انہ ابنہا و شہد لکل واحد منہما رجلان قضی لذی الید
ولو شہدت لصاحبۃ الید امرأۃ واحدۃ و شہد للخارجۃ رجلان یقضی للخارجۃ
کذا فی المحیط المرأتان اذا ادعتا نسب ولد و اقامت کل واحدۃ منہما رجلین او
رجلا و امرأتین فعلی قول ابی یوسف رحمہ اللہ و محمد رحمہ اللہ لا یثبت نسبہ من واحدۃ
منہما و علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ یثبت نسبہ منہما و لو لم تکن لواحدۃ منہما حجۃ
لا یقضی بنسب الولد منہما بلا خلاف قال فی مجموع النوازل و لو کان احد الولدین

الجواب: جس عورت کے قبضہ میں لڑکا ہے، اگر وہ شہادت پیش کر دے، تو لڑکا اسی کا ہے، اگر
دونوں کے پاس شہادت ہو، تو بھی قبضہ والی کا لڑکا ہے، اگر کسی کے پاس بھی شہادت نہیں، تو بھی لڑکا قبضہ والی
کا ہے، اور اگر قبضہ والی کے پاس شہادت نہیں، اور دوسری کے پاس شہادت ہے تو لڑکا شہادت والی کا ہے
اگر قبضہ کسی کا نہیں، تو جو گواہ پیش کر دے گی، لڑکا اسی کو ملے گا، اگر دونوں کے پاس شہادت ہو، تو صاحبین کے
نزدیک اس بچے کا نسب کسی سے ثابت نہ ہوگا، اور امام صاحب کے نزدیک دونوں سے ثابت ہوگا، اگر
دونوں کے پاس دلیل نہ ہو، تو بالاتفاق اس بچے کا نسب ان سے ثابت نہ ہوگا، اگر دونوں عورتیں شیر دار ہوں

ذکرا والآخر انثی ادعت کل واحدۃ منہما الابن ونفت الابنۃ یوزن لبنہما فیجعل الابن للتی لبنہا اثقل کذا فی المحیط۔

جواب سوال دوم۔ بینہ غلام را ترجیح و اولویت است بر بینہ مدعی الاسلام، واگر غلام شاہدان نصرانی بر دعوے خود می آورد، دراں صورت بینہ مسلم اولویت داشت وغلام راجبر کردہ می شود بر اسلام۔ لو کان الغلام نصرانیا واقام بینۃ مسلمۃ علی نصرانی ونصرانیۃ انہما ابنہما واقام مسلم ومسلمۃ بنیۃ علی ذلک فبینۃ الغلام اولی وتترجح من بینۃ مدعی الاسلام ولو کانت بینۃ الغلام نصرانیۃ فبینۃ المسلم اولی ویجبر الغلام علی الاسلام کذا فی محیط السرخسی۔

کتبہ محمد صدر الدین ختم اللہ لہ بالحسنی | سید محمد نذیر حسین

توان کے دودھ کا وزن کیا جائے، جس کا دودھ ثقیل ہوگا، لڑکا اس کا ہوگا، واللہ اعلم محیط میں اسی طرح ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ اگر غلام اور دوسرے آدمی دونوں کے پاس گواہ مسلمان ہوں، تو غلام کے گواہ معتبر ہوں گے اور اگر غلام کے گواہ عیسائی یا ہندو ہوں، تو مسلمان کے گواہ مسلمان معتبر ہوں گے، اور اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا، محیط میں اسی طرح ہے۔

کتاب القضاء

مسئلہ: مخفی مباد کہ جس منصب حکومت اور قضا میں تنفیذ احکام موافق شرع شریف کے ممکن نہ ہو اور مرتکب غیر مشروع کا اس میں ہونا پڑے، تو ایسا عہدہ حکومت اور قضا کا اختیار کرنا حرام اور منہی عنہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون الآیۃ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق رواہ فی شرح السنۃ کذا فی المشکوۃ ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم کذا فی تنویر الابصار والدر المختار ھکذا یستفاد من الھدایۃ وغیرھا اور اسی طرح جو شخص اہلیت ولیاقت منصب حکومت اور قضاء کی نہ رکھتا ہو پس اس میں کاربند ہونا اور اس کا اختیار کرنا بھی حرام ہے اور جو شخص احکام غیر شرعیہ پر دستخط کرے اور بموجب دستخط اس کے یہ کار جاری ہوتا ہو تو دستخط کرنا اس کا حرام اور ممنوع ہے شرعاً۔ قال اللہ تعالیٰ تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآیۃ دیگر علی غیر الاھل الدخول فیہ قطعا من غیر تردد فی الحرمۃ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرھما واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

لے جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ فاسق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ بادشاہ عادل ہو یا ظالم ہو، اگر وہ حق فیصلہ کرنے سے نہیں روکتا، تو اس کی ملازمت کرنا جائز ہے، اور اگر صحیح فیصلہ کرنے سے روکے، تو اس کی ملازمت حرام ہے۔

لے نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو، اگر کوئی آدمی قضاء کی اہلیت نہ رکھتا ہو، تو اسے قطعاً ایسی ملازمت کرنا حرام ہے۔

سوال:۔ یک شخص را عہدہ قضاء است و مہرہم از نام اوست، و آن قاضی را دو چہار برادران ہم ہستند پس مہر قضا آن قاضی را باشد یا مہر برادران از نام خود مہر قضا جاری کند امید کہ مہربانی فرمودہ در این مسئلہ تفحص کردہ عبارت کتاب بعینہ در عربی یا فارسی نوشتہ برآں مہر کردہ عنایت فرمایند۔

الجواب:۔ ہر کہ بر عہدۂ قضاء از طرف حاکم مامور و مقرر است مہر بنام او لازم است نہ بنام دیگر برادران چہ دیگر برادران بہ نسبت آن عہدہ اجنبی ہستند ایشاں را مہر بنا بر عہدہ روا نیست آرے اگر ہمہ بر عہدہ قضاء مقرر باشند تا ہمہ را باید۔ العطلہ لمن کتب اسمہ فی الدیوان وحکم القضاء والخاتم لہ لانہ مامور علی القضاء کذا فی کتب الفقہ من الغیاثیۃ وغیرہا۔ واللہ اعلم۔ الراقم السید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ گواہوں کا خوراک لینا یا اس کے موافق خرچ لینا جائز ہے یا نہیں، اور گواہی ان کی مقبول ہے، یا نہیں مذہب حنفی کے مطابق جواب تحریر فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہوں کو خوراک لینا اور اس کے موافق خرچ لینا جائز ہے، اور اسی قول پر فتوی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں اور ان کا قول مفتی بہ نہیں ہے، والفتوی علی قول ابی یوسف والعادۃ جرت بذلک فیما بین الناس خصوصا فی الانکحۃ فانہم یبذلون السکر والجلاب وینثرون الدراھم ولو کان ذلک قدحا فی الشھادۃ لما فعلوا ذلک کذا فی فتاوی قاضی خان[1]

سوال:۔ ایک آدمی قاضی ہے اور اسی کے نام پر مہر بھی ہے اس قاضی کے تین چار بھائی اور بھی ہیں کیا مہر قضا اسی قاضی کے نام کی ہوگی، یا اس کے دوسرے بھائی بھی اپنے نام سے مہر قضا جاری کر سکتے ہیں مع حوالہ کتاب و عبارت تحریر فرمائیں،

الجواب:۔ جو بھائی حاکم کی طرف سے عہدہ قضاء پر مامور ہے، مہر لازما اسی کے نام کی ہونی چاہیئے دوسرے بھائی چونکہ اس عہدے سے اجنبی ہیں، ان کو عہدہ کی بنا پر مہر رکھنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر تمام بھائی بادشاہ کی طرف سے عہدہ قضاء پر مامور ہوں تو وہ بھی رکھ سکتے ہیں وظیفہ اسی کو ملے گا، جس کا نام دفتر میں مندرج ہوگا، اور فیصلہ اور مہر بھی اسی کی ہوگی، کیونکہ وہ عہدہ قضاء پر مامور ہے (غیاثیہ) واللہ اعلم۔

[1] فتوی ابو یوسف کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں میں یہی رواج ہوگیا ہے، خصوصا نکاحوں میں کہ وہ کھانے وغیرہ اور خرچ و اخراجات کا بندوبست کرتے ہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو شہادت دینے کے لئے کوئی بھی نہ آئے۔

وتجوز الثانی الاکل مطلقا وبہ یفتی، بحر، کذا فی تنویر الابصار ورد المختار وعن ابی یوسف یقبل فیہما وھو الاوجہ للعادۃ الجاریۃ باطعام من حل ونحل الانسان ممن نزل علیہ شاھدا او لا کذا فی فتح القدیر حاشیۃ الھدایۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ | ز شرف سید کونین شد شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال: جو گواہ کہ بوجہ بڑھاپے کے بغیر سواری کے حاضر عدالت نہ ہو سکتا ہو اور نہ اس کو خود سواری کا مقدور ہو تو مدعی سے سواری لینا، اور اس کی سواری پر سوار ہونا جائز ہے یا ناجائز فقہاء اس بارے میں کیا لکھتے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء لکھتے ہیں، کہ جو گواہ بوجہ بڑھاپے کے قادر علی المشی نہ ہو اور بدون سواری کے حاضر عدالت نہیں ہو سکتا، اور نہ کرایہ کا اس کو مقدور ہو پس ایسی گواہ کو مدعی سے سواری لینا اور اس کی سواری پر سوار ہونا درست ہے، اور جو گواہ ایسا نہ ہو، پھر وہ سوار ہو، تو اس کی شہادت امام ابویوسف کے نزدیک باطل ہے۔ ولو کان الشاھد شیخا لا یقدر علی المشی ولا یمکنہ الحضور لاداء الشھادۃ الا راکبا ولیس عندہ دابۃ ولا ما یتکری بہ دابۃ فبعث المشھود لہ الیہ دابۃ فرکبہا لاداء الشھادۃ لا تبطل شھادۃ وان لم یکن کذلک وھو یقدر علی المشی او کان یجد دابۃ فبعث المشھود لہ دابۃ فرکبہا لا یقبل شہادۃ فی قول ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ | ز شرف سید کونین شد شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

۱؎ اور دوسرا ظلم کھا لینا ہے، اور امام ابویوسف کے نزدیک مقدمات میں گواہوں کو خرچہ وغیرہ لینا جائز ہے، کیونکہ گواہوں کو کھانا کھلانے کا دستور ہے۔

۲؎ اگر گواہ بوڑھا ہو، چل نہ سکتا ہو، شہادت کے لئے سواری کے بغیر نہ جا سکتا ہو، اور اس کے پاس اپنی سواری بھی نہ ہو اور نہ کرایہ پر لینے کی طاقت ہو، تو شہادت لینے والا اگر اس کو سواری بھیج دے، تو اس گواہ کی گواہی معتبر ہوگی، اور باطل نہ ہوگی، ورنہ اگر ایسا نہ ہو، چل کر جا سکتا ہو، یا اس کی اپنی سواری ہو، اور پھر شہادت لینے والا سواری بھیج دے، اور وہ ادائے شہادت کے لئے اس پر سوار ہو کر جائے، تو امام ابویوسف کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔

کتاب الشہادۃ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہزا اپنے شوہر کے پاس بیان سے طلاق کا دعویٰ پیش کرتی ہے کہ میرے شوہر نے بموجودگی چار عورتوں کے ایک جلسہ میں مجھ کو تین بار طلاق دی، اور اس کو عرصہ دو مہینہ کا ہوا، اب ان چار عورتوں میں سے ایک عورت زمانہ طلاق کا تخمیناً ڈیڑھ سال بیان کرتی ہے، اور دوسری عورت زمانہ طلاق کا سوایا ڈیڑھ سال بیان کرتی ہے، اور باقی دو عورتوں کی نسبت مسماۃ کا بیان ہے، کہ مجھ کو ان دو کی شہادت دینا منظور نہیں ہے، اور علاوہ ان کے دو مرد مسلمان اور تین مرد قوم ہندو جن کی نسبت مسماۃ سننے یا نہ سننے کی لاعلمی بیان کرتی ہے، ان میں سے ایک گواہ زمانہ طلاق کا چودہ پندرہ ماہ کا بیان کرتا ہے، اور دوسرا گواہ قریب دو سال بیان کرتا ہے، اور تین گواہ قوم ہندو کوئی سوا برس کوئی ڈیڑھ برس بیان کرتا ہے، اور مسماۃ زمانہ طلاق کا دو مہینہ کا بیان کرتی ہے اور شوہر طلاق دینے کا منکر ہے پس ایسی صورت میں مسماۃ کا دعوے طلاق کا شہادت مذکورہ سے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں چونکہ مسماۃ ہرا مدعیہ کے گواہوں کا بیان اس کے دعوے کے خلاف ہے، وہ اپنے دعوے میں زمانہ طلاق کا دو مہینہ بیان کرتی ہے، اور اس کے گواہ زمانہ طلاق کا برس روز سے زیادہ بیان کرتے ہیں، اور ساتھ اس کے اس کے گواہوں کے بیان میں بھی اختلاف ہے اس وجہ سے مسماۃ ہرا کا دعویٰ اس کے گواہوں کے بیان سے ثابت نہیں ہو سکتا، ہدایہ میں ہے۔ الشہادۃ[1] اذا وافقت الدعوی قبلت وان خالفتہا لم تقبل انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ السید محمد ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] شہادت اگر دعوی کے مطابق ہو تو قبول ہوگی اور اگر اس کے مخالف ہو تو قبول نہ ہوگی۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عالم ہو کر کسی مسلمان کے گناہ کا تجسس شراب خانہ میں جاکر کرنا اور امر ناشدہ کا الزام قائم کرکے دعوے کرنا، اور اہل اسلام کو بنا بر دینے خلاف شہادت ترغیب دے کر آمادہ کرنا کس جرم شرعی کا مرتکب ہے، اور منکر خلاف شہادت سے کس ثواب کا مستحق ہے، لٹد جواب از روئے احادیث معتبرہ بحوالہ کتب مستندہ و آیات قرآنی براہ مہربانی عطا فرماویں، بینوا توجروا

الجواب :- تجسس احوال مسلمین ناجائز و حرام ہے، قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس کی حرمت و ممانعت وارد ہے۔ قال اللہ تعالیٰ[1] یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا، اور مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال[2] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا الحدیث متفق علیہ، اور امر ناشدہ کا الزام قائم کرکے دعوے کرنا اور جھوٹی اور شہادت دینے پر آمادہ کرنا اور ترغیب دینا گناہ کبیرہ ہے، اور اس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن[3] ابی ذر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ادعی مالیس لہ فلیس منا ولیتبوأ مقعدہ من النار رواہ مسلم، و نیز مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن[4] عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس وفی روایۃ انس وشھادۃ الزور بدل الیمین الغموس متفق علیہ، بلوغ المرام میں ہے۔ وعن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ عد شھادۃ الزور من اکبر الکبائر[5]۔ اور جو شخص جھوٹی اور خلاف شہادت سے منکر ہو وہ مستحق اجر و ثواب کا ہے مدہی یہ بات کہ وہ کس قدر ثواب یا کس ثواب کا مستحق ہے، سو اس کی تصریح حدیث میں

---

[1] اے ایمان دارو ظن کرنے سے بچو، کیونکہ بعض ظن گناہ ہوتے ہیں　[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظن سے بچو، کہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے، اور کسی کے گناہوں کی جستجو نہ کیا کرو　[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی ناحق کسی چیز کا دعویٰ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا کسی کو ناحق قتل کرنا، جھوٹی قسم اٹھانا، اور جھوٹی گواہی دینا　[5] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو اکبر الکبائر سے شمار کیا ہے۔

نہیں آئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ما تقولکم کثرکم اللہ فیما اذا وقعت الشہادۃ مخالفۃ الدعوی فابطلہا القاضی او وقعت موافقۃ لہا ولکن ردہا القاضی لفسق الشہود او للتہمۃ المانعۃ للقبول او لغیر ذلک من الوجوہ المعتبرۃ المقررۃ لعدم القبول فبعد ذلک طلب المدعی استحلاف خصمہ المنکر اعنی المدعی علیہ ہل للقاضی فی الصورۃ المذکورۃ ان یحلف المدعی علیہ المذکور ام لا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یجوز للقاضی بل یجب علیہ تحلیف المدعی علیہ فی الصورۃ المذکورۃ لان القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما فی وقف الخانیۃ ھکذا فی الاشباہ والحموی وغیرہما من کتب الفقہ ولکن ثبوت الحق فی الیمین مرتب علی العجز عن اقامۃ البینۃ لقولہ علیہ السلام الک بینۃ فقال لا فقال لک یمینہ ... ورتب الیمین علی فقد البینۃ کذا فی الہدایۃ والمراد من البینۃ ھی البینۃ العادلۃ لقولہ تعالیٰ ممن ترضون من الشہداء ولقولہ تعالیٰ واشہدوا ذوی عدل منکم الآیۃ ولان العدالۃ ھی المعینۃ للصدق ولذا قالوا القضاء مبنیۃ علی الحجۃ وھی شہادۃ العدل ھکذا یستفاد من الہدایۃ وغیرہا من المعتبرات الحنفیۃ واما فی صورۃ المخالفۃ فلم یوجد من المدعی مطابقۃ ما شہد بہ الشہود فلم تقبل وبیتہ باتفاق

سوال:۔ اگر شہادت دعویٰ کے مخالف ہو، اور اس کو قاضی رد کر دے، یا دعویٰ کے موافق تو ہو لیکن شاہد کے فسق یا تہمت کی وجہ سے یا کسی اور معقول وجہ سے قاضی اس کو قبول نہ کرے، تو کیا مدعی مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں، یعنی قاضی مدعی علیہ کو قسم دلوا سکتا ہے یا نہ؟

الجواب:۔ قاضی پر فرض ہے، کہ وہ موجودہ صورت میں مدعی علیہ کو قسم دلوائے، کیونکہ قاضی حجت ہی سے فیصلہ کر سکتا ہے، اور حجت یا گواہی ہے یا مدعی علیہ کا اقرار یا لا جواب ہو کر قسم اٹھانا، اور قسم اس وقت ہی ہوتی ہے، جب مدعی علیہ کوئی دلیل پیش کرنے سے عاجز آ جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تیرے پاس شہادت ہے، اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا، تو پھر مدعی علیہ سے قسم لے لے، تو آپ نے پہلے گواہ طلب کئے، اور گواہوں کی عدم موجودگی میں قسم پر فیصلہ فرمایا، اور گواہ سے مراد عادل گواہ ہیں، خدا تعالیٰ نے فرمایا، دو انصاف والے آدمی گواہ بناؤ، اور چونکہ عدالت ہی سچائی کی مدد کرتی ہے، اسی لئے کہا ہے، کہ قضا

الشاهدين لان القضاء انما يجوز بحجة وهي شهادة المثنى فما لم يتفقا فيما شهدا به لا يثبت الحجة كذا في الكفاية والنهاية وغيرهما من كتب الفقه. فلما لم يثبت الحجة من جهة البينة وجب المصير الى الحجة الاخرى وهي يمين المدعى عليه ولا فصل بينهما كما لا يخفى على الماهر بالشريعة الغراء وحينئذ لا حاجة الى الرواية الجزئية لان هذه المسئلة التي بينت وجها مطردة منعكسة في جميع الاحوال والله اعلم بالصواب. فاعتبروا يا اولى الالباب۔

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

حجت پر مبنی ہے اور مخالفت کی صورت میں مدعی کا مطالبہ ثابت نہ ہوگا، لہذا شہادت قبول نہ ہوگی، اور دونوں گواہوں کا اتفاق معتبر ہوگا، کیونکہ قضا حجت ہی سے جائز ہے، اور حجت دو آدمیوں کی گواہی ہے، جب وہ متفق نہ ہوں گے تو حجت ثابت نہ ہوگی، اور اس صورت میں دوسری حجت کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور وہ ہے مدعی علیہ کی قسم، اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اس میں روایات جزئیہ کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

کتاب الصلح

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مابین حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے صلح واقع ہوئی یا نہیں، اگر واقع ہوئی، تو کس عنوان سے اس کا مضمون مفصل ارشاد ہو۔

الجواب: حضرت علی جنگ جمل کے بعد جب کوفہ میں آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مع اپنے شامی ساتھیوں کے ان پر خروج کیا، اور اس خبر کے معلوم ہونے پر حضرت علی لشکر لے کر چلے، اور مقام صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوا، اور کئی روز برابر لڑائی ہوتی رہی، پھر شامیوں نے قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کیا، مطلب یہ کہ لڑائی بند کرنی چاہیئے، اور قرآن مجید کا جو حکم ہے اس پر ہم سب کو کاربند ہونا چاہیئے، پس لوگوں نے لڑائی وقتال کو ناپسند کیا، اور باہم صلح کی ٹھہرائی، اور طرفین سے حکم مقرر ہوئے، کہ جس عنوان سے حکم صلح کریں سب کو منظور و قبول ہے، حضرت علی نے ابوموسیٰ اشعری کو اپنی جانب سے حکم مقرر کیا، اور حضرت معاویہ نے عمرو بن عاص کو، اور اس وقت اس مضمون کا صلح نامہ لکھا گیا، کہ تمامی سال پر سب لوگ مقام اذرح میں جمع ہوں، اور امت کے بارے میں جو اصلاح کی صورت ہو سوچیں، اور غور کریں، اسی پر لوگ وہاں سے متفرق ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس ہوئے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کو، اور یہ واقعہ ماہ صفر سنہ ۳۷ھ میں ہوا تھا، پھر حسب وعدہ ماہ شعبان سنہ ۳۸ھ میں بمقام اذرح لوگ جمع ہوئے، اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہما بھی حاضر تھے، پس عمرو بن عاص نے تقریر کے لئے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو آگے کیا، انہوں نے جو تقریر کی اس کا حاصل یہ تھا، کہ ایسی حالت میں حضرت علی کو خلافت سے برطرف ہونا چاہیئے، اور عمرو بن عاص نے جو تقریر کی اس کا حاصل یہ تھا، کہ حضرت معاویہ کو خلافت پر برقرار رہنا چاہیئے، اور خود انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، پھر اسی بات پر لوگ متفرق ہوگئے اور حضرت علی کے لوگوں میں آپس میں اختلاف ہوگیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے والوں سے

انگلیاں دے کر فرمانے لگے اعصی ویطاع معاویۃ یعنی میری نافرمانی کی جاتی ہے، اور معاویہ کی فرمانبرداری اور اطاعت کی جاتی ہے، علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں ابن سعد سے نقل کرتے ہیں۔ ثم خرج معاویۃ بن ابی سفیان ومن معہ بالشام فبلغ علیا فسار فالتقوا بصفین فی صفر سنۃ سبع وثلثین ودام القتال بہا ایاما فرفع اهل الشام المصاحف یدعون الی ما فیہا مکیدۃ من عمرو بن العاص فکرہ الناس الحرب وتداعوا الی الصلح وحکموا الحکمین فحکم علی ابا موسی الاشعری وحکم معاویۃ عمرو بن العاص وکتبوا بینہم کتابا علی ان یوافوا راس الحول باذرح فینظروا فی امر الامۃ فافترق الناس ورجع معاویۃ الی الشام وعلی الی الکوفۃ فخرجت علیہ الخوارج من اصحابہ ومن کان معہ وقالوا لا حکم الا للہ وعسکروا بحروراء فبعث الیہم ابن عباس فخاصمہم وحججہم فرجع منہم قوم کثیر وثبت قوم وساروا الی النہروان فعرضوا السبیل فسار الیہم علی فقتلہم بالنہروان وقتل منہم ذا الثدیۃ وذلک سنۃ ثمان وثلثین واجتمع الناس باذرح فی شعبان من ہذہ السنۃ وحضرہا سعد بن ابی وقاص وابن عمر وغیرہما من الصحابۃ فقدم عمرو ابا موسی الاشعری مکیدۃ منہ فتکلم فخلع علیا وتکلم

ملے پھر معاویہ بن ابو سفیان اور ان کے ساتھی شام سے نکلے، حضرت علی رض کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ بھی لشکر لے کر نکل پڑے، دونوں فوجوں کا مقام صفین میں آمنا سامنا صفر ۳۷ھ میں ہو گیا، کئی روز تک جنگ ہوتی رہی، عمرو بن العاص کی تدبیر کے مطابق شامیوں نے قرآن مجید کو بلند کیا، کہ آؤ اس پر فیصلہ کر لو، یہ اس کی ایک جنگی چال تھی، اس کے بعد لوگوں نے جنگ کرنا پسند نہ کیا، اور صلح کی دعوت دینے لگے، دو حکم مقرر ہوئے، حضرت علی رض کے حکم حضرت ابو موسی اشعری تھے، اور حضرت معاویہ رض کے حکم حضرت عمرو بن العاص، آپس میں ایک تحریر ہوئی کہ ایک سال کے بعد مقام اذرح میں اجتماع ہوگا، اور اس معاملہ پر غور کیا جائے گا، لوگ منتشر ہو گئے، امیر معاویہ رض شام کو چلے گئے، اور حضرت علی رض کوفہ کو، حضرت علی رض کے لشکر میں سے خارجی آپ کے مخالف ہو گئے، اور کہنے لگے، کہ حکم صرف اللہ ہے، اور مقام حروراء میں لشکر اکٹھا کرنے لگے، حضرت علی رض نے ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رض کو روانہ کیا، آپ نے ان سے گفتگو کی، اور ان پر حجت قائم کی، ان میں سے کچھ لوگ تو واپس آ گئے، اور کچھ بغاوت پر قائم رہے، اور نہروان کو چلے گئے، انہوں نے ڈاکے مارنے شروع کر دیئے، حضرت علی لشکر لے کر وہاں پہنچے، اور ان کو قتل کیا، یہ واقعہ ۳۸ھ میں ہوا، پھر لوگ شعبان ۳۸ھ میں اذرح کے مقام پر جمع ہوئے، سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر بھی آئے عمرو نے فریب سے ابو موسیٰ اشعری کو اعلان کے لئے پہلے کھڑا کر دیا

عمرو فاقر معاویۃ و بایع له فتفرق الناس علی هذا و صار علی فی خلاف من اصحابه حتی صار یعض علی اصبعه و یقول اعصی و یطاع معاویۃ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین |

سوال:۔ ما قولکم رحمکم اللہ درین صورت کہ اگر در چند متخاصمین بابت ترکہ موروثہ صلح علی معنی استیفاء البعض حقوق و اسقاط البعض من الجانبین صلح واقع شد، پس نقض این صلح میتوان شد یا نہ درین باب فقہاء حنفیہ چہ می نویسند بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نقض این صلح نمی تواند شد، در جامع الفصولین می آرد کل صلح وقع بعد صلح فالاول صحیح والثانی باطل ویبطل الصلح اذا کان الصلح من جنس حقه فصالح باقل منه ثم تفاسخ الصلح لا ینقض الصلح الاول لانه اسقاط والساقط لا یعود انتہی ودر سراج منیر می آرد صالحا ثم تفاسخا قیل ینفسخ وقیل لا والصواب ان الصلح ان کان بمعنی المعاوضة ینفسخ واذا کان بمعنی استیفاء البعض واسقاط البعض لا ینقض کما فی القنیة انتہی، ودر مجمع البرکات می نویسد صالح عن العشرة بالخمسة ثم نقض الصلح لا ینقض لان الصلح بجنس حقه اسقاط والساقط لا یعود انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

انہوں نے حضرت علی کو معزول کر دیا پھر عمرو نے اٹھ کر گفتگو کی اور معاویہ کو برقرار رکھا اور ان کی بیعت کی لوگ اسی حالت میں منتشر ہو گئے اور حضرت علی رضہ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی یہاں تک کہ آپ نے حسرت سے اپنی انگلیاں دانتوں تلے دبائیں اور فرمایا میری نافرمانی ہوتی ہے اور معاویہ کی فرمانبرداری کی جاتی ہے۔

سوال:۔ اگر جھگڑا کرنے والے آپس میں بعض حقوق لینے اور بعض دینے پر آپس میں صلح کر لیں تو اس صلح کو توڑا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسی صلح توڑی نہیں جا سکتی، جامع الفصولین، سراج منیر، مجمع البرکات میں لکھا ہے کہ ہر وہ صلح جو پہلی کے بعد واقع ہو، پہلی صلح صحیح ہے، اور دوسری باطل، اگر کوئی اپنا کچھ حصہ چھوڑ کر صلح کر لے، اور بعد ازاں اس کو توڑ کر اور طرح کی صلح چاہے، تو بعد کی صلح فاسد ہے، کیونکہ وہ اپنا کچھ حصہ ساقط کر چکا تھا اور جو ساقط ہو جائے وہ واپس نہیں آ سکتا، واللہ اعلم۔

کتاب النکاح

سوال:- اگر کوئی شخص دارالاسلام سے لونڈی خرید کر لاوے، یا اسی ملک میں خریدے، تو اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے یا نہیں، ایک شخص (زید) نامی کہتا ہے، کہ دار الحرب میں بغیر نکاح کئے مجامعت جائز نہیں ہے، اور دوسرا شخص (بکر) نامی کہتا ہے، کہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں سے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے، کہ انجام کو اولاد غلام ہوگی، کذا فی اغاثۃ اللہفان فی مصادر الشیطان مصنفہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، تو یہ آنحضرت کا منع کرنا سب مسلمانوں کے حق میں ہے، دارالاسلام ہو یا دار الحرب تو دار الحرب والے کو لونڈیوں سے نکاح کرنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب:- واضح ہو کہ شرعی لونڈی جہاں خریدے، بعد استبراء ایک حیض کے اس سے صحبت کر سکتا ہے، نکاح تو ملک بضعہ کے واسطے ہوا کرتا ہے، لونڈی میں تو ملک بضعہ بھی ہے اور ملک رقبہ بھی، جو کہ نکاح سے حاصل نہیں ہوتا، تو مالک لونڈی کے واسطے لونڈی سے نکاح کرنا تحصیل حاصل ہے، ہاں لونڈی کو آزاد کر کے نکاح کر سکتا ہے، اور حدیث میں جو ممانعت ہے، وہ مالک لونڈی کے واسطے نہیں ہے، کیونکہ اس کو تو نکاح کی ضرورت نہیں، وہ غیروں کے لئے ممانعت ہے، اور ممانعت کا سبب یہ ہے، کہ لونڈی کافرہ اکثر ہوا کرتی تھی، اگرچہ وہ اسلام لاتی تھی، مگر خصلت وعادت آبائی ان کی دل میں مستقر رہتی تھی، اس لحاظ سے ممانعت تھی، کہ اختلاط سے عقیدہ میں فرق نہ آجائے، اللہ تعالی خود لونڈی سے نکاح کرنے کا حکم فرماتا ہے ولأمۃ مومنۃ خیر من مشرکۃ[1] تو بہر حال وہی شخص نکاح کر سکتا ہے، جو مالک لونڈی کا نہ ہو، بشرطیکہ وہ مومن ہو، جیسا کہ اللہ پاک نے قرآن میں کہہ دیا ہے واضح ہو کہ ہندوستان میں جو لوگ کہ قحط وغیرہ میں لونڈی خرید لیتے ہیں، یہ لونڈی شرعی

---

[1] اور بے شک لونڈی ایماندار مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے۔

نہیں ہوتی، اس سے صحبت حرام و زنا ہے، لونڈی شرعی جو کہ جہاد میں پکڑ کر آئے، یا اس کی نسل سے چلی آتی ہو، وہ لونڈی ہو گی، اور ما سوائے اس کے لونڈی شرعی نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفر لہ، سید محمد عبد الحفیظ

ہذا الجواب صحیح :۔ سید محمد عبد السلام غفر لہ الجواب صحیح سید محمد ابو الحسن

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمد علی ابتدائے عمر سے شعر گوئی کا شوق رکھتا ہے، نعت و منقبت بھی لکھتا ہے، مرثیہ تصنیف کرتا ہے، اور پڑھتا ہے، جن مجلسوں میں وہ مرثیہ پڑھتا ہے، وہ مجالس اہل تشیع کے یہاں ہوتی ہیں، محمد علی ہمیشہ سنی حنفی المذہب ہونے کا دعوے کرتا ہے، اور نماز جمعہ و عیدین و جمعہ وغیرہ میں شریک اہل سنت والجماعت رہتا ہے، آیا اس کو رافضی کہہ سکتے ہیں، یا نہیں، اور اس کا حلف کے ساتھ یہ کہنا، کہ میں سنی المذہب ہوں قابل اعتبار ہے یا نہیں، اور اس کا نکاح اس کی منکوحہ زوجہ سے ساقط ہو جاوے گا یا نہیں، اس کی زوجہ بلا اس کے طلاق کے اپنا نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ جب محمد علی ہمیشہ سنی المذہب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور نماز عیدین جمعہ وغیرہ میں شریک اہل سنت والجماعت رہتا ہے، اور حلف کے ساتھ کہتا ہے، کہ میں سنی المذہب ہوں، تو اس کا یہ کہنا ضرور قابل اعتبار ہے، اور اس کو رافضی کہنا ہرگز جائز نہیں ہے، اور اس کا نکاح اس کی زوجہ منکوحہ سے ساقط نہیں ہو گا، اور بغیر اس کے طلاق کے اس کی زوجہ اپنا نکاح ثانی نہیں کر سکتی ہے، ہاں محمد علی کا مرثیہ تصنیف کرنا، اور مجالس اہل تشیع میں پڑھنا، سو یہ ناجائز اور گناہ کا کام ہے، کیونکہ ایسے مرثیہ کا تصنیف کرنا، اور پڑھنا جس سے حزن و غم میں ہیجان ہو، اور دبا ہوا غم و الم تازہ ہو، اور جوش میں آ ئے، اور نوحہ و بکا کرنے پر باعث و محرک ہونا جائز و ممنوع ہے، اور مجالس اہل تشیع میں اسی قسم کے مرثیے پڑھے جاتے ہیں، حافظ ابن حجر فتح الباری میں باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولۃ کے تحت میں لکھتے ہیں۔ الرثاء بکسر الراء و بالمثلثۃ بعدھا مد تمدح المیت و ذکر محاسنہ ولیس ھو المراد من الحدیث حیث قال الراوی یرثی لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولھذا اعترض الاسمٰعیلی فقال لیس ھذا من مراثی الموتی وانما ھو من التوجع یقال رثیتہ اذا مدحتہ بعد موتہ ورثیت لہ اذا تحزنت علیہ ویمکن ان

یکون مراد البخاری ھذا بعینہ کانہ یقول ما وقع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو من التحزن والتوجع وھو مباح ولیس معارضا لنھیہ عن المراثی التی ھی ذکر اوصاف المیت الباعثۃ علی تھییج الحزن وتجدید اللوعۃ وھذا ھو المراد بما اخرجہ احمد وابن ماجہ وصححہ الحاکم من حدیث عبد اللہ بن ابی اوفی قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المراثی وھو عند ابن ابی شیبۃ بلفظ نھانا ان نتراثی الخ پس محمد علی کو ایسے مرثیہ تصنیف کرنے اور اس کو مجالس اہل تشیع میں پڑھنے سے توبہ کرنا لازم ہے اور محمد علی کو بوجہ اس فعل سے رافضی کہنا جائز نہیں ہے، اور محمد علی کا مرثیہ کے علاوہ اور شعر کہنا اگر حد شرع سے متجاوز نہیں ہے، تو جائز ہے، ورنہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا دین مہر دو سو روپیہ مقرر کیا، اور کہا، کہ اس میں سے ڈیڑھ سو روپیہ زیور دوں گا، اور پچاس روپیہ نقد لوں گا۔ برادری کے لوگوں کو کھلاؤں گا، اور کچھ داماد کو جہیز دوں گا، چاہے وہ شخص امیر ہو یا غریب، اور نقد روپیہ نکاح کے بعد لیوے مہر مقررہ کے دن، اور وہ کھانا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: مہر کی مستحق اور مالک لڑکی ہوتی ہے نہ اس کا باپ، پس صورت مسئولہ میں اگر لڑکی نابالغہ ہے، اور اس کا باپ اس کے اذن واجازت سے اس کے مہر میں یہ تصرف کر رہا ہے، تو یہ تصرف ہے، اور وہ کھانا بھی جائز ہے، اور اگر لڑکی نابالغہ ہے، تو اس کا وہ تصرف جائز ہے، جو لڑکی کی ذات سے متعلق ہے، یعنی اس کا نفع لڑکی کو پہنچے، جیسے اس کے لئے زیور بنا دینا، یا اس کے لئے کوئی جائداد خرید دینا، اور اس کا وہ تصرف جائز نہیں ہے، جس کا نفع لڑکی کو نہ پہنچے جیسے برادری کو کھانا کھلانا، خلاصہ یہ کہ لڑکی اگر نابالغہ ہے، تو اس کے باپ کو اس کا مہر نکاح کے پہلے یا نکاح کے بعد بے کراس کے مصرف میں صرف کرنا جائز ہے اور اس کے مصرف کے سوا کسی اور مصرف میں صرف کرنا درست نہیں، واللہ تعالےٰ اعلم۔

حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ — سید محمد ابو الحسن — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زوجہ بالغہ کو نکاح کے بدلہ میں جو مہر ملا ہے، اگر وہ مہر کے روپیے سے لوگوں کی ضیافت کرے، تو اس کے یہاں ضیافت کھانا درست ہے یا نہیں؟

۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ گوئی سے منع فرمایا ہے۔

الجواب:- زوجہ کو جو مہر ملا ہے، وہ اسی کی ملک ہے، اس کو اس میں ہر طرح کے جائز تصرف کرنے کا اختیار ہے، پس اگر وہ مہر کے روپیہ سے لوگوں کی ضیافت کرے، تو اس کے یہاں ضیافت کھانا درست ہے، واللہ اعلم بالصواب،

حررہ معین الدین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے چار سو روپے لے کر اپنی دختر کا نکاح اس سے کر دیا، یہ روپے لینے جائز ہیں یا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی رضہ سے کیا تھا، اور حضرت علی رضہ سے زرہ لے کر فروخت کر کے کچھ کپڑے اور خوشبو خریدا، اور حضرت فاطمہ رضہ کے جہیز میں دیا، یہ بعوض مہر تھا، یا مہر حضرت علی رضہ نے علیحدہ دیا تھا، مہر دختر کا لے کر اس کپڑا وغیرہ بنوا دینا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- روپیہ لے کر نکاح کرنا حرام ہے، اس لئے کہ یہ رشوت ہے، اور رشوت لینا اور دینا شرعاً حرام ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی رواہ ابوداؤد وابن ماجہ ورواہ الترمذی عنہ وعن ابی ہریرۃ ورواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن ثوبان وزاد والرائش یعنی الذی یمشی بینہما (مشکوۃ شریف باب رزق الولاۃ وہدایاہم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت کی ہے، زرہ مذکور بعوض مہر تھا جیسا کہ حدیث ابن عباس سے ظاہر ہے۔ لما تزوج علی فاطمۃ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطہا شیئا قال ما عندی شیئ قال فاین درعک الحطمیۃ فاعطاہا ایاہ رواہ ابوداؤد والنسائی۔ یعنی جب نکاح کیا حضرت علی رضہ نے حضرت فاطمہ رضہ سے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت علی رضہ سے، کہ فاطمہ رضہ کو کچھ دو، حضرت علی رضہ نے کہا، میرے پاس کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا تمہاری زرہ حطمیہ کہاں ہے، پس حضرت علی رضہ نے زرہ حطمیہ حضرت فاطمہ رضہ کو دے دی، اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت علی رضہ نے زرہ کو مہر میں دیا تھا۔ ومن ادعی خلافہ فعلیہ الدلیل۔ دختر کا مہر لے کر اس کے لئے کپڑا وغیرہ بنوا دینا درست ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبد الرحمن گوڑ کھپوری عفا اللہ عنہ، ۲۲ صفر ۱۳۱۵ھ

ھو الموفق:- زید نے جو چار سو روپے لے کر بکر سے اپنی دختر کا نکاح کیا ہے سو اگر

بکر نے اپنی خوشی سے بلا طلب زید کے روپے دیئے ہیں تو زید کو یہ روپیہ لینا جائز ہے اس میں کوئی قباحت شرعی نہیں ہے اور اگر زید نے بکر سے یہ کہہ کر روپے لئے ہیں، کہ اگر مجھے چار سو روپیہ دو گے، تو اپنی دختر کا نکاح تمہارے ساتھ کروں گا، اور نہ دو گے تو نہیں کروں گا، تو اس صورت میں زید کو یہ روپے لینے جائز نہیں ہیں، علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۱۹ جلد ۶ میں لکھتے ہیں۔ واحق مایکرم علیہ الرجل ابنتہ او اختہ فیہ دلیل علی مشروعیۃ صلۃ اقارب الزوجۃ واکرامھم والاحسان الیھم وان ذلک حلال لھم ولیس من قبیل الرسوم المحرمۃ الا ان یمنعوا من التزویج الا بہ انتھی۔ اور حضرت علی رضؓ نے جو اپنی زرہ حضرت فاطمہ رضؓ کو دی تھی، سو یلا اشتبہ ظاہر ہی ہے، کہ مہر میں دی تھی، اور محدثین نے بھی یہی سمجھا ہے اور ہاں یہ بھی واضح رہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ فاطمہؓ کو کچھ دو، سو یہ قبل نکاح کے نہیں کہا تھا، اور نہ عقد کے وقت کہا تھا، بلکہ نکاح کے بعد اس وقت کہا تھا، جب حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہ رضؓ کے پاس جانے کا ارادہ کیا تھا، ان باتوں کا ثبوت یہ ہے، کہ منتقی الاخبار میں ہے باب تقدمۃ شئی من المھر قبل الدخول والرخصۃ فی ترکہ اس باب میں ابن عباس کی حدیث مذکور کو نقل کیا ہے، پھر لکھتے ہیں۔ وفی روایۃ ان علیا لما تزوج فاطمۃ اراد ان یدخل بھا فمنعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یعطیھا شیئا فقال یارسول اللہ لیس لی شئی فقال لہ اعطھا درعک الحطمیۃ فاعطاھا درعہ ثم دخل بھا رواہ ابوداؤد، پھر لکھتے ہیں، وھو دلیل علی جواز الامتناع من تسلیم المرأۃ مالم تقبض مھرھا انتھی۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ وقد استدل بحدیث ابن عباس من قال انہ یجوز الامتناع من تسلیم المرأۃ حتی یسلم الزوج مھرھا الخ اور ہاں یہ بھی واضح ہو، کہ حدیث ابن عباس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے، کہ حضرت علی رضؓ نے زرہ حضرت

فاطمہ کو دے دی، رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ کو بیچ کر کچھ کپڑے اور خوشبو خریدی، اور حضرت فاطمہ کے جہیز میں دی، جیسا کہ سائل نے لکھا ہے، سو یہ بات کسی صحیح حدیث میں دیکھنے میں نہیں آئی، واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ عورت مشرکہ جب مسلمان ہو جاوے، تو کتنی مدت کے بعد نکاح کر سکتی ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب عورت مشرکہ مسلمان ہو جاوے، تو وہ تین حیض کے بعد نکاح کر سکتی کیونکہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے حرہ ہو گئی، اور حرہ کی عدت تین حیض ہے، اور یہی جمہور کا مذہب ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت مشرکہ مسلمان ہو جائے، تو اس کی عدت ایک حیض ہے، ایک حیض کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہے، حافظ ابن حجر باب من اسلم من المشرکات وعدتھن کے تحت میں لکھتے ہیں ای قدرھا والجمہور علی انہا تعتد عدۃ الحرۃ وعن ابی حنیفۃ یکفی ان تستبرء بحیضۃ اور اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث روایت کی ہے اس کے لفظ حتی تحیض وتطھر کے تحت میں لکھتے ہیں تمسك بظاہرہ الحنفیۃ واجاب الجمہور بان المراد تحیض ثلث حیض لانہا صارت باسلامہا وھجرتہا من الحرائر بخلاف ما لو سبیت۔ انتہی۔ حررہ عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہنود کی ایک مسلم کلمہ گو سے کسی نوع سے یاری ہوئی یعنے وہ کلمہ گو ہنود کے گھر آیا جایا کرتا تھا، چند روز کے بعد اس عورت ہنود نے دین اسلام قبول کیا اور اپنے شوہر کے گھر سے نکل آئی لیکن ہمیشہ سے ہنود کی اس کی ساتھ مواکلت و مباشرت تھی، اور وطی بھی ثابت ہے، پس جس روز شوہر کے گھر سے نکل کر آئی، اور اسلام قبول کیا، اسی روز قاضی صاحب نے اس کا

۱؎ اس کی عدت کتنی ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے، کہ وہ آزاد عورت کی عدت گذارے، اور امام حنیفہ کہتے ہیں، کہ ایک حیض عدت گذارے ۲؎ حنفیہ نے ظاہر حدیث سے تمسک کیا ہے، اور جمہور نے اس کا یہ جواب دیا ہے، کہ مراد تحیض سے تین حیض ہیں، کیونکہ وہ اپنے اسلام اور ہجرت کی وجہ سے آزاد عورتوں میں سے ہے، برخلاف اس کے کہ اگر وہ قیدی ہو کر آئی تو اس کی عدت ایک حیض ہوتی۔

نکاح اس مسلم کلمہ گو سے کر دیا لیکن ناکح کو کفارہ کا حکم کیا، تب سے ناکح اور منکوحہ کے درمیان مواکلت و مباشرت یعنی وطی اور جو چیزیں مرد و عورت کے درمیان ہوا کرتی ہیں، تا ایندم جاری ہے، اب سوال یہ ہے، کہ یہ کفارہ اور یہ نکاح بدون عدت کے عند الشرع ثابت ہے یا نہ، بینوا بالقرآن والحدیث۔

الجواب:۔ جب کوئی مشرک عورت مسلمان ہو جاوے اور اس کا شوہر مسلمان نہ ہو تو اس عورت مسلمہ کی عدت تین حیض ہیں، فتح الباری میں تحت حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کان اذا ھاجرت امرأۃ من اھل الحرب لم تخطب حتی تحیض وتطھر الحدیث مرقوم ہے قال الجمھور ان المراد تحیض ثلاث حیض لانھا صارت باسلامھا وھجرتھا من الحرائر انتھی۔ اور ایام عدت میں نکاح بالاتفاق ناجائز و حرام ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ۔ اور اگر ایام عدت میں نکاح ہو جاوے، تو بالاتفاق تفریق لازم ہے۔ قال فی نیل الاوطار وقد وقع الاتفاق علی انہ اذا وقع العقد لزم التفریق بینھما۔ پس صورت مسئولہ میں چونکہ یہ نکاح عدت کے اندر ہوا ہے، لہٰذا حرام و ناجائز ہے، اور درمیان اس عورت مسلمہ اور مسلم کلمہ گو کے تفریق لازم ہے، اور بعد پوری ہونے عدت کے اگر وہ مسلم کلمہ گو اس عورت مسلمہ سے نکاح کرنا چاہے، تو عند الجمہور نکاح کر سکتا ہے، باقی رہا کفارہ سو اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے، کفارہ کے جتنے مواقع ہیں، وہ سب معین و منقول ہیں، ان مواقع کے سوا کسی اور موقع میں اپنی طرف سے کفارہ مقرر کرنا، ہرگز جائز نہیں ہے، واللہ اعلم

حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت نے اسلام قبول کیا، اور زوج اس کا کافر ہے، تو کیا عورت اس سے جدا ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کس عدت کے بعد نکاح ثانی کر سکتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، فقہائے کوفہ اور عطاء

۱؎ جب کوئی عورت دار الحرب سے ہجرت کر کے آتی تھی، تو جب تک حیض کے بعد پاک نہ ہو جاتی، اس سے خطبہ نہ کیا جاتا، جمہور نے کہا، اس سے تین حیض مراد ہیں، کیونکہ وہ مسلمان ہونے اور ہجرت کرنے کی وجہ سے آزاد ہو چکی ہے ۲؎ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تک اللہ کا حکم اپنی مدت تک نہ پہنچ جائے نکاح نہ کیا جائے ۳؎ اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ اگر عدت کے اندر نکاح ہو جائے، تو ان کو جدائی کر دینا لازم ہے۔

اور طاؤس اور ثوری کے نزدیک بمجرد اسلام لانے عورت کے فرقت ہو جاتی ہے، اور ابن المنذر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے، اور قرآن مجید کی یہ آیت لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن اسی قول کی تائید کرتی ہے، مگر فقہائے کوفہ نے یہ شرط لگائی ہے، کہ جب عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو، اور وہ دونوں دارالاسلام میں ہوں، تو ان دونوں میں فوراً تفریق نہیں کی جاوے گی، بلکہ شوہر پر اسلام پیش کیا جاوے گا، اگر وہ مسلمان ہو جاوے، تو وہ عورت علی حالہا اس کی عورت باقی رہے گی، اور اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرے، تو ان دونوں میں تفریق کر دی جاوے گی، اور ایسی عورت کی عدت میں بھی اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک تین حیض ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف ایک حیض ہے، صحیح بخاری میں ہے۔ باب[1] اذا اسلمت المشرکۃ والنصرانیۃ تحت الذمی او الحربی وقال عبد الوارث عن خالد عن عکرمۃ عن ابن عباس رض اذا اسلمت النصرانیۃ قبل زوجہا بساعۃ حرمت علیہ وقال داؤد عن ابراھیم الصائغ سئل عطاء عن امرأۃ من اھل العھد اسلمت ثم اسلم زوجہا فی العدۃ ھی امرأتہ قال لا الا ان تشاء ھی بنکاح جدید وصداق وقال مجاھد اذا اسلم فی العدۃ یتزوجہا وقال اللہ تعالیٰ لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن انتھی۔ فتح الباری صفحہ ۱۹۴ جلد ۲۲ میں ہے۔ قولہ (سئل عطاء الخ) وھو ظاھر[2] ان الفرقۃ تقع باسلام احد الزوجین ولا تنتظر انقضاء العدۃ قولہ (وقال اللہ الخ) ھذا ظاھر فی اختیارہ القول الماضی فانہ کلام البخاری وھو استدل بہ لتقویۃ قول عطاء المذکور فی ھذا الباب وھو معارض فی الظاھر لروایۃ عن ابن عباس فی الباب الذی قبلہ وھی قولہ لم تخطب حتی تحیض

---

[1] وہ عورتیں ان کے لئے حلال ہیں، اور نہ وہ مرد ان عورتوں کے لئے حلال ہیں [2] ذمی یا حربی کی مشرکہ یا نصرانیہ عورت اگر اپنے مرد سے ایک ساعت بھی پہلے مسلمان ہو جائے گی، تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی، عطاء سے سوال کیا گیا، کہ اگر کوئی معاہد عورت مسلمان ہو جائے اور اس کی عدت کے دوران میں اس کا خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو کیا یہ عورت اسی کی ہے، عطاء نے کہا نہیں، ہاں اگر عورت چاہے، تو اس سے از سر نو نکاح کر سکتی ہے، اور حق مہر بھی دوبارہ ہو گا، مجاہد نے کہا وہ مرد اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

[3] یہ بات تو ظاہر ہے کہ زوجین میں سے اگر ایک مسلمان ہو جائے، تو فرقت فی الحال واقع ہو گی، اور عدت کے گذرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا، ابن عباس رض کی حدیث بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے، کہ "جب تک حیض

وتطہر ویمکن الجمع بینہما کالاثر کما یحتمل ان یرید بقولہ لم تخطب حتی تحیض وتطہر انتظار اسلام زوجہا مادامت فی عدتہا ویحتمل ایضا ان تاخیر الخطبۃ انما ھو لکون المعتدۃ لا تخطب مادامت فی العدۃ فعلی ھذا الثانی لا یبقی بین الخبرین تعارض ویظاہر قول ابن عباس فی ھذا وعطاء قال طاؤس والثوری وفقہاء الکوفۃ ووافقہم ابو ثور واختارہ ابن المنذر والیہ جنح البخاری وشرط اہل الکوفۃ ومن وافقہم ان یعرض علی زوجہا الاسلام فی تلک المدۃ فیمتنع ان کانا معا فی دار الاسلام انتہی اور مؤطا امام محمد صفحہ ۲۶۷ میں ہے قال محمد اذا اسلمت المرأۃ وزوجہا کافر فی دار الاسلام لم یفرق بینہما حتی یعرض علی الزوج الاسلام فان اسلم فھی امرأتہ وان ابی ان یسلم فرق بینہما وکانت فرقتہا تطلیقۃ بائنۃ وھو قول ابی حنیفۃ وابراہیم النخعی انتہی صحیح بخاری میں ہے باب نکاح من اسلم من المشرکات وعدتہن، حافظ ابن حجر اس کے تحت لکھتے ہیں: ای قدرھا والجمہور علی انہا تعتد عدۃ الحرۃ وعن ابی حنیفۃ یکفی ان تستبرأ بحیضۃ، پھر امام بخاری نے ابن عباس کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے وکان اذا ھاجرت امرأۃ من اہل الحرب لم تخطب حتی تحیض وتطہر فاذا تطہرت حل لہا النکاح، اس ٹکڑے کے تحت میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ہے پاک نہ ہو جائے، اس سے خطبہ نہ کیا جائے" اور ان دونوں میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے، کہ ابن عباس کی حدیث کا مطلب یہ ہو کہ جب تک عورت اس کی عدت میں ہے، اس کے مرد کے اسلام کا انتظار کیا جائے اور عدت ختم ہونے کے بعد ایک ساعت کی بھی اس کے خاوند کو مہلت نہ دی جائے۔ ابن عباس کے قول کو عطاء، طاؤس ثوری، ابو ثور، ابن منذر اور اہل کوفہ نے اختیار کیا ہے، امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اہل کوفہ کہتے ہیں کہ عدت کے دوران اس کے مرد پر اسلام پیش کیا جائے ۱؎ امام محمد کہتے ہیں، کہ اگر عورت مسلمان ہو جائے، اور اس کا مرد کافر ہو، اور دارالاسلام میں ہو، تو حق یہ ہے، کہ فوری طور پر ان میں جدائی نہ کی جائے، بلکہ مرد پر اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ قبول کرے، تو یہ اسی کی عورت ہے، اور اگر انکار کرے، تو ان میں تفریق کر دی جائے، اور ان کی فرقت طلاق بائن ہو گی امام ابو حنیفہ اور ابراہیم نخعی کا یہی قول ہے ۲؎ اگر کوئی مشرک عورت مسلمان ہو جائے تو جمہور کا مذہب یہ ہے، کہ وہ آزاد عورت کی عدت گذارے اور ابو حنیفہ کے نزدیک ایک حیض سے استبراء رحم کرے۔

۳؎ جب کوئی عورت اہل حرب سے ہجرت کر کے آجاتی، تو اس سے اس وقت تک منگنی نہ کی جاتی، جب تک کہ وہ حیض گذار کر پاک نہ ہو جاتی، جب پاک ہو جاتی، تو اس سے نکاح درست ہوتا۔

تمسك بظاهره الحنفية واجاب الجمهور بان المراد تحيض ثلاثة حيض لانها صارت باسلام ها وهجرتها من الحرائر بخلاف ما لو سبيت انتهى - والله تعالى اعلم وعلمه اتم

كتبه محمد عبد الرحمن المباركفوري عفا الله عنه — سید محمد نذیر حسین

سوال :- جس شادی والے گھر میں ڈھولک بجائی جاوے، اور مغنیہ عورتیں گائیں یا رسوم بدعیہ فسقیہ ہوتی ہوں، ان کی شادی میں شریک ہونا، اور جو برات باجے بجاتی ہوئی آوے یا اور رسوم بدعیہ فسقیہ کرے، اس کی آؤ بھگت کرنا، اور اس کی خدمت گذاری اور مہمان داری بجالانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جن شادی والے گھروں میں ڈھولک بجائی جاوے، اور مغنیہ عورتیں گائیں یا رسوم بدعیہ فسقیہ عمل میں لاویں، تو ان کی شادی میں شریک ہونا، ناجائز ہے، اور ان کی دعوت قبول کرنا، نادرست، اسی طرح جو برات باجے بجاتی ہوئی آوے، یا اور رسوم بدعیہ فسقیہ کرے اس کی آؤ بھگت کرنا، اور اس کی خدمت گذاری اور مہمان داری بجالانا، ناجائز ہے کیونکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں، اور گناہ کے کام میں شریک ہونا، اور گناہ کے کام پر اعانت و مدد کرنا ممنوع و ناجائز ہے۔ قال[2] الله تعالى تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔ عن عمران بن حصين قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اجابة طعام الفاسقين اخرجه الطبراني في الاوسط كذا في الفتح الباري۔ وعن ابراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام رواه البيهقي في شعب الايمان مرسلا كذا في المشكوة۔ قال في سبل السلام قال ابن دقيق العيد في شرح الالمام وقد يسوغ ترك الاجابة لاعذار منها ان يكون في الطعام شبهة او يخص بها الاغنياء او يكون

[1] حنفیہ نے اس حدیث کے ظاہر سے ایک حیض کا استدلال کیا ہے اور جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ تین حیض سے مراد تین حیض ہیں، کیونکہ وہ اسلام اور ہجرت کی وجہ سے آزاد ہو چکی ہے، برخلاف اس کے اگر وہ قیدی بن کر آتی۔

[2] نیکی اور پرہیز گاری پر مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق لوگوں کی دعوت طعام کرنے سے روکا ہے اسے طبرانی نے اوسط میں اور فتح الباری نے ذکر کیا ہے، اور فرمایا جو بدعتی آدمی کی عزت کرے، اس نے اسلام کو گرانے پر مدد کی، بیہقی نے شعب الایمان میں اسے ذکر کیا ہے، ابن دقیق العید نے شرح الامام میں کہا ہے، کہ بعض دفعہ عذر کی وجہ سے دعوت قبول نہ کرنا بھی جائز ہے مثلاً کھانے کی علت، حرمت

هناك من يتاذى بحضوره معه اولا يليق بمجالسة او يدعوه لخوف شره او لطمع في جاهه او ليعاونه على باطل او يكون هناك منكر من خمر او لهو او فراش حرير او ستر لجدار البيت او صورة في البيت او يعتذر الى الداعي فيتركه او كانت في الثالث كما يا تي فهذه الاعذار ونحوها في تركها على القول بالوجوب وعلى القول بالندب بالاولى وهذا ماخوذ مما علم من الشريعة ومن قضايا وقعت للصحابة الى ان قال فيه وبالجملة الدعوة مقتضى للاجابة وحصول المنكر مانع عنها فتعارض المانع والمقتضي والحكم للمانع انتهى۔ اور راگ اور بلبجے کی حرمت ہو ممانعت پر آیات واحادیث کثیرہ وارد ہوئی ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ علی محمد عفی عنہ ۔ مؤرخہ ۱۰ محرم ۱۳۱۹ھ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ہندہ نے عدم موجودگی زید کے پنچ کے روبرو خلع کر لیا لیکن شوہر کو خبر معلوم ہوئی یا موجود بھی ہے لیکن وہ چھوڑتا ہے اس شرط پر جو مہر مقرر ہوا تھا اس سے زیادہ روپے کر دے، اب زیادہ مہر پر خلع سے راضی ہونا مرد کو جائز ہے یا نہیں، اور عورت کا خلع عند الشرع عدم موجودگی زید کے جائز ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مہر مقررہ سے زیادہ پر خلع کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے، نیل الاوطار صفحہ ۱۷۸ جلد ۶ میں ہے۔ وذهب[1] الجمهور الى انه يجوز للرجل ان يخالع المرأة باكثر مما اعطاها قال مالك لم ار احدا ممن يقتدى به يمنع ذلك لكنه ليس من مكارم الاخلاق انتهی۔ اور خلع کا اختیار شوہر کو ہے، اور بیوی کی رضامندی بھی شرط ہے،

میں سختی ہو، یا اس دعوت میں صرف دولتمندوں ہی کو بلایا جائے، یا وہاں کوئی ایسا آدمی موجود ہو جس کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوتی ہو یا وہاں ناجائز چیزیں ہوں، مثلاً شراب یا کھیل تماشہ یا ریشمی فرش ہو یا دیواروں پر پردے لٹکے ہوں، یا مکان میں تصویریں ہوں، یا اگر دعوت سے معذرت کرے، اور وہ اس کو قبول کرلے، یا دعوت ولیمہ تیسرے روز کی ہو، تو ان صورتوں میں دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہیے، بعض کے نزدیک وجوبا اور بعض کے نزدیک استحبابا اور یہ حکم شریعت کے کلیہ قواعد اور صحابہ کرام کے قضایا سے لیا گیا ہے، بالجملہ اگر دعوت کو قبول کرنا ایک طرف مستحب ہے تو دوسری طرف حصول منکر اس سے مانع ہے تو مانع اور مقتضی میں جب تعارض ہو تو حکم مانع کا ہوگا،

[1] جمہور کا مذہب یہ ہے کہ آدمی اپنی عورت سے خلع کرنے کے لئے حق مہر سے زیادہ مال کا مطالبہ کر سکتا ہے امام مالک کہتے ہیں مجھے اس کا ایک آدمی بھی مخالف معلوم نہیں ہوتا لیکن یہ شریفانہ اخلاق کے برخلاف ہے

اس واسطے کہ خلع کے معنی یہ ہیں، کہ عورت کچھ مال شوہر کو دے کر اس کی زوجیت سے اپنے کو رہا کرے، پس جب تک شوہر خلع نہ کرے گا خلع جائز نہ ہوگا، اسی طرح عورت مال دینے پر راضی نہ ہو، تو بھی خلع نہیں ہو سکتا، اور خلع کے وقت میاں بیوی کا ایک جگہ موجود ہونا ضروری نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح ایک شخص کے نابالغ لڑکے سے کر دیا، جب وہ دونوں بالغ ہو گئے، تو لڑکے کی عادت بدچلنی، بد اطواری، چوری، نشہ پینے کی ایسی ہو گئی، کہ اپنی زوجہ کی خبر گیری اور اس کے حقوق کے ادا کرنے سے بالکل کنارہ کش ہو گیا، اور زیور متعینہ مہر کا اس کی طرف سے دختر کو ملا تھا وہ اور جو باپ کے گھر کا تھا سب فروخت کر کے نشہ پینے میں اڑا دیا، نان و نفقہ بالکل نہیں دیتا، اور نہ کبھی اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے جاتا ہے، نماز روزہ ارکان اسلام سے بالکل ناواقف ہنود کی صحبت میں رہتا ہے، اور اکثر اوقات انہیں کے یہاں کھاتا پیتا ہے، دختر بھی اس سے ناراض ہے، اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی طلاق بھی نہیں دیتا، جب طلاق کی نسبت اس سے کہا جاتا ہے، تو روپیہ طلب کرتا ہے کیونکہ نشہ پینے کے لئے اور کسی جگہ سے روپیہ مل نہیں سکتا، صرف نشہ کے لئے روپے لیتا ہے، حالانکہ زرمہر جو اس نے دیا تھا، وہ سب اپنے صرف میں لا چکا، غرضیکہ نہ طلاق دیتا ہے نہ زوجہ کو اپنے گھر لے جا کر اس کے حقوق ادا کرتا ہے، دختر چونکہ جوان ہے ایسی حالت میں اس کا اس طرح رہنا نہایت خوفناک ہے، اس لئے اب اس صورت میں شرعاً اس کا نکاح فسخ ہو کر دوسرے شخص سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں شوہر جو روپیہ طلاق دینے پر طلب کرتا ہے، اگر زوجہ اس کے دینے پر قادر ہے، تو بہتر ہے کہ خلع کرا دیا جاوے، اور یہ حنفیہ اور غیر حنفیہ سب کے نزدیک جائز ہے، الضرورت کے وقت میں جواز خلع کے اندر کیا کلام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ[1] اور اگر زوجہ

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اگر تمہیں خوف ہو کہ مرد و عورت دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے، تو ان پر گناہ نہیں، کہ عورت کچھ فدیہ دے دے۔

اس روپے کے دینے پر قادر نہیں ہے اور خاوند نہ طلاق دیتا ہے اور نہ حقوق زوجیت نان و نفقہ وغیرہ کو ادا کرتا ہے اور نہ زوجہ بسبب فوات ضروریات بشری و عدم حصول حقوق زوجیت متضرر ہے اور اس ضیق و تنگی کی برداشت سے عاجز ہے تو اس صورت میں فسخ نکاح جائز ہوگا اور مسماۃ کو کسی دوسرے سے نکاح کر لینا درست ہوگا کیونکہ شرع میں حرج مدفوع ہے، قال اللہ تعالیٰ وما جعل علیکم فی الدین من حرج اور حدیث میں فرمایا ہے، لا ضرر ولا ضرار[1] - ووقع فی روایۃ فی الرجل لا یجد[2] ما ینفق علی امرأتہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفرق بینھما، اور چونکہ یہاں پر ضرورت ہے اس وجہ سے

ملہ اللہ نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی جو اپنی عورت کو خرچ نہ دے سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ ان میں جدائی کرا دی جائے،

(۱) قولہ لا ضرر ولا ضرار الخ اقول حدیث لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام اخرجہ احمد وابن ماجہ والطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات واخرجہ ایضا الطبرانی فی الاوسط عن جابر وفیہ ابن اسحاق ثقۃ مدلس و اخرجہ ایضا ابن ماجہ عن عبادۃ وحسنہ فی الجامع الصغیر کذا فی الجامع الازھر من حدیث النبی الانور ۱۲
(۲) قولہ لا یجد ما ینفق الخ اخرجہ الدارقطنی والبیھقی من طریق عاصم القاری عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ مرفوعا واعلہ ابو حاتم وفی الباب عن سعید بن المسیب عند سعید بن منصور والشافعی وعبد الرزاق فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اھلہ قال یفرق بینھما قال ابو الزناد وقلت لسعید سنۃ قال سنۃ وھذا مرسل قوی وعن عمر عند الشافعی وعبد الرزاق وابن المنذر انہ کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نسائھم امرھم ان ینفقوا او ان یطلقوا ویبعثوا نفقۃ ما حبسوا انتہی کذا فی النیل ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین

(ترجمہ حاشیہ) (۱) حدیث لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام اسے احمد، ابن ماجہ، اور طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، نیز طبرانی نے اوسط میں بھی اسے جابر سے روایت کیا ہے اس کی سند میں ابن اسحاق مدلس ہے، ابن ماجہ نے حضرت عبادہ سے یہ روایت کی ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے الجامع الازھر من حدیث النبی الانور (۲) قولہ لا یجد ما ینفق الخ اسے دارقطنی اور بیہقی نے بروایت عاصم القاری عن ابی صالح عن ابی ہریرہؓ مرفوعا ذکر کیا ہے، ابو حاتم نے اسے معلل بیان کیا ہے، امام شافعی اور سعید بن مسیب سے بھی ایسا ہی مذکور ہے کہ جب خاوند اخراجات سے عاجز رہ جائے تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، ابو الزناد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید سے پوچھا کہ یہ مسنون امر ہے، فرمایا ہاں عبد الرزاق اور ابن المنذر ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عمال اور امراء لشکر کی طرف لکھا کہ وہ مجاہدین جو ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتے ہیں یا تو وہ اپنی بیویوں کو خرچ بھیجا کریں ورنہ انہیں طلاق دے دیں، کذا فی النیل

حنفیہ کے نزدیک بھی اس پر فتوی جائز ہے، خیر الدین رملی حنفی استاد مؤلف درمختار لکھتے ہیں المختار عندنا انہ لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل الی قولہما او قول احدہما او غیرہما الا لضرورۃ۔ معلوم ہوا، کہ حنفیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت غیر کے قول پر فتوی جائز ہے اور ایسی صورت میں جواز تفریق کا مذہب بہت سے علماء کا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ابو یحییٰ محمد الشاہ جہانپوری بعشرین خلون من شعبان ۱۳۱۵ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ زید نے اپنی دختر ہندہ کا نکاح ایک شخص مسمی عمرو سے نیک وصالح سمجھ کر کردیا، بعد میں عمرو مذکور کو نہایت بدچلن شراب خوار وزانی وقمار باز وغیرہ پایا، آیا یہ نکاح قائم رہا یا نہیں، قبل نکاح کے دختر مذکورہ نابالغہ تھی، بعد بالغ ہونے کے وہ اس نکاح سے راضی نہیں ہے، اس بارہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ نکاح میں کفارت فی الدین والتقوی کا اعتبار کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے پس جب زید نے ہندہ کا نکاح عمرو سے نیک وصالح گمان کرکے کردیا پھر بعد کو ظاہر ہوا، کہ عمرو نہایت بدچلن شراب خوار وزانی وقمار باز وغیرہ ہے، اور ہندہ بالغ ہونے کے بعد اس نکاح سے راضی نہیں ہے تو اس صورت میں یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ باطل ہے فقہائے حنفیہ نے بھی ایسی صورت میں بطلان نکاح کی تصریح کی ہے۔ ذکر اصحاب الفتوی ان الاب اذا زوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکر انہ یشرب المسکر فاذا ہو مدمن لہ وقالت بعد ما کبرت لا ارضی بالنکاح ان لم یکن یعرف الاب بشربہ وکان اہل بیتہ صالحین فالنکاح باطل اتفاقا لانہ انما زوج علی ظن انہ کفو اہ ثم انہ لا خصوصیۃ لما اذا علمہ فاسقا وانما المراد اذا زوجہ بناء علی انہ کفو فاذا ہو لیس بکفو فانہ

لے ہمارے نزدیک پسندیدہ یہ ہے، کہ امام اعظم کے قول اور عمل کے بغیر نہ فتوی دے نہ عمل کرے اور صاحبین یا ان میں سے ایک یا ان کے علاوہ کسی اور کے قول پر ضرورت کے بغیر رجوع نہ کرے۔

ﻟﮯ اصحاب فتاوی نے ذکر کیا ہے، کہ جب باپ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کسی ایسے آدمی سے کردے، ہمیشہ شراب پیتا رہتا ہو، اور لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد کہہ دیا، کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں ہوں، تو اگر باپ کو اس کی شراب نوشی کا علم نہیں تھا، اور اس کے داماد کے گھر والے نیک لوگ تھے، تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے، کیونکہ اس نے اس کو کفو سمجھ کر نکاح کیا تھا، پھر اس کے فاسق ہونے کے علم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جب اس کو کفو سمجھ کر نکاح کیا، اور وہ کفو نہ نکلا تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے اور تفسیر میں ہے کہ اگر

باطل بالاتفاق وھکذا قال فی القنیۃ زوج بنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ حراً لاصل وکان معتقاً فھو باطل بالاتفاق بحرالرائق۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ | سید محمد ابوالحسن | سید محمد عبدالسلام غفرلہ | سید محمد نذیر حسین

سوال: ولید مرتکب کفر وشرک ہوگیا، اور ولید کا نکاح ہندہ سے قبل از ارتکاب کفر وشرک کے ہوا تھا، مگر اب ولید یہ چاہتا ہے، کہ کفر وشرک سے تائب ہوکر تجدید ایمان کرکے ہندہ سے تجدید نکاح کرے، تو کیوں کر اور کس طرح کرے، آیا مہر سابق قائم رہا، یا مہر دیگر قرار دیا جائے، ولید تجدید نکاح پر راضی ہے، مگر ہندہ کا یہ کہنا ہے، کہ اگر ارتکاب کفر وشرک سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، تو قبل از تائب ہونے کفر وشرک سے زمانہ ارتکاب کفر وشرک میں ولید سے ہندہ کی جو اولاد پیدا ہوئی، وہ بحالت کفر نکاح کے کیا کہلانے گی یعنی زنیم اس وجہ سے ہندہ کو تجدید نکاح سے انکار ہے، آیا ہندہ کا انکار درست ہے یا غیر مقبول، ارتکاب شرک وکفر سے مسلم ومسلمہ کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، یا قائم رہتا ہے خالد اور اس کے تابعین کہتے ہیں، کہ کفر وشرک کرنے سے ہرگز نکاح نہیں ٹوٹتا، اور نہ کسی طرح کا تزلزل وخلل وحرج واقع ہوتا ہے، تجدید ایمان وتجدید نکاح کی کچھ ضرورت نہیں ہے

الجواب: ارتکاب کفر وشرک سے مسلم ومسلمہ کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، ولید کو چاہیے کہ شرک وکفر سے توبہ کرکے تجدید نکاح کرے، اور اس نکاح جدید کے لئے دوسرا مہر مقرر کرنا ہوگا، اور ہندہ کا تجدید نکاح سے انکار کرنا درست ومقبول نہیں ہے، اور جو عذر وہ بیان کرتی ہے، وہ عذر غلط ہے، اس واسطے کہ زمانہ ارتکاب شرک وکفر میں وبحالت کفر نکاح ولید سے جو اولاد ہندہ کی پیدا ہوئی ہے، وہ بلا شبہ ولدالزنا ہے، اور ولدالزنا ہی کہلانے گی، چاہے ہندہ تجدید نکاح کرے یا نہ کرے، ایسا نہیں ہے، کہ ہندہ تجدید نکاح نہ کرے، تو وہ اولاد ولدالزنا نہ کہلائے گی، اور اگر تجدید نکاح کرے، تو تب بھی وہ اولاد ولدالزنا ہی کہلائے گی، اور خالد اور اس کے تابعین کا یہ کہنا، کہ شرک وکفر سے نکاح ہرگز نہیں ٹوٹتا، غلط اور باطل ہے اور جہالت پر مبنی ہے اور ہاں یاد رکھنا چاہیے، کہ اسی شرک وکفر سے نکاح ٹوٹتا ہے، جس کے ارتکاب سے مسلمان اسلام سے بالکلیہ خارج ہوکر کافر مرتد ہو جاتا ہے، اور ایسے امور جن پر حدیث میں شرک یا کفر کا اطلاق آیا ہے، مگر ان امور کے

کسی کی آزاد لڑکی کو آزاد سمجھ کر نکاح کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ آزاد شدہ غلام تھا تو یہ نکاح بھی بالاتفاق باطل ہے (بحرالرائق)

ارتکاب سے مسلمان اسلام سے خارج ہوکر کافر و مرتد نہیں ہوتا، سو ایسے امور کے ارتکاب سے نکاح نہیں ٹوٹتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک میواتی نے کہ نام کا مسلمان ہے، اور سیتلا و بھوانی اور لعل داس وغیرہ معبودان ہنود کو پوجتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا ہے، اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح جس کی عمر چھ برس کی ہوگی ایک میواتی شخص سے کہ وہ بھی نام کا مسلمان ہے، اور سیتلا و بھوانی اور لعل داس وغیرہ معبودان ہنود کو پوجتا ہے، اور نماز نہیں پڑھتا ہے، کردیا تھا، جب وہ لڑکی بالغہ ہوئی اس نے کفر و شرک سے توبہ کی، اور نماز روزہ کرنے لگی، پھر اس کے بھائی نے کسی مسلمان موحد سے اس کا نکاح کردیا، اب یہ نکاح ثانی اس لڑکی کا شرعاً جائز ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ نکاح ثانی صحیح اور جائز ہوا، اور پہلا نکاح ناجائز و حرام ہوا تھا، اس واسطے کہ پہلا نکاح ایسے شخص سے ہوا تھا، جو صریح مشرک تھا، بسبب پوجنے سیتلا و بھوانی و لعل داس وغیرہ معبودان ہنود کے اور مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے ناجائز و حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکین حتی تؤمنوا الآیۃ،[1] اور اسی پر اجماع امت محمدیہ ہے، اور دوسرے نکاح کا صحیح و جائز ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ نکاح مسلمان موحد سے ہوا ہے، رہی یہ بات کہ باپ کی موجودگی میں بھائی کو ولایت نکاح کی نہیں ہوتی کیونکہ باپ ولی اقرب ہے، اور بھائی ولی ابعد، سو یہ اس صورت میں ہے، کہ باپ کا ولی ہونا باقی رہے، اور اگر کسی وجہ سے باپ کی ولایت جاتی رہے، تو بھائی ہی ولی اقرب ہوجاتا ہے، اور صورت مسئولہ میں باپ کے صریح مشرک ہونے کی وجہ سے باپ کی ولایت جاتی رہی لہٰذا بھائی ہی ولی اقرب ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو مدت دراز سے اس کے میکے میں چھوڑ رکھا ہے، نہ نان و نفقہ کی خبر لیتا ہے، اور نہ طلاق ہی دیتا ہے جب اس سے کہا جاتا ہے، کہ اپنے گھر لے جاؤ تو منظور نہیں کرتا، اور کہتا ہے، میرے پاس

---

[1] فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ نہ نکاح کرو مشرک مردوں سے یہاں تک کہ ایمان لے آئیں۔

کچھ دینے کو ہے ہی نہیں، اور اگر کہا جاتا ہے، کہ طلاق دے دو، تو طلاق بھی نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ عمر بھر ایسا ہی لٹکا رکھوں گا، پس ہندہ سخت مصیبت اور پریشانی میں ہے، علاوہ نان و نفقہ کی عسرت و تکلیف کے جوان عورت کا ایسے بیٹھے رہنے میں بڑے بڑے مفاسد کا خوف ہے اور زید نہ ہی خود خبر لیتا ہے اور نہ اس کی رہائی کرتا ہے، کہ دوسرے سے نکاح کر کے اپنی زندگانی بسر کرے، پس اس صورت میں زید کی نسبت کیا حکم ہے، اور شرع میں ہندہ کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مرقومہ میں زید بڑا ظالم ہے، اور اس قسم کی ایذا رسانی شرع میں سخت ممنوع ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا یعنی عورتوں کو ضرر رسانی کے لئے نہ روک رکھو، کہ ان کو زیادتی کرے، اور دوسری جگہ فرمایا فتذروھا کالمعلقۃ یعنی ایسا نہ کرو، کہ عورت کو لٹکا چھوڑ رکھو، پس زید کو چاہیئے، کہ یا اپنی زوجہ کے نان و نفقہ وغیرہ سے خبر گیران ہو، اور اس کے حقوق ادا کرے، یا اس کو طلاق دے کر رہا کرے اور وہ طلاق پر راضی نہ ہو، تو خلع پر راضی ہو جاوے، اور ہندہ کا پیچھا چھوڑ دے، اگر زید ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت منظور نہ کرے گا، تو چونکہ ایسی صورت میں ہندہ سخت ضیق اور تنگی میں ہے، اور شرع میں کسی پر تنگی اور حرج نہیں رکھا گیا، اور نہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف دی گئی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وما جعل علیکم فی الدین من حرج یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی وقال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا، تو بر تقدیر کوئی اور صورت مخلصی کی نہ نکلنے کے وجہ سے شرعاً حاکم و قاضی کو جائز ہوگا، کہ وہ نکاح ہندہ کا فسخ کر دے، اور ہندہ دوسرے سے نکاح کرے، اور اس کی مؤیدہ حدیث بھی ہے، جو در صورت عجز شوہر کے نان و نفقہ زوجہ کے حکم فسخ کا کرتی ہے۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأتہ قال یفرق بینھما[1] اخرجہ الدارقطنی یعنی پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو عورت کا نان و نفقہ دے نہ سکے فسخ نکاح کا حکم کیا، علامہ قاضی شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔ استدل بہ علی ان الزوج اذا اعسر عن نفقۃ امرأتہ واختارت فراقہ فرق بینھما والیہ ذھب جمھور العلماء کما حکاہ فی فتح الباری و

(۱) قولہ یفرق بینھما الخ تقدم تخریجہ وتنقیدہ فی صفحہ ۳۶۳۔

حکاہ صاحب البحر عن الامام علی وعمر وابی ھریرۃ والحسن البصری وسعید بن المسیب وحماد وربیعۃ ومالک واحمد بن حنبل انتہی۔ یعنی خاوند کے نان ونفقہ دینے سے عاجز ہونے کی صورت میں اکثر علماء جن میں حضرت علی رضا اور حضرت عمر رضا و ابوہریرہ رضا اور حسن بصری اور سعید بن المسیب اور حماد اور ربیعہ اور امام احمد بھی کہتے ہیں فسخ کرا دینے کے قائل ہیں اور ضرورت کے وقت میں حنفی بھی گو امام ابو حنیفہ کا قول نہ ہو دوسرے کے قول پر فتوی دیتے ہیں، جیسا کہ مفقود الخبر کے مسئلہ میں رد المحتار میں لکھتے ہیں۔ ذکر ابن حبان[1] فی منظومتہ انہ لو افتی بقول مالک فی موضع الضرورۃ یجوز، اور لکھتے ہیں، دوسرے مسئلہ میں جس کو نظیر کے طور پر ذکر کیا ہے۔ وقد قال فی البزازیۃ[2] ھنالک الفتوی فی زماننا علی قول مالک وقال الزاھدی کان بعض اصحابنا یفتون بالضرورۃ۔ اور رد المحتار میں مسئلہ اعسار میں لکھتے ہیں۔ قال فی غرر الاذکار[3] ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا من مذھبہ التفریق بینھما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجۃ الدائمۃ لا یتیسر بالاستدانۃ الی قولہ فالتفریق ضروری اذا طلبتہ انتہی۔ خلاصہ یہ کہ حنفی بھی۔۔۔۔۔ ضرورت کے وقت دوسرے کے مذہب پر عمل درآمد جائز رکھتے ہیں، واللہ اعلم۔ حررہ ابو یحیی محمد شفیع عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کر کے پھر خبر نہ لی اور ہندہ کو کالمعلقہ ڈال رکھا ہے، نہ بلاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، نہ نان و نفقہ کی خبر لیتا ہے، نہ کسی کی فہمائش سنتا ہے، اب اس صورت میں کیا کیا جاوے اور دعوے مہر کا پہنچ سکتا ہے یا نہیں، و چڑھاوا جو عروسی کے وقت چڑھایا جاتا ہے، اور جوڑا

---

[1] ابن حبان نے اپنی نظم میں کہا ہے، کہ اگر ضرورت کی وجہ سے امام مالک کے قول پر فتوی دے، تو جائز ہے

[2] بزازیہ میں کہا ہے، کہ ہمارے زمانہ میں فتوی امام مالک کے قول پر ہے، زاہدی نے کہا ہے، ہمارے بعض مشائخ ضرورت کے مطابق فتوی دیتے تھے۔

[3] غرر الاذکار میں ہے کہ ہمارے مشائخ نے بہتر کہا ہے، کہ حنفی قاضی اپنا ایک ایسا نائب مقرر کرے جس کا مذہب عورت مرد میں جدائی کر دینے کا ہو، جب کہ خاوند حاضر نہ ہو یا طلاق دینے سے انکار کر دے کیونکہ ہمیشہ قرض ہی سے ضرورت پوری نہیں ہوتی اور عورت کے مطالبہ پر کبھی جدائی ضروری ہو جاتی ہے۔

وہ زید نے دبا رکھا ہے، وہ ہندہ کو پہنچتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا فجزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء۔

الجواب:۔ جاننا چاہیے، کہ نکاح کا موجب شرعی حسن معاشرت بالمعروف ہے یعنی زوج پر واجب ہے، کہ زوجہ کی دستور کے موافق نان ونفقہ کی خبر لے، اور جیسے دنیا میں میاں بیوی رہتے ہیں رہے، اور حقوق زوجیت عرف کے موافق پورا پورا ادا کرے یا اس کو طلاق دے، اور خوبی کے ساتھ رخصت کرے، وعاشروھن بالمعروف بالانصاف فی الفعل والاجمال فی القول، کذا فی تفسیر القاضی ناصرالدین البیضاوی، فامساک بمعروف بالمراجعۃ وحسن المعاشرۃ وھو یؤید المعنی الاول او تسریح باحسان بالطلقۃ الثالثۃ او بان لا یراجعھا حتی تبین وعلی المعنی الاخیر حکم مبتداء وتخییر مطلق عقیب تعلیمھم کیفیۃ التطلیق کذا فی البیضاوی۔ فامساک بمعروف قیل اراد بالامساک الرجعۃ بعد الثانیۃ والصحیح ان المراد منہ الامساک بعد الرجعۃ یعنی اذا راجعھا بعد الطلقۃ الثانیۃ فعلیہ ان یمسکھا بالمعروف والمعروف کل ما یعرف فی الشرع من اداء حقوق النکاح وحسن الصحبۃ او تسریح باحسان ھو ان یترکھا بعد الطلاق حتی تنقضی عدتھا وقیل الطلقۃ الثالثۃ کذا فی تفسیر معالم التنزیل للامام محی السنۃ۔ اور صورت مسئولہ میں زید نہ تو کوئی حق زوجیت [illegible] کرتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے حالانکہ اس پر ان دونوں امروں میں سے ایک امر واجب ہے، تو ضرور ہوا کہ قاضی اس کے قائم مقام ہو کر تفریق کرادے اس کے ظلم کے دفع کے واسطے، کیونکہ یہ زید کا ظلم صریح ہے، اور ہندہ کا بڑا حرج ہے، اور دین میں حرج نہیں ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ غرضیکہ قاضی اس کے قائم مقام ہو کر تفریق کرادے اگر ہندہ تفریق چاہے موافق قاعدہ مقررہ شرع کے کہ جب زوج امساک بمعروف و تسریح باحسان دونوں میں

لـہ اور ان سے بھلے طریقے سے زندگی گذارو یعنی معاملہ میں انصاف کرو، اور بات شرافت سے کرو، پھلی ہی ہے، یا ان کو اچھے طریقہ سے اپنے گھر روک لو، یعنی رجوع کرو، تو پھر معاشرت اچھی رکھو یا اچھے طریقہ سے چھوڑ دو، یعنی تیسری طلاق دے دو، اور ایسے طریقہ سے دو، جیسے تم کو خدا تعالیٰ نے سکھلایا ہے، اور امساک بالمعروف یہ ہے، کہ نکاح کے حقوق ادا کرے، اور معاملہ بھلا رکھے۔

ـلـہ ۲ اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔

کوئی نہ کرے، تو قاضی تفریق کرا دے، جیسا کہ بہت مسئلوں میں یہ قاعدہ برتا جاتا ہے مثل لعان و مفقود الخبر کے۔ ولنا ان ثبوت الحرمۃ بفوت الامساك بالمعروف فیلزمہ التسریح بالاحسان فاذا امتنع ناب القاضی منابہ دفعا للظلم کذا فی الهدایۃ صفحہ ۴۲۹ جلد ا نفقات۔ الامساك بالمعروف وجب علیہ التسریح بالاحسان فاذا امتنع ناب القاضی منابہ ففرق بینهما ولا بد من طلبها لان حقها کذا فی الهدایۃ۔ اور دعویٰ مہر کا ہندہ کو پہنچتا ہے، اگر خلوت صحیحہ ہوئی ہے، تو پورے مہر کا، ورنہ نصف مہر کا، اور خلوت صحیحہ اس کو کہتے ہیں، کہ زوج و زوجہ ایک جا مکان میں ہوں، اور کوئی چیز وطی میں مانع نہ ہو، اگرچہ وطی نہ ہو، واذا خلا الرجل بامرأتہ ولیس هناك مانع من الوطی ثم طلقها فلها کمال المهر کذا فی الهدایۃ۔ وان طلقها قبل الدخول والخلوۃ فلها نصف المسمی کذا فی الهدایۃ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فریضۃ فنصف ما فرضتم الآیۃ۔ اور چڑھاوا وغیرہ ملک ہندہ کی ہے، کیونکہ عرف میں ہندہ کو دیتے ہیں، زید کا اس میں کچھ حق نہیں، اس کا دبا رکھنا ظلم صریح ہے، پس جب ہندہ کا مال ہے اور زید ظلم سے دبائے ہوئے ہے، تو ہندہ کو دعوے حق کا ہے۔ کما لا یخفی علی من له ادنی تفقہ هذا ما ظهر لی واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

تدحررہ العبد المهین محمد یسین الرحیم آبادی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ ہے، اور اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے، لیکن عورت مذکور کا باپ کچھ تو اس وجہ سے کہ حسب رواج جہالت

۱؎ اگر امساک بالمعروف نہ ہو سکے، تو تسریح باحسان ہو جائے، اگر مرد اچھے طریقہ سے عورت کو نہ رکھے اور اسے چھوڑنے پر بھی آمادہ نہ ہو، تو قاضی اس کا نائب بن کر اس کو طلاق دے دے گا، تاکہ ظلم کو ختم کیا جا سکے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عورت مطالبہ کرے، کیونکہ یہ عورت کا حق ہے۔

۲؎ اگر مرد اپنی عورت کے ساتھ خلوت میں چلا جائے، جہاں صحبت کرنے سے اسے کوئی چیز مانع نہ ہو، پھر اس کو طلاق دے دے، تو اس کو پورا حق مہر ملے گا، اور اگر دخول اور خلوت سے پہلے اس کو طلاق دے دے تو اس کو مقررہ حق مہر میں سے نصف ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو اور تم نے ان کا حق مہر مقرر کیا ہو، تو مقرر شدہ میں سے نصف اس کو دینا پڑے گا۔

قدیمہ، بیوہ کے نکاح کو برا جانتا ہے، اور اپنی توہین سمجھتا ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ وہ خود تو بددین ہے، توحید و سنت والوں کو وہابی وغیرہ کہتا ہے، اور اس امر پر ہرگز راضی نہیں ہے کہ اس کی دختر ایسے آدمی سے نکاح کرے، اور عورت مذکورہ شرک و بدعت وغیرہ سے تائب ہوگئی ہے، نماز کی پابند ہے، اور یوں چاہتی ہے، کہ کسی دیندار آدمی سے نکاح ہو جاوے تو اس صورت میں شریعت اسلام یہ اجازت دیتی ہے یا نہیں، کہ عورت مذکورہ اپنی قرابت میں سے کسی اور شخص کو اپنے نکاح کا ولی بنا کر کسی دیندار شخص سے اپنا نکاح پڑھوا لے، اور باپ وغیرہ کے ڈر سے اعلان عام نہ ہو سکے، اور ایسے جلسے میں نکاح ہو، جس میں ایک مرد حاضر ہے، جو کہ بیوہ مذکور کا داماد بھی ہے، اور خالہ کا بیٹا بھی ہے، اور اسی کو عورت نے اپنے نکاح کا ولی بنایا ہے، اور وہی قاضی نکاح بھی ہے، اور دو عورتیں حاضر ہیں، تو ایسا نکاح شرعاً صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ان الحکم الا للہ۔ معلوم کرنا چاہیے، کہ در صورت مذکورہ سوال شریعت اسلام اجازت دیتی ہے، کہ عورت مذکورہ اپنے قرابت مندسے ایک مرد صالح کو اپنے نکاح کا ولی بنا کر کسی دیندار شخص سے اپنا نکاح پڑھوا لے اور ایسا نکاح جو سوال میں مذکور ہے شرعاً صحیح و درست ہے تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ شرطا اذن الولی فی النکاح میں تین مذہب ہیں، اول مذہب احناف کا ہے، مسلک ان کا یہ ہے، کہ اذن ولی کی صحت نکاح کے لئے شرط نہیں ہے عورت خواہ باکرہ ہو، خواہ ثیبہ ہو، بلکہ عورت خود اپنا نکاح بلا اذن ولی کے کر سکتی ہے، مگر یہ مسلک بالکل ضعیف ہے، اور ادلہ صحیحہ اس کے خلاف پر قائم ہیں،

دوسرا مذہب امام شافعی و امام احمد و اکثر محدثین کا ہے، کہ اذن ولی صحت نکاح کے لئے شرط ہے، عورت باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، اور عورت کو یہ اختیار نہیں، کہ بغیر ولایت کے اپنا نکاح کسی سے کر لے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ انکحوا الایامیٰ منکم۔ پس یہاں پر خطاب ہے اولیاء کو کہ تم بے خاوند والی عورتوں کا نکاح کر دو۔ وعن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی رواہ احمد و اصحاب السنن الا ربعۃ وصححہ علی بن المدینی و عبد الرحمٰن بن مہدی والترمذی والبیہقی

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور اصحاب سنن سے روایت کیا ہے، اور علی بن مدینی، عبدالرحمٰن بن مہدی، ترمذی، بیہقی اور بہت سے حفاظ نے اسے

وغیر واحد من الحفاظ ورواہ ابو یعلی الموصلی فی مسندہ عن جابر مرفوعًا قال الحافظ الضیاء رجالہ کلہم ثقات وقال الحاکم وقد صحت الروایۃ فیہ عن ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ رض وام سلمۃ رض وزینب رض بنت جحش قال وفی الباب عن علی رض وابن عباس رض ثم سرد ثلثین صحابیا والحدیث دل علی انہ لا یصح النکاح الا بولی کذا فی سبل السلام شرح بلوغ المرام۔

مذہب سوم داؤد ظاہری کا ہے، کہ عورت ثیبہ کے لئے شرطاً اذن ولی نہیں ہے، بلکہ ثیبہ خود بلا اذن ولی کے نکاح کر سکتی ہے، اور باکرہ کا نکاح بغیر ولایت ولی کے جائز نہیں ہے اور اس کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ لحدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستامر واذنہا سکوتہا رواہ مسلم وفی لفظ من روایۃ ابن عباس رض لیس للولی مع الثیب امر والیتیمۃ تستامر رواہ ابو داؤد والنسائی وصححہ ابن حبان۔ وقال النووی فی شرح مسلم واختلف العلماء فی اشتراط الولی فی صحۃ النکاح فقال مالک والشافعی یشترط ولا یصح النکاح الا بولی وقال ابو حنیفۃ لا یشترط فی الثیب ولا فی البکر البالغۃ بل لہا ان تزوج نفسہا بغیر اذن ولیہا وقال داؤد یشترط الولی فی تزویج البکر دون الثیب انتہی۔ اور رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ میں ہے ولا یصح النکاح عند الشافعی واحمد الا بولی ذکر وقال ابو حنیفۃ للمراۃ ان

صحیح کہا ہے، ابو یعلی موصلی نے اس کو جابر رض سے مرفوعًا روایت کیا ہے، حافظ ضیاء نے کہا اس کے راوی سب ثقہ ہیں، حاکم نے کہا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اس کو حضرت عائشہ رض، ام سلمہ رض اور زینب بنت جحش نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث حضرت علی رض، ابن عباس رض اور ان کے علاوہ تیس صحابہ سے مروی ہے۔

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ثیب مطلقہ یا بیوہ اپنے ولی کی نسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اجازت لی جائے، اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے، دوسری روایت میں ہے، ولی کا ثیب سے کوئی کام نہیں، اور یتیم لڑکی سے اجازت لی جائے، اسے ابو داؤد و نسائی نے روایت کیا ہے، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، کہ صحت نکاح کے لئے ولی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے امام مالک اور شافعی اسے شرط قرار دیتے ہیں، اور ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں سمجھتے، اور ابو حنیفہ مطلقہ یا بیوہ کے لئے ولی کو شرط نہیں سمجھتے اور نہ ہی کنواری بالغہ کے لئے، ان کو اجازت ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنی مرضی سے بغیر ولی کی اجازت کے کر لیں اور داؤد کنواری کے لئے ولی کو شرط کہتے ہیں ثیبہ کیلئے نہیں

تتزوج بنفسها وقال داؤد ان کانت بکرا لم یصح نکاحها بغیر ولی وان کانت ثیبا صح انتہی
پس مسلک اول تو ضعیف ہے اور ثانی و ثالث پر اولہ قویہ قائم ہیں و دعلیل قلبی الی المذہب
الثالث، پس بنا بر اس مذہب ثالث کے اس عورت ثیبہ کو اختیار ہے کہ بغیر اذن اپنے
باپ کے جس سے چاہے نکاح کرلے، اور بنا بر مذہب ثانی کے بھی وہ عورت کسی کو اپنے
نکاح کا ولی بنا کر نکاح کرسکتی ہے، کیونکہ صورت مذکورہ سوال سے ظاہر ہے، کہ باپ اس کا
فاسق ہے، اور ولی کا عادل ہونا امام شافعی و احمد کے نزدیک ضروری ہے، پس فاسق کی
ولایت جائز نہیں ہے بلکہ اس کے باپ کی ولایت دوسری طرف منتقل ہوجاوے گی کتاب
مسند الشافعی میں ہے۔ اخبرنا مسلم بن خالد و سعید عن عبد اللہ بن عثمان بن
خثیم عن سعید بن جبیر و مجاہد عن ابن عباس رضی قال لا نکاح الا بشاہدی عدل
و ولی مرشد انتہی۔ اور مغنی المحتاج شرح المنہاج للشیخ الخطیب الشربینی الشافعی میں ہے
لا ولایۃ للفاسق علی المذہب بل تنتقل الولایۃ للابعد لحدیث لا نکاح الا بولی
مرشد رواہ الشافعی فی مسندہ بسند صحیح وقال الامام احمد اصح شیء فی الباب
و نقل عن الشافعی فی البویطی انہ قال المراد بالمرشد فی الحدیث العدل انتہی
اور کتاب کشف القناع شرح الاقناع للشیخ منصور بن ادریس الحنبلی میں ہے۔ و یشترط
فی الولی سبعۃ شروط احدہا الحریۃ والثانی ذکوریۃ والثالث اتفاق دین والرابع بلوغ
والخامس العقل والسادس عدالۃ لما روی عن ابن عباس رضی لا نکاح الا بشاہدی
عدل و ولی مرشد قال احمد اصح شیء فی ہذا قول ابن عباس و روی عنہ مرفوعا لا

لہ امام شافعی اور احمد کے نزدیک مرد ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں، ابو حنیفہ کہتے ہیں، کہ عورت اپنا نکاح
خود کرسکتی ہے، داؤد ظاہری کہتے ہیں، کہ کنواری کا ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں، اور مطلقہ یا بیوہ کا صحیح ہے
کہ ابن عباس کہتے ہیں، کہ دو منصف گواہوں، اور سمجھدار ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے اس
روایت کو شافعی نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں، اس باب میں یہ
سب سے زیادہ روایت ہے کہ ولی فاسق کی ولایت نہیں ہے، بلکہ ولایت دوسرے ولی کی طرف
منتقل ہوجائے گی کیونکہ حدیث میں ہے، کہ ولی مرشد کے بغیر نکاح نہیں ہے، اور مرشد کا مطلب منصف
ہے کہ ولی میں سات چیزیں شرط ہیں، آزاد ہو، مرد ہو، دین ایک ہو، بالغ ہو عاقل ہو، عادل ہو کیونکہ
ابن عباس کی حدیث میں ہے، کہ دو معتبر گواہوں اور عادل ولی کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے امام احمد

نکاح الا بولی وشاهدی عدل وایما امرأة نکحها ولی مسخوط علیہ فنکاحها باطل ولا نها ولایۃ نظریۃ فلا یستبد بها الفاسق ولو کان الولی عدلا ظاہرا فیکفی مستور الحال لان اشتراط العدالۃ ظاہرا و باطنا حرج ومشقۃ انتہی۔ اور ایسا ہی کتاب شرح منتہی الارادات فی فقہ الحنبلی میں ہے۔ وفی سُبل السلام اخرج الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن عن ابن عباس بلفظ لا نکاح الا بولی مرشد او سلطان انتہی۔ اور تلخیص الحبیر میں ہے[۲] حدیث ابن عباس لا نکاح الا بولی مرشد وشاهدی عدل اخرجہ الشافعی والبیہقی من طریق ابن خیثم عن سعید بن جبیر عنہ موقوفا وقال البیہقی بعد ان رواہ من طریق اخری عن ابن خیثم بسندہ مرفوعا لا نکاح الا باذن ولی مرشد او سلطان قال والمحفوظ الموقوف ثم رواہ من طریق الثوری عن ابن خیثم بہ ومن طریق عدی بن الفضل عن ابن خیثم بسندہ مرفوعا بلفظ لا نکاح الا بولی وشاهدی عدل فان انکحها ولی مسخوط علیہ فنکاحها باطل وعدی ضعیف انتہی۔ اور رحمۃ الامۃ میں ہے[۳] ولا ولایۃ للفاسق عند الشافعی واحمد وقال ابو حنیفۃ ومالک الفسق لا یمنع الولایۃ انتہی

اور اگر فاسق کی ولایت علی رائے بعض الائمہ تسلیم بھی کر لی جائے، تب بھی ولایت اس عورت

نے کہا اس باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ترین چیز ہے، اور مرفوع حدیث بھی ہے، کہ عادل گواہوں اور ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، اور جس عورت کا نکاح کوئی ایسا ولی کر دے، جس کو وہ ناپسند کرتی ہو، تو اس کا نکاح باطل ہے اور چونکہ ولایت ایک نظری چیز ہے، لہٰذا فاسق اس کا مستحق نہیں ہے، اگر ولی ظاہری طور پر عادل ہو، تو کافی ہے مستور الحال کی ولایت معتبر ہے، کیونکہ اگر ظاہری و باطنی طور پر عدالت کی شرط لگائی جائے، تو اس میں بہت دقت اور مشکل ہوگی، اسی طرح کا بیان شرح بیان الارادت میں ہے [۱] سبل السلام میں ہے کہ ابن عباس سے کہا کہ عادل ولی یا بادشاہ کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے۔

[۲] تلخیص الحبیر میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، وہ منصف گواہوں اور عادل ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، بیہقی نے ابن خثیم کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے، کہ عادل ولی یا بادشاہ کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے، کہ یہ بھی موقوف ہے اور عدی بن فضل کی مرفوع حدیث ہے، کہ وہ منصف گواہوں اور عادل ولی کی موجودگی کے بغیر نکاح نہیں ہے، اگر کوئی ایسا ولی نکاح کر دے، جس کو شریعت ناپسند کرتی ہو، تو اس کا نکاح باطل ہے [۳] امام شافعی اور احمد کے نزدیک فاسق آدمی ولی نہیں ہو سکتا، اور امام ابو حنیفہ اور مالک کے نزدیک فسق مانع ولایت نہیں ہے۔

کے باپ سے منتقل ہو جائے گی کیونکہ باپ اس عورت کا باعث فسق لپنے کے عاضل ہے یعنی مانع نکاح ثانی سے ہے، اور اس کو برا سمجھتا ہے اور عورت کو ضرورت نکاح کرنے کی ہے پس اس صورت میں اگر کوئی دوسرا ولی بعید بھی موجود نہ ہو، اور اگر موجود ہو مگر وہ بھی اجازت نہیں دیتا، تو اب وہ عورت ایک مرد دیندار کو اپنا ولی قرار دے کر بولایت اس رجل صالح کے اپنا نکاح کرلے، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی له[1] اخرجه الاربعة الا النسائی وصححه ابن عوانة وابن حبان والحاکم کذا فی بلوغ المرام وقال فی سبل السلام قال ابن کثیر وصححه یحیی بن معین من الحفاظ والمراد بالاشتجار منع الاولیاء من العقد علیها وهذا هو العضل وبه تنتقل الی السلطان ان عضل الاقرب وقیل بل تنتقل الی الابعد وانتقالها الی السلطان مبنی علی معنی الاقرب والابعد وهو محتمل ان السلطان ولی من لا ولی له لعدمه او لمنعه ومثله غیبة الولی ثم المراد بالسلطان من الیه الامر انتهی۔ اور موطا امام مالک میں ہے عن سعید بن المسیب انه قال قال عمر بن الخطاب لا تنکح المرأۃ الا باذن ولیها او ذی الرأی منها او السلطان انتهی۔ وقال الزرقانی فی شرح الموطا قال ابو عمر اختلف اصحابنا فی قول عمر هذا فقال بعضهم کل واحد من هؤلاء لا یجوز انکاحه اذا اصاب وجه النکاح من

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، اس کا نکاح باطل ہے مگر اولیاء میں اختلاف ہو جائے، تو جس کا کوئی ولی نہ ہو، اس کا بادشاہ ولی ہے، نسائی کے سوا اصحاب سنن نے اسے روایت کیا ہے، ابو عوانہ، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، بلوغ المرام میں بھی ایسا ہی ہے، سبل السلام میں ہے کہ ابن کثیر نے کہا ہے، کہ یحیی بن معین نے اسے صحیح کہا ہے، اور اختلاف سے مراد ہے کہ اولیاء کو عقد نکاح سے روک دینا، یا دوسرے لفظوں میں معزولی اور اس صورت میں ولایت بادشاہ کی طرف منتقل ہو جائے گی، ولی اقرب اگر معزول ہو جائے، تو ولی ابعد ولی ہوگا یا بادشاہ، اور بعض کے نزدیک ولی ابعد بادشاہ سے زیادہ حق دار ہے، اور زیادہ صحیح یہی ہے، کیونکہ بادشاہ اس صورت میں ولی ہے، جب کہ کوئی ولی نہ ہو، اور بادشاہ سے مراد ہر وہ آدمی ہے جس کے ہاتھ میں مقامی طور پر حکومت کا انتظام ہو، حضرت عمر فاروق نے فرمایا، عورت ولی یا کسی عقلمند، یا بادشاہ کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرائے" زرقانی شرح موطا میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں حضرت عمر کے اس قول کے متعلق اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ان تینوں مذکور آدمیوں میں سے جو بھی عورت کا نکاح کفو

الکفو والصلاح وقال آخرون علی الترتیب لا التخییر انتہی۔ اور مغنی المحتاج شرح المنہاج میں ہے۔ لو عدم الولی والحاکم فولت مع خاطبہا امرہا رجلا مجتہدا لیزوجہا منہ صح لانہ محکم والمحکم کالحاکم وکذا لو ولت معہ عدلا صح علی المختار وان لم یکن مجتہدا لشدۃ الحاجۃ الی ذلک قال فی المہمات ولا یختص ذلک بفقد الحاکم بل یجوز مع وجودہ سفرا وحضرا بناء علی الصحیح فی جواز التحکیم انتہی اور نیز مغنی المحتاج میں ہے۔ وکذا یزوج السلطان اذا عضل النسیب القریب وانما انما یحصل العضل من الولی اذا دعت بالغۃ عاقلۃ الی کفو وامتنع الولی من تزویجہ لانہ انما یجب علیہ تزویجہا من کفو انتہی۔ اور کشف القناع میں ہے فان عدم الولی مطلقا بان لم یوجد احد او عضل ولیہا ولم یوجد غیرہ زوجہا ذو سلطان فی ذلک المکان کوالی البلد او کبیرہ او امیر القافلۃ ونحوہ لان لہ سلطنۃ فان تعذر ذو سلطان فی ذلک المکان زوجہا عدل باذنہا انتہی۔ اور شرح منتہی الارادات میں ہے فان عدم الکل ای عصبۃ النسب والولاء والسلطان ونائبہ من المحل الذی بہ الحرۃ زوجہا ذو سلطان فی مکانہا کعضل اولیائہا مع عدم امام ونائبہ فی مکانہ والعضل الامتناع من تزویجہا واشتراط الولی فی ہذہ الحال یمنع النکاح بالکلیۃ

اور درست جگہ میں کرا دے صحیح ہے، اور حنبل کے نزدیک اس میں ترتیب ملحوظ ہے۔

لہ مغنی المحتاج شرح المنہاج میں ہے، کہ اگر ولی اور حاکم نہ ہو، تو عورت کو اختیار ہے، کہ کسی مجتہد عقل مند آدمی کو اپنا ولی مقرر کرے جو اس کا نکاح کرا دے، کیونکہ ایسا آدمی حاکم کے قائم مقام ہو جائے گا، اور اگر مجتہد آدمی مل سکے، تو غیر مجتہد کی ولایت بھی درست ہے، اور صحیح یہ ہے، کہ ایسے آدمی کو مقرر کرنے کے لئے حاکم کے فقدان کی شرط نہیں ہے، بلکہ اس کی موجودگی میں بھی سفر اور حضر میں ایسا آدمی مقرر کیا جا سکتا ہے اور ولی قریب اگر معزول ہو جائے، تو حاکم ولی ہو گا، اور ولی اس صورت میں معزول ہو گا، جب کہ عورت جائز طریقے سے اپنے کفو میں نکاح کرنا چاہے، اور وہ نکاح سے روکے، تو معزول ہو جائے گا، کشف القناع میں ہے، اگر ولی موجود نہ ہو، یا وہ معزول ہو چکا ہو تو پھر بادشاہ ولی ہو گا، جو اس مقام پر حاکم ہو، مثلاً کسی گاؤں کا چوہدری وغیرہ اگر ایسا آدمی بھی نہ ہو تو عورت کسی آدمی کو اپنا ولی مقرر کر سکتی ہے۔

لے شرح منتہی الارادات میں ہے اگر کوئی بھی نہ ہو، نہ کوئی عصبہ، ولی، بادشاہ یا اس کا نائب، تو مقامی طور پر جس کی حکومت ہو گی، وہی ولی ہو گا کیونکہ اگر نہ کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہو گا، کہ وہاں نکاح رک جائیں گے۔

انتہی کلامہ اور رحمۃ الامۃ میں ہے۔ فان کانت المراۃ فی موضع لیس فیہ حاکم ولا ولی فوجہان احدہما تزوج نفسہا والثانی انہا ترد امرہا الی رجل من المسلمین یزوجہا انتہی۔

اب رہا یہ امر کہ نکاح میں شہادت عورت کی جائز ہے یا نہیں اور ایک مرد اور دو عورت شہادت کے لئے کافی ہیں یا نہیں، پس امام شافعی اور احمد کے نزدیک شہادت عورتوں کی نکاح میں جائز نہیں ہے کشف القناع فی فقہ الحنابلہ میں ہے، کہ الشرط[2] الرابع الشہادۃ علی النکاح فلا ینعقد النکاح الا بشاہدین مسلمین عدلین ذکرین لما روی ابو عبید فی الاموال عن الزہری انہ قال مضت السنۃ ان لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود ولا فی النکاح ولا فی الطلاق انتہی۔ اور تلخیص الحبیر میں ہے، حدیث[3] الزہری مضت السنۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ ان لا تقبل شہادۃ النساء فی الحدود روی عن مالک عن عقیل عن الزہری بہذا وزاد ولا فی النکاح ولا فی الطلاق ولا یصح عن مالک ورواہ ابو یوسف فی کتاب الخراج عن الحجاج عن الزہری بہ ومن ہذا الوجہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ عن حفص بن غیاث عن حجاج بہ انتہی۔ واخرج ابن ابی شیبۃ نا عیسی بن یونس عن الاوزاعی عن الزہری مضت السنۃ بانہ تجوز شہادۃ النساء فیما لا یطلع علیہ غیرہن ورواہ عبد الرزاق عن ابن جریج عن ابن شہاب قال مضت السنۃ ان تجوز شہادۃ النساء فیما لا یطلع علیہ غیرہن من ولادات النساء وعیوبہن انتہی وہکذا فی نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ للزیلعی والدرایۃ للحافظ ابن حجر۔ مگر یہ روایت زہری کی

---

[1] اگر عورت کسی ایسے مقام میں ہو، جہاں نہ کوئی ولی ہو نہ حاکم، تو ایسی صورت میں بعض کے نزدیک عورت خود اپنی ولی ہوگی، اور بعض کے نزدیک کسی آدمی کو اپنا ولی مقرر کرے [2] چوتھی شرط نکاح کی شہادت ہے، جب تک دو مسلمان منصف مرد گواہ نہ ہوں گے نکاح نہ ہوگا، کیونکہ سنت یہی ہے، کہ حدود نکاح اور طلاق میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر کے زمانہ سے یہ سنت چلی آرہی ہے کہ حدود میں عورت کی شہادت مقبول نہیں ہے، زہری کے قول میں ہے کہ نکاح اور طلاق میں بھی مقبول نہیں ہے، ابو یوسف کا یہی مذہب ہے، امام مالک اس کے خلاف ہیں زہری کہتے ہیں کہ ہر اس معاملہ میں عورت کی شہادت قبول ہے جس پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے، مثلاً عورتوں کے چھپے ہوئے عیوب یا ولادت وغیرہ کے مسائل۔

مرسل ہے، قابل حجت نہیں ہے، اور لفظ ولا فی النکاح ولا فی الطلاق کا من طریق مالک محفوظ نہیں ہے، اور حجاج بن ارطاۃ راوی مدلس ہے، بلکہ کتاب الخراج لابی یوسف القاضی ومصنف ابن ابی شیبہ وعبدالرزاق میں جملہ ولا فی النکاح کا نہیں ہے، صرف امام ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں اس زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے، مگر وہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ واخرج[1] الامام الشافعی فی مسندہ اخبرنا الثقۃ عن ابن جریج عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیہ قالت کانت عائشۃ یخطب الیہا المراۃ من اھلہا فتشھد فاذا بقیت عقدۃ النکاح قالت لبعض اھلہا زوج فان امراۃ لا تلی عقدۃ النکاح۔ انتہی۔ اس روایت میں امام شافعی کے شیخ کا نام مذکور نہیں ہے، پس علی قاعدۃ المحدثین سند اس کی صحیح نہیں ہوئی، اور قطع نظر اس کے حکم عام قرآن شریف کی تخصیص کے لئے حدیث صحیح مرفوع چاہیے نہ اثر موقوف صحابہ، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت کی شہادت نکاح میں جائز ہے پس ایک مرد اور دو عورت کی گواہی نکاح میں درست ہوگی، اور یہ مسلک از روئے دلیل کے قوی ہے۔ قال[2] اللہ تبارک وتعالیٰ واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشھداء اور صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ عن[3] ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیس شھادۃ المراۃ مثل نصف شھادۃ الرجل قلن بلی قال فذلک من نقصان عقلہا۔ پس آیت کریمہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہوا، کہ دو عورتوں کی شہادت قائم مقام ایک شہادت کے ہے، پس یہ حکم عام جمیع احکام شرعی میں داخل ہوگا من غیر تخصیص فرد دون فرد، اور اس عام کی تخصیص کے لئے صریح سنت مرفوع چاہیے، اور وہ موجود نہیں

[1] امام شافعی اپنی مسند میں ذکر کرتے ہیں، کہ حضرت عائشہ کسی عورت کی منگنی کر دیتیں، جب نکاح کا وقت آتا تو اس کے گھر والوں میں سے کسی مرد کو کہتیں اس کا کر دے، اور کہتیں کہ عورت نکاح میں ولی نہیں بن سکتی۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالو اگر دو مرد نہ مل سکیں، تو ایک مرد اور دو عورتیں ہو جائیں، جو گواہی کے لئے تمہیں پسند ہوں۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا عورت کی شہادت مرد سے نصف نہیں ہے، کہنے لگیں، ہاں، آپ نے فرمایا یہ عورت کی عقل کا نقصان ہے (بخاری عن ابی سعید)

مسند امام شافعی کی ہے اخبرنا مالک عن ابی الزبیر قال اتی عمر رض بنکاح لم یشہد علیہ الا رجل وامرأۃ فقال ھذا نکاح السر ولا اجیزہ۔ پس یہ انکار حضرت عمر رض کا اس سبب سے ہوا کہ اس نکاح کا گواہ صرف ایک مرد تھا اور ایک عورت تھی حالانکہ اگر ایک مرد موجود تھا تو پھر بجائے دوسرے مرد کے دو عورتوں کا ہونا ضروری تھا اور ہدایہ میں ہے۔ ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاھدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین او رجل وامرأتین ولا یشترط وصف الذکورۃ حتی ینعقد بحضور رجل وامرأتین وفیہ خلاف للشافعی انتہی۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ اگر اس عورت کا باپ بلا وجہ شرعی باعث فسق اپنے کے اس عورت کو نکاح سے روکتا ہے اور مانع از نکاح ہے، اور وہ عورت خواہش مند نکاح کرنے کی ہے اور دوسرا ولی بعید بھی اس کا نہیں ہے اور اگر ہے، تو وہ بھی مانع از نکاح ہے، تو اس صورت میں مطابق مذہب ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ کرام کے وہ عورت اپنے نکاح کا ولی بنا کر نکاح کرے، وہ نکاح صحیح ہوگا اور بنا بر مذہب صحیح و دلیل قوی کے دو عورت و ایک مرد کی گواہی کافی ہوگی، مگر خروجاً عن الخلاف اگر دو مرد کو گواہ مقرر کرے، تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حررہ العبد الضعیف الفقیر ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی

محمد ادریس

محمد ایوب عفی اللہ عنہ الفتاح

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ مجیب سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا۔ اس طور پر نکاح ہونا جیسا سوال میں لکھا ہے شرعاً صحیح اور درست ہے، کیونکہ نکاح میں حدیثوں کی رو سے بہت ضروری امر ولی کا ہونا ہے، سو اس سوال میں صاف مذکور ہے، کہ عورت نے اپنے قرابت میں سے ایک شخص کو ولی بنا دیا، اور ولی کے واسطے جو علماء نے عصبہ ہونے کی قید لگائی ہے، وہ کسی آیت یا حدیث سے نہیں پائی جاتی اور

لـہ حضرت عمر کے پاس نکاح کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے آپ نے فرمایا یہ پوشیدہ نکاح ہے، میں اس کو نافذ نہیں کروں گا ۲ـہ جب تک دو آزاد، عقلمند، بالغ، مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ نہ ہوں، تب تک نکاح درست نہیں ہے، مرد ہونے کی شرط ضروری نہیں، بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی درست ہے، اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔

یہ بات سب کی مانی ہوئی ہے، کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اور کسی کا قول و فعل شرعی حجت نہیں ہے، دوسری شرط گواہوں کا ہونا ہے، سو گواہ بقدر ضرورت نکاح کے جلسے میں حاضر ہو گئے، یعنی ایک مرد اور دو عورتیں، اور گواہی کے معتبر ہونے کے واسطے اتنا نصاب کافی ہے، جیسا کہ مجیب سلمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے، اور دار قطنی ابواب النکاح صفحہ ۴۲۵ میں حضرت ابن عمر رضہ سے روایت ہے۔ قال اذا کان ولی المرأۃ مضادا فولت رجلا فانکحها فنکاحه جائز یعنی وہ کہتے ہیں، کہ جب عورت کے ولی عورت کی مخالفت کریں، یعنی نکاح سے روکیں، یا معقول جگہ میں کرنے نہ دیں، اس صورت میں اگر عورت اپنا نکاح کرا لے، وہ نکاح جائز ہے، اور ایک عورت کا باپ زندہ تھا، مگر وہاں موجود نہیں تھا، عورت کی والدہ نے نکاح کرا دیا، جب عورت کا باپ آیا، اس نے اس نکاح سے بیزاری اور ناخوشی ظاہر کی، مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس نکاح کو جائز رکھا، یہ روایت بھی دار قطنی کے صفحہ مذکور میں موجود ہے، پس ان روایتوں سے معلوم ہوا، کہ ولی کے واسطے قرابت مند ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، عصبہ ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، باقی رہا اعلان عام تو اس کی یہ بات ہے، کہ اولے ہے کہ اعلان عام ہو، ورنہ نکاح کے جواز کی شرط یا قید نہیں ہے جیسا کہ دار قطنی کی ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز حمید اللہ عفی عنہ ساکن سراوہ، ضلع میرٹھ

حمید اللہ

سید محمد نذیر حسین

صورت مرقومہ میں موافق مسلک اول و ثالث کے نکاح صحیح و درست ہے،

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

محمد بشیر

ہوالموفق۔ جواب۔ دل میں مسند شافعی سے جو ابن عباس رضہ یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ لا نکاح الا بشاهدی عدل و ولی مرشد اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ نکاح کی صحت کے لئے علاوہ ولی کے دو گواہ ہونے چاہئیں، اور صورت مسئولہ میں ولی کے علاوہ دو گواہ نہیں ہیں، بلکہ ولی کے صرف دو عورتیں ہیں، جو قائم مقام ایک گواہ کے

---

[۱] اگر کسی عورت کا ولی اسے نقصان پہنچانا چاہے، تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا ولی مقرر کرے، اور وہ اس کا نکاح کرا دے، تو یہ نکاح جائز ہوگا (دار قطنی صفحہ ۴۲۵)

[۲] دو منصف گواہوں، اور ولی کی موجودگی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔

ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک گواہ اور ہونا چاہیئے، تب نکاح صحیح ہوگا، اور صرف ولی اور دو عورتوں کے حاضر ہونے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کے علاوہ اور احادیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح کے انعقاد کے لئے علاوہ ولی کے دو گواہ ہونے چاہئیں، منتقی میں ہے۔ عن عائشۃ رض قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی وشاھدی عدل الحدیث رواہ الدارقطنی نیل الاوطار صفحہ ۱۴۲ جلد ۶ میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعا وموقوفا عند البیھقی بلفظ لا نکاح الا باربعۃ خاطب وولی وشاھدین وفی اسنادہ المغیرۃ بن موسی البصری قال البخاری منکر الحدیث وعن عائشۃ غیر حدیث الباب عند الدارقطنی بلفظ لابد فی النکاح من اربعۃ الولی والزوج وشاھدین وفی اسنادہ ابو الخصیب نافع بن میسرۃ مجھول وروی نحوہ البیھقی فی الخلافیات عن ابن عباس موقوفا وصححہ وابن ابی شیبۃ بنحوہ عنہ ایضا وعن انس اشار الیہ الترمذی انتھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغہ کے دو ولی ہیں، ایک اقرب یعنی باپ، دوسرا ابعد، اور ولی ابعد ہمیشہ سے اس لڑکی کی خبر گیری کرتا رہا اور ہر طرح سے سلوک اور پرورش کرتا رہا اور نہایت شفقت کے ساتھ رکھا، اور دیندار عاقل بھی ہے اور ولی اقرب نے کبھی اس سے سروکار نہ رکھا، اور کچھ خبر نہ لی اور کچھ شفقت کا اثر اس پر نہیں ہے، اور فاسق اور بے ہودہ ہے، اب ولی ابعد اس کا ایک اچھی جگہ نکاح کرنا چاہتا ہے مگر ولی اقرب مانع ہے، اس میں سراسر نقصان لڑکی کا متصور ہے آیا اس کا منع کرنا صحیح ہے یا نہیں، اور بغیر اجازت اس کے ولی ابعد نکاح کر سکتا ہے، یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: جاننا چاہیئے، کہ بنا ولایت کی شرع میں صغیرین کی خیر خواہی اور شفقت

لہ منتقی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ہے (دار قطنی عن عائشہ) کہ حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً اور بیہقی کے نزدیک موقوفاً روایت ہے، کہ چار آدمیوں کی موجودگی کے بغیر نکاح نہیں ہے، جس کا نکاح ہو رہا ہو، ولی اور دو منصف گواہ ایک روایت میں ہے نکاح میں چار آدمی ضروری ہیں، ولی، خاوند، اور دو گواہ، اس کی سند میں مغیرہ بن موسیٰ البصری راوی ضعیف ہے امام بخاری نے فرمایا وہ منکر الحدیث ہے، بیہقی نے خلافیات میں ابن عباس سے ایسے روایت کیا ہے، ابن ابی شیبہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

پر ہے اور ولی کی عقل پر تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صغیرین کی عقل ناقص وغیر تام ہوتی ہے اگر ان کو تصرفات کا اختیار حاصل ہو تو یہ سبب بے عقلی کے اپنا بہت نقصان کریں اس سے ان کو سارے تصرفات جانی مثل نکاح ومالی سے مثل بیع وہبہ وغیرہما کے شارع نے مجبور کیا ہے اور ان کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دی ہے جو ان کا سب سے زیادہ شفیق وخیر خواہ وعاقل ہے تاکہ ان کے حق میں جو امر بہتر اس کی عقل میں آوے کرے اور ضرر سے باز رکھے اس میں سراسر لحاظ وخیال بہبودی صغیرین کا ہے اسی سبب سے جو شخص اگرچہ بالغ ہو مگر مسرف واحمق وبے عقل ہو تو اس کو بھی شارع نے بلحاظ اسی مآل اندیشی کے جو صغیرین میں ہے سارے تصرفات میں مجبور وممنوع کیا ہے۔ باب الحجر للفساد قال ابوحنیفۃ لا یحجر علی العاقل البالغ السفیہ وتصرفہ فی مالہ جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف مالہ فیما لا غرض لہ فیہ ولا مصلحۃ وقال ابویوسف ومحمد وھو قول الشافعی یحجر علی السفیہ ویمنع من التصرف فی مالہ لانہ مبذر مالہ بصرفہ لا علی الوجہ الذی یقتضیہ العقل فیحجر علیہ نظرا لہ اعتبارا بالصبی بل اولی لان الثابت فی حق الصبی احتمال التبذیر وفی حقہ حقیقۃ ولہذا امنع عنہ المال۔ کذا فی الہدایۃ۔ اور اس کا نام ولی رکھا کیونکہ ولی لغت میں دوست وخیر خواہ کو کہتے ہیں، تسمیہ میں بھی مقصود پر تنبیہ کی، باب الولی ھو لغۃ خلاف العدو وشرعا البالغ العاقل الوارث کذا فی در المختار ملخصا ولما ذکرنا من تحقیق الحاجۃ ووفور الشفقۃ کذا فی الہدایۃ، اور اسی سبب سے ولی عاقل کو بنایا، غیر عاقل کو نہیں، جیسا کہ عبارت درمختار سے ظاہر ہے، کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ، اسی واسطے ولی کو صرف ان تصرفات کا اختیار ہے جن میں صغیرین کا نفع مقصود ہے اور جن میں سراسر ضرر صغیرین کا ہے اس میں ولی کو منع کیا ہے

۱؎ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ آدمی عاقل بالغ بے وقوف کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے نہ روکا جائے گا، اگرچہ وہ فضول خرچ ہو، مفسد ہو اپنے مال کو تباہ کرتا ہو، بے ہودہ اخراجات میں خرچ کرتا ہو جن میں کوئی مصلحت نہ ہو اور ابویوسف ومحمد اور امام شافعی کہتے ہیں کہ بے وقوف کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا جو فضول خرچ ہو، عاقلانہ طور پر خرچ نہ کرتا ہو اس کو بچے پر قیاس کر کے مال کے تصرف سے روکا جائے گا، بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ بچے میں تو صرف یہ احتمال ہے کہ وہ فضول خرچی کرے گا اور اس میں فضول خرچی ثابت ہے ۲؎ لغت میں ولی دشمن کے مخالف کو کہتے ہیں اور شریعت میں وہ وارث ہے، جو عاقل اور بالغ ہو۔

اور اجازت نہیں دی ہے، جیسے کہ صغیرین کے مال کو عاریت دینا، یا ہبہ کرنا، یا اس کے مال سے اپنے ہبہ کا عوض لینا۔ لانہ لا یملك علیه الدائر بین النافع والضار فاولی ان یملك النافع انتہی مافی الهدایة ولیس للاب اعارة مال طفله لعدم البدل كذا فی الدر المختار شرح تنویر الابصار۔ لا یجوز للاب ان یعوض عما وهب للصغیر من ماله كذا فی الدر المختار۔ اسی سبب سے جب ولی خائن ہو، مفسد اور نقصان کرنے والا ہو یعنی صغیرین کا اس کی ولایت میں ضرر متصور ہو، اگرچہ باپ ہو، تو وہ ولی نہیں رہے گا، ولایت سے موقوف کیا جاوے گا۔ الاب ولی ا شفق مالہ مکن ۔غسد اوخاتنا اومتهتكا كذا فی الفتاوی الفتا نیة۔ کیونکہ غرض ولایت کی مفقود ہو گئی، کما مر سابقا، اور اسی سبب سے ولایت میں قرب قرابت کا رکھا، جو سب سے صغیرین کے قریب ہے از روئے قرابت کے اس کو ولی بنایا، پھر اقرب فالاقرب، کیونکہ اقرب میں باعتبار ابعد کے زیادہ شفقت متصور ہے والترتیب فی العصبات فی ولایة النكاح كالترتیب فی الارث فالابعد محجوب بالاقرب كذا فی الهدایة۔ خلاصہ اس تقریر کا یہ ہوا، کہ جس کو زیادہ شفقت ہو، وہی ولی ہو گا، بناء ولایت کی شفقت پر ہے، جس میں شفقت قاصر ہے وہ مقابلہ میں اس کے جس کی شفقت کامل ہے ولی نہیں ہو سکتا، اسی سبب سے بھائی وغیرہ کی ولایت لازم نہیں، کیونکہ ان کی شفقت قاصر ہے۔ ولهما ان قرابة الاخ ناقصة و النقصان یشعر بقصور الشفقة لیتطرق الی المقاصد كذا فی الهدایة، پس جب یہ بات ثابت ہو گئی، کہ بناء ولایت کی شفقت و نفع صغیرین پر ہے، کما لا یخفی علی من له ادنے درایة۔ تو میں کہتا ہوں، کہ صورت مسئولہ میں ولی اقرب کی عدم شفقت و ولی ابعد کی شفقت كالشمس فی نصف النهار واضح ولائح ہے، کیونکہ اگر اس کو کچھ بھی شفقت و محبت ہوتی تو کبھی ضرور نابالغوں کی خبر گیری کرتا، اور بالکل بے سروکار نہ رہتا، اس کا اس طرح بے تعلق صراحتہ بے شفقتی پر دال ہے، کما لا یخفی علی من له ادنی تامل، اور نابالغہ کا ضرر بھی اس کی ولایت میں متصور ہے، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، اور حالانکہ مقصود ولایت سے صغیرین کا نفع

---

[1] ولی ان امور کا مجاز نہیں ہے، جن میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو، وہ صرف نافع امور کا مختار ہے، باپ اپنے چھوٹے بچے کا مال عاریتاً نہیں دے سکتا، باپ اگر اپنے چھوٹے بچے کو کچھ ہبہ کرے، تو اس کے عوض کسی اور چیز سے تبادلہ نہیں کر سکتا۔

ہے، نہ کہ حضر کا مر مفصلا و مدللا پس کیونکر وہ اقرب ولی ہو سکتا ہے، کما لا یخفی علی من فقہہ اللہ فی الدین، علاوہ اس کے وہ فاسق بھی ہے اور عالمگیری میں ہے، کہ اگر باپ دادا فاسق ہوں تو ان کی ولایت نہیں ہے، قاضی نکاح کر دے۔ غاب الولی او عضل او کان الاب و الجد فاسقان فللقاضی ان یزوجہا من کفو وکذا فی الوجیز الکردری۔ کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ قد حررہ العاجز المہین محمد یسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی۔ الجواب صحیح۔ کتبہ محمد ابو عبد الرحمٰن الفنجابی

ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵	عبد الرؤف	محمد یوسف	سید محمد نذیر حسین

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب	سید محمد عبد السلام غفر لہ

محمد طاہر ۱۳۰۴ سلہٹی الجواب صحیح۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

جواب ہذا صحیح ہے۔ ابو القاسم محمد عبد الرحمٰن غفر لہ الرحمٰن

مسئلہ: درصورتے کہ ولی اقرب باوجود خاطب ہم کفو و صالح و ذی معاش نکاح کر دینے میں تعلل و حیلہ و حوالہ کرتا ہو یا مانع ہو، تو ولی ابعد کو نکاح کر دینا بلا ریب پہنچتا ہے کیونکہ جب ولی اقرب اس صورت میں متعلل یا مانع ہوا تو ولایت سے معزول ہوا، اور ولی ابعد مستحق نکاح کر دینے کا ہوا۔ و یثبت للابعد من اولیاء النسب التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعہ عن التزویج اجماعا خلاصۃ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: زید ایک نابالغہ لڑکی کو اور ہندہ زوجہ اپنی کو چھوڑ کر مر گیا، خالد اس کا بھائی کبھی نابالغہ کی پرورش یا خبر گیری میں شریک ہندہ نہیں رہا، اور علیحدہ رہتا رہا ہے، اور ہندہ نے اس کی پرورش کی ہے، خالد ایک فاسق و فاجر و بے ہودہ شخص ہے، اب اس نابالغہ کا نکاح بولایت مسماۃ ہندہ اس کی والدہ حقیقی ولیہ کے عند الشرع جائز ہے، یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: صغیرین کی خیر خواہی و شفقت پر عند الشرع ولایت مبنی ہے، کیوں کہ نابالغوں کی عقل ناقص اور غیر محمل ہوتی ہے، اگر ان کو اختیار تصرف ہو تو بے عقلی کے سبب سے اپنا نقصان کر ڈالیں، لہذا سارے تصرفات جانی و مالی مثل انتقال جائداد وغیرہ کے شرع نے مجبور فرمایا، اور ایسے شخصوں کے سپرد کیا، جو سب سے زیادہ شفیق و خیر خواہ و عاقل ہوں، اور

مضرت سے ذات وجائداد نابالغ کو بچائیں، اسی لحاظ سے شخص مسرف واحمق بے عقل و بے ہودہ کو بھی شارع نے سارے تصرفات سے منع کر دیا ہے، کیونکہ عدم ممانعت بلحاظ مآل اندیشی مثمر و مورث اضرار نابالغ ہے۔ قال[1] ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ لا یحجر علی الحر العاقل البالغ السفیه وتصرفه فی ماله جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف ماله فیما لا غرض له فیه ولا مصلحة وقال ابو یوسف رحمة الله علیه ومحمد رح وهو قول الشافعی رح یحجر علی السفیه ویمنع من التصرف فی ماله لانه مبذر ماله بصرفه لا علی الوجه الذی یقتضیه العقل فیحجر علیه نظرا له اعتبارا بالصبی بل اولی لان الثابت فی حق الصبی احتمال التبذیر وفی حقه حقیقة ولهذا امنع عنه المال کذا فی الهدایة باب الحجر للفساد ولی کی تعریف یہ ہے۔ هو[2] لغة خلاف العدو شرعا البالغ العاقل الوارث کذا فی الدر المختار ولنا ما ذکرنا من تحقق الحاجة ووفور الشفقة کذا فی الهدایة باب الاولیاء والاکفاء۔ اسی لحاظ سے ولی بالغ عاقل کو بنایا گیا ہے، بے ہودہ شریر کو ولایت نہیں ہے، کہ جس کی ولایت سے نابالغ کو مضرت مالی وجسمی پہنچے، اور شرع نے اجازت نہیں دی جیساکہ صغیرین کے مال کو عاریت دینا یا ہبہ کرنا، یا اس کے مال سے قرض لینا۔ ولیس[3] للاب اعارة مال طفله لعدم البدل کذا فی الدر المختار شرح تنویر الابصار ولا یجوز للاب ان یجوض ما ذهب لاخیه من ماله۔ کذا فی الدر المختار۔ جب کہ مال کے لئے ایسی حالت ہے تو نکاح تو اولیٰ ہے اور جب ولایت میں ضرر متصور ہو، تو باپ بھی ولی نہیں رہ سکتا۔ الاب ولی اشفق مالو یکن مفسدا

---

[1] امام ابوحنیفہ نے کہا، بالغ عقل کے زمانہ کو پہنچ کر بھی بے وقوف ہے، تو اس کا مال اس کے سپرد کر دو جس طرح چاہے اپنے مال میں تصرف کرے، اگرچہ وہ فضول خرچ ہو، غیر ضروری کاموں میں اپنا مال صرف کرے، اور ابو یوسف، محمد اور شافعی نے کہا بے وقوف کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا، جو خلاف عقل کاموں میں اپنا مال تباہ کرے، اس کو بچے پر قیاس کیا جائے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیونکہ بچے میں تو صرف فضول خرچی کا احتمال ہے اور یہاں یقین ہے [2] ولی کا معنی لغت میں "دشمن کا مخالف" ہے اور شریعت میں وہ وارث ہے جو عاقل اور بالغ ہو [3] باپ اپنے چھوٹے بچے کا مال عاریۃً نہیں دے سکتا، کیوں کہ بچے کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، اور نہ ہی باپ اپنے بچے کا مال اپنے بھائی یا اپنے کسی دوسرے بیٹے کو بلا معاوضہ دے سکتا ہے (الدر المختار شرح تنویر الابصار)

اوخاتنا اومتهتکا کذا فی الفتاوی الخیاثیۃ۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ولایت میں لحاظ قرب قرابت کا ضرور رکھا گیا ہے، اور وہ قریب ولی بنایا گیا ہے، کیونکہ اقرب میں باعتبار ابعد کے شفقت کا خیال زیادہ ہے۔ والترتیب[1] فی العصبات فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب بالاقرب کذا فی الہدایۃ صفحہ ۲۰۵ پس جب کہ چچا کبھی خبر گیر اس نابالغہ کا نہ ہوا، اور نہ شفقت اس کے حق میں کی، تو وہ بمقابلہ ماں کے ولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی شفقت قاصر ہے، اسی وجہ سے بھائی وغیرہ کی شفقت لازمی نہیں، ولنا[2] ان القرابۃ ناقصۃ والنقصان یشعر بقصور الشفقۃ فیتطرق الخلل الی المقاصد کذا فی الہدایۃ ۲۰۵۔ صورت مسئولہ سے صاف ظاہر ہے، کہ چچا کا بے تعلق رہنا صراحۃ عدم شفقت پر دال ہے، جس میں نابالغہ کا ضرر متیقن ہے، حالانکہ نفع صغیرین ولایت سے مقصود ہے، نہ ضرر صغیرین، پس کیونکر وہ ولی رہ سکتا ہے، علاوہ ازیں وہ فاسق بھی ہے، عالمگیری میں ہے، کہ اگر باپ دادا فاسق ہوں، تو ان کی ولایت ساقط ہو جاتی ہے، اور قاضی کو ولایت نکاح ہوتی ہے۔ غاب[3] الولی او ھو طفل او کان الاب او الجد فاسقا فللقاضی ان یزوجہا من کفو کذا فی العالمگیریۃ۔ جب باپ دادا فاسق کی ولایت باقی نہیں رہتی ہے، تو چچا فاسق بے ہودہ غیر مشفق کیونکر ولی رہ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

حررہ الفقیر ابو عبد المجید السید عبد الحمید محمدی عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم ۱۳۱۷ھ

ھو الموفق ۔ صورت مسئولہ میں از روئے حدیث کے نابالغہ مذکورہ کے نکاح کی ولایت نہ اس کے چچا کو ہے، اور نہ اس کی والدہ کو، چچا کو تو اس وجہ سے نہیں ہے، کہ وہ مرشد نہیں ہے، بلکہ فاسق وفاجر اور بے ہودہ شخص ہے، اور ولی کا مرشد ہونا ضروری ہے قال فی سبل السلام صفحہ ۶۵ جلد ۲، ۱۰۲ اخرج سفیان فی جامعہ ومن طریقہ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن عن ابن عباس بلفظ لا نکاح الا بولی مرشد او سلطان[4]، اور اس

---

[1] ولایت نکاح میں عصبات کی ترتیب وراثت کی ترتیب کی طرح ہے، دور کا ولی قریب کے ولی کے سبب سے محجوب ہو جائے گا [2] بھائی کی قرابت ناقص ہے، اور نقصان قرابت نقصان شفقت سے معلوم ہوتا ہے اس طرح مقاصد میں خلل پڑے گا [3] ولی غائب ہو یا چھوٹا ہو، یا باپ دادا ہو، لیکن فاسق ہو، تو قاضی کو اختیار ہے، کہ اس کا نکاح کفو سے کر دے۔

[4] حضرت ابن عباس نے کہا، کہ ولی مرشد یا بادشاہ کے سوا نکاح نہیں ہے۔

کی والدہ کو ولایت نکاح اس وجہ سے نہیں ہے، کہ نکاح کی ولایت عورت کو نہیں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تزوج المرأۃ المرأۃ ولا تزوج المرأۃ نفسہا رواہ ابن ماجہ والدارقطنی ورجالہ ثقات کذا فی بلوغ المرام، قال فی سبل السلام صفحہ ۶۵ جلد ۲ فیہ دلیل علی ان المرأۃ لیس لہا ولایۃ النکاح فی الا نکاح نفسہا ولا تغیرہا فلا عبارۃ لہا فی النکاح ایجابا ولا قبولا وہو قول الجمہور انتہی پس صورت مسئولہ میں نابالغہ مذکورہ کا نکاح نہ بولایت اس کے چچا کے درست ہے، اور نہ بولایت اس کی والدہ کے، اور اگر چچا کے سوا کوئی اور اس نابالغہ کا ولی موجود ہو، اور مرد صالح ہو، فاسق وفاجر نہ ہو، تو وہ ولی ہو سکتا ہے، اور اگر اس کا کوئی ولی موجود نہ ہو، تو اس صورت میں نابالغہ مذکورہ کی والدہ کسی مرد صالح کو اجازت دے دے، کہ وہ نابالغہ مذکورہ کا نکاح پڑھا دے، کیونکہ ولی کے نہ ہونے کی صورت میں ولایت سلطان کو ہوتی ہے، اور اس زمانہ میں سلطان یعنی حاکم مسلمان نہیں ہے، لہذا مجبوراً نابالغہ کی والدہ کسی مرد صالح کے ذریعہ سے نکاح پڑھوا دے گی، تو بلا شبہ جائز ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی مدت کے گذر جانے سے دین مہر اور ترکہ مل سکتا ہے یا نہیں، اور من جانب دیگر ورثاء جائداد غیر منقولہ کے رہن اور بیع ہو لینے سے دعوے دین مہر وترکہ کر سکتا ہے یا کیا، ان ہر دو امور میں جو حکم خدا اور رسول ہو صادر فرمایا جاوے، عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں،

الجواب:- واضح ہو، کہ دین مہر ہر حال میں واجب الادا ہے، جو میت کے ترکہ میں سے اول ادا کیا جائے گا، بحکم آیت قرآنی وحکم ربانی من[1] بعد وصیۃ یوصی بہا او دین چھوڑ جانے دین ووصیت کے بعد تقسیم ترکہ حسب حکم شرعی ہونا چاہیئے، شریعت میں تمادی کا دخل نہیں ہے، کسی قدر مدت کے بعد کوئی وارث یا صاحب قرض دہر ہو یا کوئی اور قرض اپنا حصہ یا اپنا قرض طلب کرے، تو دیگر ورثہ کو ادا کرنا ہوگا، پس جو ورثہ بغیر ادائے دین مہر کے یا بغیر ادائے حصہ کسی وارث کے کل ترکہ میت کو تقسیم کر کے قبضہ کر چکے ہیں ان کو لازم ہے

---

[1] عورت کسی عورت کا نکاح نہیں کرا سکتی، اور نہ اپنا نکاح کرا سکتی ہے، نکاح کے ایجاب وقبول میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ولی کی اجازت کے بعد بھی وہ اپنا یا کسی اور عورت کا نکاح خود نہیں کرا سکتی، نہ اصالۃً نہ وکالۃً، جمہور کا یہی مذہب ہے

[2] وصیت کے بعد جو بھی وصیت کر جائے یا قرضہ کے بعد،

کہ وہ حسب الحصص ادا کریں، ورنہ مخالف شرع و حکم اسلام ٹھہریں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

عبید الرحمٰن کفاہ المنان

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی پوتی مسمات زینب کا نکاح خالد سے بدون اطلاع و اجازت والد زینب کے بولایت اپنی و اجازت زینب کے کردیا، حالانکہ زینب نابالغہ ہے، پس ایسی صورت میں نکاح صحیح و جائز تصور کیا جاوے گا یا نہیں، اور زینب مذہب قادیانی رکھتی ہے، اور خالد اہل سنت والجماعت ہے، تو اس نکاح میں فساد تو لاحق نہیں ہوا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں نکاح مسماۃ زینب کا والد کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر والد زینب اس نکاح کو قائم رکھے تو رہے گا، ورنہ فسخ ہو جاوے گا، اور زینب کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ نابالغہ ہے، عالمگیریہ میں ہے۔ "وان زوج الصغیر والصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الا بعد علی اجازتہ" انتہی۔ اور زینب اگرچہ مذہب قادیانی رکھتی ہے، مگر اس نکاح میں خلل نہیں آتا کیونکہ مرد عورت کو اپنے مذہب و عقیدہ میں لاسکتا ہے بخلاف مرد کے لہٰذا چنداں مضائقہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید جمیل الدین جاروی بہاری،

پہلے مسئلہ کا جواب صحیح ہے، اور دوسرے مسئلہ کا جواب تفصیل چاہتا ہے۔ یعنی جن علماء کے نزدیک قادیانی اور اس کے مذہب والے کافر ہیں، ان کے نزدیک یہ نکاح فسخ ہو گیا، اور جن علماء کے نزدیک مسلمان ہیں، ان کے نزدیک نکاح میں خلل نہیں آیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ما تولکم رحمکم اللہ تعالی وجزاکم اللہ تعالی خیر الجزاء کہ نکاح ہندہ کا زید سے بحالت صغر سنی ہوا، ہندہ کے دادا نے بموجودگی والد ہندہ کے کیا، باوجود اس امر کے کہ والد ہندہ مذکور کا ناراض و ناخوش تھا، اب بعد بلوغ زید کے افعال فاسقانہ فاجرانہ علانیہ ثابت ہیں جس سے عند الشرع وہ فاسق معلن ہے

لے اگر کسی چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح دور کا ولی کر دے، تو اگر قریبی ولی موجود ہو اور ولایت کا حق رکھتا ہو تو دور کے ولی کا نکاح کیا ہوا ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہو گا۔

بباعث اس کے ان افعال سے ہندہ متنفر ہے اور بعد بلوغ وہ اس سے بالکل انکار کرتی ہے اور ہرگز زید کو بباعث فاسق ہونے کے اپنا کفو اور زوج ہونا قبول نہیں کرتی، تو در صورت مرقومہ بالا آیا ہندہ اس نکاح کو جو اس کے دادا نے عمر ہفت سالہ میں کیا تھا فسخ کر سکتی ہے یا نہیں، اور شرعاً علانیہ زناکار اور فاسق و فاجر اس عفیفہ کا زوج بلا رضا ہندہ رہ سکتا ہے یا نہیں؟۔

الجواب:۔ مخفی نہ رہے، کہ باپ ولی اقرب ہے اور دادا ولی ابعد، اور ولی اقرب کے ہوتے اگر ولی ابعد نکاح کر دے، تو وہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اور یہاں اجازت ولی اقرب پائی نہیں گئی، اس لئے یہ نکاح جائز نہیں ہوا، پس بعد بلوغ کے یہاں فسخ نکاح کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہندہ کو بغیر فسخ نکاح کے اختیار ہے، کہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرلے، در مختار میں ہے، فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ انتہی، حاشیہ طحطاوی میں ہے قال[1] فی الھندیۃ و ان زوج الصغیر او الصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف النکاح الابعد علی اجازتہ انتہی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کیا مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا، اور روپیہ مروجہ کے حساب سے کس قدر روپے ہوئے؟

الجواب:۔ واللہ الموفق للصواب، خاص کر تعیین حق مہر کی کہ کس قدر مقرر کیا گیا تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ثابت نہیں، مگر حکم کلیہ سے ثبوت پایا جاتا ہے، کہ پانچ سو درہم تھا جو تخمیناً سکہ انگریزی سے ایک سو تیس روپے پانچ آنے ہوئے اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے، عن ابی العجفاء قال سمعت عمر یقول لا تغلوا فی صداق النساء فانھا لو کانت مکرمۃ فی الدنیا و تقوی فی الآخرۃ کان اولاکم بھا النبی صلی اللہ

---

[1] اگر دور کا ولی، ولی قریب کی موجودگی میں نکاح کر دے، تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہے۔

[2] اگر کسی چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کوئی دور کا ولی کر دے تو اگر قریبی ولی موجود ہو، اور ولایت کا حق رکھتا ہو، تو دور کے ولی کا نکاح کیا ہوا، ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

علیہ وآلہ وسلم ما اصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ من نسائہ ولا اصدق امرأۃ من بناتہ اکثر من ثنتی عشرۃ اوقیۃ رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی یعنی ابو العجفاء سے روایت ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ سنا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہ وہ فرماتے تھے کہ مت غلو کرو عورتوں کے مہر میں اس واسطے کہ مہر کی زیادتی اور اس میں غلو کرنا اگر دنیا میں بزرگی ہوتی یا آخرت میں تقویٰ ہوتا، تو اس کے ساتھ زیادہ لائق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے، حالانکہ آپ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر نہ اپنی بی بیوں میں سے کسی بی بی کا مقرر کیا، اور نہ اپنی لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کا مقرر کیا۔ روایت کیا اس کو اصحاب سنن اربعہ نے، اور صحیح کہا اس کو ترمذی نے، ایک اوقیہ ہوتا ہے چالیس درہم کا، اور دوسری روایت میں ایک نش کی اور زیادتی آئی ہے، جس کے بیس درہم ہوتے ہیں، کل مجموعہ پانچ سو درہم ہوئے، جس کے تخمیناً ایک سو تیس روپے پانچ آنے ہوتے ہیں، اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چو چار ہزار درہم تھا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مہر خود مقرر نہیں کیا تھا، بلکہ نجاشی بادشاہ حبشہ نے اپنی طرف سے مقرر کر کے ادا کر دیا تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ احمد عفی عنہ الجواب صحیح۔ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید خواہر خود را بلا اجازت پدر بعمرو نکاح داد بعد چند روز پدر بران تنکیح راضی شد و میا بین سالے بگذشت بعد ازاں بسبب تنازع خسر و داماد پدر آں منکوحۂ عمرو را بمرد دیگر نکاح داد پس مطابق قرآن و حدیث و اجماع و قیاس آں زن بکہ رسد بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واللہ الموفق للصواب نکاح زوج اول صحیح و درست شد زیرا کہ ولی ابعد یعنی برادر خواہر خود را نکاح داد و ولی اقرب یعنی پدر بران نکاح راضی نیز شد و بعد راضی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بھائی نے اپنی بہن کا نکاح ایک شخص سے کیا، اور باپ سے اجازت نہ لی، اور باپ نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا، ایک سال کی مدت تک وہ عورت اپنے خاوند کے گھر رہی بعد ازاں خسر اور داماد میں جھگڑا ہو گیا، باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی اور جگہ کر دیا ہے، دونوں نکاحوں میں سے کون سا نکاح درست ہے اور یہ عورت کس کو ملے گی۔

الجواب:۔ پہلا نکاح صحیح ہے، اگر ولی ابعد ولی اقرب کی موجودگی میں نکاح کر دے، اور ولی اقرب

شدن پدر را ہرگز دہر آئینہ درست نیست، کہ فسخ نکاح کند، چنانچہ در قاضی خان است ان زوجھا الا بعد والا قرب حاضر یتوقف علی اجازۃ الاقرب فاذا اجاز الاقرب فلا خیار لہا ان یفسخ النکاح۔ پس ازیں عبارت شد کہ تزویج ولی ابعد موقوف ماند بر اجازت ولی اقرب، پس چوں ولی اقرب اجازت داد نکاح لازم گردید، و در مسئلہ مسئولہ زید خواہر عمرو را نکاح داد و پدر بزبان نکاح راضی شد، و نیز بران نکاح سالے بگذشت پس اکنوں چگونہ پدر را درست باشد کہ فسخ نکاح کند، تا از زوج اول بسبب طلاق یا خلع یا مرگ منکوحہ جدا نہ گردد ہرگز دہر آئینہ برائے زوج ثانی درست نہ باشد۔ ھذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب۔ اصاب من اجاب۔ ابو تراب عبدالوہاب

الجواب صحیح۔ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی نابالغہ ہندہ کا بکر سے نکاح کردیا، پھر بعد ایک برس کے زید فوت ہوگیا، اب ہندہ حد بلوغ کو پہنچی ہے، اور کہتی ہے، کہ میں بکر سے راضی نہیں، حالانکہ بلوغت کے بعد گھر پر زوج کے گئی تھی اور خلوت صحیحہ بھی ہوئی ہے، لیکن بار دیگر جاتی نہیں ہے، اور شوہر بھی طلاق دیتا نہیں اس وقت ہندہ کے عینی بھائی نے شخص غیر سے بدوں طلاق کے نکاح کردیا، یہ عقد بغیر طلاق زوج کے عند الشرع جائز ہوا یا نہیں، بینوا توجروا بالقرآن والحدیث۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کے عینی بھائی نے جو ہندہ کا نکاح شخص غیر سے بدون طلاق دینے اس کے شوہر کے کردیا ہے، سو یہ نکاح ہرگز ہرگز جائز اور درست نہیں ہوا، اور اس کا بھائی سخت گنہ گار ہے، بوجہ نکاح کرنے غیر مطلقہ کے،

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے اپنا نکاح ایام عدت کے اندر کرلیا، اور ناکح کو نکاح کے چند روز بعد اس بات کی اطلاع

خاموش ہوجائے تو پھر ولی اقرب کو نکاح فسخ کرنے کا حق نہیں پہنچتا چنانچہ فتاوی قاضی خان میں اس کی تصریح موجود ہے، صورت مسئولہ میں جب باپ نے اعتراض نہیں کیا، اور ایک سال تک اس کی لڑکی اپنے خاوند کے گھر آباد ہی تو اب باپ کیسے اس کو فسخ کرسکتا ہے، اب سوائے خلع یا طلاق یا خاوند کی موت کے یہ عورت آزاد نہیں ہو سکتی ہے اور نہ دوسرے خاوند کے لئے حلال ہوسکتی ہے۔

اور ناکح اور منکوحہ چند عرصہ تک ہم بستر رہا کئے، پس عند اللہ وعند الرسول یہ نکاح صحیح ہے، یا باطل، اور جو مہر بوقت نکاح کے مقرر ہوا تھا، وہ واجب الادا ہے یا نہیں، اور اب ان دونوں زن وشوہر کو کیا کرنا چاہیئے، تاکہ آیندہ کو نکاح قائم رہے، یا دوبارہ نکاح کیا جاوے، یا چھوڑ ہی دینا چاہیئے، اگر ناکح کو بھی قبل نکاح کے اس امر کا کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی علم ہو گیا تھا یا شک واقع تھا، مگر اس نے قصداً تحقیقات نہیں کی، اور نکاح کر لیا، تو اب اس کو کیا کرنا چاہیئے کہ وہ اس گناہ سے بری ہو ان سب صورتوں میں اللہ اور اس کے رسول کا کیا حکم ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیوے، فقط۔

الجواب:۔ واللہ الموفق للصواب۔ نکاح مذکور باطل ہے، اور مہر واجب الادا ہے اور اگر عورت کا رکھنا منظور ہے، تو دوبارہ نکاح کیا جاوے، اور اگر ناکح کو قبل نکاح کے اس امر کا علم ہو گیا تھا، کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، یا شک واقع ہوا تھا، مگر اس نے قصداً تحقیقات نہیں کی، اور نکاح کر لیا، تو اس کو توبہ کرنا چاہیئے، ادلہ ان کی ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ البقرۃ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتب اجلہ۔ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما[1] امراۃ نکحت نفسہا بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل فان دخل بہا فلہا المہر بما استحل من فرجہا الحدیث رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی اور دلیل مسئلتین اخیرتین کی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

لہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اور اگر مرد اس سے صحبت کر چکا ہو تو اس کے عوض اس کو حق مہر ادا کرے، احمد ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے اسے روایت کیا ہے، ابن حاتم اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے، ابو عوانہ اور یحییٰ بن معین جیسے حفاظ حدیث نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

(۱) قولہ ایما امراۃ نکحت الخ اخرجہ ایضا ابن حبان، والحاکم وصححاہ وابو عوانہ وصححہ وصححہ ایضا یحیی بن معین وحسنہ الترمذی وقد اعل بالارسال نیل الاوطار صفحہ ۲۷ جلد ۶ سبل السلام صفحہ ۳ جلد ۶۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ مصحح۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا نکاح اُس وقت ہوا تھا، جس وقت وہ نابالغ تھا، اُس کے وارثوں نے نکاح قبول کیا تھا، جب وہ شخص بالغ ہوا، تو وہ عنین نامرد نکلا، جو عورت کے قابل نہیں ہے، اب اس عورت کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے، آیا اُس کی وہ عورت بیٹھی رہے، یا دوسرا نکاح کرے، اور جو اس شخص سے کہا جاتا ہے، کہ تو طلاق دے، تو وہ اُسے طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، جیسا کچھ حکم شرع شریف سے ہو، ویسا کیا جاوے۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں اس عورت کو چاہیئے، کہ حاکم وقت کے یہاں اس امر کی درخواست کرے، کہ میرا شوہر عنین ہے، پھر وہ حاکم موافق فتوے حضرت عمرؓ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اُس کے شوہر کو علاج کرنے کے لئے ایک برس کی مہلت دیوے، اگر اس کا شوہر اُس ایک برس کے اندر اچھا ہو گیا، تو فبہا، ورنہ وہ حاکم اس عورت اور اس کے شوہر میں تفریق کر دے، پھر بعد تفریق کے وہ عورت اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے، حافظ ابن حجر درایہ صفحہ ۲۳۱ تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں، اما عمرؓ[1] فحدث عبد الرزاق والدار قطنی من روایۃ سعید بن المسیب قال قضی عمرؓ فی العنین ان یؤجل سنۃ واخرجہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اٰخر عن سعید واخرجہ محمد بن الحسن فی الآثار عن ابی حنیفۃ عن اسمعیل بن مسلم عن الحسن عن عمر (الی قولہ) واخرجہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اٰخر احسن منہ عن الحسن عن عمر یؤجل العنین سنۃ فان وصل الیہا والا فرق بینہما ومن طریق الشعبی ان عمرؓ کتب الی شریح ان یؤجل العنین سنۃ من یوم یرفع الیہ فان استطاعہا والا فخیرہا (الی قولہ) واما ابن مسعودؓ فاخرجہ عبد الرزاق وابن ابی شیبۃ والدار قطنی من طریق حصین بن قبیصۃ عنہ قال یؤجل العنین سنۃ فان جامع والا فرق بینہما وفی الباب عن المغیرۃ بن شعبۃ انہ اجل العنین سنۃ اخرجہ ابن ابی شیبۃ والدار قطنی

---

[1] عبد الرزاق اور دار قطنی حضرت سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نامرد آدمی کے متعلق فیصلہ فرمایا، کہ اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے، ابن ابی شیبہ نے ایک دوسرے طریق سے، اور محمد نے آثار میں ذکر کیا ہے، کہ اگر اس عرصہ میں وہ عورت سے جماع کرنے کے قابل ہو جائے تو فبہا، ورنہ عورت کو اختیار دے دیا جائے، اگر وہ چاہے، تو اس کے گھر رہے، ورنہ ان میں جدائی کرا دی جائے، اور یہ سال کی مہلت مقدمہ پیش کرنے کے بعد ہے۔

وزاد فی روایۃ من یوم رافعتہ ومن طریق الشعبی والنخعی وابن المسیب وعطاء والحسن قالوا یؤجل العنین سنۃ انتہی ۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: مجنون کی زوجہ کا نکاح بعد ناامیدی صحت کے دوسری جگہ جائز ہے، یا نہیں، اور اس مجنون کے قبل حالت جنون کے دو لڑکے بھی تھے، پس بباعث فتنہ وفساد زمانہ کے اس کے نکاح کا کیا حکم ہے، اور اسے نو برس مجنون ہوئے ہو چکے ہیں، اب اس نکاح کے لئے عدت کی ضرورت ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اس مجنون کی عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے پس اس کو چاہیئے، کہ اپنا نکاح فسخ کر کے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ للسیوطی میں ہے ان حدث ذلک فی الزوج بعد العقد قبل الدخول او بعدہ تخیرت المرأۃ الخ نیل الاوطار میں ہے ۔ قد ذھب جمہور اھل العلم من الصحابۃ فمن بعدھم الی انہ یفسخ النکاح بالعیوب الخ فتاوی عالمگیریہ میں ہے قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم تخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فہو کالجب وبہ ناخذ انتہی ۔ اور بعد فسخ نکاح کے عدت تین حیض ضروری ہے کیونکہ یہ فسخ ایک قسم کی تفریق ہے، مثل تفریق بالاعسار کے اور بعد دخول وخلوت صحیحہ کے جو تفریق ہو اس میں عدت ضروری ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ ۲ رجب سنہ ۱۳۱۰ھ

سید محمد نذیر حسین

یہ نکاح بذریعہ حکم فسخ کیا جاوے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح ہمراہ ایک لڑکے نابالغ کے ہوا، اور لڑکے کے پدر بزرگوار نے یہ اقرار کیا تھا، کہ ہم ذمہ دار ہیں مبلغ چار روپیہ ماہوار واسطے خرچ نان ونفقہ وپارچہ کے لڑکی کے والدین کو دیتے رہیں گے

لے اگر خاوند میں نکاح کے بعد اور دخول سے پہلے یا پیچھے کوئی عارضہ یا عیب پیدا ہو جائے، تو عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا یہی مذہب ہے ۔ سے امام محمد نے لکھا، کہ اگر مرد دیوانہ ہو جائے تو نامردی کی طرح اس کو سال کی مہلت ملنی چاہیئے، اگر سال کے بعد بھی اسے آرام نہ ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے لیکن اگر مرد دیوانہ پکا ہو جائے، تو پھر سال مہلت نہیں ہے، اسے فوری اختیار ہے۔

تا سن بلوغ بعد وداع، اور کوئی طرح کی تکلیف نہ دیں گے، فساد کسی طرح سے نہ کریں گے، اور کاغذ پختہ یعنی اسٹامپ کا واسطے اطمینان کے تحریر کر دیں گے، اور مہر عند الطلب ادا کر دیں گے، جس کو عرصہ تین سال کا گذر گیا، اور ہنوز کوئی وعدہ ایفا نہ کیا، اور اگر ان سے تحریر کاغذ کے لئے کہا تو جواب دیا، ہم تحریر نہیں کرتے تم وداع کر دو، ہم اس کی پرورش کریں گے، یہ ذکر لڑکی کے گھر میں جو ہوا، کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں، کہ لڑکی کو وداع کر دو، تو لڑکی نہایت لرزاں و ترساں ہوئی، اور کہنے لگی، کہ یہ لوگ وعدہ خلاف ہیں، میں ہرگز ان کے ہاں نہیں جانے کی، میری شادی اور جگہ کرنی چاہیئے، میں اس گھر کو ہرگز نہیں قبول کرنے کی، یہ میرے ہمراہ بدسلوکی سے پیش آئیں گے میں نے اکثر سنا ہے اپنی خالہ کے گھر میں کہ یہ لوگ ذکر کیا کرتے ہیں، کہ ایک دفعہ بھی گر لڑکی ہمارے گھر آجاوے، پھر کیا مجال جو لڑکی اپنے گھر چلی جاوے، اب کاغذ تحریر کرنے کی کیا ضرورت ہے، نکاح ہوگیا ہے، اب جب چاہیں گے، لڑکی کو زبردستی سے لے آویں گے، اور میں نے اپنی استانی کے ہاں درس میں سنا ہے، کہ جب تک لڑکی اپنے دل سے نہ قبول کرے نکاح درست نہیں ہے، میں یہ نکاح ہرگز منظور نہیں کرتی، میرا نکاح بھی ناجائز ہے، تم شرع شریف سے دریافت کر لو، کیوں مجھ کو غضب میں ڈالتے ہو، صریحا وہ لوگ دشمن ہیں، وہ کہتے ہیں، کہ بارہ سال میں قابو آئے ہیں، اب ساری کسر نکالیں گے، اب عاجز امیدوار ہے، کہ شرعا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، فقط۔

الجواب، حنفیہ کے نزدیک جب صغیرہ کا نکاح اس کا باپ یا دادا کر دیوے تو بعد بلوغ کے صغیرہ کو فسخ نکاح کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے، اور اگر باپ یا دادا کے سوا کوئی اور ولی صغیرہ کا نکاح کر دیوے، تو بعد بلوغ کے اس کو فسخ نکاح کا اختیار باقی رہتا ہے پس صورت مسئولہ میں حنفی مذہب کی رو سے یہ نکاح جائز ہے، اور اس لڑکی نابالغہ کو بعد بلوغ کے فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، خواہ اس نکاح سے وہ راضی ہو، یا راضی نہ ہو، چاہے شوہر کے یہاں اس کے گذر کی صورت ہو یا نہ ہو، کچھ بھی ہو، چونکہ یہ نکاح باپ کا کیا ہوا ہے، اس وجہ سے لازم ہوگیا، اب لڑکی کی نامنظوری و ناراضی سے فسخ نہیں ہو سکتا، اور اہل حدیث کے نزدیک جب صغیرہ کا نکاح باپ یا دادا یا کوئی اور ولی کر دیوے، اور وہ صغیرہ بالغ ہو کر اس نکاح سے راضی نہ ہو تو اس کو فسخ نکاح کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے وہ اپنے نکاح کو فسخ کرے، یا باقی رکھے پس صورت مسئولہ میں حدیث کی رو سے اس لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار ہے چاہے اپنے

اس نکاح کو فسخ کر ڈالے یا باقی رکھے، اور یہی بات حق ہے اور حنفیہ کا جو مذہب اوپر بیان ہوا اس کی کوئی دلیل صحیح نہیں ہے، بلوغ المرام میں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ[1] سبل السلام صفحہ ۷۰ جلد ۲ میں ہے فالعلۃ کراھتہا فعلیھا علق التخییر لانہا المذکورۃ فکانہ قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنت کارھۃ فانت بالخیار وقول المصنف انہا واقعۃ عین کلام غیر صحیح بل حکم عام لعموم علتہ فاینما وجدت الکراھۃ ثبت الحکم وقد اخرج النسائی عن عائشۃ ان فتاۃ دخلت علیھا فقالت ان ابی زوجنی من ابن اخیہ یرفع بی خسیسہ وانا کارھۃ قالت اجلسی حتی یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

لہ ایک کنواری لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور کہنے لگی، میں ناپسند کرتی تھی، لیکن میرے باپ نے میرا نکاح زبردستی سے کردیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے، سبل السلام صفحہ ۷۰ جلد ۲ میں ہے، اور اختیار دینے کی علت اس کی اس نکاح سے کراہت تھی، جہاں بھی یہ کراہت پائی جائے گی، وہیں یہ حکم بھی پایا جاوے گا، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک نوجوان لڑکی آکر کہنے لگی، کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کردیا ہے، اور میں اس کو ناپسند کرتی ہوں، حضرت

(۱) قولہ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ الخ قال الحافظ فی بلوغ المرام واعل بالارسال انتہی وقال فی السبل واجیب عنہ بانہ رواہ ایوب بن سوید عن الثوری عن ایوب موصولا وکذلک رواہ معمر بن سلیمان الرقی عن زید بن حبان عن ایوب موصولا واذا اختلف فی وصل الحدیث وارسالہ فالحکم لمن وصلہ قال المصنف الطعن فی الحدیث لا معنی لہ کان لہ طرق یقوی بعضہا بعضا، انتہی۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ مصحح ۱۲

(ترجمہ حاشیہ (۱)) احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس کی سند کو مرسل کہا ہے، لیکن صاحب سبل نے اس کے جواب میں کہا ہے، کہ متعدد دوسرے طرق سے یہ روایت موصول ہے، ابو ایوب بن سوید نے ثوری کے واسطے سے حضرت ایوب سے اسے موصول بیان کیا ہے، اسی طرح معمر بن سلیمان نے زید بن حبان کے واسطے سے ایوب سے موصول روایت بیان کی ہے، اور علمائے اصول کے نزدیک یہ بات مسلمہ شدہ ہے، کہ جب کسی حدیث کے مرسل یا موصول ہونے کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے، تو ترجیح ان رواۃ حدیث کو دی جائے گی جو روایت موصول بیان کرتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس حدیث کی سند پر طعن کی کوئی حقیقت نہیں، کیونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے

وآلہ وسلم فاخبرتہ فارسل الی ابیھا فدعاہ فجعل الامر الیھا فقالت یا رسول اللہ قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان اعلموا النساء ان لیس للاباء من الامر شیئ و الظاھر انھا بکر ولعلھا البکر التی فی حدیث ابن عباس وقد زوجھا ابوھا کفوا ابن اخیہ وان کانت ثیبا فقد صرحت انہ لیس مرادھا الا اعلام النساء انہ لیس للاباء من الامر شیئ ولفظ النساء عام للثیب والبکر وقد قالت ھذہ عندہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقرھا علیہ والمراد نفی الامر من الاباء نفی التزویج للکارھۃ لان السیاق فی ذلک فلا یقال ھو عام لکل شیئ انتہی سبل السلام صفحہ ۶۷ جلد ۲۔

سید محمد نذیر حسین

حررہ علی محمد فنجابی تیرہ زیپوری عفی عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہوئی اور اس زوجہ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے لڑکا نابالغ ہے اور لڑکی بالغ ہے۔ زید نے اس زوجہ کو طلاق دے دی، اور مہر وغیرہ کل ادا کر دیا، بعد میں زید نے دوسرا نکاح کیا، مگر زید کو اس زوجہ ثانی سے ہم بستری کا بالکل موقع نہیں ہوا اور زید کا انتقال ہو گیا، اس صورت میں یہ زوجہ ثانیہ زید کی کل زرمہر پانے کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر کل زرمہر پانے کی مستحق ہو سکتی ہے تو متروکہ مقدار زرمہر سے بہت کم ہے، اور زید متوفی قرضدار بھی ہے، اور لڑکا اور لڑکی بھی ورثہ طلب کرتے ہیں، تو اس صورت میں منکوحہ زوجہ کی نسبت شرع شریف کیا حکم دیتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ زید متوفی کی زوجہ اپنا کل زرمہر مقررہ پانے کی مستحق ہے

عائشہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک ذرا ٹھیرو، آپ آئے تو آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے اس کے باپ کو بلا یا، اور اس کے سامنے لڑکی کو فیصلہ دیدیا، وہ لڑکی کہنے لگی اے اللہ کے رسول جو میرے باپ نے کیا میں اس کو قبول کرتی ہوں، میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ میں عورتوں کو معلوم کرادوں کہ باپ کا اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ لڑکی کنواری تھی شاید یہ وہی لڑکی ہو جس کا ابن عباس کی حدیث میں تذکرہ ہے کہ اس کے باپ نے کفوء یعنی اپنے بھتیجا سے اس کا نکاح کیا، اور اگر بیوہ یا مطلقہ بھی ہو تو اس کا مقصد صرف عورتوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کرنا تھا کہ باپ کا اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے، اور عورت کا لفظ عام ہے، جو کنواری، مطلقہ، بیوہ سب کو شامل ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس سے روکا نہیں اور باپ کا عدم اختیار صرف بیٹی کی کراہت کی صورت میں ہے رضامندی کی صورت میں عدم اختیار نہیں کیونکہ سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے

ہدایہ میں ہے۔ ومن سمی مھرا عشرۃ فما زاد علیہ فعلیہ المسمی ان دخل بھا او مات عنھا لانہ بالدخول یتحقق تسلیم المبدل وبہ یتاکد البدل وبالموت ینتھی النکاح نہایتہ والشئی بانتھائہ یتقرر ویتاکد فیتقرر بجمیع مواجبہ انتھی عالمگیریہ میں ہے والمھر یتاکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین انتھی۔ مختصرا۔
مگر چونکہ صورت مسئولہ میں متروکہ زید کم ہے، اور قرضہ اور زرمہر زائد اس لئے اس صورت میں زرمہر اور قرضہ قبل تقسیم ترکہ کے حصہ رسدی ادا کر دیا جاوے، کیونکہ دین مقدم ہے میراث پر، دین مہر ہو یا کوئی اور دین، اور زید کے تمام وارثین محروم الارث ہیں، واللہ اعلم بالصواب
حررہ سید عبدالسلام عفی عنہ سید محمد عبدالسلام غفرلہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں ہیں، اور دو لڑکیوں کے تایا ہیں، اور لڑکیوں کی دادی اور نانا نانی ہیں، اب شرعا یہ دریافت کیا جاتا ہے، کہ لڑکیوں کی سگائی وشادی وغیرہ کا ولی کون ہونا چاہیئے، اور لڑکیوں کا باپ فوت ہو گیا، اور والدہ لڑکیوں کی موجود ہے، فقط بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں واضح ہو کہ باب نکاح میں اختیار وولایت چچا کو ہے، چچا کے ہوتے ماں اور دادی، نانا اور نانی کو کچھ اختیار نہیں ہے شرح وقایہ میں ہے والولی العصبۃ علی ترتیب الارث والحجب ای قدم الجزء وان سفل ثم الاصل وان علا ثم جزء اصل القریب کالاخ ثم بنوہ وان سفلوا ثم جزء الاصل البعید کالعم ثم بنوہ وان سفلوا الخ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد ابوالحسن

سید محمد نذیر حسین

۱؎ اگر کسی نے دس درہم یا اس سے زیادہ حق مہر مقرر کیا اور پھر اس عورت سے صحبت کی یا خود مر گیا تو عورت کو پورا حق مہر ملے گا کیونکہ دخول کے ساتھ مبدل جب متحقق ہو گیا، تو بدل بھی ادا کرنا پڑے گا اور موت سے نکاح اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور جب اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو اس کے تمام مواجبات ادا کرنے ضروری ہوں گے، اور مہر تین صورتوں میں پورا ادا کرنا ہوتا ہے دخول یا خلوت صحیحہ یا میاں بیوی میں سے کسی ایک کی موت۔

۲؎ اور عصبہ میں سے وراثت کی ترتیب پر ولی متصور ہوں گے، پہلے حقیقی بھائی ولی ہو گا اس کے بعد اس کے بیٹے پوتے اگر وہ نہ ہوں، تو دور کا عصبہ اور اس کے بیٹے پوتے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی باکرہ نے بغیر رضامندی اپنے والد کے نکاح کر لیا، اور والد اس کا بفاصلہ بیں کوس کے رہتا تھا، اور نکاح غیر کفو میں کیا، بعدہ اس کے والد سے اجازت چاہی گئی، تو اس نے ایک شخص کو اپنا مختار کر دیا، کہ فلاں شخص کو اجازت ہے، کہ وہ میری لڑکی کا نکاح کر دے، اور اجازت آنے سے پیشتر ہی وہ لڑکی اپنے ناکح مصنوعی سے ناراض ہو کر اپنی والدہ کے یہاں چلی گئی بباعث شکایت کھانے پینے اور مار پیٹ کے، اب خاوند اس کا اس کو لے جانا چاہتا ہے اور لڑکی کا بیان یہ ہے، کہ اگر مجھ کو لے جائے گا، تو میں ہرگز ہرگز نہ جاؤں گی، بلکہ جان کا خطرہ بیان کرتی ہے، اب عالمان شریعت محمدی سے یہ بات دریافت طلب ہے، کہ آیا نکاح مذکور ہوا ہے یا نہیں، اگر ہوا ہے، تو وہ شخص لے جا سکتا ہے یا نہیں، اور جس شخص کو اجازت اس کے والد نے دی ہے، وہ شخص بھی اس جگہ اس کے نکاح کرنے سے ہرگز راضی نہیں ہے، اور اس نے مہر کی بھی ایک کوڑی ادا نہیں کی ہے، اور بغیر مہر ادا کئے، اس کو جہاں لے جانے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں۔ بینوا بالقرآن والحدیث، توجروا بالجنان والفردیس بحکم اللہ تعالیٰ آمین ثم آمین۔

الجواب:۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ نکاح کے واسطے ولی کی اجازت شرط ہے یعنی بدون اس کے ہوتا ہی نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا نکاح الا بولی یعنی نہیں ہوتا نکاح بدون ولی کے، اس حدیث کو امام احمد، و ابو داؤد و ابن ماجہ و ترمذی و ابن حبان و حاکم نے روایت کیا ہے، اور ابن حبان نے کہا، کہ صحیح ہے، روضۃ الندیۃ صفحہ ۱۸۶ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فان دخل بھا فلھا المھر بما استحل من فرجھا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی لہ یعنی جس عورت کا نکاح اس کے ولی کے بدون اجازت کے کیا جاوے، پس اس کا نکاح باطل ہے پس اس کا نکاح باطل ہے پس اس کا نکاح باطل ہے، پس اگر شوہر نے اس سے صحبت کر لی، تو اس عورت کا مہر اس شوہر پر واجب ہو گیا، اور اگر کئی ولی ہوں، اور ان کا آپس میں عورت کے نکاح کے بارے میں اختلاف ہو، تو اس صورت میں حاکم وقت اس کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو یعنی عورت کے کئی ولی ہیں، مگر ان میں باہم اختلاف ہے، یا یہ کہ ولی کوئی موجود ہی نہیں ہے، تو ان دونوں

صورتوں میں حاکم وقت کو ولایت نکاح کی حاصل ہے، اس حدیث کو ابو داؤد، امام احمد ابو ابن ماجہ و ترمذی نے، اور ابن حبان و حاکم نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے کہا ہے کہ حسن ہے، روضۃ الندیہ صفحہ ۱۸۶ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ و ام سلمہ و زینب رضی اللہ عنہن نے بھی کہا ہے، کہ ایسا نکاح باطل ہے، روضۃ الندیہ صفحہ ۱۸۶۔ اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو اس بارے میں بڑی شدت تھی یعنی وہ بدون ولی کے نکاح ہونے کو بہت برا جانتے تھے، اور جو کوئی ایسا کرتا، اس کو تعزیر کرتے یعنی سزا دیتے تھے، اور انہوں نے کہا ہے، کہ جو شخص کسی عورت سے بدون اجازت اس کے ولی کے کرے، یا کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح پڑھا دے، وہ نکاح باطل ہے (دار قطنی صفحہ ۳۸۵) اور ابن المنذر نے کہا ہے، کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کسی کا بھی خلاف اس مسئلہ میں ثابت نہیں ہے یعنی کسی نے بھی یوں نہیں کہا ہے، کہ ولی کی اجازت کے بدون نکاح درست ہے فتح الباری پارہ اکیس صفحہ ۷۔ پس ان سب روایات کی رو سے ظاہر ہے، کہ اس لڑکی کا نکاح جو ہوا تھا، وہ باطل ہے اور چونکہ نکاح باطل ہے، لہٰذا لڑکی کو اختیار ہے، کہ اس شوہر کے گھر نہ جائے، اور شوہر کو بھی اس کے لے جانے کا حق نہیں ہے، اور چونکہ وہ لڑکی اس کے پاس رہ چکی ہے، اس لئے مہر تمام و کمال اس شوہر مصنوعی سے وصول کر لینے کی مستحق ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ العاجز حمید اللہ عفی عنہ، ساکن سرادہ، ضلع میرٹھ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ مسئلہ ذیل میں کہ دو برادر حقیقی تھے، ایک فوت ہو گیا، چچا نے بھتیجی کو حصہ دینے سے انکار کیا، بھتیجی نے حاکم کے یہاں دعویٰ کر کے ڈگری حاصل کر لی، ہو چچا نے بلحاظ جائداد کے یہ صورت پیدا کی کہ بھتیجی بالغہ عاقلہ کنواری کا نکاح اپنے نابالغ پسر کے ساتھ بعد استیذان کر دیا، استیذان بذریعہ چند اشخاص کے جن کا یہ بیان ہے، کہ ہم نے اس سے پوچھا، کہ تو بعوض چار صد روپیہ کے اپنا نکاح ہمراہ پسر خورد فلاں شخص کے منظور کرتی ہے یا نہیں اس کے جواب میں اس نے سکوت کیا، اور چچا کی شفقت کا یہ حال ہے، کہ بعد ہو جانے نکاح کے لڑکی کو کچھ روپے دینے کا وعدہ کیا، اس غرض سے، کہ عدالت میں نہ جاوے، اور نکاح بالجبر کا دعوے نہ کرے، بلکہ جس روز نکاح ہوا، لڑکی کو معہ اس

والدہ اور ہمشیرہ کلاں کے رات بھر حبس میں رکھا تاکہ عدالت میں رجوع نہ کرے، بلکہ دوسرے روز رستہ سے واپس کیا، تیسرے روز پھر خفیہ نکل کر نکاح بالجبر و حبس بے جا کا لڑکی نے دعوی کیا، اور حاکم نے جبری نکاح ثابت کیا، اب سوال یہ ہے، کہ یہ سکوت عاقلہ بالغہ بکر کا شرعاً رضا متصور ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا یوم الحساب۔

الجواب ۔ واللہ الموفق للصواب۔ صورت مرقومہ میں یہ سکوت شرعاً رضا نہیں ہے کیونکہ یہاں اگرچہ استیذان وکیل اقرب یا رسول ولی اقرب کا پایا جاتا ہے، اور وقت استیذان وکیل یا رسول ولی اقرب کے سکوت بکر بالغہ کا اذن ہوتا ہے، درمختار میں ہے فان استاذنہا[1] ھو وکیلہ او رسولہ فسکتت فھو اذن انتہی ملخصا۔ ہدایہ میں ہے۔ فاذا استاذنہا[2] الولی فسکتت او ضحکت فھو اذن انتہی۔ مگر مراد یہاں ولی سے ولی غیر سئی الاختیار ہے، درالمختار میں ہے ھو[3] الولی ای ولی العاقل الوارث ولو فاسقا علی المذھب مالم یکن متہتکا انتہی۔ حاشیہ طحطاوی میں ہے قولہ[4] مالم یکن متہتکا الاولی ان یزید او سئی الاختیار مجانۃ او فسقا قال مشائخنا لو عرف سوء اختیار الاب فسقا او مجانۃ لم یجز عند الامام وھو الصحیح انتہی درمختار میں ہے ثم[5] لو عرف منہا سوء الاختیار مجانۃ و فسقا و ان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران فزوجہا من فاسق او شریر او فقیر او لذی حرفۃ دنیۃ لظہور سوء اختیارہ فلا تعارضہ شفقۃ المظنونۃ بحر انتہی۔ طحطاوی سوء الاختیار کے تحت میں لکھتے ہیں۔ والظاہر[6] ان المراد انہما لا یحسنان التصرف اما لطمع او سفہ او غیر

---

[1] اگر ولی یا اس کا وکیل یا اس کا ایلچی عورت سے اجازت مانگے اور وہ خاموش رہے تو وہ اجازت ہے۔ [2] اگر ولی اجازت مانگے، اور عورت خاموش رہے یا ہنس پڑے، تو وہ اجازت ہے [3] صحیح ولی وہ ہے، جو بالغ اور عاقل ہو اگرچہ فاسق ہی ہو، ایک مذہب کی بنا پر بشرطیکہ کھلا ہوا فاسق نہ ہو [4] بہتر یہ تھا کہ اس عبارت کا بھی اضافہ کر دیا جاتا، سئی الاختیار نہ ہو، گنہگار اور فاسق نہ ہو، ہمارے مشائخ کا قول ہے، کہ اگر باپ گناہ، یا فسق کی وجہ سے سئی الاختیار ہو چکا ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی ولایت صحیح نہیں ہے [5] اگر باپ کا فسق یا گناہ کی وجہ سے سئی الاختیار ہونا معلوم ہو تو اس کی اجازت سے نکاح کیا ہوا بالاتفاق باطل ہوگا اسی طرح اگر شرابی باپ نشہ کی حالت میں کسی فاسق، شریر یا فقیر یا کسی کمینہ پیشے والے سے نکاح کر دے، تو اس کے سئی الاختیار ہونے کی وجہ سے وہ نکاح جائز نہ ہوگا، اور باپ کی شفقت اس کا معارضہ نہ کر سکے گی، [6] ظاہر ہے

ذلک انتہی۔ ان عبارات سے واضح ہوا کہ ولی سے مراد باب الولی میں ولی غیر سیٔ الاختیار ہے، اور صورت مرقومہ میں ولی سیٔ الاختیار ہے، بچند وجوہ۔ اول چچا کا جائداد پدری سے بھتیجی کو حصہ نہ دینا۔ دوم بھتیجی نے حاکم کے ہاں سے ڈگری حاصل کی تو چچا نے بلحاظ طمع جائداد بھتیجی کا نکاح ہمراہ پسر نابالغ خود کر دیا، جس سے ظاہر نکاح بالجبر ہے، سوم چچا نے بعد ہو جانے نکاح کے کچھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا، تاکہ عدالت میں نہ جاوے، اور دعوٰے نکاح بالجبر نہ کرے، چہارم جس روز نکاح ہوا، لڑکی کو معہ اس کی والدہ کے اور ہمشیرہ کلاں کے رات بھر حبس میں رکھا، تاکہ عدالت میں رجوع نہ کرے، بلکہ دوسرے روز رستے سے واپس کیا، تیسرے روز لڑکی نے خفیہ نکل کر نکاح بالجبر اور حبس بے جا کا دعوٰے کیا، اور حاکم نے جبری نکاح ثابت کیا، ان سب امور سے سوء اختیار ظاہر ہو گیا، پس شفقت مظنونہ اس کی معارض نہ ہو گی، ایک وجہ صورت سوال میں سکوت میں رضامند ہونے کی یہ ہوئی۔

دوم قال ؒ استاذنہا غیر الاب فلا عبرة لسکوتہا بل لابد من القول کالثیب اس قول کی تعلیل ہدایہ وغیرہ میں اس طرح ہے۔ لان ہذہ السکوت لقلة الالتفات الی کلامہ فلم یقع دلالة علی الرضا ولو وقع فہو محتمل والاکتفاء بمثلہ للحاجة ولا حاجة فی غیر الاولیاء انتہی۔ اسی طرح صورت سوال میں محتمل ہے، کہ یہ سکوت قلت التفات کے سبب سے ہو، کیونکہ وہ ولی جو سیٔ الاختیار ہے اس طرف التفات کم ہوتا ہے، بلکہ یہاں دو احتمال دیگر بھی موجود ہیں، ایک یہ کہ یہ سکوت بسبب خوف کے ہو، کیونکہ اضرار ولی ظاہر ہے، یا فہود سکوت، جھوٹے اور جعلی ہوں، اور اگر رضا پر دلالت تسلیم کی جاوے، تو اس میں احتمال دلالت علی عدم الرضا کا بھی ہے، اور ما یحتمل الوجہین ضرورت کے وقت معتبر ہوتا ہے، اور یہاں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ولی سیٔ الاختیار ہے، اور لوگ اس کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں، پس حق سکوت میں معتبر نہ ہو گا، سوم وقت

کہ یہ تصرف کو احسن طریقے سے استعمال نہیں کرے گا، طمع یا بے وقوفی یا کسی اور وجہ سے ۔ ۵۲ اگر باپ کے علاوہ کوئی اور آدمی اجازت مانگے، اور عورت خاموش رہے، تو اس خاموشی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، وہاں ضروری ہے، کہ بیوہ یا مطلقہ کی طرح کنواری بول کر اجازت دے، ۵۳ اس لئے کہ یہ سکوت بے پروائی کی وجہ سے ہے، کہ وہ اس کی بات کی طرف توجہ ہی نہیں کرتی، تو اس صورت میں خاموشی رضا کی دلیل کیسے بن جائے گی، خاموشی کو رضا کے قائم مقام صرف ضرورت کی وجہ سے کیا گیا ہے، اور غیر ولی میں اس کی ضرورت نہیں

تعارض بین حق الولی وحق الثیب فبالاجماع حق بالغہ کو ترجیح ہوتی ہے لحدیث الایم احق بنفسہا من ولیہا۔ چہارم سکوت کا رضا ہونا اس وقت ہے، کہ منطوق اس کا معارض نہ ہو، اور صورت سوال میں منطوق معارض ہے، کیونکہ بکر بالغہ نے دعوے نکاح بالجبر کا کیا اور حاکم کے نزدیک وہ پایہ ثبوت کو پہنچ گیا، الحاصل سکوت صورت مرقومہ میں رضا متصور نہ ہوگا، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا، اور سن ہندہ کا تیرہ برس سے زاید قریب چودہ برس کے ہے، اور بعد نکاح کے خلوت صحیحہ بھی ہوئی، اور پھر طلاق بائن دی، تو بعد طلاق کے پورا مہر ذمہ شوہر کے آئے گا یا نصف، اور جو زیور کہ موافق دستور برادری کے ہندہ کے پاس چڑھاوا بھیجا، وہ کس کی ملک تصور کیا جاوے گا، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں طلاق بعد خلوت صحیحہ کے جو کہ موجب کمال مہر کا ہے، واقع ہوئی ہے، لہذا پورا مہر زید کو دینا ہوگا، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ میں ہے۔ وقال[2] ابو حنیفۃ واحمد یستقر المہر بالخلوۃ التی لا مانع فیہا وان لم یحصل وطی وبموت احد الزوجین یستقر المہر بالاتفاق انتہی، ہدایہ میں ہے، ["]واذا[3] خلا الرجل بامرأتہ ولیس ہناک مانع من الوطی ثم طلقہا فلہا کمال المہر انتہی زید نے ہندہ سے اگرچہ وطی نہیں کی کیونکہ اس کو پورا مہر دینا آئے گا، کیونکہ کوئی امر مانع از وطی وصغر سنی وغیرہ کے پایا نہیں جاتا، بلکہ ہندہ ایام مشتہاۃ یعنی حد بلوغ میں پہنچی ہوتی ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے، وغیرھما[4] احق بہا حتی تشتہی وقدر بتسع وبہ یفتی وبنت احدی عشرۃ مشتہاۃ اتفاقا زیلعی، لہذا مہر پورا دلایا جاوے گا

لہ بیوہ یا مطلقہ عورت اپنی نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے۔ ۲ امام ابوحنیفہ اور احمد کہتے ہیں کہ اگر خلوت صحیحہ ہو جائے، جس میں صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہو، یا میاں بیوی میں سے کوئی ایک مر جائے تو ان صورتوں میں پورا حق مہر بالاتفاق دینا ہوگا ۳ جب مرد اپنی عورت کے ساتھ خلوت میں چلا جاوے، جہاں صحبت کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو، پھر اس کو طلاق دے دے تو اس کو پورا حق مہر دینا ہوگا ۴ یہاں تک کہ عورت جوانی کی عمر کو پہنچ جائے، اور اس کا اندازہ نو سال ہے، اور اسی پر فتوی ہے، اور گیارہ سال کی لڑکی تو بالاتفاق جوان بالغہ ہے۔

اور جو زیورات کہ زید نے ہندہ کو بطور چڑھاوے کے دیئے ہیں، وہ ہندہ کے ہیں کیونکہ اس نواح کا دستور ہے، کہ جو کچھ چڑھاوے میں دیتے ہیں، وہ ہبہ وعطیہ کرتے ہیں عاریۃً نہیں دیتے اور شارع علیہ السلام نے ایسے معاملات میں عرف کو معتبر کیا ہے لہذا بنا بر عرف کے اشیاء چڑھاوے کی ملک ہندہ کے تصور کی جائیں گی واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا عقد زید سے ہوا، ہندہ نے بوجہ بد چلنی اپنے شوہر کو چھوڑ کر کے بکر کے ساتھ ارتباط پیدا کیا، اور اس سے بد فعلی کرانے لگی، اور اس کے یہاں بسر اوقات کرنے لگی، چنانچہ بکر سے چند لڑکے بھی پیدا ہوئے، بعد اس کے بکر مر گیا، تب خالد سے جا ملی، اور اس کے ساتھ بدستور سابق رہنے لگی، اور اس کو مدت، آٹھ برس کی ہوگئی، اب عورت مذکورہ چاہتی ہے، کہ توبہ کر کے عقد کر لیوے، شوہر سابق یعنی زید ہنوز زندہ ہے، اس کو واسطے طلاق کے برابر کہتی ہے، مگر زید نہیں دیتا، اور کہتا ہے، کہ تین سو روپیہ دے، تب طلاق دوں گا زید بارہ برس سے نان ونفقہ کا ہندہ کی کچھ خبر نہیں لیتا، اور چار سال سے غائب ہے، مگر زندہ ہے، اب ہندہ اپنا نکاح دوسرے سے کرنا چاہتی ہے، زید کی زوجیت میں نہیں رہنا چاہتی، پس ایسی صورت میں توبہ کر کے بدون طلاق حاصل کئے اپنا عقد کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- صورت مسئولہ میں ہندہ جب عفیفہ وتائب ہوئی ہے، تو کیا ضرور ہے، کہ شوہر ہوتے ہوئے دوسرا عقد کرے، اگر اس کے چھوڑنے کی یہ وجہ ہے، کہ نان ونفقہ نہیں دیتا، تو یہ عذر اس وقت پہنچ سکتا ہے، کہ ہندہ اس کے گھر رہتی، اور پھر وہ نان ونفقہ نہ دیتا، تو یہ عذر عند الشرع مسموع ہوتا اور اس کی بنا پر حکم دیا جاتا، سوال سے یہ امر خوب واضح ہے، کہ ہندہ اس کے گھر میں نہیں رہتی تو دعوی نان ونفقہ کا باطل، یا کوئی اور وجہ ہے، کہ جس کے سبب سے ہندہ اس کی زوجیت میں رہنا نہیں چاہتی، تو اس کا فیصلہ اللہ نے کر دیا ہے۔ قال اللہ تعالی فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ الآیۃ یعنی اگر خوف ہو اس بات سے کہ زن وشوہر کے بگاڑ میں اللہ صاحب کے

حدود کی نگہداشت میں فرق آجائے گا، تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں، کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ دے کر اس سے اپنی جان چھڑا لے اور اس سے طلاق لے لے پس ان دونوں پر اللہ صاحب نے بہت بڑی وسعت دی ہے، پس بموجب ارشاد باری تعالیٰ ہندہ مہر اپنا واپس کرے، یا جس قدر زید روپیہ مانگتا ہے، دے کر طلاق حاصل کرے بدوں طلاق حاصل کئے ہوئے نکاح جائز نہیں ہوگا، واللہ اعلم و علمہ اتم۔ السید محمد عبد الحفیظ الجواب صحیح:۔ شیخ حسین عرب

الجواب صحیح:۔ محمد سلامت اللہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بحالت عدم بلوغ غیر کفو میں بکر کے ساتھ کر دیا، اب بعد بلوغ کے دختر مذکورہ راضی نہیں ہے، حنفی مذہب کی رو سے اس کو اختیار فسخ نکاح کا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں واضح ہو کہ عند الحنفیہ عمرو کی دختر مذکورہ کو خیار فسخ کا نہیں ہے۔ ولزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مہرھا و زیادۃ مہرھا اوزوجھا بغیر کفوان کان الولی المزوج بنفسہ بغبن ابا او جدا کذا فی الدر المختار واللہ اعلم۔ اجاب بذلک احمد ابراہیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک عورت نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک ایسے شخص سے کرا دیا کہ وہ بالکل نامرد تھا، یعنی بجائے آلت کے ایک بیر کی مثل مضغہ گوشت تھا جس میں سوراخ فقط پیشاب کے لئے تھا، اور وہ منکوحہ قبل نکاح کے اس حالت نامردی سے واقف تھی۔ مگر ماں اس کی نے بوجہ لالچ دنیا کے جبراً نکاح کرا دیا، اور خالہ زاد بھائی وغیرہ رشتہ دار بوجہ ناراضگی کے جلسہ نکاح میں شریک نہ ہوئے، و معہذا وہ شخص رافضی تھا، اور عورت سنیہ تھی، تو آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہ اور اس عورت پر بعد تفریق کے عدت واجب ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

لے اور نکاح درست ہوگا، اگرچہ غبن فاحش ہی کیوں نہ ہو، خواہ مہر بہت کم ہو، یا بہت زیادہ، یا اس کو غیر کفو میں بیاہ دے اگرچہ غبن فاحش سے نکاح کرنے والا باپ ہو یا دادا۔

الجواب: یہ نکاح باطل وغیر صحیح ہے، اولاً اس وجہ سے کہ عورت مذکورہ نے اپنی بیٹی کا یہ نکاح جبراً بلا رضامندی اپنی بیٹی کے شخص مذکور سے کر دیا ہے، جو کسی طرح نکاح کے قابل نہیں ہے۔

ثانیاً اس وجہ سے کہ یہ نکاح بولایت ماں کے ہوا ہے، اور عند الجمہور ماں کی ولایت صحیح نہیں، ومعہذا اس منکوحہ کے دیگر رشتہ دار جو درصورت نہ ہونے ولی اقرب کے ولی ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ اس نکاح سے ناراض و ناخوش ہیں، بلوغ المرام میں ہے۔ عن[1] ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزوج المرأۃ المرأۃ ولا تزوج المرأۃ نفسھا رواہ ابن ماجہ والدارقطنی ورجالہ ثقات۔ سبل السلام صفحہ ۶۵ جلد ۲ شرح بلوغ المرام میں ہے۔ المرأۃ[2] لیس لھا ولایۃ فی الانکاح لنفسھا ولا لغیرھا فلا عبارۃ لھا فی النکاح ایجابا ولا قبولا فلا تزوج نفسھا باذن الولی ولا غیرہ ولا تزوج غیرھا بولایۃ ولا بوکالۃ ولا یقبل النکاح بولایۃ ولا وکالۃ وھو قول الجمھور انتہی۔

ثالثاً اس وجہ سے کہ اس نکاح میں اس عورت نے اپنی بیٹی پر سراسر ضرر رسانی کی ہے۔ وقال[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ضرر ولا ضرار من ضار ضرہ اللہ ومن شق شق اللہ علیہ رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ وذکرہ الحافظ الزیلعی فی نصب الرایۃ صفحہ ۳۶۲ ج ۲۔ اور جب نکاح ہی صحیح نہیں ہوا، تو اس عورت پر عدت نہیں ہے۔ حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت کسی عورت کا نکاح نہیں کر سکتی، اور نہ اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

[2] نکاح کرانے کی معاملہ میں عورت کی ولایت نہیں ہے، نہ اپنے لئے نہ غیر کے لئے، اس کا نہ ایجاب معتبر ہے نہ قبول، وہ ولی یا کسی اور کی اجازت سے اپنا نکاح نہیں کر سکتی، اور نہ کسی دوسری عورت کا نہ ولایۃ اور نہ وکالۃ، اور اگر ایسا کوئی نکاح ہو جائے، تو وہ جمہور کے نزدیک منعقد نہیں ہوگا۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ کسی کو دکھ دو، نہ خود دکھ اٹھاؤ، جو کسی کو تکلیف دے گا اللہ اسے تکلیف دے گا، اور جو کسی پر سختی کرے گا، اللہ اس پر سختی کرے گا۔

سوال:۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ۔ اس سوال میں کہ ایک دختر نابالغہ صغیرہ کا نکاح بلااذن باپ کے دادا نے کردیا، اور باپ دختر کا اور تمام اقارب اس نکاح سے راضی نہیں ہوئے اور نیز وہ دختر بھی بالغہ ہوگئی ہے اور اس نکاح سے سخت ناراض ہے، کیونکہ اس کی زوجہ اولیٰ جو مرگئی ہے، اس کو بہت مصیبت اور تنگی معاش اور ہر طرح کی ایذا اور تکلیفات میں رکھتا تھا، پس یہ نکاح کردینا اس دختر کا حالت صغر میں دادا کی ولایت سے بلااذن باپ کے شرعاً صحیح و درست ہوگیا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ چونکہ صورت مسئولہ میں ولی ابعد یعنی دادا نے بلااذن ولی اقرب یعنی باپ کے یہ نکاح کردیا ہے، اور ولی اقرب اس نکاح سے راضی نہیں ہے اس لئے یہ نکاح شرعاً ناجائز و نادرست ہے۔ قال[1] فی الدر المختار فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ انتہی۔ وقال[2] فی قاضیخان الاصل فی اعتبار الولی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لانکاح الا بولی وھو شرط جواز النکاح فی الصغار واقرب العصبات الی الصغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد اب الاب وان علا۔ پس جبکہ یہ نکاح شرعاً ناجائز و نادرست ہے، تو اس دختر کا نکاح کسی اور مرد سے کردینا بلا شبہ جائز و درست ہے۔ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

حررہ الفقیر محمد حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے ہندہ سے نکاح کیا، یہاں تک کہ گواہ بھی ثبوت نکاح کے پیش کرتا ہے، ہندہ محض انکار کرتی ہے، اور بیان کرتی ہے کہ جو اوقات نکاح کے زید بیان کرتا ہے، اس وقت میں فلاں جگہ تھی، غرض اس کے بھی یعنی ہندہ کے بھی چند گواہ ہیں، آیا عندالشرع یہ نکاح قرار دیا جاوے گا یا نہیں، بینوا توجروا۔

---

[1] ولی اقرب کی موجودگی میں اگر ولی ابعد نکاح کردے، تو وہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا

[2] ولی کے اعتبار میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، کہ "ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے" اور یہ جواز نکاح کے لئے شرط ہے کم سن کے لئے اور چھوٹے بچے اور بچی کے لئے قریب ترین عصبہ باپ ہے، پھر دادا، باپ کا باپ اگرچہ اوپر کی پشت کا ہو۔

الجواب:۔ اگر فریقین کے گواہ معتبر اور ثقہ ہیں، تو شرعاً یہ نکاح قرار دیا جاوے گا، کیونکہ زید کے گواہ ثبت نکاح اور ہندہ کے گواہ نافی نکاح ہیں، اور اثبات کے گواہ مقدم ہوتے ہیں نفی کے گواہ پر، ہاں جس صورت میں کہ نفی کے گواہ متواتر ہوں تو نفی کے گواہ مقدم ہوتے ہیں، مگر صورت مسئولہ میں نفی کے گواہ متواتر نہیں ہیں، جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے، فی الفتاوی الهندیة[1] اقام امرأة رجلین ان فلانا طلق امرأتہ یوم النحر بالکوفة واقام فلان البینة انہ کان فی ذلک الیوم حاجا بمنی فالبینة بینة المدعی ولا یلتفت الی بینة المدعی علیہ الا ان تاتی امامة وتشهد بذلک فیوخذ بشهادتهم کذا فی الذخیرة انتہی وفی الدر المختار شهادة النفی المتواتر مقبولة انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ ابو الحسن۔ | سید محمد ابو الحسن | سید محمد عبد السلام غفرلہ | سید محمد نذیر حسین |

فیصلہ:۔ شیر خاں مدعی بنام مساۃ ولیم النساء دختر بسم اللہ مدعی علیہا بتاریخ ۷ ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۰ھ ہجری روز دو شنبہ کو اظہار مدعی و اظہار گواہان مدعی لئے گئے، تو گواہان مدعی مختلف گئے، بعض گواہ کا بیان ہے، کہ دو بجے رات کو نکاح قاضی فضل حق نے پڑھایا تھا، اور بعض گواہ کا بیان ہے، کہ بعد نماز صبح کے نکاح ہوا تھا، بعض گواہ کہتے ہیں، کہ دولہن کو سیج گاڑی پر سوار کرا کر مدعی اپنے گھر لے گیا، اور بعض کہتے ہیں، ڈولی میں سوار کرا کے لے گیا تھا، اور بعض کہتے ہیں، کہ پینس میں سوار کرا کے لے گیا تھا اور قاضی فضل حق کا خلاصہ اظہار یہ ہے، کہ میں نے کئی بار اپنی کتاب کو کھول کر الٹ پلٹ کر دیکھا، مگر نام شیر خاں کا کہیں نہیں ملا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا فقط۔ پس اظہار قاضی صاحب سے بھی ثبوت نکاح کا نہیں ہوتا، اور دستور ہے کہ مسلمانوں میں دلہن کی طرف سے ایک وکیل اور دو گواہ مقرر ہو کر نکاح پڑھانے کو

[1] اگر کوئی عورت دو گواہ پیش کرے، کہ فلاں شخص نے اپنی عورت کو کوفہ میں قربانی کے روز طلاق دی ہے، اور وہ آدمی دلائل پیش کرے، کہ میں تو اس دن حج پر گیا تھا اور منی میں تھا، تو دلائل مدعی کے قابل اعتبار ہوں گے اور مدعی علیہ کے دلائل کی طرف توجہ نہ دی جائے گی، ہاں اگر عام آدمی آ کر شہادت دیں، کہ واقعی یہ حج پر گیا ہوا تھا، تو اس صورت میں ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی، اگر نفی کی شہادت متواتر ہو تو وہ مقبول ہے

آتے ہیں، سو وکیل کا بھی کچھ نشان و ثبوت نہیں پایا جاتا، اور اظہار مدعی علیہا اور گواہان مدعی علیہا سے محض انکار نکاح کا پایا گیا ہے، تو اس صورت میں ہماری رائے بنا بر عدم اعتماد و اتفاق گواہان مدعی کے نکاح مدعی کا ساتھ مسماۃ دختر بسم اللہ کے ثابت نہیں ہوا، اور جب اس نکاح کا ثبوت نہیں ہوا، تو دعوی شیر خان کا بابت زوجیت اور دختر مسماۃ بسم اللہ کے باطل اور نامسموع ہوا شرعاً آئندہ رائے حاکم۔

الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین بجواب سوالات ذیل اول جبکہ بوقت نکاح مہر کا نام نہ لیا گیا، کہ معجل ہے یا مؤجل، اور نہ کوئی کاغذ مہر کا لکھا گیا اور زید کی قوم کے کل نکاحوں میں معجل اور مؤجل کا ذکر تک نہیں آتا، اور اس کی قوم میں دستور بھی نہیں، کہ مہر اسی وقت یا عند الطلب پیچھے دیا جاوے، اور کسی نے آج تک طلب نہیں کیا، منکوحہ کی ماں اور خالاؤں، پھوپھیوں، ممانیوں، دادی نانیوں وغیرہ کسی نے بھی مہر طلب نہیں کیا۔ اب آیا یہ مہر مذکور معجل قرار دیا جاوے گا یا مؤجل اور بر تقدیر مؤجل قرار دیئے جانے کے کیا حکم ہے

دوم زوجہ اگر ایسے مہر کے طلب کے باعث زوج کے گھر میں آنے سے مانع آوے، اور طرح طرح کے فساد خلاف شرع نکالے، آیا وہ ناشزہ قرار دیجاویگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں جب بوقت نکاح مہر معجل یا مؤجل ہونے کی تصریح نہیں کی گئی، اور زید کی قوم میں مہر مؤجل کا دستور ہے، اور منکوحہ کی ماں، خالاؤں اور پھوپھیوں وغیرہا کے نکاح میں بھی مہر مؤجل ہی قرار پاتا رہا ہے، تو مہر مذکور مؤجل قرار دیا جاوے گا، کیونکہ مہر کے مؤجل یا معجل کی تصریح نہ ہونے کی صورت میں اعتبار عرف کا ہوتا ہے، جیسا عرف ہوگا، ویسا ہی مہر قرار پاوے گا۔ والمعجل[1] والمؤجل ان بینا فذاک والا فالمتعارف کذا فی مختصر الوقایۃ و فی الخزانۃ ان کان الکل مؤجلا فلیس لہا حق المطالبۃ الی اجلہ بشرط ان یکون الاجل معلوما انتہی، اور جب

[1] اور مہر مؤجل یا معجل کی اگر تصریح ہو جائے تو شبک ہے، ورنہ دستور کا اعتبار ہوگا، اگر کل مہر مؤجل ہو، تو عورت کو حق مہر کے مطالبہ کا حق نہیں پہنچتا، ہاں اگر مؤجل کی میعاد مقرر ہو، تو اس کے بعد مطالبہ کر سکتی ہے۔

صورت مرقومہ میں مہر مؤجل قرار پایا، تو منکوحہ زید کو اس بات کا حق نہیں ہے، کہ مہر مذکور کے طلب کے باعث زوج کے گھر آنے سے مانع آوے، اور طرح طرح کے فساد خلاف شرع نکالے، اگر ایسا کرے گی، تو ضرور ناشزہ قرار دی جاوے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ سید عبد السلام غفی عنہ

سید محمد عبد السلام غفرلہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ ایک شخص کا نکاح حالت نابالغی میں ہوا تھا، سولہ برس کے بعد اس کی عورت اس کے پاس آئی ہے، وہ ایک شخص کے مکان پر رہتا ہے، وہ علیحدہ مکان لینے کو کہتی ہے، وہ نہیں لیتا ہے، وہ عورت خود مکان علیحدہ لے کر رہ سکتی ہے یا نہیں، اس میں خدا اور رسول کے موافق کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں عورت علیحدہ مکان نہیں لے سکتی، اس لئے کہ مردوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اسکنوھن من حیث سکنتم یعنی ٹھہراؤ تم اپنی عورتوں کو جہاں تم ٹھہرتے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا لینفق ذو سعۃ من سعتہ۔ یعنے چاہیئے کہ خرچ کریں صاحب مقدور اپنے مقدور کے موافق، پس شخص مذکور اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق جیسی گنجائش دیکھے اپنی بی بی کو مکان وسیع یا غیر وسیع میں رکھے، اس سے زیادہ عورت کو حق نہیں پہنچ سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

حررہ احمد علی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ صورت مسئولہ میں ایک غیر شخص کے مکان پر اس عورت کو رکھنے میں اس عورت کا ضرر ہے، لہذا اس کے شوہر کو چاہیئے، کہ اس کو ایک علیحدہ مکان میں رکھے، قال اللہ تعالیٰ اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (پارہ ۲۸ رکوع ۱۷) ہدایہ میں ہے۔ وعلی الزوج ان یسکنھا فی دار مفردۃ لیس فیھا احد من اھلہا الا ان تختار ذلک لان السکنی من کفایتھا فیجب لھا کالنفقۃ وقد اوجبہ اللہ تعالیٰ مقرونا بالنفقۃ واذا وجب

---

[1] جہاں تم خود رہو ان کو بھی رکھو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ [2] خاوند کے لئے ضروری ہے، کہ عورت کو علیحدہ مکان دے، جہاں مرد کے خاندان کا کوئی اور آدمی نہ ہو، ہاں اگر عورت

حقاً لها ليس له ان يشرك غيرها فيه لانها تتضرر به فانها لا تامن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع الا ان تختار لانها رضيت بانتقاص حقها انتهى واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ،

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دختر جوان بالغہ کا نکاح فقط اس کے اذن سے ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر بغیر اذن کسی ولی کے نکاح اس کا ہو جائے، تو درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ دختر بالغہ کا نکاح فقط اس دختر کے اذن سے صحیح اور درست ہے اور اذن باکرہ دختر کا یہی ہے، کہ جب اس سے اذن نکاح کا لیا جاوے، تو وہ بولے یا خاموش رہے، اس کا سکوت بھی اذن ہے، کسی ولی کا جبر اس پر درست نہیں، تمام فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

رقمہ الفقیر محمد حسین عفی عنہ، مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ

موافق مذہب حنفی کے نکاح درست ہے، بشرطیکہ کفو میں ہو، اور اگر غیر کفو میں ہو تو اس کے ولی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار باقی رہتا ہے۔

راقم سید ابو الحسن عفی عنہ

ھو الموفق:۔ موافق حدیث صحیح کے صورت مسئولہ میں اگر بغیر اذن ولی کے نکاح اس دختر جوان بالغہ کا ہو جائے، تو صحیح اور درست نہیں ہوگا۔ قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی۔ رواہ احمد والاربعۃ وصححہ ابن المدینی والترمذی وابن حبان واعلہ بالارسالہ وقال ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل الحدیث۔ اخرجہ الاربعۃ الا النسائی وصححہ ابن عوانۃ وابن حبان۔

دوسرے لوگوں میں رہنا پسند کرے، تو علیحدہ بات ہے، کیونکہ رہائش کے لئے مکان دینا، عورت کا نان ونفقہ کی طرح حق ہے، اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا، کیونکہ عورت کو تکلیف ہوگی، اس کا سامان محفوظ نہیں رہ سکے گا، اور عورت مرد آزادی سے وہاں نہ رہ سکیں گے ؂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، اور فرمایا جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے، احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے اسے روایت کیا ہے، ابن مدینی، ترمذی، ابن حبان نے

الحاکم کذا فی بلوغ المرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: حضرات علمائے کرام وفقہائے عظام صورت مسئولہ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، کہ بعض اہل سنت حنفی مذہب دستور ہے، کہ ناکح کی طرف سے ایک دستاویز اس مضمون کی لکھواتے ہیں، کہ اگر اس منکوحہ کے سوا دوسری عورت سے نکاح کرے، تو اس پر طلاق، اور یہی شرط نکاح خوانی کے وقت کی جاتی ہے، لہذا گذارش ہے، کہ صورت مسئولہ میں نکاح مذکور صحیح ہے یا فاسد، اور شرعاً یہ شرط جائز ہے یا ناجائز، ایفاء اس کا ناکح پر ضروری ہے یا نہیں، درصورت عدم جواز شرط مذکور حاکم وقت کو اس باب میں احتساب جائز ہے یا نہیں، جو کچھ اس باب میں حق حقیق ہو، بحوالہ ادلہ عقلیہ ونقلیہ حوالہ قلم فرما دیں، بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً۔ واضح ہو کہ اس مسئلہ میں دو امر ہیں، جو قابل بحث ہیں، اول اشتراط عدم نکاح دیگر، یعنی شرط اس بات کی کہ اس منکوحہ کی زندگی میں دوسری سے نکاح نہیں کروں گا، دوسرے تعلیق ویمین طلاق زوجہ آخر، یعنی اس عورت کے بعد دوسری سے نکاح کروں، تو اس کو طلاق ہے، پس اول ہر دو امر کا حکم معلوم کرنا ضروری ہے، تاکہ صورت مسئولہ کا حکم ظاہر ہو، تو واضح رہے، کہ ایسی شروط کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، کہ آیا ان کا وفا ضروری ہے یا نہیں، اور یہ شروط شرعاً معتبر وجائز ہیں یا نہیں۔ قال الخطابی الشروط فی النکاح مختلفۃ فمنہا ما یجب الوفاء بہ اتفاقاً وھو ما امر اللہ بہ من امساک بمعروف او تسریح باحسان ومنہا ما لا یوفی بہ اتفاقاً کسوال المرأۃ طلاق اختہا ومنہا ما اختلف فیہ کاشتراط ان لا یتزوج علیہا او لا یتسری او لا ینقلہا من منزلہا الی منزلہ۔ انتہی۔ اور

صحیح کہا ہے، کذا فی بلوغ المرام ۱۲

۱؎ نکاح میں شرائط مختلف ہیں، بعض وہ ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے، جیسا کہ یا بھلے طریقے سے اسے رکھے، یا اچھے طریقے سے اسے آزاد کر دے۔ اور بعض وہ ہیں جن کو بالاتفاق پورا کرنا منع ہے، مثلاً کوئی عورت اپنی سوکن کی طلاق کی شرط لگائے اور بعض ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے، مثلاً یہ کہ میرے بعد کسی اور عورت سے نکاح نہ کرنا یا فلاں مکان سے مجھ کو کسی اور مکان میں تبدیل نہ کرنا۔

ظاہر ہے، کہ جو لوگ ایسی شروط کے واجب الوفاء ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک یہ شروط شرعاً معتبر اور جائز ہیں، اور جو لوگ کہتے ہیں، کہ ایسی شرطیں وفا نہ کی جائیں، ان کے نزدیک یہ شروط ناجائز اور ساقط عن درجۃ الاعتبار ہیں، اور حنفیہ کا مذہب اس بارہ میں ان شروط کے جواز کا ہے، چنانچہ کتب فقہ سے ظاہر ہے۔ قال فی العالمگیریۃ رجل اراد ان یتزوج امراۃ فخافت المراۃ ان یخرجھا من ذلک البلد او خافت ان یتزوج علیھا فارادت التوثق بغیر یمین فالحیلۃ ان تزوجہ نفسھا علی مھر مسمی علی ان لا یخرجھا من البلدۃ فلھا تمام مھر مثلھا و یقر الزوج ان مھر مثلھا کذا لو کذا الشیٔ اکثر منھا مما یثقل علی الزوج و یشھد بذلک علی نفسہ انتھی۔ اور حضرت علی اور امام ثوری اور لیث اور دیگر جمہور علماء کا مذہب یہ ہے، کہ یہ شروط ناجائز اور غیر واجب الایفاء ہیں، دلیل ان لوگوں کی یہ حدیثیں ہیں۔ عن[1] عقبۃ بن عامر مرفوعا نھی ان تشترط المراۃ طلاق اختھا۔ عن عبد اللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل ان تنکح امراۃ بطلاق اخری۔ وعن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام بشر فقالت انی شرطت لزوجی ان لا اتزوج بعدہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا لا یصلح۔ وعن عائشۃ فی قصۃ بریرۃ مرفوعا ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط قضاء اللہ احق وکتاب اللہ اوثق۔ ومرفوعا المسلمون علی شروطھم الا شرطا احل حراما او حرم

[1] ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا اسے خوف ہوا، کہ میرے بعد کسی اور عورت سے نکاح نہ کرے، یا اس شہر سے باہر نہ لے جائے، تو وہ اس سے بغیر قسم کے وعدہ لینا چاہے، تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ یہ شرط کرے، کہ اگر شہر سے باہر لے جائے، تو میں اتنا حق مہر لوں گی، اور اگر نہ لے جائے تو مہر مثل ہوگا، اور مقررہ حق مہر اتنا مقرر کردے، کہ خاوند ادا نہ کر سکے۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کی شرط نہ کرے، اور فرمایا، یہ جائز نہیں ہے، کہ کوئی عورت دوسری عورت کی طلاق پر نکاح کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام بشر کو نکاح کا پیغام بھیجا، اس نے کہا۔ . . . . کہ میں نے اپنے متوفی خاوند سے شرط کی تھی، کہ میں اس کے بعد کسی اور آدمی سے نکاح نہ کروں گی، تو آپ نے فرمایا یہ درست نہیں ہے، اور بریرہ کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے، اگرچہ سو شرطیں ہوں، اللہ کا فیصلہ

حلالا۔ ان دلائل سے جمہور کہتے ہیں، کہ ایسی شروط ناجائز اور باطل ہیں، رہی یہ بات کہ در صورت فساد اس شرط کے نکاح فاسد ہوگا یا صحیح تو حنفیہ اور بہت سے دیگر علماء کا مذہب اس بارہ میں یہ ہے، کہ شرط فاسد نکاح کی صحت و فساد میں مؤثر نہیں ہوتی بلکہ خود ساقط ہوجاتی ہے، چنانچہ کتب فقہ سے ظاہر ہے۔ قال فی الهدایة بل یبطل الاستثناء لان هذه العقود لا یبطل بالعقود الفاسدة۔ ذکره بعد ذکر الهبة والنکاح والخلع والصدقة۔ ہاں شافعی کے ایک قول میں نکاح نہیں ہوگا۔ قال العلامة الشوکانی فلا یجب الوفاء بشیئ من ذلك ویصح النکاح وفی قول للشافعی یبطل۔ باقی رہی تعلیق یمین طلاق تو اس میں بھی اختلاف ہے، کہ آیا یہ طلاق واقع ہوجاوے گی یا نہیں، تو حنفیہ کا مذہب یہ ہے، کہ جب دوسری عورت سے نکاح کرے گا، اس کو طلاق واقع ہوجاوے گی، کیونکہ اضافت طلاق کی نکاح کی طرف کر کے تعلیق کی ہے، چنانچہ کتب فقہ مثل ہدایہ اور شرح وقایہ اور عالمگیریہ سے ظاہر ہے اور شافعیہ اور جمہور صحابہ اور محدثین کا مذہب یہ ہے، کہ طلاق نہیں پڑے گی، قال العلامة الشوکانی واما التعلیق وهو ان یقول ان تزوجت فلانة فهی طالق فذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم الی انه لا یقع انتهی۔ دلیل ان لوگوں کی یہ حدیث ہے۔ عن المسور بن مخرمة مرفوعا لا طلاق قبل نکاح اور در صورت ناجائز ہونے اس شرط کے احتساب حاکم کو ضروری ہے۔ عن ابی سعید مرفوعا من رای منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه الحدیث مسلم الحاصل حنفیہ کے نزدیک یہ شرط جائز ہے، اور صورت مسئولہ میں نکاح ثانی کرنے سے

حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سب سے زیادہ معتبر ہے، اور فرمایا مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہیں گے مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے ۱؎ استثناء باطل ہوجائے گا، کیونکہ معاملات فاسد شرائط سے باطل نہیں ہوتے ۲؎ ان شرائط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہوگا، اور نکاح صحیح ہوجائے گا امام شافعی کے ایک قول کے مطابق نکاح باطل ہوجائے گا ۳؎ کسی شرط سے معلق کرنا، مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں، تو اس کو طلاق ہے، جمہور صحابہ و تابعین اور پچھلے علماء کا مذہب یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی ۴؎ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے ۵؎ جو آدمی تم میں سے کوئی برائی دیکھے، تو اس کو اپنی طاقت سے روکے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے، الحدیث (مسلم)

طلاق پڑ جاوے گی، اور حسب مذہب راجح من حیث الدلیل یہ شرط ناجائز ہے، اور اس کی وفا ضروری نہیں، اور صورت مسئولہ میں نکاح ثانی کرنے سے زوجہ ثانیہ کو طلاق نہیں پڑے گی، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو یحیی محمد الشاہجہانپوری ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۱۵ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے شرع متین و فقہائے مجتہدین رحمہم اللہ تعالی اندرینکہ ہر خاص و عوام بلاد چاٹگام برائے زن خود بکابین نامہ شش بدیں نمط مبین بالطلاق نوشیانیدہ دادہ و اقرار لسانی ساختہ بر خود مؤکد نمودند کہ بے اذن بی بی موصوفہ برائے را اگر نکاح کنم اگرچہ آن نکاح بطور فضولی باشد، بر وسہ طلاق واقع خواہد شد بعدہ ہر کرا تزویج زن دیگر ضرورت رو دہد آن کس از زن محلوف علیہا اذن حاصل نمودہ او را طلاق بائن یا سہ طلاق دادہ اگر زن ثانیہ را نکاح دہے در آرد پس درین صورت بر منکوحہ ثانیہ او تعلیق بہ طلاق واقع گردد یا نہ، بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرا کافیا۔

الجواب بالحق والصواب۔ کہ در صورت مسئولہ از تحقیق و تفتیش دو قول دیدہ می شود، قول اول این کہ بر عدم حنث یمین اسے عدم وقوع تعلیق بالطلاق بر منکوحہ ثانیہ دلالت می کند، چنانکہ ازین قول در فتوی سراجیہ مذکور است کہ قال رجل لامرأتہ اگر بے دستوری تو زن خواہم بار گیزک خرم فہی طالق ادحرۃ فابانہا ثم تزوج امرأۃ او اشتری جاریۃ لم یحنث انتہی وبر وفق قول ثانی کہ آن را صاحب فقیہا زبرہان

سوال

چاٹگام وغیرہ علاقوں میں یہ رواج عام ہے، کہ نکاح کے وقت خاوند سے باین الفاظ حلف نامہ تحریر کروا لیتے ہیں، کہ اگر میں نے اپنی اس زوجہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسری عورت سے نکاح کیا، تو اسے طلاق دیتا ہوں، تو کیا اس کے بعد اگر مجبوری اور لابدی حالات میں کسی عورت سے نکاح کرے، تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب

تحقیق اور جستجو کے بعد معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسئلہ میں فقہائے کرام کے دو قول ہیں، اول یہ کہ طلاق واقع ہو جائے گی، جیسا کہ صاحب محیط اور علامہ شامی نے فتح القدیر شرح ہدایہ سے نقل کیا ہے دوسرے یہ کہ طلاق واقع نہیں ہو گی، اور نہ وہ آدمی اپنی قسم میں حانث ہو گا، مگر قول اول راجح ہے،

صاحب محیط و علامہ شامی رحمہم اللہ تعالیٰ از فتح القدیر و ذخیرہ نقل کردہ اند بر زن ثانیہ آں کس تعلیق مندرج بسہ طلاق واقع خواہد شد زیرا کہ یمین زید بقاء نکاح مقید نیست و گردن بر ولایۃ امر و نہی در عقد نکاح مستفاد شدے، پس یمین آن کس نیز بابقاء نکاح مقید شدے اما اگر لفظ اذن سوئے زوج راجع شدے ہاے اگر آں کس چنین حلف نمودے کہ امراۃ او بغیر اذن آں کس از خانہ بیرون شود، البتہ دریں صورت تا وقت قیام نکاح مقید شدے زیرا کہ زوج در عقد ولایت دستورے و منع خروج از خانہ می دارد ہم واضح می شود کہ ایں قول بر قول سراجیہ بدو وجہ استحقاق تقدیم و ترجیح می دارد، وجہ اول این کہ قول منقولہ صاحب قنیہ و علامہ ابن عابدین رحمہما اللہ تعالیٰ با تعلیل واضحہ و وجوہ قویہ مرقوم اند و قول سراجیہ از ذکر تعلیل و تصحیح اصلا معرا است، و ہر گاہ کہ بمیں دو قول در یک حادثہ یافتہ شود، پس دریں صورت تعلیل برائے معلل ترجیح خواہد یافت، و وجہ ثانی ایں کہ سراجیہ از کتب فتاوی است و فتح القدیر شرح ہدایہ است، پس اگر در یک حادثہ چنین دو قول متعارض شود یعنی یکے در فتاوی و دیگر برعکس وے در شرح پس دریں صورت قول شرح بر فتاوی مقدم خواہد شد، لہٰذا عمل و افتا بریں قول ثانی سزاوار قرار یافت کما فی القنیۃ فی باب الیمین علی فعل یضاف بجہۃ الملک او غیرہ عن برہان صاحب محیط) قال لہا ان تزوجت امراۃ بغیر اذنک فہی طالق ثم طلق المخاطبۃ و تزوج باخری بغیر اذنہا تطلق بخلاف

اس لئے کہ صاحب قنیہ اور علامہ ابن عابدین (شامی) نے اسے مدلل طور پر لکھا ہے، اس کے بالمقابل فتاوے سراجیہ کے مؤلف نے تعلیل و ترجیح کی کوئی وجہ بیان نہیں کی ہے جب یہ صورت حال ہو تو بہر حال ترجیح اس قول کو دی جائے گی، جو تعلیل و تصحیح کے ساتھ مذکور ہوگا، نیز سراجیہ ایک فتوے کی کتاب ہے، اور فتح القدیر ہدایہ کی شرح ہے، اور اصول کے مطابق شرح کو فتاوے پر ترجیح حاصل ہوتی ہے لہٰذا پہلے قول پر فتوے دیا جائے گا، اور کہا جائے گا، کہ خلاف ورزی کی صورت میں اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، جیسا کہ قنیہ باب الیمین الخ میں ہے

ما اذا قال ان خرجت من الدار الا باذنی فانہ تقیید بحال قیام النکاح والفرق ان للرجل ولایۃ المنع لامرأتہ فیتقید یمینہ بحال قیام ولایتہ ولیس للمرأۃ ولایۃ الاذن والمنع من التزوج فکان الیمین مطلقہ بالطلاق اللفظ انتہی ونقل الشامی رحمہ اللہ تعالی فی رد المحتار فی آخر باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک نقلا عن فتح القدیر وذخیرۃ فی تحت قولہ لو حلف لا تخرج امرأتہ الا باذنہ تقیید بحال قیام الزوجیۃ بخلاف لا تخرج امرأتہ من الدار لعدم دلالۃ التقیید لانہ لم یذکر الاذن فلا موجب لتقییدہ بزمان الولایۃ فی الاذن و علی ہذا لو قال لامرأتہ کل امرأۃ اتزوجہا بغیر اذنک فطالق فطلق امرأتہ طلاقا بائنا او ثلاثا ثم تزوج بغیر اذنہا طلقت لانہ لم تقید بیمینہ ببقاء النکاح لانہا انما تقید بہ لو کانت المرأۃ یقید ولایۃ الاذن والمنع بعقد النکاح اہ فتح ای بخلاف الزوج فانہ یقید ولایۃ الاذن بالعقد وکذا رب الدین کما فی الذخیرۃ وما قیل من ان الاضافۃ فی قولہ (امرأتی) تدل علی التقیید لانہا بعد العدۃ لو تبق امرأتہ مدفوع بان الاضافۃ لا للتقیید بل للتعریف کما قالوا فی قولہ ان قبلت امرأتی فلانۃ فعبدی حر فقبلہا بعد البینونۃ یحنث فافہم وانظر ما قدمناہ فی التعلیق من کتاب الطلاق انتہی وایضا فی رد المحتار فی المطلب

• اگر خاوند یہ کہہ دے، کہ تیری (یعنی بیوی کی) اجازت کے بغیر میں جس عورت سے بھی نکاح کروں گا اسے طلاق ہے اور پھر پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری سے نکاح کرے تو اسے بھی طلاق واقع ہو جائے گی، بخلاف اس کے اگر یہ کہہ دے، کہ اگر تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی، تو تجھے طلاق ہے، کیونکہ خاوند کو روکنے کا حق ہے"
رد المختار میں علامہ شامی نے
یہ دونوں صورتیں بالتفصیل
بیان کی ہیں، نیز
رد المختار

رسم المفتی) ولکن الو عللوا احد هما دون الاخرکان التعلیل ترجیحاللمعلل کما افادہ الرملی فی فتاواہ من کتاب الغصب انتھی، ودر جلد رابع من رد المحتار مذکور است۔ اذا تعارض مافی المتون والفتاوی فالمعتمد مافی المتون کمافی انفع الوسائل وکذا یقدم مافی الشروح علی مافی الفتاوی انتھی۔ وہم مخفی مبادا ین کہ از روایات قنیہ وفتح القدیر وذخیرہ بحسن وجہ معلوم میشود کہ این روایات نزد علماء ثلاث مارحمہم اللہ تعالی متفق علیہ اند وصاحب قنیہ وصاحب فتح القدیر وصاحب ذخیرہ از محققین علمائے متاخرین وفقہائے متبحرین اند ایشان در تحقیق مقام تدقیق جہد بلیغ نمودہ اند اگر نزد آن مبلیین درین مسئلہ اختلاف علمائے متقدمین وفقہائے متقدمین ثابت شدے، البتہ آن را درذیل ایں قول تحریر فرمودے، چنانچہ صاحب قنیہ پس وپیش قول برہان صاحب محیط دو مسئلہ دیگر کہ دراں ہر دو مسئلہ میان امام اول وثانی وثالث اختلاف ظاہر است نقل کردہ است وہر گاہ روایتے کہ درماقبل روایت برہان ذکر نمودہ است، نقلا عن (المعز) حلف لا ید خل دار فلان ھذہ فباع فلان دارہ ثم دخلھا لو یحنث عندھما خلافا لمحمد الی قولہ انتھی۔ ومسئلہ کہ در پس روایت برہان صاحب محیط مع اختلاف میان صاحبین موجود است این ست (الاظھر مرغینانی) عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی سلطان حلف رجلان لا یخرج من مسجد الا باذنہ ثم عزل السلطان سقط الیمین

مطلب رسم المفتی میں ہے، اگر فقہاء ایک قول کی تعلیل وترجیح بیان کریں، اور دوسرے قول کو بلاتعلیل وترجیح بیان کریں، تو معلل کو ترجیح ہو گی جیسا کہ آملی نے فتاوٰے میں نقل کیا ہے، نیز اسی رد المحتار جلد رابع میں ہے، کہ جب متون اور فتاوے میں تعارض آجائے تو ترجیح متون کو دی جائے گی جیسے کہ النفع الوسائل میں ہے، اسی طرح شروح کو فتاوے پر تقدم حاصل ہوگا، اور پھر صاحب قنیہ اور ابن الہمام

ولو اعید فی عملہ لا یعود و کذا الو تزوج بعد الا بانتہ لو مات لا یسقط عن محمد رحمہ اللہ تعالی حلف الوالی رجلا لیخبرنہ بمن یحمل ھذا الطعام فعرف الاخذ فلم یخبرہ حتی عزل حنث الخ انتہی و ہرگاہ کہ روایات برہان صاحب محیط کہ در قنیہ منقول است و فتح القدیر و ذخیرہ از وجود اختلاف میان علمائے متقدمین خیر الزمان و فقہا متاخرین سلف الدوران رحمہم الرحمن معراد مبرا شدن دیدہ شد، و نیز آں ہمہ روایات بہ باعث تعلیل و فتح القدیر بسبب یکے از کتب شروح است، لہذا استحقاق تقدیم بر سراجیہ کہ یکے از کتب فتاوی است بخوبی ثابت شد پس بلا شک و شبہ در صورت مسئولہ منکوحہ زید مطلقہ بسہ طلاق کہ تعلیق اہم بسہ طلاق است خواہد شد۔ ھذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم احقر العباد محمد عبد الباری غفر لہ ولوالدیہ یوم التناد

جواب ثانی۔ بر ماہرین شریعت مخفی مباد کہ شرط مذکور فی السوال ہیچکے فرد وقوع طلاق اثرے نپذیرد زیراکہ این شرط لغو و باطل مخالف کتاب و سنت است۔ قال اللہ تعالی الرجال قوامون علی النساء۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل۔ پس ایں شرط کہ بدون اذن بی بی موصوفہ ہر زنے را کہ نکاح کنم بروسہ طلاق واقع خواہد شد لغو و باطل است بدلیل مذکور، و در ینجا حدیث دیگر بر عدم وقوع طلاق دلیل اقوی است۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ

صاحب فتح القدیر علمائے محققین میں سے ہیں اور علمائے متاخرین میں تحقیق اور تدقیق کے اعتبار سے ایک خاص امتیاز کے حامل ہیں۔ واللہ اعلم

صلی اللہ علیہ وسلم لا طلاق الا بعد نکاح ولا عتق الا بعد ملک، رواہ ابو یعلی و
صححہ الحاکم قال صاحب سبل السلام تحت حدیث المذکور والحدیث دلیل
علی انہ لا یقع الطلاق علی المرأۃ الاجنبیۃ فان کان متنجبرا فاجماع وان کان
تعلیقا بالنکاح کان یقول ان نکحت فلانۃ فھی طالق ففیہ ثلاثۃ اقوال الاول
لا یقع مطلقا وھو قول الھدویۃ والشافعیۃ واحمد وداؤد واخرین ورواہ البخاری
عن اثنین وعشرین صحابیا ودلیل ھذا القول حدیث الباب وان کان فیہ
مقال من قبل الاسناد فھو متاید بکثرۃ الطرق وما احسن ما قال ابن عباس
قال اللہ تعالی یا ایھا الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن ولم یقل اذا
طلقتموھن ثم نکحتموھن وبانہ اذا قال المطلق ان تزوجت فلانۃ فھی طالق
مطلق لاجنبیۃ فانھا حین انشاء الطلاق اجنبیۃ والمتجدد ھو نکاحھا فھو لو کما
قال لاجنبیۃ ان دخلت الدار فانت طالق فدخلت وھی زوجتہ لم تطلق
اجماعا انتہی مختصرا ما فی سبل السلام۔ وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن
جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نذر لابن ادم فیما لا یملک
لا عتق لہ فیما لا یملک ولا طلاق لہ فیما لا یملک اخرجہ ابوداؤد والترمذی ونقل
عن البخاری انہ اصح ما ورد فیہ انتہی۔ پس این ہر دو حدیث اقوی ترین دلیل است

بر عدم وقوع طلاق کما لا یخفی علی الماہر وترد امام محمد رحمہ اللہ تعالی نیز در تعلیق طلاق بنکاح امرأۃ اجنبیہ طلاق نمی افتد و بر قول امام موصوف ائمہ خوارزم نیز فتوی دادہ اند چنانچہ در درالمختار مذکور است وقول ائمہ مجتہدین کہ دلیلش معلوم نیست بمقابلہ حدیث کے حجت تواند شد بل ترکش واجب چنانچہ ملا علی قاری در کتاب تزیین العبارۃ خویش قول امام اعظم نقل فرمودہ اند والحال ان امامنا الاعظم قال لا یحل لاحد ان یاخذ بقولنا مالم یعرف ماخذہ من الکتاب والسنۃ او الاجماع الامۃ او القیاس الجلی فی المسالۃ انتھی بالجملہ شرط مذکور لغو و باطل است بدین شرط مطلق طلاق نخواہد افتاد واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح مسماۃ کبری سے اس شرط پر ٹھہرا کہ مسماۃ کبری کی حیات میں دوسرا نکاح نہ کروں گا، اگر کروں، تو جس عورت سے نکاح کروں، وہ مطلقہ مغلظہ شمار ہو، چنانچہ قبل نکاح مسمی زید نے مسماۃ کبری کے حق میں ایک اقرار نامہ بایں الفاظ لکھ دیا کہ زمانہ حال میں اکثر ناعاقبت اندیش متعدد نکاح کرتے ہیں، جو باعث اذیت ہوتے ہیں، میں اقرار کرتا ہوں، کہ میں تاحیات مسماۃ کبری کوئی عقد نکاح نہ کروں گا، اور نہ کسی اور کے کئے ہوئے عقد کو اپنے لئے جائز رکھوں گا، سوائے مسماۃ مذکورہ کے اگر کوئی عورت میرے نکاح میں داخل ہو، تو وہ میری طرف سے مطلقہ مغلظہ شمار ہو گی، اور میں قصور شرعی اور قانون کے مواخذہ کا پابند ہوں گا۔ اس اقرار نامہ کی تحریر کے بعد مسماۃ کبری کا نکاح مسمی زید سے ہو گیا، اگر زید اس شرط مندرجہ بالا کی پابندی اپنے اوپر لازم نہ گردانتا، تو مسماۃ مذکورہ کا نکاح زید سے نہ ہوتا، مسمی زید نے اس نکاح سے کئی برس بعد مسماۃ کبری کی حیات میں خلاف مرضی مسماۃ کبری کے مسماۃ ہندہ سے نکاح کر لیا، تو زید کا یہ نکاح ثانی مسماۃ ہندہ سے

اس صورت متذکرہ بالا میں جائز ہے یا نہیں، اور مسماۃ ہندہ مسمی زید کی طرف سے فوراً مطلقہ مغلظہ ہوگئی یا نہیں، اور مسماۃ ہندہ کسی قدر مہر کی مستحق ہوگی یا نہیں، اور ہوگی تو کس قدر ؟

(۲) زید نے بعد نکاح مندرجہ بالا کے ہندہ کے نام حسب ذیل طلاق نامہ لکھ دیا کہ میں نے شرعی احکام کے بموجب آپ کو شرعی طلاق دی، اس لئے شرعی الفاظ ادا کرتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق تو اس تحریر کا کیا اثر ہوگا۔

(۳) ان تمام حالات میں اگر زید مسماۃ ہندہ سے رجوع کرے، تو رجوع کرنا جائز ہوگا یا نہیں، جو لوگ باوجود علم اس رجوع کرانے میں ساعی ہوں، ان کی نسبت عند الشرع کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے، کہ زید نے مسماۃ کبری سے جو اس شرط پر نکاح کیا ہے، کہ مسماۃ کبری کی حیات میں دوسرا نکاح نہیں کروں گا، سو یہ شرط واجب الایفاء نہیں ہے، نیل الاوطار صفحہ ۵۵ جلد ۶ میں ہے۔ واخرج الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام مبشر بنت البراء بن معرور فقالت انی شرطت لزوجی ان لا اتزوج بعدہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا لا یصلح[1]۔ اور زید نے جو یہ تعلیق کی ہے، کہ اگر دوسرا نکاح کروں، تو جس عورت سے نکاح کروں وہ مطلقہ مغلظہ شمار ہو، سو یہ تعلیق بے کار و لغو ہے، پس زید کا یہ نکاح ثانی مسماۃ ہندہ سے جائز ہے، اور مسماۃ ہندہ زید کی طرف سے فوراً مطلقہ نہیں ہوئی، اور یہی جمہور صحابہ و تابعین و من بعدہم کا مذہب ہے، منتقی میں ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[2] لا نذر لابن آدم فیما لا یملك ولا عتق لہ فیما لا یملك ولا طلاق لہ فیما لا یملك رواہ احمد والترمذی وقال حدیث حسن وھو احسن شئ روی فی ھذا الباب وابوداؤد وقال فیہ ولا وفاء نذر الا فیما یملك ولابن ماجۃ منہ لا طلاق فیما لا یملك وعن

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مبشر بنت براء بن معرور سے خطبہ کیا اس نے کہا میں نے اپنے خاوند سے شرط کر لی تھی کہ تیرے بعد کوئی نکاح نہ کروں گی تو آپ نے فرمایا یہ شرط صحیح نہیں ہے (طبرانی صغیر)

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم جس چیز کا مالک نہیں ہے اس میں اس کی نذر نہیں، جس چیز کا مالک نہیں اس کو آزاد نہیں کر سکتا، جس کا مالک نہیں اس کو طلاق نہیں دے سکتا، اور آپ نے فرمایا، نکاح سے پہلے طلاق نہیں

المسور بن مخرمة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا طلاق قبل نکاح ولا عتق قبل ملك رواہ ابن ماجہ۔ نیل الاوطار صفحہ ۱۶۷ جلد ۶ میں ہے۔ واما التعلیق نحو ان یقول ان تزوجت فلانة فھی طالق فذھب جمھور الصحابة والتابعین ومن بعدھم الی انہ لا یقع انتھی۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ اس تحریر کا اثر جمہور اہل علم کے نزدیک یہ ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع ہو گئی، رہی یہ بات کہ تین طلاق واقع ہوئی یا ایک، سو حدیث ابن عباس کی رو سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، صحیح مسلم میں ہے۔ عن[2] ابن عباس قال کان الطلاق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر الثلاث واحدة الحدیث۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ حدیث ابن عباس مذکور کی رو سے زید مساۃ ہندہ سے رجوع کرنا چاہے، تو رجوع جائز ہے، اور جو لوگ موافق حدیث مذکور کے رجوع کرانے میں ساعی ہیں، وہ ایک امر جائز میں ساعی ہیں، ان پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ موطوءۃ الابن سے اگر والد جبراً وطی کرے، تو کیا وہ ابن پر حرام ہو جاتی ہے یا نہیں اب ابن کو اس سے وطی کرنا جائز ہے یا نہیں، اور کسی صورت سے اس کو ابن کے گھر میں رہنا جائز ہے یا نہیں، اور اگر جائز نہیں ہے، تو اس کا نکاح اول فسخ سمجھا جاوے گا یا ضرورت طلاق کی ہو گی، فقط بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہو الموفق بصورت مرقومہ جب زید نے اپنی بہو سے جبراً وطی کی

ہے اور ملک سے پہلے آزادی نہیں ہے (منتقی، ترمذی، احمد)

سلہ اور تعلیق جیسے یوں کہے، کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں، تو اس کو طلاق ہے، جمہور صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا قول ہے، کہ اس صورت میں طلاق واقع نہ ہو گی (نیل الاوطار ص ۱۶۷ ج ۲)

[2] ابن عباس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کی خلافت کے دو سال تک یہی دستور تھا کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں (مسلم)

تو اس صورت میں وہ اپنے خاوند کے نکاح سے باہر ہوگئی کما قال اللہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے یوں تحریر کیا ہے ای ما وطی اباؤکم وطی حرام ہو، خواہ حلال۔ الصھوریۃ تثبت بالعقد الجائز وبالوطی حلالا کان او عن شبھۃ او زنا۔ قاضی خان۔ فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت وکذا تحرم المزنی بھا علی اباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا کذا فی فتح القدیر۔ اور نیز نکاح سے باہر ہو جانے کے بعد کسی صورت سے اس کو اپنے خاوند کے گھر رہنا جائز نہیں، کیونکہ حرمت مصاہرت مؤیدہ ہوتی ہے یعنی کوئی زمانہ اس کے لئے شوہر سے حلت کا ثابت نہیں ہوتا۔ حرمۃ النکاح علی نوعین مؤبدۃ و غیر مؤبدۃ فالمؤبدۃ تثبت بالنسب والرضاع والصھوریۃ۔ قاضی خان۔ اور طلاق کے لئے تحقق نکاح ضروری ہے اس صورت میں جب نکاح جاتا رہا، تو طلاق کی کچھ ضرورت نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ حبیب احمد دہلوی، صح الجواب عبد الجلیل عفی عنہ

ھو الموفق: مسئلہ مرقومہ میں واضح ہو کہ جب موطوءۃ الابن سے والد نے جبراً وطی کی، تو اس سے وہ ابن پر حرام نہ ہوئی، اور نہ اس کا نکاح فسخ ہوا بلکہ وہ ابن کے نکاح میں علی حالہا باقی ہے ہاں والد اس حرامکاری سے سخت گنہگار ہوا لیکن اس کی حرامکاری کی وجہ سے موطوءۃ الابن، ابن پر حرام نہیں ہوئی، اس واسطے کہ آیت ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم میں نکاح سے مراد نکاح شرعی ہے، نہ مجرد وطی، حلال ہو خواہ حرام، اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وحجتھم ای حجۃ الجمھور ان النکاح فی الشرع انما یطلق علی المعقود علیھا لا علی مجرد الوطی انتہی ونیز حدیث مرفوع لا یحرم الحرام الحلال اخرجہ الدارقطنی والطبرانی عن عائشۃ وابن ماجہ

---

[1] جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو تم ان سے نکاح نہ کرو، [2] جن سے تمہارے باپوں نے صحبت کی ہو [3] دامادی ثابت ہو جاتی ہے، جائز نکاح سے بھی اور صحبت سے بھی، خواہ صحبت حلال ہو یا مشتبہ یا زنا سے، اگر کوئی کسی عورت سے زنا کرے، تو اس پر اس کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی، اگرچہ کتنی پشتوں تک ہو، اور اسی طرح زانیہ عورت زانی کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی اگرچہ کتنی پشتیں کیوں نہ ہوں، [4] نکاح کی حرمت دو قسم ہے، ہمیشہ کی اور وقتی سو ہمیشہ کی حرمت نسب، رضاعت اور دامادی کی وجہ سے ہوتی ہے [5] جمہور کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں نکاح عقد کا نام ہے نہ کہ مطلق وطی کا، نیز مرفوع حدیث

عن ابن عمر رضؓ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، کہ صورت مسئولہ میں موطوءۃ الابن ابن کے نکاح سے باہر نہیں ہوئی، بلکہ اس کے نکاح میں باقی ہے، واللہ اعلم بالصواب،

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ، سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی خوشدامن سے زنا کیا، اب اس کی زوجہ اس پر حرام ہوئی یا نہیں، اگر حرام ہوئی، تو نکاح باطل ہوا یا فاسد یعنی طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں، پھر کسی صورت سے زید اپنی زوجہ مذکورہ کو نکاح میں لا سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واللہ الموفق للصواب، صورت مرقومہ میں زید کی زوجہ زید پر حرام نہیں ہوئی، کیونکہ کتاب اللہ سے منکوحہ کی فرع کی حرمت ثابت ہوتی ہے، نہ مزنیہ کی فرع کی، اثر ابن عباس فی رجل غشی ام امرأتہ قال تخطی حرمتین لا تحرم علیہ امرأتہ داسنادہ صحیح[1] اور اثر حضرت علی رضؓ لا یحرم الحرام الحلال[2] اس کا مؤید ہے،

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر۔ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنے لڑکے کی بیوی سے جبراً زنا کیا، آیا اب وہ عورت اپنے خاوند کے نکاح میں رہی، یا نہیں، اور وہ عورت خاوند سے کس قدر مہر لینے کی مستحق ہوگی، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ حنابلہ اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک وہ عورت اپنے خاوند کے نکاح سے نکل گئی، اور اس کو مہر مثل دینا پڑے گا، اور مہر مثل کے معنی یہ ہیں، کہ اس عورت کی ہم جنس عورتوں میں جس قدر کم سے کم مہر کا رواج ہو، دلوایا جاوے، لیکن شافعیہ اور اہلحدیث کے نزدیک وہ عورت اپنے خاوند کے نکاح سے باہر نہیں ہوئی، صرف زنا کرنے والے پر گناہ ہوا، اور اس عورت کا گناہ کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مجبور تھی، اور حرام کام کرنے سے حلال چیز حرام نہیں ہو جاتی، جیسا کہ دارقطنی میں آیا ہے۔ عن[3] عائشۃ قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل زنی بامرأۃ فاراد ان یتزوجھا او ابنتھا

---

[1] جس آدمی نے اپنی بیوی کی ماں سے زنا کیا، اس کے متعلق ابن عباس نے فرمایا کہ اس نے دو حرمتوں کو پامال کیا لیکن اس کی عورت اس پر حرام نہ ہوئی، [2] حرام چیز حلال کو حرام نہیں کرتی [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا، جو کسی عورت سے زنا کرے، اور پھر اس سے نکاح کرلے یا اس

فقال لا یحرم الحرام الحلال۔ لیکن اس حدیث کی صحت میں کچھ کلام بھی ہے، اور اصل استدلال خصوم کا آیت کریمہ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء سے ہے لیکن اس میں لفظ نکاح مبحوث فیہ ہے اگر نکاح وطی کے معنوں میں حقیقت اور عقد کے معنوں میں مجاز ہے، تب تو استدلال حرمت مصاہرت بالزنا کا ٹھیک ہے اور اگر عقد میں حقیقت ہے، تب تحریم موطؤۃ بالزنا میں کلام ہوگا لیکن اس میں شک نہیں ہے، کہ حقیقت اور مجاز دونوں ایک وقت میں مراد نہیں ہو سکتے، اور دلائل صحیحہ محکمہ اس بات کی مقتضی ہیں، کہ نکاح عقد میں حقیقت ہے، اور اس کی مزید تحقیق تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۲ میں ہے، تو خلاصہ یہ ہوا کہ بمقتضائے مذہب شافعیہ و اہلحدیث وہ عورت اپنے خاوند کے نکاح سے باہر نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الراقم ابو اسمٰعیل یوسف حسین عفی عنہ الجواب صحیح۔ محمد بشیر عفی عنہ

الجواب صحیح:۔ خلیل الرحمٰن من اجاب فقد اصاب احمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کہ عمرو اہل سنت والجماعت کا نکاح، ہندہ طوائف اہل سنت والجماعت سے بعد طلاقات زید شیعہ کے کہ پدر عمرو موصوف کا ہے، ہندہ مذکورہ سے درست وجائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ علمائے دین و ماہرین شریعت پر مخفی نہیں، کہ فریقین مسئلہ مسئول عنہا میں آیت کریمہ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء سے متمسک ہوا ہوئے ہیں، فریق اول یعنی علمائے مذہب حنفی۔ کے نزدیک اس آیت میں مراد اس سے وطی ہے، یعنی وطی مت کرو ان عورتوں سے جن سے وطی کی تمہارے باپ دادا نے اور وطی عام ہے بالعقد ہو یا بالزنا۔ اسی بنا پر حرمت مصاہرت کے قائل ہوئے ہیں، تو اس صورت میں نکاح مزنیہ پدر سے پسر کا ان کے نزدیک حرام ہے، رہا نہیں لیکن یہ قول ان کا جامع نہیں ہے، چنانچہ بیان اس کا آوے گا، اور نزدیک ابن عباس

کی بیٹی سے نکاح کرے، تو آپ نے فرمایا، حرام حلال کو حرام نہیں کر سکتا ۱۲ ۔ ؎ جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرو۔

وجمہور مفسرین وعلماء وامام شافعی کے مراد نکاح سے آیت کریمہ میں عقد ہے یعنی عقد مت کرو ان عورتوں سے کہ جن سے نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے، یہ قول جامع ہے، کیونکہ شان نزول اس کا منہی عنہ عقد نکاح میں ہے نہ وطی حرام میں، بنابراں اس کے حرمت مصاہرت کے یہ لوگ قائل نہیں۔ کما لا یخفی علی الماہر بمذاہب العلماء منہا النکاح للوطی وحمل علیہ قولہ تعالی ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء انتہی ما فی الاشباہ والنظائر سید حموی حنفی نے غمز عیون البصائر میں قول صاحب اشباہ کا مسلم نہ کیا عبارتہ ھکذا۔ قولہ منہا النکاح للوطی وعلیہ حمل قولہ تعالی ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء اقول ھذا مختار صاحب المنار تبعا لفخر الاسلام ولکن عامۃ المشائخ وجمہور المفسرین علی ان النکاح المذکور فی ایۃ العقد انتہی ما فی غمز عیون البصائر قولہ تعالی ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم قال ابن عباس وجمہور المفسرین کانوا اھل الجاھلیۃ یتزوجون بازواج اباءھم فنھوا عن ذلک ناظر الشافعی محمد بن الحسن فوقع ختم الکلام علی قول الشافعی وطی حمدت بہ وطی رحمت بہ فکیف یتشابہان انتہی ما فی التفسیر النیشاپوری مختصرا وھکذا فی الکبیر۔ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء کان اھل الجاھلیۃ ینکحون ازواج اباءھم قال الاشعث بن سوار توفی ابو قیس وکان صالح الانصار فخطب ابنہ امراۃ ابیہ فقالت انی اتخذک ولدا وانت صالح قومک ولکنی اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استامرہ فاتتہ فاخبرتہ فانزل اللہ تعالی ولا تنکحوا ما

---

[1] جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرو۔ [2] اور ایک ان میں سے نکاح ہے، وطی کے لئے اور اللہ تعالی کے قول "اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا" میں کہتا ہوں یہ نکاح کا معنی وطی صاحب منار نے فخر الاسلام کی متابعت میں اختیار کئے ہیں ورنہ جمہور مفسرین اور عام مشائخ نکاح کا معنی عقد ہی کرتے ہیں، ابن عباس اور جمہور مفسرین نے کہا کہ جاہلیت کے زمانہ میں اپنے باپوں کی بیویوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے، سو ان کو اس سے روک دیا گیا، امام شافعی نے امام محمد سے اسی نکاح کے معنی پر مناظرہ کیا، بالآخر امام شافعی کامیاب رہے (یعنی نکاح کا معنی وطی نہیں بلکہ عقد ہے) ابو قیس فوت ہو گیا یہ انصار میں سے بڑا نیک آدمی تھا اس کے بیٹے نے اپنے باپ کی بیوی کو شادی کا پیغام دیا، اس نے کہا میں تجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں، تو اپنی قوم کا ایک نیک لڑکا ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ

نکح اباؤکم من النساء انتہی ما فی معالم التنزیل ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم کان نکاح زوجات الآباء معمولا بہ فی الجاھلیۃ من النساء بیان ما انتہی ما فی جامع البیان للشیخ السید معین الدین بن الشیخ السید صفی رحمۃ اللہ علیہ وفی الصحاح اصل النکاح العقد ثم استعیر للجماع ومحال ان یکون فی الاصل للجماع ثم استعیر للعقد لان اسماء الجماع کلہا کنایات لاستقباحھم ذکرہ کما استقباحہم تعاطیہ ومحال ان یستعیر من لا یقصد فحشا اسم ما یستقبحوا دیما یستحسنونہ قال اللہ تعالیٰ وانکحوا الایامی الی غیر ذلک من الآیات والصحیح عندی ان المراد بالنکاح فی ھذہ الآیۃ العقد دون الجماع لاجماع علی ان منکوحۃ الاب الشئ وقع علیہا عقد النکاح ولم یطاھا تحرم علی الابن لاخلاف فی ذلک وثبوت حرمۃ المصاھرۃ بالزنا مختلف فیہ فحمل الآیۃ علی معنی یوجب حکما مجمعا علیہ اولیٰ من خلاف ذلک انتہی ما فی التفسیر المظہری للقاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ، اب واضح ہو کہ قاضی صاحب علیہ الرحمۃ نے بدلیل مسئلہ مجمع علیہا کے عقد کو ترجیح دی، اور اسی کو اختیار کیا مطابق مذہب جمہور کے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت کی نزدیک قاضی صاحب کے بھی غیر صحیح اور ضعیف ٹھہری، کما لا یخفی علی المتامل المنصف، اور اسی طرح امام بخاری نے بھی بصیغہ غیر تمریض بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ حرمت مصاہرت کو رد کیا ہے، اور حج

علیہ وسلم سے مشورہ کر دل گی، اس نے آکر پوچھا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ اپنے باپوں کی بیویوں سے نکاح نہ کرو، صحاح میں ہے، کہ نکاح کا اصل عقد ہے، اور وطی کے معنی میں استعارۃ استعمال ہوتا ہے، اور نا ممکن ہے، کہ اصل میں جماع کے لئے ہو، اور استعارۃ عقد کے لئے استعمال ہو کیونکہ جماع کے جتنے بھی نام ہیں، وہ سب کنایات ہیں، کیونکہ صاف الفاظ میں اس کا تذکرہ برا ہے، اور یہ تو نا ممکن ہے، کہ جو آدمی کوئی برا معنی بیان نہ کرنا چاہتا ہو، وہ الفاظ برے استعمال کرے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اپنے میں سے بیوہ عورتوں کے نکاح کرا دیا کرو" صحیح یہی ہے، کہ آیت میں نکاح سے مراد عقد ہے جماع نہیں، کیونکہ اس پر اتفاق ہے، کہ وہ عورت جس سے باپ نے نکاح کیا ہو، اور وطی نہ کی ہو اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے، اور زنا سے حرمت مصاہرت ایک اختلافی مسئلہ ہے، تو آیت کا وہ معنے بیان کرنا جس پر اجماع ہو زیادہ بہتر ہے، اس معنی سے کہ جس میں اختلاف ہو۔

روایت حرمت پر دال ہے، اس کو بصیغہ تمریض ذکر، اور غیر صحیح گردانا، اور بعض اہل عراق کی طرف منسوب کیا، قولہ[1] وقال عکرمۃ عن ابن عباس اذا زنی بہا لا تحرم علیہ امرأتہ وصلہ البیہقی من طریق ھشام عن قتادۃ عن عکرمۃ بلفظ فی رجل غشی ام امرأتہ قال تخطی حرمتین ولا تحرم علیہ امرأتہ اسنادہ صحیح کذا فی فتح الباری وقولہ بعض اھل العراق قال تحرم علیہ وھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ قالوا اذا زنی امرأۃ حرمت علیہ امہا وبنتہا۔ وابی ذلک الجمہور وحجتہم ان النکاح فی الشرع انما یطلق علی المعقود علیہا لا علی مجرد الوطی انتہی ما فی فتح الباری مختصرا بقدر الحاجۃ۔ درصورت مرقومہ مذہب منصور عقد ٹھہرا نہ وطی، تو اوپر مذہب منصور کے نکاح عمر ولپسر زید کا ہندہ طوائف مذکورہ سے جائز وحلال ہے، آیندہ اختیار ہے، کہ کرے یا نہ کرے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے باغوائے نفس امارہ ایک عورت سے زنا کیا، بعد اس کے اس مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کیا، اور بعد نکاح کے بھی دونوں سے وطی کی، تو نکاح درست ہوا، یا نہیں، بر تقدیر عدم جواز صورت نباہ کی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نکاح مذکور درست ہوا اس لئے کہ یہ عورت ان عورتوں میں سے نہیں ہے، جن سے نکاح حرام ہے، پس بحکم آیت کریمہ واحل لکم ما وراء ذلکم اس عورت سے نکاح درست ہوا، رہا یہ شبہ کہ یہ عورت اس شخص کی ربیبہ ہوئی اور ربیبہ سے نکاح ناجائز ہے اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ شبہ اس بنا پر ہے، کہ زنا نکاح کے حکم میں ہے، اور جب زنا نکاح کے حکم میں ہوا تو عورت مذکورہ اس شخص کی

---

[1] عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا، کہ مرد اگر اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے تو اس پر بیوی حرام نہ ہوگی، عکرمہ سے پوچھا گیا، کہ ایک آدمی نے بیوی کی ماں سے زنا کیا، آپ نے فرمایا اس نے دو حرمتیں توڑیں لیکن اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوئی، امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں، کہ جب کسی عورت سے زنا کرے، تو اس کی بیٹی اور اس کی ماں اس پر حرام ہو جاتی ہے، لیکن جمہور نے ان کے خلاف کہا ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے، کہ نکاح شریعت میں عقد پر بولا جاتا ہے، نہ کہ جماع پر سے اس کے علاوہ جو عورتیں ہیں، وہ تم پر حلال ہیں۔

مزنیہ کی لڑکی ہے، تو اس شخص کی ربیبہ ہو گئی لیکن اس بات پر کہ زنا نکاح کے حکم میں ہے کوئی شرعی نص وارد نہیں ہے، البتہ بعض ائمہ دین کا یہ اجتہاد ہے، جو آیت کریمہ واحل لکم ماوراء ذلکم کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہو سکتا، الحاصل اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس وقت ہمارے لئے آسمانی قانون یہ ہے، کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں، اللہ و رسول کے قول سے جو بات ثابت ہو اس پر کاربند ہوں، اللہ تعالیٰ سورہ نساء رکوع ۸ میں فرماتا ہے۔ فان[1] تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا۔ پس اس قانون کے بموجب ہم نے اللہ و رسول کی طرف رجوع کیا، تو اللہ کی کتاب میں یہ پایا، کہ یہ عورت ان عورتوں سے نہیں ہے، جن کو اللہ نے حرام فرمایا ہے، جس طرح اوپر معلوم ہوا، تو بحکم آیت شریفہ واحل لکم ماوراء ذلکم یہ عورت حلال ٹھہری، اور حدیث شریف میں یہ پایا لا یحرم الحرام الحلال[2] رواہ الدار قطنی صفحہ ۴۰۲ و ابن ماجہ صفحہ ۱۴۶ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے، کہ زنا نکاح کے حکم میں نہیں ہے، ورنہ حرام کا حلال کو حرام کر دینا لازم آجاوے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبداللہ، المدرس مدرسہ احمدیہ مقام آرہ ضلع شاہ آباد

سید محمد نذیر حسین

اما بعد۔ ماہرین شریعت پر مخفی نہ رہے، کہ ماحصل جواب مرقوم کا یعنی صحیح ہونا نکاح کا بنت مزنیہ سے صحیح ہے اور یہی مذہب منصور بھی ہے، ہر چند اس میں حنفیہ مخالف ہیں لیکن باعتبار قوت دلیل کے قابل عمل مذہب صحت نکاح والا ہے، حنفیہ کی دلیل صرف اس قدر ہے، کہ قال اللہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم[3] میں وہ نکاح کے معنی عقد کے نہیں لیتے ہیں، بلکہ اس کے ایک ایسے عام معنے کہتے ہیں، جو شامل ہوتا ہے جماع بالعقد و بلا عقد و لمس وغیرہ کو، بناء علیہ حرمت مصاہرت بالزنا کے قائل ہیں لہٰذا ان کے مسلک کے موافق یہ نکاح درست نہیں ہے، واضح ہو، کہ اللہ تعالیٰ کے قول مذکور میں بوجوہ چند عقد ہی مراد ہے، اور جماع مراد نہیں ہے، جو حنفیہ کی دلیل ہے

---

[1] اگر تمہارا کسی چیز میں جھگڑا ہو جائے، تو اگر تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے، تو اس کو اللہ اور رسول کے پاس لے جاؤ۔ [2] حرام حلال کو حرام نہیں کر سکتا (دار قطنی)۔ [3] اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کرا دو۔

بنظر اختصار یہاں پر دو وجہیں ذکر کی جاتی ہیں، ایک تو یہ ہے، کہ صحاح میں ہے کہ نکاح کے اصل معنی عقد کے ہیں، اور جماع میں استعارۃً استعمال کیا جاتا ہے، اور محال ہے، کہ جماع اصلی معنی ہوں، اور عقد میں لفظ نکاح استعارۃً استعمال کیا جاوے اس لئے کہ لغت عرب میں جس میں قرآن شریف نازل ہوا ہے، کل اسماء جماع کے کنائی ہیں، علاوہ بریں قول اللہ عزوجل وانکحوا الایامی منکم وغیر ذلک من الآیات بے نکاح سے جماع بلا عقد نہیں کہتے، پس تخصیص ایک مقام میں ساتھ عام معنی لینے کے محض بے دلیل ہے، وجہ ثانی یہ ہے، کہ نکاح سے وطی مراد لینے میں بھی ان کا قاعدہ کلیہ نہیں رہتا، مخالف اجماع کے ہوتا ہے، جیسا کہ عبارت منقولہ سے ظاہر ہے وفی[1] الصحاح اصل النکاح العقد ثم استعیر للجماع ومحال ان یکون فی الاصل للجماع ثم استعیر للعقد لان اسماء الجماع کلھا کنایات لاستقباحھم تعاطیہ ومحال ان یستعیر من لا یقصد فحشا اسم ما یستقبحونہ بما یستحسنوا بالنکاح فی ھذہ الآیۃ العقد دون الجماع للاجماع علی ان منکوحۃ الاب التی وقع علیھا عقد النکاح ولو لم یطأھا محرم علی الابن لاخلاف فی ذلک وثبوت حرمۃ المصاھرۃ بالزنا مختلف فیہ فحمل الآیۃ علی معنی یوجب حکما مجمعا علیہ اولی من خلاف ذلک انتہی ما فی التفسیر المظہری للقاضی ثناء اللہ اپانی پتی رحمہ اللہ علیہ ملخصا پس دلائل مذکورۃ الصدر صاف اس بات پر شاہد ہیں، کہ قول حنفیہ کا باوجود قوت دلائل قائلین صحت نکاح کے مقابل میں مذہب منصور جمہور کے معتبر نہیں ہو سکتا، جمہور بھی حرمت کے مخالف ہیں، جیسا کہ فتح الباری میں ہے[2] فذھب الجمھور لا تحرم ا لا

---

[1] نکاح کا اصلی معنی عقد ہے، پھر استعارہ کے طور پر جماع پر استعمال ہونے لگا، اور یہ ناممکن ہے، کہ اس کا اصلی معنی جماع ہو، اور پھر بطور استعارہ عقد کے لئے استعمال ہونے لگا، اس کی وجہ یہ ہے، کہ جماع کے جتنے بھی نام ہیں اس فعل کے برا ہونے کی وجہ سے سب کنایات ہیں، اور یہ تو ناممکن ہے، کہ کوئی شخص برے کام کا نام نہ لینا چاہے، اور اس کے لئے استعارۃً برا لفظ استعمال کرے، اور اس آیت میں نکاح کا معنی بالاتفاق وطی نہیں ہے، کیونکہ اس پر اجماع ہے، کہ جس عورت سے باپ نکاح کر لے، وہ عورت بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے، خواہ اس سے صحبت نہ بھی کی ہو، اور زنا سے مصاہرت کی حرمت میں اختلاف ہے، تو آیت کا وہ معنی زیادہ بہتر ہو گا، جس پر سب کا اتفاق ہے، بخلاف اختلافی معنی کے

[2] فتح الباری میں ہے جمہور

بالجماع مع العقد۔ اب جو کوئی براہ تعصب مذہبی صحت نکاح بنت مزنیہ سے منکر ہو، اور بینہ سے حق و باطل میں امتیاز نہ کرے تو یہ امر آخر ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

نمقہ العبد المعتصم بحبل ربہ المعبود محمد محمود الرحیم آبادی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا صرف نکاح ہوا، نوبت وداع و خلوت صحیحہ کی نہ ملی، بعد چند روز کے زید فوت ہو گیا۔ اس وقت میں زید کے ذمہ کامل مہر ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ واضح ہو کہ زید کے ذمہ کامل مہر ہوگا و من سمی مہراً عشرۃ فما زاد فعلیہ المسمی ان دخل بہا او مات عنہا لانہ بالدخول یتحقق تسلیم المبدل وبہ یتأکد البدل وبالموت ینتہی النکاح نہایتہ والشئی بانتہائہ یتقرر و یتأکد فیتقرر بجمیع مواجبہ کذا فی الہدایۃ۔ واللہ اعلم۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے بھائیوں کے یہاں چلی گئی، اور خاوند اس کا پچاس یا سو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اس عورت نے اپنے خاوند کی بے اجازت اور بے مرضی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا، وہ لڑکی بالکل نابالغ ہے۔ اب شرع شریف میں اس کا نکاح ہوا یا نہیں، اور نکاح پڑھانے والے کو خوب معلوم ہے، کہ اس کے والد کی بے مرضی سے نکاح ہوتا ہے۔ اس پر شرع کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: یہ نکاح باپ کی اجازت پر معلق رہے گا، اگر باپ نے اجازت دے دی، اور اس نکاح سے راضی ہو گیا تو یہ نکاح صحیح و درست ہوگا، ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو

کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کے بعد جماع ہی سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

ا۔ جو آدمی دس درہم یا زیادہ مہر مقرر کرے اگر اس عورت سے صحبت کرے یا مر جائے، تو اسے پورا حق مہر دینا پڑے گا، کیونکہ دخول سے مبدل اس کے سپرد ہو گیا، لہٰذا بدل دینا پڑے گا اور موت کے ساتھ نکاح اپنی انتہا کو پہنچ گیا، اور جب کوئی چیز اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو اس کے تمام واجبات متحقق ہو جاتے ہیں۔

بعوض مہر کے خلع کے طور پر طلاق دی، پھر کوئی عرصہ دو برس کے بعد یہ نوبت پہنچی کہ زید اپنی اس مطلقہ کے ساتھ اوقات بسر کرنے لگا، اور چاہتا ہے کہ اس کو نکاح جدید اپنی زوجیت میں ملاؤں، اب آیا وہ موافق حدیث و قرآن کے بغیر حلالہ کے نکاح جدید سے اپنی زوجیت میں لا سکتا ہے، یا نہیں، اور زید جو اس مطلقہ کے ساتھ ہم بستر ہوا بغیر نکاح کے اور وہ مقر بھی ہے اس کا کیا کفارہ ہے، اور آیا وہ وطی شرعی کہلائے گی یا زنا، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ صورت مذکورہ میں زید بغیر حلالہ کے اپنی اس مطلقہ کو نکاح جدید اپنی زوجیت میں لا سکتا ہے، کیونکہ خلع طلاق بائن ہوتا ہے، اور طلاق بائن میں حلالہ کی ضرورت نہیں پڑتی، ہاں البتہ نکاح جدید کی ضرورت ہوتی ہے، اور زید جو بغیر نکاح کے ہندہ کے ساتھ ہم بستر ہوا ہے، سو اس کی یہ ہم بستری شرعی نہیں ہے، بلکہ یہ صریح زنا ہے اس گناہ کا یہی کفارہ ہے، کہ خالص دل سے حضرت باری تعالیٰ کی جناب میں اس سے توبہ کرے، اس کے سوا اور کوئی مالی کفارہ اس کے لئے شریعت میں نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ واقعات یہ ہیں، کہ زید ایک شخص عاقل بالغ، علی گڈھ کالج کا تعلیم یافتہ نیچری مذہب ہے اس کا نکاح اس کے کفو میں ہندہ کے ساتھ تجویز ہوا، زید نے انکار کیا زید کے والدین نے زید کا یہ انکار نئی روشنی والوں کے خیال پر محمول کیا، اور شادی کا سامان درست کر کے زید کو کسی بہانہ سے وطن بلایا، زید کو وطن پہنچ کر یہ حال معلوم ہوا، تو اس نے سخت انکار کیا، حتی کہ والدین کے مجبور کرنے پر سہارن پور وغیرہ کی طرف بھاگ گیا، زید کے والد نے اس کا تعاقب کیا، اور منت سماجت اور لطائف الحیل کے ساتھ پھر وطن لے آئے، مگر زید برابر انکار میں اصرار کرتا رہا، اور ایک دو شخص کے مواجہ میں اپنا عنین ہونا بھی ظاہر کیا، اور کہا کہ کیوں کسی کی لڑکی کی قسمت پھوڑتے ہو زید کے والدین سامان شادی بہم پہنچا کر زید کی شادی کی تاریخ بھی مقرر کر چکے تھے، بخیال نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ زید کو نکاح کر لینے پر سخت مجبور کرتے تھے، اور ان کو ایک مشکل یہ بھی پیش آئی تھی، کہ ان تاریخوں میں زید کی ہمشیرہ کا نکاح بھی ہندہ کے برادر حقیقی کے ساتھ قرار پایا تھا، ادھر سے التوا یا انکار ہو تو ادھر سے بھی جواب ترکی بترکی تھا، زید کے والدین اور ان کے مشیروں نے یہ معاملہ ہندہ کے والدین اور ان کے اعزہ سے بالکل مخفی رکھا، اور زید کو ہر طور سے مجبور کیا، زید برابر

کے دن جوڑا پہننے سے بھی پہلو تہی کرتا تھا زید کو نکاح خوانی کے قبل کلمہ پڑھنے سے اور تجدید توبہ سے بھی تامل تھا، ایجاب وقبول کے وقت بھی باوجود تکرار نکاح خوانی کے یہ الفاظ نہ کہے کہ میں نے اس کو قبول کیا) بلکہ ان کلمات پر اکتفا کیا (بہت اچھا بہت خوب) مگر نکاح خواں کے اصرار پر اس سے ایک مرتبہ یہ کہا کہ (میں نے اس کو قبول کیا) بعد نکاح اور رخصت کے زید گھر میں بھی نہ جاتا تھا۔ بہت جبر اور زبردستی کرنے سے فقط ایک مرتبہ گیا، ہندہ کا قول ہے، کہ صورت دیکھنے اور گفتگو کرنے کی بھی نوبت نہیں آئی، اور تھوڑی دیر توقف کے بعد باہر چلا آیا، زید نے بھی اپنے بعض رازداروں سے ایسا ہی بیان کیا تھا، زید بعد دو تین روز سے حیدر آباد کو روانہ ہوا، چلتے وقت کئی آدمیوں کے روبرو یہ کہا، کہ عورت کو تو طلاق دے چکا تھا، اب وطن کو بھی طلاق دیتا ہوں، پھر آپ مجھ کو یہاں نہ دیکھیں گے، سننے والوں نے کہا، توبہ کرو، خدا ورسول سے ڈرو، بلاوجہ بلا قصور طلاق دیتے ہو تو معاذ اللہ، خدا ورسول کی شان میں بے ادبانہ الفاظ زبان پر لایا جن کو گالیاں کہا جاتا ہے، زید عرصہ تک حیدر آباد سے واپس نہ آیا، زید وہندہ کے والدین واقارب نے متواتر خطوط طلبی کے اس کے نام روانہ کئے، کچھ جواب نہ ملا۔ پھر زید کا والد خود حیدر آباد گیا، زید کو بہت عجز وزاری وخوشامد کے ساتھ سمجھایا، مگر اس نے خود وطن آنا، اور ہندہ کو اپنے گھر بسانا، یا اپنے پاس بلانا منظور نہ کیا، بلکہ زید نے اپنے والد کے ساتھ اس بارے میں اتفاق رائے کیا، کہ ہندہ کا نکاح زید کے بڑے بھائی حقیقی کے ساتھ کر دیا جاوے، جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی، زید کے والدین نے ہندہ کے والدین سے یہ درخواست بھی کی، مگر ہندہ اور اس کے والدین نے نامنظور کیا، ہندہ کے اقرباء کی طرف سے زید کے نام ایک رجسٹری شدہ نوٹس بھی دیا گیا تھا، کہ اپنے قلم سے جواب صاف لکھے، زید نے ایک سال تک کوئی جواب نوٹس کا نہیں دیا تھا، جب زید کے والدین مایوس ہوئے کہ ہندہ کا نکاح زید کے بڑے بھائی سے نہیں ہو سکتا، تو انہوں نے زید کی طرف سے نوٹس کا جواب روانہ کرایا، کہ زید وقتاً فوقتاً اپنے والد کی معرفت ہندہ کو خرچ بھیجتا رہا ہے، زید کے والد نے اس کو دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ اور آئندہ برابر بھیجتا رہے گا، بلکہ ہندہ کو اپنے پاس بلالے گا، اس تحریر سے زید اور اس کے بھائی اور والدین کی یہ غرض ہے کہ ہندہ کا نکاح دوسری جگہ نہ ہو سکے، اور ہمیشہ اسی طرح ایک جھگڑا پڑا رہے، واقعات

بالا سے سوالات ذیل پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) نیچری مذہب والا اسلام میں داخل ہے یا خارج از اسلام؟

(۲) نیچری مذہب والا اس مسلمہ سنیہ کا کفو ہے یا نہیں؟

(۳) زید ایجاب و قبول کے وقت الفاظ قبول بجبر و اکراہ زبان پر لایا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

(۴) زید نے اپنے عنین ہونے کا اقرار جن لوگوں کے روبرو کیا وہ ہر وقت اور ہر جگہ ادائے شہادت کو آمادہ ہیں اور چھ سال تک انتظار بھی ہو چکا ہے، ایسی حالت میں بطور خود یا بذریعہ حاکم وقت تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۵) جب کہ زید کو اپنے عنین ہونے کا اقبال ہے، تو کیا پھر بھی کوئی صورت تجربہ اور امتحان کی باقی رہ جاتی ہے۔

(۶) زید نے چھ سال تک کوئی جواب متواتر تحریرات کا نہیں دیا اور تاریخ اجرائے نوٹس سے بھی ایک سال تک جواب نوٹس سے ساکت رہا، عدالت کے نزدیک تاریخ بنائے مخاصمت تاریخ اجرائے نوٹس ہے، آیا عندالشرع بھی عنین سے تفریق کرانے کے لئے یہ مہلت ایک سال کافی ہے یا نہیں؟

(۷) اگر مجدداً مہلت دیا جانا ضروری ہے، تو کس قدر، اور مہلت دینے کا مجاز حاکم وقت ہے، یا کون؟

(۸) بوجہ عنین ہونے کے تفریق کرا دینے کے بعد ہندہ کل مہر مقررہ پانچ ہزار روپیہ کی مستحق ہے یا کس قدر؟

(۹) ہندہ کے پاس زید کی فقط آمد و رفت ہندہ اور زید کے قول سے ثابت ہے آیا خلوت صحیحہ واقع ہوئی یا نہیں؟

(۱۰) بصورت عدم وقوع خلوت صحیحہ ہندہ کس قدر مہر کی مستحق ہے؟

(۱۱) زید نے چھ سال تک ہندہ کو نان ونفقہ نہیں دیا، اور نہ ہندہ کو زید کے نام سے قرض مل سکتا ہے، اگر مل بھی جاوے، تو زید ایسا قرض ہرگز ادا نہ کرے گا اور زید کی کوئی ایسی جائداد نہیں ہے، کہ اس پر ایسے مصارف کا بار پڑ سکے، ایسی حالت میں فوراً تفریق کرائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۲) بمذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اگر فوراً تفریق نہیں ہو سکتی، تو عندالضرورت والقشدید

مذکورہ بالا عمل بمذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳) ہندہ اب حالت موجودہ پر اس سے زیادہ صبر نہیں کرسکتی کیا یہ صورت مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر فتوی دینے اور عمل کرنے کے لئے کافی ہے؟

(۱۴) زید نے دو شخص کے روبرو یہ کہا، کہ وہ عورت کو طلاق دے چکا ہے اور اسی بنا پر زید نے اپنے بھائی کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہو جانے پر رضامندی ظاہر کی آیا اس قدر کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۱۵) اگر طلاق رجعی واقع ہوئی، تو پھر زید کا رجوع عرصہ تک ثابت نہیں ہوا، آیا تین طلاقیں ہوگئیں یا نہیں؟

(۱۶) وقوع طلاق کی صورت میں ہندہ کس قدر مہر کی مستحق ہے؟

(۱۷) زید نے دو شخص کے مواجہ میں خدا اور رسول کو گالیاں دیں، مرتد ہوگیا یا نہیں اور ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں، اور اس حالت میں ہندہ کل یا نصف مہر پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

(۱۸) بصورت وقوع طلاق یا بصورت ارتداد زید اب ہندہ کا نکاح دوسرے شخص سے ہوسکتا ہے یا نہیں، اور کس قدر مہلت اور عدت کی ضرورت ہے، اور اس کی کیا مدت ہے؟

(۱۹) اس عدت اور مہلت کے زمانہ کا نفقہ بھی زید پر واجب الادا ہے یا نہیں

(۲۰) نفقہ کا اندازہ فقط شوہر کی حیثیت کے لحاظ سے ہونا چاہیئے، یا زوج و زوجہ دونوں کی حیثیت ملحوظ ہوگی، یا کوئی اور قاعدہ شرع میں مقرر ہے، حضرات اہل علم و اختیار کی خدمت میں التماس ہے، کہ براہ کرم و برائے خدا جلد جواب مفصل و مدلل مرحمت فرمائیں، اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے گا، والتسلیم فقط۔

الجواب:۔ زید اگر نکاح سے پہلے بلا جبر و اکراہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا، اور اس کا کوئی قول و فعل ایسا نہیں تھا، جو ایمان کا سلب کرنے والا ہو۔ تو وہ قبل از نکاح مسلمان تھا، اور صورت مسئولہ میں جب کہ نکاح خواں کے اصرار پر اس نے ایک مرتبہ یہ کہا، کہ (میں نے اس کو قبول کیا)، تو یہ نکاح صحیح ہوا، اور پھر دو تین روز کے بعد حیدرآباد کو روانہ ہوتے وقت جب کہ اس نے کئی آدمیوں کے روبرو یہ کہا، کہ (عورت کو تو طلاق دے چکا

تھا اب وطن کو بھی طلاق دیتا ہوں، پھر آپ مجھ کو یہاں نہ دیکھیں گے، تو اس کے اس قول سے اس کی عورت مسماۃ ہندہ پر طلاق واقع ہو گئی، اب ہندہ جس شخص سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور ہندہ کو عدت بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ طلاق قبل وطی و قبل خلوت صحیحہ کے ہوئی ہے، اس واسطے کہ ہندہ کا قول ہے کہ صورت دیکھنے اور گفتگو کرنے کی بھی نوبت نہیں آئی، اور زید نے بھی اپنے بعض رازداروں سے ایسا ہی بیان کیا، اور طلاق قبل الوطی و قبل خلوت صحیحہ میں عدت نہیں ہے، اور اس صورت میں ہندہ صرف نصف مہر کی مستحق ہے، اور اگر زید قبل از نکاح اپنے کو مسلمان نہیں کہتا تھا، یا کہتا تھا، مگر ساتھ اس کے ایسا کلمہ زبان سے نکالتا تھا جس سے وہ دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا تھا، جیسے خدا و رسول کو گالیاں دینا، یا اس قسم کا کوئی فعل اس سے وقوع میں آتا تھا تو اس تقدیر پر وہ قبل از نکاح مسلمان نہیں تھا، اور یہ نکاح صحیح و جائز نہیں ہوا، اور جب نکاح صحیح و جائز نہ ہوا تو اس صورت میں ہندہ مہر کی بھی مستحق نہیں ہے، صورت مسئولہ کا اسی قدر جواب کافی ہے، اور باقی سوالات جو سائل نے کئے ہیں، وہ بلا ضرورت ہیں، اس وجہ سے ان کا جواب نہیں لکھا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اور خاوند اس کا ہندو مذہب ہیں، عورت بہت مدت سے اپنے خاوند کو واسطے اسلام کے کہتی رہی، اور وہ اس کو مار پیٹ کرتا رہا، اور اسلام کو دشنام دیتا رہا، ایک روز وہ عورت اسلام لائی، اس کے خاوند کو بھی کہا گیا، کہ تو بھی اسلام قبول کر، اس نے کہا، یہ عورت چوہڑی ہو جاوے گی، تو میں چوہڑا نہیں ہوں گا، غرضکہ عورت نے اسلام قبول کیا، نماز روزہ پر قائم ہو گئی، بعد گذرنے عدت کے عورت کے خاوند نے عورت سے کہا، کہ مجھ کو روٹی پکانے کی بہت تکلیف ہے، اگر تو میرے گھر میں آباد ہو۔ تو میں بھی اسلام قبول کر دوں، عورت نے کہا تو اگر خدا کے واسطے اسلام قبول کرلے، تو بہتر ہے، لیکن میں تجھ سے ظالم کے گھر میں کبھی آباد نہ ہوں گی، پھر اس کو بعض مردمان نے کہا، کہ تو اسلام قبول کرلے، تیرا دعوی اس پر ہو گا، اس نے بھی اسلام قبول کیا، مگر لفظ الحمد للہ تک نہیں آتا، سو عرض ہے کہ دعوی اس کا ہو سکتا ہے یا نہیں، اور نکاح اول ہنودی رہتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں شخص مذکور کا عورت پر دعوی نہیں ہو سکتا، کیونکہ

وہ دونوں آگے پیچھے مسلمان ہوئے، اور ایسی عورت میں نکاح فسخ ہو جاتا ہے، ہاں اگر عورت راضی ہو تو شخص مذکور عورت کو نئے سرے سے نکاح کر کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے، چنانچہ روضہ ندیہ میں ہے، واذا[1] اسلم احد الزوجین انفسخ النکاح و تجب العدۃ لحدیث ابن عباس عند البخاری قال کان اذا ھاجرت المرأۃ من اھل الحرب لم تخطب حتی تحیض او تطھر فاذا طھرت حل لھا النکاح وان جاء زوجھا قبل ان تنکح ردت الیہ۔ باقی رہا حضرت زینب کا قصہ سو وہ خود مختلف فیہ ہے، اس کے بارے میں دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں، بعض روایات میں ہے، کہ حضرت نے پہلا ہی نکاح قائم رکھا تھا، اور بعض میں ہے، کہ نئے سرے سے نکاح کیا تھا لیکن وہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں، چنانچہ نیل الاوطار میں موجود ہے، خلاصہ یہ کہ نکاح مذکور فسخ ہو گیا، لہذا شخص مذکور کا عورت پر دعوی نہیں ہو سکتا، اور اسی مقام سے یہ بھی ثابت ہوا، کہ پہلا ہنودی نکاح قائم نہیں رہا۔ حررہ عبدالحق اعظم گڈھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو کا ایک مقدمہ نکاح کا ہے، جس میں زید مدعی ہے، کہتا ہے، کہ میرا نکاح دختر عمرو سے روبرو گواہان فلاں فلاں کے ہو گیا ہے، اور بذات خود عمرو نے میرے سے نکاح اپنی دختر کا کر دیا ہے، اور عمرو کہتا ہے، کہ میں نے نکاح اپنی دختر کا زید سے نہیں کیا ہے، اور نہ میں اس تاریخ موعودہ پر جس کو زید بیان کرتا ہے، اس جگہ تھا، بلکہ میں اپنی نوکری پر تھا، جو کہ بفاصلہ تیس میل پر واقع ہے، اور اس پر گواہ تمام محلہ وغیر محلہ موجود ہیں، اور دعوئے زید کا محض بے اصل ہے، آیا بیان عمرو کا اس مقدمہ میں لائق سماعت کے ہے، اور اس سے گواہ لئے جاویں، از روئے شریعت کے یا فقط بیان زید و گواہان زید پر فیصلہ ہونا چاہیئے، اور عمرو کے بیان کی، اور اس کے گواہوں کی کچھ حاجت نہیں، بینوا توجروا۔

---

[1] عورت مردوں سے اگر کوئی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جائے گا، اور عدت لازم ہو گی کیونکہ ابن عباس نے کہا، دستور تھا، کہ جب کوئی عورت اہل حرب میں سے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آ جاتی تو اس وقت تک اس سے خطبہ نہ کیا جاتا، جب تک حیض کے بعد پاک نہ ہو جاتی تو اس سے نکاح حلال ہو جاتا اگر اس کا خاوند نکاح سے پہلے مسلمان ہو کر آ جاتا، تو وہ عورت اس کے سپرد کر دی جاتی۔

الجواب:- صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ عمرو اور اس کے گواہوں کا بھی بیان ضرور ہونا چاہیئے، فقط زید اور اس کے گواہوں کے بیان پر فیصلہ کرنا صریح ظلم ہے، جس کا شریعت انکار کرتی ہے، کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اگر لوگوں کو مجرد ان کے دعوے کے ساتھ ان کے حقوق دلوا دیئے جاویں، تو لوگ دعوے خونوں اور مالوں کا ناحق کرنا شروع کر دیویں لیکن گواہ مدعی کے اوپر ہیں، اور قسم اوپر مدعا علیہ کے ہے، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء قوم واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ متفق علیہ وللبیھقی باسناد صحیح البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔ اور دوسری حدیث شریف میں آچکا ہے، کہ اگر دونوں فریق گواہ پیش کریں، اور گواہ دونوں فریق کے مطابق شریعت کے دیندار پرہیزگار ہوں، تو اس وقت جس کا قبضہ ہو اس کو چیز دلوائی جائے، کیونکہ گواہ دونوں فریق کے برابر ہیں، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے، لہذا وجہ ترجیح قبضہ ہی کا ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ ان رجلین اختصما فی ناقۃ فقال کل واحد منھما نتجت عندی واقاما البینۃ فقضی بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمن ھی فی یدہ رواہ الدارقطنی۔ اور ایک دوسری حدیث شریف میں آچکا ہے، کہ دو شخصوں نے جھگڑا کیا ایک جانور میں، اور گواہ کسی کے پاس نہ تھا، اور نہ اس جگہ قبضہ تھا، تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کو آدھا آدھا کر دیا کیونکہ وقت مساوات کے ترجیح کسی کو نہیں دے سکتے، لہذا نصف نصف کر دیا غرض ان احادیث شریف سے یہ ثابت ہے، کہ بیان مدعا علیہ سننا ضروریات سے ہے، اور اگر وہ گواہ پیش کرے، تو اس کے گواہوں کا بیان بھی سننا ضروری ہے، بعد اس کے فیصلہ ہونا چاہیئے، ورنہ صریح ظلم ہوگا، اللہ تعالیٰ بچا دے

حررہ عبدالحکیم ابو عبدالرشید الجواب صحیح۔ سراج الدین ضلع حصار

حسب ارشاد جناب میاں صاحب مدظلہم کے یہ تحریر اس جواب پر بڑھائی گئی اگر عمرو کے گواہ بمقابلہ زید کے معتبر و متواتر ہیں تو بلا اشتبہ عمرو کے گواہ شرعاً قابل سماعت ہوں گے، قاعدہ شرعی یہ ہے، کہ بمقابلہ گواہان اثبات کے نفی کے گواہ قابل سماعت نہیں ہوتے، مگر جس صورت میں کہ گواہ نفی کے معتبر و متواتر ہوں، تو بے شک نفی کے

گواہ بمقابلہ اثبات کے معتبر سمجھے جاویں گے، تقبل بینة النفی المتواتر کما فی الظھیریة والبزازیتہ وفی ایمان البحر الرائق کذا فی الاشباہ والنظائر والحموی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب　　حررہ سید عبد السلام عفی عنہ ۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ اگر مرد و زن خفیہ بغیر حضوری شاہدین ایجاب و قبول باخودہا در تنہائی کروند بعدازین خبر دادند از نکاح کردہ خود پس این نکاح منعقد گشت یا نہ بینوا توجروا۔

سوال دوم۔ درصورتے کہ ایجاب و قبول اولا بلا شہود باشد و ثانیا تقرر بہر دو بر دو شاہد گردد، و درچنین حال خلوت صحیحہ یا وطی یافتہ شود، ہر دو گنہگار و مرتکب حرام شوند یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ درصورت مرقومہ باید دانست کہ نکاح شرعی بدوں دو گواہ منعقد نمی شود، بنا برآنکہ حضوری دو شاہد در ارتباط ایجاب و قبول شرط افتادہ است، و ایجاب و قبول بدون وجود شرط قابلیت صحت انعقاد ندارد شرعا فاذا فات الشرط فات المشروط کما تقرر فی الاصول۔ ہمیں است قول صحابہ و تابعین واکثر ائمہ دین مجتہدین و محدثین و نزد امام مالک اعلان و اشتہار شرط است در انعقاد نکاح و قول بعض مردم کہ اگر مرد و زن بے گواہ ایجاب و قبول کنند عنداللہ نکاح صحیح شود پس آن قول مردود و باطل است این را اصلے نیست در شرع شریف، و ہرگاہ مرد و زن خفیہ ایجاب و قبول باخودہا در

سوال :۔ اگر مرد و عورت خفیہ طور پر بغیر گواہوں کے موجود ہونے کے آپس میں ایجاب و قبول کرلیں اور اس کے بعد اپنے نکاح کی لوگوں کو اطلاع دیں، تو کیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر اولا بغیر شہادت کے ایجاب و قبول کیا ہو اور بعد میں حق مہر کی تقرری گواہوں کے روبرو ہو، اور اس صورت میں خلوت صحیحہ یا صحبت ہو، تو دونوں گنہگار اور حرام کے مرتکب ہوں گے یا نہیں

الجواب :۔ دو گواہوں کی موجودگی کے سوا شرعی نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایجاب و قبول کے باہمی ربط کے لئے دو گواہ ضروری ہیں اور بغیر شرط ایجاب و قبول قابلیت صحت انعقاد کی نہیں رکھتے صحابہ، تابعین، اکثر ائمہ دین، مجتہدین اور محدثین کا یہی مذہب ہے، امام مالک کے نزدیک انعقاد نکاح کے لئے اشتہار و اعلان شرط ہے، اور جو بعض آدمی کہتے ہیں کہ اگر گواہوں کے بغیر نکاح ہو تو خدا کے نزدیک صحیح ہے، یہ قول مردود ہے، اگر دو گواہوں کی عدم موجودگی میں عورت مرد آپس میں نکاح کریں اور

تنہائی کردند، بے دو شاہد، وبعد ازیں از نکاح کردہ تنہائی خود شاہدین را خبر دادند گواہ نمودند پس ایں نکاح ہرگز منعقد نہ شد شرعاً۔ آرے اگر تجدید ایجاب و قبول روبرو دو شاہد کنند البتہ نکاح منعقد و صحیح خواہد بود، زیرا کہ حضوری دو شاہد خواہ ہر دو مرد باشند یا یک مرد و دو زن بروقت ایجاب و قبول شرط صحت انعقاد نکاح است، بدلیل حدیثے کہ صاحب ہدایہ نقل کردہ لا نکاح الا بشہود[1] و بدلیل حدیثے کہ در ترمذی وغیرہ مذکور است باب ما جاء لا نکاح الا ببینۃ یعنی نکاح منعقد نمی شود مگر بشہادت شاہدین حدثنا یوسف بن حماد المعنی البصری نا عبد الاعلی عن سعید عن قتادۃ عن جابر بن زید عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البغایا اللاتی ینکحن انفسھن بغیر بینۃ الحدیث از ابن عباس رض روایت است کہ فرمود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنان زانیہ آں زنانند کہ نکاح می کنند نفسہا ئے خود را بے گواہاں، واز ایں حدیث معلوم می شود کہ نکاح بے شہود باطل است، و ہمیں است مذہب ائمہ و ہمیں است منقول از صحابہ و تابعین وآنچہ از بعض متاخرین برخلاف آں آمدہ غیر صحیح است، چنانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی در شرح فارسی و عربی مشکوۃ افادہ فرمودہ اند و ہم چناں در مرقات ملا علی قاری وغیرہ مذکور است۔

جواب سوال دوم۔ این ست کہ حضوری شاہدین در نکاح برائے اثبات ملک

بعد اثبات لوگوں کو اس کی اطلاع دیں، تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر شاہدین کے روبرو، دوبارہ ایجاب و قبول کرلیں، تو درست ہو جائے گا اور گواہ یا تو دو مرد ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ہدایہ میں ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "بدکار ہیں وہ عورتیں جو بغیر دو گواہوں کے اپنا نکاح کرلیں" اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ بغیر گواہوں کے نکاح باطل ہے صحابہ رض تابعین اور ائمہ کا یہی مذہب ہے، اور بعض متاخرین سے جو اس کے خلاف منقول ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نکاح میں دو گواہوں کی حاضری ملک بضعہ کے اثبات کے

(1) قال فی نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ غریب بھذا اللفظ ثم ذکر حدیث عائشۃ رض مرفوعا بحوالۃ ابن حبان لا نکاح الا بولی وشاھدی عدل وما کان من نکاح علی غیر ذلک فھو باطل الحدیث انتہی مختصراً۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

بضعہ کہ محل ذی خطر است، قصداً شرط گردانیدہ شد در شرع نہ برائے اثبات مہر بلکہ وجوب مہر در ضمن ثبوت ملک بضعہ تبعاً می شود۔ ان الشہادۃ شرطت فی النکاح علی اعتبار اثبات الملک لورودہ علی محل ذی خطر لا علی اعتبار وجوب المہر فلا شہادۃ تشترط فی لزوم المال انتہی ما فی الہدایۃ وغیرہا من کتب الشریعۃ۔ پس در صورتے کہ ایجاب وقبول اولا بلا شہود باشد وثانیا تقرر مہر بر دو شاہد گردد، در چنین حال خلوت صحیحہ یا وطی یافتہ شود ہر دو گنہ گار ومرتکب فعل حرام شوند وما دامیکہ از سر نو تجدید ایجاب وقبول بحضوری دو شاہد نہ کنند از عصیان پاک نشوند ہکذا احکم الشریعۃ الغراء۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ وقت عقد کرنے ناکح ومنکوحہ کے کل دو ہی شخص کسی سبب سے موجود ہیں ایک ولی قریب ہے یا اجنبی، اور ایک مرد مومن دوسرا ہے، یا اس طرح ہے کہ ایک قاضی تعلیم کنندہ ایجاب وقبول ہے، اور ایک مرد مومن دوسرا ہے زید کہتا ہے کہ ولی اور قاضی شہادت میں داخل نہیں ہو سکتے اور ایک مومن مرد کی شہادت سے عقد صحیح نہیں ہوتا، جب تک دوسرا مرد مومن بجز قاضی یا ولی کے نہ ہو سو عرض ہے، کہ ولی یا قاضی ساتھ مومن دوسرے کے شہادت میں قبول ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح میں ماسوائے ولی کے دو شاہد کا ہونا ضروری ہے اور بغیر دو شاہد کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ عن[1] عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی وشاہدی عدل الحدیث رواہ الدارقطنی ولہ شواہد

لئے ہے، کیونکہ وہ ایک خطرناک مقام ہے، نہ کہ وجوب مہر کے اعتبار سے، کیونکہ لزوم مال کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ وجوب مہر ثبوت ملک بضعہ کے ضمن میں خود بخود ہو جاتا ہے ہدایہ وغیرہ میں اسی طرح ہے، پس جس صورت میں کہ ایجاب وقبول خفیہ ہوا ہو اور تقرری حق مہر گواہوں کے روبرو ہو تو اس حالت میں اگر خلوت صحیحہ ہو گی، یا صحبت تو دونوں گنہ گار ہوں گے اور مرتکب فعل حرام کے جب تک کہ وہ دوبارہ دو گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول نہ کریں گے، گناہ سے پاک نہ ہوں گے۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ہے دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے، نیل الاوطار صفحہ ۱۴۳ جلد ۶ میں ہے، کہ جو لوگ شہادت کو نکاح کے

نیل الاوطار صفحہ ۱۴۳ جلد ۶ میں ہے۔ استدل بالاحادیث من جعل الاشہاد شرطا وقد حکی ذلک فی البحر عن علی وعمر وابن عباس والعترۃ والشعبی وابن المسیب والاوزاعی والشافعی وابی حنیفۃ واحمد بن حنبل قال الترمذی والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم من التابعین وغیرھم قالوا لا نکاح الا بشھود۔ اور انعقاد نکاح کے لئے شہادت قاضی کی مع مومن آخر کے بالاتفاق صحیح ومقبول ہے، ہاں ولی کی شہادت صحیح ومقبول نہیں کیونکہ ولی کے علاوہ شاہدین کا ہونا ضروری ہے، پس صورت مسئولہ میں یا تو فقط دو شاہد ہی ہیں تو بوجہ نہ ہونے ولی کے انعقاد نہ ہوا، یا فقط ایک ہی شاہد ماسوا ولی کے ہے تو بھی نکاح صحیح نہ ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ المجیب محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعت محمدیہ میں جو گواہ مقرر بابت بینہ نکاح وغیرہ میں ہونا چاہیئے، ان کو کن اوصاف کے ساتھ موصوف ہونا چاہیئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ گواہ کو دیندار ہونا چاہیئے کہ کبیرہ گناہ اس سے نہ ہوتا ہو، اور اگر صغیرہ ہو جاتا ہو تو اس پر ہمیشگی نہ کرے، اور اس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں، اور کمینے کاموں سے بھی پرہیز کرتا ہو، جیسا کہ راستہ میں پیشاب کر دینا، اور راستہ میں کھانا وغیرہ، اور گانا بجانا نہ کرتا ہو، نہ سنتا ہو، اور نہ شراب پیتا ہو، اور مرغ بازی اور بٹیر بازی نہ کرتا ہو، اور ایسا گناہ نہ کرے جس کی وجہ سے حد شرعی اس پر آوے، اور حمام میں بلا تہبند نہ داخل ہوتا ہو، اور جوئے باز وشطرنج باز نہ ہو، جس میں ان باتوں میں سے کوئی بھی پائی جاوے، اس کی گواہی شریعت محمدیہ میں کسی مقدمہ میں مقبول نہیں ہوتی، جیسا کہ ہدایہ وشرح الوقایہ وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے اور حد نخوں میں آچکا ہے، کہ داڑھی منڈوانا کام بدکاروں کا ہے، اور پاجامہ ٹخنوں سے

لئے شرط قرار دیتے ہیں، وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، اہل بیت، شعبی، ابن المسیب، اوزاعی، امام شافعی، ابو حنیفہ، احمد بن حنبل یہ سب نکاح کے لئے شہادت کو شرط قرار دیتے ہیں، امام ترمذی نے کہا، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے اہل علم کا یہی مذہب ہے، کہ وہ شہادت کے بغیر نکاح درست نہیں سمجھتے۔

نیچے رکھنا کام ملعونوں کا، غرضکہ ظاہر لباس گواہ کا مثل لباس اسلام کے ہو، اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے، ورنہ مردود ہے۔ حررہ عبدالحکیم مدرس مدرسہ حقانی، چھاؤنی نصیر آباد، ضلع اجمیر ۱۳۱۶ھ۔ الجواب صحیح سراج الدین دولت ضلع حصار

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی ایک دختر ہے، زید نے اپنی شادی کی درخواست عمرو سے کی، عمرو نے بہت ردوقدح کے اور اس کے بعد طویل بحث دگفتگو کے قبول کیا، اور منظور فرمایا، اور ان الفاظ میں اقرار کیا، کہ میری لڑکی یعنی زوجہ تمہاری حسب الحکم احکام شرعی کی پابند اور فرمانبردار تمہاری رہے گی، اور زید نے بسبب کہنے عمرو کے حلف شرعی کی، کہ عمرو کی دختر یعنی اپنی زوجہ سے کبھی بے ایمانی نہ کروں گا، اور پھر یہ حلف عمرو نے لیا کہ یوں کہو، اور یہ صاف کہو، کہ عمرو کی لڑکی یعنی اپنی زوجہ سے بے ایمانی نہ کروں گا، اور نہ تکلیف دوں گا، اور اپنی حیثیت کے موافق اس کا نان ونفقہ وپارچہ بھی دیتا رہوں گا، بعد اس حلف کے عمرو نے مزید اطمینان کے واسطے ایک دستاویز یعنی دستاویز بکاغذ اسٹامپ لکھوایا، اور کہا کہ ان الفاظ میں حلفیہ اقرار کر کے حسب ذیل لکھو، کہ جو میں نے درخواست شادی خود پاس عمرو کے اس کی دختر سے کرنے کے لئے کی تھی، وہ عمرو نے قبول ومنظور فرمائی، اور ہم کو ممنون ومشکور فرمایا، اور عمرو نے اقرار بھی کیا، کہ میری دختر یعنی زوجہ تمہاری حسب احکام شرعی تمہاری پابند وفرمانبردار رہے گی، پس میں اپنی زوجہ یعنی عمرو کی دختر کا نان ونفقہ وپارچہ اپنی حیثیت کے موافق ادا کرتا رہوں گا، اور بعد شادی نکاح اس شہر سے اپنی زوجہ یعنی عمرو کی دختر کو نہ لے جاؤں گا، اور کبھی تکلیف نہ دوں گا، وغیرہ اہل اے چند کلمات بطور اقرار نامہ سنداً اور حلفاً بکاغذ اسٹامپ آٹھ آنہ درمیان عدلائے ذوالجلال والاکرام دے کر نسبت پا زید نے شرائط مذکورہ بالا کے لکھ دیئے، کہ سند ہو، اور مہر موافق موروثی کی نسبت بھی پوری گفتگو ہو چکی، مگر نہ سہرا بندھا، نہ بھانڈ آئے، نہ رنڈیاں ناچیں، نہ مقدس قاضی جی نے فلانے کی بیٹی فلانے نے قبول کی لکھوایا، اور نہ ڈھول بجا، ہاں اس مسئلہ اور حلف وغیرہ کا سب میں ڈھول بج گیا، یعنی تشہیر ہو گئی، طرفین کو مبارکبادیاں آئیں، تو کیا زید کا نکاح شرعی عمرو کی دختر سے ہو گیا، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں زید کا نکاح شرعی عمرو کی دختر سے ہرگز نہیں ہوا کیونکر نکاح شرعی ہونے کے لئے دو گواہ کے روبرو طرفین کے ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں ایجاب وقبول نہیں ہوا ہے، اور زید نے شرائط مذکورہ کی پابندی کی نسبت اقرار نامہ لکھا ہے، مجرد اس اقرار نامہ کے لکھ دینے سے نکاح نہیں ہوسکتا جب تک کہ دو گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول نہ ہو، بلکہ اس اقرار نامہ کے اس جملہ سے کہ بعد شادی نکاح اس شہر سے اپنی زوجہ یعنی عمرو کی لڑکی نہ لے جاؤں گا الخ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ صورت مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومتبعین سنت سید المرسلین کہ ایک عورت عاقلہ، بالغہ، ثیبہ بغیر اجازت ولی کے روبرو شاہدین، عاقلین، بالغین کے اپنا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

سوال دوسرا نکاح کی شرائط شرع محمدی میں کون کون ہیں؟

سوال تیسرا۔ جبر کرنا ولی کا ایسی عورت پر جو عاقلہ، بالغہ، ثیبہ ہو، درست ہے یا نہیں ان مسائل کا جواب بشہادت کتاب معتبر سے جو ہو بیان فرمادیں، اور عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور رہیں۔

الجواب:۔ وہو الموفق للصواب۔ سوال اول کا جواب یہ ہے کہ وہ عورت خود مختار ہے، اس کو ولی کی کچھ حاجت نہیں ہے جیسا کہ سرور کائنات سے حدیث شریف میں موجود ہے۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسها من ولیها وفی روایۃ قال الثیب احق بنفسها من ولیها وفی روایۃ الثیب احق من ولیها رواہ مسلم[1] اور صریح حدیث موجود ہے وعن خنساء بنت خذام ان اباها زوجها وهی ثیب فکرهت ذلک فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیوہ اپنے ولی کی نسبت اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے، اور ایک روایت میں ہے، ثیبہ (بیوہ یا مطلقہ جس کی پہلے شادی ایک دفعہ ہوچکی ہو) اپنے ولی کی نسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے (مسلم)، [2] خنساء بنت خذام کا نکاح اس کے باپ نے زبردستی کردیا، یہ ثیبہ تھی، اس کو یہ نکاح ناپسند تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپ نے اس کا نکاح باطل کردیا۔

فرد نکاحہ رواہ البخاری و فی روایۃ ابن ماجہ فرد نکاحہ انتہی (مشکوۃ صفحہ ۲۶۲)

دوسرے سوال کا جواب۔ ومن[1] شرائط النکاح رضا المرأۃ اذا کانت بالغۃ بکرا کانت او ثیبۃ فلا یملک الولی اجبارھا علی النکاح ومن شرائط النکاح الشہادۃ عندنا (فتاوی قاضی خان من عینہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸۳)

تیسرے سوال کا جواب۔ نفذ[2] نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی ولا تجبر بکر بالغۃ علی النکاح (کنز الدقائق صفحہ ۹۷) ولا تجبر[3] البکر البالغۃ علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ (رد المحتار من عینہ صفحہ ۱۶۳) اور حدیث لا نکاح الا بولی، مجنونہ اور صغیرہ کے حق میں ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب نے اور صاحب شامی وغیرہما نے تحقیق فرمائی ہے، جو چاہے، وہ بچشم خود دیکھ لے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم العاجز محمد علاؤ الدین عفی عنہ از گوجرانوالہ ۱۳۱۷ھ جمادی الثانی

هو الموفق۔ پہلے سوال کا جواب صحیح نہیں ہے، اس واسطے کہ عورت بالغہ ہو یا نابالغہ خود مختار نہیں ہے، کہ اسے ولی کی حاجت نہ ہو اور بلا ولی کے اس کا نکاح درست ہو، بلکہ کسی عورت کا نکاح ہرگز ہرگز بلا ولی کے جائز نہیں ہے۔ قال[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی رواہ احمد والاربعۃ وصححہ ابن المدینی والترمذی و ابن حبان واعل بالارسال کذا فی بلوغ المرام وقال[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل الحدیث اخرجہ الاربعۃ الا النسائی وصححہ ابو عوانۃ وابن حبان والحاکم کذا فی البلوغ اور حدیث لا یواحق بنفسہا من ولیہا سے عورت کی خود مختاری اور ولی سے غیر محتاج ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

---

[1] اور نکاح کے شرائط میں سے عورت کی رضامندی بھی ہے، جب کہ وہ بالغہ ہو، خواہ کنواری ہو یا ثیبہ ولی اس کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا، اور نکاح کے شرائط میں سے ہمارے نزدیک شہادت بھی ہے۔

[2] آزاد مکلف عورت اگر بغیر ولی کے نکاح کرے، تو وہ نکاح نافذ ہوگا، اور بالغہ کنواری کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا [3] اور کنواری بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بالغہ ہونے کی وجہ سے ولی کی ولایت ختم ہو چکی ہے [4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے اس کو احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے [5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔

بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ایم کو ولی کی حاجت ضروری ہے، مگر اس کا نکاح بغیر اس کی رضامندی کے ولی نہیں کر سکتا۔ قال فی سبل السلام[1] ومن الادلة علی اعتبار الولی قوله صلی الله علیه وسلم الثیب احق بنفسها من ولیها فانه اثبت حقا للولی کما یفیده لفظ احق وحقیته هی الولایة وحقیتها رضاها فانه لا یصح عقده بها الا بعده فحقها بنفسها آکد من حقه لتوقف حقه علی اذنها الحدیث انتهی وقال فی النیل واجیب بان المراد اعتبار الرضا منها جمعا بین الاحادیث انتهی، اور حدیث خنساء بنت خدام سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے

دوسرے سوال کے جواب میں اتنا اور زیادہ ہونا چاہیئے۔ ومن[2] شرائط النکاح انه لا نکاح الا بولی وانه لا تزوج المرأة المرأة ولا نفسها کما ثبت من الاحادیث الصحیحة۔

تیسرے سوال کا جواب بھی صحیح نہیں ہے۔ کما یظهر مما تقدم اور حدیث لا نکاح الا بولی کو مجنونہ اور صغیرہ کے ساتھ خاص کرنا تخصیص بلا مخصص ہے اور شیخ عبد الحق صاحب وغیرہ نے اس خصوص میں جو کچھ لکھا ہے، وہ مدلل و تشفی بخش نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

سوال:۔ ایک عورت نابالغہ پانچ سالہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی بعد شادی کے زید چار یا پانچ برس زندہ رہا، اس عرصہ میں وہ عورت اپنے والدین کے گھر رہی، اور زید شادی سے چار یا پانچ برس کے بعد فوت ہوگیا، پھر بھی برادران و والدین زید اس کو یعنے عورت بیوہ کو اپنے گھر نہیں لے گئے، بعد فوت ہونے شوہر خود کے بھی چار یا پانچ برس تک وہ عورت اپنے والدین ہی کے گھر میں گذر اوقات کرتی رہی، جب چودہ پندرہ برس

---

[1] ولی کے اعتبار کے دلائل میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی ہے، کہ ثیبہ اپنے ولی کی نسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، آپ نے اس میں ولی کا حق بھی رکھا ہے، جیسا کہ لفظ "زیادہ حقدار" کا اس پر دلالت کر رہا ہے اس کی حقیقت تو ولایت ہے، اور عورت کی حقیقت اس کی رضامندی ہے، کیونکہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا، اور عورت کا زیادہ حق یہ ہے، کہ جب تک عورت رضامند نہ ہو، ولی نکاح نہیں کر سکتا۔

[2] نکاح کے شرائط سے یہ ہے، کہ ولی کے بغیر نہیں ہوتا، عورت نہ کسی کا نکاح کر سکتی ہے، اور نہ اپنا نکاح کر سکتی ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

کی ہوئی، اور بلوغت کو پہنچی، تو اس عورت نے برضا و رغبت خود والدین خود کے ایک شخص خالد سے اپنا نکاح کر لیا، برادر زید متوفی نے یہ حال نکاح خوانی کا سنکر عدالت میں نالاں ہوا کہ عورت مجھ کو ملنی چاہیئے، میں اس سے نکاح پڑھاؤں گا، اور عورت سے عدالت نے استفسار کیا، تو وہ کہتی ہے، کہ میں خالد سے راضی ہوں، اور برادر زید سے راضی نہیں، یعنی نکاح نہیں کرتی، سو اب اس عورت کا نکاح کرا کر برادر زید متوفی سے نکاح کرانا جائز ہے یا نہیں، اور برادر زید اب اس عورت کا ولی ہے یا نہیں، اور ہے تو کس صورت میں۔

سوال دوم۔ زید متوفی نے بروقت شادی خود چند زیور عورت کو دیئے تھے تو اب اس زیور کی مالک عورت ہے یا برادر زید، اور برادر زید اس کے عین حیات میں اس سے جدا بھی تھا۔

سوال سوم۔ مہر شرعی کی دعوے دار عورت برادران و والدین زید سے ہوسکتی ہے یا نہیں

سوال چہارم۔ ایک مفتی صاحب نے عدالت سے دریافت پر فتوی دیا ہے کہ عورت کا ولی برادر زید متوفی ہے، عورت نے غیر کفو جو شخص خالد ہے اس سے اپنا نکاح کر لیا، تو برادر زید اس کا نکاح قاضی شرع سے فسخ کرا کر اپنا نکاح کر سکتا ہے سو یہ مسئلہ کیوں کر ہے؟

سوال پنجم۔ نکاح کا دار و مدار ایجاب اور قبول پر ہے، جب عورت برادر زید کو قبول ہی نہیں کرتی، اور خالد سے برضا و رغبت اپنا نکاح کر لیا، اب وہ اس سے نہ طلاق چاہتی ہے، اور نہ خالد طلاق دیتا ہے، تو پھر بقول مفتی صاحب یہ نکاح فسخ ہو کر برادر زید کا نکاح کس طرح ہوگا، فقط۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جب اس عورت نے اپنے بلوغت کے بعد برضا و رغبت خود والدین خود کے خالد سے اپنا نکاح کر لیا، اور برادر زید کے ساتھ نکاح کرنے سے راضی نہیں ہے، تو یہ نکاح جائز و درست ہوا، اب اس نکاح کو فسخ کرا کر برادر زید متوفی سے نکاح کرانا ہرگز جائز نہیں ہے، اور ولایت باتفاق جمیع اہل علم اقرب عصبات کو ہے، اور صورت مسئولہ میں والد موجود ہے، اس کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ولی نہیں ہو سکتا ہے۔

جواب سوال دوم۔ اس زیور کی مالک عورت ہے، اور اس کا مالک برادر زید نہیں ہے، حدیث عمرو بن شعیب میں مرفوعاً آیا ہے۔ ایما امرأة نکحت علی صداق او حباء او عدة قبل عصمة النکاح فھو لھا وما کان بعد عصمة النکاح فھو لمن اعطیہ واحق ما اکرم الرجل علیہ ابنتہ او اختہ رواہ احمد والاربعة الا الترمذی و رجالہ ثقات کذا فی بلوغ المرام والنیل۔

جواب سوال سوم۔ بے شک مہر شرعی کی دعویدار عورت برادران زید اور اس کے والدین سے ہو سکتی ہے، اگر زید متوفی کا ترکہ برادران زید اور اس کے والدین کے قبضہ میں ہے، اور اگر ان کے قبضہ میں نہیں ہے، تو ان سے دعویدار نہیں ہو سکتی۔

جواب سوال چہارم۔ مفتی کا یہ فتوی بالکل غلط ہے، نہ برادر زید اس عورت کا ولی ہے، اور نہ وہ اس عورت کا نکاح فسخ کرا کر اس سے اپنا نکاح کرا سکتا ہے، اس واسطے کہ جب عورت نے اپنی رضا و رغبت سے، اور اپنے والدین کی رضا و رغبت سے نکاح کیا ہے، تو یہ نکاح صحیح و درست ہوا اگرچہ غیر کفو سے ہوا ہے، پس اب یہ نکاح کسی کے فسخ کرنے سے نہ فسخ ہو سکتا ہے، اور نہ کسی کو فسخ کرانے کا اختیار ہے۔

جواب سوال پنجم۔ مفتی کا قول سراسر غلط و باطل ہے، بے شک جب وہ عورت برادر زید کو قبول ہی نہیں کرتی، اور خالد سے برضا و رغبت اپنے اور اپنے والدین کے نکاح کر لیا ہے، اور اب اس سے نہ طلاق چاہتی ہے، اور نہ خالد طلاق دیتا ہے تو کسی صورت سے یہ نکاح فسخ ہو کر برادر زید کے ساتھ نہیں ہو سکتا، واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ۔ ۲۶ رجمادی الاخری ۱۳۱۷ ہجری

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک لڑکی ہے، کہ جس کا باپ اس لڑکی کے بچپن میں مر گیا، زید اس لڑکی کا حقیقی چچا ہے، مگر حفاظت و حراست

لے جس چیز کی عورت نکاح سے قبل شرط کرے، مثلاً حق مہر تحفہ تحائف، یا کچھ روپیہ پیسہ تو اس کی حقدار عورت ہے اور جو کچھ نکاح کے بعد دیا جائے، وہ جس کو دیا جائے، اسی کا ہے، اور آدمی کا سب سے زیادہ حق ہے، کہ اس کی بیٹی یا بہن کی وجہ سے عزت کی جائے، احمد اور ترمذی کے علاوہ اصحاب سنن اربعہ نے اسے ذکر کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں، جیسا کہ بلوغ المرام اور نیل الاوطار میں ہے۔

اور پرورش ماں اور نانی کے ہاتھ میں اس کی رہی اور ہے۔ اس لڑکی کے چچا مسطور نے نکاح اس کا بولایت اپنے اپنے بیٹے کے ساتھ بدین نمط کر دیا کہ قبل نکاح اس لڑکی سے جا کر طلب اجازت کی، لڑکی چپ رہی لیکن نانی اس کی موجود تھی سخت مخالفت ہوئی بعد اس کے سامنے شاہدین عادلین کے اس لڑکی کا نکاح بولایت اپنی اپنے بیٹے سے کر دیا اور اس نکاح کی اطلاع لڑکی کو چچا نے دی، لڑکی چپ رہی لیکن ماں اور نانی نے مخالفت سخت کی آیا بصورت بالغہ ہونے اس لڑکی کے بعد دو تین روز کے اختیار فسخ نکاح کا ہے یا نہیں، اور وہ سکوت لڑکی کا شرعاً بجائے ایجاب ہوگا یا نہیں، دوم صورت نابالغہ ہونے اس لڑکی کے سوائے ولی جابر کے دوسرے اقربا یعنی ماں اور نانی کو کوئی حق مداخلت درباب نکاح اس کے ہے یا نہیں جواب مسئلہ ہذا موافق مذہب حنفی رقم فرماویں۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اگر نکاح کے وقت وہ لڑکی بالغہ تھی تو اس صورت میں لڑکی کو نکاح کے فسخ کا اختیار نہیں ہے ہدایہ میں ہے۔ وینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضاھا وان لم یعقد علیھا ولی بکراً کانت اوثیبا واذا استاذنھا الولی فسکتت او ضحکت فھو اذن انتہی۔ اور اگر نکاح کے وقت وہ لڑکی نابالغہ تھی، تو اس صورت میں بالغ ہونے کے وقت اس کو اختیار ہے چاہے اس نکاح کو باقی رکھے، چاہے فسخ کرڈالے، مگر ہاں جب بلوغ کے وقت ساکت رہے گی تو پھر فسخ کا اختیار اس کو نہیں رہے گا۔ وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ثم خیار البکر یبطل بالسکوت وخیار البلوغ فی حق البکر لا یمتد الی اخر المجلس کذا فی الھدایۃ، چچا کی موجودگی میں ماں اور نانی کو کوئی حق نہیں ہے۔ والولی العصبۃ علی ترتیب الارث والحجب شد

۱؎ عورت جب عاقلہ، بالغہ اور آزاد ہو تو اس کا نکاح اس کی رضا سے منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ ولی اس کا نکاح نہ کرے، کنواری ہو یا ثیبہ، اور جب ولی اس سے اجازت مانگے، اور وہ خاموش رہے یا ہنس پڑے تو وہ اجازت ہے

۲؎ اگر باپ دادا کے علاوہ اور کوئی ولی نکاح کر دے، تو ان دونوں کو بالغ ہونے کے بعد فسخ کا اختیار باقی ہے، اگر چاہیں تو نکاح باقی رکھیں، چاہیں تو فسخ کر دیں پھر کنواری کا اختیار خاموشی کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے اور بلوغ کا اختیار آخر مجلس تک باقی رہے گا۔

الام ثم ذوالرحم الاقرب فالاقرب کذا فی الھدایۃ۔

حررہ علی احمد مدراسی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت دیندار ہے، اور کہ خاوند اس کا کبھی نماز پڑھتا ہے کبھی نہیں، اس عورت نے ایک دیندار، پرہیزگار مرد سے کہا کہ اگر تو مجھ سے نکاح کرلے، مرد نے کہا، کہ اگر تیرا خاوند تجھ کو طلاق دے دے، تو البتہ ہم تجھ سے نکاح کریں گے، یہ سنکر وہ عورت اپنے خاوند سے بگاڑ کرنے لگی، اور اپنے خاوند کے گھر سے گاہ بگاہ بلا اجازت خاوند کے میکے چلی گئی، اور اس مرد دیندار نے چاہا، کہ اگر اس کا خاوند ہم سے روپیہ لے لیتا اور اس کو طلاق دے دیتا، تو اچھی بات ہوتی، اور اس کے خاوند کو معلوم ہوا، کہ ہماری عورت سے اور فلاں شخص سے یہ بات چیت ہوئی ہے، اب ہمارے یہاں نہیں رہے گی، یہ بات اس کو اچھی طرح سے یقین ہوگئی، تب اس کے خاوند سے اور مرد دیندار سے کچھ بات چیت ہوئی، اس دیندار نے اس کے خاوند سے کہا، کہ تو اپنی عورت کو طلاق دے دے، اور ہم سے بیس پچیس روپیہ لے لے، اس کے خاوند نے سوچا، کہ اب طلاق دے دینا اچھا ہے، کیونکہ بی بی تو ہمارے یہاں رہے گی نہیں تو ہم کیوں نکلے رہیں، یہ سوچ کر اس نے روپے لے لئے، اور اپنی بی بی کو طلاق دے دی، بروقت طلاق دینے کے لوگوں نے پوچھا، کہ تو کیوں طلاق دیتا ہے، اس نے کہا، کہ ہم اپنی خوشی سے طلاق دیتے ہیں، پس بعد طلاق وعدت کے اس شخص نے یعنی جس نے روپے دیئے تھے، اس عورت سے نکاح کرلیا، آیا یہ نکاح عندالشرع جائز ہے یا نہیں، اور ایسے شخص سے مسلمان پرہیزگار کو سلام ودعوت وتواضع کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب:۔ یہ نکاح جائز ہے، اس لئے کہ وقوع طلاق میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہا، کیونکہ اس شخص نے لوگوں کے سامنے طلاق دی، ہاں شرط روپے کی باطل ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط قضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق الحدیث رواہ البخاری،[1] اس

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے، اگرچہ سو شرط ہو اللہ کا فیصلہ بہت زیادہ حق رکھتا ہے، اور اللہ کی شرط سب سے زیادہ معتبر ہے۔

شخص کو لازم ہے، کہ آئندہ ایسی بات سے پرہیز کرے یعنی رشوت دے کر طلاق طلب نہ کیا کرے، اس واسطے کہ رشوت کا لینے والا، اور دینے والا دونوں دوزخی ہیں، پس اگر آئندہ کے واسطے توبہ کرے، تو اس سے سلام کرنا، اور اس کی دعوت قبول کرنی اور اس کی دعوت کرنی جائز ہے، ورنہ اہل تقوے کو چاہیے، کہ اس سے پرہیز کریں تاکہ وہ اس فعل سے باز آوے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ عبدالرحمن گورکھپوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ صورت مسئولہ میں اگر اس عورت نے اپنا نکاح خود بلا ولی کے کیا ہے، تو یہ نکاح ناجائز ہے، اور اگر یہ نکاح ولی کی ولایت سے ہوا ہے، تو جائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک طوائف سے نکاح کیا، بعد چند ماہ کے نااتفاقی ہوکر نوبت طلاق کی پہنچی، خاوند نے ایک جلسہ میں تین طلاق دے دی، اور طلاق نامہ لکھ دیا، اور عورت مطلقہ نے اس بات پر راضی ہوکر مہر جو مقرر ہوا تھا، خاوند کو معاف کیا، اور ایک دستاویز لادعوے بہ نسبت مہر کے لکھ دی، اور دوسرے شہر میں جاکر اپنا پیشہ سابقہ جو زناکاری تھا کرنے لگی، اب بعد ایک سال کے پھر دونوں شخص مذکور باہم رضامند ہیں، اس واسطے علمائے شریعت سے عرض ہے، کہ یہ عورت مذکورہ مرد مذکور کے نکاح میں اب پھر دوبارہ کس ترکیب سے آسکتی ہے آیا حلالہ کیا جاوے، یا فقط تجدید نکاح کیا جاوے، یا وہی نکاح اول اس قدر مدت تک قائم رہا، بموجب قرآن وحدیث کے بیان فرمادیں۔

سوال دوم:۔ ایک مرد کی منکوحہ کو ایک شخص ورغلا کر اپنے ہمراہ لے گیا، اور عرصہ ایک سال تک دونوں مفقود الخبر رہے، بعد ایک سال کے خود عورت نے ایک شہر دور دراز سے بنام خاوند اپنے کے بدین مضمون خط بھیجا، کہ مجھ کو فلاں شخص بہکا کر لایا تھا اب تم مجھ کو آکر لے جاؤ، چنانچہ خاوند اس کا جاکر عورت کو اپنے ہمراہ لے آیا، اور اپنے گھر میں لاکر مثل سابق کے اس عورت سے عملدرآمد کیا، اس واسطے علمائے دین سے عرض ہے، کہ یہ عورت اس کے نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں، اگر نکاح سے باہر ہوگئی، تو اب نکاح میں آنے کی کیا صورت ہے، بموجب قرآن وحدیث کے بیان فرمائیے۔

الجواب: جواب سوال اول: عورت مذکورہ مرد مذکور کے نکاح میں اب پھر دوبارہ تجدید نکاح سے آسکتی ہے، حلالہ کی کچھ ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ایک جلسہ میں تین طلاق حکم میں ایک طلاق رجعی کے ہوتی ہے، موافق حدیث ابن عباس۔ کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة الحدیث۔ صورت مسئولہ میں چونکہ عدت گذر گئی ہے، اس وجہ سے تجدید نکاح کی ضرورت ہوئی اگر عدت باقی ہوتی تو فقط رجعت کر لینا کافی تھا، ہاں یہ واضح رہے کہ عورت مذکورہ زانیہ ہے پس جب تک یہ عورت زنا سے توبہ نہ کرے گی تب تک مرد مذکور کا نکاح اس عورت زانیہ سے درست نہیں ہوگا۔ قال الله تعالیٰ الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة والزانیة لا ینکحها الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المؤمنین (سورہ النور)

جواب سوال دوم: یہ عورت مذکورہ اس شخص مذکور کے نکاح سے باہر نہیں ہوئی جیسے پہلے اس کے نکاح میں تھی، اب بھی اس کے نکاح میں باقی ہے، اگرچہ یہ عورت بسبب نکل جانے غیر مرد کے ساتھ، اور ایک سال تک اس کے ہمراہ رہنے کی وجہ سے بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہوئی ہے، مگر اس گناہ کے مرتکب ہونے کی وجہ سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عاقلہ بالغہ اپنا شوہر معین ہونے اور عین ایجاب کے وقت کہہ رہی تھی، اور گریہ وزاری کر رہی تھی کہ میرا نکاح زید کے ساتھ نہ کرنا، چنانچہ شاہد موجود ہیں، مگر باپ نے لڑکی کی مرضی پر توجہ کی، اور نہ کسی غیر کا کہنا مانا، بلکہ گریہ وزاری ہی میں اس کا نکاح کر دیا زید کے ساتھ، اور ایسے الفاظ کہنے سے دھوکا فریب دینے سے کہ اگر تو وہاں راضی نہ ہوئی تو تمہیں وہاں سے واپس کرا لوں گا خسر کے گھر روانہ کر دیا، اور لڑکی وہاں سے واپس چلی آئی، اور اس کی طرف سے تا حال نہ رضا اور بلا اکراہ ایجاب ہوا نہ قبول آیا، پس سوال یہ ہے کہ اس عورت کا خسر کے گھر چلا جانا

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد اور عمر کی خلافت کے دو سال تک اگر یک وقت تین طلاقیں دی جاتیں، تو وہ ایک شمار ہوتی تھیں ۔ ۲ے اللہ تعالیٰ نے فرمایا زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ عورت نہیں نکاح کرتی مگر زانی یا مشرک مرد سے، اور مومنوں پر ایسا نکاح حرام ہے۔

موجب رضا یا قبول یا ایجاب شرعی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں جب کہ عورت عاقلہ بالغہ مذکورہ اپنے شوہر کے معین ہونے کے وقت اور عین ایجاب کے وقت یہ کہہ رہی تھی، مگر اس کے باپ نے نہ اس کی مرضی پر توجہ کی، اور نہ کسی غیر کا کہنا مانا، اور بلا مرضی اس کے اس کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا، اور تا حال وہ راضی نہیں ہے، تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، کیونکہ عورت عاقلہ بالغہ کے نکاح کے منعقد ہونے کے لئے اس کی اجازت و مرضی شرط ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستاذن فی نفسها واذنها صماتها وفی روایۃ قال الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر تستامر واذنها سکوتها وفی روایۃ قال الثیب احق بنفسها والبکر یستاذنها ابوها فی نفسها واذنها صماتها رواہ مسلم۔ وعن ابن عباس قال ان جاریۃ بکرا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباها زوجها وهی کارهۃ فخیرها النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابوداؤد۔ اور اس کے باپ نے جو یہ کہہ کر کہ اگر تو وہاں راضی نہ ہوئی، تو تمہیں ان سے واپس کروا لوں گا خسر کے گھر روانہ کر دیا، اور وہ جا کر وہاں سے واپس چلی آئی سو باپ کے اس کہنے سے اس کا خسر کے گھر چلا جانا موجب رضا و قبول نہیں ہو سکتا، ہاں وہاں جا کر اپنے سے بلا جبر و اکراہ راضی ہوتی تو اس کا یہ فعل البتہ موجب رضا و قبول نکاح ہوتا، مگر جب کہ وہ وہاں سے بلا رضامندی واپس چلی آئی، اور تا حال وہ راضی نہیں ہے، تو اس کا خسر کے گھر میں مجرد چلا جانا ہرگز موجب رضا و قبول نکاح نہیں ہو سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبد الرحیم عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر

۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیوہ اپنے ولی کی نسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، اور کنواری سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ ثیبہ اپنے ولی کی نسبت اپنے دل کی زیادہ حقدار ہے، اور کنواری سے اجازت لی جائے (مسلم) ایک کنواری لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہا، کہ میرے باپ نے میری مرضی کے خلاف زبردستی میرا نکاح کر دیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا۔ (ابوداؤد)

کو ایک سید کی زوجیت میں اس شرط پر دیا کہ اپنے گھر داماد رکھوں گا شادی کے بعد کچھ عرصہ تک ہر دو خاوند زوجہ اپنے گھر آباد رہے، چند دن کے بعد بسبب باہمی تنازعہ کے خاوند نے اپنی زوجہ کو اپنے ہمراہ مقام ملازمت پر لے جانا چاہا۔ مگر لڑکی کے والد نے انکار کیا اور نوبت عدالت تک پہنچی، اور عدالت میں عذر پیش کیا، کہ ہمارا داماد مذہب شیعہ رکھتا ہے اور لڑکی سنی ہے اس لئے نکاح ناجائز ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ لڑکی حاملہ ہے آیا اس نکاح کی اولاد حلال ہے یا حرام، اور نکاح جائز ہے یا ناجائز بینوا توجروا

الجواب:۔ یہ نکاح جائز ہے اور اس نکاح کی اولاد حلال ہے، کیونکہ سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ نکاح سے پہلے سب راضی تھے، لڑکی بھی اور لڑکی کا باپ بھی پھر چند دن کے بعد باہمی تنازعہ کی وجہ سے جب خاوند نے اپنی زوجہ کو مقام ملازمت پر لے جانا چاہا، تب لڑکی کے والد نے انکار کیا، اور عدالت تک نوبت پہنچنے پر عدالت میں خاوند کے مذہب شیعہ ہونے کا عذر پیش کر کے اس کے نکاح کے ناجائز ہونے کا دعوی کیا، پس اب لڑکی کے والد کا یہ عذر شرعا غیر مسموع ہے، رہی یہ بات کہ خاوند نے جو اس شرط پر نکاح کیا ہے، کہ اپنی زوجہ کے گھر رہے گا یعنی اس کو اس کے گھر سے، کسی دوسرے مقام پر نہیں لے جائے گا، سو اس شرط کا ایفا خاوند پر لازم ہے یا نہیں سو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک لازم ہے اور بعض کے نزدیک لازم نہیں، نیل الاوطار صفحہ ۴۵ جلد ۶ میں ہے ۔ اختلف اهل العلم في اشتراط المرأة ان لا يخرجها زوجها من بلدها فحكى الترمذي عن اهل العلم من الصحابة قال ومنهم عمر انه يلزم قال وبه يقول الشافعي واحمد واسحق وروى ابن وهب باسناد جيد ان رجلا تزوج امرأة فشرط ان لا يخرجها من دارها فارتفعوا الى عمر فوضع الشرط وقال المرأة مع زوجها قال ابو عبيد تضادت الروايات عن عمر في هذا وحكى الترمذي عن علي انه قال سبق شرط الله شرطها

سلہ اگر عورت نکاح کے وقت شرط کرلے کہ میں اپنے شہر سے باہر نہیں جاؤں گی تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، ترمذی نے اہل علم صحابہ سے نقل کیا ہے کہ اس شرط کا پورا کرنا لازم ہے، حضرت عمر، امام شافعی، احمد اسحاق کا یہی مذہب ہے ابن وہب نے حضرت عمر رضہ سے اس کے خلاف فیصلہ نقل کیا ہے، اور فرمایا عورت اپنے مرد کے ساتھ رہے گی، ابو عبید نے کہا، حضرت عمر رضہ سے اس کے متعلق روایات مختلف آئی

قال وھو قول الثوری وبعض اھل الکوفۃ قال ابو عبید وقد قال بقول عمر عمرو بن العاص ومن التابعین طاؤس والو الشعثاء وھو قول الاوزاعی وقال اللیث والثوری والجمھور بقول علی حتی لو کان صداق مثلہا مائتہ مثلا فرضیت بخمسین علی ان لا یخرجہا فلہ اخراجہا ولا یلزمہ الا المسمی وقالت الحنفیۃ لہا ان ترجع علیہ بما نقصتہ لہ من الصداق وقال الشافعی یصح النکاح ویلغو الشرط ویلزمہ مہر المثل وعنہ یصح وتستحق الکل کذا فی الفتح وقال ابو عبید والذی ناخذ بہ انا نامرہ بالوفاء بشرطہ من غیر ان نحکم علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو دختران کا نکاح ان کے باپ نے دو لڑکے حقیقی برادران سے کر دیا تھا ایک لڑکی وداع کی گئی، اس کے شوہر خوشدامن وخسر نے از بس تکلیفات پہنچائیں، اور بباعث انہیں تکلیفات کے یہ لڑکی فوت ہو گئی، ایام بیماری میں چند مرتبہ اس کو علاج کے لئے بلایا گیا، مگر نہیں بھیجا اب رہی ایک لڑکی جس کی عمر بوقت نکاح آٹھ سال کی تھی، اب یہ لڑکی بالغ ہے اور ہر ایک امور نیک وبد کو سمجھ سکتی ہے اور ہنوز اس کی وداع نہیں ہوئی ہے، اب یہ لڑکی بخوف ضائع ہو جانے جان کے اپنے شوہر کے یہاں جانا نہیں چاہتی، اور نکاح ہونا زمانہ نابالغیت قبول نہیں کرتی ہے، شرعاً یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ نکاح شرعاً فسخ ہو سکتا ہے، کیونکہ جب کسی لڑکی کا نکاح اس کے ولی نے کر دیا ہو، اور وہ لڑکی اس نکاح سے راضی نہ ہو، گو وہ نکاح اس کے باپ ہی کا کیا ہوا کیوں نہ ہو۔

ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی شرط اس کی شرط سے مقدم ہے، ثوری اور بعض اہل کوفہ کا یہی مذہب ہے عمرو بن عاص، طاؤس، ابو الشعثاء، اوزاعی، لیث، ثوری عورت کی اس شرط کو صحیح کہتے ہیں اور جمہور اس کے خلاف ہیں، اگر بالفرض عورت کا حق مہر مثل سو روپیہ ہو، اور وہ شرط کرے، کہ میں پچاس لے لوں گی، لیکن مجھے میرے شہر سے باہر نہ لے جانا، تو مرد اسے باہر بھی لے جا سکتا ہے، اور مہر بھی پچاس روپے دے گا، حنفی کہتے ہیں، کہ مرد عورت کو باہر تو لے جا سکے گا، لیکن عورت اپنا حق مہر مثل لے سکے گی، شافعی کہتے ہیں، کہ نکاح صحیح ہو گا، اور شرط بے کار ہو گی اور مہر مثل ہو گا، ابو عبید نے کہا ہم شرط پوری کرنے کے حق میں ہیں، لیکن مرد کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

تو اس نکاح میں وہ لڑکی مختار ہے، چاہے اس کو قائم رکھے، چاہے فسخ کر دے، ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا ہے، بلوغ المرام میں ہے۔ عن ابن عباس ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ احمد وابوداؤد واعل بالارسال۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور اس نے ذکر کیا، کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے، اور وہ اس نکاح سے راضی نہیں ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا کہ اس نکاح کو قائم رکھے یا فسخ کر دے، روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے، اور اس میں یہ علت بیان کی گئی ہے، کہ مرسل ہے، اور اس علت ارسال کا جواب یہ ہے، کہ یہ حدیث دوسرے طریق سے موصولاً بھی مروی ہے، اور جب کوئی حدیث مرسلاً اور موصولاً دونوں طرح سے مروی ہو، تو موصول ہی کا اعتبار ہوتا ہے، علاوہ اس کے اس حدیث کے متعدد طرق ہیں، جو بعض بعض کے مقوی ہیں، سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اس حدیث کے تحت میں مرقوم ہے۔ واجیب عنہ بانہ رواہ ابن سوید عن الثوری عن ایوب موصولا وکذلک رواہ معمر بن سلیمان عن زید بن حبان عن ایوب موصولا واذا اختلف فی وصل الحدیث وارسالہ فالحکم لمن وصلہ قال المصنف الطعن فی الحدیث لا معنی لہ لان لہ طرقا یقوی بعضھا بعضا انتہی اس مقام میں لڑکی نے اپنے نکاح کے متعلق صرف اتنی بات کہی تھی، کہ میں اس نکاح سے ناراض ہوں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دے دیا، کہ چاہے تو اس نکاح کو فسخ کر دے یا باقی رکھے، تو گویا آپ نے یوں فرمایا، کہ اگر تو اپنے نکاح سے ناراض ہے، تو تجھ کو اس میں اختیار ہے، اس سے ثابت ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لڑکی کو اختیار دیا، سو اس کی وجہ یہی تھی، کہ وہ اپنے اس نکاح سے راضی نہیں تھی، سبل السلام میں حدیث مذکور کے تحت میں مرقوم ہے فالبت انہ زوجھا وھی کارھۃ فالعلۃ کراھتھا فعلیھا علق التخییر لانھا المذکورۃ فکانہ قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنت

لہ جب کسی حدیث کے مرسل اور موصول ہونے میں اختلاف ہو جائے تو حکم اس کے وصل کا ہوگا، مصنف نے کہا، اس حدیث میں طعن کا کوئی مطلب ہی نہیں، کیونکہ اس کے بہت سے طرق ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں

کارھۃ فانت بالخیار انتہی۔ پس جب کہ حدیث مذکور میں لڑکی اس کے نکاح میں اختیار حاصل ہونے کی یہی وجہ تھی، کہ وہ اپنے اس نکاح سے راضی نہیں تھی تو یہی وجہ صورت مسئولہ میں بھی موجود ہے، لہذا صورت مسئولہ میں لڑکی کو اس کے اس نکاح میں اختیار ہے، پس شرعاً یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبد الحق اعظم گڈھی۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ نابالغہ کو طلاق دے کر اس کا نکاح اپنے حقیقی بھائی سے کر دیا، عدت کے گذرنے سے پہلے، اور منکوحہ مذکورہ کی ماں سے خود نکاح کر لیا، عند الشرع یہ ہر دو نکاح جائز ہیں، یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید نے اگر اپنی عورت منکوحہ نابالغہ کو قبل دخول کے طلاق دی ہے، تو اس صورت میں اس عورت پر عدت نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فتح البیان میں ہے ای تجامعوھن ابن کثیر میں ہے اجمع العلماء علی انہ اذا کان الطلاق قبل المسیس والخلوۃ فلا عدۃ علیھا انتہی۔ تو جب اس پر عدت ہی نہیں تو نکاح اس کا بلاشبہ درست ہے، اور اگر زید نے اس کو بعد دخول کے طلاق دی ہے، تو اس پر عدت ہے، پس اس صورت میں اس کا نکاح قبل انقضاء عدت کے ہوا ہے، لہذا یہ نکاح ناجائز ہوگا، اور تفریق لازم ہوگی۔ نیل الاوطار میں ہے۔ وقد وقع الاتفاق علی انہ اذا وقع العقد فی العدۃ لزم التفریق بینھما۔ رہا زید کا اپنی منکوحہ نابالغہ مطلقہ کی والدہ سے نکاح کرنا، سو یہ حرام و ناجائز ہے ہر صورت میں خواہ اس نے قبل دخول طلاق دی ہو یا بعد دخول کے، مسویٰ میں ہے۔ ویحرم علی الناکح امھات المنکوحۃ وجداتھا تحریما مؤبدا بمجرد العقد انتہی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں اما امھات النساء اللاتی لم یدخل بھن ازواجھن فان جمھور السلف ذھبوا الی ان الام تحرم بالعقد علی الابنۃ انتہی ابن المنذر فرماتے ہیں۔ والصحیح قول الجمھور

۱؎ علماء کا اتفاق ہے کہ اگر طلاق صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے ہو جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے ۲؎ اس پر اتفاق ہے کہ اگر عدت کے اندر نکاح ہو تو ان میں تفریق کرنا لازم ہے ۳؎ منکوحہ عورت کی مائیں اور دادیاں نانیاں نکاح کرنے والے پر صرف نکاح ہی سے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی ۴؎ اگر نکاح کے بعد کسی عورت سے دخول نہ بھی ہو تو بھی جمہور کے مذہب کے مطابق اس کی مائیں صرف نکاح ہی سے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی۔

لدخول جمیع امہات النساء فی قولہ تعالیٰ وامہات نسائکم[1] اور مؤید اس مذہب جمہور کی یہ حدیث ہے عن[2] النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا نکح الرجل المرأۃ فلا یحل لہ ان یتزوج امہا دخل بالابنۃ او لم یدخل الحدیث رواہ عبد الرزاق وعبد بن حمید بن جریر وابن المنذر والبیہقی من طریق عمرو بن شعیب امام ابن کثیر فرماتے ہیں[3] ھذا الخبر وان کان فی اسنادہ ما فیہ فان الاجماع حجۃ علی صحۃ القول بہ انتہی۔ ھذا ھو القول الفصل فی الباب۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبد الحق ملتانی | سید محمد نذیر حسین

سوال: ما قولکم ایہا العلماء رحمنا ورحمکم اللہ تعالیٰ ھل ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المتعۃ التی احلتہا فرقۃ باغیۃ شیٔ نقتدی بہ ونتبع وھل اختلف الصحابۃ فی حلتہا وحرمتہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم ام اتفقوا علی حرمتہا وھل ثبت عن تابعیہم فی حکمہا شیٔ یحتج بہ امرکا۔ بینوا بالقول الفاضل جزاکم اللہ تعالیٰ فی الآجل والعاجل۔

الجواب:۔ لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المتعۃ شیٔ یدل علی حلتہا بعد ما حرمہا بل ثبت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یدل علی حرمتہا قال البخاری فی صحیحہ باب نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المتعۃ اخیرا قال الحافظ فی الفتح قولہ اخیرا یفہم منہ انہ کان مباحا وان النہی عنہ وقع فی اخر

---

[1] اور جمہور کا قول صحیح ہے کیونکہ عورتوں کی ماؤں میں تمام مائیں داخل ہیں [2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی کسی عورت سے نکاح کرے، تو اس کو جائز نہیں، کہ اس کی ماں سے نکاح کرے، خواہ اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، عبد الرزاق، ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی نے عمرو بن شعیب سے اسے روایت کیا ہے

[3] اگرچہ اس حدیث کی سند میں گفتگو ہے، لیکن اجماع اس کی صحت پر حجت ہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ شیعہ متعہ کو حلال کہتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا جواز ثابت ہے، اور کیا صحابہ کا اس میں اختلاف ہے، یا اس کی حرمت پر سب متفق ہیں، اور کیا تابعین سے کوئی ایسی چیز ثابت ہے جس سے اس کا ثبوت مل سکے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعہ کے متعلق کوئی ایسی چیز ثابت نہیں ہے، جس سے اس کی حلت معلوم ہو، بلکہ اس کی حرمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صریحاً ثابت ہے، امام بخاری

الامر ولیس فی احادیث الباب التی اوردھا التصریح بذلک لکن قال فی اخر الباب ان علیا بین انہ منسوخ وقد وردت عدۃ احادیث صحیحۃ صریحۃ بالنھی عنھا بعد الاذن فیھا واقرب ما فیھا عھدا بالوفاۃ النبویۃ ما اخرجہ ابوداؤد من طریق الزھری قال کنا عند عمر بن عبد العزیز فتذاکرنا متعۃ النساء فقال رجل یقال لہ ربیع بن سبرۃ اشھد علی ابی انہ حدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا فی حجۃ الوداع انتھی ولم یختلف الصحابۃ رضی اللہ عنھم والتابعون رحمھم اللہ فی حلتھا وحرمتھا بل اتفقوا علی حرمتھا وما ذکر عن بعض الصحابۃ والتابعین من اباحتھا فھو لا یدل علی انہ من مذھبھم لانہ کما نقل عنھم الاباحۃ کذلک نقل عنھم التحریم ایضا۔ قال الحافظ فی الفتح قال الخطابی تحریم المتعۃ کالاجماع الا عن بعض الشیعۃ ولا یصح علی قاعدتھم فی الرجوع فی المختلفات الی علی و ال بیتہ فقد صح عن علی انھا نسخت ونقل البیھقی عن جعفر بن محمد انہ سئل عن المتعۃ فقال ھی الزنا بعینہ قال الخطابی ویحکی عن ابن جریج جوازھا اھ وقد نقل ابوعوانۃ فی صحیحہ عن ابن جریج انہ رجع عنھا بعد ان روی بالبصرۃ فی اباحتھا ثمانیۃ عشر حدیثا قال ابن دقیق العید ما حکاہ بعض الحنفیۃ عن مالک

نے باب باندھا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر عمر میں متعہ کو حرام کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں اس کی اجازت دی گئی تھی، اور حضرت علی کا قول نقل کیا ہے، کہ متعہ کی اجازت منسوخ ہو گئی، پھر چند ایک احادیث اس کی حرمت کے بارے میں لکھی ہیں، اور سب سے زیادہ قریب وفات کے وہ حدیث ہے، جس کو ربیع بن سبرہ نے روایت کیا، کہ عمر بن عبد العزیز کے پاس چند لوگوں میں متعہ کے متعلق تذکرہ ہوا، تو ربیع نے کہا، کہ میرے باپ نے مجھ کو حدیث سنائی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں متعہ سے منع فرمایا، صحابہ اور تابعین اس کی حرمت پر متفق ہیں، اور بعض صحابہ اور تابعین اس کی حرمت پہ متفق ہیں اور بعض صحابہ اور تابعین سے جو اس کی اباحت منقول ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کا مذہب ہے بلکہ ان سے اس کی تحریم بھی منقول ہے، خطابی نے کہا، متعہ کی حرمت پر امت کا اجماع ہے، ماسوائے چند ایک شیعہ کے اور وہ بھی اس کو اپنے قاعدے کے مطابق حضرت علی رض سے ثابت نہیں کر سکتے، کیونکہ ان سے اس کا نسخ ثابت ہے، امام جعفر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا یہ زنا ہے، ابن جریج سے اس کا جواز نقل کیا جاتا ہے، حالانکہ ابوعوانہ سے ان کا رجوع ثابت ہے، اور بعض

من الجواز خطاء فقد بالغ المالکیۃ فی منع النکاح الموقت حتی ابطلوا توقیت الحل بسببہ فقالوا لو علق علی وقت لابد من مجیئہ وقع الطلاق الآن لانہ توقیت للحل فیکون فی معنی النکاح المتعۃ قال عیاض واجمعوا علی ان شرط البطلان التصریح بالشرط فلو نوی عند العقد ان یفارق بعد مدۃ صح نکاحہ الا الاوزاعی فابطلہ واختلفوا ھل یحد ناکح المتعۃ او یعزر علی قولین ماخذھما ان الاتفاق بعد الخلاف ھل یرفع الخلاف المتقدم وقال القرطبی الروایات کلھا متفقۃ علی ان زمن اباحۃ المتعۃ لم یطل وانہ حرم ثم اجمع السلف والخلف علی تحریمھا الا من لا یلتفت الیہ من الروافض وجزم جماعۃ من الائمۃ بتفرد ابن عباس باباحتھا فھی من المسئلۃ المشھورۃ وھی ندرۃ المخالفۃ ولکن قال ابن عبد البر اصحاب ابن عباس من اھل مکۃ والیمن علی اباحتھا ثم اتفق فقھاء الامصار علی تحریمھا و قال ابن حزم ثبت علی اباحتھا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود ومعاویۃ وابو سعید وابن عباس وسلمۃ ومعبد ابنا امیۃ بن خلف وجابر وعمرو بن حریث ورواہ جابر عن جمیع الصحابۃ مدۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر الی قرب خلافۃ عمر قال ومن التابعین طاؤس وسعید بن جبیر وعطاء وسائر فقھاء مکۃ قلت وفی جمیع ما اطلقہ نظر اما ابن مسعود فمستندہ

احناف نے جو امام مالک سے اس کا جواز نقل کیا ہے، وہ بالکل غلط ہے، مالکی تو اس کی حرمت میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ متعہ کی وجہ سے توقیت حل کے بھی قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں، کہ اگر نکاح کو وقت پر معلق کر گیا تو لازماً طلاق کا وقت آجائے گا، تو اس کا انجام نکاح متعہ پر ہوگا، قاضی عیاض نے کہا، اگر نکاح کے وقت کوئی آدمی کہے، کہ میں اتنے سال کے بعد اس عورت کو طلاق دے دوں گا، تو یہ نکاح باطل ہوگا، اور اگر اس کا اظہار نہ ہو اور دل میں نیت ہو تو نکاح جائز ہوگا، اوزاعی اس کو بھی باطل کہتے ہیں، اس میں اختلاف ہے، کہ متعہ کرنے والے پر حد لگائی جائے یا تعزیر، قرطبی نے کہا متعہ کی تمام روایات متفق ہیں، کہ متعہ کا زمانہ کچھ زیادہ دیر نہیں رہا، اس کے بعد جب حرام ہوا تو ہمیشہ کے لئے اس کی حرمت پر سلف اور خلف کا اتفاق ہوا، اور روافض میں سے چند لوگ اس کے قائل ہیں، بعض لوگوں نے ابن عباس سے اس کی حلت نقل کی ہے، اور اتنا مشہور مسئلہ ہونے کے، باوجود ابن عباس سے اس کا جواز ایک عجیب بات ہے، ابن حزم کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن مسعود، معاویہ، ابو سعید، ابن

فیہ الحدیث الماضی فی اوائل النکاح وقد بینت فیہ ما نقلہ الاسماعیلی من الزیادۃ فیہ المصرحۃ عنہ بالتحریم وقد اخرجہ ابو عوانۃ من طریق ابی معاویۃ عن اسماعیل بن ابی خالد وفی آخرہ نفعلنا ثم ترک ذلک واما معاویۃ فاخرجہ عبد الرزاق من طریق صفوان بن یعلی بن امیۃ اخبرنی یعلی ان معاویۃ استمتع بامرأۃ بالطائف واسنادہ صحیح لکن فی روایۃ ابی الزبیر عن جابر عند عبد الرزاق ایضا ان ذلک کان قدیما ونفظہ استمتع معاویۃ مقدمہ الطائف بمولاۃ بنی الحضرمی یقال لہا معانۃ قال جابر ثم عاشت معانۃ الی خلافۃ معاویۃ فکان یرسل الیہا بجائزۃ کل عام وقد کان معاویۃ متبعا لعمر مقتدیا بہ فلا یشک انہ عمل بقولہ بعد النہی ومن ثم قال الطحاوی خطب عمر فنہی عن المتعۃ ونقل ذلک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکر علیہ ذلک منکر وفی ھذا دلیل علی متابعتہم لہ علی ما نہی عنہ واما ابو سعید فاخرج عبد الرزاق عن ابن جریج ان عطاء قال اخبرنی من شئت عن ابی سعید قال لقد کان احدنا یستمتع بملء القدح سویقا وھذا مع کونہ ضعیفا للجہل باحد رواتہ لیس فیہ التصریح بانہ کان بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما ابن عباس نتقدم النقل عنہ والاختلاف ھل رجع اولا واما سلمۃ ومعبد فقصتہما واحدۃ اختلف فیہا ھل وقعت لہذا اولہذا اخرجہ عبد الرزاق بسند صحیح عن عمرو بن دینار عن

عباس سلمہ و معبد بن امیہ بن خلف، یا بر عمرو بن حریث سے متعہ کا جواز نقل کیا جاتا ہے، اور تابعین میں سے طاؤس، سعید بن جبیر اور عطاء سے بیان کیا جاتا ہے، لیکن ان سب کی اسناد ضعیف ہیں، اور بعض میں پہلے کا ذکر ہے اور بعد میں حرمت نقل ہے، چنانچہ ابن مسعود اور معاویہ کی حدیث کے آخر میں ہے، کہ پھر متعہ حرام ہو گیا، امیر معاویہ نے طائف میں بنی حضرمی کی ایک لونڈی معانہ نامی سے متعہ کیا تھا، جو امیر معاویہ کی خلافت تک زندہ رہی، امیر معاویہ اس کو ہر سال کچھ ہدیہ وغیرہ دیا کرتے تھے، یہ متعہ بھی حرام ہونے سے پہلے کیا تھا، حضرت عمر نے ایک عورت سے خطبہ کیا، لیکن اس کے بعد متعہ حرام ہو گیا، تو ان کو اس سے روک دیا گیا، اور ابو سعید کی حدیث میں ہے، کہ ہم میں سے کوئی آدمی ایک پیالہ بھر ستو سے متعہ کر لیا کرتا تھا، یہ حدیث ضعیف ہے اس کے راوی مجہول ہیں اور پھر اس میں یہ تصریح بھی نہیں ہے کہ حرمت کے بعد کا واقعہ ہے یا پہلے کا، اور عبد اللہ بن عباس کے رجوع کے متعلق اختلاف ہے اور سلمہ اور معبد کا

طاؤس عن ابن عباس قال لم یرع عمر الا امرأکة قد خرجت حبلی فسألها عمر فقالت استمتع بی سلمة بن امیة راخرج من طریق ابی الزبیر عن طاؤس فسماه معبد بن امیة واما جابر فسند ه قوله فعلناها وقد بینته قبل ووقع فی روایة ابی نضرة عن جابر عند مسلم فنهانا عمر فلم نفعله بعد فان کان قوله فعلنا یعم جمیع الصحابة فقوله ثم لم نعد یعم جمیع الصحابة فیکون اجماعا وقد ظهران مستند ه الاحادیث الصحیحة التی بیناها واما عمرو بن حریث وکذا قوله رواه جابر عن جمیع الصحابة فعجیب وانما قال جابر فعلناها وذلک لا یقتضی تعمیم جمیع الصحابة بل یصدق علی فعل نفسه وحده واما ما ذکره عن التابعین فهو عند عبد الرزاق عنهم باسانید صحیحة وقد ثبت عن جابر عند مسلم فعلناها مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم نهانا عمر فلم نعد لها فهذا یرد عد ه جابرا فیمن ثبت علی تحلیلها وقد اعترف ابن حزم مع ذلک تحریمها لثبوت قوله صلی اللہ علیہ وسلم انها حرام الی یوم القیمة قال فامنا بهذا القول نسخ التحریم واللہ اعلم۔ الراقم ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

هو الموفق:۔ قال الحازمی فی کتابه الاعتبار بسنده الی ابن مسعود یقول کنا نغزو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس معنا نساء فاردنا ان نختصی فنهانا عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم رخص لنا ان ننکح المرأة الی

قصہ ایک ہے دو نہیں معلوم نہیں کہ سلمہ کا واقعہ تھا یا معبد کا ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ام اراکہ کو حاملہ دیکھا، تو اس سے پوچھا، اس نے کہا مجھ سے سلمہ بن امیہ نے متعہ کیا تھا، اور جابر کے متعلق یہ الفاظ حدیث میں موجود ہیں، کہ پہلے ہم نے متعہ کیا، بعد میں حضرت عمرؓ نے ہم کو منع کر دیا، بعض نے جابر کے اس قول سے کہ "ہم نے متعہ کیا" اجماع صحابہ کا استدلال کیا ہے، لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ اس سے صرف ان کے فعل کا ثبوت ملتا ہے، اور پھر اس کے متعلق یہ لفظ بھی قابل غور ہیں، کہ حضرت عمر نے ہم کو منع کیا پھر ہم نے متعہ نہ کیا، علامہ ابن حزم نے ایسے آدمیوں کے نام شمار کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ اب متعہ حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حرمت ہمیشہ کے لئے ثابت ہو چکی ہے۔

هو الموفق:۔ حازمی نے اپنی کتاب "اعتبار" میں ابن مسعود سے روایت کیا ہے، کہ ہم رسول اللہ

اجل بالشئ هذا طريق حسن صحيح وهذا الحكم كان مباحا مشروعا في صدر الاسلام وانما اباحه النبي صلى الله عليه وسلم للسبب الذي ذكره ابن مسعود وانما كان يكون ذلك في اسفارهم ولم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم اباحه لهم وهم في بيوتهم ولهذا نهاهم عنه غير مرة ثم اباحه لهم في اوقات مختلفة حتى حرمه عليهم في اخر ايامه صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع وكان تحريم تابد لا توقيت فلم يبق اليوم في ذلك خلاف بين فقهاء الامصار وائمة الامة الا شيئا ذهب اليه بعض الشيعة ويروى ايضا عن ابن جريج جوازه وسندكر احاديث تدل على صحة ما ادعيناه ثم ذكر الحازمي عدة احاديث على دعواه من شاء الوقوف عليها فليراجع كتابه الاعتبار صفحہ ۱۷۸ والله تعالى اعلم۔ كتبه محمد عبد الرحمن المباركفوري عفى عنه۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل تشیع متعۃ النساء کو بدلائل عقلی وحوالہ آیت قرآن مجید جائز بتلاتے ہیں، آیا متعہ مذہب اہل سنت والجماعت میں بھی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں ہے، تو وہ آیت جس کے ذریعہ سے حکم متعہ منسوخ کیا گیا ہو، بالتصریح عام فہم اردو زبان میں ارقام فرماویں۔ بینوا توجروا ۔

الجواب :۔ جاننا چاہیئے کہ عموم آیت والذين هم لفروجهم حافظون الا على ازواجهم او ما ملكت ايمانهم فانهم غير ملومين فمن ابتغى وراء ذلك فاولئك هم العادون ۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بی بیوں پر اور لونڈیوں پر جن کے مالک ہوئے ان کے داہنے ہاتھ، پس بے شک وہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے سفر میں تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں، ہم نے خصی ہو جانے کا ارادہ کیا، تو آپ نے ہم کو اس سے منع فرمایا، اور ہم کو کچھ مدت تک عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے دی، اور جاہلیت کے زمانے میں نکاح متعہ کا دستور تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک حرمت نازل نہ ہوئی اس کو برقرار رکھا۔ اور کئی مرتبہ اس کی اجازت فرمائی۔ سفر میں اجازت دی۔ ایک بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ آپ نے کسی آدمی کو حضر کی حالت میں اجازت دی ہو۔ پھر اس کے بعد اس کی حرمت نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لیے اس کو حرام کر دیا گیا، اور آج تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ متعہ حرام ہے اب اس میں کسی کا اختلاف نہیں ۔

لوگ نہیں ملامت کیے گئے پس جو کوئی سوا اس کے چاہے تو وہ حد سے بڑھنے والے ہیں۔
اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی زوجہ منکوحہ یا لونڈی مملوکہ کے علاوہ کسی اور قسم
کی بے نکاحی عورت مثل متاعی عورت وغیرہ سے فائدہ اٹھاوے، وہ اللہ تعالیٰ کی
مقررہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے پس اس آیت سے متعۃ النساء کی حرمت صاف
ظاہر ہے، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء و احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا
باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن
فریضۃ۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں "اور حلال ہوئیں
تم کو جو ان کے سوا ہیں یوں کہ طلب کرو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے
کو پھر جو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے ان کو دو۔ ان کے حق جو مقرر ہوئے۔ اور
اس آیت کے فائدے میں لکھتے ہیں یعنی جو عورتیں حرام فرما دیں، ان کے سوائے سب
حلال ہیں لیکن چار شرط سے، اوّل یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول درمیان آوے
دوسرے یہ کہ مال دینا قبول کرو یعنی مہر، تیسرے یہ کہ قید میں لانے کی طرح ہو مستی نکالنے
کی نہ ہو یعنی ہمیشہ کو وہ عورت اس مرد کی ہو جاوے اس کے چھوڑے بغیر نہ چھوٹے یعنی
مدت کا ذکر نہ آوے ایک مہینے تک یا برس تک اس سے متعہ حرام ٹھہرا الخ اس آیت
سے بھی متعہ کا حرام ہونا صاف ظاہر ہے، کیونکہ متعہ میں قید میں لانے کی غرض نہیں،
وہاں تو صبح کہیں اور شام کہیں کا مضمون رہتا ہے، اہل تشیع کا آیت فما استمتعتم
بہ منھن الخ سے متعہ کے جواز پر دلیل کرنا قرآن کے مذاق سے ناواقفیت ظاہر کرنا
ہے، کیونکہ اس آیت کو متعہ سے کوئی علاقہ ہی نہیں ہے۔ اس آیت کا مطلب تو یہ ہے
کہ جب تم نے نکاح کرنے کے بعد اپنی منکوحہ عورتوں سے فائدہ اٹھایا، یعنی صحبت کی،
یا خلوت صحیحہ ہوئی تو ان کو پورا مہر دینا ضروری ہوا، اگر کوئی اہل تشیع حضرت عبداللہ بن
مسعود کی قراءت الی اجل مسمی سے حلت متعہ ثابت کرے، تو اس کا جواب یہ ہے
کہ عبداللہ بن مسعود کی یہ قراءت قراءت مشہورہ کے خلاف ہے، لہٰذا اس قراءت شاذہ سے
کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض والتقدیر اس قراءت شاذہ سے حکم حلت متعہ
ثابت ہو تو حدیث سبرہ جہنی کی جو صحیح مسلم میں مروی ہے اس حکم کی ناسخ ہوگی۔ عن الربیع بن
سبرۃ الجھنی ان اباہ حدثہ انہ کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقال یاایھا الناس انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قد حرم ذلک الی یوم القیٰمۃ فمن کان عندہ منھن شیئ فلیخل سبیلھا ولا تاخذوا مما اتیتموھن شیئا رواہ مسلم۔ یعنی ربیع بن سبرہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان سے حدیث بیان کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پس آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کے بارے میں اذن دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا۔ پس جس کے پاس متاعی عورتوں میں سے کوئی متاعی عورت ہو تو چاہیئے کہ اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ خرچی اس کو دیا ہو اس میں سے کچھ نہ لیو ے روایت کیا اس کو مسلم نے۔ متعہ کے حرام اور اور منسوخ ہونے کے بارے میں۔ اور کئی حدیثیں آئی ہیں طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ علی احمد مدراسی یکم ماہ رجب ۱۳۱۱ھ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق: علامہ حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۱۷۸ میں لکھتے ہیں۔ کہ ابتداء اسلام میں متعہ مباح ومشروع تھا، اور فقط سفر میں مباح تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو کئی بار مباح کیا، یہاں تک کہ اپنے آخر ایام میں حجۃ الوداع میں اس کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا، پس اب باتفاق فقہائے امصار وائمہ امت متعہ حرام ہے مگر ہاں بعض شیعہ اس کو جائز بتاتے ہیں، اور ابن جریج سے بھی اس کا جواز مروی ہے پھر علامہ حازمی نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ من اراد الاطلاع علیھا فلیراجع الاعتبار۔ اور علامہ ممدوح نے جو یہ لکھا ہے کہ ابن جریج سے بھی اس کا جواز مروی ہے۔ سو واضح رہے، کہ ابوعوانہ نے اپنے صحیح میں لکھا ہے کہ ابن جریج نے اس سے رجوع کر لیا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۶۲ جز ۱۲ میں لکھتے ہیں۔ قال الخطابی ویحکی عن ابن جریج جوازھا وقد نقل ابوعوانۃ فی صحیحہ عن ابن جریج انہ رجع عنھا بعد ان روی بالبصرۃ فی اباحتھا ثمانیۃ عشر حدیث انتھی واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

سوال:۔ ایک عورت بیوہ مذہب اہل سنت والجماعت جس کا عقد مرد شیعہ سے ہوا تھا، اب وہ ایسے مقام پر رہتی ہے، جہاں سوائے شیعہ لوگوں کے اور کوئی

نہیں رہنا ہے، نکاح اب کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں چاہتی۔ مگر چونکہ مسلمانوں کے ایک فریق میں متعہ جائز ہے، اگر زنا سے بچنے کے لئے یا بنظر ثواب متعہ پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں، اور اس حالت میں یہ امر موجب ثواب ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ متعہ چونکہ قرآن وحدیث سے حرام ہو چکا ہے ثواب تو درکنار الٹا عذاب ہو جائے گا۔ ایسا شخص اہل سنت والجماعت کے یہاں زانی مرتکب کبیرہ کا ہے متعہ کا کسی ایک فریق اہل اسلام کے یہاں جائز ہو جانا اللہ کے یہاں کفایت نہیں کرتا۔ اگر عورت ایسی ہی پارسا ہے تو اس کو چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کر کے روزے رکھے جو زنا سے بچنے کا عمدہ علاج نبوی ہے۔ عمل کرنے کی بات تو یہ ہے جو بیان ہوئی یوں تو جو چاہے اتباع نفس میں شراب کو شیرہ انگور قرار دے کر چڑھا جائے تو شراب شراب ہی رہے گی شربت بننے سے رہی اللہ حقیقت امر کو دیکھتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ علی احمد مدراسی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۶	۱۳۱۵ سید محمد ابوالحسن

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عورت مطلقہ سے عدت کے اندر نکاح کر لیا، اور اس عورت کو شوہر ثانی سے حمل بھی ہے، اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں، اگر نہیں ہوا تو اس پر تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر ہے، تو کب کر سکتا ہے، اور اس پر مہر دینا لازم ہے یا نہیں، اور اس حمل پر کیا حکم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں یہ نکاح صحیح نہیں ہوا کیونکہ عدت کے اندر ہوا ہے اور عدت کے اندر جو نکاح ہو، وہ صحیح نہیں ہوتا ہے، بلکہ فاسد ہوتا ہے، اور تفریق لازم ہوتی ہے پس صورت مسئولہ میں تفریق ضروری ہے، اور امام مالک اور امام لیث اور امام اوزاعی کے نزدیک اس ناکح فی العدت پر وہ عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی اور جمہور علماء کے نزدیک اس پر یہ عورت حرام نہیں ہوئی، بلکہ اگر وہ پھر اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے، مگر اس نکاح فاسد کی عدت پوری ہونے کے بعد یعنی وضع حمل کے بعد کر سکتا ہے، اس سے پہلے نہیں اور اس ناکح فی العدت پر مہر دینا لازم ہے، اور اس حمل سے جو اولاد پیدا ہوگی، وہ ثابت النسب ہوگی، کیونکہ نکاح فاسد سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے، وہ ثابت النسب ہوتی ہے، ہر ایک بات کا ثبوت

یہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتب اجلہ[1]۔ قال
ابن عباس ای لا تنکحوا حتی تنقضی العدۃ اخرجہ عنہ ابن جریر وابن المنذر
واخرج عبد الرزاق وابن ابی شیبۃ عن مجاھد مثلہ۔ موطا امام محمد میں ہے
اخبرنا[2] مالک اخبرنا ابن شہاب عن سعید بن المسیب وسلیمان بن یسار انہما
حدثا ان ابنۃ طلحۃ بن عبید اللہ کانت تحت رشید الثقفی فطلقہا فنکحت
فی عدتہا ابا سعید بن منبہ او ابا الجلاس بن منبہ فضربہا عمر وضرب زید
بالمخفقۃ ضربات وفرق بینہما وقال عمر ایما امرأۃ نکحت فی عدتہا فان مات
زوجہا الذی تزوجہا لم یدخل بہا فرق بینہما واعتدت بقیۃ عدتہا من
الاول ثم کان خاطبا من الخطاب وان کان قد دخل بہا فرق بینہما ثم
اعتدت بقیۃ عدتہا من الاول ثم اعتدت عدتہا من الاخر ثم لم ینکحہا ابدا قال
سعید بن المسیب ولہا مہرہا بما استحل من فرجہا انتہی اور اسی طرح موطا
امام مالک میں ہے نیل الاوطار صفحہ ۱۴۳ جلد ۶ میں ہے۔ وقد[3] وقع الاتفاق علی انہ
اذا وقع العقد فی العدۃ لزم التفریق بینہما واختلفوا ھل تحل لہ بعد ذلک
قال مالک واللیث والاوزاعی لا یحل نکاحہا بعد وقال الباقون بل یحل اذا انقضت
العدۃ ان یتزوجہا اذا شاء انتہی۔ ہدایہ صفحہ ۳۰۸ جلد ۱ میں ہے۔ النسب کما

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جب تک اللہ کا لکھا ہوا اپنی مدت کو نہ پہنچ جائے، نکاح نہ کرو، ابن عباس نے کہا جب تک عدت نہ گزر جائے۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے اسے روایت کیا ہے، عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ [2] سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار کہتے ہیں، کہ طلحہ بن عبید اللہ کی بیٹی رشید ثقفی کے نکاح میں تھی، اس نے اس کو طلاق دے دی، اس نے عدت ہی میں ابو سعید بن منبہ یا ابو الجلاس بن منبہ سے نکاح کر لیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دروں سے مارا، اور ان میں تفریق کر دی، اور فرمایا جو عورت عدت میں نکاح کرے، اگر دوسرے خاوند نے اس سے صحبت نہ کی ہو، تو پہلے خاوند کی عدت پوری کرے، پھر دوسرا خاوند ایک منگنی کرنے والا ہے، اور اگر دوسرا خاوند عدت کے اندر نکاح کر کے صحبت کر چکا ہو تو پہلے خاوند اوّل کی عدت پوری کرے، اور پھر دوسرے خاوند کی عدت گذارے اور اس کے بعد دوسرا خاوند اس سے کبھی بھی نکاح نہ کر سکے گا اور اس کو حق مہر ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اس نے اس سے صحبت کی ہے [3] اس پر اتفاق ہے کہ اگر نکاح عدت کے اندر ہو جائے تو ان میں تفریق لازم

یثبت بالنکاح الصحیح یثبت بالنکاح الفاسد وبالوطی عن شبھۃ وبملک الیمین اہ
فتاوی ظہیریہ میں ہے۔ لثبوت النسب ثلث مراتب احدیہا النکاح الصحیح وماھو فی معناہ
من النکاح الفاسد والحکم فیہ انہ یثبت النسب من غیر دعوۃ۔

واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک عورت بیوہ کو ایک شخص کا حمل حرام کا اب یہ عورت مذکورہ انہیں ایام حمل میں اسی شخص کے ساتھ جس کا اس کو حمل حرام ہے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ اور اگر نکاح کر سکتی ہے تو بعد نکاح تا وضع حمل اپنے خاوند سے صحبت اور وطی وغیرہ کرا سکتی ہے بموجب قرآن وحدیث کے جواب مرحمت فرمایا جاوے۔

الجواب:۔ بیوہ مذکورہ ایام حمل میں اس شخص کے ساتھ جس سے اس کو حمل حرام کا ہے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ یہ دونوں زانی ہیں اور زانیہ کا نکاح زانی سے جائز ہے اور یہ شخص بعد نکاح کے اس بیوہ منکوحہ کے ساتھ وطی بھی کر سکتا ہے کیونکہ یہ حمل اسی شخص کا ہے استبراء رحم کی کچھ حاجت نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک عورت کو زنا کا حمل رہا، تو اس سے ایسی حالت میں یعنی حالت حمل میں اگر کوئی شخص نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ عند الحنفیہ درست ہے۔ وان تزوج حبلی من الزنا جاز النکاح کذا فی الھدایۃ وھکذا فی الدر المختار وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ پھر وہ دوسرا خاوند اس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ امام مالک، لیث، اوزاعی کہتے ہیں کہ اب وہ کبھی اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور باقی کہتے ہیں کہ اگر عورت چاہے تو اس سے بعد ازاں نکاح کر سکتی ہے۔ [1] نسب جیسے صحیح نکاح سے ثابت ہوتا ہے، ویسے ہی نکاح فاسد سے اور وطی بالشبہ اور لونڈی کا مالک ہو جانے کی وجہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

[2] ثبوت النسب کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ صحیح نکاح کا ہے۔ یا جو اس کے ہم معنی ہے یعنی نکاح فاسد، اس میں بھی نسب بغیر دعوی ثابت ہو جاتا ہے۔

[3] اگر حاملہ بالزنا سے نکاح کرے تو نکاح جائز ہے۔ ہدایہ اور درمختار میں اسی طرح ہے۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو حمل تھا، اور زید کو معلوم نہ تھا کہ ہندہ حاملہ ہے۔ زید نے ہندہ سے باجازت ولی اس کے روبرو گواہان کے نکاح کیا۔ تو یہ نکاح از روئے شرع شریف کے درست وجائز ہے یا نہیں، اور زید کو ہندہ سے صحبت وغیرہ کرنا حلال ہے یا نہیں۔ فقط

الجواب :۔ اگر ہندہ کسی کے نکاح میں تھی اور وہ شخص مرگیا، یا اس شخص نے طلاق دے دی۔ اور ہندہ حاملہ ہے تو نکاح جائز نہیں، کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور قبل عدت گذرنے کے نکاح ناجائز ہے اور اگر ہندہ کسی کے نکاح میں نہ تھی، اور حاملہ ہے تو حبلی من الزنا ہوئی اور حبلی من الزنا کے ساتھ نکاح جائز ہے مگر قبل وضع حمل کے صحبت جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت حمل زنا والی کا عقد اس شخص کے ساتھ جس کا حمل ہے درست ہے یا نہیں۔ اگر اس میں اختلاف ہو، تو فتوی کس پر ہے، دلیل سے مرحمت فرماویں۔

الجواب :۔ شخص مذکور کا نکاح عورت مذکورہ کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ زنا عورت مذکورہ سے اتفاقاً صادر ہوا ہو اور زنا کی عادی اور پیشہ والی نہ ہو۔ کیونکہ زانیہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ فتوی کس پر ہے، سو اس بارے میں کوئی صریح قول نظر نہیں پڑا لیکن فتوی کے قابل یہی قول ہے، کیونکہ دلیل کی رو سے بھی قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڈھی۔

ھوالموفق :۔ جواب صحیح ہے اور عند الحنفیہ اسی پر فتوی ہے۔ ردالمختار میں ہے۔ وصح[1] نکاح حبلی من الزنا عندھما وقال ابو یوسف لایصح والفتوی علی قولھما کما فی القہستانی انتھی اور درمختار میں ہے۔ لو نکحھا الزانی حل لہ وطیھا اتفاقا انتھی

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

[1] زنا سے حاملہ عورت کا نکاح امام ابوحنیفہؒ وامام محمد کے نزدیک صحیح ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح نہیں اور فتوی پہلے قول پر ہے اور اگر زانی ہی اس عورت سے نکاح کرے تو اسکو اس سے صحبت کرنا جائز ہے۔

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا ہے، اور اس عورت کی اولاد اس کے خاوند سے ہے اور اس زناکار کی اولاد اپنی زوجہ سے ہے، اور اس وقت اس عورت سے اس مرد زناکار کا کوئی واسطہ نہیں ہے، تو یہ اس کی اولاد سے اپنی اولاد کا نکاح کرے یا نہیں۔

الجواب: اگر زانی اور زانیہ میں کسی قسم کا تعلق نسبی یا رضاعی ایسا نہ ہو جس سے ایک کی اولاد دوسرے پر حرام ہو، تو زانی کی اولاد کا نکاح زانیہ کی اولاد سے جائز ہے ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا یحرم الحرام الحلال یعنی جو چیز حرام ہے اس کو حرام چیز حرام نہیں کر سکتی۔

حررہ محمد ابراہیم بہاری۔ سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو نکاح کے قبل لڑکی والا شرط کرتا ہے لڑکے والے سے، کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح جب کروں گا کہ میری لڑکی کے واسطے اتنا زیور اور اتنی قیمت کا جوڑا پہلے تیار کر کے دو۔ لڑکے والا یہ شرط قبول کر لیتا ہے اور قبل نکاح ایک دو دن زیور تیار کر کے لڑکی والے کے گھر پہنچا دیتا ہے، اور وقت نکاح کے یہ ذکر نہیں ہوتا کہ مال لڑکی کا ہے، یا مرد کا ہے، مگر مرد کی نیت یہی ہوتی ہے کہ یہ مال میرا ہے اور لوگ یہی جانتے ہیں کہ یہ مال مرد کا ہے، اب وہ مال وقت طلاق عورت کے یا بعد وفات کے یا دونوں کی حیات میں کس کی ملک ہے، عورت کا مال ہے یا مرد کا، اس مال کی زکوٰۃ کون دیوے، مرد یا عورت دیوے، کس کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہے اور ان دونوں آیت کا کیا مطلب ہے وآتیتم احدٰھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا۔[1] ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا۔ بینوا بالکتاب والسنۃ۔

الجواب: صورت مرقومہ میں معلوم ہوا کہ وہ مال عورت کا ہے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے المسلمون علی شروطھم[2] الحدیث کذا فی صحیح البخاری اور نیز فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انما امرأۃ نکحت علی صداق او حباء او عدۃ

---

[1] اگر تم ان کو ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو اس سے کوئی چیز نہ لو اور تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم ان کو کوئی چیز دے کر ان سے واپس لے لو۔ [2] مسلمان جو شرطوں پر قائم ہیں۔
[3] جو عورت نکاح سے قبل کسی چیز پر نکاح کرنے کی شرط کر لے متلاحق مہر تحفہ تحائف یا ردیعہ

قبل عصمۃ النکاح فھو لھا وما کان بعد عصمۃ النکاح فھو لمن اعطیہ واحق ما یکرم علیہ الرجل ابنتہ واختہ کذا فی المنتقی بروایۃ الخمسۃ الا الترمذی قال الامام الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ فی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار فیہ دلیل علی ان المرأۃ تستحق جمیع ما یذکر قبل العقد من صداق او حباء او عدۃ بوعد ولو کان ذلک الشیء مذکورا لغیرھا الخ وقال فی سبل السلام شرح بلوغ المرام الحدیث دلیل علی ان ما سماہ الزوج قبل العقد فھو للزوجۃ وان کان تسمیتہ لغیرھا من اب واخ وکذلک ما کان عند العقد انتھی ۔ غرضکہ شوہر کی نیت اور عوام لوگوں کے جاننے کا کچھ اعتبار نہیں ہے، شارع کا حکم مقدم ہے، جو لفظ فھو لھا ہے، اور نیز لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ چیز عورت کو شوہر نے دی ہے، یہ نہیں جانتے کہ مالک کون ہے۔ شارع نے عورت کو مالک قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس کی مالک عورت ہی ہوگی، اور اس کی زکوۃ عورت ہی کے ذمہ ہوگی، آیات مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو ان کا مہر دے کر پھر اس میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العاجز ابو محمد عبد الوھاب الملتانی، نزیل الدھلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی ماہ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادہم اللہ شرفا وتعظیما اس مسئلہ میں کہ جس قدر نقدی اور جوڑا اور بری وغیرہ تحفہ، تحائف ولی زوجہ زوجہ کے نام سے اس کے زوج سے لے کے بوقت نکاح اور قبل اور بعد میں اپنے اور اپنی بیٹی کے تصرف میں بے دریغ لاتے ہیں، اور عقد اپنی بیٹی کا ساتھ شوہر معین کے بتعیین مہر کثیر بغرض جمع فوائد اپنے بہزار ردوکد کہ جس کے ادا سے شوہر زوجہ کا علے

بیسہ تو وہ عورت کا ہے اور جو کچھ نکاح کے بعد از خود دیا جائے وہ اس کو دیا جائے اسی کا ہے اور سب سے زیادہ آدمی کا حق ہے کہ بیٹی یا بہن کی وجہ سے اس کی عزت کی جائے سے اس میں دلیل ہے کہ عورت ہر اس چیز کی مستحق ہے جس کا ذکر نکاح سے پہلے ہو جائے۔ مثلاً حق مہر، تحفہ تحائف یا کوئی اور وعدہ وغیرہ۔ اگرچہ ان چیزوں کا وعدہ براہ راست عورت سے نہ ہو بلکہ اس کے ولی سے ہو۔ کہ جس چیز کا تذکرہ نکاح سے قبل یا نکاح کے وقت کیا جائے وہ عورت کا حق ہے اگرچہ اس کا ذکر عورت کے بھائی باپ یا دادا سے ہو۔

الدوام تا مرگ عاجز رہ کے مفت مواخذہ دار عند اللہ ٹھیرتا ہے، ٹھہراتے ہیں ابھی اس خاوند زوجہ نے قرضہ بارگران وطلب زر کثیر والیان زوجہ سے فرصت نہیں پائی کہ تا نان و نفقہ بذمہ زوج کے بیوی کا عاید ہوا، لا محالہ بحالت مایوسی سبیل ادائے دین زر مہر بذمہ شوہر کے واجب آئی، آیا وہ نقدی و زیور و جوڑہ بری وغیرہ تحفہ، تحائف جس کو ولی زوجہ اپنی بیٹی کے نام سے اس کے خاوند سے لے کر برت برتا چکے، جو کچھ بیٹی برت چکی یا ولی برت رہے ہیں، خواہ برت چکے۔ وہ سب قیمت روپیہ شوہر اپنے قرضہ مہر کہ جس کے وصول کی صورت واسطے شوہر کے اور کوئی نہیں مجرا لے سکتا ہے یا نہیں اور نقدی و زیور و جوڑہ و بری وغیرہ تحفہ، تحائف کا حق رقم مہر سے وضع پانے کا مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ شوہر کیوں اپنے مقدور سے زیادہ مہر اپنے ذمہ کیوں کرتا ہے، اور جب قبول کر لیا، تو دینا پڑے گا، اور وقت عقد نکاح جوڑہ و زیور و دیگر اسباب بری جو چڑھایا تھا، کہہ دیتا کہ یہ عوض مہر کے ہے، اور یہ اشیاء مہر میں مجرا ہوں گی، تو مہر میں شمار ہو تے، ورنہ موافق دستور و رواج کے یہ اشیاء ہدیہ میں شمار ہوں گی عرفاً المعروف کالمشروط کذا فی کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبد السلام عفی عنہ

جواب ہذا صحیح ہے۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔

فیصلہ: چونکہ مسمیان عبد الرسول و کریم بخش و نبی بخش و مسماۃ بیگا مدعیان و قادر بخش مدعا علیہ دونوں فریقوں نے اپنی رضا و رغبت سے مجھ کو پنچ مقرر کر کے دعوی مسطورہ کو میرے روبرو پیش کیا سو حسب شرع شریف لکھا جاتا ہے کہ دعوی مدعیان مذکورین کا نسبت چڑھاوا پارچہ و زیور و قیمت دکاکین اڑھائی سو روپیہ و تنور شرعاً باطل ہے اس واسطے کہ کل چڑھاوا مالیت ملکیت زوجہ رحمت اللہ متوفی کہ برادر مسمیان ہے۔ اس میں ان کا کچھ حق نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کے وارث شرعی نہیں ہیں اور دعوی نسبت دکاکین اس وجہ سے باطل ہے، کہ وہ مالیت موروثی زوجہ رحمت اللہ کی ہے واس میں بھی ان کا کچھ حق نہیں ہے رہا تنور تو اس کا ثبوت مدعیان سے نہیں پہنچا، ان سب نے قادر بخش مدعا علیہ کے حلف پر حصر رکھا۔ سو مدعی علیہ نے حلف اٹھایا، کہ مجھ کو تنور کی خبر نہیں اور نہ تیرے پاس ہے لہٰذا دعوی مدعیان کا شرعاً

خارج ہوا، اور فیصلہ دونوں میں کرادیا گیا اب واسطے یادداشت کے یہ تحریر کردی گئی اور دوسری تکرار مسمیان مذکورین کی چھمن مدعی سے یہ تھی کہ مسمیان مذکورین مدعا علیہم و چھمن مدعی نے بعد پنچ قرار دینے میرے کے مدعی نے دعویٰ پیش کیا کہ میری خالہ یعنی زوجہ رحمت اللہ کہ وہ برادر مسمیان مذکورین کا تھا۔ اس کا مہر تیس روپیہ اور چوتھائی حصہ مکان مشترکہ میں چاہیئے اور وہ مکان قبضہ میں مدعا علیہم کے موجود ہے اور وہ فوت ہوگئی اور نیز شوہر اس کا فوت ہوگیا سو مدعا علیہ نے در جواب مدعی یہ بیان کیا کہ حصہ چار رحمت اللہ متوفی اپنی حیات میں بدلہ ڈیڑھ سو روپیہ کے پاس میاں جان پسر عبدالرسول بھتیجے اپنے کے رکھا گیا ہے اس وجہ سے اس میں مدعی کا کچھ حق نہیں، سو اس بات پر ان سے گواہ طلب کیئے گئے انہوں نے پانچ گواہ سے ایک میاں جان، دوسرا محمد عوض، تیسرا انچھن، چوتھا امیر الدین، پانچواں گھسا۔ پھر ان سب کے اظہار لیئے گئے۔ سو ان کا بیان موافق بیان مسمیان کے نہیں پایا گیا۔ پس دعوی چھمن مدعی کا شرعاً صحیح ہے۔ اور رہن کہنا مسمیان کا غلط اور اس اثنا میں ہم نے صلح آپس میں کرنی چاہی، مگر مدعا علیہم نے صلح نہیں چاہی، اس سبب سے فیصلہ ان کا رہ گیا اس لئے سرکار کو اختیار ہے جیسا رائے میں آئے ویسا کردے۔ فقط۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ جو اشیاء والدین نے ہندہ کو بروقت نکاح ہندہ کو چڑھائیں تھیں، اور زید نے جو چیز ہندہ کو چڑھائی تھی، ان ہر دو اشیاء کی ہندہ مستحق ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ زر نقد زید کو والدین ہندہ سے بطور چڑھاوے کے دیا تھا۔ اس کی مستحق ہندہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جو چڑھاوا ہندہ کو میکے یا سسرال سے چڑھا ہے۔ وہ ملک ہندہ کا ہے عرف میں اسی طرح جو چڑھاوا ہندہ کی طرف سے زید کو چڑھا ہو وہ ملک زید کا ہے۔ المعروف[1] کالمشروط۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ بالغہ کو کہ جس کا سن تیرہ چودہ برس کا ہے ساتھ بکر کے منسوب کرکے نوبت

[1] عرف مانند شرط کے ہے۔

ہو گیا اور فوت ہو جانے زید مذکور کے مسمی عمرو پدر زید مذکور یعنی جد ہندہ نے بلا اطلاع و واقفیت و رضامندی مسماۃ ہندہ مذکورہ بالغہ کا عقد بولایت اپنی ساتھ خالد کے کر دیا۔ بعد عقد خوانی کے جب مسماۃ ہندہ کو اس نکاح کی جو خالد کے ساتھ ہوا خبر ہوئی تو اپنی ناراضی ظاہر کی پس صورت مذکورہ میں نکاح درست ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

سوال دوم مسماۃ ہندہ بالغہ مذکورہ کہ جس کا عقد اس کے دادا نے بغیر اطلاع اس کے اپنی ولایت میں خالد کے ساتھ کر دیا ہے، مسماۃ اپنی مرضی سے ساتھ بکر مذکور کے اپنا عقد کیا چاہتی ہے۔ یہ عقد اس کا درست ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: من جملہ شروط صحت نکاح رضا زوجہ ہے، چنانچہ حدیث متفق علیہ میں ہے۔ لا تنکح بکر حتی تستاذن[1] الحدیث ونیز مسند احمد و ابوداود و ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان جاریۃ[2] بکرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبل السلام میں تحت اس حدیث کے مرقوم ہے وھذا الحدیث[3] دل علی تحریم اجبار الاب لابنت البکر علی النکاح وغیرہ من الاولیاء بالاولیٰ عالمگیریہ میں ہے ومنھا[4] رضا امرأۃ اذا کانت بالغۃ بکرا کانت ثیبا فلا یملک الولی اجبارھا علی النکاح آہ پس صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح جو اس کے دادا نے خالد کے ساتھ جبراً کر دیا ہے درست نہیں ہوا، واللہ اعلم۔

جواب سوال دوم۔ ہندہ کا بلا ولایت کسی ولی کے اپنا نکاح خود آپ کرنا جائز نہیں ہے، ابن ماجہ و دارقطنی میں ابوہریرہ سے مروی ہے لا تزوج[5] المرأۃ المرأۃ ولا تزوج نفسھا سبل السلام میں ہے فیہ[6] دلیل علی ان المرأۃ لیس لھا ولایۃ فی الانکاح

---

[1] کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے [2] ایک کنواری لڑکی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ اس کے باپ نے اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا، تو آپ نے اس کو اختیار دے دیا [3] اس حدیث میں دلیل ہے کہ کنواری لڑکی کو اس کا باپ بھی نکاح پہ مجبور نہیں کر سکتا اور دوسرے اولیاء تو اس سے اتنا تعلق نہیں رکھتے [4] نکاح کی ایک شرط یہ ہے کہ عورت رضامند ہو جب کہ وہ بالغہ ہو، کنواری ہو یا ثیبہ کوئی ولی اس کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا [5] کوئی عورت نہ اپنا نکاح کرا سکتی ہے، اور نہ دوسری کا نکاح کرا سکتی ہے۔ [6] اس میں دلیل ہے کہ عورت نکاح میں

لنفسہا ولا لغیرہا قال وھو قول الجمہور اھ۔ تو ضروری ہے کہ ہندہ اپنے دادا کی ولایت سے اپنا نکاح کرے، اور اگر دادا راضی نہ ہو تو اپنے اقارب میں سے کسی اور ولی کی ولایت سے اپنا نکاح کرے، کیونکہ نکاح بغیر ولی کے منعقد نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: - اگر کوئی عورت خاندانی بلا رضامندی ولیان کے غیر قوم میں نکاح کرلے، اور ننگ وعار تمام خاندان پر کچھ لحاظ نہ کرے اور اس کے ولی اس پر سخت ناراض ہوں، کیونکہ عورت خاندان اہل علم سے ہے، اور جس سے نکاح کیا ہے، وہ نہایت ذلیل جاہل اور غیر قوم ہے، آیا یہ نکاح موجب فتوی شرع محمدی جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب: - بموجب روایت مفتی بہ یہ نکاح غیر کفو میں ناجائز اور بالکل باطل ہے روی الحسن عن الامام وھو روایۃ عن ابی یوسف عدم جوازھا ای عدم جواز نکاحھا ان زوجت نفسھا بلا ولی فی غیر الکفو وبہ اخذ کثیر من مشائخنا لان کم من واقع لا یرفع وعلیہ الفتوی قاضی خان وھذا اصح و اجود واحوط والمختار للفتوی فی زماننا اذ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ ولا کل قاض یعدل فسد ھذا الباب اولی خصوصا اذا ورد امر السلطان ھکذا وامر بان یفتی بہ وفی الفتح وغیرہ لو زوجت المطلقۃ ثلثا نفسھا بغیر کفو و دخل بھا لا یحل للاول قالوا ویحفظ ھذہ فان المحلل یکون فی الغالب غیر کفو من مجمع الانہر مشرحۃ وکذا فی البحر الرائق۔ اور درمختار باب الولی میں دیکھو اور کفایہ اور فتاوی کا نوی

ولی نہیں ہو سکتی الخ یعنی نہ کسی اور کی اور جمہور کا یہی مذہب ہے، ابن ماجہ اور دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے

رائے امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں ہے، کہ عورت اپنا نکاح کسی غیر کفو سے جوادنی درجہ کا ہو کرائے۔ علمائے احناف کا یہی مذہب ہے، کیونکہ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کا مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا اور اسی پہ فتوی ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں نہ تو ہر آدمی صحیح مقدمہ پیش کر سکتا ہے، نہ ہر قاضی انصاف ہی کرتا ہے، تو اس دروازے کو بند کر دینا ہی بہتر ہے، خصوصاً جب کہ بادشاہ نے بھی ایسا ہی حکم دیا ہو، کہ اگر عورت مطلقہ ثلاثہ غیر کفو کے ساتھ نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرے، تو وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ حلالہ نکالنے والے عموماً غیر کفو اور ادنی درجہ کے آدمی ہوتے ہیں۔

تعلیق الانوار وطحطاوی و فتاوی عالمگیری و ابو المکارم و شرح الیاس و مجمع البحرین و ملتقی الابحر وغیرہ میں اس روایت پر فتوی لکھا ہے۔ اور فتح القدیر اور مؤطا امام محمد میں اسی کو اختیار کیا ہے، اور جو فقہا نے لکھا ہے کہ عجم نے اپنے نسب ضائع کر دیے ہیں، سو اس کا جواب حاشیہ ہدایہ اور زیلعی اور شامی میں لکھا ہے کہ مراد عجم سے موالی ہیں نہ مطلق سکان عجم چنانچہ ماہر فقہ پر پوشیدہ نہیں، واللہ تعالے اعلم بالصدق والصواب۔ حررہ السید عبد السلام غفر لہ۔

سید محمد نذیر حسین | سید محمد ابو الحسن | سید محمد عبد السلام غفر لہ

ھو الموفق:۔ صورت مسئولہ میں نکاح جائز نہیں ہے اور جائز نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے، کہ یہ نکاح بلا ولی کے ہوا ہے، اور جو نکاح بلا ولی کے ہو وہ ناجائز ہوتا ہے کما یدل علیہ الاحادیث الصحیحۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو لکھا کہ زید کی نابالغہ لڑکی کا عقد اس قدر دین مہر کر دے، مگر بکر نے بخیال اس امر کے کہ لڑکا چودہ برس کی انتہا عمر کا تھا، زید کی دوسری لڑکی نابالغہ سے باجازت اور نابالغہ کے اس چودہ برس کے لڑکے سے کر دیا اور ایجاب و قبول چودہ برس کے لڑکے نے خود کیا، مگر نابالغہ لڑکی کی طرف سے نہ تو اس کی مادر کی ایجاب و قبول ہوا، اور نہ اس کے باپ یعنی زید کا جو بہت دور نوکری پر تھا، پس کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی امورات ذیل میں:۔

(۱) آیا مادر نابالغہ کو باوجود موجود رہنے زید کے یعنی پدر نابالغہ کے اختیار اجازت دینے عقد کا ہے یا نہیں ؟

(۲) دوسرے چودہ برس کا لڑکا ایجاب و قبول کرنے کا مکلف ہے یا نہیں ؟

(۳) آیا نابالغہ کی طرف سے اس کے ولی جائز یعنی باپ کا ایجاب و قبول کافی ہے۔ یا نہیں، اور باپ کا حاضر رہنا مجلس عقد میں نابالغہ کے ضرور ہے یا نہیں ؟

(۴) آیا حسب حالات مصرحہ صدر نکاح جائز ہے یا کیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ (۱) ماں کی ولایت صحیح نہیں ہے بالخصوص باپ کے موجود رہنے کی حالت میں کما یدل[1] علیہ الحدیث المرفوع لا تزوج المرأۃ المرأۃ الحدیث رواہ

---

[1] کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہیں کر سکتی ۱۲

ابن ماجۃ والدار قطنی۔

(۲) چودہ برس کا لڑکا اگر بالغ ہے، تو قابل ایجاب وقبول کے ہے، اور اس کا ایجاب وقبول درست وصحیح ہے۔ قال[1] فی العالمگیریۃ واما شروطہ فمنھا العقل و البلوغ والحریۃ فی العاقد الخ پس چودہ برس میں وہ لڑکا اگر محتلم ہوگیا ہے، تو بالاتفاق بالغ ہے، اس کا ایجاب وقبول صحیح ہے، وگرنہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حد بلوغ جمہور اہل علم کے نزدیک پندرہ برس ہے۔ قال[2] فی الفتح قال الشافعی واحمد وابن وھب والجمہور حدہ فیھما استکمال خمس عشرۃ سنۃ علی ما فی حدیث ابن عمر الخ

(۳) ہاں نابالغہ لڑکی کی طرف سے اس کے ولی یعنی باپ کا ایجاب وقبول کافی ہے، اور مجلس عقد نابالغہ میں باپ کا حاضر رہنا ضروری ہے، اور اگر وہ خود کسی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے، تو وہ جس کو وکیل بنا دے اس وکیل کا حاضر رہنا ضروری ہے۔

(۴) صورت مذکورہ میں نکاح جائز نہیں ہوا، کیونکہ یہ نکاح بلا ولی کے ہوا ہے، اس واسطے کہ صورت مذکورہ میں ولی جو والد ہے اس کی اجازت اس نابالغہ کے لئے نہیں تھی، اور اس کے وکیل بکر نے بلا اجازت اس کے اس نابالغہ کا نکاح کردیا ہے اور اس وکیل کا مادر نابالغہ سے اجازت لینا بے کار ہے، کیونکہ ماں ولی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ المجیب محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ قریباً عرصہ دو سال کا ہوا ہے کہ مجھ کو ایک عورت بیوہ کے ساتھ محبت تھی۔ ایک شخص نے جو کہ اس راز سے واقف تھا، ہم کو یہ ترغیب دی، کہ تم اس عورت سے تن بخشی کرلو، اور اس نے کہا، کہ تن بخشی بھی ایک نکاح ہے، جس سے کہ عورت پر وہی حقوق پڑتے ہیں جیسے کہ منکوحہ پر میں نے اس مسئلہ کے باعث اس سے تن بخشی کرلی، مگر اس تن بخشی کی قبولیت کے وقت سوائے ہم تینوں کے اور کوئی غیر نہ تھا اس معاملہ کے قریباً دو سال گذرنے پر بہ سبب گھر کے جھگڑا وفساد کے میں نے تین طلاق دے کر اس عورت کو نکال دیا (تن بخشی کے وقت بھی تین قبولیت میں نے اس سے کی تھی) مگر بعد اس کے میں بھی اور وہ عورت بھی

[1] ایجاب قبول کے لئے عقل، بلوغ اور آزادی شرط ہے۔

[2] امام شافعی، احمد، ابن وہب اور جمہور کا قول ہے کہ بلوغ کی مدت پندرہ سال ہے۔

پشیمان ہوئے، آپ چونکہ مفتی ہیں لہذا عرض ہے کہ تحریر فرمادیں، کہ میرا تن بخشی کرانا جائز تھا یا ناجائز تھا، اور اگر جائز تھا، تو اس طلاق دینے سے وہ عورت بغیر دوسرے خاوند کے دوبارہ نکاح کرنے سے مجھ پر حلال ہوسکتی ہے یا نہیں اور اگر تن بخشی کرنا جائز نہ تھا، تو بھی دوبارہ نکاح سے وہ مجھ پر حلال ہوسکتی ہے یا نہیں، یہاں کے مولوی لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ تن بخشی، کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے اس کو طلاق بھی نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ جس سے کہ نکاح نہیں ہے اس کو طلاق بھی نہیں ہوسکتی لہذا وہ عورت تمہارے نکاح میں آسکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- تن بخشی کرنا حرام و ناجائز ہے، اور تن بخشی ہرگز کوئی نکاح نہیں ہے جو مرد کسی عورت سے تن بخشی کرے، وہ دونوں بلاشبہ زناکار ہیں۔ عن ابن عباس ان النبی[1] صلی اللہ علیہ وسلم قال البغایا اللتی ینکحن انفسھن بغیر بینۃ رواہ الترمذی وعن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانکاح الا بولی وشاھدی عدل رواہ الدارقطنی ولمالک فی موطاہ عن ابی الزبیر المکی ان عمر اتی برجل فی نکاح لم یشھد علیہ الا رجل وامرأۃ فقال عمر ھذا نکاح السر ولا نجیزہ ولو کنت تقدمت فیہ لرجمت۔ پس صورت مسئولہ میں تن بخشی کرنا جائز نہ تھا، اور اس تن بخشی سے نکاح نہیں ہوا، اور جب نکاح نہیں ہوا، تو طلاق بھی نہیں ہوگی، اور سائل اور اس عورت کو اپنے اس کار بد سے توبہ کرنا لازم ہے، اور اب سائل کا نکاح اس عورت سے بغیر حلالہ کے جائز و درست ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

المجیب سید عبدالوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کوئی شخص روبرو دو گواہوں کے نکاح کرتا ہے، اور گواہان کو تاکید مزید کردے، کہ یہ نکاح کسی پر ظاہر نہ ہو، اور ہر دو گواہان سے ایک گواہ کہتا ہے، کہ دونوں باہم ایجاب و قبول کرو، ہم دونوں تمہارے گواہ ہیں، اور ہر چہار نے مشورہ کرلیا ہے کہ کسی اور

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدکار ہیں وہ عورتیں، جو بغیر گواہی کے اپنا نکاح کرالیں (ترمذی) اور فرمایا ولی اور دو منصف گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے (دارقطنی) امام مالک نے مؤطا میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا۔ جس کے نکاح پر صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے۔ آپ نے فرمایا یہ نکاح پوشیدگی کا ہے، ہم اسے نافذ نہیں کریں گے، اگر مجھے اس کا پہلے علم ہوتا تو تجھے سنگسار کردیا جاتا۔

پانچویں شخص کو ایجاب و قبول کی خبر نہ ہو آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ چونکہ یہ نکاح بلا ولی کے ہوا ہے، اس وجہ سے جائز نہیں ہے کسی عورت کو اپنے آپ بلا ولی کے آپ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، بالغہ ہو یا نابالغہ قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی رواہ الخمسۃ وصححہ ابن المدینی والترمذی و ابن حبان واعل بالارسال کذا فی بلوغ المرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ دختر بالغہ اگر اپنا نکاح خود مختاری سے کرے، اور والدین وغیرہ اقربا کی رضامندی حاصل نہ کرے، اور اگرچہ والدین اس کے عمر بھر قطع رحمی اس کی مخالفت سے اختیار کرلیں، تو اس کا نکاح صحیح ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ پوشیدہ نہ رہے، کہ علمائے محدثین کا مذہب یہ ہے، کہ بدون ولی کے عورت کا نکاح صحیح نہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نکاح الا بولی رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ وعن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل الحدیث یعنی بے شک فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورت بغیر اذن ولی کے اپنا نکاح کرے پس نکاح اس کا باطل ہے، پس نکاح اس کا باطل ہے، پس نکاح اس کا باطل ہے، پس ان احادیث سے ثابت ہوا، کہ اعتبار ولی کا ضروری ہے، اور عورت بغیر اذن ولی کے اپنا نکاح کرے، تو اس کا نکاح باطل ہے، واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حررہ محمد حمایت اللہ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب عاقلہ بالغہ غیر منکوحہ کی زید سے آشنائی ہوئی، اور دونوں باہم غیر کفو ہیں، آشنائی سے کچھ عرصہ بعد دونوں نے دو گواہان کے اور ایک قاضی کے روبرو خفیہ نکاح کرلیا، زینب کے وارثان سے اس کی والدہ اور برادر اور چچا سب کے سب حقیقی موجود ہیں، جو زید و زینب کے خفیہ نکاح میں نہ شامل تھے، اور نہ رضامند ہیں، بعد از نکاح زینب کو زید سے حمل بھی ہوگیا، زینب و زید کے

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے ۱۲

گو حسب معمول آباد نہیں ہوئی بلکہ خفیہ نکاح کے بعد بھی بہ حیثیت آشنائی خفیہ ہی تعلق رہا، مگر بعض احباب ناصح کے پاس زید اظہار نکاح کرتا رہا، اب بوجہ ناراضگی جملہ ورثار زینب کے زینب کی والدہ نے بشمولیت و رضا اس کے حقیقی چچا کے اس کا نکاح اپنے خاندان میں بکر سے کر دیا۔ اس وقت زید و بکر دونوں مدعی زوجیت زینب کے ہیں، آیا از روئے شرع شریف زینب زید کی منکوحہ ہوگی، کہ جس سے حسب کیفیت مذکورۃ الصدر نکاح ہوا، یا بکر کی منکوحہ قرار پائے گی، کہ جس سے برضا والدہ و چچا زینب بموجودگی حمل چار پانچ ماہ علی رؤس الاشہاد نکاح ہوا، اور زینب اب حالت مخاصمت زوجین میں ہے، باوجود ثبوت ایجاب و قبول بالمواجہ ہمراہ بکر کے بظاہر زوجیت بکر سے ناخوش اور زید سے خوشی ظاہر کرتی ہے، اور ورثار کا بکر سے بجور و جبر نکاح پڑھانا بتلاتی ہے، شہادت کوئی نہیں ہے، بلکہ قبل از نکاح ثانی زینب اور اس کی والدہ کا زید سے بقول زید درخواست طلاق کر کے نکاح ثانی ہمراہ بکر کے ظاہر کرنا، اور بوجہ ندامت قومی یا کسی غرض نفسانی کے زید سے یہ درخواست طلاق و اظہار نکاح ثانی کر کے زید سے پھر تعلق ناجائز قائم رکھنے کا وعدہ دینا یہ قرینہ رضامندی زینب نسبت نکاح ہمراہ بکر کے موجود ہے، اب بہر صورت حسب کیفیت و صورت مندرجہ صدر زینب کس کی زوجہ منکوحہ رہے گی، جن جن اسباب و وجوہات مندرجہ سے جس کی منکوحہ از روئے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہتی ہے اس کو تفصیل سے درج فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہو جیئے گا، مگر آنکہ بصورت عدم جواز نکاح زید پھر زینب زید سے مہر و گذارہ لینے کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں، اور جب کہ حمل زینب کا ثبوت باقبال زید و زینب زید سے ہونا ثابت ہے، تو پھر مولود کس کا وارث قرار پائے گا حق پدری در ترکہ زید سے شرعاً مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا تو جروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں از روئے احادیث صحیحہ کے زینب کا پہلا نکاح صحیح نہیں ہوا، کیونکہ یہ نکاح بلا ولی کے ہوا ہے، اور جس عورت کا نکاح بلا ولی کے ہو، وہ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ منتقی الاخبار میں ہے۔ عن ابی موسی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نکاح الا بولی۔ وعن سلیمان بن موسی عن الزہری عن عروۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل، فنکاحہا باطل

ل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، اور فرمایا جو عورت بغیر ولی کی اجازت کے نکاح

نکاحہا باطل فان دخل بہا فلہا المہر بما استحل من فرجہا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی لہ رواہ الخمسۃ الا النسائی۔ اور زینب کا یہ پہلا نکاح اگرچہ صحیح وجائز نہیں ہوا ہے، لیکن چونکہ وطی ہو چکی ہے، اس لئے زینب اپنا مہر مقررہ زید سے لینے کی مستحق ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور سے ثابت ہے۔ اور مولود زینب کا وارث قرار پائے گا، اور زینب اس کی پرورش کی بھی مستحق ہے، اور ترکہ زید سے وہ مولود میراث نہیں پا سکتا، رہا زینب کا دوسرا نکاح جو بکر سے ہوا ہے، سو چونکہ اولیائے زینب کا یہ دعوے ہے، کہ زینب کا یہ دوسرا نکاح انہوں نے اس کی رضا واجازت سے کیا ہے، اور زینب کو اس سے انکار ہے، اور وہ بجور وجبر نکاح پڑھانا بتلاتی ہے، پس اولیاء زینب اگر اپنے دعوے کے ثبوت میں معتبر گواہ پیش کریں، اور ان کے بیان سے اپنے دعوی کو ثابت کریں، تو اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہوگا، اور زینب بکر کی منکوحہ ٹھہرے گی، اور اگر اپنے دعوے کے ثبوت میں معتبر گواہ پیش نہ کر سکیں، تو اس صورت میں زینب سے قسم لی جاوے گی، اگر اس نے قسم کھانے سے اعراض ونکول کیا تو اس صورت میں بھی یہ نکاح صحیح ہوگا، اور زینب بکر کی منکوحہ ٹھہرے گی، اور اگر اس نے قسم کھالی، کہ میرا یہ دوسرا نکاح میری رضا واجازت سے نہیں ہوا ہے، بلکہ بجور وجبر پڑھایا گیا ہے، تو اس صورت میں یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور زینب بکر کی منکوحہ نہیں ٹھہرے گی، مشکوۃ شریف صفحہ ۳۱۸ میں ہے عن[1] ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو یعطی الناس بدعوٰہم لادعی ناس دماء رجال واموالہم ولکن الیمین علی المدعی علیہ رواہ مسلم وفی شرحہ للنووی انہ قال وجاء فی روایۃ البیہقی باسناد حسن او صحیح زیادۃ عن ابن عباس مرفوعا لکن البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔ ونیز اسی کتاب میں ہے۔ عن[2] عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، اگر مرد اس سے صحبت کر چکا ہو تو حق مہر ادا کرے۔ اگر اختلاف ہو جائے تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں، نسائی کے علاوہ خمسہ نے اسے روایت کیا ہے۔

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر لوگوں کو ان کے دعوٰی کے مطابق دے دیا جائے تو لوگوں کے خون اور مال لے جائیں، قسم مدعی علیہ پر ہے، دوسری روایت میں ہے۔ دلیل مدعی کے ذمہ ہے اور قسم انکار کرنے والے پر ہے (مسلم)

[2] عمرو بن شعیب کی حدیث کے بھی یہی الفاظ ہیں بیہقی نے باسناد حسن اسے روایت کیا ہے

قال البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر رواہ الترمذی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ثیبہ مومنہ غیر کفو ایک مرد دیندار کے گھر میں کاروبار عرصہ تخمیناً تین سال تک کرتی رہی، پھر ان دونوں کی یہ مرضی ہوئی، کہ نکاح کرلیں، پھر دو شخص عاقل، بالغ، عالم پاس بٹھا کر ایجاب و قبول کیا، اور مہر دس روپے باندھا، پھر ناکح نے گواہوں کو کہا، کہ تم اس بات کو پوشیدہ رکھنا کیونکہ میری برادری مجھ کو تکلیف دے گی، پھر جب بعد گذرنے چند ماہ کے حمل ظاہر ہوا، برادری نے ناکح و منکوحہ سے پوچھا، کہ یہ حمل کیسا ہے، انہوں نے کہا، یہ حلال ہے، ہم نے نکاح کیا ہے، اور ایجاب و قبول مع مہر ہوا ہے، پھر ان کے ایک لڑکا، اور پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی، اب تک عرصہ پندرہ سال سے اس کے گھر میں آباد ہے، برادری ان کو ورثہ دینے سے انکار کرتی ہے، کہ یہ اولاد غیر کفو سے ہے، اور ان کا نکاح پوشیدہ ہوا ہے تو عرض یہ ہے، کہ یہ نکاح دو شاہدوں سے پوشیدہ ہوتا ہے یا نہیں، اور اولاد جو غیر کفو سے ہو اس کو ورثہ ملتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نکاح مذکور صحیح ہوا، اور عورت مذکورہ کا غیر کفو ہونا نکاح کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے، اور اعلان فی نفسہ مشروع تو ضرور ہے، لیکن یہ بات نہیں، کہ بلا اعلان کے نکاح ہی صحیح نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہوا، اور جب نکاح صحیح ہوا تو اس نکاح سے جو اولاد ہوئی ہے، اس کو ورثہ بھی ضرور ملے گا، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ۔

ھو الموفق:۔ فقہ حنفی کی رو سے یہ نکاح بلاشبہ صحیح ہوا، کیونکہ فقہائے حنفیہ کے عورت عاقلہ، بالغہ اپنا نکاح آپ بلا ولی کے کرسکتی ہے، اور دو گواہ صحت نکاح کے لئے کافی ہیں، اگرچہ ان سے کہدیا گیا ہو، کہ تم لوگ اس نکاح کو پوشیدہ رکھنا۔ مؤطا امام محمد میں ہے۔ باب نکاح السر۔ اخبرنا مالک عن ابی الزبیر ان عمر اتی برجل فی نکاح لہ بینھم علیہ الا رجل وامراۃ فقال عمر ھذا نکاح السر ولا نجیزہ ولو کنت تقدمت

لہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا، اس کے نکاح کے گواہ صرف ایک مرد اور ایک عورت تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ پوشیدہ نکاح ہے، ہم اس کو جائز نہیں سمجھتے اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا، تو

فیہ لرجمت، قال محمد وبھذا ناخذ لان النکاح لایجوز فی اقل من شاھدین وانما شھدعلی ھذا الذی ردہ عمر رجل وامراۃ فھذا نکاح السر لان الشھادۃ لم تکمل ولو کملت الشھادۃ برجلین اورجل وامرأتین کان نکاحا جائزا وان کان سرا و انما یفسد نکاح السران یکون بغیر شھود فاما اذا کملت فیہ الشھادۃ فھو نکاح العلانیۃ وان کانوا اسروہ انتہی۔ رہا حدیث کے روسے اس نکاح کا صحیح ہونا سو اگر یہ نکاح بولایت ولی کے ہوا ہے، تو بلا شبہ صحیح ہے، اور بلا ولی کے اس عورت نے خود اپنا نکاح آپ کرلیا ہے تو صحیح نہیں ہوا، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ عورت سنت جماعت ہے، اور مرد شیعہ مذہب ہے، ان دونوں کا نکاح بموجب شرع شریف ہوسکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ شیعہ اگر منکر ضروریات دین ہے اور ایسے امور کا قائل وفاعل ہے جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، تو ایسے شیعہ سے عورت اہل سنت کا نکاح ہرگز جائز نہیں، اور اگر فقط سب شیخین کرتا ہے تو اگرچہ سب شیخین کرنے والا کافر نہیں، مگر فاسق ضرور ہے، اور فاسق سے بھی نکاح نہیں کرنا چاہیئے، زاد المعاد میں ہے الذی یقتضیہ حکمہ اعتبار الدین فی الکفاءۃ اصلا وکمالا فلا تزوج مسلمۃ بکافر ولا عفیفۃ بفاجر انتہی عالمگیریہ میں ہے۔ لا یکون الفاسق کفوا لصالحۃ سواء کان معلن الفسق اولم یکن انتہی۔ خلاصہ یہ کہ عورت اہل سنت کا نکاح شیعہ سے نہیں کرنا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین — ۱۵؍ شعبان ۱۳۱۷ھ

تجھے سنگسار کردیتا۔ امام محمد نے کہا ہمارا یہی مذہب ہے، ہم دو گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں سمجھتے، حضرت عمر نے اس سے کم گواہوں کے نکاح کو پوشیدہ نکاح کہا تھا، اگر دو مردوں کی شہادت ہو یا ایک مرد اور دو عورتوں کی تو یہ نکاح جائز ہے اگرچہ وہ اس کو پوشیدہ رکھیں، بغیر شہادتوں کے نکاح باطل ہے لے اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ مرد و عورت اصل اور کمال میں کفو ہوں، مسلمان عورت کافر سے نہیں بیاہی جائے گی، اور نہ پاکدامن بدکار آدمی سے کے فاسق آدمی نیک عورت کا کفو نہیں ہے، خواہ وہ علانیہ فاسق ہو یا پوشیدہ ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیٹی ہندہ عرصہ نو برس سے عدم بلوغیت کے زمانہ میں بیوہ ہوگئی، اس درمیان میں چند جگہ سے پیغام نکاح بھی ہندہ کے آئے، مگر زید نے بوجہ پابندی رسم وعیب ورا سمجھنے کے نامنظور کیا، آخر ہندہ زید کے مکان سے باہر آئی اور جماعت مسلمین کے سردار کے پاس یہ پیغام بھیجا، کہ میرا نکاح فلاں شخص سے جلد پڑھا دیجیے، ورنہ حرام کاری کی مرتکب ہو جاؤں گی، اور میرے والد کو مت خبر دیجیے، ورنہ وہ نکاح نہ ہونے دیں گے، سردار صاحب کو بہت خیال ہوا اور دریافت کر کے ایک جماعت مسلمین کے روبرو خود قاضی ووکیل وولی بن کر ہندہ کا نکاح پڑھوا دیا اور جب اس کے والد وغیرہ کو خبر ہوئی تو اس کو زدوکوب کر کے پکڑ کر مکان میں لے گئے اور یہ مشہور کیا، کہ ہندہ کہتی ہے، کہ وہ نکاح میری منظوری سے نہیں ہوا، اور ہم کو منظور نہ تھا، یہ کہنا زید کا یا ہندہ کا معتبر ہے یا نہیں، اور یہ نکاح بیوہ کا جو ولی اقرب کے ہوتے ہوئے، ولی البعد سردار مسلمین نے پڑھوایا صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ عورت کے نکاح میں عورت کا اذن بھی ضروری ہے، اور اس کے ولی کا اذن بھی، اگر عورت ثیبہ ہے تو اس کا صریح اذن ضروری ہے، اور باکرہ ہے، تو صریح اذن ضرور نہیں، اس کا سکوت بھی کافی ہے، تو اگر عورت کا نکاح بلا اذن اس کے کر دیا جاوے، تو صحیح نہیں، جب تک کہ وہ منظور نہ کرے، اسی طرح اگر عورت کا نکاح بلا اذن اس کے ولی کے کر دیا جاوے، تو صحیح نہیں، جب تک ولی منظور نہ کرے، ہاں جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو، یا ہو، لیکن عورت کو نکاح کرنے سے روکتا ہو، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو ان دونوں صورتوں میں سلطان یعنی سردار جماعت مسلمین ہی اس عورت کا ولی ہے، اسی کے اذن سے اس عورت کا نکاح صحیح ہے۔ فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۶۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یا رسول اللہ وکیف اذنھا قال ان تسکت متفق علیہ۔ وعن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل الی قولہ فان اشتجروا فالسلطان

۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیوہ یا مطلقہ کا نکاح اس کے حکم کے بغیر نہ کیا جائے، اور کنواری سے بھی اجازت لی جائے، لوگوں نے پوچھا اس کی اجازت کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ کہ خاموش ہو جائے (متفق علیہ) اور آپ نے فرمایا، جو عورت بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرے، اس کا نکاح باطل ہے، اگر جھگڑا ہو جائے، تو

ولی من لا ولی لہ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی اھ وفی نیل الاوطار صفحہ ۲۲۶۔ فاذا لم یکن ثمہ ولی او کان موجودا وعضل انتقل الامر الی السلطان لانہ ولی من لا ولی لہ کما اخرجہ الطبرانی من حدیث ابن عباس وفی اسنادہ الحجاج بن ارطاۃ اھ۔ وفی فتح الباری صفحہ ۲۷ جلد ۵۔ وفی اسنادہ الحجاج بن ارطاۃ وفیہ مقال واخرجہ سفیان فی جامعہ ومن طریقہ الطبرانی فی الاوسط باسناد آخر حسن عن ابن عباس بلفظ لا نکاح الا بولی مرشد او سلطان اھ۔ باقی رہا یہ امر کہ ہندہ کا یہ نکاح اس کی منظوری سے ہوا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے، کہ اگر شہادت معتبرہ سے ثابت ہو کہ ہندہ کی منظوری سے نکاح مذکور ہوا تھا، اور اب بخوف زدوکوب منظوری سے انکار کرتی ہے، تو نکاح مذکور صحیح ہو گیا، اور اب زید یا ہندہ کا کہنا کہ یہ نکاح بمنظوری ہندہ نہیں ہوا ہے، نامعتبر ہے، ورنہ معتبر ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبداللہ | مدرسہ احمدیہ ۱۲۹۸

| سید محمد نذیر حسین |

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نابالغ کا نکاح ہندہ نابالغہ سے ہوا، اور اس نکاح میں زوجین کے باپ ولی تھے، اب ہندہ بالغہ ہے، اور زید نابالغ اور ہندہ کو زید سے سخت کراہت ہے، پس بموجب حدیث شریف مرویہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہندہ کو اب یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں، کہ دوسری جگہ برضائے خود نکاح کر لے عن ابن عباس ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔ اور جو بعض شراح حدیث نے اس حدیث کو بالغہ باکرہ پر محمول کیا ہے، اس کا کیا ثبوت ہے، اور اگر اس میں نقاد حدیث کے نزدیک جرح ہو سکتی ہو، اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہو تو اس کے وجوہ صحیحہ مع عبارات کتب معتبرہ شرعیہ تحریر فرما دیں، اور کتب فقہ

۱؎ اگر نکاح میں ولی موجود نہ ہو یا ہو اور وہ ولایت کے قابل نہ ہو، تو بادشاہ ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ بادشاہ ولی ہو گا

۲؎ ابن عباس رضہ نے کہا، بادشاہ یا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، احمد ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے اسے روایت کیا ہے۔

۳؎ ایک کنواری لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکوہ کیا کہ اس کے باپ نے اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی اس کا نکاح کر دیا ہے، تو آپ نے اس کو اختیار دے دیا (ابوداؤد، نسائی)

ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہے۔ وان زوجہما الاب والجد فلا خیار لہما بعد بلوغہما لانہما وافر الشفقۃ۔ اس کا ماخذ کوئی آیت قرآنی و حدیث صحیح صراحۃً ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: جب باپ اپنی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے کر دے، اور لڑکی اس نکاح سے راضی نہ ہو، تو اس لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے، لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ، باپ نے اس کا نکاح کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، لڑکی کا اس نکاح سے کارہ اور ناراض ہونا ہی علت ہے فسخ نکاح کے حاصل ہونے کی، جیسا کہ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور فی السوال دلالت کرتی ہے، صاحب سبل السلام اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں:

هذا الحديث دل على تحريم اجبار الاب لابنته البكر على النكاح وغيره من الاولياء اولى (الى قوله) وقال البيهقي في تقوية كلام الشافعي ان حديث ابن عباس هذا محمول على انه زوجها من غير كفو قال المصنف (اى الحافظ ابن حجر) جواب البيهقي هو المعتمد لانها واقعة عين فلا يثبت الحكم بها تعميما قلت كلام هذين الامامين محاماة على كلام الشافعي ومذهبهم والا فتاويل البيهقي لادليل عليه فلو كان كما قال لذكرته المرأة بل قالت انه زوجها وهي كارهة فالعلة كراهتها فعليها علق التخيير لانها المذكورة فكانه قال صلى الله عليه وسلم اذا كنت كارهة فانت بالخيار وقول المصنف انها واقعة عين كلام غير صحيح بل حكم عام لعموم علته فانها وجدت الكراهة ثبت الحكم وقد اخرج النسائي عن عائشة ان فتاة دخلت عليها فقالت ابي زوجني

۱؎ اگر چھوٹے بچوں کو باپ یا دادا بیاہ دیں تو بلوغت کے بعد ان کو اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پوری شفقت والے ہیں ۱۲

۲؎ یہ حدیث دلالت کرتی ہے، کہ باپ اگر اپنی کنواری بیٹی کو نکاح پر مجبور کرے، تو یہ حرام ہے، تا بہ دیگراں چہ رسد دوسرے اولیاء کا تو ذکر ہی کیا۔ بیہقی نے امام شافعی کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے، کہ ابن عباس کی حدیث اس پر محمول ہے کہ باپ نے غیر کفو میں اس کا نکاح کیا ہوگا، حافظ ابن حجر نے کہا بیہقی کا جواب صحیح ہے کیونکہ یہ ایک معین واقعہ ہے۔ اس سے عام حکم ثابت نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں ان دونوں بزرگوں کا کلام خواہ مخواہ کی شافعی کی حمایت ہے، ورنہ اس تاویل کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہ تھی تو عورت اس کا تذکرہ کرتی، اس کے برخلاف وہ یہ علت پیش کر رہی ہے کہ یہ نکاح اسے پسند نہیں ہے، اور اسی علت پر آپ نے اختیار کو معلق فرمایا، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، اگر تجھے یہ نکاح ناپسند ہے، تو تجھے اختیار ہے اور یہ تاویل کہ یہ ایک معین واقعہ ہے صحیح نہیں ہے بلکہ عموم علت کی بنا پر عام حکم ہے۔ جہاں بھی کراہت پائی جائے گی یہ حکم

من ابن اخیہ یرفع بی خسیسہ وانا کارھۃ قالت اجلسی حتی یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ فارسل الی ابیہا فدعاہ فجعل الامر الیہا فقالت یا رسول اللہ قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان اعلم النساء ان لیس للاباء من الامر شئ والظاہر انہا بکر ولعلہا ھی التی فی حدیث ابن عباس وقد زوجہا ابوہا کفوا ابن اخیہ وان کانت ثیبا فقد صرحت انہ لیس مرادھا الا اعلام النساء انہ لیس للاباء من الامر شئ ولفظ النساء عام للثیب والبکر وقد قالت ھذہ عندہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقرھا علیہ والمراد بنفی الامر من الاباء نفی التزویج للکارھۃ لان السیاق فی ذلک فلا یقال ھو عام لکل شئ انتہی۔ اور بعض شراح نے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو باکرہ بالغہ پر محمول کیا ہے سو اس کا کوئی ثبوت صحیح نہیں معلوم ہوتا اور ابن عباس کی یہ حدیث بلاشبہ قابل عمل ہے دیکھو تلخیص الحبیر و درایہ اور کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ ولو زوجہما الاب والجد فلا خیار لہما بعد بلوغہما سو اس کا ماخذ آیت قرآنی یا حدیث صحیح سے نہ فقہاء لکھتے ہیں اور نہ دیکھنے میں آیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ علی محمد فیروزپوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بہن کو بلا زوج بٹھا رکھا ہے، یہاں تک کہ اس دختر ناکتخدا کی عمر پچاس سال کی ہوگئی، اور شخص مذکور

حکم پایا جائے گا۔ نسائی میں روایت ہے کہ ایک نوجوان عورت نے حضرت عائشہ رض کے پاس آکر کہا میرے باپ نے مجھے اپنے بھتیجے سے بیاہ دیا ہے اور مجھے یہ نکاح ناپسند ہے حضرت عائشہ رض نے کہا بیٹھ جا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آجانے دے، آپ کو حضرت عائشہ رض نے اطلاع دی، تو آپ نے اس کے باپ کو بلایا، اور اس عورت کو اختیار دے دیا، تو وہ کہنے لگی اے اللہ کے رسول جو کچھ میرے باپ نے کیا ہے میں اس کو برداشت کرتی ہوں، میرا ارادہ یہ تھا کہ عورتوں کو پتہ چل جائے، کہ نکاح کے معاملہ میں عورتوں پر ان کے باپوں کا زبردستی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ظاہرا یہی معلوم ہوتا ہے، کہ وہ کنواری تھی، اور ممکن ہے یہ وہی کنواری عورت ہو جس کا تذکرہ ابن عباس کی حدیث میں ہے، اس کے باپ نے اس کا نکاح کفو میں کیا تھا، اور اگر وہ ثیبہ بھی تھی تو اس نے تصریح کردی کہ میرا مقصد صرف یہ تھا، کہ عورتوں کو ان کے حقوق کا پتہ چل جائے، اور "عورتوں" کا لفظ عام ہے جو کنواری، بیوہ، مطلقہ سب کو شامل ہے، اور یہ الفاظ اس نے حضور کی موجودگی میں کہے، اگر غلط ہوتے تو آپ اس کو متنبہ کر دیتے ۱۲ لے اگر باپ اور دادا چھوٹے بچوں کا نکاح کردیں، تو بلوغت کے بعد ان کو کوئی اختیار نہیں ہے ۱۲

کے چار دختریں ایک بعمر ۲۴ سال دوسری بعمر ۲۲ سال اور تیسری بعمر ۱۸ سال اور چوتھی بعمر ۱۲ سال بلا زوج بٹھار کھا ہے اور کہیں کفو وغیر کفو میں نکاح نہیں کرتا جب کہیں سے نسبت معقول آتی ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اپنی بہن کو بلا زوج کنواری بٹھا رکھا ہے میں اپنی دختروں کو بھی اپنی زندگی تک کنواری ہی رکھوں گا مجھ کو عار معلوم دیتی ہے اگر میں اپنی دختروں کا نکاح کروں تو مجھ کو گالی لگتی ہے بس ہرگز نکاح نہ کروں گا چونکہ زمانہ کی رنگت گوشزد مناسب ہے، دختروں کی والدہ کہتی ہے کہ میں بلا اجازت دختروں کے والد کے عقد شرعی باجازت دختر بالغہ کر دوں۔ تو درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں اگر دختر بالغہ کی والدہ شادی اس کی باجازت دختر معقول اور مناسب جگہ کر دے تو درست اور جائز ہے اور باپ اگر نکاح کرنے سے منع کرتا ہے جیسا سوال میں مذکور ہے تو باپ کی ولایت باطل اور ساقط ہوگئی اور ولی ابعد جو بالفعل والدہ ہے ولی اقرب یعنی والد کے قائم مقام ہوگئی اور والدہ کا عقد شرعا جائز اور نافذ ہے چنانچہ در مختار میں لکھا ہے۔ ویثبت للابعد من اولیاء النسب التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعه عن التزویج اجماعا یعنی اختیار نکاح کا ولی بعید کے لیے ثابت ہو جاتا ہے جس وقت ولی قریب یعنی باپ مثلا نکاح کرنے سے منع کرے جیسا کہ سوال میں درج ہے، عالمگیری میں لکھا ہے۔ اجمعوا ان الاقرب اذا عضل تنتقل الولایة الی الابعد۔ پس صورت مذکورہ میں والدہ کا نکاح کیا ہوا جائز ہے اور شرعا نافذ ہے

حررہ یقال لہ ابراہیم فقیر محمد حسین

ھو الموفق:۔ یہ جواب فقہ حنفی کی رو سے صحیح ہے اور حدیث کی رو سے صورت مسئولہ میں والدہ کا عقد کرنا جائز نہیں بلکہ اس صورت میں باپ سے ولایت نکاح منتقل ہو کر اس ولی بعید کو پہنچے گی جو مرد ہو اور اگر کوئی ولی بعید نہ ہو تو حاکم کو پہنچے گی عورت نہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ غیر کا کر سکتی ہے خلاصہ یہ کہ کسی عورت کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہے، بلوغ المرام میں ہے۔ عن ابی[1] ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزوج المرأۃ المرأۃ ولا تزوج المرأۃ نفسہا رواہ ابن ماجہ والدارقطنی ورجالہ ثقات۔ قال فی سبل السلام صفحہ ۶۵ جلد ۲ وفیہ دلیل علی

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت نہ اپنا نکاح کرا سکتی ہے نہ کسی اور عورت کا۔ ابن ماجہ نے اسے روایت

ان المرأة ليس لها ولا يزني الا نكاح لنفسها ولا لغيرها فلا عبارة لها في النكاح ايجابا ولا قبولا فلا تزوج نفسها باذن الولى ولا غيره ولا تزوج غيرها بولاية ولا بوكالة ولا يقبل النكاح بولاية ولا بوكالة وهو قول الجمهور انتهى - والله تعالى اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں بکر کے ساتھ کر دیا، مگر جب وہ سن بلوغ کو پہنچی اور اپنے نکاح پر مطلع ہوئی تو اس نے بکر کی زوجیت میں رہنا قبول نہ کیا، اس صورت میں اس دختر کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:- کنواری لڑکی کا نکاح اگر کسی شخص سے کوئی ولی بالجبر کرے، یا اس کو اطلاع نہ ہو یا نابالغ ہو تو بعد علم و بلوغ کے اس کو اختیار ہے، خواہ اس زوج کے نکاح میں رہے یا نہ رہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔ لا ضرر[1] ولا ضرار فی الاسلام یعنی اسلام میں ضرر کا اختیار کرنا، یا دوسرے کو ضرر دینا، یا ایسا کام کرنا کہ باہمی ضرر ہو ہرگز جائز نہیں ہے، اور سنن اربعہ یعنی ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں لکھا ہے، بروایت ابن عباس ؓ ان جارية بكرا اتت النبى صلى الله عليه وسلم فذكرت ان اباها زوجها وهي كارهة فخيرها النبى صلى الله عليه وسلم. یعنی ایک کنواری لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرے باپ نے (ایک شخص سے) زبردستی میرا نکاح باندھ دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دے دیا، اور صحیح حدیث سے

کہا ہے اور بیہقی نے اسے صحیح الاسناد لکھا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت نکاح میں ولی نہیں بن سکتی، اور اس کے ایجاب و قبول کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، وہ ولی کی اجازت کے باوجود بھی خود نکاح نہیں کر سکتی اور نہ کسی اور عورت کا نکاح کر سکتی ہے، نہ اصالۃ نہ وکالۃ، اور نہ کسی نکاح کو قبول کر سکتی ہے، نہ اصالۃ نہ وکالۃ، اور جمہور کا یہی مذہب ہے ۱۲

---

(۱) قوله لا ضرر ولا ضرار الخ اقول اخرجه ابن ماجه والدارقطني والبيهقي والحاكم عن ابي سعيد مرفوعا وقال الحاكم صحيح الاسناد ولم يخرجاه انتهى- واخرجه ايضا ابن ماجه والبيهقي عن عبادة بن الصامت وايضا ابن ماجه عن ابن عباس واخرجه الطبراني في الكبير وابو نعيم من حديث ثعلبة بن مالك القرظي نصب الراية، روضة الندية ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین۔

ثابت ہے، کہ باکرہ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے ہرگز نہ کرنا چاہیئے، دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ جب اختیار عورت کو دیا گیا، اور عورت نے الگ ہو جانا چاہا، تو یہ فرقت موسوم بہ طلاق نہ ہوئی کیونکہ طلاق اس وقت ہوتی ہے، جب مرد مختار ہو اور یہاں قضیہ بالعکس ہے، تو بحسب منطوق ان احادیث کے یہ لڑکی مختار ہے، خواہ اس شوہر کے نکاح میں رہے، خواہ اور کسی سے نکاح کرلے، کوئی عدت نہیں، اور ہدایہ میں ہے قال ثم عندھما اذا بلغت الصغیرۃ وعلمت النکاح فسکتت فھو رضاوان لم تعلم بالنکاح فلھا الخیار حتی تعلم فتسکت الی ان قال ثم خیار البکر یبطل بالسکوت ولا یبطل خیار الغلام مالم یقل رضیت او یجیٔ منہ مایعلم انہ رضاوکذلک الجاریۃ اذا دخل بھا الزوج قبل البلوغ الی قولہ وخیار البلوغ فی حق البکر لا یمتد الی اخر المجلس ولا یبطل بالقیام فی حق الثیب والغلام، اور اس کے تھوڑے دور کے بعد یوں لکھا ہے۔ ثم الفرقۃ بخیار البلوغ لیس بطلاق انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ العبد الضعیف ابو سمعیل یوسف حسین محمدی عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بالغہ ہے کہ اس کا نکاح اس کے والد کی اجازت سے بگواہی دو گواہان ایک شخص سے ہو چکا، مگر جیسا کہ رواج ہے قبولیت کی تکمیل عورت کی زبان سے کہلا کر نہیں ہوئی، البتہ دوسرے ظاہری سائل مثل نہلانے اور کپڑے پہنانے اور بارات کے آنے اور بارات کو کھانا کھلانے اور نکاح کے لئے آکر بیٹھنے وغیرہ وغیرہ سے اس کو پورا پورا علم ہے، کہ میرا ہی نکاح ہوا ہے،

۱؎ صاحبین کے نزدیک جب چھوٹی بچی بالغ ہو جائے، اور اسے نکاح کا علم ہو اور وہ خاموش ہو جائے، تو وہ رضا ہے، اور اگر اسے نکاح کا علم نہ ہو تو اس کو اختیار ہے، یہاں تک کہ اسے معلوم ہو جائے، اور پھر خاموش ہو جائے، پھر کہا کنواری کا اختیار سکوت سے باطل ہو جاتا ہے، اور غلام کا اختیار اس وقت تک باطل نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ یوں نہ کہے میں راضی ہوں، یا اس سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے رضا معلوم ہو جائے، اور اسی طرح لڑکی کہ جب خاوند اس سے بلوغت سے پہلے صحبت کرے، اور بلوغت کا اختیار آخر مجلس تک ممتد ہو گا، اور ثیب اور غلام کے حق میں کھڑا ہو جانے سے باطل نہیں ہو گا، اور اختیار بلوغ سے جو فرقت ہو وہ طلاق نہیں ہے۔

اور اس کو خاوند کے ساتھ جانے سے کوئی انکار نہیں، اور نہ اس کی جانب سے نامنظوری نکاح کا کوئی اظہار ہوا، بلکہ اس عورت کو یہاں تک معلوم ہے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے پس ایسی حالت میں از روئے شریف نکاح واقع ہو گیا یا نہیں، کیونکہ عام لوگوں کا خیال ہے، کہ ایجاب وقبول کی تکمیل عورت کی زبان سے کرائے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

الجواب:۔ صورت سوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ یہاں نکاح بغیر استیذان کے ہوا ہے، اور نکاح بغیر استیذان کے اگرچہ خلاف سنت ہے، مگر متوقف ہے عورت کی رضا پر اور صورت مرقومہ میں رضا ظاہر ہے، اس لئے یہ نکاح صحیح ہوا، طحطاوی میں ہے۔ ـ ان زوجها بغیر استیمار فقد اخطاء السنة وتوقف علی رضاھما انتہی

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ   سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین دریں صورت کہ اگرچہ در حدیث شریف زنان بیوہ را عقد ثانی سنت است، اگر زنے کہ شہوت نفسانی را باز داشتہ عقد ثانی نکردہ و زنے کہ باتباع شریعت عقد ثانی کردہ متلذذ شد پس درمیان ہر دو زن کدام کا فضیلت و ترجیح خواہد بود، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ فضیلت و ترجیح بزیادت ثواب مرزن عقد کنندہ ثانی راست، کہ بدل وجان امر خدا تعالے و رسول مقبول بجا آورد، چہ اتباع سنت سنیہ موجب کثرت ثواب و علامت محبت و رضامندی خدا و رسول است چنانچہ قول حق سبحانہ وتعالے شانہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ بران ناطق است ؎

ہر کہ در راہ محبت پیشتر!   بر دل او بار محنت بیشتر!

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اگرچہ حدیث سے بیوہ کو نکاح کی اجازت ملتی ہے، لیکن ایک عورت سنت سمجھ کر نکاح ثانی کر لیتی ہے، اور دوسری عورت لذات نفسانی کو چھوڑ کر زندگی گذار دیتی ہے، تو ان دونوں میں سے بہتر کون ہے؟

الجواب:۔ ترجیح و زیادہ ثواب اس عورت کو ہے جس نے خدا اور رسول کے حکم کو تسلیم کر کے سنت کے موافق نکاح کر لیا، کیونکہ کثرت ثواب کا باعث اور محبت خدا اور رسول کی علامت اتباع سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہدیں، اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے

ودیگر قول آن سرور خیر البشر من احب سنتی فقد احبنی وکسے کہ دوست دارد سنت مرا پس ہر آئینہ دوست میدارد مرا ودوست داشتن طریقہ وسیرت کسے را ناشی از فرط محبت او باعث بران است۔ ومن احبنی کان معی فی الجنۃ رواہ الترمذی و کسے کہ دوست دارد مرا باشد بامن در بہشت، چنانکہ روایت کرد این را ترمذی، و درین حدیث اشارہ است بآنکہ دوست داشتن سنت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم را مورث محبت آنحضرت مرافقت او ست صلی اللہ علیہ وسلم چہ جائے عمل بدان، چنانکہ شیخ عبدالحق محدث در ترجمہ مشکوۃ افادہ فرمودہ اند ؎

تا در رہ او کار محبان نہ کنی   زنہار دم از صدق محبت نزنی

واعراض از سنت سنیہ سبب ناخوشی آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم است، چنانکہ پارہ از حدیث طویل در معرض بیان می آرد فمن رغب عن سنتی فلیس منی فرمود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس کسے کہ اعراض کند از سنت من پس نیست آن کس از تابعان من کما رواہ البخاری و مسلم پس این وعید در اعراض از سنت مردان وزنان ہر دو را شامل است، چنانکہ بر علماء پوشیدہ نیست ؎

حقا کہ بے متابعت سید رسل   ہرگز کسے بمنزل مقصود رہ نیافت

از ہیچ روز ہیچ درے راہ نمی دہند   آنرا کہ زآستانہ او روئے دل بتافت

فی الجملہ در انتثال امر شارع سعادت دارین مضمر است نہ در آنچہ دل خود خواہد، وتابع ہوائے نفسانی شود، چنانکہ او رب العالمین در قرآن حمید می فرماید وماکان لمومن ولا مومنۃ ونہ باشد ہیچ مردے گرویدہ راو نہ ہیچ زن ایمان آوردہ را اذا قضی اللہ ورسولہ امرا

محبت کرے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا، اور جس نے مجھے محبوب رکھا، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا، اس حدیث میں اشارہ ہے کہ سنت سے محبت رسول سے محبت ہے، تو اس پر عمل کرنا کیسا ہوگا، اور سنت سے روگردانی کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہے، آپ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا جس نے میری سنت سے روگردانی کی، وہ میری امت میں سے نہیں ہے، پس اس وعید میں جیسے مرد شامل ہیں عورتیں بھی ہیں۔ قصہ مختصر آپ کے حکم کی تعمیل میں دونوں جہان کی بھلائیاں مضمر ہیں، نہ کہ اپنے دل کی مرضی میں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ کسی مومن مرد اور مومن عورت کا حق نہیں ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا

چون حکم کرد خدا و رسول او کارے را ان یکون لھم الخیرۃ آنکہ باشد مر ایشان را اختیار من امرھم از کار خود چیزے را بلکہ واجب بود بر ایشان اختیار خود را تابع اختیار خدا و رسول او ساختند۔ فالافضلیۃ فی الاتباع لا فیما تمیل الیہ النفس کذا فی المرقاۃ شرح المشکوۃ ملا علی قاری ؎

مزن ز چون و چرا دم کہ بندہ مقبل　　قبول کرد بجان ہر سخن کہ جانان گفت

و عمل بر منشور لامع النور وانکحوا الایامی منکم از تہ دل نمایند تا در رحمت و مکرمت بر خود کشایند ؎

ہر کہ دارد چون قلم سر بر خط احکام او　　می نویسد بخت طغرائے ظفر بر نام او

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی ثلاث لا تؤخرھا الصلوۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا۔ وایم شامل است زن باکرہ و ثیبہ را این است فرمان خدا و رسول ؎

سخن دوست گران بود فراوان کردم　　جان بہ پیمانہ بیا زید کہ ارزان کردم

پس زن نکاح ثانی کنندہ کہ ذائقہ حلاوت از شکرستان بلاغت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ چشیدہ بہ کام دو جہانے مسرور کامگار شدہ ؎

راہ دان و راہ بین و راہبر　　در حقیقت نیست جز خیر البشر

و از خطاب پر عتاب لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ اندیشیدہ و از ملامت قبائل و عشائر خود بجائے توقیع رفیع لا یخافون لومۃ لائم در گذشتہ و پروا نکردہ احیاء سنت سنیہ یعنی اقدام بر نکاح ثانی نمودہ خط رضا و تسلیم بر خود کشیدہ ؎

راہ سنت رو اگر خواہی طریق مستقیم　　کز سنن رائے بود سوئے رضائے ذو المنن

رسول کسی چیز کا فیصلہ کر دیں تو پھر بھی ان کو ان کے کام میں اختیار باقی رہے، تو افضلیت سنت کے اتباع میں ہے نہ کہ میلان نفس میں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تین چیزوں میں کبھی کوتاہی نہ کرنا جب نماز کا وقت ہو جائے اور جب جنازہ حاضر ہو جائے اور عورت کے لئے جب مناسب بر مل جائے اور ایم کا لفظ باکرہ اور ثیبہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔

پس وہ عورت جس نے نکاح ثانی کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے شکرستان بلاغت سے اپنے کام و دہن کو مسرور کیا اپنے دین کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کی اور اپنی خواہشات

ہر مژہ در چشم شے ہمچون سنانے نیز باد　　　　کز نالۂ زندگی خواہد زمانے بے سنن

زہے وے مستورہ در سراپردہ کتائی حسب فرمان رحمانی بہ نیل حظوظ نفسانی در نکاح ثانی بہ بشارت ربانی فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ہداہم اللہ واولئک ہم اولوا الالباب۔ ہمچو در زمرہ صاحبان عقول صافیہ از شوائب اوہام وخالیہ از عوادی وعادات عوام جلوہ گر بحجلۂ کامرانی بودہ لذت چہار شربت زندگانی بعشر جمانی دریافت ونورایمانی ملوامع اخلاص جنانی ہم چو کرشمہ نیرین برایشان تافت ؎

چو رد وے برتابی زمن گردم ہلالے منمحق　　　　در رو سوئے من کنی چون بدر بے نقصان شوم

تو آفتابے من چو مہ گرد تو گردم روز وشب　　　　گر در محاق افتم ز تو گہ شمع نور افشان شوم

وزن دیگر بحلیہ عفت ظاہر بستر م وحیاء ودل تنگ از عار وننگ اولیاء واقربا در پیچ وتاب وبباطن در سوز دلے وآتش ہجر بے دلی در اضطراب بر بستہ کم خواب ؎

شوخی کہ دامن می کشید از پیچ وتاب خاطرش　　　　پیچیدہ در عشق کسے چون عشق پیچا نش نگر

وآہ ونالہ از دنیا ز دل نواز ہر دمش دمساز ؎

درد در دیست اندر دل اگر گویدزبان سوزد　　　　وگر دم درکشد ترسد کہ مغز استخوان سوزد

مع ہذا از قرب مولے دور تر واز ثواب دارین محروم مسر لب بلکہ در روا نداشتن نکاح بیوگان واموجب مشاقت خدا ورسول ومخالفت سبیل مومنین است چنانکہ بر ماہران شریعت غرا مخفی نیست، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

کو نبی کی تعلیم کے ماتحت کر دیا، اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی اس بشارت کا مستحق بنا لیا، میرے ان بندوں کو بشارت سنا دو جو بات سنتے ہیں، اور اس کے احسن حصہ پر عمل کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی، اور یہی عقل مند لوگ ہیں۔ ان لوگوں پہ اتباع سنت کا نور چمک رہا ہے

اور دوسری عورت جس نے بظاہر شرم وحیا کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، اور در حقیقت باطن میں پیچ وتاب کھا رہی ہے اسے اپنے خویش قبیلہ کی محض نا آشنی ننگ وعار ہے اور باطن میں دل تنگ ہے اور اس کے علاوہ مولے کے قرب سے بھی دور تر ہے، ثواب دارین سے محروم ہے بلکہ بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو جائز نہ سمجھنے کی وجہ سے خدا اور رسول کی نافرمان ہے اور سبیل المومنین سے منحرف ہے، واللہ اعلم۔

سوال: ایجاب وقبول رکن نکاح ہے یا نہیں، اگر ایجاب اول نہ ہوا، اور قبول پایا جاوے، تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں، اور ایجاب کے کیا معنے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ایجاب وقبول دونوں رکن نکاح ہیں، اگر ایجاب اول نہ ہوا، اور قبول پایا گیا یا ایجاب ہوا، اور قبول نہیں پایا گیا، تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور انعقاد نکاح کے لئے پہلے جو لفظ بولا جائے، اسی کو ایجاب کہتے ہیں، عورت کی جانب سے ہو یا مرد کی جانب سے اور اس کے جواب کو قبول کہتے ہیں۔ اشار کنہ فی الایجاب والقبول کذا فی الکافی وغیرہ والایجاب ما یتلفظ بہ اولا من ای جانب کان والقبول جوابہ ھکذا فی العنایۃ والعالمگیریۃ وغیرھما

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی کے در حق مجھ بیوہ و بیکس و مفلس اور محتاج کے، کہ ایک شخص نے دغابازی اور مکاری سے رقعہ منگنی کا میرے پاس بھیجا، کہ تم میرا نکاح اپنی دختر دوازدہ سالہ سے کردو، اور میں مرفہ الحال نان ونفقہ سے خوش وخرم اور ذی مقدور ہوں، گوالیار میں نوکر ہوں، اور وردی ہاتات کی پہن کر آیا، اور از راہ فریب بیان کیا کہ سو دو سو روپیہ کی امروز فردا میں آتی ہے، الغرض تملق زور رشدی وچالاکی اور فریب بازی سے نکاح اپنا میری دختر کے ساتھ جلدی سے کر لیا، اور نام بدل کر اظہار کیا اور بعد ایک ماہ بعلت دزدی ساڑھے تین برس کی قید میں مقید جیل خانہ کا ہوا، اور بعد ازاں معلوم ہوا، کہ یہ بڑا قزاق دغاباز ہے، کئی جگہ چند بار قید ہوا، اور دو تین عورتوں سے الہ آباد اور دوسرے شہروں میں دغابازی سے نکاح کیا، اور نان ونفقہ سے خبر گیران ان کا نہ ہوا، اور وہ عورتیں تنگ ولاچار ہو کر کسب زنا کرتی ہیں، اور اس بیوہ نے داروغہ قید خانہ سے استغاثہ کیا، داروغہ قید خانہ نے اس سے کہا، کہ تو یا نان ونفقہ اپنی زوجہ کو دے، یا اس کو طلاق دے دے در جواب اس کے اس نے کہا نہ میرے پاس نان ونفقہ ہے، اور نہ میں طلاق دیتا ہوں کسب کر کے اوقات بسر کرے، پس اس صورت میں لڑکی کہتی ہے، یا میرا نکاح دوسرے سے کرا دو فہو المراد ورنہ میں بازار میں کسب کرتی ہوں، کہ رفع حاجت نفسانی اور نان ونفقہ کی ہو وے اور میں بیوہ محتاج کہاں سے کھلاؤں، جوان دختر کو کسی صورت سے فسخ نکاح ہو جاوے، کہ

---

[1] نکاح کا رکن ایجاب وقبول ہے، کافی وغیرہ میں اسی طرح ہے، اور جن الفاظ کو پہلے ادا کیا جائے، وہ "ایجاب" ہے اور اس کا جواب "قبول" ہے (عنایہ، عالمگیریہ)

اور کسی نیک مرد سے نکاح اس کا کرادیا جاوے، برائے خدا مجھ بیوہ پر ترحم فرما کر اس کا جواب عنایت فرمائیں کہ فسخ نکاح ہو جاوے، کہ وہ دختر حرامکاری سے محفوظ رہے اور خانہ آباد ہووے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ ہر انسان پر نفقہ زوجہ کا ذمہ پر موافق مقدور واجب ہے، چنانچہ قرآن مجید و حدیث و فقہ میں بوجہ تفصیل مذکور ہے، اور اہل علم پر یہ امر مخفی نہیں، اور جب شوہر تنگ دست ہو کہ نان و نفقہ زوجہ کو نہیں دے سکتا، اور زوجہ ہر طرح سے لاچار ہے، اور فقر و فاقہ کی برداشت نہیں کر سکتی، اور نہ قرض ملتا ہے، تو زوجہ کو اختیار ہے، کہ کسی قاضی یا حاکم سے استغاثہ کر کے فسخ نکاح کرالے، اور بعد گذرنے عدت کے کسی مرد ذی مقدور سے کہ نان و نفقہ دے سکتا ہو نکاح اپنا کرلے، کہ حرام کاری سے بچے، یہی قول اور مذہب ہے جمہور علماء کا، اور مذہب حضرت عمر و علی و زید بن ثابت و ابوہریرہ و حسن بصری و ابن مسیب و حماد و ربیعہ و مالک و شافعی و احمد و امام یحییٰ کا ہے، جیسا کہ بدر تمام شرح بلوغ المرام میں جو کہ تصنیف ہے علامہ قاضی حسین بن محمد مغربی کی بوجہ بسط و مدلل مذکور ہے، قال الشاہ ولی الله المحدث الدهلوی فی المسوی تجب نفقة الزوجة علی الزوج موسرا کان او معسرا قال الله تعالی لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما اتاه الله وقال الله تعالی وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف انتهی کلامه مختصرا وهکذا فی الهدایة وغیرها۔ اور آیت کریمہ فامساك بمعروف او تسریح باحسان فامسکوهن فراجعوهن بمعروف بحسن عشرة وانفاق مناسب او فارقوهن بمعروف بایفاء الحق وانفاء الضرر۔ انتهی ما فی تفسیر البیضاوی وغیرہ۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الید العلیا خیر من الید السفلی ویبدأ احدکم بمن یعول تقول المرأة اطعمنی او طلقنی رواه الدارقطنی واسناده حسن انتهی ما فی بلوغ المرام للشیخ العلامة ابن حجر العسقلانی حدثنا عمرو بن حفص قال حدثنا ابی

۱؎ یا ان کو اچھی طرح سے رکھو یعنی حسن معاشرہ کے ساتھ ان سے رجوع کرو، اور مناسب خرچ دو، یا ان کو احسن طریقہ سے علیحدہ کردو یعنی ان کے حق پورے کر کے، اور ان کو تکلیف نہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلند ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور ان سے شروع کرو، جو تمہاری عیال میں ہیں ایسا نہ ہو کہ عورت کہے، یا مجھے کھلائے کو دے، یا مجھے طلاق دے، دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، اور نبی

قال حدثنا الاعمش قال حدثنا ابو صالح حدثنا ابو ھریرۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصدقۃ ما ترک غنی والید العلیا خیر من الید السفلی وابدأ بمن تعول تقول المرأۃ اما ان تطعمنی واما ان تطلقنی ویقول العبد اطعمنی واستعملنی ویقول الابن اطعمنی الی من تدعنی قالوا یا ابا ھریرۃ سمعت ھذا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ھذا من کیس ابی ھریرۃ انتہی ما فی صحیح البخاری وقد استدل بھذا علی ان المرأۃ اذا اعسر الزوج بنفقتھا کان لھا ان تطلب التفریق وھو قول جمہور العلماء وعن سعید بن المسیب فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اھلہ قال یفرق[1] بینھما اخرجہ سعید بن منصور عن سفیان عن ابی الزناد عنہ قال قلت لسعید بن المسیب سنۃ فقال سنۃ ھذا مرسل قوی الحدیث قال الشافعی ان یکون قول سعید سنۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومراسیل سعید معمول بھا لما عرف من عادتہ انہ لا یرسل الا عن ثقۃ واخرجہ ایضا الدارقطنی قال حدثنا عثمان بن احمد بن سماک وعنہ الباقی بن قانع واسمعیل بن علی قال اخبرنا احمد بن علی الخزاز قال حدثنا اسحق بن ابراھیم الماوردی قال حدثنا اسحق بن منصور قال حدثنا حماد بن سلمۃ عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب فی الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأتہ قال یفرق بینھما وبھذا الاسناد الی حماد بن سلمۃ عن عاصم بن بھدلۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے، کہ اس کے بعد آدمی غریب نہ ہو جائے، اور بلند ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اور ان سے شروع کرو، جو تمہارے عیال میں ہیں، کہ عورت کہے یا مجھے کھانے کو دو یا طلاق دو، اور غلام کہے یا مجھے کھانے کو دو، یا کام کرنے دو، اور بیٹا کہے، مجھے کھانے کو دو مجھے کس طرف بلاتے ہو، لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ کیا تم نے خود یہ رسول پاک سے سنا ہے کہنے لگے نہیں یہ ابو ہریرہ کے ذہن کے خزانہ سے ہے، انتہی مافی البخاری، اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر خاوند عورت کو خرچ نہ دے سکے تو وہ اس سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے، جمہور کا یہی قول ہے، سعید نے کہا یہ سنت ہے، امام شافعی نے کہا سعید نے جو اسے سنت کہا ہے اس سے مراد رسول خدا کی سنت ہے، کیونکہ ان کی عادت معلوم ہے کہ وہ ثقہ لوگوں ہی سے مرسل روایت بیان کرتے ہیں، ابو ہریرہ سے مرفوعا یہی الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کئے ہیں ۱۲

---

(۱) ای یفرق القاضی او الحاکم ۱۲

علیہ وسلم مثلہ واخرجہ البیہقی بھذا الاسناد۔ انتہی ما فی بدر التمام شرح بلوغ المرام للعلامۃ القاضی حسین بن محمد بن سعید بن عیسی المغربی مختصراً

اور مذہب حنفی میں باعث مفلس و محتاج ہونے زوج کے تفریق نہیں ہے، بنابراس کے کہ قاضی حکم کرے زوجہ کو کہ قرض لے کر اوقات بسر کرے، اور ظاہر ہے، کہ کب تک کوئی قرض دے گا، اور کس جائداد پر قرض ملے گا، اور غنی ہونا زوج کا امر متوہم اور خیال خام ہے، تو موافق مذہب حنفی کے کبھی وقت ضرورت اور نہ دستیاب ہونے قرض کے حکم تفریق کا صاف ظاہر ہوتا ہے۔ لانتفاء المسبب بانتفاء السبب کما لا یخفی علی الماھر، اور اسی واسطے متاخرین حنفیہ نے بوقت ضرورت کے اچھا جانا ہے، کہ وہ عورت طرف شافعی مذہب کے رجوع کرے، کہ قاضی شافعی مذہب کا تفریق کرا دے، اور واضح ہے کہ یہاں کوئی قاضی شافعی مذہب کا نہیں ہے، تو مذہب حنفی والا بھی مطابق مذہب شافعی کے یہاں تفریق کرا دے۔ واصحابنا لما شاھدوا الضرورۃ فی التفریق لان دفع الحاجۃ الدائمۃ لا یتیسر بالاستدانۃ والظاہر انہا لا تجد من یقرضہا وغنی الزوج فی المال امر متوھم استحسنوا ان ینصب القاضی نائبا شافعی المذھب لیفرق بینہما انتہی ما فی شرح الوقایۃ وللقاضی الحنفی ان یفعل ذلک اخذا بھذا المذھب وان لم یکن مذھبہ انتہی ما فی الفتاوی العالمگیریۃ والعدۃ والفصول العمادیۃ وادعی فی البحران المقلد اذا قضی علی خلاف مذھبہ نفذ واقوی ما تمسک بہ ما فی البزازیۃ ان لم یکن القاضی مجتہدا وقضی بالفتوی علی خلاف مذھبہ نفذ ولیس لغیرہ

لہ ہمارے اصحاب نے جب فرقت کی ضرورت کو محسوس کیا کیونکہ ہمیشہ کی ضروریات تو قرضہ سے پوری نہیں ہو سکتیں اور یہ بھی ظاہر ہے کوئی قرضہ دیتا بھی نہیں، اور خاوند کا کبھی دولت مند ہونا ایک امر موہوم ہے، تو انہوں نے مناسب سمجھا، کہ قاضی اپنا نائب شافعی المذہب رکھے، تاکہ ان میں تفریق کر دے، اور حنفی قاضی کو یہ حق پہنچتا ہے، کہ شافعی کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے یہ فیصلہ کر دے، اگرچہ اس کا اپنا مذہب نہ ہو، اور بحر میں ہے، کہ مقلد جب اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے، تو وہ نافذ ہو گا، اور بزازیہ میں تو اس حد تک ہے، کہ اگر قاضی مجتہد نہ ہو اور اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کر دے، تو وہ نافذ ہو گا، تو امام محمد کے نزدیک اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

نقضہ عند محمد وقال الثانی لیس لہ ان ینقضہ انتہی ما فی البحر وھکذا فی الطحطاوی
الغرض عمل کرنا عورت مستفتیہ کا اوپر قول جمہور علماء کے بہرحال درست اور صحیح اور مستحسن ہے
وقت ضرورت اور لاچاری کے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول پکار رہا ہونا چاہیئے، اور دلیل
اور حجت جمہور کی آیت وحدیث ہے، کہ جو بالا مذکور ہو چکی قطع نظر مذہب حنفی سے، اور نیز
حسب بیان صاحب شرح وقایہ کے بھی عمل درآمد اوپر مذہب شافعی کے روا ہے، چنانچہ
علمائے ماہرین ربانی پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	سید شریف حسین ۱۲۸۸	سید احمد حسن ۱۲۸۹

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

الجواب صحیح۔ العبد محمد خانپوری

حافظ عبد اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ
ذو الفضل العظیم۔ محمد حسین

سوال:۔ عمرو نے خاتون کے گھر آکر کہا، کہ تم پردہ کرلو، دو شخص آتے ہیں، پھر خاتون نے یہ سنکر پردہ کرلیا، عمرو نے ان دو شخصوں کو گھر میں بلوایا، ایک شخص نے ان میں سے خاتون کو آواز دی، خاتون نے ہوں کری، پھر وہ دونوں باہر چلے گئے، اور عمرو نے آکر خاتون سے یہ کہا کہ میرا نکاح تم سے ہوگیا، وہ خاموش ہوگئی، شاید اس اثنا میں وطی بھی واقع ہوئی، من بعد خاتون نے اور نکاح اپنا بکر سے کیا، اب عمرو دعویدار ہے، کہ میرا نکاح پہلے ہو چکا ہے، میں مستحق خاتون کا ہوں، اب نکاح اول جائز رہا، یا بکر کا نکاح جائز رہا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ مجرد ہوں کہنے سے نکاح منعقد نہ ہوا، کیونکہ رکن نکاح کا ایجاب ہے، اور نیز قبول ہے، اور سوال میں نہ ایجاب پایا جاتا ہے، نہ قبول پایا جاتا ہے پس کیونکر نکاح بغیر ایجاب وقبول کے منعقد ہوگا، اس صورت میں کہنا عمرو کا کہ میرا اور تمہارا نکاح ہوگیا باطل اور نا مسموع ہے شرعاً، اور عمرو سراسر جھوٹا اور دغاباز ہے، اور جو اس نے ازراہ فریب وطی کی تو خاتون معذور رہے گی، اور عمرو گنہگار ہوگا، کما لا یخفی علی العالم، اما رکن النکاح ولا یجاب والقبول کذا فی الکافی وغیرہ والایجاب ما یتلفظ اولا من ای جانب والقبول جوابہ ھکذا فی العنایۃ والفتاوی العالمگیریۃ والدر المختار وغیرھما من کتب الفقہ

۱؎ نکاح کا رکن ایجاب وقبول ہے، ایجاب وہ ہے جو پہلے ادا کیا جائے اور قبول اس کا جواب ہے
عنایہ، فتاوی عالمگیری اور درمختار میں اسی طرح ہے ۱۲

اور دوسرا نکاح یعنی بکر کا صحیح ہوا بلاریب۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ ایک شخص کی بی بی منکوحہ کہ ایک بچہ بھی رکھتی ہے، اور وہ نافرمان، زبان دراز اور طعن باز ہے، اور اپنے خاوند کے خلاف مرضی کام کرتی ہے، اور خاوند اس کا بارہا اس کو کئی مہینہ تک منع کر چکا ہے، اور دبایا بھی اور ڈرایا بھی، مگر وہ عورت اپنی حرکات سے باز نہیں آتی، اور ان حرکات کو اس نے نہ چھوڑا، اور خاوند اس کا اس سے بہت ناراض ہے۔ شرع اس کے واسطے کیا حکم فرماتی ہے۔

الجواب: در صورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ایسے حادثہ اور واقعہ میں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے بموجب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کرنا چاہیئے، وہ یہ کہ عورت کی بدخلقی و بدمزاجی پر خیال نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اس میں اگر ایک بری بات ہے تو دوسری اچھی، اور سوا اس کے عورت کی پیدائش میں کجی ہے، اس کو ہر طرح پر خاطر خواہ درست اور ٹھیک رکھنا ممکن نہیں ہے، پس اگر عورت کی بدخلقی اور بدمزاجی پر تحمل کر کے اس کو اپنے پاس رکھنا، اور اس سے فائدہ اٹھانا منظور ہو تو اسے رکھے، اور اس سے فائدہ اٹھاوے، اور نہیں تو طلاق دے دے، سوائے اس کے اور کچھ علاج نہیں۔ عن[1] ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یفرك مؤمن مؤمنة ان کرہ منها خلقا رضی منها آخر رواہ مسلم وایضا فیہ ان المرأة خلقت من ضلع لن تستقیم علی طریقة فان استمتعت بها استمتعت وبها عوج وان ذهبت تقیمها کسرتها وکسرها الطلاق۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین | شرف سید کونین شد شریف حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد ولی عمرو نے زید ولی ہندہ سے کہا کہ تم اپنی دختر واسطے خدا کے عمرو کو دے دو، زید ولی دختر نے اس کو منظور کیا، اور کہا

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد مومن کسی مومنہ عورت کی بدخلقی کو ملحوظ نہیں رکھتا اگر اس کی ایک عادت بری ہے تو دوسری اچھی بھی ہوگی (مسلم) اور فرمایا کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے یہ کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی، اگر تم اس سے فائدہ اٹھاؤ گے، تو اسی حالت میں اٹھاؤ گے اور اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا اس کی طلاق ہے ۱۲

کہ میں نے اپنی دختر واسطے خدا کے عمرو کو دی، پھر اسی وقت باہم یہ قرار پایا، کہ عرصہ یک ماہ میں نکاح شرعی کیا جاوے گا، مگر پھر بعد میں نکاح شرعی نہیں ہوا، بلکہ بعد کو زید ولی دختر نے اس بات کو نامنظور کیا، اور انکار کر دیا، پس سوال یہ ہے، کہ ولی عمرو کا ولی دختر سے یہ کہنا، کہ تم دختر اپنی خدا کے واسطے عمرو کو دے دو، اور ولی دختر کا یہ کہنا، کہ میں نے واسطے خدا کے اپنی دختر عمرو کو دی یہ بمنزلہ نکاح کے متصور ہوگا یا نہیں، اور اس درمیان میں ولی عمرو کی طرف سے جو اشیاء ولی دختر کے پاس بھیجی گئی تھیں، ان اشیاء کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ بمنزلہ نکاح کے متصور نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تقرر وعدہ نکاح کر دینے کا ہے آئندہ کو بعد خواستگاری زن کے اور قبول و تسلیم کرنا ولی دختر کا خواستگاری خاطب کو محاورہ ہندوستان میں اس کو منگنی اور عربی میں خطبہ اور فارسی میں خواستگاری کہتے ہیں، چنانچہ کتب لغت اور حدیث اور فقہ سے واضح ہوتا ہے، اور منگیتر ہندوستان میں اس عورت کو کہتے ہیں، کہ جس سے خواستگاری نکاح کی ہوئی ہو، اور عربی میں اس کو خطبہ اور خطیبی بکسر خار معجمہ و طار مہملہ مشددہ و سکون تحتانی و بار موحدہ بالالف مقصورہ کہتے ہیں، اور اس کو فارسی میں نامزد کہتے ہیں، طالب آملی کہتا ہے ؎

طالب دل مادر گرد حور و پری نیست   دوشیزۂ معنی شدہ تا نامزد ما

اور سوال میں یہ جملہ کہ عرصہ یک ماہ میں نکاح شرعی کیا جاوے گا، مخبر اور مشعر اوپر اس امر کے ہے کہ منگنی اور ناطہ اور خطبہ الفاظ انعقاد نکاح سے نہیں، اور ولی دختر کا یہ کہنا، کہ اپنی دختر واسطے خدا کے عمرو کو دی یعنی وعدہ نکاح کر دینے کا کیا آئندہ کو، اور خواستگاری خاطب کو قبول کیا، رد نہ کیا، نہ یہ کہ یہ الفاظ مذکورہ موجب انعقاد نکاح ہیں، کہ یہ خلاف عرف ہند و فارس و عرب وغیرہ کے ہے عن[1] ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا يخطب الرجل على خطبة اخيه. گفت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ فرمود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواستگاری نہ کند مرد برخواستگاری برادر خود حتی ینکح او یترک تا آنکہ خود نکاح کند از مخطوبہ برادر خویش تا آنکہ بگذارد خواستگار اول متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔ اس حدیث سے واضح ہوا، کہ خواستگاری موجب انعقاد نہیں، اور جو اشیاء خاطب نے بطور ہدیہ اور تحفہ کے تابقائے منگنی کے بھیجی تھیں، سو بعد

---

[1] حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ کوئی آدمی کسی کی منگنی پر منگنی نہ کرے یہاں تک کہ وہ نکاح کر لے، یا چھوڑ دے (بخاری مسلم)

فسخ منگنی اس کو پھیر لے، جو وہ موجود ہو اور نہ پھیرے جو چیز ہالک و مستہلک ہوا اور ہالک اور مستہلک کا پھیر لینا اس واسطے جائز نہ ہوا، کہ ہدیہ اور تحفہ دینے میں معنی ہبہ کے موجود ہیں اور موہوب جب ہالک اور مستہلک ہو تو اس کا پھیر لینا اور اس میں رجوع کرنا درست نہیں شرعاً، اور جو اشیاء مہر میں بھیجی تھیں ان کا پھیر لینا درست ہے، جو موجود ہوا اور جو ہالک ہو تو اس کی قیمت لینا پہنچتا ہے، کیونکہ یہ معاوضہ ہے، اور جب نکاح نہ کیا، تو عوض کو پھیر لینا درست ہوا۔ خطب بنت رجل وبعث الیھا اشیاء ولم یزوجھا ابوھا فما بعث للمھر یسترد عینہ قائما فقط وان تغیر باستعمال او قیمتہ ھالکا لانہ معاوضۃ ولم تتم فجاز الاسترداد وکذا یسترد ما بعث ھدیۃ وھو قائم دون الھالک والمستہلک[1] لان فیہ معنی الھبۃ کذا فی الدر المختار وھکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: خطبہ یعنی خواستگاری اور منگنی موجب انعقاد نکاح نہیں ہے، بلکہ یہ آئندہ نکاح کر دینے کا وعدہ ہے، اور یہ ایک ظاہر بات ہے، اور اس پر صحیح بخاری اور مسلم کی یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ خواستگاری نہ کند مرد بر خواستگاری برادر خود حتی ینکح او یترک تا خود نکاح کند تا آنکہ بگذارد او را خواستگار اول متفق علیہ پس اس حدیث سے واضح ہوا، کہ خواستگاری و منگنی موجب انعقاد نکاح نہیں، اور جو اشیاء خاطب نے بطور ہدیہ اور تحفہ کے تا بقائے منگنی کے بھیجی تھیں، سو بعد فسخ منگنی ان کو پھیر لے، اور وہ موجود ہوں، اور جو چیز ہالک اور مستہلک ہوا اس کو نہ پھیرے، اور ہالک اور مستہلک کا پھیر لینا اس واسطے جائز نہ ہوا، کہ ہدیہ اور تحفہ دینے میں معنی ہبہ کے موجود ہیں، اور موہوب جب ہالک اور مستہلک

---

[1] کسی آدمی کی لڑکی کو شادی کا پیغام دیا اور کچھ چیزیں اس کو دے دیں، اور باپ نے اس کا نکاح نہ کیا، تو جو کچھ مہر کے طور پر بھیجا تھا، وہ واپس ہو جائے گا، بشرطیکہ وہ اسی حال میں ہو، اور اگر استعمال کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہو یا ضائع ہو گیا ہو تو پھر نہیں، کیونکہ حق مہر معاوضہ تھا، اور وہ پورا نہ ہوا تو اس کا واپس لینا جائز ہے، اور جو ہدیہ بھیجا تھا، وہ بھی واپس ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اپنی اصلی حالت میں ہو، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر نہیں، کیونکہ اس میں ایک صورت ہبہ کی بھی تھی۔

ہوا، تو اس کا پھیر لینا، اور اس میں رجوع کرنا درست نہیں شرعاً اور جو اشیاء مہر میں بھیجی تھیں ان کا پھیر لینا درست ہے، جو موجود ہوا، اور جو ہالک ہو، تو اس کی قیمت لینا پہنچتا ہے، کیونکہ یہ معاوضہ ہے، اور جب نکاح نہ کیا، تو عوض کو پھیر لینا درست ہوا۔ خطب[1] بنت رجل وبعث الیها اشیاء ولم یزوجها ابوها فما بعث للمهر یسترد عینه قائما فقط وان تغیر بالاستعمال او قیمته هالکا لانه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد وکذا یسترد ما بعث هدیة وهو قائم دون الهالک والمستهلک لان فیه معنی الهبة کذا فی الدر المختار وهکذا فی الفتاوی العالمگیریة وغیرها من کتب الفقه والله اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنه

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید اپنی دو بیٹیاں چھوڑ کے مر گیا، ولایت ان کی درباب نکاح کر دینے ان کے کے اہلیہ زید کو جو کہ مادر اصلی ان لڑکیوں کی ہے پہنچتی ہے، یا لڑکیوں کے پھوپھی زادہ بھائی کو جو کہ ہمشیر زادہ زید کا ہے، ولایت پہنچتی ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ عند الحنفیہ ولایت نکاح لڑکیوں کی مادر کو پہنچتی ہے، و لڑکیوں کے پھوپھی زادہ بھائی کو کہ ذوی الارحام سے ہے، اور با وجود مادر کے ذوی الارحام کو ولایت نکاح کی نہیں پہنچتی، جیسا کہ کتب فقہ مانند ہدایہ و شرح وقایہ کے مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ورپن ولا ہماری قوم میں اکثر بد معاشان نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، کہ بعض بعض مستورات کو بہکا کر ان کے شوہروں سے جدا کرتے ہیں، اور جب شوہران کے معائنہ حرکات و سکنات اور بد اطواری و بد وضعی ان کی سے تنگ ہو کر براہ غیرت طلاق دیتے ہیں تو بسازش انہیں بد معاشان کے

---

[1] کسی آدمی کی لڑکی کو شادی کا پیغام دیا، اور کچھ چیزیں اس کو دے دیں، اور باپ نے اس کا نکاح نہ کیا، تو جو کچھ مہر کے طور پر بھیجا تھا، وہ واپس ہو جائے گا۔ بشرطیکہ وہ اسی حال میں ہو، اور اگر استعمال کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہو یا قیمتاً ہالک ہو گیا ہو تو پھر نہیں، کیونکہ حق مہر معاوضہ تھا، اور وہ پورا نہ ہوا۔ تو اس کا واپس لینا جائز ہے اور جو ہدیہ بھیجا تھا، وہ بھی واپس ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ابھی اصلی حالت میں ہو، اور ایسا نہ ہو، تو پھر نہیں، کیونکہ اس میں ایک صورت ہبہ کی بھی تھی۔

وہ مستورات مطلقہ بابت اپنے مہر ہزارہا روپیہ کے اپنے شوہروں سے دعویدار ہوتی ہیں، اور شرع شریف میں ہمارا دعوٰے یہ ہے کہ آئندہ کو انسداد ایسی حرکات ناشائستہ کا قرار واقعی ہو جاوے، اور اس قسم کی مستورات کو حوصلہ منصب مہر و زیور وغیرہ کا نہ رہے اور ہم سب لوگوں نے باہم دگر متفق ہو کر واسطے انسداد رخنہ و فتنہ آئندہ یہ امر ٹھہرایا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے، کہ جو عورت مرتکب ایسی حرکات نالائق کی ہوگی، اس کو حسب رواج اپنی برادری کے مہر و زیور نہیں دلاویں گے، پس بغرض انسداد فتنہ مذکورہ کے ہم لوگوں کا یہ امر ٹھہرانا اور یہ فیصلہ کرنا ہمارے مذہب حنفی کی رو سے درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ فیصلہ روایات فقہیہ کی رو سے درست ہے، ایسی عورت بد وضع و بد اطوار کا نفقہ و مہر متأخرین نے بسبب فساد زمانہ کے ساقط کیا ہے، اور بنا اکثر احکام شرعی کی اوپر جلب مصالح اور دفع مفاسد کے ہے، اور سد باب مفاسد اور فتن کا واجب ہے، ولیس للقاضی والمفتی ان یترکا المصالح والعرف[1] فقہاء کہتے ہیں کہ الدفع سہل من الرفع پس صورت مرقومہ میں ایسی عورت کو مہر دلانا نہ چاہیے، سدا لباب الفساد وزجرا وتہدیدا للنساء الزائغات عن طریق الصلاح والسداد[2] واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العبد المستکین محمد صدر الدین ختم اللہ لہ بالحسنی مرقومہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۷۲ ہجری

محمد تقی خان

وفی فتاوی صدر الشہید المرأۃ اذا خرجت من البیت مع غیر محرم بغیر اذن الزوج یبطل مہرہا ونفقتہا وکسوتہا وسکناہا وعلیہ الفتوی خلاصہ وفی شرح الطحاوی المرأۃ اذا خرجت من البیت بغیر اذن الزوج یبطل مہرہا وکسوتہا وسکناہا تحفۃ الفقہاء[3]

سید محمد نذیر حسین	محمد رحمت اللہ

الضرورات تبیح المحذورات۔ محمد شاہ پنجابی	محمد کریم اللہ
محمد غوث مجددی — محمد صدیق پیشاوری	امیر حسن

[1] قاضی اور مفتی کا حق نہیں ہے، کہ مصلحت اور عرف کے خلاف کریں [2] تاکہ فساد کا دروازہ بند ہو، اور سیدھے راستے سے انحراف کرنی والی عورتوں کو تنبیہ ہو۔ [3] عورت جب اپنے گھر سے غیر محرم کے ساتھ خاوند کی اجازت کے بغیر نکل جائے، تو اس کا حق مہر نان و نفقہ، کپڑا اور مکان باطل ہو جاتا ہے، اور اسی پر فتوی ہے، شرح طحاوی میں بھی اسی طرح ہے۔

فی الحقیقت جو کچھ حضرات علماء مو اہیر نے لکھا ہے، درست و بجا ہے، اور جواب باصواب ہے، اور سد باب فتنہ و فساد اہم امورات سے ہے۔

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

ھذا الجواب فی ھذا الزمان صحیح کما یعلم من خزانۃ الروایات فی مثل ھذہ المسئلۃ قال فی جامع الفتاوی والاحتیاط فی زماننا سد الباب لفساد الزمان و فشو الکذب والفتوی الیوم علی ھذا انتہی۔ فالمجیب مصیب

محمد عالم علی ۱۲۷۶ — محمد عالم علی عفی عنہ

سوال: ایک عورت کا شوہر گذر گیا ہے، اور اس کے چار پسر ہیں، اور ایک دختر نابالغہ ہے، وہ چاروں پسر بہت ذی عزت اور معزز ہیں، اور نوکر قریب قریب سو سو روپیہ ماہوار کے ہیں، دختر مذکورہ کے نکاح کا اختیار چاروں برادران کو ہے یا اس کی والدہ کو ہے؟

الجواب: ولایت نکاح دختر نابالغہ کی ہر چہار برادران کو ہے، والدہ صغیرہ کو باوجود ہونے برادران کے اختیار نکاح کا نہیں ہے۔ الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام۔ در مختار مختصرا۔ پس اگر ہر چہار برادر مساوی درجہ کے ہیں، تو ان میں سے جو چاہے صغیرہ کا نکاح کر دے نکاح جائز ہو جائے گا، چاہے دوسرا ان میں سے اجازت دے یا نہ دے۔ واذا اجتمع للصغیر والصغیرۃ ولیان متساویان کالاخوین والعمین فایھما زوج جاز عندنا کذا فی العالمگیریۃ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کے مہر میں ایک جائداد اپنی بخش دی، اور بعد اس کے بی بی نے بخوشی اپنے شوہر کو چند اشخاص کے روبرو اپنا مہر بخش دیا، اب وہ بی بی بقضائے الٰہی فوت ہو گئی، تو اس کی بہن اس کے شوہر سے دعوے مہر اپنی بہن کا کرتی ہے، پس اس صورت میں دینا مہر کا اس کے شوہر کو پہنچتا ہے یا نہیں، اور دعوے اس کی بہن کا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

ل نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہے اگر عصبہ نہ ہو تو ماں ولی ہے ۔ ۲ اگر چھوٹے بچے یا بچی کے دو ولی برابر درجہ کے ہوں، مثلاً بھائی ہوں یا چچا ہوں، تو ان میں سے جو بھی نکاح کر دے ہمارے نزدیک جائز ہے ۱۲

الجواب :۔ درصورت مرقومہ جب کہ شخص مذکور نے اپنی زوجہ کے مہر میں ایک جائداد بخشدی اور اس کی بی بی نے بعد اس کے بخوشی اپنے شوہر کو چند اشخاص کے روبرو اپنا مہر معاف کر دیا تو اب شخص مذکور کو دینا مہر کا نہیں پہنچتا، اور دعوی مہر اس کی سالی کا نادرست ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بالغہ صالحہ کو اس کے خاوند نے بسبب بدوضعی اپنی کے چھوڑ دیا، اور ماں اور بھائی کے گھر میں آبیٹھی، اس کے بھائی وغیرہ کی نیت بسبب خدمت کرنے گھران کے کی یہ معلوم ہوتی، کہ اس کا نکاح ثانی نہ ہونے دیں، اور وہ تکالیف میں تھی بہ سبب خدمتگذاری کے اور نہ فرصت پانے کے عبادت کے لئے اور نہ میسر ہونے کپڑے وغیرہ مایحتاج کے، پس اس عورت نے ناچار ہو کر ایک پٹھان صالح سے کہ حاجی بھی ہے، اور امام مسجد کا بھی ہے، اور لڑکے بھی پڑھاتا ہے، نکاح کر لیا، اور اس عورت کے باپ وغیرہ بھی پٹھان ہیں، زمیندار قرابتی چودھری گاؤں کے، پس اس صورت میں حنفی مذہب کے رو سے یہ دونوں کفو ہیں یا نہیں، اور نکاح اس عورت کا اس پٹھان سے بے اجازت بھائی وغیرہ کے صحیح ہوا ہے یا نہیں، اور بھائی وغیرہ کو فسخ کرانا اس نکاح کا پہنچے گا یا نہیں، بینوا توجروا فقط۔

الجواب :۔ درصورت مرقومہ معلوم ہونا چاہیئے، کہ عند الحنفیہ اعتبار کفارت کا عرب میں ہے، از روئے نسب کے، اور عجمیوں میں باہم کفو ہونا باعتبار اسلام اور دیانت اور حریت کے ہے نہ بنظر نسب کے اس لئے کہ عجم والوں نے ضائع کیا نسب اپنا پھر اس صورت میں صحیح ہونے نکاح عورت بالغہ، صالحہ، عاقلہ کے عند الحنفیہ بھولوی شادی مدین ایک پٹھان صالح کے ساتھ کچھ شک و شبہ نہیں، کیونکہ پٹھان پٹھان آپس میں ہم کفو ہیں اور نکاح کرنا حرہ، عاقلہ، بالغہ کا بغیر اجازت ولی ہم کفو میں جائز ہے، ولی کو اس سے تعرض فسخ کا نہیں پہنچتا، اور جو غیر کفو میں کرے، تو اہل عرب کو اعتراض پہنچتا ہے، اور اہل عجم کو نہیں پہنچے گا، اس واسطے کہ عجمیوں نے نسب کو ضائع کیا، اور دوسری بات یہ ہے کہ عجم والوں کو اسلام اور حریت پر افتخار ہوتا ہے نہ نسب پر، لہذا بھائی اس کے کو تعرض

اور دعوی فسخ نکاح اس کے کا نہیں پہنچتا ہے۔ انما خص الکفاءۃ النسب بالعرب لان العجم ضیعوا انسابھم الی اخر ما فی شرح الوقایۃ۔ نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی عند ابی حنیفۃ وابی یوسف فی ظاہر الروایۃ کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ تعتبر الکفاءۃ فی الحریۃ والاسلام فی حق العجم لانھم کانوا یفتخرون بھما دون النسب ھکذا فی التبیین کذا فی العالمگیریۃ واما فی العجم فتعتبر حریۃ واسلاما کذا فی الدر المختار ولا یعتبر النسب فی العجم لانھم ضیعوہ کذا فی شرح الملتقی کذا فی الطحطاوی واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۷۰

نوازش علی | محمد ضیاء الدین ۱۲۸۴ | محمد کریم اللہ ۱۲۸۱ | سید رحمت علی

فقیر احمد سعید احمدی ۱۲۵۵ | سید محبوب علی جعفری

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک کمسن دختر کہ جس کی عمر تقریباً ساڑھے چار برس کی ہوگی ایک شخص مسمے فقیر محمد پسر امام الدین پوسٹ ماسٹر ساکنہ ڈلیسہ سے بعوض ایک سو پانچ روپیہ مہر کے نکاح کیا اس امر کو عرصہ ڈیڑھ سال کا گذرا اب دختر زید مذکور کی عمر سات سال کی ہے لیکن قبل ازیں نکاح مسمی مذکور کی قومیت اور چال وچلن کی بہت تعریف کی بلکہ مبالغہ کیا اور ظاہرا وہ لوگ معلوم بھی ایسے ہی ہوتے تھے یعنی تمام لوگ عمدہ عمدہ عہدہ داری پر مامور ہیں مگر اس شخص نے خود بھی اپنی نسبت بہت کہا اور کہلوایا اور سکونت خاص کا ثبوت احمد آباد کا دیا مگر ایک چند عرصہ کے بعد اس شخص کی قومیت معلوم ہوئی کہ ذات سے حجام ہے اور ڈلیسہ کا رہنے والا ہے چنانچہ اس شخص نے ہر طرح سے جھوٹ بولا اور نیز دھوکا دیا پس بعد نکاح کے اس کا چلن نہایت خراب دیکھا گیا اور یہی معلوم ہوا کہ ایک عورت گوڈ مرہٹن اس کے گھر پڑی ہوئی ہے غرض کہ زید مذکور نے اپنی دختر کو اکثر طلب کیا لیکن مسمی مذکور نے لیت ولعل رکھا اور نہ بھیجا اور اب زید مذکور کو نہایت رنج گذر رہا ہے کیونکہ چال وچلن اور ذات وصفات میں کہ جس قدر مبالغہ ہوا تھا غالباً

ل نسب میں کفو ہونا عربوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ عجمیوں نے اپنے انساب کو ضائع کر دیا ہے۔ آزاد مکلف عورت کا نکاح بغیر ولی کے امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ عجمیوں میں اسلام اور آزادی کا کفو میں ہونا معتبر ہے کیونکہ وہ انہیں پر فخر کرتے ہیں، نہ کہ نسب پر (طحطاوی، فتاوی عالمگیریہ، شرح الملتقی)

اس سے دوچند فرق اور دروغ اور فریب ثابت ہوا۔ اب زید مذکور اپنی دختر کو اس کے شوہر سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے، بوجہ ان امورات مذکورہ کے، چنانچہ سائل امیدوار ہے کہ برائے مہربانی بتلایئے، کہ زید مذکور کی دختر کی رہائی اس سے شوہر سے کس صورت سے ہو سکتی ہے، واجب جان کر عرض کیا، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت کہ ہم کفوی کی شرط نکاح سے[1] ہوئی تھی وقت نکاح کے اور پھر بعد نکاح کے معلوم ہوا کہ وہ کفو نہیں ہے، یعنی وہ قوم کا نائی ہے، تو ولی عورت کو فسخ کرنے نکاح کا اختیار رہے، کیونکہ شرط خلاف پائی گئی، اذا شرطوا الکفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجها علی ذلك ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار۔ کذا فی الدر المختار وغیرہ من کتب الفقه۔ والله اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، کہ حامد نے اپنی کسی عزیزہ کی نسبت محمود سے کرکے یہ استدعا کی ہے، کہ اس کے نان ونفقہ اور مہر کی بابت تحریر کردو، محمود کہتا ہے، کہ لکھ کر دینا بدعت ونادرست ہے، اس واسطے مجھ کو منظور نہیں ہے، پس شرع شریف کے علماء سے استدعا ہے کہ فی الواقع مہر کا کاغذ اور نان ونفقہ کا اقرار نامہ لکھنا نادرست وگناہ ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مہر کا کاغذ اور نان ونفقہ کا اقرار نامہ لکھنا شرعاً درست ہے، گناہ ونادرست ہرگز نہیں ہے، اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے، کہ جب کوئی معاملہ قرض وغیرہ کا کرو، تو اس کو لکھو، جیسا کہ پارہ تلک الرسل سورہ آل عمران میں لکھا ہے۔ یایها الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه[2] الآیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

زشرف سید کونین شد شریف حسین

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

---

[1] جب کفوی کی شرط ہوئی، اور انہوں نے اپنے آپ کو کفو ظاہر کیا، اور نکاح ہو گیا، پھر معلوم ہوا، کہ وہ کفو نہیں ہے تو ان کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے۔

[2] اے ایماندارو جب تم آپس میں قرضہ کا لین دین کرو، تو اس کو لکھ لیا کرو۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایسا بے دین ہے، کہ اپنی زوجہ کو نماز پڑھنے نہیں دیتا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو صراحۃً اور صاف صاف یہ کہتا ہے، کہ ہم نہیں مانتے، تو اب یہ استفسار ہے، کہ اس سے اس کی عورت کے نکاح میں شرعاً کچھ فتور آیا یا نہیں اور اس عورت کو اس کے یہاں بھیجنا شرعاً روا رہا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :- جاننا چاہیے، کہ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحۃً، اور صاف صاف کہہ دینا، کہ ہم نہیں مانتے صاف کفر اور ارتداد ہے، کیونکہ یہ احکام آوردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننا اور ان سے انکار کرنا ہے، اور فقہائے اس کو کفر اور ارتداد لکھا ہے، چنانچہ رد المحتار حاشیہ در مختار میں ہے۔ قال فی الشفاء قال ابو حنیفة واصحابہ من یرد محمدا صلی اللہ علیہ وسلم او کذب بہ فھو مرتد حلال الدم الا ان یرجع انتہی۔ اور بحر الرائق میں ہے۔ من لم یرض بسنة من سنن المرسلین علیھم الصلوٰة والسلام فقد کفر انتہی۔ اور کتب فقہ میں لکھا ہے، کہ جس عورت کو اس کے شوہر کے ارتداد کی خبر ایک ثقہ شخص سے پہنچ جاوے، تو نکاح اس کا ٹوٹ جاتا ہے، اور عدت کے بعد اس کو دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہوتا ہے، تنویر الابصار متن در مختار میں ہے اخبرت بارتداد زوجھا فلہا التزوج باٰخر بعد العدة۔ شامی میں ہے۔ قولہ اخبرت بارتداد زوجھا ای من رجلین او رجل وامراتین علی روایة السیر و علی روایة کتاب الاستحسان یکفی خبر الواحد العدل لان حل التزوج و حرمتہ امر دینی کما لو اخبر بموتہ والفرق علی الروایة الاولیٰ ان ردة الرجل یتعلق بہا استحقاق القتل کما فی شرح السیر الکبیر للسرخسی (نقل المصنف عنہ

لے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا، کہ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کر دے، یا ان کی تکذیب کرے، تو وہ مرتد ہے، اگر رجوع نہ کرے، تو اس کا خون حلال ہے۔ ۲ے اگر کسی عورت کو خاوند کے مرتد ہونے کی خبر ملے، تو وہ عدت کے بعد دوسرے آدمی سے نکاح کر سکتی ہے (تنویر الابصار) ۳ے اگر عورت کو خاوند کے مرتد ہونے کی خبر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے ملے، اور کتاب الاستحسان کی روایت کے مطابق ایک عادل آدمی کی خبر ملے، کیونکہ نکاح کا حلال ہونا یا حرام ہونا دینی کام ہے جیسے کہ اس کو خاوند کے مرنے کی اطلاع ملے اور ان دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے، کہ پہلی روایت پر استحقاق

ان الاصح روایۃ الاستحسان ومثلہ فی الشرنبلالیۃ معللا بان المقصود الاخبار بوقوع الفرقۃ لا اثبات الردۃ انتہی۔ پس صورت مرقومہ میں معلوم ہوا کہ نکاح ٹوٹ گیا اور اس عورت کو اس شخص بے دین کے یہاں بھیجنا روا نہیں، اور اس عورت کا نکاح کسی اور مرد صالح سے کر دینا درست ہے، واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا حکم ہے اس مسئلہ کا کہ یتیمہ کی شادی قبل بلوغ کے کوئی عصبہ اس کا مثلاً چچا وحقیقی بھائی وغیرہ یا کوئی ذوالرحم مثلاً نانا وغیرہ حسب شرع کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یتیمہ کا نکاح قبل بلوغ جائز ہے لیکن بعد بلوغ کے اس کو خیار فسخ کا حاصل ہے، زاد المعاد صفحہ ۱۶۷ جلد ۲ میں ہے۔ وقضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الیتیمۃ تستامر فی نفسہا ولا یتم بعد احتلام فدل ذلک علی جواز نکاح الیتیمۃ قبل البلوغ وھذا مذھب عائشۃ رضی اللہ عنہا وعلیہ یدل القرآن والسنۃ وبہ قال احمد وابو حنیفۃ وغیرھما قال تعالی ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء اللاتی لا تؤتونہن ما کتب لہن وترغبون ان تنکحوھن قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا ھی الیتیمۃ تکون فی حجر ولیہا فیرغب فی نکاحہا ولا یقسط لہا سنۃ صداقہا فنہوا عن نکاحہن الا ان یقسطوا لہن سنۃ صداقہن ولی السنن

نقل مطلق ہے مصنف نے کہا استحسان بروایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مقصود وقوع فرقت کی خبر ہے، ارتداد کا ثبوت ۱۲　　لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے، کہ یتیم بچی سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے، اور احتلام کے بعد یتیمی ختم ہو جاتی ہے، اس حدیث سے قبل بلوغ یتیم لڑکی سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب ہے، قرآن وسنت اسی پر دلالت کرتے ہیں امام احمد اور ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ سے عورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ ان کے متعلق اللہ تمہیں فتوی دیتا ہے، اور یتیم عورتوں کے بارے میں جو کچھ تم پر پڑھا گیا ہے، جن کو تم ان کے حقوق نہیں دیتے، اور نکاح کی رغبت رکھتے ہو حضرت عائشہ نے کہا اس سے وہ یتیم لڑکی مراد ہے جو اپنے ولی کے پاس ہوتی، وہ اس سے نکاح تو کرنا چاہتا، لیکن اس کو پورا حق مہر نہ دیتا تو ان کے اولیا کو ان سے نکاح کرنے

عنہ صلی اللہ علیہ وسلم الیتیمۃ تستامر فی نفسہا فان صمتت فہو اذنہا وان ابت فلا جواز علیہا اھ یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، کہ یہاں یعنی حدیث مذکور میں یتیمہ سے مراد یتیمہ بالغہ ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یتیمہ غیر بالغہ کا نکاح جائز نہیں ہے، دیکھو حدیث البکر تستاذن میں مراد بکر سے بکر بالغہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بکر غیر بالغہ کا نکاح جائز نہیں ہے، بلکہ باتفاق ائمہ بکر غیر بالغہ کا نکاح درست ہے، پس یہی حالت یتیمہ غیر بالغہ کی ہے اور ان دونوں میں کوئی وجہ فرق بھی نہیں ہے بخلاصہ یہ کہ یتیمہ ہو یا بکر اگر وہ بالغہ ہیں، تو اولیاء کو بدون استیمار اور استیذان کے نکاح کرنا درست نہیں ہے، اور اگر بالغہ نہیں ہیں تو اس صورت میں اولیاء بدون استیمار اور استیذان کے نکاح کر سکتے ہیں یہی مطلب ہے حدیثین مذکورین کا، نہ یہ کہ بلوغت نکاح کے لئے شرط ہے، جس طرح بکر کے لئے بلوغت شرط نہیں ہے، اسی طرح یتیمہ کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد علی ابو المکارم غفر اللہ لہ ولوالدیہ، ۶ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسومات مروجہ ہند مفصلہ ذیل کا ایام شادی میں کرنا کیسا ہے، تفصیل رسومات یہ ہے۔

(۱) لگن یعنی چند روز قبل النکاح واسطے تعین تاریخ عقد نکاح جانب عروس سے کچھ نقد و جنس آتا ہے، اور دولہا کی طرف سے تقسیم شیرینی ہوتی ہے۔

(۲) روز مذکور سے عروس کو جائے معین میں رکھنا

(۳) ہر شام کو گانا بجانا۔

(۴) پھر روز لگن سے عروس و داماد کو ابٹنا اور روغن ملنا۔

(۵) ایک تاریخ خاص میں مٹی واسطے تیاری دیگدان جدید کے لانا۔

(۶) تاریخ عروسانی وغیرہ کی مقرر کرنا (۷) رتجگہ کرنا

(۸) بعد غسل کے عروس و داماد کا ناخن لینا، اور حجام کو نقد و جنس دینا۔

(۹) سہرہ پھول کا سر پر باندھنا، اور سرمہ آنکھ میں لگانا۔

صدوک دیا گیا، مگر یہ کہ وہ حق مہر وغیرہ میں انصاف کریں، اور آپ نے فرمایا یتیم لڑکی سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے، اگر خاموش رہے تو وہ اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے۔

(۱۰) محفل رقص و سرود کی قائم کرنا۔

الجواب:۔ بھائی مسلمانوں دیندار پر مخفی نہ رہے، کہ لگن وغیرہ مندرجہ سوال منجملہ شگون و رسومات کفار کے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ تین شخص ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے بہت بغض رکھتا ہے، اور یہ بہت بڑے دشمنان خدا تعالیٰ ہیں ایک وہ شخص کہ الحاد حرم میں کرے یعنی گناہ، دوسرا وہ شخص کہ رسم اور طریقہ جاہلیت کا اسلام میں اختیار کرے اور تیسرا وہ شخص ہے، جو کسی مسلمان آدمی کا خون ناحق طلب کرے، تاکہ اس کا خون بہادے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرء مسلم بغیر حق لیھریق دمہ رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ اور بے شک لگن وغیرہ ساری رسمیں کفار کی ہیں، مسلمانوں کو ان رسموں سے بچنا فرض ہے، کہ شعار کفار ہے، اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبہ اور برابری رسم و عادت میں یا عبادت میں کرے گا اسی قوم سے شمار کیا جاوے گا۔ من تشبہ بقوم فھو منھم رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوۃ ای من تشبہ بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق او باھل التصوف او بالصلحاء فھو منھم کذا فی مجمع البحار للشیخ المحدث محمد طاہر رحمہ اللہ۔ اور رقص و ناچ گناہ کبیرہ ہے، کتاب منظومہ فقہ حنفی میں لکھا ہے، کہ رقص و ناچ کرنے والا کرانے والا سارے فاسق ہوتے ہیں، اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک شاہدین فاسقوں سے نکاح نہیں ہوتا، کہ سارے اہل مجلس فاسق ہونے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، مسلمان بھائیوں پر واجب ہے، کہ رسم لگن وغیرہ اور رقص و ناچ سے پرہیز کریں کہ غضب خدا میں گرفتار نہ ہوں آئندہ اختیار ہے، وما علینا الا البلاغ۔ الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ نجومی سے ساعات نیک دریافت کرنا واسطے نکاح کے اور سہرا اور پھول کا ہار نوشہ اور دلہن کے سر پر باندھنا اور گلے میں دینا اور کنگنا باندھنا دونوں کے ہاتھوں میں اور جلوہ کرنا، اور دولہا کے سر پر آنچل اور دلہن کے سر پر دستار رکھنی اور زر انگشت کو دودھیا پانی سے دھو کر پلانا اور مصری کی ڈلیاں دلہن کے اعضاء پر رکھ کے نوشہ کے منہ سے اٹھوانا اور

گالیاں مغلظ دینی، اور مہندی لگانی مرد کو اور مزامیر ورقص اور رسمیات کے ساتھ عقد نکاح کا کرنا درست ہے یا نہیں، اگر کسی نے ان رسموں مذکورہ کے ساتھ نکاح کیا، تو علاقہ زوجیت کا باقی رہا یا نہیں، اور اگر اسی حالت میں اس عورت سے اولاد پیدا ہوئی تو اس اولاد کو نسبت طرف حلال زادگی یا حرام زادگی کی تصور کی جاوے، اور وہ عورت دین مہر اپنا پا سکتی ہے یا نہیں اور وہ اولاد مالک میراث کی ہوگی یا نہیں، اور اگر اس عورت کو بد دل طلاق دیجے اس کے شوہر کے دوسرا شخص اپنے عقد میں لاوے، تو درست ہوگا یا نہیں اور اگر بالفرض تمام مضمون مذکورہ بالا حالت ناواقفیت میں ہو چکے ہوں، تو اب ان سب امور مسطورہ بالا میں کیا حکم ہے، اور اب رسومات مذکورہ کی برائیاں علمائے دین سے سنکر نکاح تجدید اسی بی بی اپنی سے کرلیوے تو درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نجومی کے کہنے پر چلنا اور اس کے حکم کی تابعداری کرنی درست نہیں بلکہ حرام ہے اور اس کے قول کی تصدیق کرنی اور یقین لانا کفر ہے اس لئے کہ نجومی اکثر خبر آئندہ کی یقینا بتلاتا ہے، اور لوگ اس کے کہنے پر شادی وغیرہ میں از روئے اعتقاد یقینی کے عمل کرتے ہیں اور خلاف اس کا سبب ضرر اور ادبار اپنے کا جانتے ہیں تو اس میں دعوی علم غیب کا پایا جاتا ہے اور علم غیب صفت خاص خداوند تعالیٰ کی ہے اور سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم غیب معلوم نہیں۔ لقولہ علیہ السلام من اتی کاھنا فصدقہ[1] فیما قال فقد کفر بما انزل علی محمد۔ لا یعلم الغیب الا اللہ لا الجن ولا الانس کذا فی فتاوی قاضی خان وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نجومی کاہن ہے اور کاہن ساحر ہے، اور ساحر کافر ہے، مشکوۃ شریف میں روایت کی ہے ابن عباس سے ان[2] تصدیق الکاھن بما یخبر من الغیب کفر لقولہ تعالی لا یعلم الغیب الا اللہ ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من اتی کاھنا فصدقہ فیما قال فقد

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انکار کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا نہ کوئی جن نہ انسان۔

[2] کاہن کی غیبی خبروں کی تصدیق کرنا کفر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انکار کیا نووی نے کہا اس میں کاہن، قیافہ شناس، نجومی، رمل سب شامل ہیں ۱۲

كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم قال النووى الحديث يشمل الكاهن والعراف والمنجم فلا يجوز اتباع المنجم والرمال كذا فى شرح فقه اكبر للملا على القارى وغيره من كتب العقائد ۔

اور سہرہ اور پھول کا ہار بسبب مشابہت کفار جائز نہیں، چنانچہ اربعین مسائل میں لکھا ہے، عبارت اس کی بعینہ نقل کی جاتی ہے اما سہرہ کہ از گل تیار می کنند انہم بسبب مشابہت کفار جائز نیست، بلکہ ہار گل کہ بر سر نوشہ و عروس وقت نکاح یا بعد ازاں می بندند بدعت است و مشابہت با گبران وازمشابہت کافران و گبران احتراز لازم است چنانچہ در کتاب مرآۃ الصفا کہ بطور فتاوی است می نویسند گل بر سر خاطب بستن و دستار چہ بر سر داشتن بدعت است و بعضے گفتہ کہ این رسم گبران است، انتہی، اور سید آدم بنوری نے بیچ کتاب اپنی کے کتاب علم الہدی سے نقل کیا ہے، کہ دولہا کے سر پر آنچل اور دلہن کے سر پر دستار رکھنی موجب گناہ اور بدعت اور لعنت کا ہے، چنانچہ عبارت اس کی یہ ہے "بدانکہ ازیں فعل ہر دو ملعون می شوند زیرا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند کہ لعنت خدا بر مردے کہ خود را مانند زنان کند، ولعنت خدا بر زنے کہ خود را مانند مردان کند چنانچہ در اربعین مسائل مذکور است "۔

اور اسی طرح سے نر انگشت کو دودھ یا پانی سے دھو کر پلانا اور مصری کی ڈلیاں دلہن کے اعضار پر رکھ کے نوشہ کے منہ سے اٹھوانا، اور گالیاں مغلظہ دینی اور مہندی لگانی مرد کو حرام و بدعت ہے، اور رسم گبروں کی ہے، چنانچہ اربعین مسائل میں مرآۃ الصفا وغیرہ سے نقل کیا ہے " انگشت نر مخصوبہ از شیر و آب می شویند و خاطب را می نوشانند این نیز از رسوم گبران است و رسم کفر و پارہ نبات بر اندام زن می نہند و مرد آن را بدہن خود می گیرد

لے اور جو پھولوں کا سہرا تیار کیا جاتا ہے، وہ بھی کفار کی مشابہت کی وجہ سے جائز نہیں ہے، بلکہ وہ ہار جو نکاح کے وقت یا بعد ازاں دولہا کے چہرے اور پگڑی پر لٹکاتے ہیں سو وہ بھی بدعت ہے، اور آتش پرستوں کی مشابہت ہے، اور کافروں اور گبروں کی مشابہت سے پرہیز کرنا چاہیے، چنانچہ مرآۃ الصفا میں ایسا ہی لکھا ہے۔

ملے اس سے دونوں لعنتی ہو جاتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا کی لعنت اس مرد پر جو عورتوں کا سا لباس لگائے اور اس عورت پر جو مردوں کا سا لباس لگائے ملے دلہن کا انگوٹھا دودھ یا پانی سے دھو کر دولہا کو پلاتے ہیں یہ بھی مجوسیوں کی رسم ہے اور کفر ہے اور مصری کی ڈلی دلہن کے جسم

درین افعال فاسق می شوند، وآن نیز از رسوم گبران است و مشابہت بچہار پایاں دارد تمام شد عبارت اربعین مسائل۔

اور مزامیر اور رقص حرام ہے سننا اس کا اور اس مجلس میں بیٹھنا، اور سننے والا راگ و مزامیر کا، اور دیکھنے والا ناچ کا فاسق اور مردود الشہادت ہوتا ہے، خواہ عقد نکاح میں ہو یا غیر عقد نکاح میں، چنانچہ تمامی کتب فقہ میں مذکور ہے، اب معلوم کرنا چاہیے، کہ رسومات مذکورہ مانند سہرہ وغیرہ سوائے کنگنہ کے منجملہ شرائط و لوازم و شعار دینی کفار سے نہیں ہیں، کہ جس کے کرنے سے کفر وارتداد واقع ہو، لیکن کرنے والا ان رسومات کا فاسق اور مشابہت کرنے والا ساتھ افعال کفار کے ہو جاتا ہے، کیونکہ مضمون حدیث من تشبہ بقوم فهو منهم میں داخل ہے، اور یہ حدیث عام ہے، جس کے ساتھ تشبہ کرے گا اس کے ساتھ تشبہ حاصل ہوگا، ای من تشبہ بالکفار وغیرہ فی اللباس او بالفساق او باهل التصوف او بالصلحاء فهو منهم کذا فی مجمع البحار و شرح المشکوٰۃ، اور جب کہ رسم سہرہ و پھول وغیرہ کی شعار دینی ہنود سے نکاح میں نہ ہوئی تو مسلمان مجرد کرنے ان رسموں کے اگرچہ علم رکھتا ہو، کہ یہ رسومات کفار سے ہیں کافر و مرتد نہیں ہونے کا، کیونکہ مدار کفر کا شعار دینی پر ہے فالمدار علی الشعار کذا فی شرح فقہ اکبر وغیرہ۔ پس ان رسومات کے کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے، مگر برکت اور رضامندی خدا و رسول کی اس طرح کے نکاح میں نہیں ہوتی، اس صورت میں اجتناب ان رسومات سے ضروری ہے، اور جب ان رسموں کے کرنے سے نکاح صحیح ہو گیا، تو سارے احکام نکاح کے مانند ثبوت نسب و میراث وغیرہ جاری ہوں گے، اور مرتکب ان امور مذکورہ کا دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا، اور زوجہ اس کی بغیر طلاق کے نکاح اس کے سے باہر نہ ہوگی، اور غیر کو بدون طلاق دیئے اس کے نکاح کرنا حرام ہوگا، پھر بھی باوصف اس کے بنا بر احتیاط کے تجدید نکاح کرنا اولیٰ و افضل ہے۔

اب باقی رہی کنگنہ کی تحقیق سو رسم کنگنہ کی ہنود کے نزدیک لوازم نکاح اور شرائط اس

پینکھو دیتے ہیں، اور دولہا اس کو اپنے منہ سے اٹھاتا ہے، ان کاموں سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے یہ بھی مجوسیوں کی رسم ہے، اور مویشیوں سے مشابہت ہے

[1] جو کسی قوم سے مشابہت کرے، وہ انہی میں سے ہے۔ [2] جو کفار سے لباس وغیرہ میں مشابہت کرے، یا فاسقوں سے یا صوفیا اور صلحا سے وہ انہیں میں سے ہوگا (مجمع البحار)

کے سے ہے یعنی جب تک کنگنہ نہ بندھا ہو تو عورت کو اختیار ہے خواہ نکاح اپنا کرے یا نہ کرے اور جب کنگنہ بندھا، تو نکاح گویا ہو چکا، اس عرصہ دولہا اگر نکاح کے لئے آیا، اور وہ قضائے الٰہی سے مر گیا تو متقدمین کفار کے مذہب میں نکاح اس کا ہو گیا، بطور بیوہ کے بیٹھی رہے گی، اور متاخرین کے نزدیک یہ ہے، کہ اس کے لئے شوہر دوسرا قرار دے کر جلدی اس کا نکاح کر دیں گے، اور فائدہ باندھنے کنگنہ سے یہ ہے، کہ بعد باندھنے کنگنہ کے نکاح سے باز نہیں رہتے، خواہ مخواہ نکاح اس کا کر دیتے ہیں، اور تیرہ چیز لوازم و شرائط نکاح سے نزدیک ہنود کے ہیں منجملہ ان شرطوں کے ایک کنگنہ باندھنا ہے، کہ بغیر باندھے اس کے نکاح ان کے دھرم کے موافق نہیں ہوتا جیسا کہ پریم ساگر اور رام دتی اور چینا منی، اور گنپت مہورت، اور دھرم شاستر وغیرہ میں مذکور ہے، اب اس تحقیق سے معلوم ہوا، کہ رسم کنگنہ باندھنے کی موجب کفر اور ارتداد کی ہے لیکن جن لوگوں نے زمانہ گذشتہ میں جہالت اور نادانی سے اس رسم کو کیا یعنے کنگنہ باندھا، اور علم اس کی برائی اور شعار کفار اور کفر ہونے کا نہیں رکھتے تھے اور جہل اور لاعلمی سے مرتکب اس کے ہوئے، تو وہ کافر نہ ہوئے بلکہ سب احکام اسلام کے ان پر جاری رہے یعنی نسب و میراث وغیرہ ثابت ہو گی، اور مستحق دعا و استغفار کے ہوں گے۔ بعد مرنے کے اس سبب سے کہ جہل اس میں عذر ہو گا، ان کی تکفیر کرنے میں کیونکہ یہ کفر ایسا نہیں ہے، کہ جس کا معلوم کرنا ضروریات دین سے ہو، اور جو کفر ایسا ہو کہ جس کا جاننا ضروریات دین سے نہیں، شرع میں جہل اس میں عذر ہوتا ہے، مرتکب اس کے کی تکفیر کرنے میں جیسا کہ حموی حاشیہ اشباہ و نظائر وغیرہ میں تفصیلاً مذکور ہے اور دوسری وجہ عدم تکفیر میں بیچ اس صورت کے یہ ہے، کہ جہالت سے اس کے کرنے میں لزوم کفر کا ہوتا ہے، نہ التزام کفر کا، اور کافر ہے مسلم التزام کفر میں کیونکہ قصد کفر کا پایا جاتا ہے التزام کفر میں، نہ لزوم کفر میں۔ لان التزام الکفر کفر دون لزومہ کذا فی شرح المواقف وغیرہ من کتب العقائد۔ اور گناہ جان کر جس کسی نے کنگنہ باندھا، وہ بھی کفر اور ارتداد سے بچا، مگر مرتکب حرام کا ہوا، کیونکہ جہل از کفر مانع تکفیر ہے اس کے بڑا ہان جس شخص نے علماء سے برائی اس کی اور کفر اور شعار کفار ہونے کا اس کے معلوم کیا، اور پھر

ل کیونکہ کفر کو اختیار کرنا کفر ہے، اور کفر کا کسی کام سے لازم آنا کفر نہیں ہے ۱۲

باوجود علم اس بات کے دیدہ دانستہ اصرار کر کے باندھا یا تحسین اس کی کی تو ایسا شخص
بے شک کافر ہو گا اور سب احکام کفر کے اس پر مرتب ہوں گے، کیونکہ اس نے جان
بوجھ کر حقیقت کفریہ اس کے ساتھ باندھنے اس کے کے التزام کفر کیا، یا استحسان کفر کا کیا
لان التزام الکفر واستحسانہ کفر کذا فی کتب العقائد۔ اس صورت اخیرہ پر مراۃ الصفا
لسنۃ المصطفٰے میں نافع المسلمین وغیرہ سے عبارت نقل کی ہے، کہ باندھنا کنگنہ کا کفر صریح
ہے اور سید آدم بنوری نے کہ از اجلہ خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک
اپنی کتاب خلاصۃ المعارف میں لکھا ہے، کہ سازندہ وراضی شوندہ ایں کافر می گردد وآن
نکاح از اہل اسلام نباشد و فرزندان نکاح کہ متولد شود، نسب آن فرزند ثابت نشود
اگر ثابت شود بحرامزادگی منسوب گردد آہ اور روشن ہے صاحبان علم شریعت پر کہ
جو چیز شعار کفار سے ہو اس کی تحسین کرنی موجب کفر کا ہوتا ہے۔ اتفق مشائخنا ان من
رای امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترک الکلام عند اکل الطعام
حسن من المجوس او ترک المضاجعۃ عندھم حالۃ الحیض حسن فھو کافر کذا فی
الحموی حاشیۃ الاشباہ وھکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ اور جو کوئی کنگنہ نباندھنے
میں فال بد اعتقاد کرے جزماً ویقیناً یعنی اگر کنگنہ نہ باندھوں گا، تو ضرور نقصان جزماً ہو گا، تو
بھی بے شک کفر اس پر مرتب ہو گا، کہ شرک جلی اس طرح کے اعتقاد میں اس سے پایا گیا،
شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ مشکوۃ شریف میں لکھتے ہیں، کہ یعنی فال بد گرفتن
از اعمال مشرکان شرک خفی است واگر بجزم اعتقاد کند، کہ البتہ چنین خواہد بود آن بیشک
کفر است انتہی کلامہ، اور کفر وارتداد کی صورت میں کوئی اعتراض نہ کرے، کہ جب رسم کنگنہ
باندھنے سے کفر ہوا اور نکاح منعقد نہ ہوا، تو عورت کو اختیار ہے، جس سے چاہے نکاح اپنا
کر لے، تو یہ اعتراض بے جا ہے صحیح نہیں، کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے، کہ اگر درمیان زوجین
کے کسی وجہ سے دانستہ یا نادانستہ ارتداد واقع ہو، تو مجبور کی جاوے گی وہ عورت
نکاح کرنے پر شوہر اپنے سے، اور تجدید نکاح کرے گی اسی شوہر قدیم سے بہر حال، اور

۱؎ کیونکہ کفر کو اچھا سمجھنا اور اختیار کرنا کفر ہے ۲؎ ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے، کہ جو کفار کی عادت
کو اچھا سمجھے، وہ کافر ہے، یہاں تک کہ اگر مجوسیوں کی عادت کے موافق حائضہ سے ہم بستری چھوڑ دے یا کھانے
کے دوران بات نہ کرنے کو اچھا سمجھے تو وہ بھی کافر ہے۔

درست نہیں واسطے عورت کے کہ سوائے شوہر پہلے کے اور غیر سے نکاح اپنا کرے جیسا کہ فتاوی عالمگیری و قاضی خان و در مختار و برجندی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے ولو اجرت کلمۃ الکفر علی لسانہا مغائظۃ لزوجہا او اخراجا نفسہا عن حبالتہ او لاستیجاب المہر بنکاح مستانف تحرم علی زوجہا فتجبر علی الاسلام ولکل قاض ان یجدد النکاح بادنی شیء ولو بدینار سخطت او رضیت ولیس لہا ان تزوج الا بزوجہا کذا فی العالمگیریۃ ولیس للمرتدۃ التزوج بغیر زوجہا وبہ یفتی کذا فی الدر المختار تجبر علی تجدید النکاح مع الزوج کذا فی الطحطاوی، اب واجب و لازم ہے مرد و عورت پر جنہوں نے کنگنہ باندھا تھا، کہ اس سے توبہ و استغفار کرکے تجدید نکاح اپنا کریں، اور آیندہ سے ان رسومات بدعیہ شرکیہ کو کہ طریقہ جاہلیت سے ہیں، موقوف کردیں، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ نہایت دشمن رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو کہ ڈھونڈھے اسلام میں طریقہ کفار کو جیسا کہ مشکوۃ شریف میں صحیح بخاری کی اس مضمون کی حدیث موجود ہے، واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

فیصلہ

کمیشن مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب

احمد حسین خان وکیل میرٹھ مدعی بنام مغل جان طوائف و عنایت اللہ خاں مدعی علیہما

دعوی دلا پانے عورت و زیورات ما ص

بلا پیشی مثل معلوم ہوا، کہ یہ مسماۃ مغل جان پہلے طوائف پیشہ تھی، اور پھر اس نے نکاح شرعی بمقام میرٹھ مدعی سے کرلیا، اور ایک سال سے زیادہ اس کے گھر میں آباد رہی چنانچہ اب خانہ مدعی سے نکل آئی، اور چاہتی ہے، کہ پہلے کی طرح پیشہ رقص و سرود کا کرے، مدعی جو دعویدار ہوا ہے، مدعی علیہا کو نکاح مدعی سے کچھ عذر نہیں، مگر یہ کہتی ہے کہ مدعی نے بباعث

ل۔ اگر عورت اپنے مرد کو غصہ چڑھانے کے لئے زبان پر کلمہ کفر لائے، یا اپنے آپ کو اس سے آزاد کرنے کے لئے، یا نیا حق مہر وصول کرنے کے لئے تو وہ خاوند پر حرام ہو جائے گی، اور اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا، اور ہر قاضی کا حق ہے، کہ اس نکاح کسی ادنی چیز پر کرے، اگرچہ ایک ہی دینار سے کرے، خواہ وہ راضی ہو یا ناراض اور وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہیں کرسکتی، مرتد عورت اپنے خاوند کے سوا اور کسی سے نکاح نہیں کرسکتی اسے مجبور کیا جائے گا، کہ اپنے خاوند سے از سر نو نکاح کرے۔

نزاع باہمی کے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے اور اب تک تہرا دا نہیں ہوا ہے اور بابت ثبوت نکاح کے سوا ازا قبال مدعی علیہا کے اور بہت گواہ مدعی کے پیش ہوئے ہیں، مگر مدعی علیہ نے چار گواہ دینے طلاق کے پیش کئے ہیں، اور وہ طلاق دینا کہتے ہیں، اور حالانکہ گواہ مدعی کے مظہر ہیں، کہ طلاق کا دینا نہیں سنا، مگر اس مقدمہ میں دریافت کرنا چند امور بموجب عقاید شرع محمدی کہ جس میں ہر دو فریق شامل ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ در باب جواز ایسے نکاح کے کہ جو اس طرح کی عورات متفرق سے ہو کیا احکام ہیں، اور دوم جب کہ نکاح بہمہ جہت حسب عقاید شرع محمدی کے منعقد ہوا، تو پابندی اس متعاقدین پر ایسے ہی لازم آوے گی، کہ جو عورات ہم قوم وہم کفو وبحکم اسلام سے ہوتی ہے یا نہ اور جانبین مجاز اس کے انحراف کے ہو سکتے ہیں یا نہیں اور نیز ایسی شہادت زبانی طلاق دہی کی، کہ جس میں صرف دو عورت دو مرد ایک ہندو ایک مسلمان ہے کچھ اعتماد ہو سکتا ہے یا نہیں، اس واسطے یہ کیفیت بنام تمہارے جاری ہوتا ہے، کہ تم بعد ملاحظہ کیفیت مقدمہ کے بابت امورات مستفسرہ بحوالہ مسائل جواب لکھ کر بھیجدو، تاریخ ۲۱ ماہ حال، ۱۴ اگست ۱۸۷۰ء

جواب: منجملہ تنقیح طلب حسب عقائد وشریعت محمدیہ اول جواز نکاح پس واضح ہو کہ منعقد ہونا نکاح کا موافق شرع شریف کے ایجاب وقبول برضا طرفین کہ بالغ اور عاقل ہوں پایا جاوے، اور یہ رکن نکاح ہے

دوم شرط انعقاد نکاح کا حاضر وموجود ہونا دو گواہ کا بروقت ایجاب وقبول کے اور عورت کسی قسم کی ہو خواہ ہم کفو ہووے یا غیر کفو ہووے۔

سوم یہ کہ جب کسی فاسقہ بدکار سے بعد توبہ کرنے اس فاسقہ کے نکاح کیا ہو، مطابق شرائط شرع شریف کے تو پابندی اور پردہ کرنا اس کا واجب ہے، جو کہ اور عورات ہم کفو نیک ذات سے پابندی چاہیئے اور پردہ شرعًا۔

چہارم بعد انعقاد نکاح کے عورت منحرف اور نکاح سے باہر نہیں ہو سکتی جب تک کہ شوہر طلاق نہ دے۔

پنجم ثبوت طلاق میں دو گواہ مرد یا ایک مرد اور دو عورت نیک ذات اور پابند صوم وصلوٰۃ کے ضرور چاہئیں، اور روبرو بلا حجاب دونوں گواہوں کے شوہر کا طلاق دینا

پایا جاوے، کیونکہ در پردہ سننا دونوں گواہوں کا موجب وقوع طلاق کا نہیں ہوسکتا اس لیے کہ شہادت میں معائنہ اور مشاہدہ چشم خود ضرور ہے واسطے قبولیت شہادت کے اور گواہی مرد فاسق یا عورت فاسقہ کی کہ جو مقید صوم و صلوٰۃ اور مجتنب کبیرہ گناہ کے نہ ہوں مقبول اور معتبر نہ ہوگی، بلکہ مردود الشہادت ہوں گے، اور گواہی ہندو کی درباب ثبوت طلاق مقبول نہیں شرعاً، اور جب مدعیہ کے پاس گواہ عادل نیک ذات و نیک چلن نہ ہوں تو شوہر پر قسم آوے گی، پھر اگر وہ قسم کھا جاوے، عدم طلاق پر تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور جو شوہر قسم سے انکار کرے، تو طلاق ثابت ہو جاوے گی، لہذا جو امر کہ واقعی تھا موافق شریعت محمدیہ کے وہ گذارش کیا گیا فقط الراقم سید محمد نذیر حسین ساکن دہلی پھاٹک حبش خان

۱۶ اگست ۱۸۸۰ء

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح بحالت عدم بلوغ بغیر اجازت اس کے باپ کے اس کی ماں نے زید کے ساتھ کر دیا، اور باپ ہندہ کا راضی نہیں ہے، اور اجازت نکاح کی نہیں دیتا ہے، آیا عند الشرع یہ نکاح جائز رہے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں واضح ہو کہ نکاح مذکور جائز نہیں ہے، کیونکہ ماں ولی ابعد ہے، اور باپ ولی اقرب، اور ولی ابعد کا نکاح کیا ہوا ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اور صورت مرقومہ میں باپ جو ولی اقرب ہے، وہ راضی نہیں ہے، اور نہ اجازت دیتا ہے، لہذا نکاح مذکور جائز نہیں ہے۔ وان زوج الصغیر او الصغیرۃ[1] الابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ وان لم یکن من اھل الولایۃ بان کان صغیرا او کبیرا مجنونا جاز وان کان الاقرب غائبا غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط فتاوی عالمگیریۃ

واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید ابو الحسن

سید محمد نذیر حسین

سید محمد ابو الحسن

سید محمد عبد السلام غفرلہ

---

[1] اگر چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کوئی دور کا ولی کر دے تو اگر قریبی ولی موجود ہو، اور ولایت کا اہل ہو، تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر ولایت کا اہل نہ ہو، مثلاً نابالغ ہو یا بالغ تو ہو لیکن دیوانہ ہو، تو وہ نکاح جائز ہوگا، اور اگر قریبی ولی غائب ہو، اور اس کے آنے کی توقع بھی نہ ہو تو پھر بھی وہ نکاح جائز ہوگا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو نکاح کئے ہوئے تقریباً بارہ برس ہوئے، اس نے اپنی بیوی سے اب تک کچھ کلام وغیرہ نہیں کیا، اور اس کے نان ونفقہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتا، اس سے لوگوں نے بارہا کہا، کہ تو اپنی بیوی سے کلام وغیرہ نہیں کرتا، اور اس کے نان ونفقہ کی خبر نہیں لیتا، تو اس کو طلاق ہی دے دے اس پر بھی اس نے کچھ توجہ نہیں دی، اب اس کی بیوی کے والدین چاہتے ہیں، کہ یا تو زید اپنی بیوی سے معاملہ دنیوی رکھے، اور نان ونفقہ دیوے، یا طلاق دے دیوے، تو اس پر موافق شرع شریف کے کس طرح عمل کیا جاوے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اس صورت میں زید کی بیوی حاکم کے یہاں اس مضمون کا استغاثہ دائر کرے، کہ میرے خاوند (زید) کو حکم دیا جائے، کہ یا تو میرے حقوق ادا کرے، یا مجھے طلاق دے دے، تاکہ میں دوسرا عقد کر کے اپنی زندگی بسر کروں، اور اگر زید مفت طلاق نہ دے، اور معاوضہ طلاب کرے، اور اس کی بیوی طلاق کا معاوضہ دے سکتی ہو، تو حاکم بمعاوضہ طلاق دلوا دے، اگر زید اس پر بھی راضی نہ ہو تو اگر ممکن ہو، کہ حاکم فریقین کے لوگوں میں سے ثالث مقرر کر کے اس مقدمہ کو ان ثالثوں کے سپرد کر دے، تو یہی کرے، پھر وہ ثالثین نیک نیتی سے دونوں کے حق میں جو فیصلہ بہتر جانیں کر دیں، اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو، تو حاکم ان دونوں میں تفریق کرا دے، اور بعد تفریق اگر عورت چاہے، تو اس کا دوسرا نکاح کرا دیا جائے۔ قال اللہ تعالیٰ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف (سورہ بقرہ رکوع ۲۸) وقال تعالیٰ وعاشروھن بالمعروف (سورہ نساء رکوع ۳) عن حکیم بن معاویۃ عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ما حق زوج احدنا علیہ قال تطعمھا اذا اکلت وتکسوھا اذا اکتسیت الحدیث[1] قال فی سبل السلام صفحہ ۷۸ جلد ۲

لے عورتوں کے مردوں پر اتنے ہی حقوق ہیں جتنے مردوں کے عورتوں پر ہیں ۱۲ ؎۲ احسان سے بھلے طریقہ سے زندگی گذارو ۱۲ ؎۳ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا، جب خود کھاؤ، تو ان کو بھی کھلاؤ جب خود پہنو، تو ان کو بھی پہناؤ۔

---

(۱) اخرجہ احمد والنسائی وابوداؤد وابن ماجہ وعلق البخاری بعضہ وصححہ ابن حبان ۱۲ سبل صفحہ ۷۸ جلد ۲ ابوسعید محمد شرف الدین (ترجمہ) احمد نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے ابن حبان اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے سبل السلام ص ۷۸ ج ۲۔

دل الحدیث علی وجوب نفقۃ الزوجۃ وکسوتہا اھ وعن جابر فی حدیث الحج بطولہ قال فی ذکر النساء ولہن علیکم رزقہن وکسوتہن بالمعروف اخرجہ مسلم قال فی سبل السلام صفحہ ۱۲۵ جلد ۲ وھو دلیل علی وجوب النفقۃ والکسوۃ للزوجۃ کما دلت لہ الآیۃ اھ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الید العلیا خیر من الید السفلی ویبدأ احدکم بمن یعول تقول المرأۃ اطعمنی او طلقنی رواہ الدارقطنی واسنادہ حسن قال فی سبل السلام صفحہ ۱۲۶ جلد ۲ واستدل علی ان للزوجۃ اذا اعسر زوجہا بنفقتہا طلب الفراق اھ وعن عمر رضی اللہ عنہ انہ کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نسائہم ان یاخذوہم بان ینفقوا او یطلقوا فان طلقوا بعثوا بنفقۃ ما حبسوا اخرجہ الشافعی ثم البیہقی باسناد حسن قال فی سبل السلام صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ دلیل علی انہا عند عمر رض لا یسقط النفقۃ بالمطل فی حق الزوجۃ وعلی انہ یجب احد الامرین علی الازواج الانفاق او الطلاق اھ وقال اللہ تعالی ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا (سورہ بقرہ رکوع ۲۹) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان امرأۃ ثابت بن قیس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ثابت بن قیس لا اعیب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام

---

[1] سبل السلام صفحہ ۱۲۵ جلد ۲ میں ہے، یہ دلیل ہے، کہ عورت کا روٹی کپڑا مرد کے ذمہ واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے اور جن کی عیالداری تمہارے ذمہ ہے ان سے پہلے شروع کرو، ایسا نہ ہو، کہ عورت مطالبہ کرے، کہ یا مجھے کھانے کو دے، یا طلاق دے، دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے [2] اس میں دلیل ہے، کہ جب خاوند خرچ نہ دے سکے تو وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے، حضرت عمرؓ نے فوجیوں کے سپہ سالاروں کو ان لوگوں کے متعلق حکم بھیجا جو عورتوں سے علیحدہ ہو کر باہر چلے گئے تھے، کہ ان کو بلا کر کہو، کہ یا تو اپنی بیویوں کو خرچ بھیجیں، یا طلاق بھیج دیں، اگر طلاق دیدیں، تو جتنی مدت سے انہوں نے ان عورتوں کو روک رکھا تھا، اتنی مدت کا خرچ بھیجدیں، امام شافعی اور دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے، اس میں دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک دیر ہو جانے کی وجہ سے بیوی کا خرچ ساقط نہیں ہو جاتا، اور خاوند پر فرض ہے یا تو عورت کو خرچ دے یا اسے طلاق دے، اور اللہ تعالی نے فرمایا، ان کو تکلیف دینے کے لئے روک نہ رکھو اور زیادتی نہ کرو سبل السلام ص ۱۲۶ [3] ثابت بن قیسؓ کی

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ فقالت نعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ رواہ البخاری قال فی سبل السلام صفحہ ۹۲ و فیہ دلیل علی شرعیۃ الخلع و صحتہ وانہ یحل اخذ العوض من المرأۃ اھ وقال اللہ تعالی وان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما (سورہ نساء رکوع ۶) وعن سعید بن المسیب فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اھلہ قال یفرق بینہما اخرجہ سعید بن منصور عن سفیان عن ابی الزناد قال قلت لسعید بن المسیب سنۃ قال سنۃ وھذا مرسل قوی قال فی سبل السلام صفحہ ۱۲۷ جلد ۲ ومراسیل سعید معمول بہا لما عرف من انہ لا یرسل الا عن ثقۃ قال الشافعی والذی یشبہ ان یکون قول سعید سنۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اھ وفیہ ایضا صفحہ ۱۲۷ جلد ۲ وقد اخرج الدارقطنی والبیہقی من حدیث ابی ھریرۃ مرفوعا بلفظ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأتہ قال یفرق بینہما اھ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبداللہ — مہر مدرسہ احمدیہ — سید محمد عبدالسلام — سید محمد ابوالحسن — سید محمد نذیر حسین

بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں مجھے کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا، لیکن میں اسلام میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس کا باغ اسے واپس کر دے گی، کہنے لگی ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو فرمایا تو باغ قبول کر لے اور اس کو طلاق دیدے، روایت کیا اس کو بخاری نے۔ سبل السلام ص ۹۲ میں ہے اس میں دلیل ہے کہ خلع مشروع اور صحیح ہے، اور عورت سے عوضانہ میں مال واپس لے لینا جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم کو ان کی بے اتفاقی کا خطرہ ہو، تو مرد و عورت کی طرف سے ایک ایک حاکم مقرر کر لو، اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ ان میں اتفاق پیدا کر دے گا، سعید بن مسیب نے اس آدمی کے متعلق فتویٰ دیا جو اپنی بیوی کو خرچ نہ دے سکے، کہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کروا دیا جائے، کسی نے سعید سے پوچھا کیا یہ سنت ہے، فرمایا ہاں سنت ہے۔ سبل السلام صفحہ ۱۲۷ جلد ۲۔ سعید کی تمام مرسل حدیثیں مقبول ہیں کیونکہ وہ صرف ثقہ لوگوں ہی سے روایت قبول کرتے ہیں، امام شافعی نے کہا سعید جب "سنت" کہتے ہیں تو اس سے مراد رسول

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا یہ حال ہے، کہ اس کا خاوند جب اس کو اپنے گھر لے جاتا ہے، تو مار پیٹ کرتا ہے اور ناک کاٹنے کی دھمکی دیتا ہے، اور جب وہ اپنے والدین کے گھر چلی آتی ہے، تو نان و نفقہ نہیں دیتا ہے، اور نہ دیگر حقوق زوجیت ادا کرتا ہے، اور اگر طلاق اس سے مانگی جاتی ہے، تو طلاق بھی نہیں دیتا ہے، اس حال کو پانچ برس سے زیادہ زمانہ گذرا، اس صورت میں یہ عورت اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں عورت کو چاہیے کہ حاکم وقت کی طرف رجوع کرے، اور حاکم ان سب امور مندرجہ سوال کی تحقیق کرے، اگر بعد تحقیق کے امور مندرجہ سوال کا صدق ثابت ہو، اور عورت تفریق کی طالب ہو، تو حاکم مرد و عورت میں تفریق کر دے بلوغ المرام میں ہے۔ عن سعید بن المسیب فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اھلہ قال یفرق بینھما اخرجہ سعید بن منصور عن سفیان عن ابی الزناد عنہ قال فقلت لسعید بن المسیب سنۃ فقال سنۃ وھذا مرسل قوی انتھی۔ سبل السلام میں ہے ومراسیل سعید معمول بھا لما عرف من انہ لا یرسل الا عن ثقۃ قال الشافعی والذی یشبہ ان یکون قول سعید سنۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد اختلف العلماء فی ھذا الحکم وھو فسخ الزوجۃ عند اعسار الزوج علی اقوال الاول ثبوت الفسخ وھو مذھب علی و عمر و ابی ھریرۃ و جماعۃ من التابعین و من الفقھاء مالک والشافعی واحمد وبہ قال اھل الظاھر انتھی ملخصا اور صورت مرقومہ سوال میں اعسار سے زیادہ ضرر ہے، اس لئے بالاولیٰ تفریق جائز ہے، جب حاکم حکم

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنی بیوی کو خرچ نہ دے سکے، اس میں علیحدگی کرا دی جائے روایت کیا ہے اسے دارقطنی اور بیہقی نے ۱۲

لے سعید بن مسیب نے اس آدمی کے متعلق فتوی دیا جو اپنی بیوی کو خرچ نہ دے سکے، کہ اس کی بیوی کو اس سے جدا کر دیا جائے کسی نے پوچھا کیا یہ سنت ہے، فرمایا ہاں سنت ہے، سعید کی تمام مرسل احادیث مقبول ہیں کیونکہ وہ صرف معتبر اشخاص ہی سے روایت کرتے ہیں، امام شافعی نے کہا یہاں سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اگر خاوند تنگ دست ہو تو اس کی بیوی نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے حضرت علی، عمر، ابوہریرہ، فقہاء اور تابعین کی ایک جماعت اور امام مالک، شافعی، احمد اور اہل ظاہر اس کے جواز کے قائل ہیں ۱۲

تفریق کا کردے، اس وقت عورت پر واجب ہے، کہ عورت طلاق کی عدت پوری کرے، اور بعد عدت پوری ہونے کے جس کے ساتھ چاہے نکاح کرلے، واللہ اعلم وعلمہ اتم،

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ الجواب صحیح ۔ تلطف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ ماقولکم رحمکم اللہ اندریں کہ زنے بعد مجنون شدن شوہرش با مرد دیگر نکاح ثانی کند پس ایں نکاح صحیح و درست است یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ درصورت مستفسرہ نکاح ہذا موافق رائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صحیح و درست نخواہد شد زیرا کہ نزد امام صاحب بدریں عیب احد الزوجین را اختیار فسخ نیست لما فی شرح الوقایۃ ولا یتخیر احدھما بعیب الآخر خلافا للشافعی رحمۃ اللہ علیہ فی العیوب الخمسۃ وھی الجنون والجذام والبرص والقرن والرتق وعند محمد ان کان بالزوج جنون او جذام او برص فالمرأۃ بالخیار وان کان بالمرأۃ لا لانہ یمکن للزوج دفع الضرر عن نفسہ بالطلاق انتہی ۔ ولما فی جامع الرموز ولا یتخیر احدھما بعیب الآخر سواء کان فاحشا او غیرہ کالجنون والبرص الی قولہ وتخیر عند محمد الزوجۃ بالثلاثۃ الاول وبکل عیب لا یمکنھا المقام معہ الا بضرر انتہی ولما فی الدر المختار ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن الخ ولما فی الفتاوی السراجیۃ اذا کان بالزوج جنون او جذام او برص فلیس للمرأۃ خیار وکذا لو کان بھا ذلک او قرن او رتق لا خیار للزوج انتہی

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب عبد العلی کلکتوی عبد العزیز کلکتہ

سوال :۔ اگر ایک عورت اپنے خاوند کے پاگل ہوجانے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرلے تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا نکاح صحیح نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک صحیح ہے، نقل کی بہت سی کتابوں مثلاً شرح وقایہ، جامع الرموز، درمختار، فتاوی سراجیہ وغیرہ میں لکھا ہے، کہ امام شافعی کے نزدیک پانچ عیب کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے دیوانگی، کوڑھ، پھلبہری، ناسور، شرمگاہ کی بیماری امام محمد کے نزدیک پہلی تین بیماریوں میں عورت کو اختیار ہے، مرد کو نہیں، ہاں امام صاحب اور ان کے بعد تمام فقہاء حنفیہ میں ان مذکورہ بیماریوں میں سے کسی بیماری میں بھی عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے۔

مسئلہ صحیح است۔ عبد الجلیل عفی عنہ (محمد اشرف)

المسئلۃ مصابۃ۔ عبد الخالق داروغہ کتب دہلی۔ مدرسہ کلکتہ۔

المسئلۃ صحیحۃ۔ نظام الدین احمد عفی عنہ

بلاشک نزد حنفیہ درین صورت زوجہ را اختیار فسخ نیست۔ کما فی العالمگیریۃ واذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خیار لہا کذا فی الکافی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد مسعود۔ نقشبندی دہلوی۔ (محمد مسعود)

درصورت مرقومہ بر علمائے ارباب شریعت مخفی مباد کہ درین مسئلہ تفصیل درکار است یعنی اگر مستفتیہ از خورد پوش محتاج و مضطر نیست، ونہ غلبہ شہوت دارد کہ زنا ازو صادر باشد، بر قول امام ابوحنیفہ و ابو یوسف چنانچہ در صدر فتوی مذکور است عمل نماید یعنی نکاح دیگر نکند، واگر نوبت نفقر وفاقہ وغالب خوف زنا باشد بر قول امام محمد نکاح دیگر بکند، ودر حاوی قدسی ہمیں قول را اختیار کردہ حیث قال وبہ ناخذ ومذہب امام مالک وشافعی وامام احمد بن حنبل موافق مذہب امام محمد است۔ قال محمد رحمہ اللہ ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فہو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی ہکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ ومفتی را باید کہ احوال مردمان اہل عصر را دیدہ وملاحظہ کردہ بر اصلح فتوی دہد ودرین زمان حدود شرع وحکم احتساب جاری نیست، کہ از حاکمان محتسبان شرع خوف داشتہ باشد، پس درین صورت درحالت لجیہ مستفتیہ را نکاح کردن مطابق مذہب

لہ بلاشبہ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں عورت کو اختیار نہیں ہے، عالمگیری میں ہے، جب مرد کو دیوانگی، پھلبہری یا کوڑھ ہو، تو عورت کو اختیار نہیں ہے ۔ ۲ اس مسئلہ میں تفصیل درکار ہے، اگر عورت خرچ سے تنگ نہ ہو اور زنا کا خوف بھی نہ ہو، تو دوسرا نکاح نہ کرے، اور اگر ان دو باتوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہونے کا خوف ہو، تو امام محمد کے فتوی پر اس کو دوسرا نکاح کرلینا چاہیئے، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل بھی دوسرے نکاح کی اجازت دیتے ہیں، حاوی قدسی اور عالمگیری میں ہے، کہ امام محمد نے کہا، اگر دیوانگی نکاح کے بعد حادث ہوئی ہو، تو نامرد کی طرح ایک سال کے لئے علاج کی مہلت دینا چاہیئے اگر افاقہ نہ ہو تو عورت کو اختیار دے دینا چاہیئے، اور اگر اسے اکثر غشی کے دورے ہوتے ہوں، تو وہ آلت کٹے کی طرح ہے اور ہمارا یہی مذہب ہے کہ مفتی کو مستفتی کے حالات کے مطابق فتوی دینا چاہیئے، اگر حالات مایوس کن

امام محمد و ائمہ ثلاثہ لازم دپر ضرور است، تا از حرام کاری باز ماند و آیت کریمہ وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ واصلحوا ذات بینکم شعر بریں معنی است وما علینا الا البلاغ

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: زوجہ مجنون کو بنا بر قول امام محمد و امام شافعی و امام احمد بن حنبل و امام مالک و سعید بن المسیب کے بتصرفت قاضی اختیار فسخ نکاح و ازدواج نکاح ثانی کا بلا ریب حاصل ہے، چنانچہ قدسی نے اپنی کتاب حاوی میں امام محمد کے قول کو اخذ کیا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں مذکور ہے، کہ اگر جنون شوہر کا حادث ہے، تو اس کو مہلت ایک سال کی دینی چاہیئے، جیسے نامرد کو مہلت ایک سال کی دی جاتی ہے اور جو جنون اس کا قدیم ہے، تو وہ مثل مقطوع الذکر کے ہے یعنی فی الفور تفریق چاہیئے، مہلت کی کچھ ضرورت نہیں ہے، فی العالمگیریۃ قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فھو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی للقدسی انتہی قال محمد رحمہ اللہ لہا الخیار دفعا للضرر عنہا کما فی الجب والعنۃ کذا فی الھدایۃ وغیرھا۔ مالک انہ بلغہ عن سعید بن المسیب انہ قال ایما رجل تزوج امرأۃ وبہ جنون او ضرر فانہا تخیر فان شاءت قرت وان شاءت فارقت سعید بن المسیب گفت ہر مردے کہ نکاح کرد زنے را وباآں مرد جنون است یا ضررے دیگر است، پس آں زن را اختیار دادہ می شود، پس اگر خواہد بجائے خود ماند واگر خواہد جدا شود کذا فی الموطا لمالک والمصفی شرح الموطا للشیخ ولی اللہ المحدث الدہلوی۔ قلت عند الشافعی یفسخ النکاح بسبع فای الزوجین وجد بصاحبہ عیبا من الجنون والجذام والبرص

ہوں، تو امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے فتوی پر اسے نکاح کا مشورہ ضرور دینا چاہیئے تاکہ زنا اور حرام کاری سے عورت بچی رہے

سلہ امام محمد نے کہا، اگر دیوانگی حادث ہو، تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اگر تندرست نہ ہو، تو عورت کو اختیار دیا جائے گا، اور اگر اس کو غشی کے دورے ہوتے ہوں تو وہ آلت کٹے کی طرح ہے، اور ہمارا یہی مذہب ہے، امام محمد کہتے ہیں، کہ عورت کو اختیار ہے تاکہ اس سے ضرر دور کیا جا سکے، سعید بن المسیب نے کہا، اگر کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ آدمی دیوانہ ہو، یا اس کو کوئی تکلیف ہو تو عورت کو اختیار ہے، چاہے تو اس کے گھر رہے، ورنہ الگ ہو جائے۔

سلہ میں کہتا ہوں کہ امام شافعی کے نزدیک سات بیماریوں میں فسخ نکاح کا اختیار ہے، عورت مرد میں سے

لہ الفسخ سواء کان قبل الدخول او بعدہ و کذا اذا وجدت المرأۃ زوجہا مجبوبا او عنینا او وجد الزوج امرأتہ رتقاء او قرناء یثبت بہ حق الفسخ فان کان الفسخ قبل الدخول فلا مہر لہا وان کان بعدہ فلہا مہر مثلہا کذا فی المسوی شرح الموطا للشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی۔ پس مناسب اس باب میں یہ ہے کہ اگر نوبت فقر وفاقہ اور خوف زنا کا ہو، تو زوجہ مجنون کی اوپر قول محمد و دیگر ائمہ موصوفین کے اس کا بمعرفت قاضی نکاح فسخ کرکے کسی اور مرد سے نکاح کرا دیا جاوے، مگر لحاظ جنون حادث وقدیم کا ضرور ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، ان ائمہ موصوفین کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ عن ابی سعید ن الخدری رضا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاضرر ولاضرار من ضر ضرہ اللہ ومن شق شق اللہ علیہ اخرجہ الحاکم وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ کذا فی نصب الرایۃ جلد ۲ صفحہ ۳۶۳ للعلامۃ الزیلعی وقال وروی ھذا الحدیث عن عبادۃ بن الصامت وابن عباس وابی لبابۃ وثعلبۃ بن مالک وجابر بن عبد اللہ وعائشۃ رض ایضا انتہی وہذہ الاحادیث وان کانت فی طرق بعضہا او اکثرہا کلام لکنہا بتعدد طرقہا تتقوی۔ اور ان ائمہ موصوفین کے قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ یسروا ولا تعسروا وابشروا ولا تنفروا۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو چند بار جرم چوری وبدمعاشی میں قید ہوئی، ایک مرتبہ ایک سال کی، دوسری مرتبہ

جس میں بھی وہ پائی جائیں، دوسرے کو فسخ کا اختیار ہے، جنون، کوڑھ، برص خواہ دخول سے پہلے ہو یا اس کے بعد اگر عورت نکاح کے بعد مرد کو آلت کٹا یا نامرد پائے، تو اس کو اختیار ہے، اور اگر مرد کو بعد نکاح عورت کی شرمگاہ میں بیماری یا تنگی معلوم ہو، تو اس کو بھی اختیار ہے، اگر فسخ نکاح کے بعد دخول سے پہلے ہو تو عورت کو حق مہر نہ ملے گا، اور اگر دخول ہو چکا ہو، تو اسے مہر مثل یا مہر مقرر ملے گا۔

لہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ خود تکلیف اٹھاؤ، نہ کسی کو تکلیف پہنچاؤ، جو کسی کو تکلیف دے گا، اللہ اس کو تکلیف دے گا، اور جو کسی پر سختی کرے گا اللہ اس پر سختی کرے گا

۲ے یہ حدیث عبادہ بن صامت، ابن عباس، ابولبابہ، ثعلبہ بن مالک، جابر بن عبد اللہ اور حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے، ان میں سے اگرچہ بعض طرق میں کلام ہے، لیکن متعدد طرق کی وجہ سے اس کی سند مضبوط ہے۔

چھ ماہ کی تیسری مرتبہ اب قید دس برس کی ہوئی، اور اس شخص قیدی کی بیوی کو نہایت درجہ کی تکلیف روٹی کپڑے وغیرہ کی ہے، کیونکہ نہ کوئی جائداد وغیرہ وہ شخص اس عورت کے خورد و نوش کے واسطے چھوڑ گیا، اور نہ کچھ روپیہ یا زیور وغیرہ چھوڑ گیا، کہ جس کے ذریعہ سے وہ روٹی کپڑے میں صرف کرے، اور نہ اس کی عورت کو امید ہے، کہ جس وقت وہ جیل خانہ سے چھوٹ کر آئے، بعد دس برس کے وہ اپنی عادت بدمعاشی کو چھوڑ دے، اب وہ عورت دوسرے شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے، بموجب شرع شریف کے وہ عورت نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، اور اگر طلاق اس سے لیوے، تو کس طور سے لیوے، اور اگر وہ شخص جیلخانہ میں سے طلاق نہ دیوے، تو طلاق اس سے کس طور سے لیوے، اور نکاح دوسرے شخص سے کس طور سے کرے، موافق شرع شریف کے جواب دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب عظیم دارین کا عطا فرماوے گا، اور عورت حرام سے بھی بچ جاوے گی، فقط بینوا توجروا۔

الجواب: بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ زوجہ کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات لابدی کی خبر گیری خاوند کے ذمہ واجب ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنی پس یا تو رکھنا ہے عورت کو دستور کے موافق یا رخصت کر دینا ساتھ اچھی طرح کے، ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا ایات اللہ ھزوا یعنی مت ٹھیر رکھو عورتوں کو ستانے کی غرض سے، تاکہ زیادتی کرو، اور جو کوئی ایسا کام کرے، وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، یعنی عذاب الٰہی کا مستحق بنتا ہے، اور مت ٹھہراؤ اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا مطلب یہ ہے، کہ جس کام میں جو کچھ شریعت نے فرمایا اس کام کو اسی کے موافق کرو، حکم کے خلاف کرنا ایسا ہے، کہ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ہنسی اور کھیل سمجھا، پس ان آیات کی رو سے معلوم ہوا، کہ کسی شخص کو یہ اختیار نہیں ہے، کہ زوجہ کا حق تو ادا نہ کرے اور خواہ مخواہ اس کو اپنی قید میں رکھے یعنی اگر حق ادا نہیں کر سکتا تو اس کو طلاق دے دینا لازم ہے، دار قطنی میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل فی الرجل لا یجد ما ینفق علی امراتہ قال یفرق بینھما یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کہ کوئی آدمی اپنی زوجہ کے نان و نفقہ کی خبر گیری نہ کر سکتا ہو، تو اس کا حکم کیا ہے، آپ نے فرمایا ان کی باہم جدائی کرا دی جاوے، نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۶۹ میں لکھا ہے، کہ اس حدیث کی رو سے جمہور علماء نے بھی یہی کہا ہے، اور حضرت عمر

وعلی وابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حسن بصری اور سعید بن المسیب اور حماد اور ربیعہ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی یوں کہا ہے، کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ کے نان ونفقہ کی خبر گیری نہ کر سکے، اور عورت جدائی چاہے، تو ان میں جدائی کرا دینی چاہیئے یعنی حاکم یا قاضی تفریق کرا دے۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بعمر بارہ سال کی تھی کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح ہمراہ زید کے کر دیا اب پندرہ سال ہوئے نکاح کئے ہوئے نکاح کے تین روز کے بعد زید گھر سے چلا گیا تھا اب تک نہیں آیا، پدر ہندہ نے بہت خط لکھا کر بھیجے، زید یہ لکھتا رہا، کہ اب آتا ہوں، ایک دفعہ پدر ہندہ نے خدا بخش کو خرچ دے کر زید کے پاس کلکتہ بھیجا، ہمراہ اس کے بھی زید نہیں آیا، پھر دوبارہ کریم بخش کو پدر زید نے کلکتہ بھیجا، کریم بخش مذکور تین سال کلکتہ رہا، جب بھی زید نہ آیا، اور جب سے گیا ہے، اپنی بی بی کے واسطے ایک خرمہرہ خرچ کے واسطے نہیں بھیجا، اب ہندہ بعمر ستائیس سال ہو گئی ہے، اور زبان درازی سے کام لیتی ہے، جس سے آمادگی شوہر ہونے کی پائی جاتی ہے بصورت مرقومہ بالا ہندہ کیا کام کرے، ظاہراً زید کا آنا معلوم نہیں ہوتا، زید سے علیحدگی ہندہ کی کیونکر ہو سکے، اور نکاح ثانی اس کا کس طریق سے ہو جاوے، جس طرح حکم دے اس پر کاربند ہو۔ بینوا توجروا

المرقوم ۱۸ر جولائی ۱۸۹۹ء

الجواب:۔ واضح ہو کہ عورت کو بلا نان ونفقہ اور بغیر ادائے حقوق زوجیت قید نکاح میں چھوڑ رکھنا بہت بڑا ظلم ہے، اور اس میں عورت کی صریح ضرر رسانی ہے، جس کی شریعت نے ہرگز اجازت نہیں دی ہے، بلکہ صاف ممانعت کی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا یعنی عورتوں کو ضرر رسانی کے لئے نہ روک رکھو تاکہ تم حد سے بڑھو اور فرمایا وعاشروھن بالمعروف یعنی اپنی عورتوں سے بھلائی کے ساتھ اور اچھی طرح پر زندگی بسر کرو، پس زید کو لازم ہے، کہ اپنی عورت کی ضرر رسانی سے باز آوے، اور اس کے نان ونفقہ کی خبر گیری کرے، اور اس کے تمام حقوق کو ادا کرے، اور اگر اس سے یہ نہ ہو سکے، یا بالقصد باوجود قدرت نان ونفقہ وادائے حقوق زوجیت کے خبر گیری نہ کرے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے، تو دونوں صورتوں میں زید کو طلاق دے دینا لازم ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے، کہ نہ خبر گیری ہی کرے، اور نہ طلاق ہی دے، بلکہ ان دونوں باتو

میں سے ایک بات کرنا زید پر ضروری ہے، فرمایا اللہ تعالی نے فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنی عورتوں کو یا تو دستور کے موافق (جیسا کہ دنیا میں میاں بی بی رہتے ہیں) روکنا ہے یا بھلائی کے ساتھ ان کو چھوڑ دینا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیران لشکر کو ان لوگوں کے بارے میں لکھا جو کہ اپنی عورتوں سے غائب تھے، کہ وہ لوگ یا تو اپنی عورتوں کو نان ونفقہ دیں، یا ان کو طلاق دیں، اور جتنے دنوں تک ان کو بلا نان ونفقہ روک رکھا ہے، اتنے دنوں کے نان ونفقہ کا خرچ بھی بھیجدیں، پس زید کو مطلع کرنا چاہیئے، کہ یا تو تم اپنی عورت کے نان ونفقہ کی خبر گیری، اور حقوق زوجیت ادا کرو یا طلاق دے دو، ان دونوں میں سے اگر کوئی بات اختیار کرے فبہا، ورنہ درمیان ان میاں بیوی کے بذریعہ حکم تفریق کرادی جاوے، کیونکہ زید دو حال سے خالی نہیں، یا تو نان ونفقہ دینے کی وسعت رکھتا ہے یا نہیں، اگر وسعت ہی نہیں رکھتا ہے، تو بموجب ان روایات کے زید اور اس کی بیوی میں تفریق کرادی جائے گی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الصدقۃ ما کان منھا عن ظھر غنی والید العلیا خیر من الید السفلی وابدأ بمن تعول فقیل من اعول یا رسول اللہ قال امرأتک ممن تعول تقول اطعمنی والا فارقنی جاریتک تقول اطعمنی واستعملنی ولدک یقول الی من تترکنی رواہ احمد والدارقطنی باسناد صحیح واخرجہ الشیخان فی الصحیحین واحمد من طریق اخر وجعلوا الزیادۃ المفسرۃ فیمن قول ابی ھریرۃ وعن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل لایجد ماینفق علی امرأتہ قال یفرق بینھما رواہ الدارقطنی، اور نیل الاوطار میں ہے۔ و فی الباب عن سعید بن المسیب عن سعید بن منصور والشافعی وعبدالرزاق فی

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے، جو ضروریات پوری کرنے کے بعد ہو، اور بلند ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اور جن کی تم عیالداری کرتے ہو ان سے شروع کرو، سوال کیا گیا، کن کی عیالداری ہمارے ذمہ ہے آپ نے فرمایا ان میں سے تیری بیوی ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ کہے یا مجھے کھانے کو دو، یا طلاق دو، اور تیری لونڈی کہے یا مجھے کھانے کو دو، یا مجھ سے کوئی کام کرنے دو، اور تیرا بچہ یہ ہو کہے، مجھے کس کے سپرد کرتا ہے احمد اور دارقطنی نے اسے روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی بیوی کو خرچ نہ دے سکے، ان کے درمیان تفریق کردی جائے، سعید بن المسیب نے کہا، جب آدمی بیوی کو خرچ نہ دے سکے، ان کے درمیان تفریق کردی جائے، ابو الزناد نے پوچھا کیا یہ سنت ہے، سعید نے

الرجل لا یجد ما ینفق علی اهله قال یفرق بینهما قال ابو الزناد قلت لسعید سنۃ قال سنۃ وهذا امر سل قوی وعن عمر عند الشافعی وعبد الرزاق وابن المنذر انه کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نسائهم اما ان ینفقوا واما ان یطلقوا ویبعثوا بنفقۃ ما حبسوا اھ۔ اور عدم وسعت کی صورت میں تفریق کرا دینا جمہور کا مذہب ہے، نیل الاوطار میں ہے۔ قولہ تقول المرأۃ الخ استدل بہ وبحدیث ابی هریرۃ الآخر علی ان الزوج اذا اعسر عن نفقۃ امرأته واختارت فراقہ فرق بینهما والیہ ذهب جمهور العلماء کما حکاہ فی فتح الباری وحکاہ صاحب البحر عن الامام علی رضی اللہ عنہ وعمر وابی هریرۃ والحسن البصری وسعید بن المسیب وحماد وربیعۃ ومالک واحمد بن حنبل والشافعی والامام یحیی۔ اور اگر زید نان ونفقہ دینے کی وسعت رکھتا ہے، اور پھر دینے سے انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں بھی زید اور اس کی زوجہ میں تفریق کی جاوے گی، کیونکہ جب پہلی صورت میں تفریق کا حکم ہے، جو ایک مجبوری کی صورت ہے، تو اس صورت میں جو مجبوری سے خالی ہے بدرجہ اولیٰ تفریق ہونی چاہیے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ سکینہ بیگم جس کی عمر اٹھارہ برس کی ہے، اس کا نکاح ایک مرد مسمی محبوب علی سے جس کی عمر پچاس برس کی ہے ہو گیا تھا، اور خاوند اس کا چار برس سے مرض فالج اور استرخا میں ایسا مبتلا ہے، کہ چاروں ہاتھ پاؤں اس کے بے کار ہیں، چل نہیں سکتا بلکہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا، اور کوئی چیز ہاتھ سے پکڑ نہیں سکتا، اور زبان بھی تتلا گئی ہے، بات صاف نہیں کر سکتا، اور اس کی عقل میں فتور آ گیا ہے، کوئی اس سے بات کرتا ہے، تو دانت پیستا ہے، ہوش کی بات

کہا، ہاں یہ سنت ہے اور حضرت عمرؓ نے فوج کے سپہ سالاروں کو لکھا، کہ جو لوگ اپنی بیویاں چھوڑ کر چلے گئے ہیں، وہ یا تو ان کو خرچ بھیجیں یا طلاق دیں، اور طلاق دیں تو پچھلا خرچہ جب سے وہ گئے ہیں بھیجدیں۔

لے ابو ہریرہ کی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، کہ اگر آدمی اپنی بیوی کے اخراجات پورے نہ کر سکے اور عورت علیحدگی کا مطالبہ کرے، تو ان میں تفریق کر دی جائے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے، حضرت علی، عمر، ابو ہریرہ، حسن بصری، سعید بن مسیب، حماد، ربیعہ، مالک، احمد بن حنبل، شافعی اور امام یحییٰ کا یہی فتوی ہے (نیل الاوطار)

نہیں کرتا، اس کی صحبت سے یاس ہے، اور زوجہ اس کی نہایت مسکینہ محتاج نان ونفقہ سے فاقہ کش ہے، اور محبوب علی نان ونفقہ دینے سے سخت عاجز ہے، اگر اس کے پاس کچھ مال بھی ہے، تو اس کے اقارب ظالم اس پر قابض ہیں، ایک حبہ سکینہ بیگم کو نہیں دیتے بلکہ اس سکینہ کو اس کے گھر سے نکال دیا ہے، اور وہ اپنے باپ کے گھر میں بہت تنگی سے گذراوقات کرتی ہے، اور سخت ناچار ومجبور ورنجیدہ ہے، پس اس حال میں سکینہ بیگم زوجہ محبوب علی اپنے زوج محبوب علی سے شرعاً جدا ہو کر کسی اور مرد سے نکاح اپنا کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- ان الحکم الا للہ[1] قال اللہ تبارک وتعالی ما جعل علیکم فی الدین من حرج وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ۔ صورت سوال سائل میں سخت عاجز ہونا زوج کا زوجہ کے نفقہ اور مسکن اور جملہ ضروریات سے اور عیب دار ہونا مثل اشل کے، اور مجبور ہونا اٹھنے بیٹھنے سے واضح ہوا، کہ خیار فسخ نکاح کو زوجہ کے لئے ثابت کرتا ہے، یعنی جو زوج ادائے نفقہ زوجہ سے عاجز ہو، تو خیار فسخ اس کے نکاح کا زوجہ سے قاضی کو ہے، اور اگر قاضی نہ ہو، تو مسلمان سردار چودھری یا امام وعالم یا عورت کا ولی بموجودگی گواہان نکاح فسخ کر دے، یا بصورت مجبوری زوجہ کو خیار ہے، کہ اپنا نکاح فسخ کر دے، چنانچہ کتاب فتح المعین بشرح قرۃ العین فقہ مذہب امام شافعی میں جو مطبوعہ مصر موجود ہے، مصرح مذکور ہے۔ عبارتہ ہکذا۔ وشرع[2] دفعاً الضرر المرأۃ یجوز لزوجۃ مکلفۃ ای بالغۃ عاقلۃ فسخ نکاح من زوج اعسر مالاً وکسباً لائقابہ حلالاً باقل نفقۃ تجب وھو مد اواقل کسوۃ تجب کقمیص وخمار وسراویل وجبۃ شتاء۔ اور اگر قاضی نہ ہو، جیسا کہ فی زماننا قاضی نہیں ہے، یا قاضی میسر ہو اور زوجہ مسکینہ فقیرہ قاضی تک رجوع کرنے سے عاجزہ ہو، تو یا قاضی رشوت طلب کرے زوجہ سے کہ جب تک اس قدر

---

[1] حکم صرف اللہ تعالی کا ہے، خدا تعالی نے فرمایا، اس نے دین میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آسان حنیف مذہب دے کر بھیجا گیا ہے۔

[2] عورت کے ضرر کو رد کرنے کے لئے مشروع ہے عورت مکلفہ، بالغہ یعنی عاقلہ کو اس خاوند سے فسخ نکاح کرنا جائز ہے، جو تنگدست ہو، حلال کمائی سے کم از کم معیار کا خرچ بھی نہ دے سکتا ہو، اور لباس میں سے کم از کم چار کپڑے ضروری ہیں قمیص، دوپٹہ، شلوار اور سردیوں میں اوپر کی چادر ۱۲

مال تو مجھ کو دے تو تیرا نکاح فسخ کروں گا، یا گواہ عاجز ہونے زوج کے ادائے نفقہ سے مفقود ہوں، اور دشوار ہو قاضی پر اثبات عجز کا تو زوجہ کو اختیار ہے، کہ گواہ کرے اپنے فسخ نکاح پر لوگوں کو، اور آپ نکاح فسخ کرلے، وفی فتح المعین ایضا فان فقد قاض او محکم بمحلها او عجزت عن الرفع الی القاضی کان قال کلا افسخ حتی تعطینی مالا استقلت بالفسخ للضرورۃ وقال الشیخ عطیۃ المکی فی فتاویہ اذا تعذر القاضی او تعذر الاثبات عندہ لفقد الشھود او غیبتھم فلھا ان تشھد بالفسخ وتفسخ بنفسھا، اور دوسری دلیل خیار فسخ نکاح کی زوجہ کے لئے عیب دار کامل ہونا زوج کا ہے، کہ مثل اشل ام مثل مجنون اور ہر طرح عاجز اور مجبور ہے اور افتادہ اور بیچارہ ماندہ ہے، چنانچہ کتاب نیل المآرب بشرح دلیل الطالب فقہ مذہب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مصر کی جلد ۲ صفحہ ۵۵ میں ہے۔ ویثبت[1] ثبوت الخیار لکل من الزوجین اذا وجد بالآخر عیبا فی الجملۃ عن عمر بن الخطاب وابنہ وعبد اللہ بن عباس وبہ قال جابر بن زید والشافعی واقسام العیوب المثبتۃ للخیار ثلاثۃ قسم یختص بالرجل وقسم یختص بالمرأۃ وقسم مشترک بینھما وھو الجنون ولو احیانا والجذام والبرص والباسور والناسور وغیرھا پس عاجزہ فقیرہ سکینہ بیگم کو نکاح اپنا محبوب علی سے توڑ دینے کا اختیار ہے، کیونکہ وہ سخت لاچار ہے روٹی کپڑا دینے سے، اور سخت عیب دار اور مریض شدید ہے، امید صحت کی منقطع ہے، اب سکینہ بیگم گواہوں کے سامنے یہ کہہ کر کہ میں نے اپنا نکاح محبوب علی سے فسخ کر دیا ہے، یعنی توڑ دیا ہے، اور بعد گذرنے عدت کے کسی مرد نیک سے نکاح کرلے، اور مدت عدت کی تین بار حیض کا آنا ہے یعنی تین بار حیض آنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ

ایسی صورتوں میں حاکم وقت یا سردار یا پنچوں کے ذریعے سے تفریق لازم ہے۔

سید محمد نذیر حسین

---

[1] اگر دوسرے میں عیب ثابت ہو جائے، تو عورت مرد میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح کا اختیار ہے، حضرت عمر عبد اللہ بن عمر، ابن عباس، جابر، زید، امام شافعی کا یہی مذہب ہے، اور خیار ثابت کرنے والے عیوب تین طرح کے ہیں، ایک وہ ہیں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں، اور دوسرے وہ جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور تیسرے وہ جو مشترک ہیں، مثلاً دیوانگی، جذام، بھگندر، پھلبہری، ناسور وغیرہ ۱۲

سوال: زید اپنی زوجہ ہندہ کو نان ونفقہ نہیں دیتا، اور ہندہ کی درخواست پر طلاق بھی نہیں دیتا، تو ایسی حالت میں کیا ہندہ اپنا دوسرا نکاح کسی اور شخص سے کر سکتی ہے، اگر کر سکتی ہے، تو اس کی میعاد شرعی کیا ہے یعنی کتنے عرصہ تک خاوند اپنی زوجہ کو کھانا کپڑا نہ دے، تو وہ عورت دوسرا نکاح کر لینے کی مختار ہو سکتی ہے۔

الجواب: جب کہ شوہر عورت کو نہ نان ونفقہ دیتا ہے، اور نہ طلاق بلکہ مجبور اور تنگ اس کی زندگی کو خراب کرتا ہے، تو مناسب ہے، کہ عورت سے مشقت اور زحمت کو دور کیا جاوے، اور کسی مرد دیندار خدا ترس سے نکاح کر دیا جاوے۔ قال الله تعالیٰ فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف۔ علامہ سیوطی تفسیر اکلیل میں تحت اس آیت کے لکھتے ہیں۔ فیہ وجوب الامساك بمعروف وتحریم المضارۃ واستدل بہ الشافعی علی ان العاجز عن النفقۃ یفرق بینہ وبین زوجتہ لان الله تعالیٰ خیر بین اثنین لا ثالث لھما الامساك بمعروف والتسریح باحسان وھذا لیس مسکا بمعروف فلم یبق الا الفراق اور امام شوکانی وبل الغمام میں لکھتے ہیں، اذا کانت المرأۃ مثلا جائعۃ او عاریۃ فی الحالۃ الراھنۃ فھی فی ضرار والله تعالیٰ یقول ولا تضاروھن وھی ایضا غیر ممسکۃ بمعروف والله تعالیٰ یقول فامساك بمعروف وھی ایضا غیر معاشرۃ بمعروف والله تعالیٰ یقول وعاشروھن بالمعروف والنبی صلی الله علیہ وسلم یقول لا ضرر ولا ضرار وقد ثبت فی الفسخ بعدم النفقۃ ما اخرجہ الدارقطنی والبیھقی من حدیث ابی ھریرۃ مرفوعا قال

لہ الله تعالیٰ نے فرمایا "یا ان کو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو" علامہ سیوطی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اچھی طرح رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، امام شافعی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو خرچ سے تنگ ہو اس کی بیوی کو اختیار دیا جائے، کیونکہ الله تعالیٰ نے دو ہی چیزیں بتائی ہیں تیسری کوئی صورت ہی نہیں کہ یا اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو، اور چونکہ یہ اچھی طرح رکھنا نہیں ہے، لہذا فراق کی صورت ہی باقی رہ گئی ۔ ٤ جب عورت بھوکی ہو یا ننگی رہن کی حالت میں ہو، تو وہ دکھ میں ہے، اور الله تعالیٰ نے فرمایا "ان کو دکھ نہ دو" اور یہ اچھی طرح رکھنا بھی نہیں ہے اور الله تعالیٰ نے فرمایا اور ان کو اچھی طرح رکھو اور یہ اچھا معاشرہ بھی نہیں ہے، اور الله نے فرمایا ان سے اچھا معاشرہ رکھو، اور رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا، نہ خود تکلیف اٹھاؤ نہ کسی کو تکلیف دو، اور خرچ پورا نہ ہونے کی صورت میں نکاح کا فسخ تو حدیث سے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأتہ یفرق بینھما اور فتح الباری میں تحت حدیث خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی مرقوم ہے واستدل بہ علی ان الزوج اذا اعسر عن نفقۃ امرأتہ واختارت فراقہ فرق بینھما والیہ ذھب جمہور العلماء انتہی۔ شریعت نے اس کے لئے کوئی میعاد مقرر نہیں فرمائی بلکہ جب عورت ضرر و پریشانی میں مبتلا ہو اور اس کا خاوند باوجود فہمائش کے نہ طلاق دے، اور نہ ادائے حقوق کے ساتھ زوجیت میں رکھے، تو ایسے موقع پر امام و قاضی یا سردار اس عورت کا نکاح فسخ کرا کر کسی مرد صالح سے کرا دے، مناسب ہے، کہ اس موقع پر حاکم وقت کو اطلاع دے دی جاوے، تاکہ کسی قسم کا خرخشہ باقی نہ رہے، فقط واللہ اعلم

راقم عبد الجبار عمر پوری، خصہ اللہ بلطفہ المعنوی والصوری،

خاکسار نے جواب سوال کو غور سے دیکھا، جواب بہت ٹھیک ہے

الراقم محمد سعید عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور بعد چند روز کے باہر چلا گیا، اور اپنی زوجہ کے نان و نفقہ کا خبر گیران کچھ نہ ہوا، اور پانچ چھ برس تک ایک حبہ نہ دیا، ہر چند زوجہ نے شوہر کو متواتر خطوط لکھے، مگر اس نے کسی خط کا جواب نہ دیا، اور نہ ہی خرچ ضروری بھیجا، زوجہ نہایت تنگ ہو گئی، اور کوئی صورت اس کی گذران کی نہ رہی، اور نہایت تنگ آگئی، اور سخت محتاج قدر قوت سے ہو گئی، اس لئے وہ عاجز مسکینہ فاقہ کش علمائے حنفیہ سے فتوے طلب کرتی ہے، کہ کوئی صورت ایسی بھی ہے، کہ جس کے سبب سے اس شوہر بے وفا جفاکار سے رستگاری وجدائی ہو جاوے، اور اس کے نکاح سے نکل کر دوسرے مرد سے نکاح کرلے، اگر حنفی مذہب میں کوئی ایسی صورت ہو، تو حسبتہً تحریر کیا جاوے، اور حق کو چھپایا نہ جاوے بینوا توجروا

ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے متعلق فرمایا، جو عورت کو خرچ نہ دے سکے، ان میں تفریق کر دے، بیہقی، دارقطنی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً۔

لے بہترین صدقہ وہ ہے، جو اپنی ضروریات کرنے کے بعد ہو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ مرد جب خرچ سے تنگ ہو، تو اس کی عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے، اگر وہ اختیار استعمال کرے، تو ان میں جدائی کر دی جائے گی، جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

الجواب: صورت مندرجہ سوال میں جو سائلہ نے مسئلہ درج کیا ہے، یہ مسئلہ ائمہ دین اعلی اللہ درجاتہم فی اعلیٰ علیین میں مختلف فیہا ہے، امامنا وامام الاشارق وامام المغارب الشیخ المفخم ابو حنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں عورت کو حق فسخ نکاح حاصل نہیں ہوتا، لیکن امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک عورت کو حق فسخ نکاح حاصل ہو جاتا ہے، درمختار فقہ حنفی باب النفقہ صفحہ ۱۰۷۹ میں لکھا ہے۔ وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وتضررها بغيبته وقال فی فتح القدیر باب النفقة صفحہ ۳۲۹ جلد ۲ قال القاضی ابو الطیب من الشافعیۃ اذا تعذرت النفقة عليها لغيبته ثبت لها الفسخ۔ نیل المآرب شرح دلیل الطالب فقہ حنبلی مطبوعہ مصریہ میں صفحہ ۹۴ باب النفقہ میں لکھا ہے۔ اذا غاب الموسر عن زوجته وتعذرت عليها النفقة بان لم يترك لها ما تنفقه على نفسها ولم تقدر له على مال ولا مكنها على تحصيل نفقتها بالاستدانة عليه ولا غيرها فلها الفسخ فوراً ومتراخياً لیکن جب ہمارے حنفیہ کو اس مسئلہ کی بار بار اشد ضرورتیں پیش آئیں، اور علمائے حنفیہ نے ملاحظہ فرمایا کہ عوام الناس اکثر مرتکب اس امر قبیح کے ہوتے ہیں کہ نکاح کر کے نان ونفقہ نہیں دیتے، یا کہیں چلے جاتے ہیں، اور ان کی عورتیں متواتر فاقہ کشی کی مصیبت میں تنگ آ کر علمائے حنفیہ سے اپنی دفع مصیبت کی تدبیریں اور فتوے پوچھتی ہیں، پس جب علمائے حنفیہ کے سامنے صدہا سوالات اس قسم کے آئے، تو علمائے کبار نے ایسی مصیبت زدوں کی رہائی اور مخلصی لازم سمجھی، اس لئے اپنے مذہب کے معتبر فتاووں میں اپنے قلم سے یہ بات تحریر کر دی کہ ضرورت کے وقت اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر عمل کرنا درست ہے، اور تمام حنفی مذہب کی معتبر کتابیں مانند شرح وقایہ، اور درمختار اور طحطاوی اور فتاوی عالمگیریہ

---

۱ امام شافعی نے مرد کی تنگ دستی اور غائب رہنے کی تکلیف کی وجہ سے فسخ نکاح کو جائز رکھا ہے ۱۲

۲ جب خاوند کے غائب ہونے کی وجہ سے عورت خرچ سے تنگ آ جائے تو اس کے لئے فسخ کا اختیار ہے

۳ جب تنگ دست خاوند غائب ہو جائے اور عورت خرچ سے مجبور ہو جائے نہ گھر میں کوئی چیز ہو، نہ کوئی فروخت کر کے گذارہ کر سکے اور نہ قرض ہی سے خرچ چلا سکے اور نہ کوئی اور صورت بن سکے، تو اس کو فسخ کا اختیار ہے، خواہ فوراً خواہ دیر سے ۱۲

اور قاضی خان اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر اور درر شرح غرر اور شرح غایۃ القصوی اور جامع الفصولین اور فتاوی قاری الہدایہ اور جامع الرموز اور ابو المکارم اور مانند ان کتابوں کے جو معتبر مذہب حنفی کی یہ سب کتابیں ہیں، ان میں لکھا ہے، کہ قاضی حنفی کے پاس جب اس قسم کا دعوے پیش ہو کہ زوج زوجہ کو کسی طرح نان و نفقہ نہ دیتا ہو تو قاضی اس نکاح کو بے شک توڑ دے لیکن اولے یہ ہے، کہ خود نہ توڑے، بلکہ کسی شافعی یا حنبلی عالم سے اس نکاح کو فسخ کرا دے، شرح وقایہ باب النفقہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۷۴۔ واصحابنا لما شاهدوا الضرورة فی التفریق لان دفع الحاجة الدائمة لا یتیسر بالاستدانة والظاھر انها لا تجد من یقرضها وغنی الزوج فی المآل امر متوهم استحسنوا ان ینصب القاضی نائبا شافعی المذهب یفرق بینهما۔ قاضی خان باب النفقہ مطبوعہ مصریہ صفحہ ۳۶۹ جلد اول۔ فان فرق القاضی بینهما وهو شفعوی المذهب نفذ قضاءه لانه قضی فی فصل مجتهد فیه لیس فیه نص ولا اجماع فینفذ قضاؤه عند الکل وان کان القاضی حنفی المذهب لا ینبغی ان یقضی بخلاف مذهبه الا اذا کان مجتهدا ووقع اجتهاده علی ذلك وان قضی مخالفا لرایه من غیر اجتهاد عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی فی نفاذ قضاءه روایتان سو قال ابو المکارم صفحہ ۸۱ باب النفقہ ناقلا عن قاضی خان اظهرهما الجواز طحطاوی شرح درمختار صفحہ ۱۶۲ جلد ۲ مطبوعہ مصر باب النفقة۔ واعلموا انه اذا لم یوجد من هو کالاحد ولا من یدینها استحسن علماؤنا ان یامر القاضی شافعی المذهب ان یفرق بینهما فتاوی عالمگیریہ مطبوعہ مصر جلد اول باب النفقہ صفحہ ۴۰ انها اذا غاب الرجل عن امرأته غیبة منقطعة ولم یخلف نفقة لهذه المرأة فرفعت المرأة الامر الی القاضی فکتب القاضی الی عالم یری التفریق بالعجز عن النفقة ففرق بینهما فهل تقع الفرقة قال شیخ الاسلام نعم اذا تحقق العجز عن النفقة جامع الرموز شرح مختصر وقایہ نولکشوری فقہ حنفی باب النفقہ صفحہ ۲۶۰۔ ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی نائبا شافعیا فیفرق للضرورة جامع الفصولین مصریہ جلد اول باب النفقة واجاب هو مرارا فیمن غاب عن امرأته وترکها بلا نفقة انه لو قضی بالفرقة بسبب العجز عن النفقة ینفذ ولا یشترط ان یکون القاضی

شفعوی المذہب لانہ لاخلاف فی نفاذ القضاء۔ شامی یعنی رد المحتار حاشیۃ الدر المختار باب النفقۃ مصریہ صفحہ ۱۰۸۰ وسئل قارئ الهداية عمن غاب وجها ولم یترک لها النفقۃ فاجاب اذا اقامت البینۃ علی ذلک وطلبت فسخ النکاح من قاض یراہ ففسخ نفذ۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ استنبول باب النفقۃ قال فی شرح غایۃ القصوی لو غاب الزوج حال کونہ قادرا علی اداء النفقۃ ولکن لا یوفی حقها فاظهر الوجهین انہ لا فسخ فیہ لکن یبعث الحاکم الی بلدہ لیطالبہ ان کان موضعہ معلوما والثانی ثبوت الفسخ والیہ مال جمع من اصحابنا وافتوا بذلک المصلحۃ کما فی الدرر وفی الدرر شرح الغرر باب النفقۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۱۵ وھو اختیار القاضی الطبری وابن الصباغ وعن الرویانی وابن اخیہ صاحب العدۃ ان المصلحۃ والفتوی بہ۔ خلاصہ ان روایات معتبرہ کا یہ ہے کہ حنفی مذہب کے قاضی اور عالم کو یہ بات درست ہے کہ مسئلہ نان ونفقہ میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مذہب کے موافق ضرورت کے وقت فتوے دے اور فیصلہ کرے لیکن قاضی اگر حنفی ہو تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی شافعی المذہب سے فیصلہ کرا دے اور شافعی مذہب پر عملدرآمد کرے، اب رہی یہ بات کہ جن ملکوں میں قاضی شافعی میسر نہ ہو جیسے ہندوستان ہیں پس ایسے ملکوں میں ان مسائل میں کہ جن میں شافعی قاضی یا عالم کا ہونا ضروری ہے، کس طرح عملدرآمد کیا جاوے، یا وہ مسئلے کہ جن میں غیر مذہب حنفی پر عمل کیا گیا ہو اور اس مقام پر غیر مذہب کا قاضی یا عالم نہ ہو تو کس طرح عمل درآمد کیا جاوے گا، چنانچہ شامی حاشیہ درمختار اور طحطاوی میں ہے، کہ حنفی المذہب کا عالم قاضی کا کام دے سکتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین رد المختار باب العدۃ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ مصریہ میں بابت مسئلہ معتدہ ممتدۃ الطہر کے لکھتے ہیں۔ لکن ھذا ظاهر اذا امکن قضاء مالکی بہ او تحکیمہ اما فی بلاد لا یوجد فیها مالکی یحکم بہ فالضرورۃ متحققۃ ولهذا قال الزاهدی وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالک فی ھذہ المسئلۃ للضرورۃ۔ اور علامہ طحطاوی باب العدۃ صفحہ ۲۱۷ میں لکھتے ہیں۔ فی شرح الزاهدی وقد کان بعض اصحابنا واستاذ بینا یفتون فی ھذہ المسئلۃ بقول مالک للضرورۃ وقال فی النهر لا یفتی بہ لانہ

لا داعی الی الانتقاد بقول تعتد اتہ خطایحتمل الصواب مع امکان الترافع الی مالکی یحکم بہ فاجاب الطحطاوی ان الداعی الی الانتقاد بقول مالک الضرورۃ وذلک عند عدم وجود قاضی مالکی خصوصافی دیار اکثر اصحابنا ماوراء النہر لا یکاد یوجد فیہا قاضی مالکی۔ اور اسی طرح علامہ شامی نے باب مفقود الخبر میں لکھا ہے پس ان روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حنفی المذہب عالم کو فتوی دینا غیر مذہب کے مسئلہ پر ضرورت کے وقت جب کہ اس مذہب کا کوئی عالم یا قاضی موجود نہ ہو، درست ہے پس مسئلہ مذکورہ فی السوال میں مذہب امام شافعی اور امام احمد بن حنبل پر عمل کیا گیا، اور اس ملک میں کوئی قاضی شافعی یا حنبلی موجود نہیں ہے، اس لئے ضرورۃ علمائے حنفیہ نے شافعی اور حنبلی مذہب کے مسئلے پر عمل کرنے کا فتوے دیا ہے، جیسا کہ علمائے حنفیہ سابقین نے ضرورت کے وقت غیر مذہب پر فتوی دیا ہے، چنانچہ جو شخص کہیں گم ہو جاوے اور اس کا پتہ کہیں نہ لگے، تو اس کی زوجہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علی اختلاف الاقوال نوے برس تک اپنے زوج کا انتظار کرے گی لیکن امام مالک کے نزدیک صرف چار برس انتظار کر کے عدت کے بعد نکاح کرلے، اور یہ مسئلہ اصول وفروع حنفیہ کے بالکل خلاف ہے لیکن ضرورت کے وقت میں اکابر علماء نے مثل علامہ قہستانی وصاحب جامع الرموز حنفی اور علامہ ابن عابدین حنفی اور علامہ سید احمد حنفی اور متاخرین علمائے حنفیہ میں مولوی عبدالحی مرحوم لکھنوی نے اس مسئلہ کے جواز کا فتوی دیا ہے اور اس پر عمل کیلئے ہے اور اسی طرح مسئلہ ممتدۃ الطہر میں کہ جو عورت ایک بار حائضہ ہوئی پھر اس کو طلاق دی گئی پھر دراز ہوگیا طہر اس کا، امام اعظم کے نزدیک ایسی مطلقہ ساٹھ ستر برس تک یعنی سن ایاس تک عدت میں ہی رہے گی لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف نو مہینے عدت گذار کر نکاح اپنا کرسکتی ہے اب اس مسئلہ پر عمل کرنا حنفی مذہب میں بالکل خلاف ہے لیکن ضرورت کے وقت میں اکابر علمائے حنفیہ نے مانند طحطاوی اور شامی، اور صاحب شرح زاہدیہ اور صاحب شرح وہبانیہ اور صاحب فتاوی بزازیہ وغیرہم نے امام مالک کے مذہب پر عمل کرنے کا فتوی دیا ہے، اور اس عمل کرنے کی نسبت یوں فرمایا ہے طحطاوی صفحہ ۲۱۷ واعلم ان الانتقاد بقول مالک ھو عین التقلید ولا نزاع فی جوازہ۔ اور اسی طرح مسئلہ قضاء علی الغائب کا ہے مثلا کوئی شخص مقروض قرض خواہوں کا

قرض نہ دے، اور کہیں چلا جائے، اور اس کا کچھ مال شہر میں موجود ہو، تو قرض خواہ لوگ نالش حاکم کے پاس کر کے اپنا حق اس مقروض کے مال سے امام صاحب کے نزدیک نہیں لے سکتے، کیونکہ قضا علی الغائب امام صاحب کے نزدیک بصحیح روایات سے نادرست ہے، مگر امام شافعی اور امام احمد اور امام مالک قضا علی الغائب کو درست اور صحیح فرماتے ہیں یعنی غیر موجود بغیر مطلع مدعا علیہ پر حاکم ڈگری کر سکتا ہے، مگر جب علمائے حنفیہ نے قضا علی الغائب پر ضرورت عمل کرنے بہت دیکھی، تو اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا، چنانچہ علامہ بدر الدین جامع الفصولین صفحہ ۲۰ جلد اول میں لکھتے ہیں۔ وکذا المدیون لو غاب عن البلد ولہ نقد فی البلد ونحو ذلک ففی مثل ھذہ المواضع لو برھن علی الغائب بحیث اطمئن القلب القاضی وغلب علی ظنہ انہ حق لا تزویر ولا حیلۃ فیہ فینبغی ان یحکم علی الغائب ولہ فکذا ینبغی للمفتی ان یفتی بجوازہ دفعا للحرج والضرورات وصیانۃ للحقوق عن الضیاع مع انہ مجتھد فیہ ذھب الی جوازہ الشافعی ومالک واحمد بن حنبل۔ پس ان روایات معتبرہ سے صاف ظاہر ہے، کہ حنفی مذہب میں ضرورت کے وقت غیر کے مذہب پر عمل کر لینا بالاتفاق جائز ہے۔ عن الرفع الی القاضی کان قال لا افسخ حتی تعطینی مالا استقلت بالفسخ للضرورۃ وینفذ ظاہرا وباطنا ثم رایت غیر واحد واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ راجا بہ محمد ابراہیم حنفی۔

ایسی حالت میں مسماۃ مذکورہ کو لازم ہے، کہ حاکم وقت یا سردار یا پنچ کے ذریعہ سے اپنی تفریق کی چارہ جوئی کرے، تاکہ وہ کماحقہ تحقیق کر کے تفریق کرا دیں، اور آئندہ کوئی موقع شر و فساد کا نہ رہے، واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح ایک لڑکے نابالغ سے کر دیا، جب دونوں بالغ ہوئے، تب معلوم ہوا، کہ وہ لڑکا ناقص العقل ہے، اپنی عورت پر ناحق ہر طرح سے ظلم و تعدی کرتا ہے، بلکہ یہاں تک کہ اپنی عورت کے ساتھ غیر مرد سے جبراً و قہراً زنا کرواتا ہے، اب وہ عورت بوجہ صعوبت ظلم و زنا

لہ اگر قاضی کے پاس وہ مقدمہ نہ لے جا سکتی ہو، کہ وہ کہے، کہ مجھے اتنا مال دو، تب تمہارا نکاح فسخ کروں گا تو ایسی صورت میں عورت خود اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے، اور یہ فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہو گا، اور بہت سے علماء کا یہی فیصلہ ہے ۱۲

اپنے نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ ہاں بے شک وہ عورت اپنے نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے جیسا کہ موطا شریف میں ہے۔ مالك انه بلغه عن سعيد بن المسيب انه قال ايما رجل تزوج امرأة وبه جنون او ضرر فانها تخير فان شاءت قرت وان شاءت فارقت یعنی سعید بن مسیب نے کہا کہ جو مرد کسی عورت سے نکاح کرے، اور اس مرد میں جنون ہو یا کوئی اور ضرر ہو، تو اس عورت کو اختیار ہے، چاہے اس کے پاس رہے چاہے اس سے مفارقت کرے یعنی اپنا نکاح فسخ کرلے، اس سے معلوم ہوا کہ جب مرد میں جنون ہو یا کوئی اور عیب ہو، جس کی وجہ سے عورت کا ضرر ہو، تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور صورت مسئولہ میں جب وہ لڑکا اتنا بڑا ناقص العقل ہے، کہ علاوہ ہر طرح کے ظلم و تعدی کرنے کے اپنی عورت کے ساتھ غیر مرد سے جبرًا و قہرًا زنا کرواتا ہے تو بلاشبہ وہ لڑکا نہایت معیوب ہے، اور اس کے اس عیب سے اس کی عورت کو نہایت درجہ کا ضرر دینی و دنیاوی ہے، لہٰذا اس کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ سید ابو الحسن عفی عنہ۔

ایسی صورت میں عورت کو لازم ہے، کہ حاکم وقت یا سردار یا پنچ کے ذریعہ سے اپنی تفریق کرالے سید محمد نذیر حسین سید محمد عبد السلام غفرلہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زینب کا شوہر مجنون ہے، گو جنون اس کا یکساں نہیں رہتا، گاہے افاقہ گاہے استشداد، مگر استشداد کی حالت میں اپنی زوجہ مسماۃ زینب کے قتل پر آمادہ ہو جاتا ہے، لہٰذا زینب بخوف ہلاکت جان اپنے والدین کے یہاں چلی آئی اب وہ اپنے شوہر کے یہاں جانے پر راضی نہیں ہوتی، تو طرفین کے لوگ فہمائش کرتے ہیں، مگر وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں عند الشرع کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں اگر شوہر کا جنون فی الواقع ایسا ہی ہے، کہ مسماۃ زینب کو اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہے، اور اس کے جنون کی وجہ سے اس کے ساتھ اس کا گذارہ نہیں ہوسکتا، تو زینب کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے، اپنا نکاح فسخ کرا کے جس مرد سے چاہے اپنا دوسرا نکاح کرے، موطا امام محمد میں ہے اخبرنا مالك اخبرنا

مجبور عن سعید بن المسیب انہ قال ایما رجل تزوج امراۃ وبہ جنون او ضرر فانہا تخیر ان شاءت قرت وان شاءت فارقت قال محمد اذا کان امرا لا یحتمل خیرت فان شاءت فارقت والا لا خیار لہا الا فی العنین والمجبوب[1] انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ

ایسی صورت میں حاکم وقت یا سردار یا پنچ کے ذریعہ سے تفریق ضروری ہے۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مرض جذام لاحق ہوگیا ہے اب اس کی زوجہ ہندہ اس کے پاس رہنا نہیں چاہتی خلع کرنا چاہتی ہے، تو زید خلع بھی نہیں کرتا اور نہ طلاق دیتا ہے، اس امر میں عند الشرع کوئی ایسی صورت ہے کہ زید اور ہندہ کے درمیان تفریق ہو جاوے، اور ہندہ دوسرے سے نکاح کرلے، اور تفریق کون کرے، اور کن کلمات سے تفریق کی جاوے، موافق کتاب و سنت مع اصل عبارت و ترجمہ اس کے بیان فرمایا جاوے، اور اللہ دے عنایت سوال و جواب بنگلہ میں بھی کرادیا جاوے، بینوا توجروا۔

الجواب: جب زید کی زوجہ زید کے جذام لاحق ہونے کی وجہ سے اس کے پاس رہنا نہیں چاہتی، اور خلع کرنا چاہتی ہے تو زید کو چاہیئے کہ خلع کرلے، یا یوں ہی طلاق دے دے، اور اگر زید خلع نہ کرے، اور نہ ہی طلاق دے تو اس کی زوجہ کو اس کے جذام لاحق ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے، شوہر کو جذام وغیرہ عیوب کے لاحق ہونے کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اس بارے میں اگرچہ کوئی حدیث مرفوع صحیح صریح نہیں ہے، لیکن ایک حدیث مرفوع سے اشارۃً یہ بات نکلتی ہے اور جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے، کہ عیوب کے لاحق ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح جائز ہے، گو ان میں باہم بابت تعیین عیوب اور بعض دیگر امور کے اختلاف ہے، منتقی الاخبار میں ہے۔ عن[2] جمیل بن زید قال حدثنی شیخ من الانصار ذکر انہ کانت لہ صحبۃ

[1] سعید بن مسیب نے کہا، جو آدمی کسی عورت سے نکاح کرے اور اس آدمی کو دیوانگی یا کوئی اور بیماری ہو، تو عورت کو اختیار دیا جائے گا، چاہے تو اس کے پاس رہے چاہے تو علیحدہ ہو جائے، امام محمد نے کہا اگر تندرستی کا احتمال نہ ہو، تو اسے اختیار ہے چاہے تو رہے، چاہے تو علیحدہ ہو جائے اگر احتمال ہو پھر اختیار نہیں ہے، ہاں ماسوا نامرد اور آلت کٹے ہونے سے ضرور اختیار ہے۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار

یقال لہ کعب بن زید او زید بن کعب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوج امرأۃ من بنی غفار فلما دخل علیہا فوضع ثوبہ وقعد علی الفراش ابصر بکشحہا بیاضا فانحاز عن الفراش ثم قال خذی علیک ثیابک ولم یاخذ مما اتاہا شیئا رواہ احمد وروا ہ سعید فی سننہ وقال عن زید بن کعب بن عجرۃ ولم یشک وعن عمر انہ قال ایما امرأۃ غر بہا رجل بہا جنون اوجذام او برص فلہا مہرہا بما اصاب منہا وصداق الرجل علی من غرہ رواہ مالک فی الموطا والدار قطنی وفی لفظ فقضی عمر فی البرصاء والجذماء والمجنونۃ اذا دخل بہا فرق بینہما والصداق بہا بمسیسہ ایاہا وھولہ علی ولیہا رواہ الدارقطنی ۔ قاضی شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں وقد استدل بحدیثی الباب علی ان البرص والجنون والجذام عیوب یفسخ بہا النکاح ولکن حدیث کعب لیس بصریح فی الفسخ لان قولہ خذی علیک ثیابک وفی روایۃ الحقی باھلک یمکن ان یکون کنایۃ عن الطلاق وقد ذھب جمہور اھل العلم من الصحابۃ والتابعین فمن بعدھم الی انہ یفسخ النکاح بالعیوب وان اختلفوا فی تفاصیل ذلک وفی تعیین العیوب التی یفسخ بہا النکاح وقد روی عن علی وعمر وابن عباس لا ترد النساء الا باربعۃ عیوب الجنون والجذام والبرص

کی ایک عورت سے نکاح کیا، آپ اس کے پاس گئے، تو صحبت کے وقت اس کے پہلو پر برص کے داغ دیکھے آپ اٹھ بیٹھے، اور فرمایا اپنے کپڑے پہن لے، اور جو حق مہر اس کو دیا تھا، وہ واپس نہ لیا (مسند احمد) حضرت عمر نے فرمایا جس عورت کے متعلق کوئی دھوکا دے کر کسی سے نکاح کرا دے، اور وہ عورت دیوانی یا کوڑھی یا برص والی ہو تو اس کو حق مہر ملے گا، اور حق مہر کی رقم اس آدمی سے وصول کی جائے گی جس نے دھوکے سے نکاح کرایا (دار قطنی) ان دونوں حدیثوں سے استدلال کیا گیا ہے، کہ پھل بہری، جنون اور کوڑھ ایسے عیب ہیں جن سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے، لیکن پہلی حدیث فسخ میں صریح نہیں ہے، کیونکہ اپنے کپڑے پہن لے اور ایک روایت میں ہے، کہ "اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا" ہو سکتا ہے، کہ یہ طلاق سے کنایہ ہو، جمہور اہل علم صحابہ اور تابعین اور بعد کے لوگ اس بات کے قائل ہیں، کہ عیب سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے، اگرچہ اس کی تفصیل اور عیوب کی تعیین میں اختلاف ہے، جن سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے، حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کا قول ہے، کہ چار عیوب ہیں، جن سے عورت کو چھوڑا جا سکتا ہے، دیوانگی، کوڑھ، پھلبہری اور شرمگاہ کی بیماری، اور مرد پہلی تینوں میں شریک ہے۔"

والداء فی الفرج والرجل یشارکہ المرأۃ فی الجنون والجذام والبرص انتہی۔ اور میزان شعرانی میں ہے۔ واعلم یا اخی ان العیوب المثبتۃ للخیار تسعۃ اشیاء ثلاثۃ تشترک فیہا الرجال والنساء وھی الجنون والجذام والبرص انتہی۔ خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں زید اگر اپنی زوجہ ہندہ سے خلع کرے یا طلاق دے دے فبہا ورنہ ہندہ کو بذریعہ حکم فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ عین الدین عفی عنہ۔

ایسی صورت میں حاکم وقت یا سردار یا پنچ کے ذریعہ سے تفریق لازم ہے،

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ یتیم کا نکاح اس کے چچا حقیقی نے اپنی ولایت سے بلا مرضی نابالغہ اور بلا مرضی والدہ نابالغہ کے کر دیا تھا، پھر عرصہ دو تین ماہ کے بعد وہ لڑکی نابالغہ بلوغت کو پہنچ گئی، یعنی علامت بلوغت کی ظاہر ہوئی، اسی وقت لڑکی نے اس نکاح سے قطعی انکار کیا بلکہ اسی روز اس لڑکے کو اور اس کے والد کو بھی انکاری نوٹس دے دیا کہ مجھے اس نکاح سے انکار ہے، سو اب خدا اور رسول کے نزدیک یہ نکاح قائم رہا یا ٹوٹ گیا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں یہ نکاح ٹوٹ گیا، ہدایہ میں ہے۔ وان زوجہا غیر الاب والجد فلکل واحد منہما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ انتہی درمختار میں ہے۔ وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان بکفو وبمہر المثل صح ولکن لہما الخیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

الجواب صحیح:۔ ابو الحسن عفی عنہ

فقیر محمد حسین

لہ وہ عیوب جن سے خیار ثابت ہوتا ہے نو ہیں، تین میں عورت اور مرد شریک ہیں، یعنی دیوانگی، کوڑھ، برص۔

۲ہ اگر باپ اور دادا کے سوا کوئی اور نکاح کرے، تو بلوغت کے بعد ہر ایک کو اختیار ہے، چاہیں تو نکاح قائم رکھیں، اور چاہیں تو فسخ کر دیں، اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی اور غیر کفو میں نکاح کر دے، یا غبن فاحش سے تو وہ صحیح نہیں ہوگا، اور اگر کفو اور مہر مثل سے ہو تو صحیح ہے لیکن بلوغت یا علم کے بعد ان کو اختیار باقی رہے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ صورت مرقومہ میں یہ نکاح ٹوٹ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیمہ کے نکاح کو جو چچا حقیقی وصی باپ نے کردیا تھا قائم نہیں رکھا بلکہ اس کے ٹوٹنے کا حکم فرمایا، یہ فیصلہ صحیح سچے راویوں کے بیان سے مسند احمد اور دارقطنی اور منتقی الاخبار اور تلخیص الجبیر اور مجمع الزوائد میں موجود ہے۔ عن[1] ابن عمر قال توفی عثمان بن مظعون وترک ابنته له من خولة بنت حکیم بن امیة بن حارثة بن الاوقص واوصی الی اخیه قدامة بن مظعون قال عبد اللہ وهما خالای فخطبت الی قدامة ابن مظعون ابنة عثمان بن مظعون فزوجنیها ودخل المغیرة بن شعبة یعنی الی امها فارغبها فی المال فحطت الیه وحطت الجاریة الی هوی امها فابتا حتی ارتفع امرهما الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال قدامة بن مظعون یا رسول اللہ ابنة اخی اوصی بها الی فزوجتها ابن عمتها فلم اقصر بها فی الصلاح ولا فی الکفاءة ولکنها امرأة وانما حطت الی هوی امها قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هی یتیمة ولا تنکح الا باذنها قال فانتزعت واللہ منی بعد ان ملکتها فزوجها المغیرة بن شعبة رواه احمد والدارقطنی وهو دلیل علی ان الیتیمة لا یجبرها وصی ولا غیره کذا فی المنتقی الاخبار۔

حررہ عبد الوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

الجواب صحیح۔ سید ابوالحسن

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ جنت بنت حبیب اللہ

---

[1] عبداللہ بن عمر کہتے ہیں، کہ عثمان بن مظعون نے مرتے وقت اپنے بھائی قدامہ بن مظعون کو اپنی لڑکی کے متعلق وصیت کی، اور یہ دونوں میرے ماموں تھے، میں نے قدامہ کو اس لڑکی سے شادی کا پیغام دیا، اس نے مجھ سے نکاح کر دیا، اور مغیرہ بن شعبہ نے اس لڑکی کی ماں کو روپے کا لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیا، اور پھر اس کی لڑکی بھی ماں کی طرفدار ہو گئی، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا، اور قدامہ نے بیان دیا کہ واقعی میں نے اس کا نکاح اپنے بھانجے سے کردیا، میں نے صلاح میں کوتاہی نہیں کی، اور غیر کفو میں شادی نہیں کی، لیکن وہ لڑکی اپنی ماں کے پیچھے لگ گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ یتیم لڑکی ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم وہ مجھ سے چھین لی گئی، اور مغیرہ بن شعبہ سے اس کا نکاح ہو گیا احمد اور دارقطنی نے اسے روایت کیا ہے، اس حدیث میں دلیل ہے، کہ یتیم لڑکی کو نہ وصی نکاح پر مجبور کر سکتا ہے نہ کوئی دوسرا ۱۲

اپنے خاوند مسمی شبلی سے طلاق چاہتی ہے زوج مساۃ مذکور فالج گرنے کی وجہ سے رجولیت ومردمیت سے جاتا رہا، ایسی صورت میں مطابق حکم خدا و رسول فتوے دیجئے، اور فرمایئے کہ اگر ایسا شخص خوشی سے طلاق نہ دیوے، تو شریعت کا کیا حکم ہے، زنا میں واقع ہوجانا کچھ مستبعد نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے، اگر زوج طلاق نہ دیوے، تو حاکم کے یہاں مرافعہ کرکے یا طلاق دلوے، یا حاکم خود بنفسہ دونوں کے درمیان فسخ نکاح کردیوے یعنی تفریق کرادیوے، پھر بعد گزرنے عدت کے عورت بلا ولیہ ولی کے اپنا نکاح کسی اور مرد سے کرلیوے، جب بوجہ اعسار نفقہ کے حکم فسخ نکاح کا دیا جاتا ہے تو زنا سے بچنا امر ضروری ہے، اور مضرت اخروی سے بچنا امر اہم ہے، جمہور علمانے بوجہ اعسار نفقہ کے آیت کریمہ ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا سے فسخ نکاح ثابت کیا ہے، علی ہذا القیاس اس صورت میں اجازت فسخ نکاح حاصل ہے۔ وقد ذھب جمھور اھل العلم من الصحابۃ فمن بعدھم الی انہ یفسخ النکاح بالعیوب وقد روی عن علی وعمر وابن عباس انھا لا ترد النساء الا باربعۃ عیوب الجنون والجذام والبرص والداء فی الفرج والرجل یشارک المرأۃ فی الجنون والجذام والبرص وتفسخہ المرأۃ بالجب والعنۃ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔　　حررہ عبدہ احمد عفی عنہ

الجواب صحیح۔ محمد بشیر عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید حنفی کا نکاح مساۃ ہندہ سے شہادت فاسقین کے ہوا تھا، بعدازاں ناگاہ زید نے زوجہ اپنی کو طلاق مغلظہ دے دی، پھر رجوع کیا طرف مفتی یا قاضی شافعی المذہب کے، تو شافعی قاضی نے نکاح زید مذکور کا بسبب شہادت فاسق کے باطل کردیا، اور ازسر نو نکاح زید کا ہندہ سے کرادیا، تو یہ نکاح زید حنفی کا درست ہوگیا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ نکاح زید حنفی کا بعد طلاق مغلظہ کے نزدیک امام اعظم

لہ جمہور اہل علم صحابہ اور تابعین اور بعد کے لوگوں کا مذہب ہے کہ عیب کی وجہ سے عورت کو چھوڑا جاسکتا ہے، حضرت علی، عمر، ابن عباس سے روایت ہے، کہ چار عیب سے عورت کو چھوڑا جاسکتا ہے دیوانگی کوڑھ، برص اور فرج کی بیماری، اور مرد پہلی تینوں میں شریک ہے، اور مرد اگر نامرد ہو یا اس کی آلت کٹی ہوئی ہو تو بھی عورت نکاح فسخ کراسکتی ہے

وصاحبین کے صحیح نہ ہوگا، مگر بعد حلالہ کے اس واسطے کہ نکاح سابق زید کا بشہادت فاسقین درست ہو گیا تھا۔ کذا یفہم من الکنز وغیرہ ھو عقد یرد علی ملک المتعۃ قصدا عند حرین او حر وحرتین عاقلین بالغین ولو فاسقین او محدودین الخ انتہی واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ احقر المجیب عبد الحمید

ھذا الجواب غیر صحیح علی الاصح علی مذھب الحنفیہ۔ محمد صدر الدین عفی عنہ

سید محمد ہاشم

خادم العلماء محمد صدیق پیشوری می گوید، کہ آنچہ مجیب در صورت خاص چنانچہ در سوال مذکور است، نکاح زید حنفی را ناجائز نوشتہ وگفتہ کہ کذا یفہم من الکنز وغیرہ از پایہ اعتبار واعتماد ساقط است ما دامیکہ تصحیح نقل از کنز وغیرہ در صورت مسئول عنہا نہ کند، بلکہ اشباہ ونظائر این صورت مستفسرہ بر جواز ہمچو نکاح مذکور بحکم قاضی شافعی المذہب بلکہ بحکم قاضی حنفی المذہب نیز در بحر رائق وفتاوی عالمگیری وطحطاوی وفصول عمادی وجامع الرموز وغیرہ ناطق است کما لا یخفی علی جامع الشتات من الروایات وعجب است از صاحبان مواہیر کہ بلا تحقیق وبدون مراجعت بسوئے کتب مطولات حنفیہ بنا بر اعتماد مجیب مُہر کردند، ودر مغلطہ افتادند بشنوید آنچہ از کتب معتبرہ حنفیہ می نگارم وپیش شمامی آرم، نعم ماقیل ؎

چنیں زد مثل پیر دانندگان کہ چو نندگانند یا بندگان!

در فتاوی عالمگیری می نویسد۔ ذکر فی مجموع النوازل شیخ الاسلام عطاء بن حمزۃ عن اب الصغیرۃ زوجھا من صغیر وقبل ابوہ وکبر الصغیران وبینھما غیبۃ منقطعۃ وقد

لے وہ عقد ہے، جو ملک متعہ پر وارد ہوتا ہے، قصداً جب کہ دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد، اور دو آزاد عورتیں عاقل اور بالغ موجود ہوں، اگرچہ وہ فاسق ہوں، اور ان پر حد لگ چکی ہو۔ ۲ے مجیب اول نے زید حنفی کے نکاح کو بحوالہ کنز ناجائز کہا ہے، جب تک اس کی تصحیح کنز وغیرہ سے نہ ہو، یہ جواب درست نہیں ہے شافعی المذہب تو کجا خود حنفی مذہب کی کتابوں سے بھی یہ نکاح جائز معلوم ہوتا ہے، اور دستخط کرنے والوں سے بھی تعجب ہے، کہ انہوں نے صرف مجیب کے اعتماد پر دستخط کر دیئے ہیں، اور صورت حال پر غور نہیں کیا، صحیح صورت یہ ہے، جو میں حنفی مذہب کی کتابوں سے پیش کرتا ہوں، فتاوی عالمگیری میں ہے، مجموع النوازل میں ہے، کہ شیخ الاسلام عطاء بن ابی حمزہ سے سوال کیا گیا" چھوٹی لڑکی کے باپ نے چھوٹے لڑکے سے نکاح

کان التزویج بشہادۃ الفسقۃ ہل یجوز للقاضی ان یبعث الی شافعی المذہب یبطل ہذا النکاح بسبب انہ کان بشہادۃ الفسقۃ قال نعم وللقاضی الحنفی ان یفعل ذلک بنفسہ اخذا بہذا المذہب وان لم یکن مذہبہ وہی مسئلۃ القضاء علی خلاف مذہبہ وکذا فی النکاح بغیر ولی لو طلقہا ثلاثا ثم تزوجہا قبل دخول الزوج المحلل اذا قضی بصحۃ ہذا النکاح وان لا یقع الطلاق اخذا بقول محمد رحمۃ اللہ علیہ قال نجم الدین کان استاذی لا یری ذلک ولکن لو بعث الی شافعی المذہب یعقد بینہما ویقضی بالصحۃ یجوز اذا لم یاخذ الکاتب والمکتوب الیہ فیہ شیئا وبہذا القضاء لا یظہر ان النکاح الاول حراما وفیہ شبہۃ وہکذا ذکر فی فتاوی النسفی انتہی ما فی العالمگیریۃ وہکذا فی البحر الرائق والطحطاوی والفصول العمادیۃ وجامع الرموز من شاء فلیراجع الیہا واللہ اعلم بالصواب

حررہ الفقیر محمد صدیق اذاقہ اللہ حلاوۃ التحقیق

ہذا الجواب صحیح وحق والجواب الاول غیر صحیح عند اولی الالباب واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۷۷

مسئلہ:۔ معلوم کرنا چاہیئے، کہ فی زماننا عورتوں اہل کتاب یعنی یہود و نصاری سے اس حال میں کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں عقد نکاح مسلمانوں کا ان سے جائز ہے اور نیز وطی درست ہے، مگر نکاح نہ کرنا اولے ہے، اور جواز میں کچھ کلام نہیں جیسا کہ تنویر

کیا اور اس کے باپ نے قبول کیا، اور وہ دونوں لڑکی لڑکا غائب تھے، اور نکاح فاسق گواہوں کی شہادت سے ہوا کیا قاضی کو جائز ہے، کہ اس نکاح کو فسخ کرنے کے لئے کسی شافعی المذہب قاضی کے پاس مقدمہ بھیج دے اس نے کہا ہاں! خود حنفی قاضی بھی اس کو فسخ کر سکتا، اگرچہ اس کا اپنا مذہب نہ ہو، کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنے پر ہے، اسی طرح اگر کوئی بغیر ولی کے نکاح ہوا ہو، اور مرد عورت کو تین طلاق دے دے، پھر حلالہ والے آدمی کے دخول سے پہلے اس سے نکاح کرلے، جب کہ وہ اس نکاح کی صحت کو تسلیم کرے، اور طلاق امام محمد کے قول پر واقع نہ ہو تو نجم الدین نے کہا، کہ میرے استاذ کی یہ رائے نہیں تھی لیکن اگر شافعی المذہب کے پاس بھیج دے، اور وہ صحت کا فیصلہ کر دے، تو صحیح ہے، اور اس قضا سے یہ ظاہر نہیں ہوتا، کہ پہلا نکاح حرام تھا، یا اس میں کوئی شبہ تھا۔

الا بصار و در مختار میں مذکور ہے و صح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیہا مؤمنۃ بنبی مرسلۃ مقرۃ بکتاب منزل وان اعتقدوا المسیح الٰہا کذا فی تنویر الابصار والدر المختار قولہ وصح نکاح کتابیۃ اطلقہا فشمل الحربیۃ والذمیۃ والحرۃ والامۃ بحر لقولہ تعالٰی والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم عطفا علی الطیبات من قولہ تعالی الیوم احل لکم الطیبات والمحصنات الحرائر والعفائف عن الزنا وصح ان حذیفۃ بن الیمان تزوج یہودیۃ وکذا کعب بن مالک وان تزوج الکتابیۃ علی المسلمۃ او المسلمۃ علی الکتابیۃ جاز والقسم بینہما علی السواء لان جواز النکاح یبتنی علی الحل الذی بہ صارت المرأۃ محلا للنکاح ابو السعود رحمہ اللہ علیہ قولہ وان کرہ تنزیہا ای سواء کانت ذمیۃ او حربیۃ قال فی البحر والاولی ان لا تتزوج کتابیۃ ولا یاکل ذبائحہم الخ والظاہر انہا کراہۃ تنزیہیۃ لان التحریمیۃ لابد لہا من نہی او ما فی معناہ لانہا فی رتبۃ الواجب قولہ مؤمنۃ بنبی الخ تفسیر للکتابیۃ لا تقیید اھ قولہ مقرۃ بکتاب ای کتاب کان ولذا قال فی التبیین ثم کل من یعتقد دینا سماویا ولہ کتاب منزل کصحف ابراہیم وشیث وزبور داؤد فہو من اہل الکتاب فتجوز مناکحتہم واکل ذبائحہم کذا فی الطحطاوی یجوز للمسلم نکاح الکتابیۃ وکذا الصابیۃ عند ابی حنیفۃ الا اذا کانت تعبد الکواکب کذا فی الفتاوی السراجیۃ ویجوز تزویج الکتابیات لقولہ تعالی والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ای العفائف ولا فرق بین الکتابیۃ الحرۃ والامۃ علی ما

لہ کتابی عورت سے نکاح درست ہے، اگرچہ وہ مکروہ تنزیہی ہے، بشرطیکہ وہ کسی نبی پر ایمان رکھتی ہو اور کسی آسمانی کتاب کو پڑھتی ہو، اگرچہ وہ مسیح کو خدا مانتی ہو، کتابی عورت خواہ حربی ہو یا ذمی، آزاد ہو یا لونڈی، اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے، تم سے پہلے کتاب والوں کی عورتیں پاک باز ہوں تو تمہارے لئے حلال ہیں، حذیفہ بن الیمان اور کعب بن مالک نے یہودی عورت سے نکاح کر رکھا تھا، اگر کتابی عورت سے مسلمان عورت کے بعد نکاح کرے، یا اس کے برعکس تو ان میں تقسیم برابر ہوگی، کیونکہ نکاح جائز ہونے کی وجہ عورت کا محل نکاح ہونا ہے لیکن بہتر یہ ہے، کہ کتابی عورت سے نکاح نہ کرے اور نہ ان کا ذبیحہ کھائے اور اگر نکاح کرے یا ان کا ذبیحہ کھائے، تو جائز ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک صابی (لامذہب) عورت سے بھی نکاح جائز ہے، بشرطیکہ وہ ستاروں کی پوجا نہ کرتی ہو ۱۲

نبین انشاء اللہ تعالیٰ کن انی الیھد ایتر وغیرھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال: شخصے بہ فریب خود را بہ لباس اہل سنت وا نمودہ سنیہ را بہ نکاح خود آوردہ زن چون بر واقع مطلع گشت و رفض مرد بر آن ظاہر گردید از صحبت آن نفرت کرد پس زن مالک امر خود است یا نہ؟

الجواب: در صورت مرقومہ چون زن بر خلاف آنچہ او ظاہر کردہ مطلع شد اختیار می دارد و مالک امر خود ہست۔ قال الحصکفی فی الدر قلت وافاد البھنسی انھا لو تزوجتہ علی انہ حر او سنی او قادر علی المھر والنفقۃ فبان بخلافہ او علی انہ فلان بن فلان فاذا ھو لقیط او ابن زنا کان لھا الخیار فلیحفظ انتہی واللہ اعلم۔ اجاب بذلک محمد محفوظ اللہ من احفاد القاضی محمد ثناء اللہ الپانی پتی،

جواب صحیح است، زیرا کہ ناکح شخص مذکور کہ بیان مذہب اہل سنت کردہ، در معرض شرط واقع شدہ، وہرگاہ شرط مفقود گردید زن را خیار ثابت گشت اذا فات الشرط فات المشروط کما لا یخفی علی ماہر الشریعۃ الغراء۔

موا ہیر این ہر چہار کس بر جواب استفتا بودند۔

محمد عبد الرب سید محمد نذیر حسین عبدہ محمد قطب الدین خان محمد لطف اللہ

جواب اول مطابق سوال نیست، چہ سائل سوال از ین امر نمی ساند، کہ آیا نکاح سنیہ از رافضی جائز شد یا نہ، بلکہ آن مالک امر خود است، و مجیب در جواب

سوال۔ ایک آدمی نے فریب دیا اور اپنے آپ کو سنی مذہب ظاہر کر کے ایک سنی عورت سے نکاح کر لیا، جب عورت کو معلوم ہوا، کہ یہ شیعہ ہے تو اس سے نفرت کرنے لگی، کیا عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے، یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں عورت کو اختیار ہے، در مختار میں ہے، کہ اگر مرد نے جتایا کہ وہ آزاد ہے یا سنی ہے یا حق مہر دے سکتا ہے، یا خرچ پورا کر سکتا ہے، اور اس کے خلاف ثابت ہو سکتا ہے انشلاوہ حرامزادہ نکلا تو عورت کو اختیار ہوگا۔

یہ جواب صحیح ہے، کیونکہ ناکح نے اپنے آپ کو سنی قرار دیا ہوا اس کا یہ جملہ نکاح کے لئے شرط تھا، جب شرط مفقود ہو گئی۔ تو مشروط بھی ختم ہو گیا۔

آن اگرچہ حکم مالک شدن زن امر خود را داده مگر عبارت درمختار مطابق آن نا افتاده زیرا کہ معنے کان لها الخیار این کہ آن زن را اختیار تفریق است، کہ نزد حاکم مرافعہ کردہ مفارقت سازد دوم چنین عبارت در ہمین معنی مستعمل می شود، نہ این کہ نکاحش نافذ نیست وجواب دوم غلط است چہ قاعدہ اذا فات الشرط فات المشروط در معاملات است نہ در نکاح، علامہ عبدالمولی دمیاطی تلمیذ طحطاوی در تعلیق الانوار می نویسد۔ قولہ لها الخیار فیہ ان ما ذکر شرط لا یقتضیه العقد فیصح النکاح ویبطل الشرط لان النکاح مما لا یبطل بالشروط الفاسدة وان قلنا ان الزوج عار فالغرور لا یوجب الرجوع الا فی ضمن عقد معاوضۃ او عقد یرجع نفعہ الی العاقد کما ذکروہ انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالحی عفا اللہ عنہ۔

ھو الملھم للحق: بر ارباب فطانت مخفی نماند کہ بر جواب اول وثانی اعتراض معترض نیست مگر بناء علی الغفلۃ، یا آنکہ بمقابلہ جواب سند المحدثین شیخ الکل حضرت سید محمد نذیر حسین رحمہ اللہ تعالی لب اعتراض کشودن باعث فخر ومباہات شمرد، وگرنہ جواب اول عین مطابق سوال است، وجواب ثانی سراسر صواب، ووجہ دوم جواب ثالث کہ معترض آن را صحیح گفتہ بہ صحیح ومطابق سوال میتوان شد، مگر آن کہ جواب اول یا جواب ثانی باین وجہ منضم وملحق گردانیدہ شود، والا این وجہ در جواب سوال مذکور محض ناکافی و

پہلا جواب سوال کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ سوال یہ نہیں، کہ سنی کا نکاح شیعہ سے جائز ہے یا نہیں بلکہ سوال اختیار کا ہے، اور مجیب نے اگرچہ درمختار کی عبارت کے ضمن میں اختیار کا لفظ لکھا ہے، لیکن درمختار کی یہ عبارت یہاں صحیح نہیں بیٹھتی، کہ عورت مقدمہ کر کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور دوسرا جواب غلط ہے اس لئے کہ شرط مشروط معاملات میں ہوتے ہیں نہ کہ نکاح وغیرہ میں، دمیاطی نے لکھا ہے، اگر نکاح میں ایسی شرط لگائے کہ جو نکاح کے مخالف ہو تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں پڑتا۔

اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ جواب اول ودوم پر معترض کا اعتراض غفلت کی بنا پر ہے، یا شاید یہ مقصد ہو کہ میں سید نذیر حسین پر اعتراض کروں، اور اس سے فخر مقصود ہو، ورنہ جواب اول عین مطابق سوال ہے، اور جواب ثانی بالکل درست ہے، اور تیسرے جواب کی دوسری وجہ کہ جس کو معترض نے صحیح کہا ہے، وہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی، جب تک کہ جواب اول ودوم کو صحیح نہ تسلیم کر لیا جائے، ورنہ جواب

بے معنی خواہد شد، تحقیقش این است، کہ سائل می پرسد کہ شخصے بفریب خود را بلباس اہل سنت وانمودہ سنیہ را بنکاح خود آوردہ زن چون بر واقعہ مطلع گشت و رفض مرد برآن ظاہر گردید از صحبت آن نفرت کرد پس زن مالک امر خود است یا نہ یعنی زن اختیار فسخ نکاح بای وجہ من الوجوہ دارد یا نہ کما ہو متبادر من لفظ السوال پس مجیب اول جواب داد کہ زن اختیار می دارد و مالک امر خود ہست، این جواب را معترض غیر مطابق سوال قرار داد، فیا للعجب اکہ سائل می پرسد کہ زن مالک امر خود است، یا نہ، ومجیب گوید زن مالک امر خود است، پس چہ جواب اصرح ومطابق سوال وبہتر ازین جواب خواہد گشت، چنانچہ معترض خود این جواب را اول غیر مطابق سوال گفتہ باز می گوید کہ مجیب در جواب آن اگرچہ حکم مالک شدن آن امر خود را دادہ مگر عبارت درمختار مطابق آن نہ افتادہ الخ ازین جا معلوم شد کہ اعتراض عدم تطابق میان سوال وجواب غیر واقع است، اما این ایراد کہ عبارت درمختار مطابق آن نہ افتادہ عجیب تر از اعتراض سابق است، ودر تحیر افگند کہ از امثال معترض این چنین اعتراضات چہ وچگونہ، زیرا کہ عبارت درمختار را نہا لو تزوجتہ علی انہ حر او سنی او قادر علی المہر او النفقۃ فبان بخلافہ او علی انہ فلان بن فلان فاذا ہو لقیط او ابن زنا کان لہا الخیار انتہی۔ دلیل صریح است بر جواب مجیب، کہ زن اختیار فسخ نکاح دارد ومالک امر خود ہست، اما معنی قولہ لہا الخیار این کہ زن را اختیار تفریق است، کہ نزد حاکم مرافعہ کردہ مفارقت سازد، چنانچہ معترض بیان کردہ، واین ادعا کہ ہم چنین عبارت در ہمین معنی مستعمل می شود بدو وجہ مخدوش است، اولا

سوال مذکور میں یہ وجہ محض ناکافی اور بے معنی ہوگی، سوال یہ ہے، کہ ایک آدمی نے فریب سے اپنے آپ کو سنی المذہب ظاہر کیا، اور سنی عورت سے نکاح کر لیا، عورت جب اس کے شیعہ ہونے پر مطلع ہوئی تو اس کو نفرت ہوگئی، کیا اس کو فسخ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں؟ پس مجیب اول نے جواب دیا کہ عورت کو اختیار ہے، اس جواب کو معترض سوال کے مطابق نہیں سمجھتا، بڑے تعجب کی بات ہے، کہ سائل پوچھتا ہے اس کو اختیار ہے یا نہیں اور مجیب کہتا ہے، اس کو اختیار ہے، اس سے زیادہ واضح اور مطابق سوال کیا جواب ہوسکتا ہے، چنانچہ معترض نے خود بھی اس کو تسلیم کیا ہے، اور کہا ہے، کہ درمختار کی عبارت اس کے مطابق نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ سوال وجواب کی عدم مطابقت کا اعتراض بالکل بے جا ہے، اور یہ بیان کہ درمختار کی عبارت مطابق سوال واقع نہیں ہے، یہ پہلے اعتراض سے بھی زیادہ عجیب ہے، اور حیرت

این کہ جملہ لہا الخیار عام است پس تخصیص آن بہ اختیار تفریق بایں ہیچ کہ نزد حاکم مرافعہ کردہ مفارقت سازد ترجیح بلا مرجح است و تخصیص بلا مخصص ثانیاً علامہ ابن عابدین در رد المحتار علی الدر المختار تحت قولہ لہا الخیار می گوید ونقلنا عن الظہیریۃ لو انتسب الزوج لہا نسبا غیر نسبہ فان ظہر دونہ وہو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت للکل وان کان کفوا فحق الفسخ لہا دون الاولیاء وان کان ظہر فوق ما اخبر فلا فسخ لاحد الخ پس معلوم شد کہ این جا مراد از اختیار اختیار فسخ است چنانکہ مجیب استدلال گرفتہ و علی سبیل التنزل اگر تسلیم کردہ شود کہ معنی فلہا الخیار ہمون است کہ زن را اختیار تفریق است کہ نزد حاکم مرافعہ کردہ مفارقت سازد چنانکہ معترض گفتہ تاہم مجیب را ازین استدلال کردن صحیح است چہ سوال این است کہ درین صورت زن را در امر خود اختیارے ہست یا نہ و مجیب جواب داد کہ زن را اختیار ہست و مالک امر خود است و ازین عبارت ہم چنین مالک شدن زن در امر خود ظاہر می شود عام ازین کہ بمرافعہ نزد حاکم شود یا بہ ہیچ کہ اتفاق افتد این بود تحقیق جواب اول واما جواب ثانی کہ بمنزلہ دلیل است بر جواب اول معترض آن را غلط قرار دادہ بر بنار قول علامہ عبد المولی دمیاطی و گفت کہ قاعدہ اذا فات الشرط فات المشروط در معاملات است نہ در نکاح حالانکہ این کلیہ در تمامی معاملات دنیا و دین نافذ است چہ بیوع و چہ عتق و چہ

ہوتی ہے کہ معترض ایسے اعتراض کیسے کرتا ہے کیونکہ در مختار کی عبارت یہ ہے کہ اگر عورت نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ آزاد ہے یا سنی ہے یا مہر اور نفقہ دینے پر قادر ہے پھر اس کے برخلاف ظاہر ہوا کہ فلاں بن فلاں ہے یا حرامزادہ ہے تو اس کو اختیار ہے یہ صریح دلیل ہے کہ مجیب کے جواب پر کہ عورت فسخ نکاح کا اختیار رکھتی ہے اور معترض نے جو فسخ نکاح کے لئے صورت مرافعہ حاکم کی بیان کی ہے دو وجہ سے مخدوش ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ "اس کو اختیار ہے" کے الفاظ عام ہیں خواہ حاکم سے فسخ کرائے یا خود فسخ کرے اس کو پہلے معنی کے ساتھ کرنا تخصیص بلا مخصص ہے اور ترجیح بلا مرجح ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں لکھا ہے کہ اگر مرد اپنا نسب غلط بیان کرے اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کفو نہیں ہے تو ہر ایک کو فسخ نکاح کا اختیار ہے اور اگر کفو ہو تو صرف عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے دوسروں کو نہیں اور اگر اس کے بیان سے وہ اچھا ثابت ہو تو کسی کو بھی اختیار نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ اس جگہ اختیار سے مراد اختیار فسخ ہے جیسا کہ مجیب نے استدلال کیا ہے اور

نکاح وغیر ذلک حتی کہ در مبایعت علی الاسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر جریر بن عبد اللہ شرط نمودہ کہ النصح لکل مسلم رواہ البخاری لیکن در لفوذ و لزوم شرط و از بطلان آن باطل گشتن مشروط اصلی است و آن این کہ ہر شرطے کہ صحیح بود یعنی مشروط بر قواعد و اصول شرعیہ آن شرط نافذ و لازم است و از فوت آن فوت مشروط لازم آید و ہر شرطے کہ فاسد بود و بر قواعد و اصول شرعیہ صحیح نباشد آن شرط نافذ و لازم نیست و از فوت آن فوت مشروط لازم نہ آمد عام ازیں کہ در نکاح باشد یا غیر آن پس جملہ شروط کہ صحیح باشد در نکاح نیز نافذ خواہد شد و ہم چنین اشتراط در امر نکاح ہم صحیح است چنانکہ در دیگر معاملات کما روی البخاری عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج انتہی وقال عمر ان مقاطع الحقوق عند الشروط ولک ما شرطت اخرجہ البخاری وقال العینی فی شرح البخاری تحت باب الشروط فی النکاح ای ہذا باب فی بیان الشروط التی تشترط فی عقد النکاح وہی علی انواع منہا ما یجب الوفاء بہ کحسن العشرۃ ومنہا ما لا یلزم کسوال طلاق اختہا ومنہا ما ہو مختلف فیہ مثل ان لا یتزوج علیہا وقال ابن الہمام فی فتح القدیر فی فصل الکفاءۃ فی النکاح۔ واذا

اگر بالفرض معترض کے اعتراض کو تسلیم بھی کر لیا جائے، کہ خیار کا معنی وہی ہے، جو اس نے بیان کیا ہے تو پھر بھی مجیب کو حق ہے، کہ اس سے استدلال کرے، کیونکہ سوال یہ ہے، کہ عورت کو اختیار ہے یا نہیں تو مجیب نے اس کا جواب دیا ہے، کہ عورت کو اختیار ہے، خواہ وہ خود فسخ کرے یا حاکم سے فسخ کرائے اور جواب ثانی جو کہ جواب اول کے لئے بطور دلیل ہے، معترض نے اس کو دمیاطی کے قول پر غلط قرار دیا ہے اور کہا ہے، کہ جملہ "اذا فات الشرط فات المشروط" (جب شرط فوت ہو جائے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے) صحیح نہیں، کیونکہ شرط معاملات میں ہوتی ہے نہ کہ نکاح میں، حالانکہ یہ کلیہ تمام معاملات دینی و دنیاوی میں نافذ ہے بیع ہو یا آزادی یا نکاح، حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت میں بھی، جریر بن عبد اللہ سے آپ نے شرط لی تھی، کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا، اس میں اگر کوئی شرط ہے، تو وہ صرف یہ ہے کہ شرط صحیح ہو، غلط نہ ہو، اگر شرط صحیح ہو گی تو وہ نافذ ہو گی، ورنہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ مؤکد شرط وہ ہے، جس سے تم نے شرمگاہ کو حلال کیا، علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے، کہ نکاح کے لئے شرائط کئی قسم کے ہیں، بعض وہ ہیں جن کا پورا کرنا واجب ہے مثلاً حسن

زوجت المرأة نفسها من غیر کفو فللاولیاء وان لم یکونوا محارم کابن العم ان یفرقوا بینهما دفعا عن العار عن انفسهم ما لم یجیئ من الولی دلالة الرضا کقبضه المهر او النفقة او المخاصمة فی احدهما وان لم یقبض وکالتجهیز ونحوه لما لو زوجها علی السکت فظهر عدمها بخلاف ما اذا اشترط العاقد الکفاءة او اخبره الزوج بها حیث کان له التفریق اما اذا لم یشترط ولم یخبره فذکر فی الفتاوی الصغری فیمن زوجت نفسها ممن لا یعلم حاله فاذا هو عبد ماذون فی النکاح لیس لها الفسخ بل للاولیاء او زوجها الاولیاء ممن لا یعلمون حاله ولم یخبرهم بحرنیة وردة فاذا هو عبد ماذون له فی النکاح لیس لهم الفسخ ولو اخبر بحریته او شرطوا ذلک فظهر بخلافه کان للعاقد الفسخ الخ وقال الحصکفی فی الدر المختار فلو نکحت رجلا لم تعلم حاله فاذا هو عبد لا خیار لها بل للاولیاء ولو زوجوها برضاها ولم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علی ذلک ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار انتہی۔ ونیز حضرت شعیب در تزویج دختر با حضرت موسیٰ اشتراط ہشت حجج نمودند۔ قال اللہ تعالیٰ۔ قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک وما ارید ان اشق علیک ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین۔ قال ذلک بینی وبینک ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی واللہ علی ما نقول وکیل۔ فلما قضی موسی الاجل وسار باھلہ الایۃ۔ وہر شرطیکہ صحیح وما یقتضیہ العقد نباشد بلکہ فاسد باشد اداے آں در امر نکاح

معاشرہ بعض وہ ہیں جن کو پورا نہ کرنا چاہیئے مثلاً پہلی بیوی کی طلاق، بعض میں اختلاف ہے، مثلاً اس عورت پر کسی اور عورت سے نکاح نہ کیا جائے، علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے، اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا تو اس کے اولیاء کو اگرچہ وہ غیر محرم ہوں فسخ نکاح کا اختیار ہے، اگر ان سے رضا کا ظہور نہ ہوا گر مرد نے اپنا حال نہیں بتایا نکاح کے بعد معلوم ہوا، کہ وہ غلام یا ماذون فی النکاح تھا، تو اولیاء کو فسخ کا اختیار نہیں ہے، اور اگر وہ غلام ہوتے ہوئے اپنے آپ کو آزاد بیان کرے، تو عاقد کو فسخ نکاح کا اختیار ہے حصکفی نے بھی در مختار میں اسی طرح لکھا ہے۔

شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی کے نکاح میں موسیٰ علیہ السلام سے آٹھ یا دس سال رہنے کی شرط

نیز لازم نیست، و قاعدہ اذا فات الشرط فات المشروط دراں مرتب نخواہد گشت کما روی البخاری عن ابی ھریرۃ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن التلقی وان یبتاع المہاجر للاعرابی وان تشترط المرأۃ طلاق اختہا وان یستام الرجل علی سوم اخیہ ونھی عن النجش وعن التصریۃ انتہی۔ چنانچہ در غیر نکاح اداسے این چنین شروط لازم و نافذ نمی شوند چنانچہ ولاء بریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برائے عائشہؓ صدیقہ قرار دادند، و شرط فاسد را کہ مالکان بریرہ حضرت عائشہ حق ولا بستہ بودند، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باطل فرمودند کما روی البخاری عن عائشۃ رض قالت دخلت علی بریرۃ وھی مکاتبۃ فقالت یا ام المومنین اشترینی فان اھلی یبیعونی فاعتقینی قالت نعم قالت اھلی لا یبیعونی حتی یشترطوا ولائی قالت لا حاجۃ لی فیک فسمع ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم او بلغہ فقال ما شان بریرۃ فقال اشتریہا فاعتقیہا ولیشترطوا ما شاء و اقالت فاشتریتہا فاعتقتہا واشترط اھلہا ولاءھا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الولاء لمن اعتق وان اشترطوا مائۃ شرط انتہی۔ الحاصل قاعدہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ در ام نکاح نیز بجا و درست و سراسر صحیح است، بشرطیکہ شرط صحیح و ممالا یقتضیہ العقد باشد، و در صورت مسئولہ چنین است زیراکہ اقرار مرد ناکح بمذہب اہل سنت در معرض شرط واقع شدہ، و کدام شرط ازیں صحیح تر ودا جب الادا خواہد گشت چہ ایں شرط شرط الکفارۃ فی الدین است واعتراض معترض ازجادہ انصاف متجاوز گشتہ لائق قبول تماند، کاش معترض اگر بہر دو جواب بعین انصاف نظر نمودے بلکہ در عبارت علامہ دمیاطی ہم تامل فرمودے ازاین چنین

کی تھی، اور اگر شرط صحیح نہ ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قافلے والوں کو آگے جاکر نہ ملا جائے اور کوئی مہاجر اعرابی کا سامان نہ بیچے، اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کی شرط نہ کرے، کوئی آدمی اپنے بھائی کے نرخ پر نرخ نہ کرے، کوئی دھوکہ نہ کرے، دودھ روکے جانور کو فروخت نہ کرے، ایسی شرطوں کا پورا کرنا جو درست نہ ہوں، جائز نہیں ہے، چنانچہ بریرہ کی ولاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو دلادی تھی، حالانکہ انہوں نے بریرہ سے شرط بھی کر لی تھی، چونکہ وہ شرط شرعاً درست نہیں تھی، آپ نے اس کو نافذ نہ کیا۔

حاصل کلام یہ کہ قاعدہ" جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے" درست اور بجا ہے

غلط فاحش وزلل فاحش محفوظ ماند ے، چہ علامہ دمیاطی خود شروط رابقید فاسد و لا تقتضیہ العقد مخصوص و مقید ساختہ می گوید کہ قولہ کان لہا الخیار فیہ ان ماذکر شرط لا یقتضیہ العقد فیصح النکاح ویبطل الشرط لان النکاح مما لا یبطل بالشروط الفاسدۃ الخ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ ابو الطیب محمد شمس الحق۔

سوال:۔ عند الحنفیہ روافض فاسق ہیں یا کافر اور مناکحت ساتھ روافض کے چاہیئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ روافض نزدیک بعض علمائے حنفیہ متاخرین کے کافر ہیں، اور نزدیک متقدمین کے کافر نہیں ہیں، بلکہ فاسق اور اہل اہواء واہل بدعت قبیحہ سے ہیں، بدلیل قبول شہادت اہل ہوا کے، چنانچہ تمام متون وشروح وفتاوے معتبرہ حنفیہ میں مذکور ہے، مسلم الثبوت میں لکھا ہے۔ ومن ھھنا لم یکفر الروافض ضروریات الدین خارجیۃ انتہی کلامہ مختصراً۔ وتقبل[1] شہادۃ اھل الاھواء الا الخطابیۃ وقال الشافعی لا تقبل لانہ اغلظ وجوہ الفسق ولنا انہ فسق من حیث الاعتقاد وما اوقعہ فیہ الا تدینہ فیمتنع عن الکذب وصار کمن یشرب المثلث او یاکل متروک التسمیۃ عامدا مبیحا لذلک بخلاف الفسق من حیث التعاطی اما الخطابیۃ فہم قوم من غلاۃ الروافض یعتقدون الشہادۃ لکل من حلف عندہم وقیل یرون الشہادۃ لشیعتہم واجبۃ فتمکنت التہمۃ فی شہادتہم لظہور فسقہم انتہی ما فی الہدایۃ وھکذا فی النہایۃ والکفایۃ والدر المختار

بشرطیکہ شرط صحیح اور نکاح کے تقاضا کے مطابق ہو، اور صورت مسئولہ میں اسی طرح ہے، کاش کہ معترض اس پر نظر انصاف سے توجہ کرتا، واللہ اعلم ۱۲

[1] یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا، کہ رافضی کافر نہیں ہیں ۱۲ [2] ہوا پرستوں اور بدعقیوں کی شہادت مقبول ہے، ماسوائے خطابیوں کے امام شافعی نے کہا، ان کی شہادت اس لئے مقبول نہیں، کہ وہ بد ترین قسم کے فاسق ہیں، اور ہم کہتے ہیں، وہ بدترین فاسق اعتقاد کی وجہ سے ہیں، اور اس عقیدہ میں ان کو ان کی دینداری ہی نے تو مبتلا کیا ہے، لہذا وہ جھوٹ بولنے سے پرہیز کرتے ہیں، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو مثلث (شراب) پی لے، یا جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھالے، برخلاف اس فسق کے جو افعال کی وجہ سے ہو، خطابیہ شیعوں میں سے ایک غالی فرقہ ہے اگر کوئی

والشرح الوقایۃ۔ ولم یعلل احد بعدم قبول شہادتہم بالکفر کما تری نعم استثنوا الخطابیۃ لانہم یرون شہادۃ الزور لاشیاعہم او للمخالف وکذا نص المحدثون علی قبول روایۃ اھل الاھواء فہذا فیمن یسب عامۃ الصحابۃ ویکفرھم بناء علی تاویل لہ فاسد فعلم ان ما ذکرہ فی الخلاصۃ من انہ کافر قول ضعیف مخالف للمتون والشروح بل ھو مخالف لاجماع الفقہاء کما سمعت وقد الف العلامۃ ملا علی القاری رسالۃ فی الرد علی الخلاصۃ وبہذا تعلم قطعا ان ما عزی الی الجوھرۃ من الکفر مع عدم قبول التوبۃ علی فرض وجودہ فی الجوھرۃ باطل لا اصل لہ ولا یجوز العمل بہ وقد مر انہ اذا کان فی مسئلۃ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ فعلی المفتی ان یمیل الی عدم التکفیر فکیف یمیل ھنا الی التکفیر المخالف للاجماع فضلا عن میلہ الی قتلہ وان تاب وقد مر ایضا ان المذھب قبول توبۃ ساب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فکیف ساب الشیخین والعجب من صاحب البحر حیث تساھل غایۃ التساھل فی الافتاء بالقتل مع قولہ وقد الزمت نفسی ان لا افتی بشیء من الفاظ التکفیر المذکورۃ فی کتب الفتاوی نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ او انکر صحبۃ الصدیق

ان کے سامنے قسم کھا جائے تو اس کی قسم پر وہ شہادت دے دیتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اپنی جماعت کے آدمی کی حمایت کے لئے جھوٹی شہادت بھی دے دینا چاہیئے، لہٰذا ان کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ فاسق لوگ ہیں، اور کسی نے بھی کفر کی وجہ سے کسی کی شہادت مسترد نہیں کی آپ نے غور نہیں کیا، کہ صرف خطابیہ فرقہ کی شہادت کو مستثنےٰ کیا گیا ہے کیونکہ وہ اپنی جماعت کے حق میں اور مخالف کے برخلاف جھوٹی شہادت دے دیتے ہیں، اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ بدعتی لوگوں کی شہادت مقبول ہے، اور یہ ان لوگوں کے متعلق فیصلہ ہے، جو عام صحابہ کو گالی دیتے ہیں، اور ان کو تاویل فاسد کی بنا پر کافر کہتے ہیں، تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلاصہ میں جو ایسے شیعہ کو کافر کہا گیا ہے یہ ضعیف قول ہے، اجماع فقہاء کے خلاف ہے، چنانچہ ملا علی قاری نے خلاصہ کی تردید میں ایک رسالہ بھی تحریر کیا، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جوہرہ میں جو ان کو کافر کہا گیا ہے اور ان کی توبہ قبول نہ ہونے کے متعلق لکھا ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہے، اور یہ اصول کا مسئلہ ہے، کہ جب روایات میں اختلاف ہو، تو فتویٰ ہمیشہ عدم کفر کی طرف ہو گا، پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ قبول ہے، تو شیخین کو گالی دینے والے کی توبہ کیوں قبول نہ ہو گی، اور صاحب بحر نے تو کمال ہی کر دیا کہ ان کے قتل کا فتویٰ لکھ دیا، حالانکہ اس نے التزام کیا تھا کہ جیسے عام فتاویٰ والوں کی عادت ہے کہ کفر کے

او اعتقد الالوهیۃ فی علی او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن ولکن لو تاب تقبل توبتہ ھذا خلاصۃ ما حررناہ فی کتابنا تنبیہ الولاۃ والاحکام وان اردت الزیادۃ فارجع الیہ واعتمد علیہ ففیہ الکفایۃ لمن ذی الدرایۃ کذا فی رد المحتار علی الدر المختار للعلامۃ السید امین الدین الشامی اور مناکحت ساتھ روافض کے ہرگز نہ چاہیے، اس واسطے کہ یہ مبتدع اور فاسق ہیں نزدیک جمہور علماء کے اور فاسق مبتدع ہم کفو سنی کا نہیں ہوتا۔ وتعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا الصالحۃ کذا فی الدر المختار قولہ فلیس فاسق کفوا الصالحۃ لمبتدع فانہ لیس کفوا السنیۃ کذا فی الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار اقول ھذا علی مذھب المتقدمین ولا یجوز النکاح علی مسلک بعض المتاخرین بناء علی کفر الروافض کما لا یخفی علی الماھر بالفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

فتوے لگائے جاتے ہیں، میں کفر کے فتوے لگانے سے پرہیز کروں گا، ہاں اگر کوئی حضرت عائشہ پر بہتان لگائے یا حضرت ابوبکر صدیق کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحبت کا انکار کرے، یا حضرت علی کو خدا مانے، یا جبریل کے وحی پہنچانے میں غلطی کا قائل ہو، تو ایسے کفر صریح پر کفر کا فتوی ضرور لگاؤں گا، لیکن اگر ایسے لوگ توبہ کرلیں تو ان کی توبہ قبول ہے۔[۲]

[۱] اور عرب و عجم میں دیانت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ فاسق متقی کا کفو نہیں ہے، درمختار میں ہے، کہ بدعتی آدمی کسی سنی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا، میں کہتا ہوں، کہ یہ متقدمین کے فتوی کی بناء پر ہے، بعض متاخرین کے مسلک پر تو یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ شیعہ کو کافر کہتے ہیں (طحطاوی حاشیہ الدر المختار)

کتاب المفقود

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین ابقاہم اللہ الی یوم الدین اس صورت میں کہ اس زمانہ میں ابتلائے عام ہے، کہ اکثر آدمی اپنی عورتوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، اور مفقود الخبر ہو جاتے ہیں، اور خرچ بھی نہیں بھیجتے ہیں، اور قرض کا ملنا بھی دشوار ہے، اس سبب سے خوف ارتکاب فحش اور بدکاری کا ہے عورات کے حق میں، اور نیز گذارہ عورتوں کا بدوں دینے نان ونفقہ زوج وغیرہ کے بھی نہایت دشوار ہے، تو اگر قاضی بوجہ ان ضرورتوں کے موافق مذہب امام مالک یا امام شافعی رحمہما اللہ تعالےٰ کے عمل کرے، اور اجازت نکاح کے واسطے زوجہ مفقود کے دے دے، تو جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ درصورت مرقومہ زن مفقود بعد انتظار چار برس بروقت ضرورت کے نکاح دوسرا بعد گذرنے ادنے عدت چار مہینے دس دن کے کسی شخص سے کرلے موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے، کیونکہ مذہب امام ممدوح کا یہ ہے، کہ زن مفقود کی بعد گذرنے چار برس اور چار مہینے دس دن عدت موت کے گذار کر نکاح دوسرا بلا ریب کرلے مطابق فتوے حضرت عمر فاروق وعثمان وعبداللہ بن عباس وغیرہ رضہ کے، چنانچہ فتح الباری اور تلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الامام الرافعی وغیرہ میں بوجہ بسط وتفصیل مذکور ہے، اسی نظر سے جامع الرموز شرح مختصر الوقایہ، اور طحطاوی اور رد المحتار حواشی درمختار اور فتاوی حسب المفتین حنفی مذہب میں بھی بروقت ضرورت کے دوسرا نکاح کرنے کا زن مفقود کے واسطے فتوے دیا ہے، اور قول امام مالک کا معمول بہ لکھا ہے۔ قال فی حسب المفتین قول مالک[1] معمول بہ فی ھذہ المسئلۃ وھو احد قولی الشافعی رح ولو افتی الحنفی بہ ملک یجوز فتواہ لان عمر رضہ قضی ھکذا فی الذی استھوتہ الجن فی المدینۃ وکفی بہ اماما و

---

[1] اس مسئلہ میں امام مالک کے قول پر فتوے ہے، اور شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے، اگر حنفی بھی یہی

لانہ منع حقہا بالغیبۃ فیفرق القاضی بینہما بمضی ہذہ المدۃ اعتبارا بالایلاء فی العدد وبالعنۃ فی السنۃ عملا بالشبہین انتہی کلامہ لوافتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لاباس بہ کذا فی الطحطاوی ورد المحتار وخزانۃ العلماء وقد اخرج عبد الرزاق وسعید بن منصور وابن ابی شیبۃ باسانید صحیحۃ عن عمر رض ومنہا ما اخرج سعید بن منصور وعبد الرزاق عن طریق الزہری عن سعید بن المسیب ان عمر وعثمان قضیا بذلک واخرج سعید بن منصور بسند صحیح عن ابن عمر وابن عباس قالا تنتظر امرأۃ المفقود اربع سنین وثبت فی روایۃ عن عثمان وابن مسعود کلیہما ومن التابعین الکبار النخعی والزہری ومکحول وعطاء والشعبی کذا فی فتح الباری وقال الحافظ العسقلانی فی تخریج الرافعی المشہور بالتلخیص ویروی عن عمر وعثمان وابن عباس امرأۃ المفقود تربص اربع سنین وتعتد عدۃ الوفاۃ ثم تنکح وقال ابن ابی شیبۃ حدثنا عبد الاعلی عن معمر عن الزہری عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان قالا فی امرأۃ المفقود تتربص اربع سنین وتعتد اربعۃ اشہر وعشرا انتہی ما فی التلخیص مختصرا۔ اور فتوےٰ دینا اور حکم کرنا اوپر مذہب غیر کے جائز ہے مذہب حنفی میں، جیسا کہ فتاوی عالمگیری اور فصول عمادی اور طحطاوی اور بحر رائق وغیرہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ ذکر فی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عطاء بن حمزۃ عن ابی الصغیرۃ زوجہا عن صغیر وقبل ابوہ وکبر الصغیر ان وبینہما غیبۃ

فتوے دے تو جائز ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ ایلاء میں چونکہ عورت کے حقوق پورے نہیں ہوتے لہٰذا ان میں تفریق کردی جاتی ہے، اور یہاں غیبت کی وجہ سے اس کے حقوق پورے نہیں ہو رہے ہیں، اور نامرد کو ایک سال کی مدت دی گئی ہے اس کے بعد تفریق ہے، کیونکہ اس میں بھی عورت کے حقوق پورے نہیں ہوتے، اگر ضرورت کے مقام پر ایسا فتوےٰ دیا جائے، تو جائز ہے، سعید بن مسیب نے صحیح سند سے روایت کیا ہے، کہ حضرت عمر و عثمان نے یہی فیصلہ کیا تھا، عبد الرزاق نے زہری کے طریق سے اسے روایت کیا ہے، ابن عمر اور ابن عباس نے کہا ہے کہ مفقود کی عورت چار سال تک انتظار کرے ایک روایت میں ابن مسعود سے بھی یہی منقول ہے تابعین میں سے نخعی، زہری، مکحول، عطاء، شعبی اسی کے قائل ہیں، تلخیص میں ہے، کہ عمر، عثمان، ابن عباس کہتے ہیں مفقود کی بیوی چار سال تک انتظار کرے پھر وفات کی عدت گذارے پھر نکاح کرے ۔ ۔ ۔ لے شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ سے سوال کیا گیا، کہ باپ نے چھوٹی لڑکی کا نکاح چھوٹے

منقطعۃ وقد کان التزویج بشہادۃ الفسقۃ ھل یجوز للقاضی ان یبعث الی شافعی المذھب یبطل ھذا النکاح بسبب انہ کان التزویج بشہادۃ الفسقۃ قال نعم وللقاضی الحنفی ان یفعل ذلک بنفسہ اخذا بھذا المذھب وان لم یکن مذھبہ انتہی ما فی الفتاوی العالمگیریۃ وھکذا فی العدۃ والفصول العمادیۃ وادعی فی البحر ان المقلد اذا قضی علی خلاف مذھبہ نفذ وا قوی ما تمسک بہ ما فی البزازیۃ ان لم یکن القاضی مجتہدا او قضی بالفتوی علی خلاف مذھبہ نفذ ولیس لغیرہ نقضہ عن محمد رحمہ اللہ علیہ وقال الثانی لیس لہ ان ینقضہ انتہی ما فی البحر مختصرا وھکذا فی الطحطاوی۔ پس رد ہوا اس سے قول خاص ملا مذہب حنفی کا کہ حنفی مذہب والے کو غیر کے مذہب پر حکم دینا نہ چاہیئے، کیونکہ اس قول پر دلیل شرعی نہیں پائی جاتی، کما لا یخفی علی الماھر بالشرع یعتد الفراد۔ اور وہ حدیث کہ جس پر صاحب ہدایہ نے مدار کار مذہب حنفی میں قرار دیا، اور ساتھ اس کے حجت پکڑی ہے، پس وہ حدیث ضعیف اور منکر ہے قابل حجت شرعی کے نہیں ہو سکتی، کیونکہ دو راوی اس حدیث کے واہی اور متروک الحدیث ہیں، نزدیک علمائے محققین اور ثقات محدثین ماہرین کے، چنانچہ زیلعی حنفی نے بیچ تخریج ہدایہ کے لکھا ہے۔ اول قول صاحب ہدایہ کا سننا چاہیئے، بعد اس کے تحقیق زیلعی کی معلوم کرنا چاہیئے، کہ درمیان صحیح اور ضعیف اور حق اور ناحق کے امتیاز ہو جاوے۔ لنا قولہ علیہ السلام فی امرأۃ المفقود انہا امرأتہ حتی یأتیہا البیان وقول علی رض فیہا ھی امرأۃ ابتلیت فلتصبر حتی یستبین بموت او طلاق خرج بیانا للبیان المذکور فی المرفوع انتہی

لڑکے سے کیا، اور لڑکے کے باپ نے اس کو قبول کر لیا۔ پھر بچے بڑے ہو گئے، اور ایک دوسرے سے غائب رہے، اور نکاح فاسقوں کے شہادت سے ہوا، کیا قاضی ایسے نکاح کے مقدمہ کو شافعی المذہب کے پاس نکاح باطل کرنے کے لئے بھیج دے؟ اس نے کہا ہاں، اور حنفی قاضی بھی اس مسلک کو اختیار کر کے نکاح فسخ کر دے، اگرچہ اس کا اپنا مذہب ایسا نہ ہو، بحر میں ہے، کہ اگر مقلد اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کر دے، تو وہ نافذ ہو گا، اور بزازیہ میں ہے، اگر قاضی مجتہد نہ ہو، اور اپنے مذہب کے خلاف فتوی پر فیصلہ کر دے، تو کوئی دوسرا قاضی اس کے فیصلے کو توڑ نہیں سکتا۔

لہ ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، کہ مفقود کی بیوی اسی کی عورت ہے، جب تک اسے صحیح اطلاع نہ ملے" اور حضرت علی کا قول "وہ ایک عورت ہے، جو آزمائش میں پڑ گئی، وہ صبر کرے جب

ما فی الھدایۃ الحدیث الاول قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ھی امرأتہ حتی تاتیھا البیان قلت اخرجہ الدارقطنی فی سننہ عن سوار بن مصعب حدثنا محمد بن شرحبیل الھمدانی عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ المفقود امرأتہ حتی یاتیھا البیان ووجدتہ فی نسخۃ اخری حتی یاتیھا الخبر وھو حدیث ضعیف قال ابن ابی حاتم فی کتاب العلل سألت ابی عن رواۃ حدیث سوار بن مصعب عن محمد بن شرحبیل عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امرأۃ المفقود امرأتہ حتی یاتیھا البیان فقال ابی ھذا حدیث منکر ومحمد بن شرحبیل متروک الحدیث یروی عن المغیرۃ مناکیر واباطیل انتہی وذکرہ عبد الحق فی احکامہ من جھۃ الدارقطنی واعلہ بمحمد بن شرحبیل وقال انہ متروک وقال ابن القطان ان سوار بن مصعب اشتھر فی المتروکین ودونہ صالح بن مالک ولا یعرف ودونہ محمد بن الفضل ولا یعرف حالہ انتہی ما فی تخریج الزیلعی الصغیر پس یہ حدیث ضعیف اور منکر قابل احتجاج کے نہیں، احکام شرعیہ میں جیسا کہ اصول حدیث اور فقہ میں مذکور ہے جیسا کہ علماء ماہرین شریعت پر مخفی نہیں ہے۔ واقول اما قول علی رض فیعارضہ قول عمر وعثمان وابن عمر وابن عباس وابن مسعود فی روایۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین فکیف لہ للترجیح واما علی تقدیر تسلیم رفعہ فیخالف المذھب ایضا کان المدۃ للقرابۃ عند الحنفیۃ فی روایۃ تسعین سنۃ وھو روی عن ابی بکر الفضلی وعن ابی بکر محمد بن حامد وفی روایۃ مائۃ سنۃ وھو قول ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ وفی روایۃ

تک کہ اسے خاوند کی موت کی اطلاع نہ ملے یا طلاق نہ ہو"

ان میں سے جو حدیث مرفوع بیان کی گئی ہے، وہ ضعیف ہے، اس کی سند میں محمد بن شرحبیل متروک الحدیث ہے، وہ مغیرہ سے منکر اور باطل روایتیں بیان کرتا ہے۔ ابن قطان نے کہا، اس کا راوی سوار بن مصعب مشہور متروک ہے، اس کے بعد صالح بن مالک ہے، وہ مجہول ہے اور اس کے بعد محمد بن فضل ہے، اس کا حال بھی معلوم نہیں ہے۔

لہ حضرت علی کے قول کے معارض ہیں حضرت عمر، عثمان، ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر تو ان سب کے مقابلہ میں حضرت علی کے قول کو کیسے ترجیح ہو سکتی ہے؟ اور اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے، تو پھر بھی یہ حنفی

مائة وعشرين سنة وهو مروي عن الحنفية برواية الحسن رح وفي ظاهر الرواية مقدر بموت الاقران في بلده هكذا في الزيلعي شرح الكنز وغيره من المطولات الحنفية وانقضاء كلها لا يستلزم قطع موت المفقود وطلاقه وبهذا قال الزيلعي فلا معنى لتقديره انتهى كلامه۔ پس اس صورت میں حنفی مذہب والے کو فتوی دینا اور مذہب امام مالک کے جیسا کہ جامع الرموز اور طحطاوی وغیرہ میں اختیار کیا، اور نیز بنا بر فتوے اور قضا حضرت عمر وعثمان وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس کے اولے اور احسن بلکہ لازم تر ہے، کہ زن مفقود درطہ تکلیف اور حرام کاری سے اور زنا سے محفوظ رہے، کہ اس میں خیر خواہی دین اور دنیا کی منصور ہے، یہ گفتگو مذکورہ بالا باعتبار اس شخص کے ہے، کہ جو خواندہ اور واقف روایات ایک مذہب سے ہو، اور جو شخص کہ محض عامی اور جاہل ہو، اور مذہب سے کچھ واقفیت نہ رکھتا ہو، تو اس کے حق میں مفتی کا فتوے کافی ہے، یعنی کوئی مفتی جس طرح سے فتوے دے اس پر عمل کرنا چاہیئے اس کو جیسا کہ بحر الرائق وفتح القدیر وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔ ان مذهب العامي فتوى مفتيه من غير تقييد بمذهب لهذا قال في فتح القدير في حق العامي فتوى مفتيه انتهى ما في البحر الرائق اس صورت میں کسی عامی محض اور جاہل کو کسی مذہب پر عمل کرنے سے منع کرنا مخالف دستور العمل فقہاء محققین کا ہوگا۔ امر المفقود دائر بين الامرين اماميت تجب على امراته عدة الوفاة اوحي ما امسك امراته بالمعروف فتعين عليه التفريق بقوله تعالى فامسكوهن بمعروف فان قصر في اداء الواجب يناب القاضي عنه كما ينوب في بيع مال المماطل في اداء دينه فاوجبنا عليه العدتين وامرنا بابعد عدة جاءت

مذہب کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب نوے سال انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور ابو یوسف سو سال کا اور امام حسن ایک سو بیس سال کا اور ظاہر روایت میں ہے، کہ اس کے شہر کے تمام ہم عمر فوت ہو جائیں، اور اگر ان سب اقوال کو تسلیم کر لیا جائے، تو پھر بھی یقینی طور پر اس کی موت تو معلوم نہ ہوگی، پھر اس اندازہ کا کیا فائدہ

لہ عامی کا مذہب اپنے مفتی کا فتوے ہے، بغیر کسی مذہب کی تقلید کے۔

مسئلہ مفقود کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو وہ مر چکا ہے، اس صورت میں اس کی عورت پر عدت وفات ہے، اور یا پھر وہ زندہ ہوگا، جس نے اپنی عورت کو بھلے طریقے سے نہیں رکھا، تو اس کے لئے تفریق لازم ہوئی کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے، کہ "ان کو اچھے طریقہ سے رکھو" اگر واجب کے ادا کرنے میں کوتاہی ہو تو قاضی اس کی

فی الشرع للمطلقۃ احتیاطا من تربص اربع سنین لانہا اکثر مدۃ الحمل عند الشافعی ثم امرنا بعد الوفاۃ وجعلنا حکم القضاء تربص اربع سنین بمنزلۃ الحکم بالتفریق ولم نذہب الی تداخل ہاتین العدتین لان طول التربص فہہنا مطلوب والجواب عن القیاس المذکور الفرق بین النکاح وغیرہ فان نساء المعسر والعنین والمعیب لہن الاختیار فی الفرقۃ دون الاماء وامہات الاولاد والورثۃ لا یطالبون المورث بالمیراث انما المیراث ملک اضطراری بعد موتہ والزوجۃ تطالب الزوج بالنفقۃ والسکنی والوطی فظہر الفارق الجلی بین القبیلتین انتہی ما فی المسوی شرح الموطا للشیخ الاجل شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی واللہ اعلم بالصواب

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

منصور الرحمن انصاری ۱۲۸۲ — محمد نجیب خان — محمد اسماعیل

ہذا الجواب صحیح والمجیب نجیح — محمد عبد القادر ۱۲۸۹

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جو خاوند اس کا عرصہ بیس اکیس سال سے مفقود الخبر ہے، اور نکاح ثانی اس عورت کا اسی صورت پر کسی شخص سے کرا دیا، تو جائز ہے یا نہیں، اور جو حمل ہے، اس کا کیا حکم ہے، فقط۔

الجواب :- اس صورت میں جب کہ شوہر کو مفقود ہوئے بیس سال سے زاید ہو گئے ہیں، تو اس کا نکاح دوسرے شخص سے حسب مذہب امام مالک جس پر حنفیہ نے بھی بوجہ ضرورت فتوے دے دیا ہے، درست ہو گیا، اور اولاد جو اس شوہر دوم سے ہوئی ہے

طرف سے نائب ہو کر فیصلہ کر سکتا ہے، تو ایسی صورت میں ہم نے اس پر دو عدتیں واجب کی ہیں، اور مطلقہ کے لئے جو شریعت میں سب سے زیادہ دور کی عدت تھی، وہ اس کے لئے مقرر کر دی، اور بقول شافعی رح حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے، اس کے بعد ہم نے وفات کی عدت مقرر کی، اور چار سال کی مدت کو ہم نے بمنزلہ حکم تفریق کے مقرر کیا، اور قیاس مذکور کا جواب یہ ہے، کہ نکاح اور دیگر معاملات میں بڑا فرق ہے، تنگ دست یا نامرد یا عیب دار کی بیوی کو علیحدگی کا اختیار ہے لیکن لونڈیوں، امہات الاولاد کو اختیار نہیں ہے، اور وارث مورث سے میراث کا مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ میراث تو مورث کی موت کے بعد ایک اضطراری ملک ہے، اور بیوی خرچ، رہائش اور مجامعت کا مرد سے مطالبہ کر سکتی ہے، تو ان دونوں صورتوں میں فرق صاف واضح ہے (المسوی شرح الموطا لشاہ ولی اللہ)

اس کا نسب ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

رشید احمد گنگوہی ۱۳۰۱

زوجہ حنفیۃ المذہب کو موافق قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعد گذرنے چار برس کے چار مہینہ دس دن عدت گذار کر نکاح دیگر بلاریب درست ہے، کیونکہ قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مستند ہے قول خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ قال[1] فی الموطا مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ایما امرأۃ فقدت زوجہا فلم تدر این ھو فانہا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشھر وعشرا ثم تحل۔ اور یہی مذہب حضرت عثمان وعبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کا ہے، چنانچہ فتح الباری اور تلخیص امام رافعی وغیرہ میں بوجہ بسط وتفصیل مذکور ہے اسی نظر سے جامع الرموز شرح مختصر وقایہ اور طحطاوی اور رد المحتار حواشی در مختار اور فتاوی حسب المفتین وغیرہ حنفی مذہب میں بھی بروقت ضرورت کے دوسرا نکاح کرنے کا زن مفقود کے واسطے فتوے دیا ہے، اور قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ معمول بہ لکھا ہے۔ قال[2] فی حسب المفتین قول مالک رح معمول بہ فی ھذہ المسئلۃ وھو احد قول الشافعی رحمۃ اللہ علیہ ولو افتی الحنفی بذلک یجوز فتواہ لان عمر رضی اللہ عنہ قضی ھکذا فی الذی استھوتہ الجن فی المدینۃ وکفی بہ اماما ولانہ منع حقہا بالغیبۃ فیفرق القاضی بینہما بعد مضی ھذہ المدۃ اعتبارا بالایلاء فی الحدود وبالعنۃ فی سنۃ عملا بالشبہین انتہی کلامہ لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لاباس بہ کذا فی الطحطاوی ورد المختار وخزانۃ العلماء وغیرہ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین علی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ابو محمد عبدالحق ۱۳۰۵

[1] تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو [2] عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور اس کی کوئی اطلاع نہ مل سکے، تو وہ چار سال انتظار کرے، پھر وفات کی عدت گذارے، پھر نکاح کرے (موطا) [3] اس مسئلہ میں امام مالک کے قول پر فتویٰ ہے، شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، اور اگر حنفی بھی یہی فتویٰ دے، تو جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر نے یہی فیصلہ کیا تھا کیونکہ غیبت کی وجہ سے اس کے حقوق تلف ہو رہے ہیں، اس میں قاضی ایلاء اور نامردی پر قیاس کر کے ان میں تفریق کر دے، تو جائز ہے۔

سید محمد عبدالسلام غفرلہ | خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰

وصح الجواب واللہ اعلم بالصواب - حررہ ابو محمد عبدالرؤف الیہاری المانفوری

عبدالرؤف ۱۳۰۳

جواب ہذا صحیح ہے - حسبنا اللہ بن حفیظ اللہ

حسبنا اللہ بن حفیظ اللہ

جواب صحیح ہے - کتبہ ابو العلی محمد عبدالرحمن الاعظم گڈھی المبارکفوری

ابو العلی محمد عبدالرحمن

الجواب صحیح - نمقہ محمد یسین الرحیم ابادی ثم العظیم ابادی

محمد یسین

قد اصاب من اجاب - حررہ محمد ابو عبداللہ فقیر اللہ المتوطن ضلع شاہپور

ابو محمد عبداللہ فقیر اللہ

المجیب مصیب - محمد حسین خان خورجوی :-

محمد حسین خان

منصور الرحمن ۱۲۸۲ | خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

الجواب صحیح :- محمد طاہر سلہٹی

المجیب مصیب ولہ جزاء نصیب - خادم عباد اللہ الجلیل احقر محمد اسماعیل

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح | محمد عبدالقادر ۱۲۸۹ | محمد اسماعیل

ھو المصوب:- عند الضرورت حنفیہ کے نزدیک تقلید مذہب غیر کی درست ہے، اور اس مسئلہ میں بھی حنفیہ تصریح کرتے ہیں، چنانچہ جامع الرموز میں ہے - قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ بعدھا کما فی النظم فلوا فتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا باس بہ علی ما اظن انتہی اور رد المحتار حاشیہ درمختار میں ہے ذکر ابن وھبان فی منظومتہ انہ لو افتی بقول مالک فی موضع الضرورۃ یجوز انتہی واللہ اعلم - حررہ محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبدالحی

فی الواقع جوابات مذکورہ صحیح ہیں، کہ عمل کرنا مذہب غیر پر مواقع ضروریہ میں حسب

ل امام مالک اور اوزاعی نے چار سال کے بعد مفقود کی بیوی کو نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اگر ضرورت کے موقع پر اس پر فتوے دیا جائے، تو میرے خیال میں درست ہے۔

ل ضرورت کے وقت اگر امام مالک کے قول پر فتوے دیا جائے تو جائز ہے۔

تصریحات فقہائے احناف بلاشبہ ثابت و جائز و معمول بہا ہے کما فی شرح الاسبیجابی ناقلا عن جامع الفتاوی افتی علماؤنا وعلماء العراق وما وراء النهر علی مذهب الشافعی ومالك رضی الله عنهم فی سبعة مسائل فی تکبیرات العیدین وفی الزوال فی الظهر والعصر وفی الشفق وفی التسمیة علی رؤس کل سورة فی الصلوة وفی البلوغ خمسة عشر سنة وفی حکم تفریق امرأة الغائب باربع سنین وفی حکم النظر واللمس للمولی کذا فی المعیار۔ اور جناب رئیس المحققین حجۃ من حجج اللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسوی شرح موطا میں بسط سے اس کو ارقام فرمایا ہے اور ان کے خلف الصدق شیخ الہند مولانا شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی بجواب سوالات بخارا شرائط جواز تقلید مذہب غیر میں مسئلہ ہذا کو نقل عبارت جامع الرموز کے ارقام فرمایا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ حررہ ابو الجمیل محمد خلیل غفر لہ اللہ الجلیل

ابو الجمیل محمد خلیل غفر لہ اللہ الجلیل

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین القاهم اللہ الی یوم الدین، دریں کہ دریں زمان ابتلائے عام است، کہ اکثر مردان زنان خود را گذاشتہ میروند و مفقود الخبر می شوند وخرچ ہم نمی فرستند واستدانت یعنی قرض گرفتن ہم محال، ازیں سبب خوف ارتکاب زنان مذکور بفجور ومعاصی است، اگر قاضی حنفی برائے ضرورت بر مذہب امام مالک یا شافعی عمل کند واجازت نکاح دہد جائز است یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب: جائز است، چنانچہ روایات مسطورہ فی الذیل بر آں ناطق ومستند،

سلہ ہمارے علماء اور علمائے عراق اور علمائے ماوراء النہر نے امام مالک اور امام شافعی کے مذہب پر سات مسائل میں فتوے دیا ہے۔ عیدین کی تکبیرات میں، زوال کے سائے میں ظہر وعصر کے لئے، شفق کے متعلق، ہر سورہ پر بسم اللہ پڑھنے کے متعلق، بلوغت کی حد پندرہ سال تک ہونے کے متعلق، مفقود کی بیوی کے لئے تفریق کے متعلق، بعد مالک کو لونڈی کے دیکھنے اور چھونے کے متعلق۔

سوال: اس زمانہ میں عام بیماری ہے کہ اکثر آدمی اپنی عورتوں کو چھوڑ کر مفقود الخبر ہو جاتے ہیں اور خرچ نہیں بھیجتے، اور قرض کا ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے عورت کے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر امام مالک یا شافعی کے مذہب پر فتویٰ دے دیا جائے اور نکاح کی اجازت دی جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟

فی شرح الاسبیجابی ناقلاعن جامع الفتاوی افتی علماؤنا وعلماء العراق وماوراء النهر علی مذهب الشافعی رحمة الله علیه ومالک رح فی سبعة مسائل فی تکبیرات العیدین وفی فئ الزوال فی الظهر والعصر وفی الشفق وفی التسمیة علی رؤس کل سورة فی الصلاة وفی البلوغ خمسة عشر سنة وفی حکم تفریق امرأة الغائب باربع سنین وفی حکم النظر واللمس للمولی کذا فی هفت نکات فی کشف المکنونات در فرع اول از فصل چهارم در وقت عصر خزانة العلماء فی المفقود تحفة الصلحاء قال مالک رح اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینه وبین امرأته فتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بمن شاءت وقول مالک فی هذه المسئلة معمول وهو احد قولی الشافعی ولو افتی الحنفی بذلک یجوز فتواه لان عمر رضی الله عنه عمل هکذا فی من استهوته الجن بالمدینة وکفی به اماما ولانه یمنع حقها بالغیبة فیفرق القاضی بینهما بمضی هذه المدة حسب المفتین فی المفقود واگر حنفی المذهب بر مذهب شافعی عمل نماید در بعضے احکام بیکے از سہ وجہ جائز ست اول آنکہ دلائل کتاب وسنت در نظر او دراں مسئلہ مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ را ترجیح دہند دوم آنکہ حنفی مبتلا شود کہ گذارہ بدون مذہب شافعی نماند مثل احکام میاہ

الجواب: جائز ہے فقہ کی کتابوں کی عبارات اس پر شاہد ہیں، جامع فتاوی کے حوالہ سے شرح اسبیجابی میں لکھا ہے، کہ ہمارے اور عراق اور ماوراء النہر کے علماء نے امام شافعی ومالک کے فتوے پر سات مسائل میں فتوے دیا ہے، تکبیرات عیدین، ظہر وعصر میں زوال کا سایہ، شفق کی تعریف نماز میں ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، بلوغت کی حد پندرہ سال، چار سال کے بعد غائب کی بیوی کی تفریق، اور مالک کو لونڈی کے دیکھنے اور اس کو ٹٹولنے کے متعلق فتوی انہی کے قول پر ہے، امام مالک رح نے کہا جب چار سال گذر جائیں، تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق کردے پھر وہ چار ماہ دس دن وفات کی عدت گذارے، پھر جس سے چاہے نکاح کرے اس مسئلہ میں امام مالک کا قول مفتی بہ ہے اگر حنفی بھی اس پر فتوے دے، تو جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر نے مدینہ میں یہی فیصلہ کیا، اور مرد کے غائب ہونے کی وجہ سے اتنی مدت تک عورت کو محروم نہیں رکھا جاسکتا۔

اگر کوئی حنفی امام شافعی کے قول پر تین وجوہات میں سے کسی وجہ سے عمل کرے، تو جائز ہے کسی مسئلہ میں امام شافعی کے دلائل زیادہ قوی ہوں، دوسرا یہ کہ حنفی کسی مسئلہ میں مجبور ہو جائے، کہ اپنے مذہب کو چھوڑ

درین دیار یا احکام مفقود رسالہ مولوی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی درجواب مسئلہ پادشاہ بخارا۔ وعن ابی حنیفۃ الی ثلاثین سنۃ وعن بعضہم الی سنین وقیل الی سبعین وعن الثلاثۃ الی ثمانین سنۃ وعلیہ الفتوی فی زماننا وعنہما الی مائۃ وعن المتقدمین الی مائۃ وعشرین سنۃ الکل فی المضمرات وھذا ظاہر الاصول کما فی النظم وعن محمد الی مائۃ وعشرین وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ الی مائۃ وخمسین کما فی ضوء السراجیۃ وعن ابی مطیع الی مائۃ و سبع کما فی المشارع وفی ظاہر المذہب الی موت الاقران کما فی الہدایۃ وھذا مروی عن محمد رحمۃ اللہ علیہ فقیل موت جمیع الاقران فی جمیع البلاد و قیل فی بلد وھذا ادفق وقال شیخ الاسلام ھذا احوط واقیس کما فی الذخیرۃ وقال بعضہم یفوض الی رای القاضی کما فی الینابیع وقال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فتنکح عرسہ بعدھا کما فی النظم فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا باس بہ علی ما اظن ۱۲ جامع الرموز من عینہ ۱۲ ھذہ الروایۃ صحیحۃ خلیفہ غلام اللہ لاھوری۔ ھذہ الروایۃ صحیحۃ۔ غلام محی الدین لاھوری مسجد خراسیاں۔ ھذہ الروایۃ ترجح اذا قضی القاضی بہا۔ غلام محی الدین غریب الوطن بگہ والہ۔ ھذہ الروایۃ صحیحۃ۔ مفتی امام الدین لاھوری ھذہ الروایۃ صحیحۃ نظام الدین فتح گڈیہ۔

چون خوف زنا درین بلیہ غالب است بلکہ زن خودمی گوید از من صبر نمی شود، چہ بلا تعصب است، کہ حنفیہ باوجودے کہ روایات معتبرہ در کتب حنفیہ ہم می یابند بمذہب مالک فتوی نمی دہند و بمقتضائے اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھونہما عمل نمی کنند ہر چند تعصب کنند، زنا حرام قطعی است، و این مسئلہ مجتہد فیہ من عمل

کر اس کو اختیار کرے، مثلاً مفقود الخبر کی بیوی کہ اس کے متعلق علمائے احناف میں سخت اختلاف بھی ہے، اور پھر بھی ناقابل عمل ہے، کیونکہ اتنی دیر تک عورت گذارہ نہیں کر سکتی، مثلاً تیس سال، ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال سو سال، ڈیڑھ سو سال، ایک سو سات سال، یا پھر تمام دنیا میں اس کے ہم عمر مر جائیں یا اس شہر کے تمام ہم عمر مر جائیں بعض نے کہا، کہ اس کو قاضی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، امام مالک اور اوزاعی کہتے ہیں، کہ چار سال کے بعد اس کی بیوی نکاح کرے، اور اگر حنفی بھی اس فتوی پر فیصلہ کر دے، تو جائز ہے ۱۲

لمجتهد فيه فلا غبار عليه ولا غاية الحواشي بر شرح وقايه عبد الله الشهير بغلام رسول۔ مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان عمر بن الخطاب قال ايما امرأة فقدت زوجها فلم تدر اين هو فانها تنتظر اربع سنين ثم تعتد اربعة اشهر وعشرا ثم تحل فقط۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی در بیان این حدیث در مسوی شرح موطا کلام طویل و عجیب فرمودہ، و این مذہب مالک را ترجیح دادہ، نقل عبارت اینجا گنجائش ندارد۔

محمد بارك الله	احمد الله	سید محمد نذیر حسین	فقیر غلام علی خادم شرع جلی
	غلام محی الدین بگہ والہ	محمد حسین بٹالوی	مفتی امام الدین لاہوری
			نظام الدین فتح گڈھ

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین دریں باب کہ زید حنفی المذہب از عرصہ دراز مفقود گشتہ و زوجہ اش بسبب گم شدنش سخت پریشان است، پس اگر بخوف ارتکاب معاصی مثل زنا وغیرہ کہ این خوف قریب الوقوع باشد بفتوی امام مالک و امام شافعی عمل نماید روا باشد یا نہ؟ و اگر در ہم چنین ضرورت بروایت شان عمل نہ نماید بالیقین مبتلائے گناہ خواہد شد، جواب از فقہ حنفی نگاشتہ شود، فقط۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ عمل موافق مذہب امام مالک و امام اوزاعی و بروایتے از امام شافعی و امام احمد لا محالہ می باید کہ در زنا واقع نہ شود زیرا کہ علمائے محققین انتقال از مذہب بمذہب دیگر در وقتے کہ قصد تلہی نہ باشد جائز نوشتہ اند و در موضع ضرورت بطریق اولی جائز خواہد شد، در درمختار مذکور است ولا باس بالتقليد عند الضرورة انتهى كلامه۔ در طحطاوی می نویسد۔ ظاهره انه عندعدمها لا يجوز وهو احد قولين في المذهب والمختار جوازه ولو من غير ضرورة ولو بعد الوقوع والنزول انتهى

سوال:۔ زید حنفی المذہب مدت سے مفقود ہے اس کی بیوی بڑی پریشان ہے، زنا وغیرہ کے ارتکاب کا ہر وقت اندیشہ ہے ایسی صورت میں امام مالک اور امام شافعی کے مذہب کے مطابق عمل کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ حنفی مذہب کے مطابق جواب دیں۔

الجواب:۔ ایسی صورت میں امام مالک، اوزاعی اور شافعی کے مذہب پر ضرور عمل کر لینا چاہیئے تاکہ عورت زنا میں مبتلا نہ ہو، اور علماء نے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کو جائز رکھا ہے، بشرطیکہ مشغلہ مقصود نہ ہو، درمختار میں ہے کہ ضرورت کے وقت دوسرے مذہب کی تقلید جائز ہے،

مافی الطحطاوی مختصرا لایجب الاستمرار علی من التزم مذھبا معینا ویصح الانتقال وھذا ھو الحق الذی ینبغی ان یؤمن ویعتقد بہ لکن ینبغی ان لا یکون الانتقال للتلھی فان التلھی حرام قطعا فی التمذھب کان او فی غیرہ انتہی مما فی شرح مسلم الثبوت لمولانا عبد العلی اللکھنوی ودر مسلم نیز نوشتہ کہ کان علیہ الصلوٰۃ والسلام یحب ماخفف علیھم انتہی کلامہ وھکذا فی التحریر والتقریر جزیل المواھب وغیرہ لہذا درچنیں مقام خاص صاحب طحطاوی وجامع الرموز نوشتہ فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا بأس بہ انتہی مافی جامع الرموز وھکذا فی الطحطاوی عنہ وصاحب خزانۃ الروایات نیز بقول امام مالک فتوی دادہ نوشتہ ونزد این عاجز درچنیں حال کہ صدور زنا از وے قریب الوقوع باشد انتقال از مذہب بمذہب دیگر واجب خواہد بود کہ درحرام قطعی مبتلی نہ گردد پس تدارک آن از واجبات شرعی گردید کہ محذورات قطعیہ شرعیہ نیفتد در ین صورت مستفتی را می باید کہ بر مذہب امام مالکؒ او زاعی عمل نماید کہ از مہلکہ خلاص شود یعنی بعد گذشتن چار سال چار ماہ دہ روز اول ایام عدت گذارد بعد از ان نکاح از دیگر کس کند ومذہب امام مالک مطابق فتوے حضرت عمر فاروق است چنانکہ در کتب مطولات شرعیہ مفصلا مذکور است واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زن مفقود نے بعد گذرنے چار برس چار مہینے دس روز کے نکاح ثانی اپنا کسی شخص سے کرلیا، بعد چند مدت کے شوہر اول آگیا، اب زن مذکورہ کس کی زوجہ قرار دے جاوے گی، بینوا توجروا۔

الجواب: بموجب مذہب امام مالک کے زن مذکورہ زوجہ شوہر ثانی کی قرار دی جاوے گی، شوہر اول سے کچھ علاقہ باقی نہیں رہا، اور حکم مفارقت کا اس کی نسبت ہو

طحطاوی میں اسی طرح ہے، اور حدیث میں ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف کو پسند فرمایا کرتے تھے، جامع الرموز میں ہے، اگر ضرورت کے وقت دوسرے مذہب پر فتوی دیا جائے تو جائز ہے، خزانۃ الروایات میں بھی امام مالک کے قول پر فتوی دیا ہے، اور میرے نزدیک تو جب زنا کا خوف ہو تو اس مذہب کو چھوڑ کر امام مالک کے قول پر عمل کرنا واجب ہے، تاکہ حرام میں مبتلا نہ ہو، ایسی صورت میں سائل کو چاہیے، کہ چار سال چار ماہ

چکا ہے، تب نکاح ثانی جائز ہوا جیسا کہ موطا اور اس کی شرح مسوی اور مصفی میں مذکور ہے
قال مالك وان تزوجت بعد انقضاء عدتها فدخل بها زوجها او لم يدخل بها
فلا سبيل لزوجها الاول قال مالك وذلك الامر عندنا وان ادركها زوجها قبل
ان تتزوج فهو احق بها۔ گفت مالک واگر نکاح کرد بعد گذشتن عدت خود پس داخل
شد بروے شوہر او یا داخل نہ شد در ہر صورتے راہ نیست شوہر اول را بسوئے او گفت
مالک وہمین است حکم مقرر نزدیک ما، واگر یافت زوج اور اپیش از انکہ نکاح کند پس او
احق است بآن زن۔ قال مالك وادركت بعض الناس ينكرون الذى قال بعض
الناس على عمر بن الخطاب انه قال يخير زوجها الاول اذا جاء فى صداقها و فى
امرأته، گفت مالک دریافتم بعض علماء را کہ انکار می کردند آن مقولہ را کہ بعض مردمان را بربستہ
اند بر عمر بن الخطاب کہ اختیار دادہ شود شوہر اول را وقتے کہ بیاید، در آنکہ بگیرد مہر آن زن
یا بگیرد زن خود هكذا فى المسوى للشيخ الشاه ولى الله المحدث الدهلوى رحمة الله عليه
وقال فى المصفى امر المفقود دائر بين امرين اما ميت تجب على امرأته عدة
الوفاة او حى ما امسك امرأته بالمعروف فتعين عليه التفريق لقوله تعالى فامسكوهن
بمعروف فان قصر فى اداء الواجب ناب القاضى عنه كما ينوب فى بيع مال
المماطل فى اداء دينه فاوجبنا عليه العدتين وامرنا بابعد عدة جاءت فى
الشرع للمطلقة احتياطا وهو تربص اربع سنين لانها اكثر مدة الحمل عند الشافعى
ثم امرنا بعدة الوفاة وجعلنا حكم القاضى تربص باربع سنين بمنزلة الحكم

سلہ امام مالک نے کہا، اگر عدت ختم ہونے کے بعد عورت نکاح کرے، اور پھر اس کا پہلا خاوند آ جائے، تو اس کا
اس عورت پر کوئی حق نہیں ہے، اور اگر نکاح سے پہلے اس کا خاوند آ جائے تو وہی اس کا حق دار ہے۔
سلہ امام مالک نے کہا، میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے، کہ وہ عمر بن الخطاب کے اس قول سے انکار کرتے
ہیں، کہ اس کے پہلے خاوند کو عورت اور اس کے حق مہر میں اختیار دیا جائے۔
سلہ مفقود کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ مر چکا ہے، اس صورت میں عورت پر وفات کی عدت ہے
یا وہ زندہ ہے، جس نے عورت کو اچھے طریقہ سے نہیں رکھا، تو اس پر تفریق لازم ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
"ان کو اچھے طریقہ سے رکھو" اگر ادائے واجب میں کوتاہی کرے، تو قاضی اس کا نائب بن کر فیصلہ کر دے گا،
ہم نے اس عورت پر دو عدتیں واجب کی ہیں، اور ہم نے اس کے لئے دور ترین عدت واجب کی ہے، کیونکہ

بالتفریق والجواب عن القیاس المذکور الفرق بین النکاح وغیرہ فان نساء المعسر والعنین والمعیب لهن الاختیار فی الفرقة دون الاماء وامهات الاولاد والورثة لا یطالبون المورث المیراث انما المیراث ملك اضطراری بعد موته والزوجة تطالب الزوج بالنفقة والسکنی والوطی فظهر الفارق الجلی بین القبیلتین والله اعلم انتهی۔ والله اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنه

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح کیا، اور اس کا شوہر ایک مہینہ رہا، اور پھر باہر چلا گیا، اور کسی سے ذکر نہ کیا، جس کو عرصہ پورا چار برس کا گذرا، نہ خط بھیجا، اور نہ کہیں کچھ پتہ ہے، بہت تلاش بھی کی، مگر کچھ پتہ ونشان معلوم نہیں ہوا، دختر مذکور جوان ہے، اب اس کے واسطے علمائے دین کیا فرماتے ہیں، اس کا نکاح کسی اور سے کیا جاوے یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں معلوم ہو کہ جب چار برس اور چار مہینہ دس روز گذر جاویں، تو دختر مذکورہ کا نکاح کسی اور شخص سے کر دیا جا سکتا ہے، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے، اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی فتوے ہے۔ مالك عن یحیی بن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب قال ایما امرأة فقدت زوجها فلم یدر این هو فانها تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعة اشهر وعشرا ثم تحل کذا فی الموطا ولکن رواہ الشافعی وعبد الرزاق

امام شافعی کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے، پھر اس کے بعد ہم نے وفات کی عدت تجویز کی، اور قاضی کے فیصلہ کو کہ چار سال انتظار کرے بمنزلہ تفریق کے قرار دیا، اور قیاس مذکور کا جواب یہ ہے کہ نکاح میں فرق ہے، تنگ دست، نامرد اور عیب دار کی بیوی کو فرقت کا اختیار ہے، لیکن لونڈیوں اور امہات الاولاد کو اختیار نہیں ہے، وارث اپنے مورث سے زندگی میں وراثت کا مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مورث کی موت کے بعد ایک اضطراری ملک ہے، اور عورت مرد سے خرچ، رہائش اور صحبت کا مطالبہ کر سکتی ہے، تو ان صورتوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔

ؔ حضرت عمر نے فرمایا جس عورت کا خاوند گم ہو جائے، اور اس کا پتہ نہ چل سکے، تو وہ چار سال انتظار کرے پھر چار مہینے اور دس دن عدت گذارے پھر وہ آزاد ہو جائے گی، امام مالک نے موطا میں اسے روایت کیا ہے

وابو عبید والبیھقی قال فی التلخیص وله طرق اخری قال وھکذا یروی عن عثمان وعلی وابن عباس انتہی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی شرح مؤطا میں ایک مفید کلام تحریر فرما کر مذہب امام مالک کو ترجیح دی ہے، علمائے حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں، جامع الفتاوی میں ہے۔ انتہی علماؤنا وعلماء العراق وما وراء النھر علی مذھب الشافعی ومالک فی سبعة مسائل منھا حکم تفریق امرأة الغائب باربع سنین، اور تحفة الصلحاء میں ہے۔ قال مالک اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینه وبین امرأته فتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج من شاءت وقول مالک فی ھذه المسئلة معمول وھو احد قولی الشافعی ولو افتی الحنفیة بذلک یجوز فتواه لان عمر فعل ھکذا انتہی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ العبد عبد الحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نابالغہ کا نکاح بولایت اس کے باپ کے ہمراہ زید ہو گیا تھا، چند روز کے بعد زید شوہر ہندہ نابالغہ کا چلا گیا، قریب پندرہ سولہ برس کے ہو گئے، کہ زید مفقود الخبر ہے، کہیں پتہ نشان نہیں لگتا ہے اور باپ ہندہ کا عیسائی ہو گیا، اب ہندہ قریب تیئس برس کے جوان ہو گئی، ماں ہندہ کی ضعیف اور بیمار و محتاج ہے، از روئے شرع شریف ہندہ اپنا نکاح دوسرے شخص سے کر سکتی ہے یا نہیں، وجہ معاش ہندہ کی کوئی نہیں ہے، محنت و مزدوری سے گذارہ کرتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ جب کہ شوہر ہندہ کا عرصہ پندرہ سولہ سال سے مفقود الخبر ہے، اس کا کہیں پتہ و نشان نہیں لگتا ہے، تو بلاشبہ ہندہ بعد انقضاء عدت

اسی طرح امام شافعی، عبد الرزاق، ابو عبید، اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے۔

لے ہمارے علماء اور عراق اور ماوراء النہر کے علماء نے امام شافعی اور مالک کے مذہب پر سات مسائل میں فتوی دیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ مفقود الخبر کی بیوی کو چار سال کے بعد آزاد کر دیا جائے ۱۲

۲ے امام مالک نے کہا جب چار سال گذر جائیں تو قاضی مفقود الخبر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دے پھر وہ خاوند کے فوت ہونے کی عدت گذارے پھر جس سے چاہے نکاح کرے، اور اس مسئلہ میں معمول بہ امام مالک کا قول ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، اور اگر کوئی حنفی اس پر فتوے دیدے تو جائز ہے کیونکہ حضرت عمر نے ایسا ہی کیا تھا ۱۲

چار مہینے دس روز کے اپنا دوسرا نکاح کرنے کی مجاز و مختار ہے شرعاً یعنی دوسرا نکاح کرنا اس کو درست و روا ہے، اوپر قول حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت عبد اللہ بن عمر وغیرہم کے، اور یہی مذہب امام مالک ہے، مؤطا امام مالک میں ہے۔ عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب قال ایما امرأة فقدت زوجها فلم تدر این ھو فانھا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعة اشھر و عشرا ثم تحل قال مالك وان تزوجت بعد انقضاء عدتھا فدخل بھا زوجھا او لم یدخل بھا فلا سبیل لزوجھا الاول الیھا قال مالك وذلك الامر عندنا وان ادرکھا زوجھا قبل ان تتزوج فھو احق بھا انتہی ما فی المؤطا۔ اور چند علمائے حنفیہ نے بھی ضرورت کے وقت یہی مذہب اختیار کیا ہے چنانچہ حسب المفتین و جامع الرموز و طحطاوی و شامی وغیرہ کتب حنفیہ میں مذکور ہے۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا شوہر زید مفقود الخبر ہے، تو مسماۃ ہندہ کو کتنی مدت انتظار کرکے دوسرا نکاح کر لینا چاہیے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہندہ کو کامل چار برس تک انتظار کرنا چاہیے، پھر عدت وفات یعنی چار مہینہ دس روز پوری کرکے نکاح کر لینا چاہیے مطابق فتوے حضرت عمر فاروق و عثمان و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عباس وغیرہم کے، فتح الباری میں ہے۔ واما قولہ وسنة سنة المفقود فان مذھب الزھری فی امرأة المفقود انھا تربص اربع سنین وقد اخرجہ عبد الرزاق و سعید بن منصور و ابن ابی شیبة باسانید صحیحة عن عمر منھا لعبد الرزاق من طریق الزھری عن سعید بن المسیب ان عمرؓ و عثمانؓ

---

[1] حضرت عمر فاروق نے فرمایا جس عورت کا خاوند گم ہو جائے، اور اس کا کوئی پتہ نہ چل سکے، تو وہ چار سال انتظار کرے، اور اس کے بعد چار ماہ دس دن انتظار کرے، پھر وہ حلال ہو جائے گی، امام مالک نے کہا، اگر اس کے بعد وہ نکاح کر لے، اور پھر اس کا پہلا خاوند آ جائے، تو اس کا اس عورت پر کوئی حق نہیں ہے، اور اگر ابھی نکاح نہ کیا ہو تو پہلا خاوند زیادہ حق دار ہے ۱۲۔

[2] جس عورت کا خاوند گم ہو جائے، اس کے متعلق امام زہری کہتے ہیں، وہ عورت چار سال انتظار کرے، سعید بن مسیب کہتے ہیں، کہ حضرت عمر و عثمان نے یہی فیصلہ کیا تھا، سند صحیح مروی ہے، کہ عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ

قضیا بذلک واخرج سعید بن منصور بسند صحیح عن ابن عمر وابن عباس قال تنتظر امرأۃ المفقود اربع سنین وثبت ایضا عن عثمان وابن مسعود فی روایۃ وعن جمع من التابعین کالنخعی وعطاء والزہری ومکحول والشعبی واتفق اکثرہم علی ان التاجیل من یوم ترفع امرھا للحاکم وعلی انہا تعتد عدۃ الوفاۃ بعد مضی الاربع سنین واتفقوا ایضا علی انہا ان تزوجت فجاء الزوج الاول خیر بین زوجتہ وبین الصداق وقال اکثرہم اذا اختار الاول غرمہ لہ الثانی انتہی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابو العلی محمد عبد الرحمن

سوال (۱) ہندہ کا خاوند مفقود الخبر ہو، اس کا کچھ پتہ نہ لگتا ہو، کہ کہاں چلا گیا، کیا ہوا زندہ ہے، یا فوت ہو گیا، تو ایسی حالت میں ہندہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، یا نہیں، اگر کر سکتی ہے، تو کتنے عرصہ کے بعد یعنی کتنے دن خاوند کی خبر نہ ملنے پر عورت اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے (۲) میعاد شرعی گذرنے کے بعد ہندہ نے دوسرا نکاح کر لیا، اور چند روز کے بعد ہندہ کا پہلا خاوند آگیا، تو ہندہ اپنے پہلے خاوند کے پاس جاوے، یا اسی جدید خاوند کے پاس رہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عمر بن خطاب کا فتوی اس بارہ میں مذکور ہے۔ عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب قال ایما امرأۃ فقدت زوجہا فلم یدر این ھو فانہا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشہر وعشرا ثم تحل۔ مطلوب یہ ہے، کہ جس عورت کا خاوند غیب ہو جاوے، اور اس کا حال معلوم نہ ہووے، تو اس کو چاہیئے، کہ چار سال اور چار مہینے دس روز کے بعد نکاح کر لے، ہر چند

بن عباس نے کہا، کہ چار سال انتظار کرے، عبد اللہ بن مسعود سے بھی ایسا ہی مروی ہے، اور تابعین کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے، مثلاً نخعی، عطاء، زہری، مکحول، شعبی، اور یہ چار سال کی مدت اس روز سے شمار ہوگی جس دن اس نے مقدمہ پیش کیا، اور حاکم نے فیصلہ کیا، کہ چار سال کی مدت گذار کر عدت وفات گذارے، اور اس پر اتفاق ہے، کہ اگر اس کے بعد اس کا پہلا خاوند آجائے، تو اس کو اختیار ہے، کہ چاہے تو عورت لے لے، اور چاہے تو اپنا حق مہر لے لے، اگر حق مہر کو پسند کرے، تو دوسرا خاوند اس کے حق مہر کا تاوان بھرے گا ۱۲۔

کہ یہ حدیث بظاہر موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے، کیونکہ تحدیدات و تقدیرات میں جہاں قیاس و اجتہاد کے لئے گنجائش نہ ہو، موقوف مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے، جب پہلے خاوند کا نکاح فسخ ہوگیا، اور اس سے کچھ تعلق نہ رہا، تو دوسرا نکاح ہر طرح پر مضبوط و مستحکم ہوگیا پس اگر پہلا خاوند آکر مدعی ہو، تو اس کا دعوے شرعاً چل نہیں سکتا، عورت اس کے نکاح میں نہیں جاسکتی، امام شوکانی سیل الجرار میں لکھتے ہیں۔ اذا تزوجت باخر فقد صارت زوجتہ وان عاد الاول فلا یعود نکاحہ بل قد بطل بالفسخ واللہ اعلم اور سوال دوم کا جواب بھی اس سے حاصل ہوگیا۔ الراقم العاجز محمد سعید عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مفقود الخبر ہے، ڈیڑھ برس سے، اور اس کی زوجہ مسماۃ ہندہ کے باپ نے ہندہ کا نکاح اندر دو برس کے ایک شخص سے کردیا، بعد اس کے اس کو معلوم ہوا کہ بغیر چار برس کے نکاح جائز نہیں ہے، پس بعد منقضی ہونے چار برس کے اس کے باپ نے دوسرے شخص سے نکاح کردیا اب مسماۃ ہندہ کا نکاح کس سے جائز رہا۔

الجواب:۔ مسماۃ ہندہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ہوا، کیونکہ مفقود الخبر کی زوجہ کا نکاح چار برس کے اندر جائز نہیں ہے، اس وجہ سے مسماۃ ہندہ کا نکاح جو اندر دو برس کے ہوا ہے، ناجائز ہے، اور پھر چار برس کے بعد چار مہینہ دس روز تک عدت بیٹھنا لازم و ضروری ہے، اس وجہ سے مسماۃ ہندہ کا دوسرا نکاح جو بعد منقضی ہونے چار برس کے ہوا ہے، جائز نہیں ہے، کیونکہ عدت کے اندر ہوا ہے، اور جو نکاح عدت کے اندر ہوتا ہے، وہ جائز نہیں ہوتا ہے، اور تفریق لازم ہوتی ہے، موطا امام مالک میں ہے۔ عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال ایما امرأۃ فقدت زوجہا فلم یدر این ہو فانہا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشہر وعشرا

۱؎ جب عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرلے، تو اس کی بیوی ہوجائے گی، پھر اگر اس کا پہلا خاوند آجائے تو اس کا دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ تو باطل ہوچکا۔

۲؎ حضرت عمرؓ نے فرمایا، جس عورت کا خاوند گم ہوگیا ہو، اور اس کا کوئی پتہ نہ چل سکے، تو وہ چار سال تک انتظار کرے، پھر اس کے بعد چار ماہ دس دن انتظار کرے، پھر وہ حلال ہوجائے گی ۱۲

نیل الاوطار میں ہے۔ قد[1] وقع الاتفاق علی انہ اذا وقع العقد فی العدۃ لزم التفریق بینہما پس اب مسماۃ ہندہ کو لازم ہے، کہ چار برس کے بعد چار مہینہ دس روز اور عدت بیٹھے، بعد اس کے پھر جس سے چاہے نکاح کرے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] اس پر اتفاق ہے، کہ جب عدت میں نکاح ہو جائے، تو تفریق لازم ہے۔

کتابُ المہر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر نکاح شرع محمدی کی کیا تعداد ہے، اور نیز دو دینار سرخ اور پانسو ٹکہ رائج الوقت کی کیا تعداد ہے؟

الجواب:۔ شرع میں مہر کی کوئی تعداد معین و مقرر نہیں ہے، حسب مقدور و رضامندی طرفین جس قدر مہر باندھا جاوے، تھوڑا ہو یا زیادہ وہی مہر شرعی ہے، اور دو دینار سرخ کی قیمت تخمیناً بحساب روپیہ کلدار رائج الوقت کے تیس روپے ہوتے ہیں۔

حررہ ابوالحسن عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زید کے نکاح میں ہے اور زید اس پر جبر کرتا ہے، کہ مہر معاف کر دے، اور ہندہ معاف نہیں کرنا چاہتی، اور نہ ہندہ کے والدین اس بات پر راضی ہیں، مگر زید ہندہ کے سامنے قرآن ہاتھ میں لے کر اور اپنا گلا گھونٹ کر یہ کہتا ہے، کہ اگر معاف نہیں کرتی، تو میں تمام عمر تیری صورت نہ دیکھوں گا، یا اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا، چنانچہ چند مرتبہ یہی فعل کیا، اور انجام کار ایک عالم کو، اور دو گواہوں کو لے کر آ گیا، مگر ہندہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی، کہ وہ عالم تھے، یا کوئی مصنوعی شخص تھے، کیونکہ وہ پردہ نشین تھی بہر حال پھر اس سے یہی کہا، کہ مہر معاف کر، چنانچہ اس کی دہشت سے اس نے یہ کہہ دیا کہ میں معاف کرتی ہوں، مگر ماں باپ راضی نہیں ہیں، اور عمر ہندہ کی اٹھارہ سال کی ہے، پس اس صورت میں مہر معاف ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں معلوم ہو، کہ ہندہ نے اگر حالت میں بلا نیت و قصد کے اپنا مہر معاف کر دیا ہے، تو اس حالت میں مہر معاف نہ ہو گا شرعاً کیونکہ حالت بے اختیاری میں معاف کرنا معتبر نہیں ہے، رد المحتار میں اکراہ کی بابت چار شرطیں لکھی ہیں، منجملہ ان کے تیسری شرط یہ ہے۔ والثالث کون الشئی المکرہ بہ متلفا نفسا او عضوا او موجبا

غم العدم الرضا وھذا ادنی مراتبہ وھو یختلف باختلاف الاشخاص فان الاشراف یغمون بکلام خشن والاراذل ربما لا یغمون الا بالضرب المبرح[1] ابن کمال انتہی

حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ہندہ زوجہ زید فوت ہوئی، لڑکا لڑکی نہیں چھوڑا، اب اس کا مہر کون لے گا اور اس کو جو ماں باپ نے دان جہیز دیا، اس کا مالک کون ہے۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں ہندہ متوفات کا مہر حسب سہام شرعیہ اس کے ورثہ لیں گے، اور جہیز کا اعتبار عرف پر ہے، اگر عرف میں تملیک کر دیا جاتا ہو جیسا کہ فی زماننا متعارف ہے، تو وہ ہندہ کے ملک ہوگا، اور اگر عرف میں ملک نہ کر دیا جاتا ہو تو بھی استحسانا ہندہ اس کی مستحق ہوگی، اور حسب سہام شرعیہ ہندہ کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے فتاوی عالمگیریہ میں ہے۔ قال[2] فی الواقعات ان کان العرف ظاھرا بمثلہ فی الجھاز کما فی دیارنا فالقول قول الزوجۃ وان کان مشترکا فالقول قول الاب قال الصدر الشھید وھذا التفصیل ھو المختار للفتوی، دوسری جگہ لکھا ہے۔ لو جھز ابنتہ و سلمہ الیھا لیس لہ فی الاستحسان استردادہ وعلیہ الفتوی انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک عورت ہے، کہ وہ اپنا مہر نہیں لیتی ہے، اور نہ معاف کرتی ہے، اور نہ شوہر کی خدمت سے کوتاہی کرتی ہے، تو اس کو کس صورت سے مہر دیا جاوے، کہ شوہر اس کا مواخذہ حشر سے بچے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اس عورت کو سمجھانا چاہیئے، کہ زر مہر کی تو مستحق ہے، اور تیرے شوہر پر تیرا یہ قرض ہے، اور شوہر تیرا قرضدار ہے، لہذا تجھ کو چاہیئے، کہ اپنا حق لے کر یا معاف کر کے

---

[1] تیسری شرط یہ ہے کہ جس چیز سے مجبور کیا جارہا ہے، وہ کسی آدمی یا عضو کو تلف کرنے والی ہو، یا عدم رضا کی وجہ سے موجب غم ہو، اور یہ اس کا ادنی مرتبہ ہے، اور یہ غم مختلف اشخاص میں مختلف ہوتا ہے، اشراف سخت بات ہی سے غمناک ہو جاتے ہیں، اور رذیل لوگ مار پیٹ سے بھی نہیں شرماتے ۱۲

[2] اگر دستور ظاہر ہو جہیز وغیرہ کے متعلق جیسا کہ ہمارے علاقہ میں ہے، تو عورت کی بات معتبر ہوگی، اور اگر جہیز مشترک ہی رہتا ہو، تو باپ کی بات معتبر ہے، اور فتوی اسی پر ہے، اگر اپنی بیٹی کے لئے جہیز تیار کیا ہو اور بیٹی کے سپرد کر دیا ہو، تو استحسان کی صورت میں باپ اس کو واپس نہیں لے سکتا ۱۲

اپنے شوہر کو بار قرض سے سبک دوش کر دے، اور اگر شاید عورت کو یہ خیال ہو کہ مہر لینے یا معاف کرنے کے بعد شوہر طلاق دے دے گا، یا کوئی دوسرا غلط خیال ہو، تو اس کے غلط خیال کو اچھی طرح پر دفع کر دینا چاہیئے، اور اگر پھر بھی نہ لیوے، اور نہ معاف کرے، تو شوہر کو چاہیئے، کہ زر مہر کو بطور امانت کے اپنے پاس رکھے، اور عورت کو اس سے مطلع کر دے، پھر کبھی اس نے لے لیا، تو فبہا ورنہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

سید محمد نذیر حسین

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی مسماۃ سکینہ فوت ہوگئی، اور متوفیہ بالغہ تھی، اور زید کے ذمہ جو اس کے دین مہر کا روپیہ تھا، اس کو زید نے ادا نہیں کیا تھا، اور نہ متوفیہ نے بخشا تھا، تو اب زید اپنی زوجہ متوفیہ کے دین مہر سے کیونکر سبکدوش ہو سکتا ہے، اگر متوفیہ کے والدین اپنی لڑکی متوفیہ کی جانب سے دین مہر بخشنا چاہیں، تو ان کے بخشنے سے زید اپنی زوجہ متوفیہ کے دین مہر سے سبکدوش ہو سکتا ہے یا نہیں، یعنی متوفیہ کے والدین کا متوفیہ کی جانب سے بخشنا صحیح ہے یا نہیں، یا مثل متروکہ کے دین مہر کا روپیہ تقسیم کیا جاوے، فقط

بینوا توجروا۔

الجواب:۔ متوفیہ کا دین مہر زید پر واجب الادا ہے، اور جیسے متوفیہ کا اور متروکہ اس کے وارثوں پر تقسیم ہوگا، اسی طرح اس کے دین مہر کا روپیہ بھی اس کے وارثوں پر تقسیم ہوگا، غرض متوفیہ کے مہر کے مستحق اس کے وارث لوگ ہیں، اب چاہئیں زید سے وصول کر کے باہم اپنے اپنے سہام شرعیہ کے مطابق تقسیم کر لیں یا وصول نہ کریں بلکہ معاف کر کے زید کو سبکدوش کر دیں، ہاں یہ بھی واضح ہو، کہ زید بھی اپنی زوجہ متوفیہ کا وارث ہے، پس جیسے وہ متوفیہ کے اور متروکہ سے نصف یا ربع پاوے گا، اسی طرح وہ متوفیہ کے مہر کے روپیہ سے بھی نصف یا ربع پاوے گا، پس صورت مسئولہ میں اگر متوفیہ کے صرف تین ہی وارث ہیں، یعنی اس کا شوہر اور اس کے والدین، تو اس صورت میں اس کے والدین کے بخشنے سے زید سبکدوش ہو جاوے گا، اور اگر ان تین کے سوا کوئی اور بھی وارث ہے، تو جب تک وہ وارث بھی نہ بخش دے گا، تب تک زید پورا سبکدوش نہ ہوگا،

واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس عورت کا زنا مرتبہ ثبوت کو پہنچا ہو، اور بوجہ زنا کے اس کے شوہر نے اس کو چھوڑ دیا ہو تو کیا اب اس شوہر پر ادائے مہر واجب ہے، یا مہر ساقط ہو گیا، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ شوہر پر ادائے مہر واجب ہے مگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے، تو پورا مہر ادا کرنا لازم ہے، اور اگر خلوت صحیحہ نہیں ہوئی ہے تو نصف مہر دینا ضروری ہے، اور عورت کے زنا کی وجہ سے اس کا مہر ساقط نہیں ہوتا، دیکھو حالت لعان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان صدقت علیھا فھو بما استحللت من فرجھا۔ عالمگیریہ میں ہے۔ المھر یتاکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین حتی لا یسقط منہ شئ بعد ذلک الا بالابراء من صاحب الحق قال واذا تاکد المھر لم یسقط وان جاءت الفرقۃ من قبلھا بان ارتدت او طاوعت ابن زوجھا اھ۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبداللطیف ہوگلوی عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید نے ایک نابالغہ لڑکی سے شادی کی، اور قبل اس کے کہ دونوں ایک جا باہم ہوں، زید مر گیا، اب سوال یہ ہے، کہ اس زوجہ نابالغہ کو مہر ملے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید کی اس زوجہ نابالغہ کو مہر ملے گا، اگر مہر مقرر ہو چکا ہے، تو جس قدر مقرر ہوا ہے، وہ کل اس کو ملے گا، اور اگر مقرر نہیں ہوا ہے تو اس زوجہ کی بہن اور پھوپھی وغیرہا کے مہر کی مثل اس کو مہر ملے گا، اور اس زوجہ کو ترکہ بھی ملے گا، اور اس پر عدت بھی ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن علقمۃ عن ابن مسعود انہ سئل عن رجل تزوج امراۃ

۱؎ اگر تو نے اس کے متعلق سچ کہا ہے، تو حق مہر اس کی شرمگاہ حلال کرنے کا معاوضہ ہے ۱۲

۲؎ حق مہر تین صورتوں میں سے ایک کی وجہ سے مؤکد ہو جاتا ہے، دخول، خلوت صحیحہ یا عورت مرد میں سے ایک کی موت۔ اور اس کے بعد اس سے کوئی چیز ساقط نہ ہوگی، ہاں اگر صاحب حق معاف کر دے، تو علیحدہ بات ہے جب مہر مؤکد ہو جائے تو وہ ساقط نہیں ہو سکتا، اگرچہ عورت کی طرف فرقت واقع ہو، مثلاً مرتد ہو جائے، یا اپنے خاوند کے بیٹے سے خراب ہو جائے ۳؎ ابن مسعود اس آدمی کے بارے میں سوال کئے

ولم یفرض لہا شیئا ولم یدخل بہا حتی مات فقال ابن مسعود لہا مثل صداق نسائہا لا وکس ولا شطط وعلیہا العدۃ ولہا المیراث فقام معقل بن سنان الاشجعی فقال قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بروع بنت واشق امرأۃ منا بمثل ما قضیت ففرح بہا ابن مسعود رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی اور اعلام الموقعین میں ہے۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل تزوج امرأۃ ولم یفرض لہا صداقا حتی مات فقضی لہا صداق نسائہا وعلیہا العدۃ ولہا المیراث ذکرہ احمد واہل السنن وصححہ الترمذی وغیرہ قال ابن القیم وہذہ الفتوی لا معارض لہا فلا سبیل الی العدول عنہا انتہی واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ عین الدین المتیابرجی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا، اور مہر باندھا، زید نے ہندہ کو اول دفعہ طلاق دی، لیکن زید نے ہندہ سے جلدی سے رجوع کر لیا، پھر عرصہ دراز کے بعد زید نے دوسری دفعہ طلاق دی، تب ہندہ نے زید سے کہا، کہ اب مجھ پر دو طلاق گذر چکی ہیں، مجھ سے نکاح کرلے بغیر نکاح کئے مجھے ہاتھ نہ لگا تو، زید نے ہندہ سے نکاح ثانی کر لیا، بروقت نکاح ثانی کے زید نے ہندہ سے کہا، کہ میں اپنے پہلے مہر پر نکاح ثانی کروں گا، ہندہ نے زید سے کہا کہ میں اپنا مہر پہلا بھی لوں گی، اور نکاح ثانی کا مہر بھی لوں گی، اس بات پر زید نے راضی ہو کر نکاح ثانی کا مہر پہلے مہر سے زیادہ باندھا، اب زید نے ہندہ کو پہلا مہر ادا کر دیا اور دوسرے

گئے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا، لیکن حق مہر مقرر نہیں کیا، اور نہ ہی صحبت کی پھر مر گیا، تو ابن مسعود نے کہا اس کے لئے مہر مثل ہے، نہ کم نہ زیادہ، اور اس پر عدت ہے، اور اس کے لئے میراث ہے، تو معقل بن سنان نے کھڑے ہو کر ہم میں سے ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا تھا، ابن مسعود یہ سنکر بہت خوش ہوئے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

لہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کے بارے میں پوچھے گئے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا، لیکن حق مہر مقرر نہ کیا، پھر مر گیا تو آپ نے فرمایا، اس کے لئے مہر مثل ہے، اور اس پر عدت ہے، اور اس کے لئے میراث ہے۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں، اس فتوی کا کوئی معارض نہیں، لہذا اس سے روگردانی کی کوئی وجہ نہیں۔

مہر کو کہتا ہے، کہ دوسرا مہر قائم نہیں رہا، اور میرے اوپر دوسرا مہر ادا کرنا فرض نہیں، اور زید کو اس قدر مقدور ہے، کہ ہندہ کا دوسرا مہر اچھی طرح سے ادا کر سکتا ہے، اب زید کو ہندہ کا دوسرا مہر ادا کرنا فرض ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید نے اگر دوسرا نکاح اندر عدت کے کیا ہے، تو اس دوسرے نکاح کا مہر ادا کرنا نہ زید پر فرض ہے، اور نہ ہندہ اس کی مستحق ہے، کیونکہ دوسری طلاق کے بعد اندر عدت بغیر نکاح کے زید ہندہ سے رجعت کر سکتا تھا، اس دوسرے نکاح کی کوئی ضرورت نہ تھی، پس یہ دوسرا نکاح محض لغو و بے کار ہوا ہے، لہذا اس کے مہر کی نہ ہندہ مستحق ہے، اور نہ اس کا ادا کرنا زید پر فرض ہے، اور اگر زید نے ہندہ سے دوسرا نکاح بعد انقضاء عدت کے کیا ہے، تو بلا شبہ اس دوسرے نکاح کے مہر کا ادا کرنا زید پر فرض ہے، اور ہندہ اس دوسرے مہر کی مستحق ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہوا ہے، اور جب نکاح صحیح ہوا ہے، تو اس کا مہر ادا کرنا زید پر فرض و لازم ہے قال اللہ تعالیٰ ان تبتغوا باموالکم[1] وقال فی الدر المختار و حاشیۃ الطحطاوی ثم تزوجہا ثانیا بعد العدۃ وجب کمال المہر الثانی[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ ابو الحسن عفی عنہ | سید محمد ابو الحسن | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قوم راجپوت نے بقضائے الٰہی انتقال کیا، ایک عورت منکوحہ خود مع فرزند صغیر سن عمر پنج سالہ چھوڑا، چنانچہ فرزند مذکور جائداد مرحوم کا قابض ہو گیا، مسماۃ بیوہ نے بعد انقضاء ایام عدت ایک شخص ہم قوم سے عقد ثانی کر لیا، لیکن چار ماہ کے درمیان ہی میں اس عورت نے بقضائے الٰہی اس جہان سے رحلت کی، اور قبل از انتقال بقائمی ہوش و حواس و برضا و رغبت خود مسماۃ نے زر مہر ایک کس اہل اسلام و ایک کس اہل ہنود کو کہ میر محلہ تھے، گواہ کر کے بخش دیا، پس سوال اول یہ ہے، کہ بحالت زیادتی مرض اس محلہ میں اہل اسلام موجود نہ ہونے کے باعث قوم ہنود سے ایک شخص کو کہ میر محلہ تھا، گواہ کیا گیا، ایسے موقع کے واسطے شہادت کا کیا حکم ہے، سوال دوم یہ ہے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم اپنے مال سے عورت حاصل کرو۔ [2] اگر کوئی عورت دوسری مرتبہ عدت کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرے، تو اس کو دوبارہ پورا حق مہر ملے گا ۱۲

کہ طفل جس کو خاوند اول سے چھوڑا، اور وہ جائداد پدر مرحوم خود پر قابض ہو چکا، زرمہر عقد ثانی کا دعوے کر سکتا ہے، یا کوئی اور حقدار ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مرض الموت میں قرض معاف کرنا اور ہبہ کرنا حکم میں وصیت کے ہے اور وصیت وارث کے لئے جائز نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ کا اپنے مرض الموت میں اپنے شوہر کو جو اس کا وارث ہے زرمہر کا بخش دینا اور معاف کرنا جائز نہیں ہے، اور اس عورت کا لڑکا جو شوہر اول سے ہے زرمہر کا دعوی بقدر اپنے حصہ شرعیہ کے کر سکتا ہے، بلوغ المرام میں ہے۔ عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان رجلا اعتق ستۃ مملوکین لہ عند موتہ لم یکن لہ مال غیرھم فدعا بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجزاھم اثلاثا ثم اقرع بینھم فاعتق اثنین وارق اربعۃ وقال لہ قولا شدیدا[1] رواہ مسلم۔ قال فی سبل السلام تحت ھذا الحدیث دل الحدیث علی ان حکم المتبرع فی المرض حکم الوصیۃ ینفذ من ثلاث[2] والیہ ذھب مالک والشافعی واحمد انتہی ونیز بلوغ المرام میں ہے۔ عن ابی امامۃ الباھلی رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث[3] رواہ احمد والاربعۃ الا النسائی وحسنہ احمد والترمذی وقواہ ابن خزیمۃ وابن الجارود ورواہ الدارقطنی من حدیث ابن عباس وزاد فی آخرہ الا ان یشاء الورثۃ[4] واسنادہ حسن قال فی سبل السلام صفحہ ۵ جلد ۲ والحدیث دلیل علی منع الوصیۃ للوارث[5] وھو قول

---

[1] ایک آدمی نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا اور ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہ تھا تو ان غلاموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، اور ان کے تین حصے کر دیئے، پھر ان میں قرعہ ڈالا، دو کو آزاد کر دیا، اور چار کو پھر غلام بنا لیا، اور مرنے والے کے حق میں کوئی سخت بات بھی کہی اسے مسلم نے روایت کیا۔ [2] یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ بیماری میں صدقہ کا حکم وصیت کا ہے جو تیسرے حصہ میں نافذ ہوگا، امام مالک، شافعی، اور احمد کا یہی مذہب ہے سبل السلام۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالی نے ہر ایک حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے پس وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں ہے (احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی) [4] مگر یہ کہ وارث اجازت دیدیں [5] اس حدیث میں دلیل ہے، کہ وارث کے لئے وصیت منع ہے جمہور علماء کا یہی قول ہے۔

الجماھیر من العلماء انتہی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین جواب اس سوال میں کہ ایک عورت بلا اجازت زوج خود اس کے مکان سے بمعیت کسان غیر کے فرار ہوگئی، کہ اس کے شوہر نے پھر اپنے مکان میں لاکر بٹھالا، اور نان نفقہ دیا، دوسری مرتبہ بلا اجازت اس کے غیر شخصوں کی معیت سے زید کے گھر سے چلی گئی، ہر چند شوہر اس کو طلب کرتا ہے، مگر نہیں آتی، مگر جو عورت بلا اجازت شوہر اپنے کے شوہر کے مکان سے فرار کرے، اور غیر لوگوں کی مدد سے بلا اجازت شوہر مکان سے چلی جاوے، اور ہر وقت طلب نہ آوے، درین صورت وہ عورت ناشزہ شرعاً قرار پاوے گی یا کیا، اور نفقہ اور سکنی اور دین مہر شوہر کو ایسی عورت کو شرعاً دینا لازم ہے، اور قاضی وقت ایسی عورت کو بدعوے مہر پاس رہنے شوہر سے اور رخصت کرا دینے سے مکان شوہر کو بجلیہ دعوی داری دین مہر حکم امتناع جاری فرما سکتا ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب: جو عورت بلا اجازت شوہر اپنے کے شوہر کے مکان سے فرار ہو، اور شوہر کے طلب کرنے سے نہ آوے، وہ عورت بلا شبہ ناشزہ ہے، اور اس حالت نشوز کا نفقہ شوہر کے ذمے لازم نہیں ہے، حالت نشوز کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے،[1] اور نشوز سے دین مہر ساقط نہیں ہوتا ہے، صورت مسئولہ میں اگر مہر مؤجل ہے شرطاً یا عرفاً جیسا کہ ملک ہندوستان میں عموماً رائج ہے، تو قاضی وقت ایسی عورت کو بدعوے مہر شوہر کے پاس رہنے اور مکان شوہر کو رخصت کرا دینے سے حکم امتناعی جاری نہیں کر سکتا، اور اگر مہر معجل ہے، اور عورت کا یہ دعوے ہے، کہ جب تک اپنا مہر معجل وصول نہ کروں گی، تب تک شوہر کے یہاں نہیں جاؤں گی، تو اس تقدیر پر عورت کا دعوے

(۱) قولہ نفقہ ساقط ہو جاتا ہے الخ اقول قال فی العالمگیریۃ وان نشزت فلا نفقۃ لھا حتی تعود الی منزلہ والناشزۃ ھی الخارجۃ عن منزل زوجھا المانعۃ نفسھا منہ انتہی۔ ابو سعید محمد شرف الدین

(ترجمہ) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے الخ میں کہتا ہوں فتاوی عالمگیری میں ہے، کہ عورت اگر خاوند کے گھر سے چلی گئی ہے، تو جب تک وہ اپنے خاوند کے گھر واپس نہیں آتی، وہ ناشزہ ہے، اور اس صورت میں خاوند کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہے۔ ابو سعید شرف الدین

قابل سماعت ہے، شوہر کو مہر معجل ادا کر دینا چاہیئے، اور اگر وہ نہ کرے، اور پھر عورت کو طلب کرے تو اس صورت میں قاضی وقت حکم امتناعی جاری کر سکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے خاوند سے اپنا مہر طلب کرتی ہے، جو حکم ہو اللہ و رسول کا ارشاد فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر عورت مذکورہ کا مہر معجل ہے، تو اس کا طلب کرنا حق ہے اس کے شوہر کو لازم ہے، کہ اس کا مہر ادا کر دے، اور اگر اس کا مہر مؤجل ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو اس کے ادا کرنے کا وقت معین ہوا ہے یا نہیں، اگر کوئی وقت معین ہوا ہے تو وقت معینہ پر عورت کا طلب کرنا حق ہے، اور شوہر کو ادا کر دینا لازم، اور قبل وقت معینہ کے عورت کو طلب کرنے کا حق نہیں ہے، اور اگر کوئی وقت معین نہیں ہوا ہے تو بعد طلاق کے یا بعد موت کے اس کو مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔[1] ان شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یجعل الكل معجلا والا الى الغاية لان الغاية معلومة فی نفسها وهو الطلاق او الموت هكذا خلاصة ما فی الهندية۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ دس سال کا ہوا کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا، اور زید کو چونکہ بیماری آتشک کی تھی، اور آتشک کی وجہ سے نامرد ہو گیا تھا۔ اس لئے ایک روز بھی ہندہ کے ساتھ ہمبستر نہ ہوا، اور نہ خبر گیران نان و نفقہ کا ہوا، ہندہ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ کو علمائے وقت کے روبرو پیش کیا، علمائے وقت نے اس کو فتوے دے دیا، کہ تو اس کے نکاح سے باہر ہو چکی، جس کو زید نے قبول کیا، چنانچہ ہندہ نے از حکم علماء روبرو چند اشخاص کے اس امر کو ظاہر کر دیا، اور عدت میں بیٹھ گئی، اب عدت پوری ہو چکی، اب سوال یہ ہے، کہ جو مہر معجل اقراری ہے اس کی نسبت شرع کیا حکم صادر کرتی ہے، نیز جو ایام گذشتہ کی بابت نان و نفقہ زید نے ہندہ کو نہیں دیا، اب حالت موجودہ میں ہندہ بحیثیت اپنے یا بحیثیت زید کے مستحق ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

---

[1] اگر نکاح میں مہر معجل کی شرط کریں، تو تمام مہر معجل ہوگا، ورنہ اپنی مدت تک، اور مدت فی نفسہا معلوم ہے، اور وہ طلاق ہے یا موت ۱۲

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ اپنے پورے مہر کے لینے کی مستحق

ہے پورے مہر کے لینے کی مستحق ہے الخ اقول فی التلخیص الحبیر حدیث عمر و علی انہما قالا اذا اغلق بابا وارخا سترا فلہا الصداق کاملا وعلیہا العدۃ البیہقی عن الاحنف عنہما وفیہ انقطاع و فی المؤطا عن یحیی بن سعید عن ابن المسیب عن عمر فی المرأۃ یتزوجہا الرجل انہا اذا ارخت الستور فقد وجب الصداق وروی عبد الرزاق فی مصنفہ عن ابی ہریرۃ قال قال عمر اذا ارخیت الستور وغلقت الابواب فقد وجب الصداق وفی الدارقطنی من طریق عباد بن عبد اللہ عن علی قال اذا اغلق بابا وارخا سترا وراى عورۃ فقد وجب علیہ الصداق ورواہ ابو عبید فی کتاب النکاح من روایۃ زرارۃ بن اوفی قال قضی الخلفاء الراشدون المہدیون انہ اذا اغلق الباب وارخی الستر فقد وجب الصداق وفی الدارقطنی ایضا من طریق محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کشف خمار امرأۃ ونظر الیہا فقد وجب الصداق دخل بہا او لم یدخل وفی اسنادہ ابن لہیعۃ مع ارسالہ لکن اخرجہ ابو داؤد فی المراسیل من طریق ابن ثوبان ورجالہ ثقات انتہی وروی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدثنا یزید بن ہارون عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن سعید بن المسیب عن عمر انہ اجل العنین سنۃ انتہی زاد فی لفظ وقال ان اتاہا والا فرقوا بینہما ولہا الصداق کاملا۔ انتہی کذا فی نصب الرایۃ۔ ابو سعید محمد شرف الدین

(ترجمہ) پورا مہر لینے کی مستحق ہے الخ میں کہتا ہوں، کہ تلخیص الحبیر میں ہے حضرت عمر اور حضرت علی فرماتے ہیں، جب خاوند اور بیوی خلوت میں ہو جائیں، اور ان کے مابین پردہ لٹکا دیا جائے، تو خاوند کو پورا مہر ادا کرنا ہوگا، اور طلاق کی صورت میں اس عورت پر عدت بھی ہے، اگرچہ دخول نہ ہو، بیہقی نے احنف سے اسے روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے، مؤطا میں یحیی بن سعید عن ابن المسیب عن عمرؓ روایت کیا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، جب خاوند اور بیوی کو علیحدگی میسر ہو گئی تو خاوند کے ذمہ پورا مہر ادا کرنا ہے، امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں ابو ہریرہ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے، دار قطنی نے عباد بن عبد اللہ کے طریق سے حضرت علیؓ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں؛ اذا اغلق بابا وارخا سترا وراٰی عورۃ فقد وجب علیہ الصداق "خاوند جب دروازہ بند کر لے اور پردہ لٹکا لے، اور شرمگاہ دیکھ لے یعنی خلوت صحیحہ اسے میسر آجائے، تو اسے پورا حق مہر ادا کرنا پڑتا ہے، ابو عبید نے کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے، کہ خلفاء راشدین نے اسی طریق پر اپنا فیصلہ صادر کیا ہے، دار قطنی نے محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان

ہے۔ ولہا کمال المہران خلا بہا فان خلوۃ العنین صحیحۃ انتہی ما فی الہدایۃ اور زید نے جو ایام گذشتہ کا نان و نفقہ ہندہ کو نہیں دیا اس کا استحقاق ہندہ کو حسب حیثیت زید پہنچتا ہے۔ وکذلک اذا کان الزوج مجبوبا او عنینا او مریضا لا یقدر علی الجماع او خارجا للحج فلہا النفقۃ لوجود التسلیم کذا فی البدائع کذا فی العالمگیریۃ نان و نفقہ حسب حیثیت شوہر کے ہوتا ہے بدلیل قولہ تعالیٰ لینفق ذو سعۃ من سعتہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ کل مہر مؤجل ہندہ کا وقت نکاح کے تقرر پایا تھا بعد عرصہ دراز بباعث تکرار و تنازع کے ہندہ مذکورہ مطالبہ کل مہر مؤجل کا اپنے شوہر سے کرتی ہے اور کہتی ہے کہ جب مہر اپنا لے لوں گی تب شوہر کے گھر جاؤں گی اب مطالبہ کرنا مہر مذکور کا عند الشرع ہندہ کو پہنچتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ در صورت مرقومہ ہرگاہ کل مہر مؤجل بروقت نکاح کے ٹھہرا اور کچھ گفتگو مہر معجل کی اس وقت نہ آئی تو بعد عقد نکاح کے دعوے ہندہ کا خلاف رواج بابت طلب مہر کے بالفعل باطل اور ناجائز ہوگا شرعاً بعد طلاق یا موت کے دعوی

---

۱ اگر خلوت ہو چکی ہے تو اس کو پورا حق مہر ملے گا نامرد کی خلوت بھی صحیح ہے ۔۔ ۲ اور اسی طرح اگر خاوند آلت کٹا ہوا ہو یا نامرد یا بیمار ہو اور جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو یا حج کے لئے باہر گیا ہوا ہو تو عورت کو خرچ ملے گا کیونکہ اس نے تو اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا ہے ۔۔

سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عورت کا دوپٹہ کھول کر اس کے چہرے کی طرف دیکھ لے تو مہر اس کے ذمہ واجب الاداء ہے۔ دخول پر قادر ہو سکا یا نہ۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ہے۔ لیکن باوجود مرسل ہونے کے ابوداؤد نے مراسیل میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کے رجال کو ثقات بیان کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت عمر سے سعید بن مسیب کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نامرد کو سال بھر کے لئے مہلت دی۔ اور فرمایا سال کے بعد اگر جماع پر قادر نہ ہو سکے تو زوجین کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ اور خاوند کو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ کذا فی نصب الرایہ۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

کل کا بلا ریب پہنچے گا شرعا، چنانچہ شرح وقایہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ ولو اجل کلہ فانہ لو اجل کل المہر فقط سقط حقہا فلا یکون لہا منع النفس لاخذ کذا فی شرح الوقایہ لاخلاف لاحد ان تاجیل المہر الی غایۃ معلومۃ نحو شہر او سنۃ صحیح وان کان لا الی غایۃ معلومۃ فقد اختلف المشائخ قال بعضہم یصح وہو الصحیح وہذا لان الغایۃ معلومۃ فی نفسہا وہو الطلاق او الموت الی اخر ما فی الفتاوی العالمگیریہ پس دعوے مسماۃ مذکورہ کا خلاف دستور رواج اور عرف طلب مہر موجل میں باطل اور غیر مسموع ہوگا المعہود کالمشروط کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال: علمائے دین اور مفتیان شرع متین سے میرا یہ سوال ہے، کہ عرصہ تقریباً پانچ سال کا ہوا، کہ میرے ماں باپ نے مسمی زور آور شاہ کو صاحب جائداد یعنی پانچ روپے ماہوار بطور پنشن کے سرکار فیض آثار سے مرحمت ہوتے ہیں، یہ دیکھ کر میری شادی مسمی مذکور سے کر دی، اور روز شادی سے شوہر میرے نے مجھ کو تکلیف نان و پارچہ کی دی، اور زد و کوب سے پیش آتا رہا، بلکہ ایک مرتبہ میں نے روپیہ نان و پارچہ کا بابت یک سال کے عدالت سے حاصل کیا، اور تین سو روپیہ کا بروقت ہونے شادی کے مہر باندھا تھا، اب شوہر میرا شراب خواری اور بھنگ نوشی کرتا ہے اور اس نے تنخواہ کہ جس کے اوپر مہر بندھا تھا، وہ بیچ ڈالی ہے، اب میں دعوے بابت مہر کے شوہر مذکور پر کرنا چاہتی ہوں، سو علمائے دین فرماویں، کہ اس میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، اس کا ارشاد مجھ کو فرمایا جاوے، اگر وہ اس جائداد کو تلف کر دے گا، تو میری زندگی کیونکر کٹے گی، کہ میں ہنوز صغیر سن ہوں، معروضہ ۲۶ مئی ۱۸۷۰ء سائلہ مسماۃ خانم جان۔ بینوا توجروا۔

الجواب: درصورتے کہ شوہر طاقت اور مقدور ادا کرنے مہر کی رکھتا ہوا ور

لے اگر تمام مہر مؤجل ہو تو عورت مجامعت سے روک نہیں سکتی، اگر تمام مہر مؤجل ہو، تو عورت کا حق ساقط ہو جائیگا وہ حق مہر کی وجہ سے مرد کو مجامعت سے روک نہیں سکتی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ مہر مؤجل کی اگر مدت معین ہو مثلاً ایک مہینہ یا ایک سال تو صحیح ہے، اور اگر کوئی مدت معین نہ ہو، تو علما کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں صحیح ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ ایک مدت معینہ فی نفسہا تو موجود ہے، اور وہ ہے طلاق یا موت ۲ے دستور شرط ہی کی طرح ہوتا ہے ۱۲

پھر باوجود قدرت ادا کے مہر زوجہ کا ادا نہ کرے اور جائداد اور سرمایہ اپنا نقل کرتا ہو بنا بر تلف و اسقاط کرنے مہر کے تو اس صورت میں حاکم وقت شوہر کی جائداد اور مال سے مہر زوجہ کا دلوا دے، اور جو نہ دے تو اس کو قید کرے، کہ وہ ظالم ہے کیونکہ ذی مقدور کا حیلہ کرنا ادائے دین مہر وغیرہ میں ظلم ہے۔ مطل الغنی ظلم ویحبس المدیون فی الثمن والقرض والمہر المعجل وما لزمہ بکفالۃ لا یحبس فی غیرہ ای غیر ما ذکر وھو تسع صور منہا مہر مؤجل ان ادعی المدیون الفقر اذا لاصل العسرۃ الا ان غریمہ علی غناہ ای قدرتہ علی الوفاء ولو باقتراض او بتقاضی غریم کذا فی تنویر الابصار والدر المختار قولہ ولو باقتراض ای ولو وجد المدیون من یقرضہ فلم یفعل فہو ظالم فیحبس لان الحبس جزاء الظالم وقد ثبت ظلمہ بوجود من یقرضہ حموی ھکذا فی الطحطاوی واللہ اعلم بالصواب

بالجملہ بروقت موجود ہونے مال بقدر ادائے دین مہر حسب طلب زوجہ کے واجب الادا ہوگا، اور نیز نان و نفقہ زوجہ کا شوہر پر واجب ہے، بشرطیکہ خانہ شوہر رہے، اور سکونت اختیار کرے، جیسا کہ کتب شرعیہ میں مذکور ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	عبدہ محمد یوسف ۱۲۸۴	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ایک دختر نابالغہ سے ہوا تھا، اب عرصہ آٹھ برس کا ہوگیا، اور وہ دختر بالغہ ہوئی، مگر خلوت کے وقت معلوم ہوا، کہ وہ صحبت کے لائق نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس کی شرمگاہ ایسی بند ہے کہ دخول ممکن نہیں، تو زید نے اس کو طلاق دے دی، پس سوال یہ ہے، کہ زید پر اس کا مہر واجب الادا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ جب کہ شرمگاہ اس عورت کی ایسی بند ہے، کہ دخول ممکن نہیں تو

لہ غنی اگر دیر کرے تو وہ ظلم ہے، مقروض کو قیمت، قرض اور مہر معجل کی عدم ادائیگی کی صورت میں قید کیا جا سکتا ہے، مہر مؤجل میں قید نہیں ہوگا، اگر مقروض تنگدستی کا عذر کرے، تو اسے قید نہ کیا جائے گا، سوائے اس صورت کے کہ قرضخواہ دلائل سے ثابت کرے کہ یہ غنی ہے قرضہ ادا کر سکتا ہے، یا اسے قرض مل سکتا ہے یعنی اگر مقروض کو کوئی آدمی ایسا مل جائے جو اسے قرضہ دینے پر تیار ہو، اور پھر بھی وہ قرضہ ادا نہ کرے تو وہ ظالم ہے اسے قید کیا جائے گا، کیونکہ ظالم کا یہی بدلہ ہے علاوہ اس کا ظلم قرضہ دینے والے کے وجود سے ثابت ہو چکا

وہ خلوت صحیحہ نہ ہوئی، تو اس صورت میں اس شخص پر مہر دینا لازم اور واجب نہیں ہوگا، شرعاً کہ مانع وطی کا عورت کی طرف سے پایا گیا، تو مہر اس کا ساقط ہوا۔ کان المہر یتاکد بالوطی او الخلوۃ الصحیحۃ بلا مانع شرعی وطبعی وحسی ومن الحسی رتق وقرن وعفل یقال امراۃ رتقاء بینۃ الرتق اذا لم یکن لہا خرق الا المبال انتہی ما فی الدر المختار والطحطاوی وغیرہ مختصراً والمہر یتاکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین ومن الموانع لصحۃ الخلوۃ ان تکون المراۃ رتقاء او قرناء او عفلاء او شعراء کذا فی العالمگیریۃ وغیرہا۔ ان چاروں لفظوں کے معنی متقارب ہیں یعنی شرمگاہ عورت کی ایسی ہو کہ قابل وطی اور دخول کے نہ ہو اور تفصیل اس کی کتب مطولات فقہیہ میں ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ ۲۰ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ — سید محمد نذیر حسین

سوال: مہر معجل کے کیا معنی ہیں، اور مہر مؤجل کے کیا معنی ہیں، اور جو مدت نکاح میں مہر معجل یا مؤجل کو احساناً نہ کہا، تو بعد طلاق اور مدت عدت کے درمیان مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: مہر معجل اس کو کہتے ہیں، کہ جس کا مطالبہ بلا قید موت وطلاق کے بالفعل پہنچے، جب چاہے عورت اپنا مہر معجل شوہر سے طلب کرے، خواہ قبل از وطی یا بعد وطی اور بعد طلاق کے بطریق اولیٰ دعوے پہنچے گا، الغرض ہر طرح سے دعوی اس کو پہنچتا ہے۔ لہا منعہ من الوطی ودواعیہ شرح مجمع ولہا النفقۃ بعد المنع ولہا السفر والخروج من بیت زوجہا للحاجۃ ولہا زیارۃ اہلہا بلا اذنہ مالم تقبضہ ای المعجل کذا فی تنویر الابصار والدر المختار۔ بخلاف مہر مؤجل کے کہ اس میں مطالبہ عورت کو بعد طلاق یا موت کے پہنچتا ہے، قبل از طلاق وموت کے دعوی شرعاً مسموع

لہ کیونکہ حق مہر مؤکد ہو جاتا ہے وطی سے یا خلوت صحیحہ سے جب کہ کوئی شرعی، حسی، طبعی رکاوٹوں میں سے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور حسی رکاوٹوں میں سے ایک یہ ہے، کہ عورت کی شرمگاہ اتنی تنگ ہو کہ دخول ناممکن ہو، یا مرد، عورت میں سے ایک کی موت سے (فتاوی عالمگیری)

نہ ہوگا۔ وکلا لو اجل کلہ۔ فانہ لو اجل کل المہر فقد سقط حقہا فلا یکون لہا منع النفس لاخذہ کذا فی شرح الوقایۃ وغیرہ لاخلاف لاحد ان تاجیل المہر الی غایۃ معلومۃ نحو شہر او سنۃ صحیح وان کان لا الی غایۃ معلومۃ فقد اختلف المشائخ قال بعضہم یصح وھو الصحیح وھذا لان الغایۃ معلومۃ فی نفسہا وھو الطلاق او الموت الی اخرما فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ اور جو مہر مؤجل ایک مدت دراز تک عورت نے طلب نہ کیا، تو پھر جب چاہے خواہ اندر نکاح کے خواہ بعد طلاق کے دعوے اس کو پہنچتا ہے۔ دین المہر کسائر الدیون ولہا الا نظار ومتی طلبت یصح دعواہا کذا فی جامع الرموز وغیرہ من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال: عرصہ تین سال کا ہوا، کہ مسمی احمد کا نکاح ساتھ ہندہ کے ہوا تھا اور اس کے ایک بچہ بھی پیدا ہوا، اب ہندہ مذکورہ خفا ہوکر اپنے باپ کے یہاں جا رہی، احمد مذکور بلاتا ہے، تو وہ آتی نہیں ہے، اور کہتی ہے، کہ جب تک مہر میرا احمد نہ دیگا، تب تک میں اس کے پاس نہ آوں گی، اب مطالبہ کرنا مہر کا ہندہ کو پہنچتا ہے یا نہیں، اور بروقت تحریر مہر نامہ اور وقت ایجاب وقبول کے کچھ تصریح مہر معجل یا مؤجل کی نہ ہوئی تھی بینوا توجروا

الجواب: در صورت مرقومہ ہرگاہ وقت تحریر مہر نامہ اور وقت ایجاب وقبول کے تصریح مہر معجل ومؤجل کی نہ ہوئی، تو اعتبار عرف عام کا ہوگا، پس اگر عرف میں درصورت مذکورہ بعض معجل ادا کیا جاتا ہے، اور بعض مؤجل آیندہ پر ادا ہوتا ہے، تو مطابق عرف کے مطالبہ پہنچے گا۔ لان العرف کالشرط کذا فی الدر المختار وغیرہ وان لم یبینوا شیئا ینظر الی المرأۃ والی المہر المذکور فی العقد انہ کم یکون المعجل لمثل ھذہ المرأۃ

۱؎ اگر سارا حق مہر مؤجل ہو، تو عورت کے حقوق ساقط ہو جائیں گے اور حق مہر کی وصولی کے لئے مرد کو مجامعت سے نہیں روک سکتی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اگر حق مہر مؤجل ایک مدت معینہ تک ہو، مثلا مہینہ تک یا سال تک تو صحیح ہے، اگر مدت معین نہ ہو، تو علماء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا، اس کا دعوی صحیح ہے اور یہی صحیح ہے، اس لئے کہ ایک مدت تو معلوم فی الذہن ہے اور وہ ہے طلاق یا موت ۲؎ حق مہر کا قرض بھی دوسرے قرضوں کی طرح ہے، عورت مرد کو مہلت دے سکتی ہے اور جب بھی وہ مطالبہ کرے اس کا دعوی صحیح ہے۔ ۳؎ اگر حق مہر کا بیان مکمل نہ ہوا ہو، تو عورت اور نکاح کے حق مہر پر غور کیا جائے گا

من مثل ھذا المھر فیجعل ذلک معجلا ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وانما ینظر الی المتعارف کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ اور عرف شاہجہان آباد اور نواح اس کے کا یہ ہے کہ کل مہر مسمی بلا قید تعجیل وقت عقد نکاح کے مذکور ہوتا ہے اور کچھ مہر معجل ادا کرنا متعارف عرف نہیں ہے، تو دعوے عورت کا بالفعل نہ کل مہر میں پہنچے گا، نہ بعض میں کیونکہ خلاف عرف کے قول عورت کا مسموع نہ ہوگا شرعاً۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: اگر بروقت انعقاد نکاح کے کل مہر معجل قرار نہ پایا ہو، تو اس صورت میں دعوے زوجہ کا بابت مہر کے فی الحال شوہر پر باطل اور نامسموع ہوگا، ہاں جب شوہر طلاق دے یا زن و شوہر میں سے کوئی فوت ہو جاوے، اس وقت دعوے مہر صحیح اور مقبول ہوگا، ہکذا فی کتب الحنفیۃ واللہ اعلم سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح عمر کی دختر ہندہ سے چار برس گذرے منعقد ہوا تھا، زید سے بروقت نکاح یہ شرط لکھائی تھی، کہ ہندہ بخانہ والدین رہیگی بلا رضامندی اپنے گھر نہ لے جاؤں گا، مگر ہندہ روز شادی سے بخانہ شوہر رہی، پدر ہندہ ایک یوم کو لے گیا، عند الطلب زید نے نہ بھیجا، مجبوراً زید نے دعوے بازدے عورت دائر کیا، عمر نے عدالت میں عذر کیا، کہ شرط نوشتہ نکاح پر عمل ہو، شرط مذکور عدالت سے فاسد قرار پا کر ڈگری بازدے عورت صادر ہوئی، عمر نے اپیل کی، اپیل بھی خارج ہوئی، بعدہ عمر نے دعویٰ طلاق بدین نمط دائر کر دیا، کہ پونے دو سال ہوئے، جب طلاق دے دی تھی، مگر طلاق بھی خارج ہوئی، اب دعوے مہر کیا ہے، تا وقتیکہ مہر ادا نہ ہو، عورت نہ پا دے، اب عذرات زید وتمہید سوال پر حکم شرع صادر ہو، کابین نامہ مہر معینہ مصرح نہیں ہے نہ معجل ہے اور نہ مؤجل اور نہ عند الطلب لکھا ہے تا وقتیکہ فسخ نکاح نہ ہو، واجب للادا نہیں ہے گیارہ ماہ سے مقدمات دائر ہیں، اگر عذر مہر تھا، تو عدالت ابتدائی میں کرتا تھا، ہر دعوے عمر میں نقیض ہے، مسماۃ چار برس تک میری زوجیت میں رہی، اور دو اولادیں بھی ہوئیں، اگر معجل بھی ہوتا، تو اس موقع پر مؤجل تصور کیا جاتا، اور مقابل شوہر میں اعتراض واجب نہیں ہوتا، معاوضہ مہر معینہ جائداد زرعی زید مکفول کرالی ہے اور یہ بھی لکھا لیا ہے، کہ تا ادائے مہر زمین مکفولہ تصفیہ و اختیار مسماۃ کے رہے گی، مسماۃ کے خاندان

کہ ایسی عورت کا کتنا حق مہر معجل ہوتا ہے، آتنا معجل کر دیا جائے گا اور چوتھائی یا پانچویں حصہ کی تعیین نہ کی جائے گی، بلکہ دستور کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

میں آج تک یہ دستور نہیں رہا کہ مہر پہلے ادا کیا جاوے، پس اب یہ عذر کہ مہر لے کر بجانہ شوہر آوے شرعاً کیسا ہے، فقط۔

الجواب مخفی نہ رہے کہ اس صورت میں کہ جب تصریح اس امر کی نہیں کی گئی کہ مہر معجل یا مؤجل عند الطلب ہے تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا یعنی دیکھا جائے گا کہ ایسی صورت میں مہر معجل ہوتا ہے یا مؤجل، اور چونکہ مسماۃ کے خاندان میں مہر مؤجل کا دستور نہیں ہے اس لئے یہ مہر بھی معجل قرار دیا جاوے گا کیونکہ ایسے امور میں اعتبار عرف کا کیا گیا ہے چنانچہ قرآن شریف میں بھی اکثر جگہ عرف کا اعتبار کیا گیا ہے، اور بنا بر اسی اعتبار عرف کے فقہاء نے لکھا ہے۔ المعروف کالمشروط شرح وقایہ میں ہے۔ ولفظ المختصر والمؤجل ان بینا والا فالمتعارف عمدۃ الرعایہ میں ہے والا فالمتعارف ای ان لم یبینا ان الکل معجل او مؤجل وبعضہ معجل ینظر الی المسمی والی المرأۃ ان مثل ھذہ المرأۃ کم یکون لھا من ھذا المسمی معجلا وکم یکون مؤجلا، وما ذکر فی مجموع النوازل انہ یقضی لھا بنصف المھر معجلا فانما ذلک بناء علی عرف اھل سمرقند فانھم یعجلون النصف کذا فی الذخیرۃ۔ پس ایسی صورت میں کہ کچھ معجل اور کچھ مؤجل ہوتا ہے، اور اس امر کی تصریح نہ کرنے سے عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور صورت مسئولہ میں جب کہ معجل کا دستور بالکل نہیں ہے اس لئے یہ مہر کل مؤجل قرار دیا جائے گا، اب صورت میں عورت کا یہ عذر کہ جب تک مہر نہ لے لے بجانہ شوہر نہ جائے صحیح نہیں ہے، شرح وقایہ میں ہے۔ ولا لو اجل کلہ فانہ لو اجل الکل فقد سقط حقھا فلا یکون لھا منع النفس لاخذہ۔ اور چونکہ اس مہر میں تعیین مدت کی بھی نہیں ہے، اور نہ عند الطلب ہے اس سے لئے شوہر پر اس وقت ادا کرنا واجب نہیں ہے تاوقتیکہ طلاق یا موت واقع نہ ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان کان (تاجیل المھر) لا الی غایۃ معلومۃ فقد اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم یصح وھو الصحیح وھذا لان الغایۃ معلومۃ فی نفسھا وھو الطلاق او الموت الا یری ان تاجیل البعض صحیح وان لم ینصا الی غایۃ معلومۃ کذا فی المحیط واللہ اعلم بالصواب۔[1]

کتبہ محمود عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین
سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵

سید محمد عبد السلام غفر لہ ۱۲۹۹

[1] ان تمام عربی عبارتوں کے تراجم چونکہ پچھلے صفحات میں گذر چکے ہیں، اس لئے ترجمے نہیں دیئے گئے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا، کہ تجھے کچھ مہر نہیں ملے گا، پس یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اور فقہائے حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہوا، اور زید نے جو شرط مہر نہ دینے کی کی ہے، وہ لغو ہے، تفسیر مظہری سورہ نساء صفحہ ۵۶۷ میں ہے اختلفوا فیما اذا تزوج بشرط ان لا مہر لہا فقال مالک لا یصح ہذا النکاح لانہ عقد معاوضۃ کالبیع والبیع بشرط ان لا ثمن لا یصح اجماعا فکذا النکاح قلنا لیس النکاح عقدا معاوضۃ وانما وجب المہر حکما شرعا اظہارا لشرف المحل ولو کان عقد معاوضۃ کالبیع لما صح النکاح عند ترک التسمیۃ کما لا یصح البیع عند ترک ذکر الثمن فالشرط بان لا مہر شرط فاسد وبہ لا یفسد النکاح ویلغو الشرط والثمن رکن فی البیع لا یصح البیع بدونہ فافترقا انتہی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	سید شریف حسین

ؔ اس میں اختلاف ہے، کہ اگر کوئی اس شرط پر نکاح کرے، کہ حق مہر نہیں ہوگا، تو امام مالک کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے۔ بیع کی طرح اور بیع میں اگر یہ شرط ہو کہ قیمت نہیں دوں گا، تو وہ بیع صحیح نہ ہوگی ایسے ہی نکاح بھی صحیح نہ ہوگا، ہم کہتے ہیں کہ نکاح عقد معاوضہ نہیں ہے بلکہ حق مہر شرعی حکم سے محل کی شرافت کے لئے واجب ہوا ہے، اگر بیع کی طرح یہ عقد معاوضہ ہوتا، تو جب مہر مقرر نہ ہوتا، تو نکاح درست نہ ہوتا، جیسے بیع قیمت کے تعین کے بغیر صحیح نہیں ہوتی تو اس صورت میں یہ شرط کہ حق مہر نہیں ہوگا، ایک فاسد شرط ہے، اور نکاح اس سے باطل نہیں ہوگا بلکہ شرط لغو ہوگی، اور بیع میں قیمت رکن ہے، بیع اس کے بغیر درست نہیں ہوتی تو ان دونوں میں فرق ہو گیا۔

الحمد للہ کہ فتاوی نذیریہ کی دوسری جلد

ختم ہوئی

سنن ابن ماجہ شریف (اردو ترجمہ)

چار ہزار سے زائد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلامی فقہی احکام و مسائل کا بہترین مجموعہ جسے حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی نے مرتب فرما کر مسلمانان عالم پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ صحاح ستہ کتب احادیث میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور محدثین نے ان کتابوں کے درجے قرار دے کر ان کی ترتیب دی ہے۔ سنن ابن ماجہ شریف صحاح ستہ میں ایک صحیح و مستند کتاب تسلیم کی گئی ہے۔

یہ ترجمہ کئی سال سے نایاب تھا اب اس کو ضروری قواعد و تشریحات کے اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ احادیث و ابواب کے سلسلہ وار نمبر دئیے گئے ہیں صفحہ کے اوپر والے حصہ میں عربی متن مع اعراب، درمیان میں ترجمہ اور نیچے حاشیہ و تشریح ہے۔ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے مگر علیحدہ علیحدہ حصے بھی مل سکتے ہیں۔

ترجمہ و فوائد: حضرت علامہ وحیدالزمان خان رحمہ

تشریح و تصحیح: مولانا محمد سلیمان صاحب کیلانی

کتابت۔ طباعت و جلد سازی عمدہ۔ کاغذ گلیز۔ دیدہ زیب ڈسٹ کور

قیمت جلد اول -/۲۰ - جلد دوم -/۱۶ - جلد سوم -/۱۲ - کامل سیٹ ۴۸ روپے۔

"مفردات القرآن"

امام راغب اصفہانی کا شاہکار ہے۔ یہ کتاب اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے جس درجہ علمائے متاخرین میں مقبول ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شارحین حدیث علامہ ابن حجر اور علامہ عینی اور دیگر فضلاء نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب عربی کی ادق ترین کتب میں شمار ہوتی ہے اردو دان حضرات جو قرآن کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں اس کتاب سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ فاضل مترجم نے اس کو اردو کا لباس پہنا کر ان لوگوں کیلئے سہولت پیدا کر دی ہے۔ طبع جدید میں احادیث و اشعار کی مکمل تخریج کر دی ہے۔ آیات قرآنیہ کے نمبر لگا دئیے ہیں جس سے قرآن پاک کی ایک مکمل لغات اور بہت سے علمی فوائد کا مرقع بن گئی ہے۔

یہ لغات تیرہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں اصول تفسیر پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

ترجمہ۔ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد عبدہ صاحب

قیمت ۳۲ روپے

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار۔ لاہور